مرآۃ المناجیح

اردو ترجمہ وشرح

مشکوۃ المصابیح

مصنف

جلد (ششم)

حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی

نعیمی کتب خانہ گجرات

باب العقیقۃ

عقیقہ کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ **عقیقہ** بنا ہے **عق** سے بمعنی کاٹنا،الگ کرنا،اس لیے ماں باپ کی نافرمانی کو **عقوق** کہتے ہیں اور نافرمان اولاد کو عاق کیونکہ وہ نافرمان بھی اپنے ماں باپ بلکہ خدا تعالٰی کی رحمت سے کٹ جاتا ہے،الگ ہوجاتا ہے۔اصطلاح شریعت میں عقیقہ،بچے نومولود کے سر سے اتارے ہوئے بال بھی عقیقہ ہیں اور اس حجامت کے وقت ذبح کیا ہوا جانور بھی عقیقہ ہے یعنی الگ کیے ہوئے بال اور سر کاٹا ہوا جانور۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں عقیقہ واجب ہے،باقی اماموں کے ہاں سنت۔امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قربانی کے واجب ہونے سے تمام ذبیحہ منسوخ ہوگئے جیسے روزۂ رمضان واجب ہونے سے تمام دوسرے روزے منسوخ ہوگئے،غسل جنابت واجب ہونے سے اور دوسرے دنوں کے غسل منسوخ ہوئے۔(اشعۃ اللمعات)امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عقیقہ کے وجوب کا انکار فرماتے ہیں،سنیت کا نہیں کیونکہ غسل جنابت سے جمعہ و عیدین کے غسل کی سنیت باقی ہے وجوب ختم ہوا،یوں ہی زکوۃ کی فرضیت سے صدقہ فطر باقی ہے لہذا قول یہ ہے کہ عقیقہ سنت ہے۔
عقیقہ کے احکام قربانی کی طرح ہیں کہ عقیقہ کی بکری ایک سال سے کم نہ ہو،گائے دوسال سے اور اونٹ پانچ سال سے،نیز بکری صرف ایک کی طرف سے ہوسکتی ہے،گائے اونٹ میں سات عقیقہ ہوسکتے ہیں اس طرح کہ لڑکے کے دو حصے لڑکی کے لیے گائے وغیرہ کا ایک حصہ۔عقیقہ کا گوشت بھی قربانی کی طرح تین حصے کیا جائے:ایک حصہ خیرات،ایک حصہ عزیزوں میں تقسیم اور ایک حصہ اپنے گھر کھایا جائے۔سری نائی کو،ران دائی کو دی جائے اگر وہ دونوں مسلمان ہوں،بقیہ احکام کتب فقہ میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت سلمان ابن عامر ضبی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بچہ کے ساتھ عقیقہ ہے ۲؎ تو اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے گندگی ۳؎ دور کرو۔(بخاری)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،بصری ہیں،آپ کے سوا کوئی بصری صحابی راوی حدیث نہیں۔(مرقاۃ)

۲؎ یعنی ہر بچہ کے ساتھ عقیقہ سنت ہے جو اس کی ولادت کے ساتویں روز کیا جائے کہ بچہ کے بال مونڈ دیئے جائیں،بکری ذبح کردی جائے لڑکی کی طرف سے ایک،لڑکے کی طرف سے دو،اسی دن اس کا نام رکھا جاوے،بالوں کی برابر چاندی وزن کرکے خیرات کردی جائے۔

۳؎ گندگی سے مراد سر کے بال ہیں کیونکہ وہ بال ماں کے پیٹ سے ساتھ آتے ہیں،آلائش میں لتھڑے ہوتے ہیں اگرچہ دائی غسل دیتے وقت انہیں دھودیتی ہے مگر ان کا سر سے دور کردینا اچھا ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ گندگی دور کردینے سے مراد بچہ کا ختنہ کردینا ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بچے لائے جاتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دعائے برکت دیتے اور ان کی تحنیک کرتے تھے ۱؎(مسلم)	

۱؎ تحنیک یہ ہے کہ کوئی بزرگ چھوہارا یا کوئی میٹھی چیز اپنے منہ میں چباکر بچے کے تالو سے لگادے تاکہ سب سے پہلے بچہ کے منہ میں مقبول الٰہی کالعاب اور شیرینی پہنچے۔پہلی غذا کا بچہ پر بڑا اثر پڑتاہے،بزرگانِ دین پہلا پھبا بزرگوں سے دلواتے ہیں،اہلِ مدینہ خوش نصیب تھے کہ ان کے نومولود بچوں کو پہلے حضور انور کی گود،حضور کی دعا،حضور کا لعاب نصیب ہوتا تھاہم تو مدینہ کی گلیوں کو ترستے ہیں۔

روایت ہے حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہ وہ مکہ معظّمہ میں عبداللہ ابن زبیر کی حاملہ ہوئیں فرماتی ہیں کہ قبا میں میرے ہاں ولادت ہوئی ۱؎ پھر میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائی اور حضور کی گود میں رکھاآپ نے چھوہارا منگایا اسے چبایاپھر ان کے منہ میں تھوک دیا پھر ان کی تحنیک کی ۲؎ پھر ان کے لیے برکت کی دعا مانگی اور یہ اسلام میں پہلا بچہ تھا جو بچہ پیدا ہوا ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ حضرت اسماء جناب صدیق اکبر کی صاحبزادی اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کی بہن ہیں،حضرت زبیر ابن عوام کے نکاح میں تھیں،عبداللہ بن زبیر جو مشہور صحابی ہیں ان کی والدہ ماجدہ ہی فرماتی ہیں کہ میں عبداللہ بن زبیر کی حاملہ تو ہوچکی تھی قبل ہجرت مگر ان کی ولادت بعد ہجرت مقام قباء میں ہوئی،قباء ایک بستی تھی مدینہ منورہ سے متصل اب وہاں مسجد قباء تو ہے مگر وہ محلّہ آباد نہیں،عبداللہ ابن زبیر اسلام میں پہلے وہ بچہ ہیں جو مہاجرین کے گھر پیدا ہوئے۔

۲؎ یعنی اولًا لعاب دہن سے مخلوط چھوہارا ان کے منہ میں ڈالا پھر اسے ان کے تالو سے مل دیالہذا عبارات میں تکرار نہیں۔

۳؎ یعنی مہاجر گھرانوں میں پہلے آپ پیدا ہوئے ورنہ ان سے پہلے انصار کے گھر نعمان ابن بشیر پیدا ہوئے،مدینہ میں مشہور ہوگیا تھا کہ یہود مدینہ نے مسلمان مہاجروں پر جادو کردیا ہے کسی مہاجر کے اولاد نہ ہوگی،آپ کی پیدائش سے مسلمانوں کو بہت ہی خوشی ہوئی کہ لوگوں کا یہ خیال باطل ہوگیا۔۱۲

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ام کرز سے ۱؎فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ پرندوں کو ان کے گھونسلوں میں رکھو ۲؎فرماتی ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ہیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ۳؎ تمہیں مضر نہیں کہ نر ہوں یا مادہ ۴؎(ابوداؤد،ترمذی)اور نسائی نے یہاں سے روایت کی عن الغلام،الخ اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

۱؎آپ قبیلہ بنی خزاعہ کے خاندان کعب سے ہیں،مکہ معظمہ کی رہنے والی ہیں۔

۲؎ مکنہ چڑیوں کا وہ مکان جو وہ تنکوں وغیرہ سے بنالیتی ہیں وہاں ہی رہتی بستی ہیں،وہاں ہی انڈے دیتی ہیں۔اہلِ عرب پرندوں کو فال لینے کے لیے ان کے گھونسلوں سے اڑادیتے تھے کہ اسے ششکاری دی اگر وہ داہنی طرف اڑ گیا تو سمجھے ہم کامیاب ہوں گے اگر بائیں طرف اڑا تو سمجھو ہم ناکام ہوں گے یہاں اس سے منع فرمایا جارہا ہے۔

۳؎غالب یہ ہے کہ یہ جملہ مستقل دوسری حدیث ہے پہلی حدیث کا تتمہ نہیں۔

۴؎یعنی یہ ضروری نہیں کہ لڑکے کے عقیقہ کے لیے نر بکرے چاہئیں اور لڑکی کے عقیقہ کے لیے مادہ بکری ضروری ہے بلکہ لڑکے کے لیے مادہ مؤنث بکری اور لڑکی کے عقیقہ کے لیے نر بکرے بھی ذبح کئے جاسکتے ہیں،یہ بھی درست ہے کہ لڑکے کے لیے ایک نر بکرا اور دوسری مادہ بکری ذبح کردی جائے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ شاۃ نر اور مادہ دونوں پر بولا جاتا ہے لہذا یہ عبارت ذکرانا کن او اناثا بالکل درست ہے۔

	روایت ہے حسن سے وہ حضرت سمرہ سے راوی ۱؎فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکا اپنے عقیقہ میں گروی ہوتا ہے ۲؎ساتویں دن اس کی طرف سے ذبح کیا جائے اور نام رکھا جائے اس کا سر مونڈا جائے ۳؎ احمد،ترمذی، ابوداؤد، نسائی۔لیکن ان دونوں کی روایت میں بجائے مرتہن کے رھینۃ ۴؎ہے اور احمد و داؤد کی روایت میں نام رکھنے کی بجائے ہے کہ خون سے لتھیڑ دیا جائے ۵؎ابوداؤد نے کہا یسمّٰی زیادہ صحیح ہے ۶؎

۱؎ خواجہ حسن بصری تابعی ہیں اور حضرت سمرہ ابن جندب صحابی ہیں،ان صحابی کا آخری زمانہ میں قیام بصرہ میں رہا،آپ سے خواجہ حسن بصری اور ابن سیرین وغیرہ جلیل القدر تابعین نے روایات لیں،آپ کے حالات بارہا بیان کیے جاچکے ہیں۔

۲؎ یعنی بچہ دنیاوی آفات و مصیبتوں کے ہاتھوں میں ایسا گرفتار ہوتا ہے جیسے گرو چیز قرض کے قبضہ میں قید ہوتی ہے کہ اس سے مالک نفع حاصل نہیں کرسکتا یا مطلب یہ ہے کہ بچہ کی شفاعت اپنے باپ وغیرہم کے لیے عقیقہ پر موقوف ہے کہ اگر بغیر عقیقہ فوت ہوگیا تو ممکن ہے کہ ماں باپ کی شفاعت نہ کرے۔(مرقات) خیال رہے کہ یہاں مرتہن بمعنی رہین یا مرہون ہے۔

۳؎ یعنی بچہ کی ولادت کے ساتویں دن یہ تین کام کیے جائیں: اس کا نام رکھنا،سرمنڈوانا استرے سے اورجانور ذبح کرنا سنت یہ ہی ہے اور اگر ساتویں دن نہ ہوسکے تو پندرھویں دن یا جب کبھی بھی عقیقہ ہوسکے تو ساتویں دن کا حساب لگایا جائے کہ جب بھی عقیقہ کیاجائے اس کی پیدائش سے ایک دن پہلے کیا جائے مثلًا اگر بچہ جمعہ کے دن پیدا ہوا ہے تو جب بھی عقیقہ کیا جائے جمعرات کو کیا جائے۔

۴؎ مرتہن اور رہینہ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں صرف لفظ کا فرق ہے۔

۵؎ یعنی بچہ کے سر پر ذبیحہ کا خون مل دیا جائے۔

۶؎ لہذا سنت یہ ہے کہ بچہ کے سر پر بجائے خون کے زعفران ملا جائے کیونکہ خون نجس ہے اور بدبودار بھی اور زعفران پاک ہے اور خوشبودار بھی۔

روایت ہے محمد ابن علی ابن حسین سے ۱؎ وہ حضرت علی ابن ابی طالب سے راوی فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک بکری سے عقیقہ کیا ۲؎ اور فرمایا فاطمہ اس کا سر منڈا دو اور ان کے بالوں کے وزن کی چاندی خیرات کردو تو ہم نے بال تولے تو ایک درہم یا بعضہ درہم وزن ہوا ۳؎(ترمذی)اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد متصل نہیں کیونکہ محمد ابن علی ابن حسین نے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو نہ پایا ۴؎	

۱؎ آپ کا نام شریف محمد ہے،لقب امام باقراور آپ کے والد ماجد کا نام علی ہے لقب امام زین العابدین،ان کے والد ماجد کا نام اقدس حضرت امام حسین لقب شہید کربلا واقعہ کرب و بلا رضی اللہ عنہم اجمعین۔امام زین العابدین ہر شب ایک ہزار رکعت نفل پڑھتے تھے،امام باقر کی کنیت ابوجعفر ہے،آپ تابعین میں سے ہیں،حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ملاقات ہے،آپ کے بیٹے امام جعفر صادق ہیں،امام باقر کی ولادت ۵۶ھ چھپن ہجری میں ہوئی اور موت

۱۷ھ یا ۱۱۸ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے،تریسٹھ سال عمر شریف ہوئی۔اس گنہگار نے بارہا قبر انور کی زیارت کی ہے۔

۲؎ حضرات حسنین کریمین کے عقیقوں کے متعلق تین روایات آئی ہیں:ایک،ایک بکری سے عقیقہ فرمایا،دو۲،دو۲ بکریوں سے عقیقہ فرمایا،بکری سے عقیقہ فرمایا یعنی اس میں ایک یا دو کا ذکر نہیں،یہ تیسری روایت ہے۔اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ ایک ایک بکری کی روایت صحیح ہےاور دو۲،دو۲ کی روایت زیادہ صحیح ہے۔علماء کرام فرماتے ہیں کہ لڑکے کا عقیقہ ایک بکری سے جائز ہےدو سے بہتر ہےکیونکہ ایک بکری کی حدیث فعلی ہے اور دو کی حدیث قولی یعنی حکم دیا دو کااورجب قول و فعل میں تعارض معلوم ہو تو ترجیح قولی کو ہوتی ہے،نیز دو بکریوں کی حدیث بہت صحابہ کرام سے مروی ہے،نیز ایک بکری میں جواز کا ذکر دو۲ کی روایت میں استحباب کا۔

۳؎ یہ شک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہےیا کسی نیچے کے راوی کی طرف سے۔

۴؎ کیونکہ امام محمد باقر کی ولادت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے عرصہ بعد ہوئی لہذا درمیان میں کوئی راوی رہ گیا ہے اورحدیث منقطع ہےیا بعض محدثین کی اصطلاح میں مرسل ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن اور حسین کی طرف سے ایک ایک بھیڑ عقیقہ کیا۔(ابوداؤد)نسائی کے نزدیک دودو بھیڑیں ہیں ۱؎	

۱؎ یعنی اس روایت میں تعارض ہے۔ہم ابھی پچھلی حدیث میں دو بکریوں کی روایت کی چند وجوہ ترجیح عرض کرچکے ہیں۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں پوچھا گیا ۱؎ تو فرمایا اللہ عقوق کو پسند نہیں کرتاشاید حضور نے یہ نام ناپسند کیا ۲؎ اور فرمایا جس کے بچہ پیدا ہو پھر وہ چاہے کہ اس کی طرف سے جانور دے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں دے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ۳؎ (ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ یا تو یہ پوچھا کہ عقیقہ کرنا واجب ہے یا سنت یا مستحب یا یہ پوچھا کہ اسے عقیقہ کہنا کیسا ہےیعنی اسم یا مسمّٰی کے متعلق دریافت کیا۔

۲؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ جن احادیث میں لفظ **عقیقہ** آیا ہے وہ ممانعت سے پہلے کی ہیں اور یہ حدیث ان کی ناسخ ہے،بعض نے اس کے برعکس کہا ہے کہ یہ حدیث ممانعت منسوخ ہے اور وہ احادیث ناسخ ہیں۔فقیر کے

نزدیک دوسرا قول زیادہ قوی ہےاور لفظ **عقیقہ** بولنا بلاکراہت جائزہے۔اس جملہ پاک کا مطلب یہ ہے کہ عقیقہ میں شبہ ہوتا ہے کہ یہ لفظ **عقوق** سے بنا ہوجس کے معنی ہیں والدین کی نافرمانی اور ناحق شناسی لہذا اس کا نام عقیقہ مت رکھو۔

۳؎یعنی اس عمل کو عقیقہ نہ کہو بلکہ نسیکہ کہو کہ اسمیں فاسد معنی کا احتمال نہیں۔یہاں تصریح ہوگئی کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں چاہئیں اور لڑکی کی طرف سے ایک،یہ ہی سنت ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو رافع سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے حسن ابن علی کے کان میں نماز کی اذان کہی جب کہ انہیں جناب فاطمہ نے جنا ۱؎(ترمذی،ابوداؤد)اور ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

۱؎یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن کی ولادت کے وقت ان کے کان میں بعینہٖ وہی اذان کہی جو اذان نماز کے لیے کہی جاتی ہے۔حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا مروی ہے کہ جس بچہ کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہی جائے تو اسے ان شاءاللہ ام الصبیان کی بیماری نہیں ہوتی۔(مسند ابویعلی موصلی و مرقات)حضرت عمر بن عبدالعزیز یہ ہی عمل کرتے تھے،یہ سنت ہے۔(مرقاۃ)اس سے بچہ کے کان میں پہلی آواز اللہ کے نام کی پہنچتی ہے،نیز اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔(اشعۃ اللمعات)اس سے معلوم ہوا کہ اذان صرف نماز کے لیے نہیں ہے اور موقعہ پر بھی سنت ہےاس لیے بعد دفن قبر پر اذان دی جاتی ہے،اذان کے مواقع ہم باب الاذان میں بیان کرچکے ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت بریدہ سے ۱؎فرماتے ہیں کہ ہم تھے دور جاہلیت میں کہ جب ہم میں سے کسی کے بچہ پیدا ہوتا تو وہ بکری ذبح کرتا اور اس کے سر کو بکری کے خون سے لتھیڑ دیتا پھر جب اسلام آیا تو ہم ساتویں دن بکری ذبح کرتے تھے اور بچہ کا سر منڈواتے اسے زعفران سے لتھیڑتے ۲؎(ابوداؤد)اور رزین نے زیادہ کیا کہ نام رکھتے۔

۱؎آپ بریدہ ابن حصیب اسلمی ہیں،غزوہ بدر سے پہلے ایمان لائے،مشہور صحابی ہیں،آپ کے حالات بارہا بیان ہوچکے۔

۲؎یعنی کہ اسلام میں بچہ کے سر پر بکری کا خون نہیں لیپتے کہ وہ نجس ہے اس کی بجائے زعفران سے بچہ کا سر لیپ دیتے ہیں مگر سر مونڈنے کے بعد۔یوں ہی بعض صوفیاء مرغ کے خون سے بعض تعویذ لکھتے ہیں مگر چاہیے کہ ایسے تعویذ مرغ کے دل کو زعفران و گلاب میں پیس کر لکھے جاویں۔یہاں اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد ظہور نبوت اپنا عقیقہ خود کیا۔واللہ اعلم!عقیقہ کا گوشت اگر کچا تقسیم کردیں تو بھی درست ہے،اگر پکا تقسیم کریں یا کھلادیں تب بھی درست ہے۔واللہ و رسولہ اعلم!

کتاب الاطعمۃ

کھانوں کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ جو چیز کھائی جائے وہ **طعام** ہے،اس کی جمع **اطعمه** ہےخواہ غذاءً کھائی جائے یا دواءً یا لذت کے لیے۔یہاں طعام سے مراد مطلقًا کھانے پینے کی چیزیں ہیں یعنی اس میں دودھ،پانی،شربت وغیرہ بھی شامل ہیں۔اس بیان میں کھانوں کی تفصیل اور کھانا کھانے کے آداب ان کے احکام سب ہی بیان ہوں گے۔

روایت ہے حضرت عمر ابن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں بچہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھا اور میرا ہاتھ پیالے میں گھومتا تھا ۲؎ تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا نام لو اور اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ عمر ابن عبداللہ ابن عبدالاسد ہیں،قرشی مخزومی ہیں،جناب ام سلمہ رضی اللہ عنها کے فرزند حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے بیٹے ہیں۔ ۲؁ ہجری میں حبشہ میں پیدا ہوئے،حضور انور کی وفات کے وقت آپ کی عمر نو سال تھی ۸۳ھ؁ میں عبدالملک ابن مروان کے زمانہ حکومت میں وفات پائی،جنت البقیع شریف میں دفن ہوئے،جب حضور انور نے حضرت ام سلمہ سے نکاح کیا تو آپ کو اور آپ کی بہن زینب کو اپنی پرورش میں لے لیا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۲؎ یعنی کبھی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک پیالہ میں کھانا کھاتا تھا تو میں کھانے کے آداب سے واقف نہ تھا اس لیے ہر طرف سے کھانا کھاتا تھا جدھر سے دل چاہا ادھر سے بوٹی لے لی،ادھر ہی لقمہ شوربے میں بھگولیا۔

۳؎ یعنی بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ ہر طرف سے نہ کھاؤ،یہ تینوں حکم جمہور علماء کے نزدیک استحبابی ہیں،بعض آئمہ کے ہاں داہنے ہاتھ سے کھانا واجب ہے۔خیال رہے کہ ہر چیز پیتے وقت بھی بسم اللہ پڑھے اور داہنے ہاتھ سے پیئے یہ ہی سنت ہے،یہ تینوں امور سنت علی العین ہیں یعنی اگر جماعت میں سے صرف ایک آدمی کرلے تو کافی نہیں ہر شخص داہنے ہاتھ سے کھائے،ہر شخص بسم اللہ پڑھے،ہر شخص اپنے سامنے سے کھائے،اگر اکیلا بھی کھائے تب بھی اپنے سامنے سے کھائے،ہاں اگر طباق میں مختلف مٹھائیاں یا مختلف قسم کی کھجوریں ہیں تو جہاں سے چاہے کھالے جیساکہ آئندہ آوے گا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان کھانے کو اپنے لیے حلال بنالیتا ہے اس بناء پر کہ اس پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے (مسلم) ۱؎

۱؎ یہاں حلال بمعنی کھل جانا اور استحلال بمعنی کھول لینا ہے یعنی کھانے کے اول بسم اللہ پڑھ لینے سے شیطان کے لیے رکاوٹ ہوجاتی ہے اور اگر بسم اللہ نہ پڑھی جاوے تو وہ کھانا پینا شیطان کے لیے کھل جاتا ہے۔شیطان سے مراد قرین ہے جو ہر انسان کے ساتھ رہتا ہے یعنی بسم اللہ نہ پڑھنے والے کے ساتھ کھانا کھانے پر یہ شیطان قادر ہوجاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی شخص اپنے گھر میں گھسے تو داخلہ کے وقت اور اپنے کھانے کے وقت اللہ کا ذکر کرے تو شیطان کہتا ہے کہ نہ تمہارے لیے شب باشی ہے نہ کھانا ۱؎ اور جب داخل ہو تو اللہ کا ذکر اپنے داخلہ پر نہ کرے تو شیطان کہتا ہے تم نے شب باشی پالی اور جب اپنے کھانے پر اللہ کا ذکر نہ کرے تو کہتا ہے تم نے شب باشی اور کھانا پالیا ۲؎ (مسلم)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص گھر میں داخل ہوتے وقت پوری بسم اللہ پڑھ کر داہنا قدم پہلے دروازہ میں داخل کرے پھر گھر والوں کو سلام کرتا ہوا گھر میں آئے،اگر کوئی نہ ہو تو **السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و بركاته** کہہ دے۔بعض بزرگوں کو دیکھا گیا کہ اول دن میں جب پہلی بار گھر میں ہوتے ہیں تو بسم اللہ اور **قل ھو الله** پڑھ لیتے ہیں کہ اس سے گھر میں اتفاق بھی رہتا ہے اور رزق میں برکت بھی۔

۲؎ شیطان کا یہ خطاب اپنی ذریت سے ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ اس خطاب میں قرین بھی داخل ہو کہ وہ بھی اس بسم اللہ کی برکت سے نہ کھائے اور ہمارے گھر میں رہنے سہنے سے محروم ہوجائے اور اس کے شر سے محفوظ ہو جائے اور اللہ کے ذکر سے غافل اس نعمت سے محروم رہے۔دوپہر کے کھانے کو غذاء کہتے ہیں اور بعد دوپہر سے رات تک کے کھانے کو عشاء کہا جاتا ہے،یہاں مراد مطلقًا کھانا ہے جو شخص صبح کو یہ عمل کرے تو ناشتہ اور دوپہر کے کھانے سے شیطان محروم ہوگا جو بعد دوپہر یہ عمل کرے تو رات کے کھانے سے وہ محروم رہے گا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور جب پیئے تو اپنے داہنے ہاتھ سے پیئے ۱؎ (مسلم)

۱؎دودھ یا پانی یا کوئی اور چیز ہمیشہ داہنے ہاتھ سے برتن تھامے۔جمہور علماء کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہےاور داہنے ہاتھ سے کھانا پینا مستحب سنت،بعض اماموں کے ہاں امرو جوب کے لیے ہےان کی دلیل وہ حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا تو فرمایا داہنے ہاتھ سے کھاوہ بولا کہ میں اس ہاتھ سے کھا نہیں سکتا،فرمایا اب نہ کھاسکے گاچنانچہ اس کے بعد اس کا داہنا ہاتھ اس کے منہ تک نہ اٹھ سکارواہ مسلم عن سلمہ ابن اکوع۔(مرقات)طبرانی نے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سبیعہ اسلمیہ کو بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا تو اسے بددعا فرمائی وہ طاعون سے مری۔(مرقاۃ)اگر یہ حکم وجوبی نہ ہوتا تو آپ اتنی سختی کیوں فرماتے مگر جمہور علماء فرماتے ہیں کہ یہ واقعات زجرو تنبیہ کے لیے ہوئے کبھی مکروہ عمل پر بھی تنبیہ کردی جاتی ہے۔(مرقات)

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی اپنے بائیں ہاتھ سے نہ کھائے نہ اس سے پیئے کیونکہ شیطان اپنے بائیں سے کھاتا پیتا ہے ۱؎(مسلم)	

۱؎بعض شارحین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان اپنے دوست انسانوں کو بائیں ہاتھ سے کھانے کی رغبت دیتا ہےمگر حق یہ ہے کہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر ہی ہےیعنی شیطان خود بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بروں کی مشابہت بھی بری ہے۔

روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلیوں سے کھاتے تھے ۱؎ اور پونچھنے سے پہلے اپنا ہاتھ چاٹ لیتے تھے ۲؎(مسلم)	

۱؎یعنی روٹی کا لقمہ تین انگلیوں سے کھاتے تھے انگوٹھا،کلمہ کی انگلی بیچ کی انگلی۔سنت یہ ہی ہے کہ روٹی ان تینوں انگلیوں سے ہی کھائے بلاضرورت زیادہ انگلیاں استعمال نہ کرے،چاول تو بغیر پانچ انگلیوں کے کھائے جاسکتے ہی نہیں اس لیے پانچوں انگلیوں سے ان کا لقمہ بنایا جائے۔عموماً اہل عرب فرنی چاولوں کا سلیقہ چار انگلیوں سے کھاتے ہیں۔

۲؎یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے انگلیاں چاٹتے تھے پھر رومال سے پونچھتے تھے،پھر دھوتے تھے اب بھی ایسا کرنا سنت ہے،سنی ہوئی انگلیاں صرف دھو ڈالنا طریقہ منکرین ہے۔جن روایات میں پانچ انگلیوں سے کھانا برا ہے وہاں یا پتلی چیز کا کھانا مراد ہے یا وہ عمل کبھی کبھی تھایہاں جواز کے لیے،بہرحال سنت یہ ہے جو یہاں بیان ہوا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں اور پیالے کو چاٹنے کا حکم دیا ۱؎اور فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ کس میں برکت ہے ۲؎(مسلم)	

۱؎ منکرین انگلیاں اور رکابی چاٹنے سے نفرت کرتے ہیں۔تعلیم تواضع کے لیے یہ حکم صادر ہوا۔عیسائی اور انکی دیکھا دیکھی بعض مغرب زدہ لوگ تو انگلیوں سے کھانا بھی ناپسند کرتے ہیں وہ چھری کانٹے اور چمچہ وغیرہ سے ہی کھاتے ہیں،عیسائی تو اس عمل پر مجبور ہیں کیونکہ وہ ناخن کٹواتے نہیں اور ہاتھ دھوتے نہیں،پانی سے استنجاء کرتے نہیں کاغذ سے ہی پونچھتے ہیں،ان وجوہ سے ان کے ناخن زہریلے بھی ہوتے ہیں اور ان میں میل بھی بھرا رہتا ہے وہ انگلیوں سے کیسے کھائیں ان کے ناخنوں میں تو نجاست گندگی میل سب کچھ بھرا ہے۔مسلمان یہ عمل کیوں کریں وہ ناخن کٹواتے ہیں،ہر وقت وضو وغیرہ میں ہاتھ دھوتے ہیں،استنجاء ڈھیلے پھر پانی سے کرتے ہیں،لمبے ناخن ہوتے ہی نہیں اور پورے زہریلے نہیں،بڑے بڑے ناخنوں کا اندر کا میل نجاست زہریلے ہیں۔ہمارے اسلاف ہمیشہ انگلیوں سے کھاتے رہے نہ مرے نہ بیمار پڑے۔ہم سے زیادہ قوی و توانا تھے اور زیادہ عمر پاتے تھے۔اولًا آنکھیں کھانا ٹیسٹ کرتی ہیں کہ اس میں کوڑا کچرا تو نہیں ہے،پھر انگلیاں اسکی سردی گرمی کا پتہ لگاتی ہیں،پھر ناک اس کی خوشبو بدبو محسوس کرتی ہے،پھر زبان اس کا ذائقہ تازہ باسی ہونا،اچھا برا،گلا سڑا ہونا محسوس کرتی ہے،پھر دانت اس کا صاف یا کرکرا ہونے کا پتہ لگاتے ہیں،اتنی جگہ کھانا ٹیسٹ ہوکر گلے سے اترتا ہے،چھری کانٹے چمچے سے کھانے سے دوسری ٹیسٹ ختم ہوجاتی ہے لہذا ضرر کا اندیشہ ہے اس لیے حتی الامکان انگلیوں سے ہی کھانا چاہیے۔

۲؎ لہذا ہوسکتا ہے کہ اس کھانے میں برکت ہوجو انگلیوں یا پیالے میں لگا رہ گیا ہے،اگر انگلیاں ویسے ہی دھو دی گئیں تو ہم برکت سے محروم رہ گئے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھائے تو اپنا ہاتھ نہ پونچھے حتی کہ اسے چاٹ لے یا چٹا دے ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ اپنی بیوی کو یا خاوند کو یا چھوٹے بچوں کو یا خاص خادم کو یا شاگرد کو یا مرید کو چٹادے جو اس سے نفرت نہ کرے بلکہ تبرک سمجھ کر چاٹ لیں،کتوں،بلوں کو نہ چٹائیں۔بعض مغربی تہذیب کے دلدادہ مسلمانوں کو دیکھا گیا کہ کتے پالتے ہیں اور کتے ان کے پاؤں گردن بلکہ پیار میں منہ تک چاٹتے ہیں اور یہ خوش ہوتے ہیں۔نعوذ باللہ!

روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ شیطان تم میں سے ہر ایک کے پاس اس حالت میں موجود رہتا ہے ۱؎ حتی کہ اس کے کھانے کے وقت بھی آموجود ہوتا ہے تو جب تم میں سے کسی کا لقمہ گرجائے تو جو اس میں گندگی ہو وہ دور کردے ۲؎ پھر اسے کھالے اور اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑے ۳؎ پھر جب فارغ ہوجائے تو اپنی انگلیاں چاٹ لے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے کس کھانے میں	

	برکت ہوگی ۴؎(مسلم)

۱؎ کھاتے پیتے وقت،پیشاب پاخانہ،نماز و دعاحتی کہ اپنی بیوی سے صحبت کرتے وقت بھی قرینی شیطان انسان کے ساتھ رہتا ہےساتھ ہی کھاتا پیتا حتی کہ ساتھ ہی صحبت کرتا ہےجس سے کھانے میں بہت بے برکتی ہوتی ہےاور اولاد بے ادب سرکش ہوتی ہے،اگر ان اوقات میں بسم اللہ پڑھ لی جائے تو کھانوں میں برکت ہوتی ہے اولاد نیک و صالح اور باادب پیدا ہوتی ہے،اگر پاخانہ جاتے وقت بسم اللہ پڑھ لی جائے تو شیطان اس کا ستر نہیں دیکھ سکتا۔

۲؎ اگر گرے ہوئے لقمہ میں مٹی وغیرہ پاک چیز لگ گئی ہے تو اسے صاف کرکے لقمہ کھائے اور اگر نجاست لگ گئی ہے تو دھوکر کھالے،اگر دھل نہ سکے تو کتے بلی کو کھلادے یوں ہی نہ چھوڑ دے کہ اسمیں مال ضائع کرنا ہے اور رب تعالٰی کی نعمت کی ناقدری ہے۔

۳؎ کہ اس چھوڑے ہوئے لقمہ کو یا تو شیطان کھا ہی لے گا یا اسکے ضائع ہونے پر خوش ہوگا شیطان کے دونوں معنی ہوسکتے ہیں۔

۴؎ لہذا کچھ بھی نہ چھوڑےسب ہی چاٹ لے،اگر فی آدمی ایک ماشہ کھانا بھی برتن میں لگا رہاجو برتن دھوتے ہوئے نالیوں میں گیا تو حساب لگالو کہ جس شہر میں آٹھ دس لاکھ آدمی رہتے ہوں تو دو دفعہ کتنا کھانا نالیوں میں جاتا ہے،یہ فضول خرچی بھی ہے،مال ضائع کرنا بھی،کھانے کی بے ادبی بھی اس لیے کچھ بھی نہ چھوڑوبرتن کو اچھی طرح صاف کروکھانے کا احترام و ادب یہ ہی ہے یا اتنا چھوڑو کہ دوسرا آدمی کھاسکے۔

	روایت ہے حضرت ابو جحیفہ سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں تکیہ لگا کر نہ کھاؤں گا ۲؎ (بخاری)

۱؎ آپ کا نام وہب بن عبداللہ سوائی ہےیعنی سواء ابن عامہ سے ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ نابالغ تھے مگر حضور سے روایات لی ہیں،آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وزیر خزانہ بنایا تھا،آپ حضرت علی کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک رہے،آپ کوفہ میں ۷۴ھ میں فوت ہوئے،آپ سے آپ کے بیٹے عوذ نے اور بہت سے تابعین بلکہ حضرت علی نے بھی روایات لیں۔(اشعہ ومرقات)

۲؎ کھاتے وقت تکیہ لگانے کی چارصورتیں ہیں:ایک یہ کہ ایک پہلو زمین سے قریب کرکے بیٹھے،دوسرے یہ کہ چار زانو بیٹھے،تیسرے یہ کہ ایک ہاتھ زمین پر رکھ کر اس پر ٹیک لگا کر بیٹھے،چوتھے یہ کہ دیوار وغیرہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے یہ چاروں تکیے مناسب نہیں۔دوزانو یا اکڑوں بیٹھ کر کھانا اچھا ہے طبّی لحاظ سے بھی مفید ہے،کھڑے ہوکر کھانا اچھا نہیں۔(اشعۃ اللمعات)

	روایت ہے حضرت قتادہ سے ۱؎ وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو میز پر کھانا کھایا نہ چھوٹی پیالی میں ۲؎ اور نہ آپ کے لیے چپاتی پکائی گئی ۳؎ قتادہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ کس چیز

	پر وہ حضرات کھاتے تھے تو فرمایا دستر خوانوں پر ۴؎(بخاری)

۱؎ قتادہ تابعی ہیں،بصری ہیں،نابینا تھے،ان کی ولادت ۶۰ھ میں ہے اور وفات ۱۱۷ھ ہجری میں حضرت انس اور ابوطفیل سے روایات لیتے ہیں۔

۲؎ کیونکہ میز پر کھانا طریقہ منکرین ہے تاکہ کھانے کے آگے جھکنا نہ پڑے اور بہت چھوٹی پیالی میں کھانا طریقہ بخیلوں کا ہے تاکہ دوسرا آدمی ساتھ نہ کھاسکے،ساری بوٹیاں اور سالن ہم اکیلے ہی کھائیں۔سنت یہ ہے کہ کھانے کے آگے قدرے جھک کر بیٹھے۔(مرقات و اشعۃ اللمعات)

۳؎ بہت باریک روٹی اب بھی عرب شریف میں نہیں ہوتی،روٹی قدرے موٹی ہوتی ہے وہ صحت کے لیے بھی مفید ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چپاتی نہیں پکائی گئی لیکن اگر کوئی شخص چپاتی پیش کرتا تو حضور انور قبول فرماتے اور کھاتے تھے۔(اشعۃ اللمعات)

۴؎ دستر خوان کپڑے کا،چمڑے کا اور کھجور کے پتوں کا ہوتا تھا،ان تینوں قسم کے دسترخوانوں پر کھانا حضور نے کھایا ہے،دسترخوان بھی نیچے زمین پر بچھتا تھا اور خود سرکار بھی زمین پر تشریف فرما ہوتے تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کھانا ملاحظہ فرماتے تھے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ میز پر کھانا بدعت جائزہ ہےاور دستر خوان پر کھانا سنت ہے۔

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ مجھے علم نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روٹی چپاتی دیکھی حتی کہ اللہ سے مل گئے ۱؎ اور نہ بھنی ہوئی بکری آنکھ سے کبھی دیکھی ۲؎(بخاری)

۱؎ نہ تو اپنے گھر میں دیکھی نہ کسی دوسرے کے گھر میں،حضرت انس اپنے علم کی نفی فرمارہے ہیں ممکن ہے کہ کبھی ملاحظہ فرمائی ہو حضرت انس کو خبر نہ ہوئی ہو۔

۲؎ سمیط وہ بکری کہلاتی ہے جو کھال میں بُھونی جائے کہ اولًا کھال کے بال اتارے جاویں پھر اسے گرم پانی سے دھوکر اس کے اندر گوشت بھردیا جائے اور اسی میں بھون لیا جائے۔امراء و سلاطین ایسا گوشت کھاتے ہیں۔سمیط کے یہ معنی خیال میں رہیں،شاۃ مشوی اور چیز ہے سمیط کچھ اور حضور انور نے ویسے بُھنا گوشت ملاحظہ فرمایا ہے۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدہ نہ دیکھا ۱؎ جب سے اللہ نے آپ کو مبعوث فرمایا ۲؎ حتی کہ اللہ نے آپ کو وفات دی اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھلنی نہ دیکھی جب سے اللہ نے آپ کو مبعوث فرمایا حتی کہ اللہ نے آپ کو وفات دی ۳؎ کہا گیا کہ آپ حضرات جو

	کیسے کھاتے تھے فرمایا ہم انہیں پیس لیتے تھےاور اسے پھونکتے تھے جو اڑتا اڑ جاتا جو باقی بچتا ہم گوندھ لیتے پھر کھالیتے ۴؎(بخاری)

۱؎یعنی میدہ کھانا تو بہت دور کبھی ملاحظہ بھی نہ فرمایا۔اللہ کی شان ہے کہ اب مدینہ منورہ میں میدہ کی روٹی عام ہے آٹے کی روٹی بہت کم ملتی ہے اور کہتے ہیں میدہ کی روٹی بہت قسم کی ہوتی ہے مغربی،شامی وغیرہ۔

۲؎یعنی ظہور نبوت کے بعد میدہ کی روٹی ملاحظہ نہ فرمائی۔اس سے پہلے حضور انور نے شام کا سفر کیا ہے اور بحیرہ راہب کی دعوت میں میدہ کی روٹی ملاحظہ فرمائی ہے۔اس زمانہ میں شام و روم میں میدہ کی روٹی بہت مروج تھی۔بعد اعلان نبوت حضور حجاز میں رہے اور مال سے بے رغبتی بھی بہت رہی۔(مرقات)

۳؎سبحان اللہ!یہ ہے حضور کی سادہ اور بے تکلف زندگی۔

۴؎بعض روایات میں ہے کہ کسی صاحب نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے تمنا کی کہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا کھاؤں،آپ فرمانے لگیں تم نہ کھاسکو گے یہ تو ان کی ہی شان تھی جو کھا گئے اور واقعہ ہے کہ ہم گندم کی روٹی بے چھنے آٹے کی نہیں کھاسکتے چہ جائیکہ جو کی روٹی وہ بھی بے چھنے آٹے کی۔شعر

کھانا جو دیکھو جو کی روٹی بے چھنا آٹا روٹی بھی موٹی وہ بھی شکم بھر روز نہ کھانا صلی اللہ علیہ وسلم

جس کی تمنا روزنہ کھانا اک دن ناغہ اک دن کھانا جس دن کھانا شکر کا کرنا صلی اللہ علیہ وسلم

قبضہ میں جس کے ساری خدائی اس کا بچھونا ایک چٹائی نظروں میں کتنی ہیچ ہے دنیا صلی اللہ علیہ وسلم

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ حضور نے کبھی کھانے کو عیب نہیں لگایا اگر پسند فرمایا تو اسے کھالیا اگر ناپسند فرمایا تو چھوڑ دیا ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی کھانے پکانے میں کبھی عیب نہ نکالا کہ نمک کم ہے یا زیادہ جیسا بعض لوگوں کا عام طریقہ ہے کہ بغیر عیب نکالے کھانا کھاتے ہی نہیں۔گوہ کے متعلق یہ فرمانا کہ یہ ہماری زمین میں نہیں ہوتی اس لیے ہم اس سے گھن کرتے ہیں،یہ کراہت طبع کا بیان تھاپکانے میں عیب نہ نکالا گیا تھالہذا وہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ ایک شخص بہت کھاتا تھا پھر وہ مسلمان ہوگیا تو کھانا کم کھانے لگا ۱؎یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا تو فرمایا مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے ۲؎(بخاری)

۱؎یعنی بمقابلہ زمانہ کفر کے اب اسلام کے بعد اس کی خوراک کم ہوگئی یہ کمی قدرتی طور پر ہوئی یا اس کے زہد و تقویٰ کی وجہ سے۔

۲؎اس فرمان عالی کا یہ مطلب نہیں کہ کافر کے پیٹ میں سات آنتیں اور مؤمن کے پیٹ میں ایک آنت ہوتی ہے،ہر انسان کے پیٹ میں آنتیں سات ہی ہوتی ہیں مؤمن ہو یا کافر۔(اشعہ)یہ فرمان عالی بطور تمثیل ہے کہ کافر

کھانے پینے کا حریص ہے مؤمن قانع ہوتا ہے،کافر کی نظر ہر وقت کھانے پینے میں رہتی ہیں جانوروں کی طرح،مؤمن کی نگاہ ذکر و فکر میں رہتی ہے یا کافر کے ساتھ شیطان بھی کھاتا ہے مؤمن چونکہ بسم اللہ سے کھانا شروع کرتا ہے،الحمدللہ پر ختم اس لیے کافر کھانا زیادہ سمیٹتا ہے،یا مؤمن کے کھانے میں برکت ہوتی ہے کہ تھوڑا کھانا زیادہ قوت دیتا ہے کافر کے کھانے میں بے برکتی،یا یہ مطلب ہے کہ ایک کافر کو سات مؤمنوں کی سی بھوک اور کھانے کی رغبت ہوتی ہے مؤمن تہائی پیٹ کھانے سے پُر کرتا ہے،تہائی پانی سے اور تہائی سانس و ذکر کے لیے خالی رکھتا ہے۔خیال رہے کہ یہ قانون ایک شخص کے لحاظ سے ہوگا یعنی ایک کافر جب مسلمان ہو جائے تو ان شاءاللہ اس کی خوراک کم ہوجائے گی ورنہ بعض مسلمان کافر سے زیادہ کھاتے ہیں،قوی جوان مؤمن کی خوراک ضعیف بڈھے کافر سے یقینًا زیادہ ہوگی لہذا حدیث بالکل واضح ہے جس کا تجربہ اب بھی ہوتا ہے۔یہ بھی خیال رہے کہ زیادہ خوراک انسان کے لیے عیب ہے،بڑھ ٹپا آدمی نفرت سے دیکھا جاتا ہے اور زیادہ قوت مردمی انسان کا کمال ہے۔جنتی آدمیوں کی خوراک زیادہ نہ ہوگی البتہ قوت مردمی زیادہ ہوگی۔حضرات انبیاءکرام کو قوت مردمی بہت زیادہ دی جاتی ہے،سلیمان علیہ السلام کی ہزار بیویاں تھیں اور داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں۔

	اور مسلم نے حضرت ابو موسیٰ اور ابن عمر سے صرف مسند کی روایت کی [1] اور ان کی دوسری روایت میں حضرت ابوہریرہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک کافر مہمان ہوا [2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ایک بکری کا حکم دیا تو دوہی گئی اس نے اس کا دودھ پیا پھر دوسری اس نے وہ بھی پی لیا پھر اور،وہ اسے بھی پی گیا حتی کہ سات بکریوں کا [3] دودھ پی گیا صبح کے وقت مسلمان ہوگیا [4] پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ایک بکری کا حکم دیا وہ دو ہی گئی اس نے اس کا دودھ پی لیا پھر دوسری کا حکم دیا تو اسے نہ پی سکا [5] تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں پیتا ہے [6]

[1] یعنی مسلم نے یہ واقعہ بیان نہ کیا کہ ایک مسلمان ہو کر کم کھانے لگا بلکہ ان کی روایت میں صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی ہے ان المؤمن الخ۔

[2] یا تو ایمان لانے کے لیے آیا یا صرف زیارت و ملاقات کے لیے دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔خیال رہے کہ ماں باپ،پردیسی مہمان اگر کافر بھی ہوں تب بھی ان کا حق مسلمان پر ہے جو ضرور ادا کرے مہمان کی خاطر کرو اگرچہ کافر ہو۔

۳؎ یہ بکریاں یا تو حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تھیں یا مختلف حضرات کی تھیں یا ان بکریوں کا دودھ خرید فرما کر اسے پلایا گیا تھا۔عرب کی بکری دودھ بہت دیتی ہے بعض بکریاں تین چار سیر تک دودھ دیتی ہیں یہ شخص بہت دودھ پی گیا۔

۴؎ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ شان بندہ نوازی دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔شعر

نہ فرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

۵؎ اللہ اکبر! پینے والا وہ ہی ہے دودھ وہی ہے مگر حالت وہ نہیں،ایمان کے ساتھ خوراک بھی قناعت والی ہوگئی۔پارس لوہے کو سونا کردیتا ہے،کلمہ حریص کو قانع،کافر کو مؤمن،فاجر کو متقی،خدا کے دشمن کو اس کا دوست بنادیتا ہے۔

۶؎ اس کی شرح ابھی کچھ پہلے گزرگئی وہاں کھانے کا ذکر تھا یہاں پینے کا ذکر ہے۔مطلب ایک ہی ہے۔پینے سے مراد دودھ وغیرہ کا پینا،جس مشروب میں غذائیت ہے صرف پانی مراد نہیں یعنی کافر ہوس میں ساتوں آنتیں غذا سے بھرلیتا ہے مؤمن ایک آنت بھرتا ہے باقی آنتیں خالی رکھتا ہے۔مؤمن قانع ہے طبعًا۔بعض شارحین نے فرمایا کہ **المؤمن** میں الف لام عہدی ہے اوراس سے متقی زاہد قانع مؤمن ہے مگر صحیح یہ ہی ہے کہ لام جنسی ہے بمقابلہ کافر مطلق مؤمن قانع ہوتاہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو کا کھانا تین کو کافی ہے اور تین کا کھانا چار کو کافی ہے ۱؎(مسلم۔بخاری)	

۱؎ یعنی اگر کھانا تھوڑا ہو کھانے والے زیادہ تو انہیں چاہیے کہ دو آدمیوں کے کھانے پر تین آدمی اور تین آدمیوں کے کھانے پر چار آدمی گزارہ کرلیں اگرچہ پیٹ تو نہ بھرے گا مگر اتنا کھالینے سے ضعف نہ ہوگا،عبادات بخوبی ادا ہوسکیں گی۔اس فرمان عالی میں قناعت مروت کی اعلیٰ تعلیم ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ دنیا میں بہت سیر ہوکر کھانے والا آخرت میں زیادہ بھوکا ہوگا،جب کھانے میں کمی ہو تو چاہیے کہ امیر لوگ تھوڑا کھائیں تھوڑا بچائیں،بچا ہوا ان غرباء و مساکین پر خرچ کریں جن کے پاس کھانا نہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوفرماتے سنا کہ ایک کا کھانا دو کو کافی اور دوکا کھانا چار کو کافی ہے اور چار کا کھانا آٹھ کو کافی ہے ۱؎(مسلم)	

۱؎ یہ زیادہ نازک حالات کے لیے ہے جب کہ کھانے میں بہت ہی کمی ہوجائے،ان ہنگامی حالات میں آدھا پیٹ کھانا چاہیے اتنے کھانے سے بھی انسان مرتا نہیں کام چل جاتا ہے بلکہ ارزانی کے زمانہ میں بھی مسلمان کو چاہیے کہ کبھی روزہ رکھے کبھی کم کھائے تاکہ مصیبت پڑنے پر بھوک برداشت کرسکے۔ہر ماہ میں تین روزے سنت ہیں اس کی ایک

حکمت یہ بھی ہے۔دوسری روایت میں ہے کہ کھانا الگ نہ کھاؤ مجتمع ہوکر کھاؤ جماعت میں برکت ہے۔(مرقات)حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ جماعت کے ساتھ کھانا کھاتے تھے جیساکہ روایات میں ہے۔

روایت ہے جناب عائشہ رضی اللہ عنھا سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ لُپٹا بیمار کے دل کو تسلی بخش ہے[1] یہ بعض رنج کو دور کرتا ہے[2](مسلم،بخاری)	

[1] تلبینه بنا ہے لبن بمعنی دودھ سے،عرب میں آٹا یا بھوسی کو پتلا پتلا پکاتے ہیں اس میں کچھ دودھ کچھ شہد ڈالتے ہیں اسے اردو میں لُپٹا اور پنجاب میں سیرہ کہتے ہیں۔یہ چونکہ دودھ کی طرح سفید اور پتلا ہوتا ہے اس لیے تلبینہ کہا جاتا ہے،یہ بہت ہلکی غذا ہے زود ہضم ہے،اکثر بیماروں کو دیا جاتا ہے،یہ پیٹ میں بوجھ نہیں کرتا دل کو قوت بخشتا ہے۔مرقات وغیرہ نے فرمایا کہ اس سے دل کی گھبراہٹ بھی دور ہوجاتی ہے بہت اعلٰی چیز ہے۔اللہ تعالٰی نے حضور کو حکمت بھی بخشی ہے۔مجمه بنا ہے جمام سے بمعنی راحت۔

[2] بعض رنج سے مراد وہ رنج ہے جو بیماری کی کمزوری کی وجہ سے ہو۔جو رنج بیرونی فکر کی وجہ سے ہو اس کے لیے بھی اسے مفید فرمایا گیا مگر بیماری کے رنج کے لیے بہت مفید ہے۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ ایک درزی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کے لیے بلایا جسے اس نے تیار کیا تھا تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیا[1] تو اس نے جو کی روٹی اور شوربا پیش کیا جس میں کدو اور خشک گوشت تھا[2] تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیالے کے آس پاس سے کدو تلاش کرتے تھے[3] اس دن کے بعد سے میں کدو سے محبت کرتا رہا[4](مسلم،بخاری)	

[1] یا تو اس درزی نے حضرت انس کی بھی دعوت کی تھی یا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے اور مخدوم کے ساتھ عمومًا خاص خدام جایا ہی کرتے ہیں،گھر والے ان کی آمد سے راضی ہوتے ہیں عرفًا یہ بات مروج ہے اس لیے آپ بھی حضور انور کے ساتھ گئے۔جس حدیث میں آتا ہے کہ پانچ صاحبوں کی دعوت پر چھٹا آدمی ساتھ گیا تو حضور انور نے اس کے لیے علیحدہ اجازت مانگی،صاحبِ خانہ نے اجازت دے دی تب اسے کھانے میں شریک کیا وہ چھٹا آدمی خادم خاص نہ تھا لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں۔

[2] قدید بنا ہے قد سے بمعنی کاٹنا،عرب میں گوشت کے بڑے بڑے پارچے نمک لگا کر سکھائے جاتے ہیں جو عرصہ تک کھائے جاتے ہیں انہیں قدید کہتے ہیں۔ہم نے بھی منٰی شریف میں بدویوں کو قربانی کا گوشت سکھاتے دیکھا ہے۔

۳؎حوال جمع ہے حول کی بمعنی گھومنا،کناروں کو حوال کہا جاتا ہے کہ اس طرف گھومنا ہوتا ہے۔قصعہ یا صحفہ وہ بڑا پیالہ جس سے پانچ چھ آدمی کھاسکیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیالے کے ہر طرف سے کدو کے ٹکڑے اٹھاکر کھانے لگے۔معلوم ہوا کہ کدو مرغوب تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ جب مخدوم و خادم ایک پیالے سے کھائیں تو مخدوم ہر طرف سے کھاسکتا ہے۔وہ جو ارشاد ہے کل مما یلیك اپنے سامنے سے کھاؤ،وہاں چھوٹوں یا برابر والوں سے خطاب ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔مرقات نے فرمایا کہ جب ایک ساتھی کے ہر طرف ہاتھ ڈالنے سے دوسرے ساتھی نفرت کریں تب یہ حکم ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ شریف سے چیز لگ کر تبرک بن جاتی ہے،حضرات صحابہ نے تو حضور کا پیشاب بلکہ خون بھی پیا ہے تبرکًا لہذا حضور کا حکم دوسرا ہے۔(مرقات)بہرحال یہ حدیث بہت واضح ہے۔بعض روایات میں ہے کہ حضرت انس بھی کدو کے ٹکڑے تلاش کرکے حضور انور کے سامنے رکھنے لگے۔

۴؎اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اپنے خدام وغلاموں کی دعوت قبول کرنا چاہیے اگرچہ وہ اپنے سے درجہ میں کم ہو۔دوسرے یہ کہ خادم کو اپنے ساتھ ایک پیالے میں کھلانا بہت اچھا ہے۔تیسرے یہ کہ کدو پسندکرنا سنت ہے۔چوتھے یہ کہ ہر سنت سے محبت کرنا خواہ سنت زائد ہو یا سنت ابدی طریقہ صحابہ کرام ہے۔شعر

فقط اتنی حقیقت ہے ہمارے دین و ایمان کی کہ اس جان جہاں کے حسن پر دیوانہ ہوجانا

پانچویں یہ مخدوم اپنے خادم کے ساتھ کھائے تو پیالے میں سے ہرطرف سے کھاسکتا ہے خادم کو یہ حق نہیں۔چھٹے کہ خادم پیالہ سے بوٹیاں یا کدو وغیرہ چن کر مخدوم کے سامنے رکھ سکتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن امیہ سے ا؎انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ بکری کی دستی سے کاٹ کر کھاتے تھے جو آپ کے ہاتھ میں تھی۲؎ پھر آپ کو نماز کی طرف بلایا گیا تو اسے اور چھری کو جس سے کاٹ رہے تھے ڈال دیا پھر کھڑے ہوئے پھر نماز پڑھی اور وضو نہ کیا ۳؎(مسلم،بخاری)

ا؎آپ بڑے بہادر پہلوان تھے،جنگ بدرواحد میں مشرکین کی طرف سے لڑنے آئے،جنگ احد سے واپسی کے موقعہ پر مسلمان ہوگئے پھر موتہ میں مجاہد ہو کر گئے ۶ ؁ھ ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حبشہ نجاشی کی طرف پیغام دے کر بھیجا۔ ۶۰ ؁ھ ساٹھ ہجری میں وفات پائی۔(اشعہ و مرقات)

۲؎اس طرح کہ پوری دستی بھنی ہوئی تھی،حضور انور چھری سے بوٹیاں کاٹتے اور کھاتے تھے یا دانت سے نوچ کر کھاتے تھے۔احتزاز بنا ہے حز سے بمعنی قطع۔

۳؎یعنی نہ تو شرعی وضو کیا نہ عرفی وضو کیا یعنی نہ ہاتھ دھوئے نہ کلی کی کیونکہ کھانا کھا کر ہاتھ دھونا کلی کرنا سنت ہے مگر واجب نہیں،یہ عمل شریف بیان جواز کے لیے ہے۔خیال رہے کہ پختہ گوشت کے بڑے بڑے پارچے چھری

سے کاٹ کر کھانا جائز ہے مگر ضرورت کی وجہ سے مگر بلاضرورت چھری کانٹے سے کھانا مکروہ و ممنوع ہے کہ کفار عجم کا طریقہ ہے،(اشعہ)ہاتھ سے کھانا نوچنا سنت ہے یہاں ضرورۃً یہ عمل کیا گیا۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میٹھی چیز اور شہد پسند فرماتے تھے ۱؎ (بخاری)

۱؎ عموماً بزرگانِ دین میٹھی چیز سے محبت کرتے رہے اس لیے عموماً فاتحہ و نیاز میٹھی چیز پر ہوتی ہے اس کی اصل یہ ہی حدیث ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ مؤمن میٹھا ہوتا ہے میٹھائی پسند کرتا ہے۔حلوے میں ہر میٹھی چیز داخل ہے حتی کہ شربت اور میٹھے پھل اور عام مٹھائیاں اور عرفی حلوہ۔(مرقات)مروجہ حلوہ سب سے پہلے حضرت عثمان غنی نے بنایا حضور انور کی خدمت میں پیش کیا جس میں آٹا گھی اور شہد تھا حضور انور نے بہت پسند کیا اور فرمایا کہ فارسی لوگ اسے دخیص کہتے ہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں سے سالن مانگا انہوں نے عرض کیا ہمارے پاس سرکہ کے سوا کچھ نہیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہی منگایا اسے کھانے لگے اور فرماتے تھے سرکہ اچھا سالن ہے سرکہ اچھا سالن ہے ۱؎(مسلم)

۱؎ سرکہ طبّی رو سے بہت مفید ہے سادہ ارزاں غذا ہے،حضرات انبیاء کرام نے عموماً سرکہ کھایا ہے۔اس کے بہت فضائل حدیث شریف میں آئے ہیں۔عرب میں عموماً کھجور کا سرکہ ہوتا ہے،ہمارے ملک میں رس انگور کا سرکہ ہوتا ہے گنے کے رس کا سرکہ بہت مروج ہے۔اس حدیث کی بنا پر بعض فقہاء نے فرمایا کہ سرکہ بھی سالن ہے جو کوئی سالن نہ کھانے کی قسم کھا لے وہ سرکہ کھانے سے حانث ہوجائے گا اور اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا مگر خیال رہے کہ قسم کا مدار عرف پر بھی ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت سعید ابن زید سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھمبی من سے ہے ۱؎ اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے ۲؎(مسلم،بخاری)مسلم کی روایت میں ہے کہ اس من سے ہے جو اللہ تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام پر اتارا ۳؎

۱؎ برسات میں گلی لکڑی کے بھیگنے سے چھتری کی طرح ایک گھاس اگ جاتی ہے اسے عربی میں **کماۃ شحم** الارض،فارسی میں سماروق اور کلاہ دبو،اردو میں کھمبی اور چتر مار کہتے ہیں۔بعض لوگ اس کی جڑیں پکا کر کھاتے ہیں۔برسات میں عموماً مل جاتی ہیں۔من بمعنی منت اور نعمت ہے یا مطلب یہ ہے کہ من کی مثل بغیر قیمت مل جانے والی چیز ہے۔

۲؎ اس کی تحقیق ان شاءاللہ کتاب الطب والرقی میں ہوگی۔اس کے پانی کا آنکھ کے لیے شفا ہونا برحق ہے مگر کسی مرض میں کیسے استعمال کیا جائے اس کی تفصیل کتاب الطب میں ہے۔

۳؎ یعنی یا تو بنی اسرائیل پر جو من اترتا تھا وہ ہی تھاجو کچھ فرق کے ساتھ اب اس شکل میں ہے یا جیسے بنی اسرائیل پر من اعلیٰ درجہ کی چیز اتری مگر بغیر محنت مشقت انہیں دی گئی ایسے ہی یہ بھی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن جعفر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ککڑی کے ساتھ کھجور کھاتے دیکھا ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ عبداللہ ابن جعفر ابن ابی طالب ہیں یعنی حضرت علی کے بھتیجے،آپ کی والدہ اسماء بنت عمیس ہیں،حبشہ میں آپ کی ولادت ہوئی،وہاں اسلام میں پہلے آپ ہی پیدا ہوئے،مدینہ منورہ میں ۸۰ھ میں وفات ہوئی،نوے سال عمر شریف ہوئی،آپ بڑے ہی سخی تھےاس سے آپ کا لقب بحرالجود پڑ گیا تھا،آپ سے بہت حضرات نے احادیث کی روایت کی۔(اکمال)

۲؎ کھجور طبعًا گرم و خشک ہے اور ککڑی سرد وتر،ان دونوں کے ملنے سے اعتدال ہوکر فائدہ بڑھ جاتا ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ککڑی اور کھجور کو کبھی تو معدہ میں جمع فرمایا کہ بیک وقت کبھی کھجور کھائی کبھی ککڑی اور چبانے میں جمع فرمایا کہ کھجور منہ شریف میں رکھ لی اور ککڑی بھی کتر لی اور دونوں ملاکر چبائیں،کبھی کھجور اور تربوز بھی ملاکر کھائے ہیں،کھجور ککڑی ملاکر کھانا صحت کے لیے بہت ہی مفید ہے۔حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میری رخصتی حضور انور کے پاس ہونے والی تھی مگر میں بہت کمزور تھی میری ماں نے مجھے کھجور ککڑی ملاکر کھلائیں میں چند روز میں موٹی ہوگئی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک وقت چند کھانے کھانا جائز ہیں۔جن روایت میں اس سے ممانعت آئی ہے وہاں اس کی عادت ڈالنا مراد ہے یعنی عادت رکھے ایک کھانے کی مگر کبھی کبھی چند کھانے بھی کھالے تو حرج نہیں،اللہ تعالٰی کی نعمتوں کا جمع کرنا ممنوع نہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھجور تو مرغوب تھی ہی ککڑی بھی بہت مرغوب تھی۔(مرقات و اشعہ)بعض بزرگانِ دین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فاتحہ میں دوسرے کھانوں کے ساتھ کھجوریں اور ککڑیاں اور تربوز بھی رکھتے ہیں ان کے اس عمل کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ہم مقام مرالظہران میں ۱؎ حضور کے ساتھ تھے بیلو کے پھل چن رہے تھے ۲؎ تو فرمایا کہ ان میں سے کالے کالے اٹھاؤ کہ وہ اچھے ہوتے ہیں ۳؎ تو عرض کیا گیا کہ آپ بکریاں چراتے رہے ہیں ۴؎ فرمایا ہاں اور نہیں ہے کوئی نبی مگر انہوں نے بکریاں چرائیں ۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ مرالظہران مکہ معظّمہ سے ایک منزل فاصلہ پر ہے،اب اس کا نام وادہ فاطمہ ہے۔پہلے مدینہ منورہ کی راہ یہ منزل آتی تھی اب نہیں آتی۔(اشعہ)

۲؎ عرب کے جنگلوں میں یہ بیلو عام پایا جاتا ہے،اس کی مسواکیں عام استعمال ہوتی ہیں اسے عربی میں اراک، اردو میں بیلو، پنجابی میں دان کہتے ہیں،اس کے پھل کو عربی میں کباث کہتے ہیں۔ضلع ملتان میں یہ کباث عام طور پر فروخت ہوتے ہیں اور کھائے جاتے ہیں۔خیال رہے کہ جنگلی درخت،شکار کے جانور کسی کی ملک نہیں جو چاہے استعمال کرے اس لیے یہ حضرات یہ پھل توڑ رہے تھے۔

۳؎ یعنی سرخ پھل نہ اٹھاؤ نہ کھاؤ وہ کچا اور بدمزہ ہوتا ہے،سیاہ رنگ کے پھل پختہ مزیدار اور مفید ہوتے ہیں وہ کھاؤ۔

۴؎ یعنی بیلو کے پھلوں کے یہ راز عمومًا بکریاں چرانے والے کو معلوم ہوتے ہیں کہ وہ ہی عام طور پر جنگلوں میں پھرتے گھومتے ہیں کیا حضور بھی یہ عمل فرماتے رہے ہیں۔خیال رہے کہ حضرات صحابہ کا یہ سوال طریقہ علم کے متعلق ہے یعنی حضور نے یہ راز وحی الٰہی سے جانا ہے یا تجربہ سے بھی لہذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرات صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے قائل نہ تھے۔

۵؎ یعنی حضرات انبیاء کرام عمومًا بادشاہ امراء نہیں ہوتے مساکین ہوتے ہیں عام طور پر انہوں نے بکریاں چرائی ہیں۔چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے بکریاں چرانے کا واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے،ایوب علیہ السلام نے درزی اور زکریا علیہ السلام نے بڑھئی کے پیشے کیے۔بکریاں چرانے سے دل میں مسکینی،لوگوں سے علیحدگی،غریبوں سے محبت،ملکی سیاست،خلوت میں لذت نصیب ہوتی ہے،بکریوں کے سنبھالنے سے انسانوں کے سنبھالنے کا طریقہ آجاتا ہے۔

حکایت: ایک دن موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالٰی نے فرمایا کہ اے موسیٰ کیا تمہیں خبر ہے کہ تم کو نبوت کیوں دی گئی،عرض کیا مولیٰ تو علیم و خبیر ہے،فرمایا کہ ایک دن تم بکریاں چرا رہے تھے کہ ایک بکری بھاگ گئی تم اس کے پیچھے بہت دور بھاگے بڑی مشقت سے اسے پکڑا تم نے اس پر غصہ نہ کیا بلکہ اسے کندھے پر اٹھاکر لائے،اس شفقت خلق کو دیکھ کر تم کو نبوت عطا کی گئی۔(مرقات و اشعہ)

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اکڑوں بیٹھے دیکھا ۱؎ کہ چھوہارے کھاتے تھے اور ایک روایت ہے کہ تیزی سے چھوہارے کھاتے تھے ۲؎(مسلم)

۱؎ **اقعاء** اس بیٹھک کو کہتے ہیں کہ چوتڑ زمین پر لگے ہوں دونوں پنڈلیاں کھڑی ہوں یعنی اوکڑوں۔یہ بیٹھک نماز میں مکروہ ہے کھاتے وقت بہتر کیونکہ یہ بیٹھک جلدی کے اظہار کے لیے ہوتی ہے نماز میں سکون کا اظہار چاہیے نہ کہ جلدی اور تیزی کا،کھانے میں جلدی اور تیزی تاکہ اس سے جلد فارغ ہوکر عبادت یا اور کسی دینی کام میں مشغول ہوجائیں۔مطیع فرمانبردار غلام اوکڑوں بیٹھ کر کھاتے ہیں کہ منہ میں نوالہ ہے کان لگے ہیں آقا کی آواز کی طرف کہ کب وہ بلائے اور کب یہ فورًا اٹھ کر جائے،نیز اوکڑوں بیٹھ کر کھانے سے زیادہ کھانا نہیں کھایا جاتا۔غرضیکہ کھانے کی اس نشست میں بہت حکمتیں ہیں۔

۲؎ کھانے میں یہ تیزی اور جلدی یا تو سخت بھوک کی وجہ سے تھی یا کسی کام کی جلدی تھی یا وہ ہی حکمت تھی کہ جلد کھاکر دوسرے کام میں مشغول ہوجائیں کھانا مقصود للغیر ہے عبادت مقصود بالذات۔(مرقات واشعہ)غرضیکہ اس جلدی میں بھی حکمتیں تھیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص دو چھوہارے ملا کر کھائے حتی کہ اپنے ساتھیوں سے اجازت لے لے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ حکم قحط سالی کے زمانہ میں ہے یا جب ہے جب کہ چھوہارے تھوڑے ہوں کھانے والے زیادہ ہوں،اگر یہ دودو چھوہارے کھائے تو دوسرے ساتھی بھوکے رہ جائیں گے،اگر اکیلا کھارہا ہے یا کھانے میں وسعت ہے تو چاہے چار چار کھائے،یہ بھی خیال رہے کہ یہ ممانعت جب ہے جب کہ کھانا مشترکہ ہو یا کسی کے گھر سب کی دعوت ہو اوراگر کھانا اس کا اپنا ہے جیسے چاہے کھائے۔اس حدیث سے ساتھ کھانے سے بہت سے حکم نکل سکتے ہیں۔اگر چند شخصوں نے مل کر ہانڈی پکائی ہے اور ساتھ ہی کھارہے ہیں تو ہر شخص دوسروں کا خیال رکھ کر بوٹیاں کھائے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ گھر والے بھوکے نہیں رہے جن کے پاس چھوہارے ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا اے عائشہ وہ گھر جس میں چھوہارے نہیں اس کے باشندے بھوکے ہیں دو یا تین بار فرمایا ۱؎(مسلم)

۱؎ یہ فرمان عالی مدینہ منورہ اور دوسرے ان شہر والوں کے لیے ہے جہاں عمومًا چھوہارے کھائے جاتے ہیں۔اب بھی اہلِ مدینہ اپنے گھروں میں چھوہارے کھجوریں رکھتے ہیں مہمان و ملاقاتیوں کی خاطر اس سے ہی کرتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ گھر میں کھانے کا ذخیرہ رکھنا اچھا ہے بلکہ سنت ہے،اس سے گھر میں برکت رہتی ہے اور گھر والوں کو بے فکری،ممکن ہے کہ ہر جگہ کے لیے یہ فرمان عالی ہو۔

	روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو کوئی صبح سویرے سات عجوہ چھوہارے کھائے ۱؎ تو اسے اس دن زہر اور جادو نقصان نہ دے گا ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ عجوہ مدینہ منورہ کے اعلیٰ قسم کے چھوہارے ہیں،ان کا رنگ سیاہ ہوتا ہے،ان پر کچھ دھاریاں قدرتی ہوتی ہیں۔عوالی مدینہ میں ایک باغ ہے جس میں عجوہ کے دو درخت ایسے ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ اقدس سے لگایا اب کچھ کم پھل دیتے ہیں۔فقیر نے ان درختوں کو بوسہ دیا ہے اور ان کے پھل کے ۱۱ دانے اپنے ساتھ لایا تھا،اس کا ایک دانہ ایک ریال کا ملتا ہے۔

۲؎ حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے۔واقعی عجوہ کھجور میں یہ تاثیر ہے،کسی تاویل کی ضرورت نہیں مگر عجوہ مدینہ منورہ کا ہو۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مقام عالیہ کے عجوہ ۱؎ میں شفا ہے اور وہ تریاق ہیں شروع صبح کے وقت ۲؎(مسلم)	

۱؎ عالیہ اطراف مدینہ منورہ کا وہ حصہ ہے جو مسجد قبا شریف کی طرف ہے،چونکہ یہ زمین کس قدر اونچی ہے اس لیے اسے عالیہ کہا جاتا ہے۔اس کی حد کم از کم تین میل تک ہے زیادہ سے زیادہ آٹھ میل تک لمبی،کہیں یہ تین میل دور ہے کہیں یہ آٹھ میل اس کے مقابل اطراف کو سافلہ کہتے ہیں۔(اشعہ،مرقات و لمعات)اس کی جمع عوالی ہے وہاں لفظ عوالی عام بولا جاتا ہے۔

۲؎ یعنی مقام عالیہ کی عجوہ کھجوریں خصوصی طور پر دافع زہر ہیں اگرچہ اور طرف کی کھجوریں بھی تریاق ہیں مگر چاہیے یہ کہ سویرے تڑکے میں کھائی جائیں،یہ فرمان بالکل برحق ہے۔جڑی بوٹیوں میں اللہ تعالٰی نے مختلف اثرات رکھتے ہیں ایسے ہی ان کھجوروں میں یہ اثر ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ ہم پر بعض مہینہ ایسا آتا کہ ہم اس میں آگ نہ جلاتے وہ غذا کھجوریں اور پانی ہی ہوتی مگر یہ کہ تھوڑا گوشت لایا جاتا ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی بعض مہینے ایسے گزرتے تھے کہ ہم پورا پورا مہینہ کچھ نہ پکاتے تھے صرف کھجوروں اور پانی پر گزارہ کرتے تھے،ہاں اگر کوئی شخص کچھ تھوڑا گوشت بھیج دیتا تو اس کے پکانے کو آگ جلاتے تھے،یہ ہے غذا اس شہنشاہ کونین کی جو کُل جہاں کے مالک و مختار ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور کبھی تھوڑے چھوہارے کھانا پانی پی کر پھر رہ جانا دو دو مہینے یوں ہی گزارہ صلی اللہ علیہ وسلم

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے دو دن گندم کی روٹی سے سیر نہ ہوتے مگر ان میں سے ایک دن چھوہارے ہوتے ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی ہمارے تو گھروں کا یہ حال تھا کہ کسی گھر میں مسلسل دو دن تک گیہوں کی روٹی کافی نہیں پکی کہ ہم لوگ شکم سیر ہوکر کھالیتے،ایک دن روٹی ایک دن چھوہارے۔گندم کی قید اس لیے لگائی کہ جو کی روٹی مسلسل پک جاتی تھی خصوصًا فتح خیبر کے بعد کہ اس زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ازواج پاک کو ایک ایک سال کے جو اور چھوہارے عطا فرمادیتے تھے جیساکہ احادیث شریفہ میں آتا ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی حالانکہ ہم دو کالی چیزوں سے سیر نہ ہوئے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎دوکالی چیزوں سے مراد چھوہارے اور پانی ہے کہ چھوہارے تو کالے ہوتے ہیں۔پانی کو تغلیبًا کالا فرمایا گیاجیسے چاند و سورج کو قمرین اور امام حسن اور حسین کو حسنین اور حضرت ابوبکروعمر کو عمرین کہا جاتا ہے۔یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف تک ہم نے کھجوریں وپانی بھی خوب سیر ہو کر نہ کھائیں۔فتح خیبر سے پہلے تو اس لیے کہ گھر میں یہ سامان زیادہ نہ ہوتا تھا اور فتح خیبر کے بعد اس لیے کہ حضور انور کو بہت سیر ہوکر کھانا پسند نہ تھا اگرچہ ہر گھر میں سال بھر کے جو اور چھوہارے موجود ہوتے تھے لہذا حدیث واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے فرماتے ہیں کہ کیا تم جس قدر چاہو کھانے پینے میں مشغول نہیں ۱؎میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ردی خرمے بھی اس قدر نہ پاتے تھے کہ اپنا پیٹ بھرلیں ۲؎(مسلم)	

۱؎یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام و تابعین سے ہے جب کہ مسلمانوں کو اللہ تعالٰی نے بڑی فراخی عطا فرمادی تھی خصوصًا عہد فاروقی عثمانی میں۔مقصد یہ ہے کہ اس فراخی رزق پر اللہ تعالٰی کا شکرکرو یا اعتراضًا فرمایا کہ تم لوگوں نے دنیاکی فراوانی پاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زہد تقویٰ اور ترک دنیا کا طریقہ چھوڑ دیا۔(مرقات)

۲؎دفل کا لفظی ترجمہ گڈ ہے یعنی ایسے معمولی خرمے جس میں ہر قسم کے خرمے موجود ہیں انکا کوئی خاص نام نہ ہو بکھرے پھرتے ہوں یعنی اعلیٰ کھانوں اعلیٰ کھجوروں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ردی معمولی گڈ خرمے بھی افراط سے نہ پاتے تھے،غالبًا یہ ذکر ہے فتح خیبر سے پہلے کا۔

روایت ہے حضرت ابو ایوب سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کھانا لایا جاتا تو آپ اس کھانے سے بچا ہوا مجھے بھیج دیتے تھے ۱؎آپ نے ایک دن ایک پیالہ بھیجا جس میں سے کچھ نہ کھایا تھا کیونکہ اس میں لہسن تھا ۲؎میں نے حضور سے پوچھا کہ کیا وہ حرام ہے ۳؎فرمایا نہیں لیکن میں اسے ناپسند کرتا ہوں اس کی بُو کی وجہ سے ۴؎عرض کیا جسے آپ ناپسند کرتے ہیں اسے میں بھی ناپسند کرتا ہوں ۵؎(مسلم)	

۱؎ یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچے۔ہر مدینہ والے کی تمنا تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر قیام فرمائیں میرے مہمان بنیں مگر یہ سعادت حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے نصیب میں تھی،حضور انور آپ کے گھر مہمان رہے،پہلے گھر کے اوپر حصے میں قیام فرمارہے،پھر نیچے حصہ میں جلوہ افروز رہے،اوپر حضرت ابوایوب کو رکھا۔اہلِ مدینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خدام بارگاہ کے لیے کھانا لاتے تھے،اہلِ مدینہ میں سب سے زیادہ غریب حضرت ابو ایوب ہی ہیں یہ ہی حضور کے پہلے میزبان ہیں۔سورج طلوع ہوکر پہلے اونچے مقامات کو لجھاتا ہے مگر مدینہ منورہ کا سورج پہلے چھوٹوں کو نیچوں کو لجھاتا ہے صلی اللہ علیہ وسلم
۔(از مرقات)حضرت ابو ایوب جب اوپر رہتے تھے تو اس جگہ قدم نہ رکھتے تھے جو جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے مقابل تھی۔

۲؎ کچا لہسن ہوگا جس کی بو نہ ماری گئی ہوگی۔

۳؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس میں سے کچھ نہ کھانا اس وجہ سے ہے کہ وہ حرام ہے اگر حرام ہے تو حضور انور نے میرے لیے کیوں بھیجا۔سبحان اللہ!کیا پیارا سوال ہے۔یا وہ کھانا ہے یا لہسن جو اس کھانے میں تھا۔

۴؎ یعنی کچا لہسن کھانے سے منہ میں بو آتی رہتی ہے اور ہمارے پاس فرشتے خصوصًا حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوتے رہتے ہیں جن سے ہم کلامی رہتی ہے۔ان فرشتوں کو منہ کی بو ناپسند ہے اس لیے ہم یہ چیزیں نہیں کھاتے تم کو یہ ملاقات ملائکہ کا شرف حاصل کہاں ہے تم کھاؤ۔

۵؎ یہ ہے درجہ فنافی الرسول یعنی اگرچہ میرے اندر وہ وجہ نہیں جس وجہ سے آپ لہسن نہیں ملاحظہ فرماتے یعنی فرشتوں سے ہم کلامی مگر میرے لیے تو آپ کا پسند فرمانا وجہ پسندیدگی ہے۔مطلب یہ ہے کہ مجھے بھی اس سے طبعًا نفرت ہوگئی اب میری طبیعت لہسن سے نفرت کرنے لگی اس لیے کرھت فرمایا لا اکل نہ کہا،ان کی طبیعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوگئی۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لہسن یا پیاز کھائے وہ ہم سے الگ رہے یا فرمایا کہ وہ ہماری مسجد ۱؎ سے الگ رہے یا اپنے گھر میں بیٹھے ۲؎ اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ہانڈی لائی گئی ۳؎ جس میں ساگ پات کی سبزیاں تھیں تو حضور نے اس میں بو محسوس کی تو فرمایا کہ اسے بعض صحابہ کی طرف بڑھا دو اور فرمایا تم کھاؤ ۴؎ میں ان سے کلام کرتا ہوں جن سے تم کلام نہیں کرتے ۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ مسجد سے مراد صرف مسجد نبوی شریف نہیں بلکہ تمام مسجدیں ہیں دنیا بھر کی مسجدیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تجلی گاہیں۔بعض روایات میں مساجدنا بھی ہے۔وجہ ظاہر ہے کہ مسجدوں میں رحمت کے فرشتے ہوتے ہیں جنہیں اسکی

بو ناپسند ہے بلکہ مسلمانوں کے مجمعوں،درس قرآن کی مجلسوں،علماء دین و اولیاء کاملین کی بارگاہوں میں بدبودار منہ لے کر نہ جاؤ۔

۲؎ یعنی جب تک منہ میں بدبو رہے گھر میں ہی رہو،مسلمانوں کے جلسوں،مجمعوں میں نہ جاؤ۔حقہ پینے والے۔تمباکو والا پان کھاکر کلی نہ کرنے والوں کو اس سے عبرت پکڑنی چاہیے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ جسے گندہ دہنی کی بیماری ہو اسے مسجدوں کی حاضری معاف ہے۔

۳؎ قدر کا ترجمہ ہے ہانڈی،بعض روایتوں میں بدر ہے،بدرچودھویں رات کے چاند کو کہتے ہیں،پھر گول طباق کو بدر کہا جاتا ہے۔خیر خواہ طبق لایا گیا ہو یا ہانڈی اس میں پیاز تھی کچی جس کی بو ظاہر ہورہی تھی۔

۴؎ یہ اخلاق کریمانہ ہے کہ لانے والے کا ہدیہ واپس نہیں فرمایامسئلہ بھی بتادیاہدیہ قبول بھی فرمالیااور اس لانے والے کے سامنے ہی حضرات صحابہ کرام کو کھلا بھی دیا تاکہ لانے والے کو رنج نہ ہو۔خیال رہے کہ جیسے بعض انسان بہت نازک ہوتے ہیں جو ادنی بو بھی برداشت نہیں کرتے اور بعض قوی جوکسی بو کی پرواہ نہیں کرتے یوں ہی ملائکہ رحمت بہت ہی نازک ہیں کہ بو کو برداشت نہیں کرتے۔عذاب کے فرشتے یوں ہی انسانوں کے ساتھ رہنے والے فرشتے بہت قوت والے ہیں جوکسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔دیکھو حضرت جبریل اور رحمت والے فرشتے کتے والے گھرمیں نہیں جاتے مگر ملک الموت کتے کی پرواہ نہیں کرتے۔

۵؎ یعنی حضرت جبریل علیہ السلام اور انکے ساتھی فرشتے جن سے ہم ہمکلام ہوتے رہتے ہیں۔معلوم ہوا کہ اپنے مصاحب کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت مقدام ابن معدیکرب سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا اپنا کھانا ناپ لیا کرو ۱؎ تم کو اس میں برکت دی جائے گی ۲؎ (بخاری)	

۱؎ یعنی دانہ بیچتے اور خریدتے قرض لیتے دیتےوقت ناپ تول کرلیا کروتاکہ کمی بیشی نہ ہواور تمہارے ذمے دوسروں کا اور دوسرے کے ذمے تمہارا حق نہ رہے یا جب بال بچوں کے لیے کھانا پکانے لگو تو وزن کرکے پکاؤ تاکہ کم نہ پڑے اور نہ کھانا فالتو بچے،یہ حکم استحبابی ہے۔

۲؎ یہ عمل بہت مجرب ہے کہ جب بازار سے کچھ آوے تو ناپ تول کرکے رکھی جائے ان شاء اللہ بہت ہی برکت ہوگی،ہاں خیرات کرتے وقت یا توکل کے موقعہ پر ناپ تول نہ کرے لہذا جن احادیث میں ہے کہ بعض صحابہ کرام کو حضور انور نے کچھ جو عطا فرمائے جس سے وہ برسوں کھاتے رہے جب اتفاقًا تول لیے تو ختم ہوگئے،وہ حدیث اس کے خلاف نہیں وہاں توکل کی تعلیم تھی،یوں ہی فطرہ تول کر خیرات کرے کہ وہاں اداء واجب وزن سے متعلق ہے۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دستر خوان جب اٹھایاجاتا ۱؎ تو آپ فرماتے اللہ کا شکر ہے بہت شکر پاکیزہ ۲؎ جس میں برکت دی جائے نہ کفایت کیا ہوا اور نہ وداع کیا ہوا اور نہ اس سے بے	

پرواہی کی ہوئی اے ہمارے رب۳؎(بخاری)	

۱؎حق یہ ہے کہ یہاں مائدہ سے مراد کپڑے کا دسترخوان ہے یا کھجور کے پتوں کا نہ کہ لکڑی کا خوان کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی کے خوان اور میز پر کھانا نہ کھاتے تھے۔

۲؎یعنی ایسی حمد جو ریا وغیرہ سے پاک ہو،اخلاص سے شامل ہو یہ تینوں کلمے یعنی کثیر،طیب اور مبارك حمدًا کی صفات ہیں اور حمدًا مفعول ہے نحمدہ فعل پوشیدہ کا۔

۳؎ظاہر یہ ہے کہ غیر پیش سے ہےھو پوشیدہ کی خبر اور یہ کلام دعائیہ ہے،ھو کا مرجع بچا ہوا وہ کھانا ہے جو سامنے سے اٹھایا جارہا ہے یعنی ابھی یہ کام ہم کو کافی نہ ہوچکا ہو،ہم سے وداع نہ ہو گیا ہو،ہم اس سے بے نیاز نہ ہوگئے ہوں،ہم کو پھر بھی عطا ہو۔یہ تینوں لفظ اسم مفعول ہیں مکفی۔مودع اور مستغنی اور ہوسکتا ہے کہ غیر کو فتح ہو اور یہ حمدًا کی صفت یا حال ہو یعنی ہم رب کی ایسی حمد کرتے ہیں جو نہ تو کفایت کی جاچکی ہے اور بس ہوچکی اور نہ آخری حمد ہے اور نہ ہم آئندہ کے لیے اس حمد سے بے نیاز ہوچکے ہم پھر بھی اپنے رب کی حمد کرتے رہیں اس کی نعمتوں کے گن گاتے رہیں اور ہوسکتا ہے کہ مکفی،مودع اور مستغنی تینوں اسم فاعل ہوں اور یہ عبارت نحمدہ کے مفاعل سے حال ہو تب معنی ہوں گے کہ ہم اتنی حمد پر کفایت ہی نہ کریں آئندہ بھی حمد کریں نہ حمد کی وداع کریں نہ آئندہ حمد الٰہی سے مستغنی و بے نیاز ہوجائیں مگر پہلی توجیہ ظاہر بھی ہے قوی بھی اور موقعہ کے مناسب بھی کہ کھانا کھا چکنے پر یہ دعا ہے تو کھانے کے متعلق ہونی چاہیے۔ربنا مرفوع بھی ہوسکتا ہے منصوب بھی مجرور بھی۔انت ربنا یا ربنا یہ اللہ کا بدل ہے تو مجرور ہے۔(مرقات وغیرہ)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی بندے سے خوش ہوتا ہے کہ وہ لقمہ کھائے تو اس پر اللہ کا شکر کرے ۱؎یا گھونٹ پیئے تو اس پر اللہ کا شکر کرے ۲؎(مسلم)اور ہم حضرت عائشہ اور ابوہریرہ کی دونوں حدیثیں ایک ماشبع الخ دوسری،خرج النبی الخ صلی اللہ علیہ وسلم ان شاء اللہ باب فضل فقراء میں بیان کریں گے۳؎	

۱؎اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ اگرکسی وقت تھوڑا سا کھانا بھی کھائے ایک آدھ لقمہ تب بھی خدا کی حمد کرے۔دوسرے یہ کہ کھاتے وقت ہر لقمہ پر اللہ کی حمد کرے ہم نے بعض بزرگوں کو کھانے کے ہر لقمے اور پانی کے ہر گھونٹ پر حمد کرتے دیکھا ہے۔

۲؎اس جملہ کے دو ہی مطلب ہیں جو ابھی ہم نے لقمہ کے متعلق عرض کیے۔

۳؎یعنی یہ دونوں حدیثیں مصابیح میں یہاں تھیں ہم نے مناسبت کا لحاظ کرکے انہیں باب فضل فقراء میں بیان کیا ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوایوب سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ کوئی کھانا پیش کیا گیا ۱؎ تو میں نے ایسا کھانا نہ دیکھا جو ہمارے اول کھاتے وقت بہت برکت والا ہو اور آخر میں کم برکت والا ہو ۲؎ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے ہو گیا فرمایا ہم نے کھانے کے وقت اس پر اللہ کے نام کا ذکر کیا تھا ۳؎ پھر وہ بیٹھ گیا جس نے کھایا اور اللہ کا نام نہ لیا تو اسکے ساتھ شیطان نے کھایا ۴؎ (شرح سنہ)	

۱؎ یہ واقعہ یا تو اس زمانہ کا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے گھر میں رونق افروز تھے یا اسکے بعد اور کسی وقت کا،حضرت ابو ایوب حضور کے پہلے میزبان ہیں۔

۲؎ یعنی جب ہم نے کھانا شروع کیا تو اس میں بڑی برکت دیکھی اور جب فارغ ہونے لگے تو اس کھانے میں بہت ہی بے برکتی محسوس کی۔برکت اور کثرت کا فرق ہم بارہا بیان کرچکے کثرت کمال نہیں برکت کمال ہے،اللہ تعالٰی ہر دینی و دنیاوی کاموں چیزوں میں برکت دے۔

۳؎ یعنی کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھی تھی۔امام غزالی فرماتے ہیں کہ صرف بسم اللہ پڑھنا کافی ہے۔باقی الرحمٰن الرحیم کہہ لینا بھی بہتر ہے مگر صحیح یہ ہے کہ پوری بسم اللہ پڑھنی چاہیے اور ہر کھانے پر ہر شخص پڑھے حتی کہ حیض و نفاس والی عورتیں بھی پڑھیں،حرام اور مکروہ کھانے پر نہ پڑھے بھنگ،چرس،حقہ پر بسم اللہ نہ پڑھے،شراب نوشی پر بسم اللہ پڑھنا کفر ہے۔(مرقات وغیرہ)اس کے پورے مسائل کتب فقہ میں مطالعہ کرو۔

۴؎ یعنی کھانا شروع کرتے وقت ہم میں سے ہر شخص نے بسم اللہ پڑھی تھی دوران کھانے میں ایک شخص کھانے میں ایسا شریک ہوگیا جس نے بسم اللہ نہ پڑھی اور کھانا شروع کردیا تو اس کے ساتھ جو شیطان قرین تھا وہ اس کے ہمراہ ہمارے کھانے سے کھانے لگا اس لیے بے برکتی آخری میں ہوگئی۔اس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کے ساتھ رہنے والا شیطان ہے جسے قرین کہتے ہیں،یہ بھی معلوم ہوا کہ کھانے کے وقت ہر شخص کا بسم اللہ پڑھ لینا اس کے ساتھی شیطان کے لیے مفید ہوگا دوسرے کے قرین کے لیے مفید نہیں لہذا ہر شخص کو بسم اللہ پڑھنی چاہیے،اگر پچاس آدمی کی جماعت کھانے بیٹھے تو ہر شخص علیحدہ بسم اللہ پڑھے لہذا بسم اللہ پڑھنا سنت عین ہے سنت کفایہ نہیں۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اگر کوئی جماعت کھانے بیٹھے تو بسم اللہ پڑھنا سنت کفایہ ہے کہ اگر ایک شخص نے پڑھ لی تو سب کے لیے کافی ہوگئی اور جو شخص بعد میں کھانے میں شریک ہوا اسے علیحدہ بسم اللہ پڑھنی پڑے گی،وہ حضرات لفظ ثم سے

دلیل پکڑتے ہیں مگر پہلی بات زیادہ قوی ہے جیسا کہ انا ذکرنا جمع فرمانے سے معلوم ہوا ہر شخص نے بسم اللہ پڑھی تھی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی کھائے تو اپنے کھانے پر اللہ کا ذکر بھول گیا ۱؎ تو کہہ لے بسم اللہ اس کے اول میں اور اس کے آخر میں ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ اللہ کے ذکر سے مراد بسم اللہ شریف پڑھنا ہے کہ کھانے کے وقت یہ ہی ذکر اللہ سنت ہے ہر وقت کا ذکر علیحدہ ہے۔خوشی کی خبر سننے کے وقت کا ذکر ہے الحمدللہ،غم کی خبر کا ذکر ہے انا للہ،بری بات سننے کے وقت کا ذکر ہے لاحول الخ تو کھانے کے وقت کا ذکر ہے بسم اللہ بلکہ وضو کرتے وقت،سوتے وقت،مسجد میں داخل ہوتے وقت بھی بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔اس جگہ بعض علماء نے فرمایا کہ ذکر اللہ سے مراد یہ ذکر ہے حتی کہ اگر کھاتے وقت کلمہ طیبہ بھی پڑھ لے تو بھی یہ فائدہ حاصل ہوجائے گا۔شاید یہ حضرت کھاتے وقت انا للہ یا لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنے کو بھی مفید کہتے ہوں بہرحال قوی یہ ہے کہ یہاں ذکر اللہ سے مراد بسم اللہ شریف ہے۔

۲؎ اصل میں فی اولہ وآخرہ تھا فی کو دور کردیا گیا اور اول آخر کو فتحہ دیا گیا۔اول آخر سے مراد کھانے کی ساری حالات ہیں،اول آخر درمیانی حالت جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا" یہاں صبح شام سے مراد تمام اوقات ہیں یعنی جو شخص کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو درمیان میں جب یاد آجائے تب یہ کہہ لے بلکہ بعض علماء نے فرمایا کہ کھانا کھا چکنے ہاتھ دھونے لینے کلی کرلینے کے بعد یاد آوے تب بھی یہ ہی کہہ دے مگر صحیح یہ ہے کہ دوران کھانے میں یاد آتے وقت ہی کہے تاکہ شیطان کھایا ہوا کھانا قے کردے بعد فراغ یہ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

روایت ہے حضرت امیہ ابن مخشی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کھاتا تھا تو اس نے بسم اللہ نہ پڑھی حتی کہ نہ باقی رہا اس کے کھانے سے مگر ایک لقمہ پھر جب اسے اپنے منہ کی طرف اٹھایا تو اس کے اول و آخر بسم اللہ ۲؎ کہا حضور ہنس پڑے پھر فرمایا کہ شیطان اس کے ساتھ کھاتا رہا پھر جب اس نے اللہ کا نام لیا تو جو کچھ اس کے پیٹ میں تھا سب قے کردیا ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ کی کنیت ابو عبید ہے،امیہ تصغیر سے ہے اور مخشی میم کے فتح شین کے کسرہ ی کی شد سے ہے،آپ صحابی ہیں،خزاعی اسدی ہیں،بصرہ میں قیام رہا،آپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے۔(مرقات واشعہ)

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ کھانا شروع کرتے وقت پوری بسم اللہ پڑھے لیکن اگر بیچ میں یاد آوے تو صرف بسم اللہ کہے اور ساتھ ہی اولہ و آخرہ کہہ لے۔یہ اصل میں فی اولہ و آخرہ تھا فی کو پوشیدہ کرکے اول آخر کو فتح دے دیا گیا۔
۳؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظریں حقیقت میں چھپی مخلوق کو بھی ملاحظہ فرماتی ہیں اور حدیث بالکل اپنے ظاہری معنی پر ہے کہ کسی تاویل کی ضرورت نہیں جیسے ہمارا معدہ مکھی والا کھانا ہضم نہیں کرسکتا ایسے شیطان کا معدہ بسم اللہ والا کھانا ہضم نہیں کرتا اگرچہ اس کا قے کیا ہوا کھانا ہمارے کام نہیں آتا مگر مردود تو بیمار بھی پڑ جاتا ہے اور بھوکا بھی رہ جاتا ہے اور ہمارے کھانے کی فوت شدہ برکت لوٹ آتی ہے۔غرضیکہ اس میں ہمارا فائدہ ہے اس کے دو نقصان اور ممکن ہے کہ وہ مردود آئندہ ہمارے ساتھ بغیر بسم اللہ والا کھانا بھی ڈر کے سبب نہ کھائے کہ شاید یہ بیچ میں بسم اللہ پڑھ لے اور مجھے قے کرنی پڑے۔غالبًا یہ شخص اکیلا کھا رہا تھا اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھاتا ہوتا تو بسم اللہ نہ بھولتا وہاں تو حاضرین بسم اللہ بلند آواز سے کہتے تھے اور ساتھیوں کو بسم اللہ کہنے کا حکم کرتے تھے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے کھانے سے فارغ ہوتے تھے ۱؎ تو فرماتے تھے شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہم کو کھلایا ہم کو پلایا مسلمان بنایا ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)۳؎	

۱؎ خواہ اکیلے یا جماعت کے ساتھ پھر خواہ اپنے گھر والوں کے ساتھ خواہ مہمانوں کے ساتھ پھر خواہ اپنے گھر یا کسی اور کے گھر مہمان بن کر ہر کھانے کے بعد یہ دعا پڑھتے۔
۲؎ کھانے پانی سے جسم کی پرورش ہے، اسلام وایمان سے جان و دل کی پرورش،ان دونوں نعمتوں پر شکر کرتے تھے کیونکہ شکر سے نعمت بڑھتی ہے،قرآن مجید کا وعدہ ہے،فقط پانی پی کر یہ دعا نہ پڑھتے تھے وہاں صرف **الحمد للہ** کہتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ ہر نئی نعمت پا کر نیا شکر کرے چونکہ کھانا اصل مقصود ہے اور پانی اس کے تابع اس لیے نعمت ظاہری کا ذکر پہلے فرماتے تھے باطنی کا بعد میں،نیز دعا کو اسلام کے ذکر پر ختم فرمانا اس لیے تھا کہ خاتمہ ایمان پر میسر ہو۔(مرقات)
۳؎ یہ حدیث احمد اور نسائی نے بھی روایت کی،ابن سنی نے اپنی کتاب **الیوم و اللیلۃ** میں نقل فرمائی۔غرضیکہ بہت محدثین نے نقل فرمائی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شکر گزار کھانے والا ۱؎ صابر روزہ دار کی طرح ہے ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ شکر کا اقل درجہ یہ ہے کہ بسم اللہ سے شروع کرے الحمد للہ سے ختم کرے، عملی شکریہ ہے کہ کھا پی کر رب تعالٰی کی اطاعت کرے،اللہ توفیق دے۔

۲؎ روزہ دار کا کم سے کم صبر یہ ہے کہ اپنے روزہ کو روزہ توڑنے والی چیزوں سے محفوظ رکھے اور درمیانی شکریہ ہے کہ مکروہات سے بچائے،اعلیٰ شکریہ ہے کہ ان چیزوں سے روزہ کو محفوظ رکھے جن سے روزہ غیر مقبول ہوتا ہے یعنی سر سے پاؤں تک ہر عضو کا روزہ ہو۔اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کے دو رکن ہیں: شکر اور صبر تو گویا نصف ایمان شکر ہے نصف ایمان صبر،نصف ہونے میں تشبیہ ہے ورنہ روزہ کا خصوصی درجہ وہ ہے جو کسی عبادت کو حاصل نہیں،فرماتا "الصوم لی وانا اجزی بہ روزہ میرا ہے اور اس کا ثواب میں ہی دوں گا یا اس کا ثواب خود میں ہوں۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ صابر روزہ دار تو کھانا پینا چھوڑ کر صبر کرتا ہے اور شاکر کھانے والا اس کھانے سے پیدا شدہ قوتوں کو ناجائز جگہ خرچ کرنے سے روک کر صبر کرتا ہے تو شاکر بھی بالواسطہ صابر ہی ہے۔بہرحال شکر کو صبر سے بہت مناسبت ہے۔

ابن ماجہ،دارمی بروایت سنان ابن سنہ وہ اپنے والد سے ۱؎	

۱؎ سنان سین کے کسرہ اور نون کے فتحہ سے ہے،سنہ کے فتحہ اور نون کے شد سے۔بعض محدثین نے فرمایا کہ سنان اور سنہ دونوں باپ بیٹے صحابی ہیں،بعض نے فرمایا کہ سنان تابعی ہیں اور سنہ صحابی ہیں،سنہ اسلمی ہیں ۳۲ بتیس ہجری میں خلافت عثمانیہ میں ان کی وفات ہوئی،ان کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابو ایوب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھاتے یا پیتے تو کہتے شکر ہے اس اللہ کا جس نے کھلایا پلایا اور اسے بہ آسانی اتارا ۱؎ اور اس کے نکلنے کا راستہ بنایا ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ اس طرح کہ کھانا چبانے کو منہ میں دانت دیئے،کھانا تر کرنے کو منہ میں لعاب دیا،اسے گھمانے کے لیے منہ میں زبان بخشی،پھر اسے پیٹ میں پہنچانے کے لیے حلق کی فراخ نالی عطا فرمائی۔خیال رہے کہ تسویغ کھانے اور پانی کے لیے بولا جاتا ہے۔

۲؎ کہ ایک منہ سے کھانے پینے کی چیزیں اندر جاتی ہیں مگر دو راستوں سے نکلتی ہیں،کھانا اور راستہ سے پانی دوسرے راستہ سے،پھر معدہ کھانے کا خزانہ بنایا اور مثانہ پانی کا خزانہ بنایا پھر ان دونوں کے بعض اجزاء پر رونگٹے سے پسینہ بنا کر نکالا۔

روایت ہے حضرت سلمان سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے تورات میں پڑھا کہ ۲؎ کھانے کی برکت وضو کرنا ہے کھانے کے بعد ۳؎ تو میں نے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا ۴؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانے کی برکت وضو کرنا ہے کھانے سے پہلے اور وضو کرنا ہے کھانے کے بعد ۵؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ آپ سلمان فارسی ہیں،آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے۔

۲؎ یعنی مسلمان ہونے سے پہلے میں نے توریت میں پڑھا تھا۔
۳؎ یہاں وضو لغوی معنی میں ہے جو بنا ہے وضوء سے بمعنی صفائی اور اچھائی لہذا اس کے معنی ہیں ہاتھ و منہ کی صفائی کرنا کہ ہاتھ دھونا کلی کرلینا۔
۴؎ یا تو توریت شریف کے اس فرمان کی تصدیق و تائید کے لیے یا یہ پوچھنے کے لیے کہ اب اسلام میں بھی یہ حکم ہے یا دیگر احکام کی طرح منسوخ ہوگیا۔
۵؎ یعنی توریت شریف میں دوبار ہاتھ دھونے کلی کرنے کا حکم تھا کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد مگر یہود نے صرف بعد رکھا پہلے کا ذکر مٹا دیا۔کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کلی کرنے کی ترغیب اس لیے ہے کہ عمومًا کام کاج کی وجہ سے ہاتھ میلے ہوجاتے ہیں اور کھانے میں ہاتھ و منہ چکنے ہوجاتے ہیں لہذا دونوں وقت یہ صفائی کرلو کھانا کھا کر کلی کرلینے والا شخص ان شاءاللہ پائیوریا سے محفوظ رہتا ہے،وضو میں مسواک کرنے کا عادی دانتوں اور معدے کے امراض سے بچا رہتاہے،کھانے کھانے کے فورًا بعد پیشاب کرلینے کی عادت ڈالواس سے گردہ و مثانہ کے امراض سے حفاظت ہے بہت مجرب ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم پاخانہ سے تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا تو صحابہ نے عرض کیا کہ کیا ہم وضو کا پانی حاضر نہ کریں ۱؎ فرمایا کہ وضو کا حکم دیا گیا صرف جب کہ نماز کی طرف کھڑا ہوں ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد)
	نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی۔

۱؎ وہ حضرات سمجھے تھے کہ کھانے سے پہلے شرعی وضو کرنا واجب ہےاس لیے وضو کے لیے پانی لانے کی اجازت مانگی۔
۲؎ یہ حصر غالب حالت کے لحاظ سے ہے ورنہ سجدۂ تلاوت،قرآن پاک چھونے،طواف کعبہ کرنے کے لیے بھی وضو کرنے کا حکم ہے،سجدۂ تلاوت کے لیے وضو شرط ہے۔مقصدیہ ہے کہ ہمارے اس فرمان میں کہ کھانا وضو کرکے کھاؤ وضو سے مراد عرفی وضو ہے اور حکم استحبابی ہے،شرعی وضو کھانے کے لیے نہ فرض ہے نہ سنت،اس میں امت پر آسانی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی کہ آپ کے پاس ثرید کا پیالہ لایا گیا ۱؎ تو فرمایا کہ اس کے کناروں سے کھاؤ اور اس کے بیچ سے نہ کھاؤ ۲؎ کیونکہ برکت برتن کے بیچ میں اترتی ہے۔(ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور ابوداؤد کی روایت ہے فرمایا جب تم میں

سے کوئی کھانا کھائے تو پیالے کے اوپر سے نہ کھائے لیکن اس کے نیچے سے کھائے ۳؎ کیونکہ برکت اس کے اوپر سے اترتی ہے ۴؎	

۱؎ثرید بنا ہے ثرد سے بمعنی بھگونا اور تر کرنا۔اصطلاح میں ثرید یہ ہے کہ روٹی کے ٹکڑے شوربے میں بھگوئے جائیں،ثرید حضور انور کو پسند تھا،طبّی لحاظ سے بھی ثرید زود ہضم اور مفید ہے حضور کی یہ ادا حکمت سے پُر ہے۔قصعہ وہ بڑا پیالہ ہے جس سے چند آدمی بیک وقت کھاسکیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے کھانا نہ کھاتے تھے جماعت کے ساتھ کھاتے تھے۔کسی نے کیا خواب کہا ہے۔

خوردہ ہماں بہ کہ بہ سہبا خوری　　　حیف براں خوردہ کہ شبہا خوری

۲؎یعنی ہر شخص اپنے سامنے والے کنارہ سے کھائے بیچ پیالے سے نہ کھائے،درمیان پیالہ نزول رحمت کی جگہ ہے درمیان پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

۳؎یہاں بھی نیچے سے مراد اپنے سامنے والا کنارہ ہے اور اوپر سے مراد پیالہ کا درمیانی حصہ ہے مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا۔درمیانی پیالہ حد مشترک ہے اور پیالہ کے کنارے ہر کھانے والے کا حق ہے۔بیچ سے کھانا حرص کی علامت ہے، حریص رحمت الٰہی سے محروم ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے کھانے کے وقت بھی رحمت باری کا نزول ہوتا ہے خاص کر جب کہ سنت کی نیت سے کھایا جائے۔

۴؎نیچے سے مراد برتن کے کنارے ہیں جہاں سے کھانے والے کھائیں گے اور اوپر سے مراد درمیان برتن ہے،چونکہ یہ درمیانی جگہ قدر مشترک ہے اس لیے برکت کا وہاں ہی نزول مناسب ہے۔اس فرمان عالی میں برکت اور رحمت کو اس پانی سے تشبیہ دی گئی جو اوپر یعنی اونچی جگہ میں اترے اور وہاں سے چو طرفہ کناروں میں پہنچ جائے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکیہ لگاکر کھاتے کبھی نہ دیکھا گیا ۱؎ اور نہ دو شخص آپ کی ایڑیوں کو روندتے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎یعنی نہ تو کسی چیز کی ٹیک لگا کر کھانا کھاتے نہ اپنے ہاتھ پر تکیہ لگا کر کھاتے کہ یہ طریقہ متکبرین کا ہے،اکثر اوکڑوں بیٹھ کر کھاتے کہ یہ طریقہ متواضعین کا ہے۔

۲؎یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم راہ میں دو آدمیوں سے بھی آگے نہ چلتے تھے تاکہ آپ اپنی بڑائی ظاہر کریں بلکہ آپ سب کے ہمراہ چلتے تھے،یہ تو تھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی عادت کریمہ مگر قدرتی کرشمہ یہ تھا کہ حضور بہت آہستہ چلتے اور ساتھی تیز چلتے تب بھی آپ کے ہمراہ نہ چل سکتے تھے پیچھے ہی رہ جاتے تھے گویا زمین حضور کے لیے لپیٹی جاتی تھی جیساکہ ان شاءاللہ باب المعجزات میں آوے گا۔اسی طرح بہت لمبے قد والے حضرات آپ کے ساتھ ہوتے مگر سب سے اونچے آپ ہی معلوم ہوتے تھے،یہ معجزہ اب بھی گنبد خضراء شریف سے ظاہر

ہے۔خیال رہے کہ دنیا میں پیشوا بن کر رہنا بھی کبھی خدا کا عذاب ہوتا ہے۔مرقات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو یہ دعا دی تو فرمایا کہ الٰہی اگر یہ جھوٹا ہے تو اسے لوگوں کا پیشوا بنادے کہ لوگ اس کے پیچھے چلا کریں جو سرداری کا اہل نہ ہو اور کوشش سے سرداری حاصل کرے اس کے لیے سرداری عذاب ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حارث ابن جز سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روٹی اور گوشت لایا گیا حالانکہ آپ مسجد میں تھے ۲؎ تو حضور نے کھایا اور آپ کے ساتھ ہم نے کھایا پھر آپ اٹھے نماز پڑھی اور ہم نے آپ کے ساتھ پڑھی اور اس پر زیادتی نہ کی ہم نے اپنے ہاتھ بجری سے پوچھ لیے ۳؎(ابن ماجہ)

۱؎آپ صحابی ہیں،جنگ بدر میں حاضر ہوئے،پھر عہدِ فاروقی میں جہاد مصر میں شرکت کی،وہاں ہی وفات پائی ۸۸ھ اٹھاسی ہجری میں وفات ہے۔(اشعہ و مرقات)

۲؎غالبًا حضور انور معتکف تھے یا مہمان مسافر آئے تھے جنہیں مسجد میں ٹھہرایا گیا تھا یا یہ کھانا پینا بیان جواز کے لیے تھا۔خیال رہے کہ معتکف اور مسافر کو مسجد میں کھانا پینا بلاکراہت جائز ہے ان دونوں کے علاوہ دیگر لوگوں کے لیے چھوہارے وغیرہ خشک چیزیں کھانا جس سے مسجد کا فرش خراب نہ ہو جائز ہے،روٹی سالن وغیرہ تر چیزیں جس سے مسجد کے تلوث کا اندیشہ ہو نہ کھانا چاہیئے اور کھانا اس طرح کہ فرش مسجد خراب ہو ہر شخص کو حرام ہے خواہ معتکف و مسافر ہو یا ان کے غیر۔احناف کے نزدیک غیر معتکف و مسافر کو مسجد میں کھانا پینا سونا مکروہ ہے،دیکھو کتب فقہ۔

۳؎زمانہ رسالت شریف میں حرم نبوی میں بجری بچھی تھی اب بھی وہاں صحن میں بجری ہی ہے۔بجری سے ہاتھ مل دینے سے بجری خراب نہیں ہوتی اور ہاتھ بھی صاف ہوجاتے ہیں وہاں کھانا وغیرہ میں تکلف کوئی نہ تھا۔خیال رہے کہ یا تو نماز کی جلدی تھی یا بیان جواز کے لیے یہ عمل فرمایا ورنہ کھانا کھا کر ہاتھ دھونا،کلی کرنا سنت ہے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں کھانا کے بعد ہاتھ دھونے،کلی کرنے کا حکم ہے کہ وہ بیان سنت کے لیے ہے اور یہ حدیث بیان جواز کے لیے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوشت لایا گیا تو آپ کی خدمت میں دستی پیش کی گئی آپ اسے پسند کرتے تھے ۱؎ تو آپ نے اسے دانت سے نوچ کر کھایا ۲؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ دستی کا گوشت جلد گل جاتا ہے اس میں چھترے نہیں ہوتے،نہایت لذیذ ہوتا ہے اس کی مثل دوسرے گوشت سی نہیں۔گندگی یعنی پیشاب و گوبر سے بہت دور رہتا ہے،جلد ہضم ہوتا ہے،دانتوں میں اس کے چھترے نہیں پھنستے کیونکہ چھترے ہوتے ہی نہیں۔

۲؎ بوٹی دانت سے نوچ کر کھانا بھی سنت ہےاس میں بے تکلفی بھی ہے،لذت بھی تواضع اور انکسار بھی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا پر لاکھوں سلام،ان کی ہر ادا رب تعالٰی کی طرف سے ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گوشت چھری سے نہ کاٹو کیونکہ یہ عجمیوں کے معمولات سے ہے ۱؎ اور اسے نوچ کر کھاؤ کہ مزیدار اور جلد اترنے والا ہے ۲؎ ابوداؤد،بیہقی شعب الایمان اور ان دونوں نے کہا یہ قوی نہیں ۳؎

۱؎ یعنی کھانے کو ہاتھ نہ لگانا چھری کانٹے سے کھانا،گوشت کی اگرچہ چھوٹی بوٹیاں ہوں خوب گلی ہوں پھر بھی چھری سے کھانا طریقہ یہودیوں عیسائیوں کا ہے۔اس سے بچو تم ہاتھ سے کھاؤ،ہاں اگر بڑے بڑے پارچے کھائے گئے ہوں تو کھاتے وقت چھری سے کاٹنے کا ذکر ہے کہ وہاں پارچے بڑے بڑے تھے۔خیال رہے کہ عیسائیوں کے ناخن بڑے بڑے ہوتے ہیں جن میں میل بھرا رہتا ہے پھر وہ پانی سے استنجا کرتے نہیں ہاتھ کبھی دھوتے نہیں اس لیے وہ ہاتھ سے کھاتے نہیں،ہم مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم سے سر سے پاؤں تک بالکل پاک و صاف رہتے ہیں ہم ہاتھ سے کیوں نہ کھائیں۔

۲؎ یعنی دانت سے نوچی ہوئی بوٹیاں مزیدار زود ہضم اور جلد کھائی جانے والی ہوتی ہیں اس لیے اسی طرح کھایا کرو۔

۳؎ اگر یہ حدیث قوی نہ ہو تو وہ حدیث تو قوی ہے **من تشبه بقوم فهو منهم** جو کسی قوم سے مشابہت ان کی نقالی کرے وہ اس قوم سے ہوتا ہے۔حدیث کی اسناد کیسی ہی ہوں حکم بالکل درست ہے،یہ حدیث اس صحیح حدیث سے قوت یافتہ ہے قرآن کریم کی آیت سے بھی قوت پاتی ہے "**لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ**"۔کفر سے دلی یا عملی محبت حرام ہے۔آپ نو مسلم عیسائیوں کی نقالی میں کھڑے کھڑے کھاتے ہیں ہاں ابھی ہاتھ سے کھاتے ہیں برتن میں منہ نہیں ڈال دیتے۔

	روایت ہے حضرت ام منذر سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ میرے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ کے ساتھ جناب علی تھے اور ہمارے ہاں خوشے لٹکے ہوئے تھے ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے لگے اور علی بھی آپ کے ساتھ کھانے لگے ۳؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی سے فرمایا اے علی ٹھہرو ۴؎ کیونکہ تم کمزور

ہو ۵؎ فرماتی ہیں پھر میں نے ان حضرات کے لیے چقندر اور جو تیار کیے ۶؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی اس سے لو کیونکہ یہ تمہارے لیے بہت موافق ہے ۷؎(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ آپ کا نام لیلیٰ بنت قیس ہے،انصاریہ عدویہ ہیں،کنیت ام المنذر،صحابیہ ہیں،قدیم الاسلام ہیں،چنانچہ آپ نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے۔

۲؎ دوالی جمع ہے دالیہ کی،دالیہ کچی کھجوروں کے خوشوں کو کہتے ہیں۔اس زمانہ میں باغ والے لوگ اپنے باغوں اور گھروں میں کھجوروں کے خوشے لٹکا دیتے تھے تاکہ جو بیلی ملاقاتی آئے پہلے ان میں سے کھائے گویا یہ بھی خاطر تواضع کا ایک طریقہ تھا۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ دونوں حضرات نے کھڑے کھڑے کھائے مگر یہ کھڑے کھڑے کھانا فیشن کے طور پر نہ تھابلکہ اس خوشے سے توڑ توڑ کر کھانا کھڑے ہو کر ہی ممکن تھا اور ہوسکتا ہے کہ بیٹھ کرکھاتے ہوں مگر بعض روایات میں ہے کہ اس کے بعد جناب علی رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کھانا کھڑے ہو کر تھا،مرقات نے اس کو ترجیح دی۔

۴؎ یعنی تم نہ کھاؤ کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لو وجہ آگے آرہی ہے۔

۵؎ ناقه بنا ہے نقاھت سے۔نقاہت وہ کمزوری ہے جو بیماری سے اٹھنے کے بعد بیمار میں رہتی ہے،غالبًا آپ بیماررہ چکے ہوں گے۔

۶؎ یعنی میں ان حضرات کے لیے چقندر اور جو کالپٹا(سیرا) تیار کیا۔لھم کا مرجع حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ضمیر کا جمع لانا تعظیمًا ہے یا اس کا مرجع حضرت علی رضی اللہ عنہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔عرب والے کبھی دو کو جمع بول دیتے ہیں،بعض شارحین نے فرمایا کہ کچھ اور صحابہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔واللہ اعلم!

۷؎ یہاں اوفق بمعنی موافق ہے،مقابل ضرر کا،یعنی تمہارے لیے کھجوریں مضر ہیں،یہ لپٹا(سیرا) موافق و مفید ہے کیونکہ جو بہت ہی زود ہضم ہے۔اطباء بیماروں کو آتش جو بتاتے ہیں،چقندر بھی ہلکی غذاہے اور معتدل ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکیم جسمانی بھی ہیں۔دوائیں،پرہیز،مضر و مفید غذائیں سب کچھ جانتے ہیں۔یہ بھی معلوم ہوا کہ بیمار بلکہ بیماری سے اٹھنے والے کمزور کو پرہیز لازم ہے۔اطباء کہتے ہیں کہ دوا سے زیادہ پرہیز ضروری ہے دوا بغیر پرہیز ایسی ہے جیسے نماز بغیر وضو۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھرچنی پسند تھی ۱؎(ترمذی،بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ثقل کے بہت معانی ہیں:تل چھٹ،ستو اور کھجور،کھرچن،یہاں تیسرے معنی مراد ہیں۔ہانڈی کی کھرچن لذیذ بھی ہوتی ہے زود ہضم بھی،تمام ہانڈی کی طاقت ایک طرف اور کھرچن کی طاقت ایک طرف،غرضیکہ چاول وغیرہ کی کھرچن میں بہت خوبیاں ہیں اس جملہ کے اور بہت معنی کیے گئے ہیں۔بعض شارحین نے یہ معنی کیے کہ حضور انور تمام اہل و عیال،مہمانوں،زائرین،مساکین کو شوربا وغیرہ پہلے کھلادیتے تھے خود آخر میں شوربے کا تلچھٹ ملاحظہ فرماتے تھے،مگر میرے نزدیک یہ معنی درست نہیں۔حضور انور مہمانوں،زائرین،مساکین کے ساتھ ہی کھانا کھاتے تھے پھر آخر میں اکیلے کھانے کے کیا معنی۔

روایت ہے حضرت نبیشہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا جو کسی پیالہ میں کھائے پھر اسے چاٹ لے ۱؎تو اس کے لیے پیالہ دعاء مغفرت کرتا ہے ۲؎(احمد،ترمذی،ابن ماجہ،دارمی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ پیالہ کا ذکر اس لیے فرمایا کہ اکیلا آدمی اکثر پیالے میں کھاتا ہے۔بڑے برتن۔بڑی تھالی میں جماعت کھاتی ہے۔اکیلا کھانے والا اگر چھوڑے تو اتنا چھوڑے کہ دوسرا کھاسکے ورنہ پیالہ خوب صاف کردے،یہ ہی حکم چاول وغیرہ کا ہے۔

۲؎حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے تاویل ہیر پھیر کی کوئی ضرورت نہیں۔واقعی پیالہ ایسے کھانے والے کے لیے دعا کرتا ہے کیونکہ اس میں برتن کی صفائی ہے۔کھانے کا ادب ہے کھانے کو بربادی سے بچانا ہے۔برتن میں چھوڑنے سے اس پر مکھیاں بھنکتی ہیں،وہ کھانا نالیوں،گندگیوں میں دھو کر پھینک دیا جاتا ہے جس سے اس کی سخت بے ادبی ہوتی ہے،اگر دو تین اشرفی برتن کھانا برباد ہو تو ایک شہر میں کئی من کھانا برباد ہوگا غرضیکہ برتن چاٹنے میں بہت حکمتیں ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو رات اس حال میں گزارے کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی ہے جسے دھویا نہیں ۱؎پھر اسے کچھ مصیبت پہنچے ۲؎تو اپنے ہی کو ملامت کرے ۳؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎یعنی جو کھانا کھا کر ہاتھ نہ دھوئے یوں کھانے کی چکنائی اس کے ہاتھ میں لگی رہے اور دوپہری میں یا رات میں اسی طرح سوجائے۔

۲؎یہاں مصیبت سے مراد چوہے یا سانپ کا کاٹ جانا ہے کہ یہ دونوں جانور کھانے کی خوشبو پر دوڑتے ہیں یااس سے مراد برص کی بیماری ہے کہ کھانے کے سنے ہوئے ہاتھ جسم کے پسینہ سے لگ کر جہاں چھو جائیں وہاں کوڑھ کے سفید داغ پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔(مرقات واشعہ)

۳؎ نہ کسی شخص کو برا کہے نہ اپنی تقدیر پر اعتراض کرے کہ قصور خود اس کا اپنا ہے۔مقصد یہ ہے کہ کوئی شخص کھانے کے بھرے ہوئے ہاتھ لے کر نہ سویا کرے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ترین کھانا روٹی کا ثرید تھا۱؎ اور کھجور و مکھن کا ثرید تھا ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ روٹی کا ثرید یہ ہے کہ شوربے میں روٹی کے ٹکڑے گلا لیے جائیں حتی کہ بوٹیاں بھی اس میں حل کرلی جائیں یہ نہایت لذیذ زود ہضم کھانا ہے۔

۲؎ **حیس** کے لغوی معنی ہیں مخلوط چیز،اصطلاح میں کھجوریں اور مکھن کے مخلوط کھانے کو **حیس** کہتے ہیں۔یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھا یہ بھی نہایت لذیذ ہوتا ہے،چھوہارا اور کھجور ویسے بھی مقوی چیز ہے مکھن سے مل کر اس کی خشکی کم ہوجاتی ہے لذت بھی زیادہ ہوجاتی ہے نقصان بھی جاتا رہتا ہے۔مدینہ منورہ میں فقیر نے کھجور و گھی ملاکر کھائی بہت لذیذ تھی۔

	روایت ہے حضرت ابو سید انصاری سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روغن زیتون کھاؤ بھی لگاؤ بھی ۲؎ کہ یہ برکت والے درخت سے ہے ۳؎ (ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ ابو اسید الف کے پیش سین کے فتحہ سے حضرت مالک ابن ربیعہ کی کنیت ہے جو مشہور صحابی ہیں،تمام غزوات میں شریک رہے،صحابہ بدر میں سب سے آخر میں آپ ہی کی وفات ہوئی، ۶۰ھ ساٹھ ہجری میں وفات پائی،اٹھتر سال عمر ہوئی،آخر میں نابینا ہو گئے تھے اور ابو اسید الف کے فتحہ سین کے کسرہ سے ان کا نام عبداللہ ابن ثابت ہے،مدنی ہیں،انصاری ہیں،یہاں پہلے ابو اسید مراد ہیں۔**واللہ ورسولہ اعلم!(مرقات)**

۳؎ روغن زیتون روٹی کے ساتھ سالن بناکے کھاؤ،سر میں اس کی مالش کرو،یہ حکم بطور مشورہ ہے لہذا استحباب کے لیے ہے۔

۴؎ کیونکہ درخت زیتون برکت والی زمین فلسطین میں ہوتا ہے جو حضرات انبیاءکرام کا مسکن ہے،نیز اسے رب تعالٰی نے شجرہ مبارکہ فرمایا،اس کے فوائد بہت ہیں،بہت سے امراض میں زیتوں کا پھل اس کا تیل کام میں آتا ہے،یہ سالن بھی ہے،جسم اور سر کی مالش کا تیل بھی،چراغ میں روشنی بھی دیتا ہے،بہت مرضوں کا علاج بھی ہے،بواسیر میں بہت مفید ہے۔حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ روغن زیتون میں ستر مرضوں کا علاج ہے جن میں جذام بھی ہے۔(ابونعیم و مرقات)

	روایت ہے حضرت ام ہانی سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ میرے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ ہے میں نے کہا نہیں سوا خشک روٹی اور سرکہ کے ۲؎ تو فرمایا لاؤ ۳؎ وہ گھر سالن سے خالی نہیں جس

	میں سرکہ ہو۴؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن بھی ہے غریب بھی۔

۱؎آپ کا نام فاختہ یا ہند ہے،ابو طالب کی بیٹی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں،زمانہ جاہلیت میں آپ کا نکاح ہبیرہ ابن وہب سے ہوا،آپ مسلمان ہوگئیں،ہبیرہ نے اسلام قبول نہ کیااس لیے علیحدگی کردی گئی۔حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نے آپ کو نکاح کا پیغام دیا مگر آپ نے یہ معذرت کی کہ میں بہت بچوں والی بی بی ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کما حقہ نہ کرسکوں گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے بجائے آرام کے تکلیف ہوگی،آپ بہت احادیث کی راویہ ہیں۔

۲؎یعنی یہ دو حقیر سی چیزیں میرے پاس ہیں جو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لائق نہیں۔**یابس** سے مراد ہے سوکھی ہوئی روٹی چند روز کی ہوجس کا چبانا مشکل ہو۔

۳؎ہمراہ ہی کھائیں گے۔

بوریا ممنون خواب راحتش　　　تاج کسریٰ زیر پائے امتش

۴؎**قفر** کے معنی ہیں خالی ہونااس لیے چٹیل میدان کا **قفار** کہتے ہیں جو سبزہ سے خالی ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ آدمی اعلیٰ درجہ پر پہنچ کر بھی معمولی غذاؤں سے نفرت نہ کرےاپنی عادت سیدھی سادی رکھےسادہ زندگی گزارنے کا عادی رہے۔

	روایت ہے حضرت یوسف ابن عبداللہ ابن سلام سے۱؎ فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور نے جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا لیا پھر اس پر چھوہارا رکھا فرمایا یہ اس کا سالن ہے اور کھالیا۲؎(ابوداؤد)

۱؎سیدنا عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں،یوسف علیہ السلام کی اولاد میں ہیں ان کے یہ صاحبزادہ بھی صحابی ہیں،آپ کا نام حضور انور نے یوسف رکھا،کنیت ابو یعقوب ہے۱۰۰ھ سو ہجری میں آپ کی وفات ہے،آپ سے تین احادیث مروی ہیں۔

۲؎کھجور کو سالن فرمانا مجازًا ہے یعنی روٹی اس سے کھائی جاسکتی ہے اور یہ مثل سالن کے ہے۔خیال رہے کہ جو سرد خشک ہیں اور کھجور گرم لہذا جو کی روٹی کی اصلاح بھی کھجور سے ہوجاتی ہے۔اس حدیث میں صبر وقناعت کی بے مثال تعلیم ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت سعد سے۱؎فرماتے ہیں میں بیمار ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے۲؎اپنا ہاتھ مرے پستانوں کے بیچ رکھا حتی کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل پر پائی ۳؎اور فرمایا کہ تم دل کے بیمار ہو حارث ابن کلدہ ثقفی کے پاس جاؤ وہ طبابت کرتے

	ہیں ۴ وہ مدینہ کی عجوہ میں سے ساتھ عجوہ کھجوریں لیں انہیں معہ گٹھلیوں کے کوٹ لیں اور پھر ان سے تم کو پلادیں ۵؎(ابوداؤد)

۱؎یہاں سعد سے مراد حضرت سعد ابن ابی وقاص ہیں جو عشرہ مبشرہ سے ہیں،یہ واقعہ فتح مکہ کے سال کا ہے،اس وقت آپ مکہ معظّمہ میں تھے آپ سخت بیمار ہوگئے تھے۔(مرقات)

۲؎حضور انور اپنی جائے قیام سے میری جائے قیام پر صرف میری مزاج پرسی کے لیے تشریف لائے۔معلوم ہوا کہ اپنے خدام کی مزاج پرسی بیمار پرسی کے لیے ان کے گھرجانا سنت ہے۔

۳؎حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک قدرتی طور پر قدرے ٹھنڈے تھے جن سے دوسرے کو نہایت خوشگوار ٹھنڈک محسوس ہوتی تھی،چونکہ حضرت سعد کو دل کی بیماری تھی اس لیے حضور انور نے بیماری کی جگہ ہاتھ رکھا۔معلوم ہوا کہ مرض کی جگہ ہاتھ رکھنا عیادت کے لیے سنت ہے۔**فواد** دل کو بھی کہتے ہیں دل کے پردے کو بھی اور سینہ کو بھی جو دل کا مقام ہے،یہاں غالبًا بمعنی سینہ ہے۔

دل کرو ٹھنڈا مراوہ کف پاچاند سا سینہ پہ رکھ دو ذرا تم پہ کروڑوں درود

مبارک ہے وہ بیماری جس میں ایسے تیماردار امت کے غم خوار چل کر مریض کے پاس آویں۔

سر بالیں انہیں رحمت کی ادا لائی ہے حال بگڑا ہے تو بیمار کی بن آئی ہے

اب بھی بعض بزرگوں نے اپنی بیماری میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جاگتے ہوئے زیارت کی ہے کہ حضور نے ان کی تیمارداری و عیادت فرمائی۔سبحان اللہ!

۴؎اس سے معلوم ہوا کہ کافر طبیب سے علاج کرانا جائز ہے کیونکہ حارث ابن کلدہ مکہ معظّمہ میں مشہور طبیب تھا مگر کافر تھا اس کا اسلام ثابت نہیں۔(اشعۃ اللمعات) مگر حیرت یہ ہے کہ مرقات نے فرمایا کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے سال ہوااور اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ حارث ابن کلدہ شروع اسلام میں فوت ہواکافر مرا مسلمان نہ ہوا۔اس سے معلوم ہو اکہ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ماہر طبیب سے علاج کرانا چاہیے جو فن طبابت میں مہارت رکھتا ہو ورنہ نیم حکیم خطرہ جان۔اور تجربہ بھی رکھتا ہو یہ کام کرتا بھی ہو۔**یتطیب** سے بہت مسائل حل ہوگئے۔

۵؎اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ احادیث شریفہ کی تجویز فرمائی ہوئی دوائیں کسی طبیب کی رائے سے استعمال کرنا چاہئیں جو ہمارے مزاج،موسم،دوا کی تاثیر،ہمارے مرض کی کیفیت سے خبردار ہو۔دوسرے یہ کہ بعض دوائیں طبیب ہی کے ہاتھ سے استعمال کرنی چاہیے۔آج ڈاکٹر ہی ٹیکہ تجویز کرتے ہیں وہ ہی لگاتے ہیں،دیکھو حضور انور نے دوا تجویز فرمادی مگر استعمال کے لیے طبیب کے پاس بھیجا۔تیسرے یہ کہ عجوہ کھجور اور اس کی گٹھلی میں بہت فوائد ہیں۔ان سے دل کی دھڑکن،دل کی کمزوری بھی دور ہوتی ہے اور چند فوائد پہلے بیان ہوچکے کہ یہ زہر اور سحر کے لیے مفید ہے۔**لیلدك** بنا ہے **لدٌّ** سے جس کے معنی ہیں بیمار کے منہ میں قطرہ ٹپکانا یا اس کے تالو میں کوئی چیز لیپ دینا جس سے وہ بہ آسانی اسے نگل لے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم تربوز کھجور کے ساتھ کھاتے تھے۔(ترمذی)اور ابوداؤد نے یہ زیادہ فرمایا کہ فرماتے تھے اس کی گرمی اس کی ٹھنڈک سے ٹوٹ جائے گی اور اس کی ٹھنڈک اس کی گرمی سے،ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎ جس سے تربوز تو کھجور سے میٹھا ہوجاتا اور کھجور تربوز سے تر ہوجاتی تھی،نیز تربوز ٹھنڈا ہے کھجور گرم،دونوں مل کر معتدل ہوجاتے تھے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ **بطیخ اصغر** خربوزہ کو کہتے ہیں اور **بطیخ اخضر** تربوز کو،یہاں **بطیخ اخضر** یعنی تربوز مراد ہے لیکن تربوز ہی ٹھنڈا ہوتا ہے خربوزہ تو خود گرم ہے۔بعض شارحین نے اس کے معنی خربوزہ کیے مگر قوی وہ ہی ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پرانے چھوہارے لائے گئے تو آپ انہیں کریدتے تھے اور اس سے کیڑے نکالتے تھے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ سوکھے اور گھنے ہوئے چھواروں میں کیڑے پڑجاتے ہیں اگر وہ نہ نکالے جائیں تو حلال ہیں اور جب نکال دیئے جائیں تو حرام پھر ان کا حکم مکھی کا سا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر پھل میں کیڑے پڑ جائیں تو پھل حرام نہیں ہوتا،اکثر گولر میں کیڑے بھنگے کی شکل کے پڑ جاتے ہیں۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تبوک میں ۱؎ پنیر لایا گیا تو آپ نے چھری منگائی پھر بسم اللہ پڑھی اور کاٹا ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ مدینہ منورہ سے خیبر قریبًا ایک سو ساٹھ میل ہے،خیبر سے تبوک پانچ سو میل،یہ شام کے ملک میں واقعہ ہے۔یہ فقیر تبوک کے اوپر سے ہوائی جہاز سے اڑتا ہوا گزرا ہے،خیبر میں حاضری دی ہے،اب بھی تبوک آباد ہے۔غزوہ تبوک مشہور غزوہ ہے،اس میں یہ واقعہ پیش آیا۔تبوک منصرف بھی پڑھا جاتا ہے غیر منصرف بھی۔(مرقات)

۲؎ پنیر کے ٹکڑے اب بھی چھری سے کاٹ کر کھائے جاتے ہیں یہ دہی کی طرح ڈھیلا نہیں ہوتا یعنی حضور انور نے چھری سے کاٹا اور کھایا۔

	روایت ہے حضرت سلمان سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی اور پنیر اور حمار وحشی کے متعلق پوچھا گیا ۱؎ تو فرمایا کہ حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا ۲؎ اور جس سے خاموشی فرمائی تو وہ اس میں سے ہے جس سے معافی دی ۳؎(ابن ماجہ،ترمذی)ترمذی نے

	فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور صحیح تر قول پر یہ حدیث موقوف ہے ۔۴

۱؎ فراء ف کے کسرہ ر کے مدسے بمعنی حمار وحشی،ان تین کے متعلق پوچھا گیا کہ یہ حلال ہیں یا حرام،ان کا کھانا کیسا ہے۔ہماری اردو میں حمار وحشی کو نیل گائے کہتے ہیں، بعض لوگوں نے فراء کے معنی کیے ہیں پوستین کہ اس کا پینا جائز ہے یا نہیں تب یہ فرد سے بنے گا۔

۲؎ کتابہ سے مراد قرآن مجید ہے اور احل و حرم سے مراد عام ہےخواہ صراحۃً حلال و حرام کیا ہو یا اجمالًالہذا رمضان کی راتوں میں اپنی بیویوں سے صحبت کا حلال ہونا اور سؤر کے گوشت کا حرام ہونا صراحۃً قرآن مجید میں مذکور ہے،ہزارہا حلال و حرام جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال و حرام کیے جیسے کتا گدھا وغیرہ،یہ قرآن مجید میں اجمالًا موجود ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَمَا نَهٰكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا"یا فرماتاہے:"وَيُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ"ان آیات نے بتا دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو دیں وہ لو جس سے منع فرمادیں ان سے باز رہو،یا ہمارے نبی مسلمانوں پر گندی چیزیں حرام فرماتے ہیں لہذا حدیث کے تمام حلال و حرام قرآن مجید میں اجمالًا مذکور ہیں۔(ازمرقات مع الزیادۃ)

۳؎ یعنی جن چیزوں کو نہ قرآن کریم نے حلال یا حرام کہا نہ حدیث پاک نے یعنی ان کا ذکر ہی کہیں نہیں وہ حلال ہیں۔یہاں مرقات اور اشعۃ اللمعات اور لمعات نے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جس سے قرآن و حدیث میں خاموشی ہو وہ حلال ہےآم مالٹا یوں ہی پلاؤزردہ،فرنی،یوں ہی لٹھا ململ۔یوں ہی میلاد شریف و فاتحہ کی شیرینی سب حلال ہیں،کیوں،اس لیے کہ انہیں قرآن و حدیث نے حرام نہیں کیایہ اسلام کا کلی قانون ہے۔

۴؎ اس حدیث کے الفاظ اسناد کے لحاظ سے صحیح ہوں یا ضعیف مگر اس کا مضمون بالکل صحیح ہےکیونکہ اس کی تائید بہت سی آیات قرآنیہ سے ہورہی ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"لَا تَسۡـَٔلُوۡا عَنۡ اَشۡيَآءَ اِنۡ تُبۡدَ لَكُمۡ تَسُؤۡكُمۡ"،الخ"عَفَا اللّٰهُ عَنۡهَا"دیکھویہاں حدیث میں عفی ہے اور قرآن کریم میں"عَفَا اللّٰهُ عَنۡهَا"ہے اور فرماتاہے:"قُلۡ لَّاۤ اَجِدُ فِىۡ مَاۤ اُوۡحِىَ اِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطۡعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ مَيۡتَةً اَوۡ دَمًا مَّسۡفُوۡحًا"الخ،دیکھو اس آیت میں کسی چیز کی حرمت نہ ملنے کو حلال ہونے کی دلیل ٹھہرایا اور فرماتاہے:"وَاُحِلَّ لَكُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمۡ"ان مذکورہ حرام عورتوں کے سوا تمام عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں،دیکھو حرام عورتوں کا کیا حرام کی تفصیل نہ کی،حرام چیزیں تو کچھ گنتی کی ہیں باقی کروڑوں چیزیں حلال ہیں۔اس کی تحقیق ہماری کتاب جاءالحق میں اور راہِ جنت میں دیکھو جہاں اس مسئلہ کی چند آیتیں اور چند حدیثیں اور فقہاء

کے اقوال جمع کردیئے گئے ہیں۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو بغیر دلیل ہر چیز کو حرام کہہ دیتے ہیں،حلال کے لیے ثبوت مانگتے ہیں حرام بغیر ثبوت کہہ دیتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس شربتی گندم کی سفید روٹی ہوتی جو گھی اور دودھ سے چوپڑی ہوتی ۱؎ تو قوم میں سے ایک صاحب اٹھے انہوں نے یہ تیار کی پھر لائے تو فرمایا یہ گھی کس چیز میں تھا عرض کیا گوہ کے ڈبہ میں ۲؎ فرمایا اسے اٹھالو ۳؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)ابوداؤد نے کہا یہ حدیث منکر ہے ۴؎	

۱؎ یعنی ہمارا دل چاہتا ہے کہ اعلیٰ درجہ کی گندم کی روٹی ہو گھی میں چُپڑ کر دودھ میں بھگو دی گئی ہو وہ ہم کھائیں۔معلوم ہوا کہ اللہ کی اعلیٰ نعمتیں کھانا یا کھانے کی خواہش کرنا تقویٰ کے خلاف نہیں نہ معلوم کیا وقت تھا اور کیا رنگ تھا کہ اس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواہش فرمائی۔بعض مسلمان اس حدیث کو دیکھ کر یہ ہی کھانا تیار کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فاتحہ کرکے مساکین کو کھلاتے ہیں،عشق کے رنگ نیارے۔

۲؎ یعنی جو گھی ان روٹیوں میں چپڑا گیا ہے وہ گوہ کی کھال کے مشکیزہ میں تھا غالبًا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھی میں ہلکی سی بو محسوس فرمائی اس لیے پوچھا۔

۳؎ یعنی تم کھالو یا کسی اور کو کھلاؤ ہم ملاحظہ نہ فرمائیں گے۔معلوم ہوا کہ یہ حرام نہ تھا حضور انور کو ناپسند تھا قدرے مہک کی وجہ سے۔

۴؎ یعنی ضعیف اور نامقبول ہے۔اشعۃ اللمعات اور مرقات نے فرمایا کہ ابوداؤد نے اس حدیث کو اس لیے منکر فرمادیا کہ یہ حدیث عادت کریمہ کے خلاف ہے۔حضور اعلیٰ کھانوں کی آرزو کیسے کرسکتے ہیں آپ تو تابعین و متوکلین کے سردار ہیں ہم نے ابھی اس کی وجہ بیان کردی کہ یہ عمل شریف یہاں جواز کے لیے ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغ کھایا ہے،بٹیریں ملاحظہ فرمائی ہیں،جب اعلیٰ نعمتوں کا کھانا تقویٰ کے خلاف نہیں تو ان کی خواہش کرنا خلاف تقویٰ کیونکر ہوگا۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر پکائے ہوئے لہسن کھانے سے منع فرمایا ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ مسجد میں آنے والے کو کچی پیاز کچا لہسن کھانا سخت منع ہے ویسے عام حالت میں جائز ہے اگرچہ بہتر یہ ہی کہ اس کی بو مار کر کھائے۔جب تک حقہ کی بو منہ سے آتی رہے مسجد میں نہ آئے کہ یہ بو لہسن پیاز کی بو سے زیادہ سخت ہے۔

روایت ہے ابو زیاد سے فرماتے ہیں کہ جناب عائشہ سے	

	پیاز کے متعلق پوچھا گیا آپ نے فرمایا کہ آخری کھانا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا وہ تھا جس میں پیاز تھی ۱(ابوداؤد)

۱پکی ہوئی پیاز ہوگی لہذا یہ حدیث ممانعت کی احادیث کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے بسر کے دو سلمی بیٹوں سے ۱فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہم نے مکھن اور چھوہارے پیش کیے حضور مکھن اور چھوہارے پسند فرماتے تھے ۲(ابوداؤد)

۱ان میں سے ایک کا نام عطیہ دوسرے کا نام عبداللہ ہے،بسراز کے بیٹے ہیں چونکہ یہ دونوں صحابی ہیں لہذا ان کا نام معلوم نہ ہونا مضر نہیں تمام صحابہ عادل ہیں۔(مرقات)

۲اس لیے ہم نے یہ ہی چیزیں بارگاہ عالی میں پیش کیں۔اس کی حکمت پہلے عرض کی جاچکی ہے کہ چھوہارے اور مکھن کے ملانے میں کیا مصلحت تھی۔

	روایت ہے حضرت عکراش ابن ذویب سے ۱فرماتے ہیں ہمارے پاس بہت ثرید اور گوشت والا پیالہ لایا گیا ۲تو میں نے اس کے کناروں میں ہاتھ مارا ۳اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے سے کھایا ۴پھر حضور نے اپنے ہاتھ سے میرا داہنا ہاتھ پکڑ لیا ۵فرمایا اے عکراش ایک جگہ سے کھاؤ کیونکہ یہ ایک ہی کھانا ہے ۶ پھر ہمارے پاس ایک طباق لایا گیا جس میں قسم قسم کے چھوہارے تھے تو میں اپنے سامنے سے کھانے لگا ۷اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ طباق میں گھومنے لگا ۸ پھر فرمایا اے عکراش جہاں سے چاہو کھاؤ کہ یہ ایک قسم سے زیادہ ہے ۹پھر ہمارے پاس پانی لایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ دھوئے اور ہاتھوں کی تری اپنے چہرے اور کہنیوں اور سر پر مل لی ۱۰اور فرمایا اے عکراش یہ وضو ہے اس سے جسے آگ پکاوے ۱۱ (ترمذی)

۱آپ تمیمی ہیں،بصرہ میں قیام رہا،آپ ہی اپنی قوم کے صدقات لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تھے۔

۲؎ ثرید کے معنی پہلے بیان ہوچکے کہ گوشت میں بھیگی ہوئی گلائی ہوئی روٹی جس میں بوٹی(شوربا)روٹی یک جان کرلی جائیں۔وذر جمع ہے وذرۃ کی بمعنی گوشت کے ٹکڑے بغیر ہڈی والے یعنی چھوٹی بوٹیاں۔(مرقات،لمعات)

۳؎ یعنی ہر طرف سے کھانا شروع کیا۔خبطب بنا ہے خبط سے بمعنی اونٹ کا چارہ چرنا،چونکہ اونٹ ہر طرف سے کھاتا ہے اس لیے ہر طرف سے کھانے کو خبط کہا جاتا ہے۔

۴؎ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے سامنے سے کھانا حضرت عکراش کی تعلیم کے لیے کہ انہیں کھانے کا طریقہ آجائے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرف سے کھاسکتے کیونکہ آپ اپنے خادم کے ساتھ کھارہے تھے لہذا یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں کہ حضور انور کے ساتھ حضرت انس کھارہے تھے تو آپ پیالہ میں ہر طرف سے کدوتلاش کرکے کھاتے رہے،وہ عمل بھی تعلیم کے لیے تھا۔معلوم ہوا کہ عالم قولی تبلیغ کے ساتھ عملی تبلیغ بھی کرے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال عملی تبلیغ فرماکر پھر ظہور نبوت کے بعد قولی تبلیغ کی۔

۵؎ کیونکہ حضور انور کا بایاں ہاتھ صاف تھا داہنے ہاتھ میں سالن کا اثر تھا،حضرت عکراش کے داہنے کا اوپر کا حصہ صاف تھا۔

۶؎ اور جب کھانا ایک ہو تو ہر طرف سے کھانا حریص ہونے کی علامت ہے کہ دوسرے کے سامنے بوٹی یا روغن لے کر کھایا جائے لہذا صرف اپنے سامنے سے کھاؤ۔(مرقات)

۷؎ یہ ہے حضور انور کے فرمان پر عمل کہ اب اس طباق میں بھی حضرت عکراش کا ہاتھ گردش نہیں کرتا،ان ہاتھوں پر قربان۔

۸؎ اب ہاتھ شریف کی گردش بھی تعلیم کے لیے تھی کہ اے عکراش ہم کو دیکھو ہم ہر طرف سے کھارہے ہیں تم بھی ہر طرف سے کھاؤ۔

۹؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ اگر پھل مٹھائی بھی ایک قسم ہو تو ہر شخص اپنے سامنے سے ہی کھائے،اگر چند قسم کی ہو تو جہاں سے جو چاہے اٹھالے مگر پھر بھی درمیان سے نہ کھائے بلکہ دوسرے کناروں سے کھا سکتا ہے۔(مرقات)خیال رہے کہ اگر برتن میں اکیلا آدمی ہی کھارہا ہے تب بھی اپنے سامنے سے ہی کھائے کہ یہ ہی سنت ہے جب کہ ایک ہی کھانا ہو۔

۱۰؎ یہ اس لیے کہ اس وقت رومال موجود نہ تھا بیان جواز کے لئے کہ اسی طرح اعضاء پر اپنے تر ہاتھ خشک کر لینا بھی جائز ہے۔خیال رہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئے تو انہیں نہ پونچھے اور جب کھانے کے بعد ہاتھ دھوئے تو پونچھ لے اس میں بڑی حکمت ہے۔

۱۱؎ یعنی وہ جو ہم نے فرمایا ہے کہ آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو کرے وہاں وضو سے مراد ہے یہ ہی ہاتھ دھونا کلی کرنا ہے نہ کہ نماز کا وضو۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو جب بخار آتا تو آپ سیرے(لپٹا)کا حکم دیتے وہ تیار کیا جاتا پھر انہیں حکم دیتے تو وہ اس سے پیتے۱؎ اور فرماتے کہ یہ

	غمگین کے دل کو قوت دیتا ہے اور بیمار کے دل سے تنگی دور کرتا ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی اپنے چہرے سے پانی کے ذریعہ میل دور کرتی ہے ۲؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱؎حسا جاننے کی چیز کو کہتے ہیں،یہ آٹے،گھی،شکر سے تیار کیا جاتا ہے،اتنا پتلا کہ پیا جاسکتا ہے جسے پنجابی میں سیرا کہتے ہیں،اردو میں لپٹا،عربی میں حسا،یہ نہایت لذیذ نرم اور زود ہضم ہوتا ہے بہت طاقت کی چیز ہے یعنی لپٹا سیرا غمگین اور بیمار دونوں کے لیے مفید ہے کہ اس سے غم بھی غلط ہوتا ہے اور دل کی کمزوری گھبراہٹ و تنگی جو بیماری سے پیدا ہوتی ہے جاتی رہتی ہے اب بھی اس کا تجربہ ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عجوہ جنت سے ہے اور اس میں شفاء ہے زہر سے ۱؎اور کھمبی من سے ہے اور اس کا پانی شفا ہے آنکھ کی لیے ہے ۲؎(ترمذی)۳؎

۱؎اس کی شرح ہوچکی ہے یہ تاثیر یا تو ہر عجوہ کھجور میں ہے یا مدینہ منورہ کی عجوہ کھجور میں،دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔حق یہ ہے کہ عجوہ کھجور جنت میں ملے گی اور اس میں جنت کے پھلوں کی سی برکت ہے،اس سے تکالیف بیماری دور ہوتی ہیں اور تندرستی بحال رہتی ہے۔

۲؎اس کی شرح بھی گزرگئی کہ کھمبی جسے سانپ کی چھتری یا بلی کا پاؤں بھی کہتے ہیں جو برسات کے موسم میں بھیگی لکڑی میں چھتری کی طرح نمودار ہوتی ہے یا تو بنی اسرائیل کا من یہ ہی تھا یا من کی طرح یہ بھی اعلیٰ نعمت ہے جو بغیر محنت ہم کو مل جاتی ہے۔اس کا عرق آنکھ کی بعض بیماریوں میں مفید ہے لہذا کوئی بغیر طبیب حاذق کے مشورہ کے اس کا استعمال نہ کرے،یہ ہی حال تمام احادیث کی دواؤں کا ہے کہ تمام دوائیں برحق ہیں مگر ہم ان کا استعمال طبیب کی رائے سے کریں۔

۳؎یہ حدیث احمد،ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ سے اور احمد،نسائی،ابن ماجہ نے ابوسعید خدری اور حضرت جابر سے روایت کی بخاری نے بروایت ابن عباس یہ زیادتی کی کہ عربی مینڈھا سیاہ رنگ کا شفا ہے عرق النساء کو کہ اس کا گوشت مریض کو کھلایا جائے اور اس کا شوربا اسے پلایا جائے۔(مرقات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے ۱؎فرماتے ہیں کہ میں ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مہمان ہوا ۲؎تو آپ نے دستی کا حکم دیا وہ بھونی گئی پھر چھری لی پھر اس میں سے میرے لیے چھری سے کاٹنے

لگے۳؎ پھر بلال حضور کو نماز کی اطلاع دینے آئے۴؎ تو آپ نے چھری ڈال دی فرمایا اسے کیا ہوا اس کے ہاتھ گرد آلود ہوں۵؎ فرمایا ان کی مونچھیں بڑی تھیں ۶؎ تو مجھ سے فرمایا میں انہیں مسواک پر کتر دوں یا تم مسواک پر کترلو ۷؎(ترمذی)	

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،آپ کے حالات بارہا بیان ہوچکے،آپ خندق کے سال ایمان لائے،صلح حدیبیہ میں حاضر تھے،حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے گورنر رہے،بڑے مدبر نہایت عقلمند صاحب الرائے صحابی ہیں،رضی اللہ عنہ۔

۲؎ یعنی ایک شب میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کے گھر بطور مہمان تشریف لے گئے،یہ معنی نہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مہمان اپنا بنایا جیساکہ بعض شارحین نے سمجھا،یہ پتہ نہیں کہ میزبان کون صحابی تھے۔

۳؎ یا تو صاحبِ خانہ نے اپنے خادم کو یہ حکم دیا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبِ خانہ کو حکم دیا۔اگر میزبان سے بے تکلفی ہو تو مہمان اپنے پسندیدہ کھانوں کی فرمائش کرسکتا ہے کہ وہ گویا اس کا اپنا ہی گھر ہوتا ہے۔

۴؎ یہ حضور انور کی بندہ نوازی کی شان ہے کہ اپنے ہاتھ سے اپنے خدام کے لیے گوشت کاٹتے ہیں۔خیال رہے کہ سکین ہر چھری کو کہتے ہیں مگر **شفرہ** چوڑی اور پرانی چھری کو کہا جاتا ہے۔

۵؎ حضرت بلال ابن ابی رباح کی کنیت شریف ابو عبدالرحمٰن ہے،مزار پرانوار دمشق میں ہے،آپ نے اولاد کوئی نہ چھوڑی۔(مرقات)فقیر نے مزار مقدس پر حاضری دی ہے جس کا ذکر ہمارے سفر نامہ قبلتین میں ہے۔یہ اطلاع دینا علاوہ اذان کے تھا،حضرت بلال اذان کے بعد خصوصی طور پر نماز کے لیے حضور کی خدمت میں عرض کرتے تھے۔

۶؎ یعنی وقت نماز ابھی کافی ہے اور بلال جلدی کررہے ہیں،کھانا کھایا جارہا تھا کہ حضرت بلال نے نماز کے لیے عرض کیا۔عشاء کا وقت بڑا وسیع ہوتا ہے اس زمانہ میں جماعت کے لیے گھنٹہ،منٹ مقرر نہ تھے۔

۷؎ کہ مونچھوں کے بال ہونٹ کے کنارہ سے آگے تھے۔یہاں ضمیر بجائے متکلم کے غائب ارشاد ہوئی جیسے ہم اپنے کو کہتے ہیں یہ گنہگار حاضر ہے اور ہوسکتا ہے کہ **شاربہ** کی ضمیر حضرت بلال کی طرف لوٹتی ہو یعنی جناب بلال کی مونچھیں بڑی تھیں۔

۸؎ یعنی یا تو ہم تمہاری مونچھوں کے بڑے بال مسواک پر رکھ کر کاٹ دیں یا تم خود ہی اس طرح ابھی کاٹ لو۔معلوم ہوا کہ حضور انور کو لمبی مونچھیں سخت ناپسند ہیں،ان سے ایسی نفرت ہے کہ گھر جاکر قینچی سے کاٹنے کی اجازت نہ دی بلکہ فرمایا ابھی کاٹ لو یا ہم خود کاٹ دیں،مسلمان اس سے عبرت پکڑیں۔خیال رہے کہ مونچھیں منڈانا بھی منع ہے اور بہت پست کرنا بھی منع بلکہ اتنی کاٹنا کہ ہونٹ کا کنارہ بھی بخوبی کھل جائے۔**اخفاء شارب** کے یہ معنی ہیں اس سے مونچھیں پانی پیتے وقت پانی میں ڈوبتی نہیں۔(مرقات)اس کا ذکر پہلے ہوچکا ہے۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ ہم لوگ	

	جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے میں حاضر ہوتے تو اپنا ہاتھ نہ لگاتے حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پس رکھتے اپنا ہاتھ ۱؎ایک بار حضور کے ساتھ کسی کھانے پر حاضر ہوئے تو ایک لڑکی آئی گویا وہ دھکیلی جارہی ہے۲؎ وہ اپنا ہاتھ کھانے میں لگانے لگی۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا پھر ایک بدوی آیا گویا دھکیلا جارہا ہے ۴؎ حضور نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان اپنے لیے کھانا حلال کرتا ہے اس سے کہ کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے ۵؎ وہ اسے لایا تاکہ اس کے ذریعہ کھانا حلال کرے میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا پھر اس بدوی کو لایا کہ کھانا حلال کرے میں نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا ۶؎ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ شیطان کا ہاتھ ان کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے ۷؎ ایک روایت میں ہے کہ پھر بسم اللہ پڑھی اور کھایا ۸؎ (مسلم)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی بزرگ کے ساتھ دسترخوان پر حاضر ہو تو ان سے پہلے کھانا شروع نہ کرے کہ اس میں بے ادبی ہے۔یہ اس صورت میں ہے کہ سارے کھانے والے بالغ ہوں،ان میں ایک بزرگ باقی خدام لیکن اگر کھانے والے میں کوئی ناسمجھ بچہ بھی ہو تو وہ پہلے کھانا شروع کرسکتا ہے بلکہ اس کے ہاتھ پہلے دھلائے جائیں اور کھانا کھا چکنے پر اس کے ہاتھ پیچھے دھلائے جائیں کیونکہ بچے آہستہ آہستہ کھاتے ہیں،دیر تک کھاتے ہیں اور کھانا سامنے آنے پر زیادہ صبر نہیں کرسکتے۔یہ تمام احکام عالمگیری وغیرہ میں مطالعہ کرو۔

۲؎ جاریہ سے مراد لونڈی نہیں بلکہ چھوٹی بچی ہے جو اتنی تیز دوڑتی آرہی تھی جیسے کسی نے اسے اس طرح دھکا دیا ہو،دھکا کھا کر انسان بہت تیزی سے گرتا ہے۔

۳؎ یعنی ابھی ہم نے کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا اس نے پہلے ہی ہاتھ ڈالنا چاہا بغیر بسم اللہ پڑھے ہوئے درحقیقت اسے شیطان اسی طرح بھگائے ہوئے لارہا ہے۔

۴؎ یہاں بھی یہی حال تھا کہ وہ بدوی صاحب بھی ان حضرات سے پہلے ہی بغیر بسم اللہ پڑھے ہوئے ہاتھ ڈالنا چاہتے تھے یہاں بھی شیطان ہی کا دھوکا تھا۔

۵؎ یعنی اگر جماعت میں ایک آدمی بھی بغیر بسم اللہ کھانے لگے تو شیطان اس کھانے میں شریک ہوجاتا ہے تم سب کو بسم اللہ پڑھ کر کھاتے شیطان کو ساتھ کھانے کی جرأت نہ ہوتی اس لیے وہ آگے پیچھے ان دونوں کو لایا کہ یہ بغیر

بسم اللہ کھائے اور ان کے ذریعہ شیطان بھی کھائے۔اس سے معلوم ہوا کہ وہ بچے جو بسم اللہ پڑھ سکیں ضرور بسم اللہ پڑھ کر کھایا کریں ورنہ شیطان کھانے میں شریک ہوگا،ہاں بالکل بے سمجھ بچہ جو صحیح بول نہ سکے اس حکم سے علیحدہ ہے۔

۶؎ تاکہ یوں دونوں میں سے کوئی بغیر بسم اللہ ہاتھ نہ ڈال سکے اور شیطان کو موقع نہ ملے اس کی کوشش بیکار جائے۔

۷؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں ہے بیدهما اس تثنیہ ضمیر کا مرجع وہ لڑکی اور یہ بدوی دونوں ہیں یعنی ان دونوں کے ہاتھوں کے ساتھ شیطان کا ہاتھ بھی میرے ہاتھ میں ہے۔اس نسخہ میں بیدھا ہے جس کا مرجع لڑکی ہے چونکہ پہلے وہ ہی آئی تھی اس لیے اس کا ذکر فرمایا۔اس سے معلوم ہوا جس کے ساتھ یا جس پر شیطان ہو اس کو پکڑ لینے سے وہ شیطان بھی پکڑا جاتا ہے۔بعض عاملین کو دیکھا گیا کہ وہ اس شخص کے بال یا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں جس پر شیطان سوار ہو اس سے خود شیطان قبضہ میں آجاتا ہے،اس عمل کا ماخذ یہ حدیث ہوسکتی ہے۔

۸؎ ان دونوں نے بھی بسم اللہ پڑھ کر کھایا اور دوسرے حضرات نے بھی۔حضرات صوفیاء چشتیہ فرماتے ہیں کہ قوالی اہل کے لیے حلال ہے نااہل کے لیے حرام،اگر مجمع میں ایک بھی نااہل شریک ہوجائے تو سب کے لیے ممنوع کیونکہ ایک نااہل کی شرکت سے شیطان شریک ہوجاتا ہے اور وہ کام شیطانی بن جاتا ہے،اس قول کا ماخذ یہ حدیث ہے کہ اگر کھانے والوں کو جماعت میں ایک شخص بھی بغیر بسم اللہ شریک ہوجائے تو شیطان شریک ہوجاتا ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ایک غلام کو خریدنے کا ارادہ کیا اس کے سامنے چھوہارے ڈالے اس نے کھائے تو بہت کھائے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت کھانا نحوست ہے اور اس کی واپسی کا حکم دیا ۱؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ یعنی بہت کھانا کفار کی علامت ہے،فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مؤمن میں کفر کی علامت ہونا نحوست ہے لہذا اسے واپس کردو۔اس سے معلوم ہوا کہ غلام کا بہت کھانا عیب ہے جس کی وجہ سے اسے واپس کیا جاسکتا ہے۔

روایت ہے حضرت انس ابن مالک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے سالن کا سردار ۱؎ نمک ہے ۲؎ (ابن ماجہ)	

۱؎ یہاں سرداری سے مراد کم خرچ ہونا قناعت کا باعث ہوتا ہے۔

۲؎ بعض تارکین دنیا صرف نمک سے روٹی کھالیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہی حدیث پاک ہے۔مقصد یہ ہے کہ اگرچہ کھجور،شکر،گھی سے بھی روٹی کھائی جاسکتی ہے مگر نمک سے روٹی کھانا مفید بھی ہے آسان بھی کہ نمک آسانی سے میسر ہوجاتا ہے۔خیال رہے کہ بعض لحاظ سے گوشت سالنوں کا سردار ہے،بعض لحاظ سے سرکہ اور بعض لحاظ سے

نمک لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں گوشت یا سرکہ کو سالن کا سردار فرمایا گیا ہے۔جیسے بعض لحاظ سے حضرت فاطمہ تمام عورتوں کی سردار ہیں،بعض لحاظ سے حضرت عائشہ صدیقہ۔چنانچہ طبرانی نے اوسط میں ابونعیم نے کتاب الطب میں روایت کی کہ دنیا میں سالن کا سردار گوشت ہے،پینے کی چیزوں میں سردار پانی ہے،خوشبوؤں میں سردار قباغیہ ہے۔(مرقات)کھانوں کی لذت نمک سے وابستہ ہے۔ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ تعجب ہے کہ زعفران مثقال سے فروخت ہوتا ہے اور نمک احمال (ڈھیروں) سے حالانکہ زعفران سے نمک اعلیٰ ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کھانا رکھا جائے تو اپنے جوتے اتار دو کہ یہ تمہارے قدموں کی راحت کا باعث ہے ۱	

۱یعنی جب تمہارے سامنے کھانے کے لیے کھانا رکھا جائے تو جوتے اتار دو جوتا پہن کر کھانا نہ کھاؤ ننگے پاؤں کھانا کھانا مفید بھی ہے اور اس میں کھانے کا ادب بھی۔

روایت ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر سے کہ جب ان کے پاس ثرید لایا جاتا تو اس کے متعلق حکم دیتیں تو ڈھک دیا جاتا حتی کہ اس کے دھوئیں کا جوش جاتا رہتا ۱اور فرماتیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ یہ عمل برکت بڑھانے والا ہے ۲(دارمی)	

۱ثرید کے معنی پہلے بیان کیے جاچکے ہیں۔شوربے میں گلائی ہوئی روٹی یعنی آپ بہت گرم کھانا نہ کھاتی تھیں اور کھانا کھول کر پھونکیں مار کر ٹھنڈا نہ کرتی تھیں بلکہ پکنے کے بعد کچھ دیر ڈھکا رہنے دیتیں جب خود ٹھنڈا ہوجاتا تو کھاتی تھیں۔

۲یعنی کھانے کا قدرے ٹھنڈا ہوجانا اور پھونکوں سے ٹھنڈا نہ کرنا برکت کا باعث ہے اس لیے کھانے میں بھی تکلیف نہیں ہوتی،دیلمی شریف میں ہے کہ گرم کھانے میں برکت نہیں۔

روایت ہے حضرت نبیشہ سے فرماتے ہیں ۱فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو پیالہ میں کھائے پھر اسے چاٹ لے تو پیالہ اس سے کہتا ہے کہ تجھے اللہ آگ سے آزاد کرے جیسے تو نے مجھے شیطان سے آزاد کرایا ۲(رزین)	

۱یہ وہ ہی نبیشہ ہیں جن کا ذکر ابھی کچھ پہلے ہوا جنہیں نبیشہ الخیر کہتے ہیں۔

۲؎ظاہر یہ ہوا کہ پیالہ اپنی زبان میں یہ الفاظ رکھتا ہےصرف زبان حال مراد نہیں۔اس سے یہ معلوم ہوا کہ سنا ہوا برتن بغیر صاف کیے ہوئے پڑا رہے تو اس سے شیطان چاٹتا ہے،حدیث ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔بعض نے فرمایا کہ کہنے سے مراد ہے زبان حال سے کہنا اور شیطان کے چاٹنے سے مراد کتے بلّوں کا چاٹنا کہ سنے ہوئے برتن کو کتے بلے چاٹتے ہیں اس سے برتن کی توہین ہوتی ہے۔

باب الضیافۃ

دعوت کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ضیافت بنا ہے ضیف سے بمعنی مائل ہونا،اصطلاح میں دعوت کو بھی کہتے ہیں اور مہمان کو بھی اس لیے مہمان کو ضیف کہا جاتا ہے جمع اضیاف۔دعوت اور مہمان دونوں میں کچھ کھانے والے کے آداب ہیں کچھ کھلانے والے کے آداب۔بہتر یہ ہے کہ ہر ایک اپنے آداب و احکام کا خیال رکھیں،یہ احکام و آداب اسی باب میں مذکور ہیں۔بعض وقت دعوت قبول کرنا سنت ہے،بعض وقت مباح،بعض حالات میں مکروہ۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ تعالٰی اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کا احترام کرے ۱؎اور جو اللہ تعالٰی اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو نہ ستائے ۲؎اور جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات کہے یا چپ رہے ۳؎ایک روایت میں پڑوسی کے بجائے یوں ہے کہ جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو وہ صلہ رحمی کرے ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎مہمان کا احترام یہ ہے کہ اس سے خندہ پیشانی سے ملے اس کے لیے کھانے اور دوسری خدمات کا انتظام کرے حتی الامکان اپنے ہاتھ سے اس کی خدمت کرے،بعض حضرات خود مہمان کے آگے دسترخوان بچھاتے اس کے ہاتھ دھلاتے ہیں یہ اسی حدیث پر عمل ہے،بعض لوگ مہمان کے لیے بقدر طاقت اچھا کھانا پکاتے ہیں وہ بھی اس عمل پر ہے جسے کہتے ہیں مہمان کی خاطر تواضع۔اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ جو مہمان کی خدمت نہ کرے وہ کافر ہے ۔مطلب یہ ہے کہ مہمان کی خاطر تقاضاء ایمان کا ہے جیسے باپ اپنے بیٹے سے کہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری خدمت کر،مہمان کی خاطر مؤمن کی علامت ہے۔خیال رہے کہ پہلے دن مہمان کے لیے کھانے میں تکلف کر،پھر دو دن درمیانہ کھانا پیش کر،تین دن کی بھی مہمانی ہوتی ہے بعد میں صدقہ ہے۔(مرقات)

۲؎یعنی اس کو تکلیف دینے کے لیے کوئی کام نہ کرے۔فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی کے گیارہ حق ہیں:
(۱)جب اسے تمہاری مدد کی ضرورت ہو اس کی مددکرو(۲)اگر معمولی قرض مانگے دے دو(۳)اگر وہ غریب ہو تو اس کا خیال رکھو(۴)وہ بیمار ہو تو مزاج پرسی بلکہ ضرورت ہو تیمارداری کرو(۵)مرجائے تو جنازہ کے ساتھ جاؤ(۶)اس

کی خوشی میں خوشی کے ساتھ شرکت کرو(۷)اس کے غم و مصیبت میں ہمدردی کے ساتھ شریک رہو(۸)اپنا مکان اتنا اونچا نہ بناؤ کہ اس کی ہوا روک دو مگر اس کی اجازت سے(۹) گھر میں پھل فروٹ آئے تو اسے ہدیۃً بھیجتے رہو نہ بھیج سکو تو خفیہ رکھو اس پر ظاہر نہ ہونے دو،تمہارے بچے اس کے بچوں کے سامنے نہ کھائیں(۱۰)اپنے گھر کے دھوئیں سے اسے تکلیف نہ دو(۱۱)اپنے گھر کی چھت پر ایسے نہ چڑھو کہ اس کی بے پردگی ہو۔قسم اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے پڑوسی کے حقوق وہ ہی اداکرسکتا ہے جس پر اللہ رحم فرمائے۔(مرقات)کہا جاتا ہے ہمسایا اور ماں جایا برابر ہونے چاہئیں۔افسوس! مسلمان یہ باتیں بھول گئے۔ قرآن کریم میں پڑوسی کے حقوق کا ذکر فرمایا بہرحال پڑوسی کے حقوق بہت ہیں ان کے ادا کی توفیق رب تعالٰی سے مانگئے۔

۳؎خیر سے مراد یا اچھی بات ہے خواہ واجب ہو یا فرض یا سنت یا مستحب یا ہر مباح بات ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ مباح بات بھی زیادہ نہ کرے تاکہ ناجائز بات میں نہ پھنس جائے۔تجربہ ہے کہ زیادہ بولنے سے اکثر ناجائز باتیں منہ سے نکل جاتی ہیں۔مشہور مقولہ ہے کہ جو خاموش رہا وہ سلامت رہا جو سلامت رہا وہ نجات پا گیا۔فی صدی پچانوے گناہ زبان سے ہوتے ہیں اور پانچ فی صدی گناہ دوسرے اعضاء سے۔مطلب یہ ہے کہ مؤمن کامل وہ ہے جو بھلی بات منہ سے نکالے ورنہ خاموش رہے۔خیال رہے کہ بات ہی ایمان ہے،بات ہی کفر،بات ہی مقبول ہے،بات ہی مردود۔

۴؎یعنی اپنے ذی رحم قرابتداروں کے حقوق ادا کرے۔ذی رحم وہ عزیز ہے جس کا رشتہ ہم سے نسبی ہو۔محرم وہ ہے جس سے نکاح کرنا حرام ہو،لہذا داماد محرم ہے ذی رحم نہیں اور چچا زاد بھائی ذی رحم ہے محرم نہیں اور سگا بھائی بھتیجا ذی رحم بھی ہے اور محرم بھی،یہاں ذی رحم عزیز مراد ہیں خواہ محرم ہوں یا نہ ہوں اگرچہ ساس،سسر،بیوی کے حقوق بھی ادا کرنا ضروری ہے مگر ان کو صدرحمی نہیں کہتے۔یہ حدیث،طبرانی،ترمذی جامع صغیر وغیرہ میں اور طریقوں سے وارد ہوئی ہے جس میں علامات ایمان اور بہت چیزیں ارشاد ہوئیں۔

روایت ہے حضرت ابوشریح کعبی سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کا احترام کرے ۲؎ اس کی مہمانی ایک دن رات ہے ۳؎ اور دعوت تین دن ہے اس کے بعد وہ صدقہ ہے مہمان کو یہ حلال نہیں کہ اس کے پاس ٹھہرا رہے حتی کہ اسے تنگ کردے ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎آپ کا نام خویلد ابن عمرو ہے،عدوی ہیں،قبیلہ بنی کعب سے ہیں،فتح مکہ کے دن بنی کعب کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا،مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

۲؎ہمارا مہمان وہ ہے جو ہم سے ملاقات کے لیے باہر سے آئے خواہ اس سے ہماری واقفیت پہلے سے ہو یا نہ ہو۔جو ہمارے اپنے ہی محلّہ یا اپنے شہر میں سے ہم سے ملنے آئے دوچار منٹ کے لیے وہ ملاقاتی ہے مہمان نہیں اس کی

خاطر تو کرو مگر اس کی دعوت نہیں ہے اور جو ناواقف شخص اپنے کام کے لیے ہمارے پاس آئے وہ مہمان نہیں جیسے حاکم یا مفتی کے پاس مقدمہ والے یا فتویٰ والے آتے ہیں یہ حاکم کے مہمان نہیں۔

۳؎ حضرت لیث اس کی بناء پر فرماتے ہیں کہ مہمان کو ایک شب کھانا کھلانا واجب ہے اگر نہ کھلائے گا تو گنہگار ہوگا۔**جائزہ** کے معنی ہیں عطیہ ہدیہ،اس کی جمع ہے **جوائز** جیسے **فاضلہ** کی جمع **فواضلہ** یعنی مہمان کا مضبوط و پختہ حق۔

۴؎ اگر صاحب خانہ خود ہی بخوشی روکے تو رک جانے میں حرج نہیں لیکن اس پر تنگی ہو اور مہمان ڈٹا رہے یہ بے غیرتی بھی ہے اور مسلمان کو تنگ کرنا بھی یہ ممنوع ہے۔یہ قوانین آج عیسائیوں نے اختیار کرلیے ہیں،انکے ہاں مہمان پہلے ہی خط لکھ دیتا ہے کہ میں اتنے روز کے لیے آپ کے ہاں آرہا ہوں،پھر جب وہ دن گزر جاتے ہیں اور یہ مہمان کسی وجہ سے ٹھہرتا ہے تو صاحبِ خانہ کو ان زائد دنوں کا بل ادا کرتا ہے۔

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ ہم کو بھیجتے ہیں ۱؎ تو ہم ایسی قوم پر اترے ہیں جو ہماری مہمانی نہیں کرتی تو حضور کیا حکم دیتے ہیں ۲؎ تب ہم سے فرمایا کہ اگر تم کسی قوم پر اترو پھر وہ تمہارے لیے وہ دیں جو مہمانوں کے لیے مناسب ہے تو قبول کرلو ۳؎ اگر نہ کریں تو ان سے مہمان کا وہ حق لے لو جو مہمانوں کو مناسب ہے ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ جہاد کے لیے یا کسی جگہ نمائندہ بناکر نمائندگی کرنے کے لیے۔

۲؎ یعنی راستے میں منزل بہ منزل ٹھہرتے ہوئے جاتے ہیں ہم کو کھانے پینے کی بھی ضرورت ہوتی ہے،وہاں کے باشندے بے مروتی کرتے ہوئے ہماری بات بھی نہیں پوچھتے۔

۳؎ **ضیف** واحد و جمع دونوں کو کہا جاتا ہے،قرآن کریم میں ہے"ضَیۡفِ اِبۡرٰہِیۡمَ الۡمُکۡرَمِیۡنَ"۔

۴؎ یہ فرمان عالی تو اس کافر قوم کے متعلق ہے جن سے مسلمانوں کا معاہدہ ہوتا تھا کہ ہماری فوج کو تمہیں راشن دینا ہوگا،اب اگر وہ یہ وعدہ پورا نہ کریں تو جبرًا پورا کرایا جائے یا حالت مخمصہ کا ذکر ہے جب کہ مسافر بھوک سے مررہا ہو تو جبرًا دوسرے سے مال لے کر بقدرضرورت کھاسکتا ہے،ورنہ دوسرے کا مال بغیر اس کی رضا مندی استعمال کرنا جائز نہیں۔(مرقات)لہذا یہ حدیث اس آیت کریمہ کے خلاف نہیں"یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوٰلَکُمۡ بَیۡنَکُمۡ بِالۡبٰطِلِ"نہ ان احادیث کے خلاف ہے جن میں ڈکیتی اور کسی کا مال چھین لینے سے منع فرمایا گیا۔بعض نے فرمایا کہ یہ حکم شروع اسلام میں تھا جب کہ امیروں پر فقیروں کی دستگیری واجب،بعض شارحین نے فرمایا کہ ایک دن کی مہمانی میزبان پر واجب ہے،وہ اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں مگر جمہور کا یہ قول نہیں

اور ان شارحین کا یہ استدلال کمزور ہے،اگر مہمانی واجب بھی ہو تو یہ جبرًا اس سے وصول کرنا کیسے درست ہوا،زکوۃ دینا مالداروں پر فرض ہے مگر فقراء کو حق نہیں کہ ان کا مال جبرًا چھین لیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن یا ایک رات باہر تشریف لائے تو اچانک ابوبکروعمر تھے ۱؎ فرمایا اس گھڑی تم دونوں کو اپنے گھروں سے کس چیز نے نکالا عرض کیا بھوک نے ۲؎ فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھے بھی اس نے نکالا جس نے تم کو نکالا ۳؎ اٹھو چنانچہ وہ حضور کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے ۴؎ ایک انصاری صاحب کے ہاں گئے ۵؎ تو وہ اپنے گھر میں نہ تھے جب حضور کو ان کی بیوی نے دیکھا بولیں خوش آمدید اھلًا ۶؎ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلاں کہاں ہیں ۷؎ بولیں ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہیں ۸؎ اتنے میں انصاری صاحب آگئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو دیکھا بولے اللہ کا شکر ہے ۹؎ آج مجھ سے بہتر مہمانوں والا کوئی نہیں ۱۰؎ پھر وہ چلے تو ان کی خدمت میں ایک بڑا خوشہ لائے جس میں کچے خشک وترکھجوریں تھیں عرض کیا اس سے کھایئے ۱۱؎ اور چھری لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دودھ والی سے الگ رہنا ۱۲؎ پھر انہوں نے ان حضرات کے لیے بکری ذبح کی ان صاحبوں نے بکری اور اس خوشہ سے کھایا پانی پیا ۱۳؎ پھر جب سیر ہوگئے اور پانی سے سیراب ہوئے ۱۴؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابوبکروعمر سے فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم سے ان نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا قیامت کے دن ۱۵؎ کہ تم کو تمہارے گھروں سے بھوک نے نکالا پھر تم واپس نہ ہوئے حتی کہ تم کو یہ نعمتیں مل گئیں ۱۶؎ (مسلم) ۱۷؎ اور حضرت ابومسعود کی حدیث کان رجل من الانصار باب الولیمة میں ذکر کی

	گئی ۱۸

۱؎ بعض روایات میں ہے کہ یہ وقت دوپہر کا تھا۔(اشعہ)
۲؎ ان حضرات کا اس وقت اپنے گھروں سے نکل پڑنا نہ تو کسی سے کچھ مانگنے کے لیے تھا نہ کہیں دعوت میں جانے کے لیے بلکہ وجہ یہ تھی کہ سخت بھوک میں کسی عبادت میں دل نہیں لگا کرتاایسی حالت میں عبادت کرنا ایسے ہی ممنوع ہے جیسے پیشاب پاخانہ کی سخت حاجت میں عبادت مکروہ ہے اس لیے یہ حضرات اپنی عبادات نوافل ترک کرکے دل بہلانے باہر آگئے۔(مرقات)
۳؎ یعنی ہم بھی اس وقت اس وجہ سے باہر تشریف لائے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اپنی تکلیف کو کسی پر ظاہر کرنا جب کہ ناشکری یا گھبراہٹ کے اظہار یا بے صبری کے لیے نہ ہو جائز ہے۔(مرقات)ان دونوں بزرگوں کا حضور کی خدمت میں بھوک کی شکایات کرنا ایسا ہے جیسے اولاد کا ماں باپ سے بھوک کی شکایت کرنا اور حضور انور کا یہ فرمان ان بزرگوں کی تسکین اور صبر کے لیے ہے یعنی دیکھو ہم کو بھی بھوک ہے مگر صبر بھی ہے۔خیال رہے کہ ان حضرات کا اس موقعہ پر کمانے کے لیے نہ جانا حتی کہ بھوک نے پریشان کردیا دینی کام میں زیادہ مشغولیت کی وجہ سے تھا جو کمائی سے زیادہ اہم تھاورنہ وہ دونوں حضرات معاش کے لیے کچھ نہ کچھ کرتے رہتے تھے۔اشعۃ اللمعات میں ہے کہ یہ حضرات حضور کا دیدار کرکے سیر ہوجاتے تھے ان کی بھوک جاتی رہتی تھی جیسے قحط کے زمانہ میں مصری لوگ جمال یوسفی دیکھ کر سیر ہوجاتے تھے۔(اشعۃ اللمعات)
۴؎ دو کے لیے جمع فرمانا یا مجازاً ہے یا کبھی دو کو جمع بول دیتے ہیں۔
۵؎ یہ خوش نصیب صحابی حضرت مالک ابن تیہان ہیں۔کنیت ابو الہیثم انصاری ہیں جو بڑے وسیع باغ بہت بکریوں کے مالک تھے،چونکہ اس مہمانی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصل تھے یہ دونوں حضرات حضور کے تابع تھے اس لیے اتی صیغہ واحد ارشاد ہوا۔
۶؎ اہل عرب مہمان کو دیکھ کر یہ الفاظ کہتے ہیں جیسے انگریزی میں ویل کم،فارسی میں خوش آمدید۔
۷؎ یعنی تمہارے خاوند کہاں ہیں۔معلوم ہوا کہ کبھی اپنے دوست یا خادم کے گھر خود مہمان بن جانا بھی جائز ہے مہمان کے لیے صاحبِ خانہ کا بلانا ضروری نہیں،یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مالک مکان گھر میں نہ ہو تو اسکے بال بچوں کے پاس انتظار کے لیے بات چیت کرنا درست ہے جب کہ ضرورۃً ہو بغیر خلوت کے ہو۔
۸؎ یعنی ہمارے باغ میں پانی ہے مگر قدرے کھاری ہے باغ سے کچھ فاصلہ پر میٹھے پانی کا کنواں ہے وہاں سے پینے کے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہیں۔
۹؎ شمائل ترمذی میں ہے کہ یہ بات ہو رہی تھی کہ مالک ابن تیہان یعنی صاحب باغ بھی آگئے پانی کا برتن زمین پر رکھ کر حضور سے لپٹ گئے میرے ماں باپ فدا۔شعر

زشان و شوکت سلطان نہ گشت چیزے کم ز التفات بمہماں سرائے مسکینے
کلاہ گوشہ مسکین بہ آفتاب رسید کہ سایہ برسرش افگندچوں تو سلطانے

اس میں حضرت مالک ابن تیہان کی اس عظمت کا ظہور ہے کہ سبحان اللہ! حضور انور نے ان کے گھر کو اپنا تصور فرماکر وہاں تشریف ارزانی فرمائی۔خیال رہے کہ آپ بیعت عقبہ اولیٰ میں شریک ہوئے،بارہ نقیبوں میں آپ بھی تھے،بدرواحد اور تمام غزوات میں شریک رہے۔

۱۰؎ یعنی آج معراج کا دولہا عرش اعظم کا مہمان میرے گھر کیسے کرم فرما ہوگیا،میں اپنے مقدر پر جس قدر ناز کروں کم ہے،آج میرا باغ رشک خلد بریں بلکہ رشک عرش بریں ہے۔

۱۱؎ فورًا چادر بچھائی بڑا سا خوشہ کھجور کا حاضر لائے۔بعض روایات میں ہے کہ حضور انور نے فرمایا صرف رطب کھجوریں ہی کیوں نہ لائے،عرض کیا کہ میں ہر قسم کی کھجوریں حاضر لایا ہوں تاکہ جو پسند خاطر ہو وہ ملاحظہ کریں۔

۱۲؎ یعنی دودھ والی بکری ذبح نہ کرنا۔بعض بزرگ دودھ والی گائے بکری بھینس کی قربانی نہیں کرتے ان کا ماخذ یہ حدیث ہے اگرچہ فرمان عالی بطور مشورہ تھا مگر حضور کے مشورہ پر عمل بھی بہت ہی اچھا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مہمان کو پہلے کچھ پھل کھلانا پھر کھانا پیش کرنا سنت صحابی ہے،بعد کھانے کے پھل پیش کرنا بھی سنت ہے جس کی روایات گزرچکیں۔

۱۳؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ حضور انور نے دوبارہ کھجوریں کھائیں۔کھانے سے پہلے بھی اور کھانے کے بعد بھی۔

۱۴؎ نووی نے فرمایا کہ شکم سیر کو کھانا پینا جائز ہے جن احادیث میں اس سے ممانعت آتی ہے وہاں ہمیشہ سیر ہوکر کھانا مراد ہے۔

۱۵؎ کہ تم نے ان نعمتوں کا شکریہ ادا کیا کہ اللہ تعالٰی نے بھوک و پیاس کی حالت میں ایسی نعمتیں عطا فرمائیں۔ **لتسئلن** مخاطب کے صیغہ سے اشارۃً معلوم ہوا کہ قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حساب نہ لیا جائے گا کہ حضور کا ہر عمل تعلیم و تبلیغ کے لیے تھا آپ کا حساب نہیں بلکہ بلا حساب اجروثواب بے حساب عطا ہوگا صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۶؎ یعنی قیامت میں تم سے سوال یہ ہوگا کہ تم نے ان نعمتوں کا شکریہ ادا کیا یا نہیں اگر کیا تو وہ کیا تھا یا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم سے سوال یہ ہوگا کہ ہماری فلاں فلاں نعمتیں تم نے کھائیں یا نہیں۔غرضیکہ سوال توبیخ اور ہے سوال تعداد کچھ اور مرقات نے یہ دوسرے معنی اختیار فرمائے کہ یہ سوال سوال احترام ہوگا نا کہ سوال توبیخ کہ سوال توبیخ یا کفار سے ہوگا یا غافلوں ناشکروں سے۔

۱۷؎ اس حدیث کا تتمہ بھی عنقریب آرہا ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالہیثم سے فرمایا کہ جب ہمارے پاس غلام آویں تو تم آنا ہم تم کو ایک غلام عطا فرمائیں گے کچھ روز بعد دو غلام حضور کی بارگاہ میں لائے گئے تب ابو الہیثم حاضر بارگاہ ہوئے حضور انور نے فرمایا ان میں سے ایک لے لو۔عرض کیا حضور آپ ہی انتخاب فرماکر ایک عطا فرمادیں فرمایا لے جاؤ یہ نمازی ہے اس سے برتاؤ اچھا کرنا۔چنانچہ ابوالہیثم اس غلام کو گھر لائے اور اسے آزاد کردیا۔

۱۸؎ یعنی ابو مسعود کی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی ہم نے مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے اسے **باب الولیمۃ** میں نقل کیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت مقدام ابن معدیکرب سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جوکسی قوم کا مہمان ہو پھر مہمان محروم رہے تو ہر مسلمان پر اس کی مدد کرنا لازم ہے ۱؎ یہاں تک کہ وہ اپنی مہمانی اس کے مال اور کھیت سے حاصل کرے ۲؎ دارمی اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جو شخص کسی قوم کا مہمان بنے پھر وہ اس کی مہمان نوازی نہ کرے تو اسے حق ہے کہ اپنی مہمانی کی مقدار لے لے۔	

۱؎ اس طرح کہ میزبان اسے مہمان نہ بنائے اسے کھانا نہ دے تو اس کے پڑوس کے مسلمان اس میزبان کو سمجھا بجھا کر یا برا بھلا کہہ کر اس سے کھانا دلوادیں۔

۲؎ یعنی اگر سمجھانے بجھانے پر بھی میزبان اس مہمان کا حق نہ دے تو دوسرے مسلمان اس مہمان کی مدد کریں کہ وہ میزبان کے مال و کھیت میں سے ایک دن کے کھانے کے بقدر وصول کرے۔اس حدیث کے دو ہی مطلب ہیں جو ابھی کچھ پہلے حضرت عقبہ ابن عامر کی روایت کی شرح میں عرض کیے گئےکہ یہ مہمان سے مراد مسلمان مہمان اور میزبان سے مراد ہے وہ کافر جماعت جس سے اس شرط پر صلح کی گئی تھی کہ ہمارے مسلمان مہمان کو کھانا دیا کریں یا وہ مہمان مراد ہے جو بھوک سے مررہا ہو دوسرے کے پاس کھانا ہو وہ اسے مرتے ہوئے دیکھے اور کھانا نہ دے ایسی مجبوری میں وہ جبرًا اس کے مال سے کھاسکتا ہےورنہ بغیر ان حالات کے کسی کا مال جبرًا لینا جائز نہیں۔حضرت خضرو موسیٰ علیہما السلام انطاکیہ والوں پر گئے تو انہوں نے میزبانی نہ کی تو ان بزرگوں نے ان سے کچھ جبرًا وصول نہ کیا جیساکہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔

روایت ہے حضرت ابوالاحوص جشمی سے ۱؎ وہ اپنے باپ سے راوی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ فرمایئے تو اگر میں کسی شخص پر گزروں تو نہ وہ میری مہمانی کرے نہ مجھے دعوت دے پھر وہ مجھ پر اس کے بعد گزرے تو میں اسے مہمان بناؤں یا بدلہ لوں فرمایا بلکہ مہمان بناؤ ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ آپ کا نام عوف ابن مالک ابن نفر ہے،تابعی ہیں،حضرت عبداللہ ابن مسعود کے ساتھیوں میں سے ہیں،حضرت علی مرتضٰی کے ساتھ رہے اور قتال خوارج میں شہید ہوئے۔(اشعہ،مرقات)

۲؎ یعنی اگر اس نے تمہارے ساتھ بے مروتی کی ہے تم اس سے بے مروتی نہ کرو،برائی کا بدلہ بھلائی سے کرو،اس کو حق مہمانی دو،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ"۔شعر

بدی رابدی سہل باشد جزا اگر مردی احسن الی من اساء

روایت ہے حضرت انس یا ان کے سوا سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد ابن عبادہ کے ہاں اجازت چاہی تو فرمایا السلام علیکم ورحمۃ اللہ تو حضرت سعد نے کہا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ سنایا حتی کہ حضور نے تین بار سلام کیا ۲؎ اور حضور کو سعد نے جواب دیا سنایا نہیں ۳؎ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوگئے ۴؎ تو جناب سعد حضور کے پیچھے گئے عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ۵؎ حضور نے کوئی سلام نہ کیا مگر وہ میرے کان میں پہنچا اور میں نے حضور کا جواب دیا آپ کو نہ سنایا میں نے چاہا کہ آپ کا سلام اور برکت زیادہ حاصل کرلوں ۶؎ پھر وہ سب گھر میں آئے حضور کی خدمت میں کشمش پیش کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھالی ۷؎ پھر جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تمہارا کھانا نیکوں نے کھایا ۸؎ تم پر فرشتوں نے دعاء رحمت کی ۹؎ اور تمہارے پاس روزہ داروں نے افطاری کی ۱۰؎ (شرح السنہ)	

۱؎ بعض روایات میں ہے عن انس بغیر شک و تردد کے۔

۲؎ ملاقات کو جانے والا تین بار سلام کرے:ایک سلام اجازت،دوسرا سلام ملاقات،تیسرا سلام رخصت۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سلام اجازت کے دروازے کے باہر سے کہے تاکہ صاحبِ خانہ اندر آنے کی اجازت دیں حضرت سعد نے جواب دیا مگر آہستہ کہ حضور اقدس تک آواز نہ پہنچے جس کی وجہ آگے آرہی ہے کہ انہوں نے اس بہانہ سے حضور کے سلام بار بار لینے کی کوشش کی۔

۳؎ خیال رہے کہ یہاں حضرت سعد کے سنانے کی نفی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سننے کی نفی نہیں یعنی حضرت سعد نے اتنی پست آواز سے جواب دیا جو سننے کے قابل نہ تھا ورنہ حواس انبیاء بہت قوی ہوتے ہیں وہ حضرات تو خطرات قلبی کو محسوس فرمالیتے ہیں۔حضرت سلیمان نے تین میل کے فاصلہ سے چیونٹی کی آواز سن لی تھی جیساکہ

قرآن مجید میں ہے تو کیسے ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد کی پست آواز نہ سن سکیں مگر شرعی احکام ظاہر پر جاری ہوتے ہیں اس لیے سرکار واپس ہوگئے۔

۴؎ کیونکہ شرعی حکم یہ ہے کہ تین بار اجازت مانگنے پر جواب گھر میں سے نہ آئے تو واپس ہوجاؤ یہاں اس مسئلہ کا اظہار مقصود تھا۔

۵؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ لفظ میرے ماں باپ آپ پر فدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہے یعنی امتی صرف حضور سے ہی یہ عرض کرسکتا ہے یا اگر حضور اپنے کرم سے کسی امتی سے فرمادیں تو فرماسکتے ہیں جیسے حضور نے سعد ابن ابی وقاص سے فرمایا ارم یاسعد فداك ابی وامی اے سعد تیر چلائے جاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان۔اب ہم حضور کے سواکسی سے یہ نہیں کہہ سکتے۔(مرقات)یہ کلمہ انتہائی محبت کا ہے مسلمانوں کو انتہائی محبت حضور سے چاہیے۔

۶؎ خیال رہے کہ سلام کا جواب اتنی آواز سے دینا فرض ہے جسے سلام کرنے والا سن سکے لیکن یہاں تو وجہ ہی کچھ اور تھی کہ حضرت سعد نے جواب پست آواز میں دیا،اگر ترک فرض سے ایسی برکت حاصل ہوجائے تو ایسے ترک فرض پر ہزار ہا فرض قربان۔حضرت ام ہانی نے حضور کا پیا ہوا پانی پایا تو روزہ توڑدیا دیا اور وہ متبرک پانی پی لیا وہ سمجھیں کہ روزہ کی قضا کر لوں گی مگر یہ پانی مجھے کہاں ملے گا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد پر اعتراض نہ فرمایا۔(از مرقات و اشعۃ اللمعات)شعر

نمازیں گر قضا ہوں پھر ادا ہوں　　نگاہوں کی قضائیں کب ادا ہوں

اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ حضور انور نے فرمایا تھا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اس لیے فرمایا ومن البرکة۔اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام حضور کا سلام حضور کی دعائیں لینے کے لیے بہانہ تلاش کرتے۔آج مسلمانوں کا یہ پڑھنا یانبی سلام علیك بہانہ ہے جواب سلام حاصل کرنے کا،حضور انور کا میلاد شریف پڑھنا حضور کے نام پر صدقہ و خیرات کرنا بہانہ ہے حضور کی دعائیں لینے کا،قرآن کریم فرماتاہے:"وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاللهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَیَتَّخِذُ مَا یُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ" الخ "وَصَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ"یعنی دیہاتی اپنی خیراتوں کو ذریعہ بناتے ہیں اللہ سے قرب کا اور رسول کی دعائیں لینے کا یہ بہانہ بڑی مبارک چیز ہے۔

۷؎ بعض روایات میں ہے کہ روٹی اور کشمش پیش کی حضور انور نے کشمش سے روٹی ملاحظہ فرمائی۔(مرقات)

۸؎ یہ جملہ دعا ہے یا خبر یعنی تمہارا کھانا خدا کرے ہمیشہ ابرار کھائیں فساق،فجار نہ کھائیں یا خبر ہے،چونکہ حضور انور سید الابرار ہیں اس لیے حضور انور کا کھانا گویا جہان بھر کے ابرار کا کھانا ہے۔یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی فرما سکتے ہیں ہم اپنے کو کس منہ سے ابرار کہیں،خدا تعالٰی ہم گنہگاروں نابکاروں کو ابرار کی غلامی نصیب فرمادے۔

۹؎ یہ بھی دعا ہے یا خبر یعنی خداکرے ہمیشہ تمہارے لیے فرشتے دعائیں کرتے رہیں یا ہمارے کھانے سے فرشتوں نے تمہارے لیے دعائیں کیں۔معلوم ہوا کہ حضور انور کا کسی کا کھانا ملاحظہ فرمانا فرشتوں کی دعا کا ذریعہ ہے۔(مرقات)

۱۰؎ یہ جملہ دعائیہ ہے یعنی خدا کرے تمہارے کھانے سے روزہ دار افطار کیاکریں تمہارا کھانا اس راہ میں خرچ ہوا کرے کیونکہ اس وقت حضور انور کا نہ تو روزہ تھا نہ یہ وقت افطار کا تھا،بعض شارحین نے فرمایا کہ حضور انور کا روزہ تھا جو حضرت سعد کی خاطر توڑ دیا گیا مگر یہ درست نہیں اس لیے کہ روزہ توڑنے کو افطار نہیں کہتے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ مؤمن اور ایمان کی مثال گھوڑے کی سی ہے اپنی رسی میں جو گھومتا ہے پھر اپنی رسی کی طرف لوٹ آتا ہے ۱؎ اور مؤمن بھول جاتا ہے پھر ایمان کی طرف لوٹ آتا ہے ۲؎ تو تم اپنا کھانا پرہیزگاروں کو کھلاؤ اور نیکو کار مؤمنوں کو ۳؎(بیہقی شعب الایمان)ابو نعیم فی الحلیۃ	

۱؎ آخیہ اس لمبی رسی کو کہتے ہیں جس کا ایک کنارہ میخ میں بندھا ہوا دوسرا گھوڑا کے پاؤں میں ہو درمیان رسی کو زمین میں دبادیا ہو،اگر گھوڑا کھل جاوے تو گھوم پھرکر پھر اپنے تھان پر آجاتا ہے اس رسی کو اردو میں تھان کہتے ہیں۔

۲؎ یعنی مؤمن بھی بھول چوک میں گناہ کے آس پاس گھوم آتا ہے پھر رحمت خداوندی دستگیری کرتی ہے اور اپنے ٹھکانے پر آجاتا ہے توبہ کرلیتا ہے۔شعر

تال سوکھ پربھٹ ہوا اور ہنسا کہیں نہ جائیں باندھیں پچھلی پربت کے اور کنکر چن چن کھائیں

خیال رہے کہ جیسا بھاگا ہوا گھوڑا جب واپس آتا ہے تو مالک اسے نکالتا نہیں فورًا باندھ لیتا ہے یوں ہی ہم جیسے بھگوڑے گنہگار بندے جب بارگاہ الٰہی میں توبہ کرتے ہوئے حاضر ہوتے ہیں تو وہ رب کریم ہم کو فورًا قبول فرمالیتا ہے نکالتا نہیں مگر شرط یہ ہی ہے کہ تعلق اس سے قائم رکھیں۔

۳؎ یعنی کوشش کرو کہ تمہارا کھانا اللہ کے نیک بندے کھائیں تاکہ تم کو نیکی کی طرف رجوع کرنے کی جلد توفیق ملتی رہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیالہ تھا جسے چار آدمی اٹھاتے تھے جسے غراء کہا جاتا تھا ۲؎ تو جب چاشت پڑھ لیتے تو یہ پیالہ لایا جاتا تھا اس میں ثرید بنایا ہوا ہوتا تھا ۳؎ لوگ اس پر جمع ہوجاتے تھے پھر جب زیادہ ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکڑوں بیٹھ گئے ۴؎ تو ایک بدوی نے کہا یہ بیٹھک کیسی ہے ۵؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے کرم والا بندہ بنایا ہے	

	اور مجھے سرکش متکبر نہیں بنایا ۶ پھر فرمایا کہ اس کے کناروں سے کھاؤ درمیان کو چھوڑ دو اس میں برکت دی جائے گی ۷ (ابوداؤد)

۱ آپ سلمٰی مازنی ہیں،آپ خود اور آپ کے والد بسر،والدہ عطیہ اور بھائی بہن سب صحابیہ وصحابی ہیں،شام میں مقام حمص میں رہے،وہاں وضو کرتے ہوئے اچانک فوت ہوئے سنہ ۸۸ اٹھاسی ہجری میں،آپ شام کے آخری صحابی ہیں۔

۲ غراء مؤنث ہے اغرہ کا بمعنی روشن چمکدار۔

۳ اکثر یہ ثرید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوتا تھا ان تمام نمازیوں کے لیے جو نماز اشراق یا چاشت پڑھتے پھر حاضر ہوتے،مشائخ کرام کے درباریوں کے لنگروں کے لیے یہ حدیث اصل ہے۔یہ حضور کا لنگر تھا کبھی صحابہ کرام بھی اس پیالے میں اپنے کھانے شامل کردیا کرتے تھے جیساکہ بعض احادیث میں ہے جیسے آج بعض اہل توفیق بزرگوں کے لنگر کے لیے کچھ نذرانہ پیش کردیتے ہیں اس کی اصل بھی یہ ہی حدیث ہے،اب بھی ماہ رمضان میں بعض اہل مدینہ افطار سحری کے وقت مسجد نبوی شریف میں لنگر لگاتے ہیں اور بعض اہلِ خیر اس لنگر میں کچھ چندہ اپنی خوشی سے دیتے ہیں،میں نے خود جناب الحاج غلام حسین مدنی کے لنگر میں سحریاں کھائی ہیں،اللہ پھر نصیب کرے۔

۴ یعنی لوگ اتنے زیادہ ہونے لگے کہ جگہ تنگ ہوگئی حضور انور نے اس تنگی کی وجہ سے اکڑوں کھانا کھایا مگر الگ کھانا منظور نہ فرمایا سب کے ساتھ ہی کھایا یہ ہے کرم کریمانہ۔شعر

عجز اللہ رے تمہارا کہ شہ کل ہو مگر زندگی تم نے غریبوں میں گزاری ساری

۵ ان بدوی صاحب نے متکبرین کے طور طریقے دیکھے تھے کہ وہ نشست و برخاست میں بڑی شان و شکوہ ظاہر کرتے ہیں،وہ حضور انور کی یہ سادگی دیکھ کر حیران رہ گئے تعجب سے پوچھا کہ اللہ اکبر یہ شان اور یہ عجز و انکسار اور تواضع۔

۶ یعنی مجھے اللہ تعالٰی نے کریم سخی و بندہ بنایا ہے۔میں چاہتا ہوں کہ میری ہر ادا سے میری بندگی ظاہر ہو اور یہ بیٹھک اظہار بندگی کے لیے بہت ہی مناسب ہے دوسری نشستیں بڑائی ظاہر کرتی ہیں۔

۷ یعنی اے میرے ساتھیو! پیالہ کے کناروں سے اپنے اپنے آگے سے کھاؤ بیچ پیالہ سے نہ کھاؤ کہ بیچ پیالہ میں برکت اترتی ہے وہاں سے کناروں تک پہنچتی ہے،اگر تم نے بیچ سے کھانا شروع کردیا تو وہاں برکت آنا بند ہو جائے،غرضیکہ برکت اترنے کی جگہ اور ہے اور برکت لینے کی جگہ کچھ اور۔

	روایت ہے حضرت وحشی ابن حرب سے وہ اپنے والد سے راوی وہ اپنے دادا سے ۱ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کھاتے ہیں اور سیر نہیں ہوتے ۲ فرمایا شاید تم الگ الگ کھاتے ہو عرض کیاہاں ۳ فرمایا اپنے کھانے پر جمع

	ہوجایا کرو اور اللہ کا نام لو تم کو اس میں برکت دی جائے گی ۴؎(ابوداؤد)

۱؎ان کا نام وحشی ابن حرب ابن وحشی ابن حرب ہے،یہ وحشی تابعین سے ہیں اور ان کے دادا وحشی ابن حرب وہ ہی ہیں جنہوں نے زمانہ کفر میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا،پھر زمانہ اسلام میں خلافت صدیقی میں مسیلمہ کذاب کو جہنم رسید کیا یعنی وحشی نے اپنے باپ حرب سے روایت کی اور حرب نے اپنے باپ وحشی سے روایت کی جو کہ ان راوی وحشی کے دادا ہیں،ان وحشی صحابی کے بہت سے بیٹے ہیں یعنی حرب،اسحاق وغیرہم۔(مرقات و اشعہ)

۲؎یعنی ہم کھاتے زیادہ ہیں اور سیری کم ہوتی ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہم کو قناعت اور قوۃ علی الطاعۃ نصیب ہو وہ کم میسر ہوتی ہے۔

۳؎یعنی گھر والے ایک ایک کرکے الگ الگ کھاتے ہیں جمع ہوکر ایک ساتھ نہیں کھاتے۔سبحان اللہ!یہ ہے مرض کا بیان ہے اور یہ ہے حکیم مطلق کی تشخیص اور پہچان۔

۴؎ یہ ہے ان حکیم مطلق صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج فرمانا کہ جمع ہوکر ایک ساتھ کھانے میں برکت ہے۔خیال رہے کہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ "لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا"یعنی تم پر گناہ نہیں مل کر کھاؤ یا الگ الگ کیونکہ آیت کریمہ میں الگ الگ کھانے کے جواز کا ذکر ہے اور اس حدیث پاک میں مل کر کھانے کے استحباب کا تذکرہ ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابو عسیب سے ۱؎فرماتے ہیں کہ ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے مجھ پر گزرے تو مجھے بلایا میں نکل آیا پھر جناب ابوبکر پر گزرے انہیں بلایا وہ بھی آپ کے پاس آگئے پھر حضرت عمر پر گزرے تو انہیں بلایا وہ بھی نکل آئے تب چلے ۲؎حتی کہ کسی انصاری کے باغ میں داخل ہوئے ۳؎تو باغ والے سے فرمایا ۴؎ہم کو کچی کھجوریں کھلاؤ ۵؎وہ ایک خوشہ لائے اس کو رکھ دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے کھایا پھر ٹھنڈا پانی منگایا وہ پیا ۶؎پھر فرمایا ان نعمتوں کے متعلق تم سے قیامت کے دن سوال ہوگا ۷؎راوی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے خوشہ لیا اسے زمین پر مارا حتی کہ کھجوریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف جھڑ گئیں پھر عرض کیا یارسول اللہ ہم قیامت کے دن اس کے متعلق پوچھے جائیں گے۸؎ فرمایا ہاں بجز تین چیزوں کے ۹؎ وہ چیتھڑا جس سے انسان اپنا ستر لپیٹ لے،وہ ٹکڑا روٹی کا جس سے اپنی بھوک دفع کرے،وہ سوراخ جس میں سردی گرمی سے بے تکلف داخل ہوجائے ۱۰؎(احمد،بیہقی شعب الایمان)۱۱؎	

۱؎ آپ کا نام احمد،لقب احمر ہے،کنیت ابو عسیب مگر اپنی نسبت میں مشہور ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

۲؎ یعنی چار حضرات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ساتھ ہی یہ تین خدام بارگاہ۔

۳؎ یہ باغ ابوالہیثم کا تھا یا کسی اور انصاری کا مگر یہ واقعہ دوسرا ہے اور جو پہلے مذکور ہوا وہ دوسرا تھا۔

۴؎ پہلے جو واقعہ مذکور ہوا وہاں باغ والے صاحب خود کھجوروں کا خوشہ لائے تھے اور بکری ذبح کی تھی۔یہاں طلب سرکار نے فرمائی،لہذا یہ واقعہ دوسرا ہے۔

۵؎ یہ سوال وہ نہیں جس سے منع فرمایا گیا ہے یعنی ذات کا سوال،یہ سوال ایسا ہے جیسے والد اپنی اولاد سے یا مولیٰ اپنے غلام سے یا دوست اپنے دوست سے کچھ طلب کرے اس سوال سے تو صاحب خانہ کو قیامت تک کے لیے فخر ہوگیا کہ مجھے سرکار حضور نے اس لائق سمجھا کہ مجھ سے یہ طلب فرمایا لہذا یہ احادیث شریفہ میں تعارض نہیں جس سوال سے ممانعت ہے وہ اور سوال ہے یہ کچھ اور سوال۔

۶؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پیا اور ان حضرات صحابہ نے بھی،حضور کو ٹھنڈا بلکہ باسی پانی بہت مرغوب تھا۔

۷؎ خیال رہے کہ یہاں لتسئلن صیغہ جمع متکلم نہیں بلکہ جمع مخاطب ہے یعنی ت سے ہے ن سے نہیں،یعنی اے میری امت والو! تم سے سوال ہوگا حساب ہوگا کہ ان نعمتوں کا شکریہ تم نے کیا ادا کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حساب نہیں حضور سے سوال تو یہ ہوگا کہ آپ کی امت نے آپ سے کیا برتاوا کیا،حضرات انبیاء کرام سے نعمتوں کا سوال نہیں۔(مرقات)

۸؎ یعنی یہ کھجوریں اگرچہ نعمتیں ہیں مگر نہایت معمولی جن کی پرواہ بھی نہیں کی جاتی یوں ہی باری باری پھرتی ہیں،تعجب ہے کہ ان کا حساب بھی ہوگا۔حضرت عمر کا یہ عمل اور یہ سوال انتہائی خوفِ الٰہی کا باعث تھا کہ جب ان جیسی چیزوں کا بھی حساب ہے تو اعلیٰ چیزوں کا کیا بنے گا،ان کا حساب کس قدر سخت ہوگا تحقیر کے لیے یہ سوال نہیں۔

۹؎ جو ضروریات زندگی سے ہیں ان کے متعلق حساب نہ ہوگا کہ تم نے ان کا شکریہ کیا ادا کیا وہ چیزیں تو عبدیت و مربوبیت کا حق ہیں حق کا حساب نہیں ہوتا۔

۱۰؎ یعنی بقاء انسانی ان تین چیزوں پر موقوف ہے:زندگی رکھنے کے لیے ستر چھپانے والا کپڑا اور پیٹ میں بوجھ ڈالنے کے لیے روٹی کا معمولی ٹکڑا اور چوہے کے سوراخ جیسا معمولی مکان جس میں مال بہ تکلف جاآسکے۔سردی گرمی

سے بچاؤ کے لیے یہ چیزیں زندگی کی موقوف علیہ ہیں قیامت کے حساب سے خارج ہیں مگر یہ کھجوریں اگرچہ معمولی سہی مگر ہیں ضروریات کے علاوہ کہ یہ بھی ہیں جن میں لذت ہے لہذا ان کا حساب ہوگا۔**حجر** ح کے پیش جیم کے سکون سے بمعنی سوراخ یا بمعنی **محجر** یعنی پتھروں سے گھیری ہوئی زمین۔(مرقات)

اا؎حاکم نے مستدرک میں یہ حدیث نقل کرکے آخر میں فرمایا کہ حضور نے ارشاد کیا کہ اگر تم کو یہ گراں معلوم ہو تو ہر نعمت کھاتے وقت یہ پڑھ لیاکرو **بسم اللہ علیٰ برکت اللہ** اور کھاچکنے پر پڑھا کرو**الحمد للہ الذی ھو اشبعنا وارادانا وانعم علینا وافضل**،یہ کلمات ان نعمتوں کا شکریہ ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب دسترخوان رکھا جائے تو کوئی شخص نہ اٹھے تاآنکہ دسترخوان اٹھالیا جائے اور نہ اپنا ہاتھ اٹھائے اگرچہ سیر ہوجائے ا؎حتی کہ قوم فارغ ہوجائے اور معذرت کردے ۲؎کیونکہ یہ کام اپنے ساتھی کو شرمندہ کرے گا کہ وہ بھی اپنے ہاتھ سمیٹ لے گا ممکن ہے کہ ابھی اسے کھانے کی ضرورت ہو ۳؎(ابن ماجہ،بیہقی شعب الایمان)	

ا؎یعنی اگر کوئی شخص جماعت کے ساتھ کھانا کھائے اور خود جلد کھاچکے اور لوگ ابھی کھارہے ہوں تو نہ تو دسترخوان سے اٹھے نہ کھانے سے ہاتھ سمیٹے بلکہ چھوٹے چھوٹے لقمے کچھ وقفہ سے کھاتا رہے تاکہ دوسرے اپنا پیٹ بھرلیں۔

۲؎یعنی اگر جانے کی جلدی ہو تو باقی کھانے والے ساتھیوں سے کہہ دے کہ مجھے جلدی ہے میں معذور ہوں آپ حضرات کھاتے رہیں۔میرے مرشد برحق صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی قدس سرہ کا دسترخوان بہت وسیع تھا،حضرت اپنے خادم کے ساتھ کھاتے تھے مگر جلد کھاچکتے تو فرمادیتے کہ تم لوگ کھاتے رہو مجھے کچھ عذر ہے وہ عمل شریف اس حدیث کی تفسیر تھا۔

۳؎اس جملہ میں اس حکم کی حکمت کا بیان ہے کہ اگر تم دسترخوان سے اٹھ کھڑے ہوئے تو تمہارے ساتھی شرم کی وجہ سے بغیر فراغت ہی اٹھ کھڑے ہوں گے وہ بھوکے رہیں گے اس لیے ان کا لحاظ کرتے ہوئے ابھی ٹھہرو کچھ کھاتے جاؤ۔امام غزالی فرماتے ہیں جو شخص کم خوراک ہو جب وہ جماعت کے ساتھ کھائے تو کچھ دیر بعد کھانا شروع کرے اور چھوٹے چھوٹے لقمے اٹھائے اور دیر دیر سے کھائے مگر کھانا سب کے ساتھ ختم کرے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جعفر ابن محمد سے ا؎وہ اپنے والد سے راوی ۲؎فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم کے ساتھ کھاتے تو ان سب میں آخر تک کھاتے ۳؎(بیہقی شعب الایمان)	

۱؎حضرت جعفر وہ ہی امام جعفر صادق ہیں جن کا دنیا میں شہرہ ہے،ان کے والد امام محمد باقر ہیں جو تابعی ہیں،انہوں نے اپنے والد امام زین العابدین کو بھی پایا ہے اور حضرت جابر ابن عبداللہ کو بھی۔نسب شریف یہ ہے امام جعفر ابن محمد باقر ابن امام زین العابدین ابن امام حسین ابن علی ابن ابی طالب رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

۲؎امام محمد باقر تابعی ہیں کیونکہ انہوں نے حضرت جابر سے ملاقات کی ہے اور امام جعفر صادق تبع تابعی ہیں لہذا یہ حدیث مرسل ہے کہ اس میں صحابی کا ذکر نہیں۔حدیث مرسل امام اعظم کے ہاں حجۃ ہے،امام شافعی کے ہاں حجۃ نہیں جیساکہ کتب اصول میں ہے۔

۳؎اگرچہ حضور انور کی خوراک شریف بہت کم تھی مگر کھانا آہستہ آہستہ ہوتا تھا تاکہ آخر تک ملاحظہ فرماتے رہیں تمام ساتھی کھالیں کوئی بھوکا نہ رہے،دسترخوان پر اگر بزرگ ہستی کھاتی رہے تو کھانا جاری ہی مانا جاتا ہے۔

	روایت ہیں حضرت اسماء بنت یزید سے ۱؎فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا لایا گیا تو حضور نے ہم پر پیش فرمایا ہم نے عرض کیا ہم کو خواہش نہیں۲؎فرمایا بھوک اور جھوٹ جمع نہ کرو ۳؎(ابن ماجہ)

۱؎آپ اسماء بنت یزید ابن سکن ہیں،انصاریہ صحابیہ ہیں،بہت عاقلہ بہادر تھیں،جنگ یرموک میں حاضر ہوئیں،خیمہ کی چوب سے نوکافر مارے۔(اشعہ)

۲؎یعنی رسم کے مطابق ہم نے کہہ دیا کہ ہم کو بھوک نہیں کھانے کی خواہش نہیں۔

۳؎یعنی اگر کھانے کی خواہش ہو تو کھالو ایسا نہ ہو کہ خواہش ہو تو مگر خلاف واقعہ کہہ دو کہ ہم کو خواہش نہیں۔اس میں دنیاوی نقصان بھی ہے اور کھانے سے محرومی بھی اور دینی نقصان بھی ہے جھوٹ کا گناہ بھی۔بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ نہ تو کھانے والا جھوٹی تواضع کرے نہ آنے والا جھوٹا تکلف۔اگر کھانے والے کے پاس کافی ہو تو کہے کہ آؤ کھالو ورنہ نہ کہے یہ ہی آنے والے کو چاہیے کہ اگر خواہش ہو تو بیٹھ جائے کھالے ورنہ معذرت کردے اسلام میں تکلف نہیں۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اکٹھے ہوکر کھایا کرو الگ الگ نہ ہوؤ کہ برکت جماعت کے ساتھ ہے ۱؎(ابن ماجہ)

۱؎آزمائش بھی ہے کہ ساتھ کھانے میں تھوڑا کھانا بہت کو کافی ہوجاتا ہے،آپس میں محبت بڑھتی ہے،نماز،جہاد،حج کھانا غرضیکہ عبادات و عادات میں مسلمانوں کی جماعت بڑی اعلیٰ نعمت ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنت سے ہے انسان اپنے مہمان کے ساتھ گھر کے دروازے تک جائے ۱؎(ابن

	ماجہ)

۱؎ مہمان ملاقاتی کو دروازے تک پہنچانے میں اسکا احترام ہے،پڑوسیوں کا اطمینان کہ وہ جان لیں گے کہ ان کا دوست عزیز آیا ہے کوئی اجنبی نہ آیا تھا۔(مرقات)اس میں اور بہت حکمتیں ہیں آنے والے کی کبھی محبت میں کھڑا ہوجانا بھی سنت ہے۔

	اور بیہقی نے شعب الایمان میں انہیں سے اور ابن عباس سے روایت کی اور فرمایا اس کی اسناد میں ضعف ہے ۱؎

۱؎ یہ ضعف مضر نہیں کہ فضائل اعمال میں اسی قسم کے احکام ہیں حدیث ضعیف بھی قبول ہے،ہاں حرام و واجب احکام میں ضعف حدیث مضر ہے پھر اسناد حدیث کے ضعف سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس گھر میں کھایا جائے ۱؎ اس میں خیروبرکت زیادہ تیزی سے آتی ہے بمقابلہ چھری کے جو اونٹ کے کوہان تک جائے ۲؎ (ابن ماجہ)

۱؎ یعنی جس گھر میں مہمان،زائرین،ملاقاتی لوگ کھانا کھاتے رہیں وہاں برکت رہتی ہے ورنہ خودگھر والے تو ہر گھر میں ہی کھاتے ہیں۔

۲؎ اونٹ کی کوہان میں ہڈی نہیں ہوتی چربی ہی ہوتی ہے اسے چھری بہت ہی جلد کاٹتی ہے اور اس کی تہ تک پہنچ جاتی ہے اس لیے اس سے تشبیہ دی گئی یعنی ایسے گھر میں خیروبرکت بہت جلد پہنچتی ہے۔

باب و ھذا الباب خال عن الفصل الاول

باب۱ اور یہ باب پہلی فصل سے خالی ہے۲

الفصل الثانی

دوسری فصل

۱؎ بعض نسخوں میں ہے باب فی اکل المضطر یعنی مجبورومعذور کے کھانے کا ذکر ہمارے نسخے میں صرف باب ہے بغیر ترجمہ باب کے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں کھانے کے متعلق مختلف روایات آئیں گی جہاں ترجمہ باب نہیں ہوتا وہاں متفرقات کا بیان ہوتا ہے۔

۲؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں ہے وعن الفصل الثالث یعنی یہ باب پہلی اور تیسری فصل سے خالی ہے مگر صحیح تر نسخہ یہ ہے کہ پہلی فصل سے خالی ہے مگر مؤلف مصابیح کاحال بیان فرمارہے ہیں کہ یہاں پہلی فصل نہیں،رہی تیسری فصل وہ تو مصنف کی اپنی ہوتی ہےلائیں یا نہ لائیں اس کے ذکر کی ضرورت نہیں، چنانچہ برتن ڈھکنے کے باب میں بھی تیسری فصل نہیں مگر اس کا ذکر نہ کیا۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت فجیع عامری سے۱؎ وہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ ہمارے لیے مردار سے کیا حلال ہے ۲؎ فرمایا تمہارا کھانا پینا کیا ہے۳؎ ہم نے عرض کیا صبح و شام ایک ایک پیالہ پی لیتے ہیں۴؎ ابو نعیم کہتے ہیں کہ حضرت عقبہ نے مجھ سے اس کی تفسیر کی ایک پیالہ صبح اورایک پیالہ شام فرمایا میرے والد کی قسم یہ تو بالکل بھوک ہے ۵؎ پھر ہمارے لیے اس حالت میں مردار حلال فرمایا ۶؎(ابوداؤد)	

۱؎ فجیع ف کے پیش اور جیم کے فتحہ سے صحابی ہیں،اپنی قوم عامر کی طرف سے کچھ پیغام حضور کی بارگاہ میں لائے اور مسلمان ہوگئے،آپ کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔

۲؎ عام نسخوں میں یحل ی کے فتحہ سے جس کے معنی ہیں کہ مردار کی کتنی مقدار ہمارے لیے حلال ہے مگر مقصد یہ ہے کہ کس حالت میں ہم کو مردار کھانے کی اجازت ہے جیساکہ جواب شریف سے ظاہر ہے۔طبرانی کی روایت میں ہے مایحل لناالمیتۃ ی کے پیش ح کے کسرہ سے یعنی کون سی حالت کونسی مجبوری ہمارے لیے مردار کو حلال کرتی ہے۔یہ عبارت بالکل واضح ہے۔

۳؎ یعنی تم کو کس قدر کھانا میسر ہوتاہے تاکہ پتہ لگے کہ تمہیں حالت اضطرار ہے یا نہیں پھر جواب دیا جائے گا۔معلوم ہوا کہ کبھی فتوٰی حالت معین کرکے بھی دیا جاتا ہے مگر عمومًا اگر مگر سے جواب دیا جا تا ہے کہ اگر یہ حالت ہو تو یہ حکم ہو وہ حالت ہو تو یہ حکم۔

۴؎ یعنی ہماری تنگدستی کا یہ حال ہے کہ ہم کو کئی دن صاف فاقے سے گزرجاتے ہیں کبھی کبھار ایک پیالہ دودھ یا لسی صبح کو مل جاتی ہے اور کبھی کبھار ایک پیالہ شام کو اور اکثر کچھ بھی نہیں نہ صبح نہ شام،یہ مطلب نہیں کہ روزانہ دو وقتہ صبح و شام ایک ایک پیالہ دودھ پیتے ہیں کہ اتنی غذا سے مخمصہ و مجبوری کی حالت نہیں پیدا ہوتی۔بہت لوگ خصوصًا اس زمانہ میں اہل عرب مہینوں صبح شام ایک ایک پیالہ دودھ پر گزارا کرلیتے ہیں۔(مرقات)نہ یہ مطلب ہے کہ روزانہ صبح شام ایک ایک پیالہ گھر سے کھانا لیتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ ہم سے بعض کو ایک پیالہ دودھ صبح ملتا ہے بعض کو ایک پیالہ دودھ شام کو بعض دفعہ یہ بھی نہیں۔

۵؎ یہاں و ابی یعنی میرے باپ کی قسم فرمانا شرعی قسم کے لیے نہیں تاکید کلام کے لیے ہے لہذا یہ فرمان عالی اس حدیث کے خلاف نہیں اپنے باپ دادوں کی قسم نہ کھاؤ،رب تعالٰی نے قرآن مجید میں انجیر،زیتون وغیرہ کی قسمیں ارشاد فرمائی ہیں یعنی اتنی غذا جان نہیں بچاسکتی تم لوگ مضطرومجبور ہو چوبیس گھنٹہ میں آدھ پاؤ دودھ جان نہیں بچاسکتا۔

۶؎ اس حدیث کے ظاہری معنی کی بنا پر امام مالک و شافعی واحمد نے فرمایا کہ پیٹ بھرنے کے لیے مردار کھانا جائز ہے،وہ فرماتے ہیں کہ صبح و شام ایک ایک پیالہ دودھ جان بچا سکتا ہے مگر حضور نے اس کے باوجود مردار کھانے کی اجازت دے دی۔ہمارے امام اعظم فرماتے ہیں کہ جان بچانے کے لیے بقدر سدِّرمق یعنی سانس کی بقاء کے لیے مردار کھانا حلال ہے،امام اعظم نے اس حدیث کے معنی وہ کیے جو ابھی ہم نے عرض کیے،اگر بھرنے کے لیے مردار کھانا حلال ہوتا تو"غَیۡرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ"قرآن مجید میں کیوں ارشاد ہوتا مردار کو کھائے مگر مزے کے لیے نہ کھائے ضرورت سے زیادہ نہ کھائے،وہ حضرات"غَیۡرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ"کے کچھ اور ہی معنی کرتے ہیں۔

	روایت ہے ابوواقد لیثی سے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ہم کسی زمین میں ہوتے ہیں تو ہم کو بھوک پہنچ جاتی ہے ۱؎ تو ہمارے لیے مردار کب حلال ہے فرمایا جب کہ تم صبح کو یا شام کو پیالہ نہ پاؤ یا زمین کا ساگ پات بھی نہ پاؤ ۲؎ تو تم اس مردار کو اختیار کرلو،اس کے معنی یہ ہیں کہ تم صبح یا شام کو پیالہ نہ پاؤ اور نہ ساگ و پات پاؤ جسے تم کھاؤ تو تمہارے لیے مردار حلال ہے ۳؎(دارمی)

۱؎ یہ سوال کرنے والے حضرت کوئی اور ہیں اور ممکن ہے کہ وہ ہی فجیع عامری ہوں اور یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہو۔

۲؎ اس عبارت میں او بمعنی واؤ ہے جیسے آیت کریمہ میں "عُذْرًا اَوْ نُذْرًا "او بمعنی واؤ ہے۔(مرقات) یعنی جب تم کو نہ تو صبح یا شام دودھ کا پیالہ نہ ساگ پات ملے نہ گھاس اور درختوں کے پتے ملیں جنہیں چبا کر تم اپنی جان بچاسکتے ہو تب مردار کھاسکتے ہو ۔(مرقات)

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر گھاس یا پتے چباکر جان بچ سکتی ہو تو مردار نہ کھائے،اگر یہ بھی میسر نہ ہو تب مردار کھا سکتا ہے۔حضرات صحابہ کرام نے بعض غزوات میں درختوں کے پتے چباکر گزارہ کیا مگر مردار نہ کھایا۔یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ مردار کھانا جان بچانے کے لیے ہے پیٹ بھرنے کے لیے نہیں،امام شافعی نے بھی آخر میں یہ قول فرمایا اپنے پہلے قول سے رجوع کرلیا،دیکھو مرقات وغیرہ۔

باب الاشربۃ

پینے کی چیزوں کا بیان[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] اشربہ جمع ہے شراب کی جیسے طعام کی جمع ہے اطعمه،شراب یا بنا ہے شرب سے بمعنی پینایا شربۃ سے یعنی پانیوں کا بیان یا شربتوں کا بیان۔یہاں پر پتلی پینے والی چیز مراد ہے پانی ہو یا اور چیز چونکہ پانی کھانا کا تتمہ ہے اس لیے اس کا بیان کھانے سے متصل فرمایا اور اس کا صرف باب باندھا۔لباس مستقل علیحدہ ہے اس لیے اس کے لیے باقاعدہ کتاب اللباس باندھی۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پینے میں تین سانس لیتے تھے[1] (مسلم،بخاری)مسلم نے یہ زیادتی کی کہ فرماتے تھے یہ زیادہ سیر کرنے والا زیادہ صحت بخش اور زود ہضم ہے[2]

[1] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیتے میں برتن سے علیحدہ منہ کرکے تین سانسیں لیتے تھے۔پہلی سانس پینا شروع کرتے وقت پھر کچھ پی کر سانس لیتے یہ دوسرا سانس شریف ہوا،پھرکچھ پی کر تیسرا سانس لیتے یہ تیسرا سانس ہوا یعنی دوران پینے میں دو سانس لیتے تھے اور کل تین سانس،یہ عمل شریف ہر پینے میں ہوتا تھاخواہ پانی ہو یا دودھ یا شربت یا کوئی اور چیز اور یہ ہی سنت ہے مگر خیال رہے کہ یہ سانسیں برتن سے منہ الگ کرکے ہیں۔

[2] اروی بنا ہے روی سے بمعنی سیرابی اس لیے مشکیزہ کو راویہ کہتے ہیں کہ یہ ذریعہ سیری ہےاور ابری بنا ہے برء سے بمعنی دوری صحت کو براءت کہتے ہیں کہ اس میں مرض سے دوری ہوجاتی ہے،ابرا کا معنی زیادہ صحت بخش ہے اور امراء بنا ہےمرالطعام سے بمعنی کھانا ہضم ہوجانا یعنی تین سانسوں میں پینے سے یہ تین فائدے ہیں،ان فوائد کا آج بھی مشاہدہ ہوتا ہے،ایک سانس میں پانی پینے سے زیادہ پیا جاتا ہے۔ایک روایت میں ہے کہ آپ سرکار اول میں بسم اللہ پڑھتے اور تیسری بار پی کر الحمدللہ پڑھتے تھے،یہی سنت ہے اور فرماتے تھے کہ ایک سانس میں پانی پیناشیطان کاطریقہ ہے اور اس سے مرض کباد یعنی جگر کی بیماری پیدا ہوتی ہے،یہ حدیث بہت اسنادوں پر مروی ہے اس کی تفصیل یہاں مرقات میں ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزے کے منہ سے پانی پینے سے

	منع فرمایا۱(مسلم،بخاری)

۱اس ممانعت میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ممکن ہے کہ مشکیزے میں کوئی زہریلا کیڑا ہو جو اس طرح پینے سے منہ کے ذریعہ پیٹ میں چلاجائے،ممکن ہے کہ مشکیزہ کا منہ چوڑا ہو پانی زیادہ گرے کپڑے بھیگ جاویں،نیز پھر مشکیزہ کا پانی استنجے کے قابل نہ رہے کیونکہ پس خوردہ پانی سے استنجا کرنا منع ہے۔جن روایات میں ہے کہ حضور اقدس نے مشکیزے کے منہ سے پانی پیا وہاں مشکیزہ چھوٹا تھا اور اس کا منہ بہت چوڑا نہ تھا اور خبر تھی کہ پانی صاف ہے لہذا یہ حدیث اس سے متعارض نہیں یا وہ حدیث بیان جواز کے لیے ہے اور یہ حدیث بیان استحباب کے لیے۔مرقات میں اس جگہ ہے کہ ایک شخص نے بطورِ آزمائش مشکیزے کے منہ سے پانی پیا تو اس کے منہ میں سانپ چلا گیا یا مقصد یہ ہے کہ اس طرح ہمیشہ پینا ممنوع ہے کبھی اتفاقًا پی لیناجائزہے۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزوں کے منہ الٹنے سے منع فرمایا،ایک روایت میں یہ زیادتی ہے کہ اختناث یہ ہے کہ اس کا منہ الٹ دیا جائے پھر ان سے پیا جائے۱(مسلم،بخاری)

۱یہ مشکیزے کے پینے کی دوسری صورت ہے کہ مشکیزے کا منہ الٹ کر اس سے پانی پیا جائے اس سے منع فرمایا،اس ممانعت کی حکمتیں ابھی عرض کی گئیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے اس سے منع کیا کہ کوئی شخص کھڑے ہوکر پیئے۱ (مسلم)

۱یعنی کوئی چیز کھڑے ہوکر پینا ممنوع ہے پانی ہو یا دودھ یا شربت یا اور کوئی چیز یہ حکم استحبابی ہے یعنی بیٹھ کر پینا مستحب ہے۔اس حکم سے تین پانی مستثنٰی ہیں:آبِ زمزم،وضو کا بچا ہوا پانی اور بزرگوں کا پس خوردہ پانی کہ ان تینوں پانیوں کو کھڑے ہوکر پینا مستحب ہے ان کی احادیث بھی آتی ہے،حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے حضور کی پی ہوئی لسی کا بچا ہوا حصہ کھڑے ہوکر پیا جیساکہ آگے آئے گا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی کھڑے ہوکر ہرگز نہ پیئے تو جو بھول جائے وہ قے کردے ۱(مسلم)

۱یہ حکم استحبابی ہے جو کھڑے ہوکر پانی یا کوئی چیز پی لے تو یہ بہتر ہے کہ قے کردے یہ حکم منسوخ نہیں۔(مرقات)یہ حکم اس لیے ہے کہ لوگ اس سے بچیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں میں نبی

	صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آبِ زمزم کا ڈول لایا تو آپ نے کھڑے ہوکر پیا ا(مسلم،بخاری)

ا یہ بھی سنت ہے کہ آبِ زمزم کھڑے ہوکر پیے تعظیم کے لیے۔اس پانی کی دو وجہ سے تعظیم ہے:ایک یہ کہ یہ پانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑی سے پیدا ہوا۔دوسرے یہ کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب شریف ملا ہوا ہے کہ ان حضور سرکار نے ایک بار زمزم شریف پی کر باقی پانی کنوئیں میں ڈال دیا۔بعض شارحین نے فرمایا اژدہام کی وجہ سے وہاں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی اس لیے کھڑے ہوکر پیا یہ غلط ہے کہ آبِ زمزم ہمیشہ کھڑے ہوکر پینا چاہیے۔

	روایت ہے حضرت علی سے کہ انہوں نے ظہر ادا کی پھر لوگوں کی حاجتوں کے لیے کوفہ کے صحن میں بیٹھے ا حتی کہ نماز عصر آگئی پھر پانی لایا گیا تو آپ نے پیا ۲ اور اپنا چہرہ اور ہاتھ دھوئے اور سر اور پاؤں کا ذکر کیا ۳ پھر کھڑے ہوئے تو بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا پھر فرمایا کہ لوگ کھڑے ہوکر پینے کو ناپسند کرتے ہیں حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اسی طرح جیسا میں نے کیا ۴(بخاری)

ا رحبہ ر کے فتح سے بمعنی فضا یا کھلی جگہ،کوفہ کی جامع مسجد کے صحن میں ایک خاص چبوترہ تھا جہاں بیٹھ کر حضرت علی مرتضٰی لوگوں کے مقدمات طے فرماتے اسے رحبۃ کہتے تھے وہ جگہ اب بھی موجود ہے اور اس پر ایک محراب بنادی گئی ہے جسے محراب علی کہتے ہیں۔فقیر نے اس کی زیارت کی ہے یعنی حضرت علی نماز کے بعد اس عدالت کے چبوترہ پر تشریف فرما ہوئے۔

۲ یہ پینا پیاس دفع کرنے کے لیے تھا اس وقت آپ کو پیاس تھی مگر اس بار بیٹھ کر پیا پھر وضو کیا تاکہ معلوم ہوا کہ پس خوردہ پانی سے وضو جائز ہے۔بعض شارحین نے اس کے معنی یہ کیے کہ وضو میں کلی کی کلی کا پانی بجائے اگلنے کے نگل لیا وہ یہاں مراد ہے مگر پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں کہ پینا علاوہ وضو کے تھا وضو کے بعد ہوا۔

۳ یعنی باقاعدہ وضو کیا بعض اعضاء وضو کا ذکر ہے اور پورا وضو مراد ہے جیساکہ ظاہر ہے۔

۴ یعنی لوگ سمجھتے ہیں پانی کھڑے ہوکر مطلقًا ممنوع ہے حالانکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور نے وضو کا پانی کھڑے ہوکر پیا۔معلوم ہوا کہ وضو کا پانی کھڑے ہوکر پینا سنت ہے یا یہ مطلب ہے کہ کھڑے ہوکر پینا مطلقًا ممنوع نہیں بلکہ جائز ہے میں نے حضور انور کو کھڑے ہوکر پانی پیتے دیکھا ہے مگر پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں۔ابھی ہم نے عرض کردیا کہ پانی کھڑے ہوکر پینا حرام نہیں،ہاں بہتر یہ ہے کہ بیٹھ کر پیے اور چند پانیوں کا کھڑا ہوکر پینا مستحب ہے: ایک آبِ زمزم،دوسرے بعض وضو کا بچا ہوا پانی،تیسرے بزرگوں کا پس خوردہ پانی۔یہاں

مرقات نے فرمایا کہ حضرت علی،سعد ابن ابی وقاص،ابن عمر،عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین کھڑے ہوکر پانی پینا درست فرماتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ تمام فقہاء وہی جائز کہتے ہیں صرف مستحب یہ ہے کہ بیٹھ کر پیئے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری صاحب کے پاس گئے حضور کے ساتھ آپ کے ایک صحابی بھی تھے۱؎ آپ نے سلام کیا اس نے جواب دیا وہاں باغ میں پانی پھررہا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تیرے پاس پانی مشکیزہ میں ہو تو لاؤ ورنہ ہم منہ سے پی لیں۲؎ وہ بولا میرے پاس مشکیزہ میں باسی پانی ہے چنانچہ وہ چھپر کی طرف گیا۳؎ پیالہ میں پانی انڈیلا پھر اس پر پالی ہوئی بکری دوہی۴؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا پھر دوبارہ لایا پھر اس شخص نے پیا جو آپ کے ساتھ آیا تھا۵؎ (بخاری)

۱؎ وہ صحابی حضرت ابوبکر صدیق تھے اور باغ والے ابوالہیثم تھے یا کوئی اور انصاری۔

۲؎ عربی میں کرع اس طرح پینے کو کہتے ہیں کہ اس میں ہاتھ استعمال نہ ہو یعنی نالی یا نہر سے منہ لگا کر پی لینا۔

۳؎ **عریش** بنا ہے **عرش** سے بمعنی بلندی،اصطلاح میں **عریش** وہ جھونپڑا ہے جو باغ یا کھیت میں گھاس یا تنکوں سے بنایا جائے اس لیے انگور کی بیل پھیلانے کے لیے جو جگہ چھت دی جاتی ہے اسے **عریش** کہتے ہیں بمعنی **معروشات**۔قرآن کریم فرماتا ہے:"**مَّعۡرُوۡشٰتٍ**"۔

۴؎ عربی میں **داجن** وہ بکری کہلاتی ہے جسے گھر رکھ کر چارا دیا جائے باہر جنگل میں چرنے کے لیے نہ بھیجا جائے۔اس کا مادہ **دجن** ہے بمعنی الفت و محبت،وہ بکری جانور گھر سے الفت رکھتا ہے مالوف ہوتا ہے اس لیے اسے داجن کہتے ہیں۔

۵؎ یہ باغ والے صاحب ایک بار پانی لائے تو حضور انور نے پیا پھر دوبارہ لائے تو دوسرے صاحب یعنی حضرت ابوبکر صدیق نے پیا۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص چاندی کے برتنوں میں پیتا ہے۱؎ وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ کھولاتا ہے ۲؎ (مسلم،بخاری) اور مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ جو چاندی سونے کے برتن میں کھاتا ہے۳؎

۱؎ آنیہ جمع ہے **اناء** کی بمعنی برتن،آنیہ کے معنی ہوئے برتنوں بروزن **افعلۃ** جمع قلت ہے۔

۲؎ یجرجر بنا ہے جرجرۃ سے بمعنی شیر کی آواز،اب ہانڈی میں پانی کھولنے کی آواز کو جرجرہ کہتے ہیں یعنی چاندی کے برتنوں میں پینا آگ جہنم پیٹ میں بھرنے کا سبب ہےاس لیے اس طرح فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ آگ خود نہیں کھولتی بلکہ پانی کو کھولاتی ہے،یہاں کھولنے ابلنے کی نسبت آگ کی طرف مجازاً ہے جیسے جری النھر۔

۳؎ تمام علماء کا اس میں اتفاق ہے کہ چاندی سونے کے برتن میں کھاناپینا،اس کے چمچے استعمال کرنا،اس کی انگیٹھی میں خوشبو سلگانا،اس کی عطر دانی سے عطر لگانا،اس کے برتن سے وضو یا غسل کرنا،اس کے برتنوں سے چھت یا گھر سجانا،اس کی گھڑی میں وقت دیکھنا،اس کے قلم سے لکھنا،مردوعورت،چھوٹے بڑے سب کو حرام ہے۔عورتوں کو چاندی سونے کے صرف زیور پہننے کی اجازت ہے باقی دیگر استعمال ان کو بھی ویسے ہی حرام ہے جیسے مردوں کو حرام ہے۔بعض لوگوں نے کہا ہے کہ امام شافعی کا قول قدیم یہ تھا کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا مکروہ ہے،داؤد ظاہری کا قول ہے سونے چاندی کے برتنوں میں کچھ پینا حرام ہےان میں کھانا یا اور طرح استعمال کرنا بالکل درست ہےمگر داؤد ظاہری کا یہ قول باطل ہے۔اس مردود کے نزدیک سؤر کا صرف گوشت حرام ہےاور اس کے کلیجی گردے حلال ہیں،ضرورت میں پھنس جانے پر ان میں سے چیز نکال کر استعمال کرے جیسے سونے کی تیل دانی سے تیل لگانا پڑ جائے تو اس سے ہتھیلی پر تیل لوٹ لے پھر اسے سر میں مل لے۔(مرقات واشعہ)یوں ہی سونے چاندی کی سلائی سے سرمہ لگانا حرام ہے،ہاں علاجًا سونے کی سلائی آنکھ میں پھیرنا حلال کہ یہ علاج ہے نہ کہ استعمال،یوں ہی سونے چاندی وغیرہ کا کشتہ کھانا حلال ہے کہ یہ غذا ہے یا دوا۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہ پہنو باریک ریشم نہ موٹا ریشم ۱؎ اور نہ پیو سونے چاندی کے برتن میں اور نہ کھاؤ ان کے پیالوں میں کہ یہ کفار کے لیے ہیں دنیا میں اور وہ تمہارے لیے ہیں آخرت میں ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ جس کپڑے کا تانابانا یا صرف بانا ریشم کا ہو وہ مرد کو پہننا حرام ہے عورت کو حلال اور جس کا تانا ریشم کا ہو بانا سوت کا یا اون کا اس کا پہننا مرد کو بھی حلال ہے۔ریشم سے مراد کیڑے کا ریشم ہے،دریائی ریشم یا سن کا ریشم سب کو حلال ہے کہ وہ حریرودیباج نہیں۔

۲؎ یعنی کفار اگر سونے چاندی کے برتنوں میں کھائیں تم انہیں نہ روکو نہ ان سے لڑو مگر ان کی دیکھا دیکھی تم نہ پہنو تمہارے واسطے سونا چاندی جنت میں تیار ہے ان شاءاللہ خوب استعمال کرنا،اس ممانعت میں لاکھوں حکمتیں ہیں۔اگر مسلمان مردوں نے سونے چاندی کے زیور پہننا شروع کردیئے تو تلوار و بندوق سے جہاد کون کرے گا،مسلمان کا زیور علم اور ہتھیار ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گھریلو بکری دوہی گئی ۱؎ اور اس کا دودھ اس کنوئیں کے پانی سے ملایا گیا جو حضرت انس کے گھر	

	میں ہے ۲؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیالہ پیش کیا گیا آپ نے پیا اور آپ کے بائیں ابوبکر صدیق تھے آپ کے دائیں ایک بدوی ۳؎ حضرت عمر نے کہا یارسول اللہ ابوبکر کو دیجئے ۴؎ حضور نے اس بدوی کو دیا جو آپ کے داہنے تھا پھر فرمایا داہنا پھر داہنا اور ایک روایت میں ہے کہ داہنے پھر داہنے خبردار داہنے کا خیال رکھو ۵؎(مسلم،بخاری)

۱؎ داجن کے معنی ابھی کچھ پہلے عرض کردیئے گئے جو بکری گھر پر چارہ سے پالی جائے وہ **داجن** ہے جو باہر چر کر آوے وہ **شاۃ** تو ہے مگر **داجن** نہیں۔

۲؎ یعنی کچی لسی تیار کی گئی،اس کنویں کا نام اس لیے بتایا گیا تاکہ آئندہ مسلمان اس کنوئیں کا پانی برکت کے لیے پئیں،زائرین مدینہ تمام ان کنوؤں کا پانی پیتے ہیں جن سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پیایا غسل کیا ہے بیر عبن،بیر شمس،بیر بضاعہ وغیرہ۔

۳؎ ان خوش نصیب بدوی کا نام معلوم نہ ہوسکا بہرحال مدینہ کے چاند بیچ میں جلوہ گر تھے اور یہ تارے داہنے بائیں تھے رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۴؎ حضرت عمر اس وقت حضور انور کے سامنے تھے آپ نے بطور مشورہ یہ عرض کیا کیونکہ جناب صدیق افضل،اعلم،اکمل،اقدم اعلیٰ تھے۔آپ کا منشاء تھا کہ سید المرسلین کی پس خوردہ لسی سید المسلمین نوش کریں۔

۵؎ یعنی کھانے پینے کی ترتیب میں قرب مرتبہ کا اعتبار نہیں قرب مکان کا لحاظ ہے اور داہنا شخص بائیں سے قریب تر ہوتا ہے۔نماز کی امامت میں اعلیٰ و افضل و اعلم کو مقدم رکھا جاتا ہے،یہ ترتیب عقل کے بھی مطابق اور قرین قیاس ہے۔دائرہ کی گردش داہنی طرف سے ہوتی ہے طواف کعبہ میں سنگِ اسود چومنے کے بعد داہنے چلتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پیالہ لایا گیا آپ نے اس سے پیا اور آپ کے داہنے ایک لڑکا تھا قوم میں سب سے چھوٹا ۱؎ اور بوڑھے لوگ حضور کی بائیں طرف تو فرمایا اے لڑکے کیا اجازت دیتا ہے کہ ہم یہ بوڑھوں کو دے دیں ۲؎ وہ بولا میں آپ کے پس خوردہ کے لیے کسی کو ترجیح نہیں دوں گا یا رسول اللہ ۳؎ چنانچہ حضور نے وہ پیالہ اس کو عطا فرمایا ۴؎ (مسلم،بخاری)اور ابوقتادہ کی حدیث ان شاءاللہ ہم **باب المعجزات** میں بیان کریں گے ۵؎

۱؎ وہ لڑکا حضرت عبداللہ ابن عباس تھے جو بالکل نو عمر تھے رضی اللہ عنہ۔(مرقات)
۲؎ معلوم ہوا کہ یہ حق عبد ہے اگر بندہ خود اپنا حق دوسرے کو دینے پر راضی ہوجاوے تو فبہا ورنہ اس کی اجازت کے بغیر دوسرے کو نہ دیا جائے۔
۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی امور میں ایثار کرنا سخاوت ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ"مگر اخروی امور میں ایثار نہ کرنا بخل کرنا محمود ہے،یہ بخل قابل ستائش ہے۔یہاں پانی کم نہ تھاجس کے ختم ہوجانے کا اندیشہ ہوتا بلکہ بلاواسطہ حضور کا پس خوردہ پینا مطلوب تھا جوکبھی کسی کو خوش نصیبی سے میسر ہوتا ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ اسناد جتنی چھوٹی ہو اتنی اعلٰی اور قوی ہے اور خرقہ نبویہ جس قدر زیادہ واسطوں سے پہنچے اتنا اشرف ہوتا ہے کہ اس میں بہت برکتیں شامل ہوتی ہیں لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلیفہ چہارم ہونا بہت ہی محبوب ہے کہ آپ کو حضور کی خلافت تین واسطوں سے پہنچی جس میں بہت برکتیں ان واسطوں کی بھی شامل ہوگئیں بہرحال یہ عمل شریف بہت ہی اعلٰی ہے۔
۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ حکم اور مشورہ میں فرق ہے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس کو حکم نہ دیا تھا بلکہ مشورہ فرمایا تھا کہ اگر تم اجازت دو تو ہم یہ تمہارا حق دوسرے کو دے دیں،حضرت ابن عباس نے مشورہ قبول نہ کیا بلکہ نہایت ادب و احترام اور اچھی معذرت سے اپنا حق خود لے لیا۔اس سے بہت سے مسائل شریعت و طریقت کے حل ہوتے ہیں۔
۵؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں ہی تھی مگر ہم نے وہاں بیان کی۔یہ ایک طویل حدیث ہے جس کے آخر میں ہے ساقی القوم اخرھم شربًا پلانے والا پیچھے ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چلتے پھرتے کھاتے تھے اور کھڑے کھڑے پیتے تھے ۱؎ (ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی اور غریب بھی ۲؎	

۱؎ یعنی ہم بعض صحابہ زمانہ نبوی میں کبھی چلتے پھرتے کچھ کھالیا کرتے تھے جیسے دانے چابنا یا کھجور کھانا اور کبھی کھڑے کھڑے کچھ پی لیا کرتے تھے۔ظاہر یہ ہے کہ یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بغیر اطلاع کے ہوگا اگر حضور انور ملاحظہ فرماتے تو منع فرمادیتے کیونکہ چلتے پھرتے کھانا اور کھڑے کھڑے پینا ممنوع ہے،یوں گھوڑے پر سوار کھانا پینا بہتر نہیں۔(مرقات)ہوسکتا ہے کہ یہ چلتے پھرتے کھانا کھڑے کھڑے پینا کسی مجبوری و معذوری سے ہو جیسے جہاد

میں بارہا چلتے پھرتے کھانا پڑتا ہے یا ایسی چیز کھائی ہو جو عموماً چلتے پھرتے کھائی جاتی ہے جیسے دانے یا کھجوریں ورنہ کھڑے کھڑے یا چلتے پھرتے روٹی چاول وغیرہ کھانا ممنوع ہے خصوصًا جب کہ فیشن کے طور پر ہو جیسے آج کل مغرب زدہ مسلمانوں کا حال ہے کہ جانوروں کی طرح کھڑے کھڑے کھاتے ہیں محض عیسائیوں کی نقالی کرتے ہوئے۔

۲؎یعنی یہ حدیث تین اسنادوں سے مروی ہے ایک اسناد سے حسن ہے دوسری سے غریب تیسری سے صحیح،متن ایک ہے اسناد تین۔

روایت ہے عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر پیتے تھے ۱؎(ترمذی)	

۱؎کھڑے ہوکر پینا ضرورت کے موقعہ پر تھا یا زمزم یا وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے کھڑے پیا باقی پانی بیٹھ کر پئے یا کھڑے ہوکر پینا بیان جواز کے لیے تھا بیٹھ کر پینا بیان استحباب کے لیے لہذا دونوں عمل درست ہی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ برتن میں سانس لی جائے یا اس میں پھونکا جائے ۱؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎برتن میں سانس لینا جانوروں کا کام ہے،نیز سانس کبھی زہریلی ہوتی ہے اس لیے برتن سے الگ منہ کرکے سانس لو۔گرم دودھ یا چائے کو پھونکوں سے ٹھنڈا نہ کرو بلکہ کچھ ٹھہرو قدرے ٹھنڈی ہوجائے پھر پیو،اگر پانی میں تنکا وغیرہ ہو تو کچھ گرادو پھونک سے الگ نہ کرو۔بعض لوگوں کو گندہ دہنی کی بیماری ہوتی ہے انکی پھونک سے پانی میں بدبو پیدا ہوجاتی ہے اس لیے ہر شخص ان دونوں سے پرہیز کرے۔برتن میں سانس لینے اور اس میں پھونک مارنے سے،حضور کے احکام میں صدہا حکمتیں ہیں۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اونٹ کے پینے کی طرح ایک سانس میں نہ پیو لیکن دو دو اور تین تین سانسوں میں پیو ۱؎اور جب تم پیو تو بسم اللہ پڑھو اور جب تم اٹھاؤ تو الحمدللہ پڑھو ۲؎(ترمذی)	

۱؎یعنی بہتر تو یہ ہی ہے کہ تین سانسوں میں پیو دو سانسیں درمیان میں لو ایک آخر میں یا دو سانسوں میں پیو کہ ایک سانس پینے کے بیچ میں لو دوسری آخر میں مگر ہر سانس برتن کو منہ سے الگ کرکے لو۔

۲؎ یعنی جب پینے لگو تو بسم اللہ پڑھو اور جب پی چکو تو الحمدللہ کہو۔احیاء العلوم میں امام غزالی فرماتے ہیں بسم اللہ پڑھ کر پینا شروع کرے پہلی سانس لینے پر کہے الحمدللہ،دوسری سانس لینے پر کہے الحمدللہ رب العالمین،تیسری سانس پر کہے الرحمن الرحیم۔(اشعۃ اللمعات)اس کے متعلق اور دعا میں بھی منقول ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۱؎ تو ایک شخص نے عرض کیا کہ میں برتن میں کوڑا جو دیکھوں۲؎ فرمایا اسے بہا دو۳؎ وہ بولا میں ایک سانس میں سیر نہیں ہوتا۴؎ فرمایا کہ یہ پیالہ اپنے منہ سے الگ کرلو پھر سانس لے لو ۵؎(ترمذی،دارمی)

۱؎ اس ممانعت کی حکمتیں ابھی عرض کی گئیں۔پھونک مارنا پانی میں ہو یا دودھ میں یا کسی اور پینے کی چیز میں،پھر خواہ ٹھنڈا کرنے کے لیے ہو یا تنکا وغیرہ دور کرنے کے لیے اور خواہ پانی میں پھونک مارے یا کھانے میں سب ممنوع ہے۔چنانچہ طبرانی کی روایت میں ہے عن النفخ فی الطعام والشراب۔

۲؎ یعنی اگر برتن میں کوڑا تنکا نظر آئے تو میں کیا کروں وہ تو پھونک سے ہی دفع ہوسکتا ہے اور آپ حضور پھونک سے منع فرماتے ہیں۔

۳؎ اس طرح کہ برتن سے تھوڑا پانی گرادو جس سے وہ کوڑا بھی گر جائے یا چمچہ یا کسی تنکے سے الگ کردو بہرحال پھونک نہ مارو۔

۴؎ سائل کا مقصد یہ ہے کہ آپ برتن میں پھونک مارنے سے منع فرماتے ہیں اور میں ایک سانس میں پانی وغیرہ سے سیر نہیں ہوتادوسری تیسری سانس ضرور لینا پڑتی ہے وہ سانس برتن ہی میں لی جاوے گی تو پھر پھونکنا ہوگیا۔

۵؎ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ چند سانسوں میں ہو مگر سانس برتن میں نہ لو برتن منہ سے ہٹا کرلو۔خیال رہے کہ تین سانس سے پینا بہتر ہے ایک سانس سے پینا جائز۔(مرقات)حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک سانس سے نہ پیا۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالے کی ٹوٹی ہوئی جگہ سے پینے سے منع فرمایا ۱؎ اور اس سے کہ پانی میں پھونکا جائے ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ خواہ پیالہ کا کنارہ کچھ ٹوٹا ہوا ہو یا پیالہ کے وسط میں سوراخ ہو اس سے پانی وغیرہ مطلقًا منع ہے کہ یہ جگہ منہ سے اچھی طرح نہیں لگتی جس سے پانی وغیرہ بہ کر کپڑوں پر گرتا ہے کچھ منہ میں جاتا ہے کچھ کپڑے تر کرتا ہے،نیز یہ جگہ پھر اچھی طرح صاف بھی نہ ہوسکے گی اور ممکن ہے کہ ٹوٹا ہوا کنارہ ہونٹ کو زخمی کردے اور زخم کا خون پانی اور برتن کو ناپاک کردے بہرحال اس حکم میں بھی بہت حکمتیں ہیں۔

۲؎ اس حدیث کو احمد اور حاکم نے بھی انہیں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔(دیکھو مرقات)

	روایت ہے حضرت کبشہ سے ا؎ فرماتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو لٹکے ہوئے مشکیزے سے کھڑے کھڑے پانی پیا ۲؎ میں اس کے دہانے کی طرف اٹھی اسے میں نے کاٹ لیا ۳؎(ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔

ا؎ کبشہ دو ہیں: ایک کبشہ بنت ثابت ابن منذر انصاریہ ہیں جو حضرت حسان ابن ثابت کی بہن ہیں انہیں کبیشہ بھی کہا جاتا ہے،ان کا لقب برضاء ہے۔دوسری کبشہ بنت کعب ابن مالک انصاریہ یعنی عبداللہ ابن قتادہ کی بیوی،نہ معلوم یہ کون سی کبشہ ہیں۔بعض محدثین نے فرمایا پہلی کبشہ ہیں،بعض نے فرمایا دوسری،چونکہ دونوں کبشہ صحابیہ ہیں اس لیے یہ ناواقفیت مضر نہیں کیونکہ سارے صحابہ عادل ہیں۔(مرقات)

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ مشکیزے سے منہ لگا کر پینا اور کھڑے کھڑے پینا دونوں جائز ہیں۔جہاں ممانعت آئی وہاں ممانعت تنزیہی یا خلاف اولیٰ مراد ہے۔

۳؎ یعنی مشکیزے کے منہ کا چمڑا جسے حضور انور کے لب لگے تھے میں نے کاٹ کر رکھ لیا کیوں،اس کی تین وجہ ہیں:ایک شفاء کے لیے کہ مدینہ کے بیماروں کو اس چمڑہ کو ڈبوکر پانی پلایا کروں،تبرک کے لیے کہ اپنے پاس برکت کے لیے رکھوں اور اس لیے کہ کسی اور کا منہ اسے نہ لگے کہ یہ بے ادبی ہے اسے حضور کا منہ شریف لگا ہے۔(مرقات)ترمذی نے حضرت ام سلیم کا یہ ہی واقعہ نقل فرمایا۔اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز کو مقبول بندوں کا منہ لگ جائے وہ شفاء بن جاتی ہے۔یوسف علیہ السلام کی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھ کی شفا بن گئی۔(دیکھو قرآن مجید)یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے جسم شریف سے لگی ہوئی چیز سے برکت لینا جائز ہے وہ متبرک ہے۔

	روایت ہے زہری سے وہ عروہ سے ا؎ وہ حضرت عائشہ سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ترین شربت ٹھنڈا میٹھا تھا ۲؎(ترمذی)اور فرمایا صحیح وہ ہے جو بروایت زہری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلًا مروی ہو ۳؎

ا؎ امام زہری بھی تابعی ہیں اور عروہ ابن زبیر ابن عوام بھی تابعی ہیں۔ابن شہاب فرماتے ہیں کہ عروہ علم کے دریا ناپیدا کنار ہیں۔(مرقات)

۲؎ یعنی عمومًا ٹھنڈا میٹھا پانی پسند فرماتے تھے،دودھ کی لسی بھی پسند تھی مگر وہ کبھی کبھی ملاحظہ فرماتے تھے لہذا یہ حدیث ان احادیث کی خلاف نہیں جن میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی میں دودھ ملا ہوا پسند تھا یا شہد سے میٹھا کیا ہوا پانی مرغوب تھا کہ وہ خاص حالات کا ذکر ہے اور یہاں عام حالات کا۔

۳؎ اس لیے کہ سفیان ابن عیینہ کے سوا باقی تمام محدثین نے اسے عن الزہری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کیا،صرف سفیان ابن عیینہ نے عن عروہ عن عائشہ کی زیادتی کی ہے مگر ثقہ کی زیادتی مقبول ہے،نیز امام احمد نے اور حاکم نے اپنی مستدرک میں اسے بروایت عائشہ صدیقہ روایت فرمایا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو کہے الٰہی ہم کو اس میں برکت دے اور اس سے بھی اچھا ہمیں کھلا ۱؎ اور جب دودھ پیئے تو کہے الٰہی ہمیں اس میں برکت دے اور اس سے بھی زیادہ دے ۲؎ کہ دودھ کے سوا ایسی کوئی چیز نہیں جو کھانے اور پانی سے کفایت کرے ۳؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ یعنی خدایا ہم کو آئندہ ایسا کھانا کھلا جو اس سے بھی زیادہ پاکیزہ اور نفیس و لذیذ ہو کیونکہ کھانے بعض بعض سے اعلیٰ ہوتے ہیں تو ہمیشہ رب تعالٰی سے اعلیٰ مانگے۔

۲؎ یعنی دودھ پی کر یہ نہ کہے کہ ہم کو اس سے بھی اعلیٰ نعمت دے کیونکہ دودھ سے زیادہ اعلیٰ نعمت کوئی نہیں اور ناممکن کی دعا کرنا ممنوع ہے۔

۳؎ یعنی صرف دودھ ہی میں وہ نعمت ہے جو بھوک و پیاس دونوں کو دفع کرتا ہے لہذا یہ غذا بھی ہے اور پانی بھی،نیز دودھ میں بچے کی پہلی غذا قدرت کی طرف سے مقرر کی گئی کہ بچہ دنیا میں آکر پہلے کئی ماہ بلکہ دو سال تک ماں کا دودھ ہی پیتا ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ **فانہ لیس شیئ** سے آخر تک مسدد کا قول ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فرمان عالی ہے،دوسری حدیث میں اس کی تصریح بھی ہے،جنت میں بھی دودھ کی نہریں ہوں گی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سقیا سے میٹھا پانی لایا جاتا تھا ۱؎ کہا گیا ہے کہ وہ ایک چشمہ ہے کہ اس کے اور مدینہ کے درمیان دو دن کا راہ ہے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ کیونکہ اس زمانہ میں مدینہ منورہ کے پانی میں ہلکی سی نمکینی تھی اب بھی اکثر مدینہ منورہ میں پانی باہر سے لایا جاتا ہے۔بعض گڑھے کنوئیں معلوم ہوتے ہیں مگر ان میں پانی باہر سے لاکر بھرا جاتا ہے،لوگ اسے پیتے ہیں مگر اب عموماً وہاں کا پانی بہت شیریں اور نہایت ہلکا زود ہضم ہے،اب تو مدینہ کا سا پانی اور وہاں کا سا گوشت روئے زمین میں کہیں نہیں۔

۲؎ یہ جگہ جانب مکہ معظمہ واقع ہے مگر اب راستہ میں نہیں پڑتی۔حضرات صحابہ کرام حضور انور کے لیے اپنے دور دراز فاصلہ سے میٹھا پانی اس قدر لاتے تھے کہ حضور سرکار اکثر وہ ہی پانی پیتے تھے۔بعض مریدین اپنے پیروں کے

لیے دور سے ان کی پسندیدہ سبزی لاکر حاضر کرتے ہیں اس خدمت کی اصل یہ ہی حدیث ہے کہ حضرات صحابہ دو دن کی راہ سے میٹھا پانی حضور کے لیے لاتے تھے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سونے یا چاندی کے برتن میں پیئے یا اس برتن میں جس میں ان میں سے کچھ ہو ۱؎ تو وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ کھولاتا ہے یا بھرتا ہے ۲؎ (دارقطنی)

۱؎ اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ اگر تانبے یا پیتل کے برتن میں سونے یا چاندی کی قلعی ہو تو اس میں کھانا پینا حرام ہے،وہ حضرات **فیہ شیء من ذالك** سے سونے چاندی کی قلعی مراد لیتے ہیں مگر امام اعظم کے نزدیک اس سے قلعی مراد نہیں بلکہ اس سے مراد سونے چاندی کی زنجیریں یا کیلیں میخیں مراد ہیں اگر زیادہ ہوں،ایک دو کیل جو باریک ہو اس کی اجازت ہے۔یہ حکم عورتوں مردوں سب کے لیے ہے،عورتوں کو سونے چاندی کا صرف زیور حلال ہے۔

۲؎ اس کی شرح ابھی فصل اول میں گزرگئی۔

باب النقیع و الانبذۃ

کشمش وغیرہ کے شربتوں کا بیان1

الفصل الاول

پہلی فصل

1نقیع اکثر کشمش کے شربت(زلال) کو کہا جاتا ہے اور نبیذ عموماً کھجور کے شربت (زلال) کو کہتے ہیں کہ رات کو کشمش یا کھجوریں پانی میں بھگودی جاتی ہیں صبح کو وہ پانی نتھار کر پیا جاتا ہے اسے نبیذ کہتے ہیں۔یہ بہت ہی مقوی اور زود ہضم ہوتاہے یہ حلال ہے بشرطیکہ خدشہ کو نہ پہنچے اگر بہت روز تک رکھا رہے تو جھاگ چھوڑ دیتا ہے اور نشہ آور ہےاب حرام ہو جاتا ہے کہ فرمایا گیا **کل مسکر حرام**۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس پیالہ سے ہر قسم کے شربت پلائے شہد،نبیذ اورپانی اور دودھ 1 (مسلم)	

1ایک لکڑی کا پیالہ حضرت انس کے ہاتھ میں تھا،آپ نے لوگوں کو دکھاکر فرمایا کہ اس پیالہ سے میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی قسم کے شربت اور دودھ پلایا ہےیعنی یہ پیالہ بڑا ہی متبرک ہے کہ اسے حضور انور کے ہاتھ اور لب بارہا لگے ہیں،آپ نے بصرہ میں لوگوں کو اس پیالہ کی زیارت کراکے یہ فرمایا،یہ پیالہ حضرت انس کی اولاد کے پاس بطور تبرک رہا،پھر نضر ابن انس کی اولاد سے آٹھ لاکھ روپیہ کے عوض خریدا گیا۔(مرقات) یہاں اشعۃ اللمعات میں ہے کہ اما م بخاری نے اس پیالہ کی بصرہ میں زیارت کی اور اس سے پانی پیا۔معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ حضور کے استعمالی برتنوں کو برکت کے لیے اپنے پاس رکھتے تھے اور لوگوں کو زیارت کراتے تھے،آنکھ والے ان چیزوں کی قدرجانتے ہیں۔ابھی گزر گیا کہ حضرت کبشہ نے مشکیزے کا وہ چمڑا کاٹ کر رکھ لیا جس سے حضور نے پانی پیا تھا۔مثنوی میں ہے کہ حضرت جابر کے گھر وہ کپڑے کا دسترخوان تھا جس سے حضور نے ہاتھ و منہ پونچھ لیے تھےجب وہ میلا ہوجاتا تھا تو اسے آگ میں ڈال دیتے میل جل جاتا کپڑا محفوظ رہتا تھا۔مولانا فرماتے ہیں۔شعر

قوم گفتند اے صحابی عزیز چوں نہ سوزید و منقی گشت نیز

گفت روزے مصطفٰی دست ودہاں بس بما لید اندریں دستار خواں

اے دل ترسندہ ازنار و عذاب باچنیں دست و دہاں کن انتساب

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک مشکیزہ میں نبیذ بناتے	

	تھے۱؎جس کا دہانہ باندھ دیا تھا اور اس کا دہانہ تھا۲؎صبح نبیذ بناتے تو وہ شام کو پیتے اور شام کو نبیذ بناتے وہ حضور صبح کو پیتے ۳؎(مسلم)

۱؎نبیذ بنا ہے نبذ سے بمعنی پھینکنا،ڈالنا،پھر پھینکی ہوئی چیز کو نبیذ کہنے لگے،اس کے بعد اس پھینکنے کے نتیجہ کو نبیذ کہنے لگے،یہاں آخری تیسرے معنی مراد ہیں یعنی ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھجوروں یا کشمش کا نبیذ تیار کرتے تھے کہ شام کو کھجوریں بھگو دیتے تھے۔

۲؎یعنی اس مشکیزہ کے دو منہ تھے:ایک اوپر والا جس سے پانی وغیرہ بھرا جاتا تھا،دوسرا نیچے والا جس سے پانی وغیرہ نکالا جاتا تھا۔عزلاء ہر منہ کو کہا جاتا ہے۔یہاں نیچے والا منہ مراد ہے کیونکہ اوپر والے منہ کا ذکر تو الگ ہوچکا۔

۳؎نماز فجر اور طلوع آفتاب کے درمیانی وقت کو غدوہ(غین کے پیش سے)کہا جاتا ہے اور سورج ڈھلے سے مغرب تک کے وقت کو عشاء(عین کے کسرہ سے)کہا جاتا ہے یعنی صبح کے بھگوئے ہوئے چھواروں کا پانی حضور انور دوپہر کے بعد سے شام تک پی لیتے تھے اور شام کے بھگوئے ہوئے چھوارے صبح کو پی لیتے تھے زیادہ دیر نہ لگائی جاتی تھی۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شروع رات میں نبیذ بنایا جاتا اسے حضور پیتے جب صبح ہوتی اسی دن اور رات جو آتی اور کل اور دوسری رات اور کل عصر تک ۱؎پھر اگرکچھ بچ رہتا اسے خادم کو پلا دیتے ۲؎یا حکم دیتے تو گرا دیا جاتا ۳؎(مسلم)

۱؎یعنی ایک دن کا بنایا ہوا نبیذ حضور دو روز تک پیتے رہتے تھے کہ اس قدر ٹھہرنے سے اس میں نشہ پیدا ہونے کا احتمال نہ تھا۔

۲؎اس لیے کہ اس کے بعد تل چھٹ رہ جاتا تھا صاف شربت نہ رہتا تھا نشہ ہرگز نہیں پیدا ہوتا تھا،اگر نشہ پیدا ہوتا تو خادم کو ہرگز نہ پلاتے کہ نشہ پلانا بھی حرام ہے۔(مرقات،اشعہ)

۳؎گرادینا اس صورت میں ہوتا تھا جب کہ اس میں نشہ پیدا ہوجاتا۔اس سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ کھانا اگر آقا کھائے اور نیچے کا بچا ہوا کھانا خادم کو کھلائے تو جائز ہے۔وہ جو حدیث شریف میں آتا ہے کہ خادم کو ساتھ کھلاؤ یہ بیان استحباب کے لیے ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں،یہ بھی معلوم ہوا کہ نشہ آور یا سڑی بسی چیز کسی کو نہ کھلائی جائے بلکہ پھینک دی جائے۔خیال رہے کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کی روایت کہ صبح کا نبیذ شام تک ختم فرمادیتے تھے الخ،گرمیوں کے موسم کے متعلق ہے اور حضرت ابن عباس کی یہ حدیث دو دن تک پینے کی سردی کے موسم کے متعلق ہے۔گرمیوں میں نبیذ میں جلد جوش آجاتا ہے اور جلد نشہ آور ہوجاتا ہے سردی میں نہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک مشکیزہ میں نبیذ بنایا جاتا پھر جب مشکیزہ نہ پاتے تو آپ کے لیے پتھر کی ایک لگن میں نبیذ بنایا جاتا ۱؎(مسلم)	

۱؎ یعنی نبیذ کے لیے کوشش کی جاتی تھی کہ مشکیزے میں بنایا جائے تاکہ شربت ٹھنڈا رہے اور ڈھکا رہے لیکن اگر مشکیزہ میسر نہ ہوتا تو پتھر کی لگن یا بڑے پیالہ میں بنایا جاتا،پتھر میں شربت جلد گرم ہوجاتا ہے مگر اسے ڈھک دیا جاتا ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تونبی سے اور ٹھلیا سے اور پیالہ سے اور کھوکھلی جڑ سے ۱؎ اور حکم دیا کہ چمڑے کی مشکیزوں میں نبیذ بنایا جائے ۲؎(مسلم)	

۱؎ اہلِ عرب شراب کے بڑے عادی تھے،جب اسلام میں شراب حرام کی گئی تو شراب بنانے رکھنے پینے کے برتنوں کا استعمال بھی حرام کردیا گیاتاکہ یہ برتن دیکھ کر لوگوں کو شراب یاد نہ آوے اور لوگ پھر سے شراب نہ پینے لگیں،بعد میں برتنوں کی ممانعت کی حدیث منسوخ ہوگئی اسی کی ناسخ حدیث آگے آرہی ہے،یہ شراب کے چار برتنوں کا ذکر ہے۔پختہ کدو جو لمبا ہوتا ہے اسے کھکھل کرلیا جاتاتھا،اس سے جگ کی جگہ کام لیتے تھے کہ اسے دباء کہتے تھے۔چھوٹا گھڑا جس میں تھوڑی شراب رکھتے تھے اسے حنتم کہتے تھے،اس پر اکثر سبز رنگ کردیتے تھے۔شراب پینے کا پیالہ جس میں تارکول لگا ہوتا اسے مزفت کہتے تھے یعنی زفت لگا ہوا روغنی پیالہ۔موٹے درخت کی جڑ کھکھل کرکے زمین میں گاڑ دیتے اس میں زیادہ شراب رکھتے تھے اسے نقیر کہتے۔غرضیکہ شراب رکھنے کے دو برتن تھے اور پلانے کے دو برتن۔ان چاروں برتنوں کا استعمال بھی حرام کردیا گیا اور فرمایا گیا کہ ان برتنوں میں دودھ،پانی،نبیذ اور کوئی شربت بھی نہ پیونہ رکھو تاکہ شراب کا تصور نہ آنے پائے۔

۲؎ یعنی چمڑے کے مشکیزے میں نبیذ بناؤ کیونکہ اولًا چمڑے کے مشکیزے میں نبیذ میں جلد نشہ پیدا نہیں ہوتا کہ چمڑا ٹھنڈا ہوتا ہے اگر نبیذ میں جوش آجائے اور نشہ پیدا ہوجائے تو چمڑہ کا مشکیزہ پھٹ جاتا ہے۔ان مذکورہ برتنوں میں جلد نشہ پیدا ہوجاتا ہے اور پھر خبر نہیں ہوتی کہ نشہ ہوا ہے یا نہیں،ممکن ہے کہ نشہ پیدا ہوچکا ہو اور تم بے خبری میں پی لو۔

روایت ہے حضرت بریدہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تم کو برتنوں سے منع کیا تھا مگر برتن نہ کسی چیز کو حلال کرتا ہے نہ حرام ۱؎ ہر نشہ والی چیز حرام ہے اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے تم کو شربتوں سے منع کیا تھا سوا چمڑے کے برتنوں میں تم ہر برتن میں پیو سوا اس کے کہ نشہ آور چیز نہ ہو۔(مسلم)	

۱؎یہ حدیث پچھلی حدیث کی ناسخ ہے یعنی حرمت و حلت برتن پر موقوف نہیں بلکہ نشہ پر موقوف ہے۔یہ حدیث اس وقت کی ہے جب لوگ ترک شراب کے عادی ہوچکے تھے اور نشہ آور اور غیر نشہ آور میں تمیز کرسکتے تھے حالات بدل گئے حکم بدل گیا۔

۲؎خیال رہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خمر یعنی انگوری شراب تو حرام بعینہٖ ہے کہ اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے،اس کے ماسوا دوسری نشہ آور چیزیں خواہ پتلی ہوں جیسے جوار وغیرہ کی شراب یا خشک جیسے افیون،بھنگ وغیرہ نشہ دیں تو حرام ہیں ورنہ حرام نہیں بشرطیکہ لہو و لعب کے لیے استعمال نہ کرے۔دوسرے اماموں کے ہاں ہر پتلی نشہ آور چیز مطلقًا حرام ہے نشہ دے یا نہ دے،خشک نشہ آور چیزیں حد نشہ سے کم حلال ہیں۔یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ حضور انور نے حرمت کو نشہ پر موقوف فرمایا،فتویٰ قول صاحبین پر ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابو مالک اشعری سے ۱؎انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے اور اس کا نام کچھ دوسرا رکھ لیں گے ۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)۳؎	

۱؎ آپ کے حالات پہلے گزرچکے کہ آپ کا نام کعب ابن عاصم ہے،کنیت ابو مالک یا ابو عامر ہے،ابو مالک زیادہ مشہور ہے،آپ صحابی ہیں،خلافت فاروقی میں وفات پائی۔

۲؎یہ غیبی خبر ہے جو ہوبہو درست ہوئی یعنی آخر ی زمانہ میں لوگ شراب کے نام بدل دیں گے اور اسے حلال سمجھ کر پئیں گے حالانکہ وہ نشہ والی ہوگی مثلًا انگور کا پانی یا کھجور کا عرق کہیں گے یا اسے وسکی کہہ کر پئیں گے۔معلوم ہوا کہ نام کا اعتبار نہیں نشہ کا اعتبار ہے۔آج بعض لوگ شراب کو برانڈی یا وسکی کہہ کر پیتے ہیں حالانکہ حرام ہوتی ہے۔شراب کا نام قہوہ بھی ہے مگر مروجہ قہوہ یعنی بے دودھ کی چائے بالکل حلال ہے کہ اس میں نشہ نہیں لہٰذا حلال ہے،غرضیکہ نام کا اعتبار نہیں کام کا اعتبار ہے۔(مرقات)

۳؎یہ حدیث احمد،ابن حبان،طبرانی،بیہقی نے بھی روایت فرمائی ان کی روایت میں یہ زیادتی ہے کہ ان میں باجے رنڈیوں کے گانے بہت بڑھ جائیں گے،اللہ انہیں زمین میں دھنسادے گا اورانکی صورتیں بندروں سؤروں میں تبدیل فرمادے گا یہ آخر زمانہ میں ہوگا۔(مرقات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہری ٹھلیا کے نبیذ سے پینے سے منع فرمایا ۱؎ میں نے عرض کیا کہ کیا ہم سفید میں پی لیا کریں فرمایا نہیں ۲؎ (بخاری)

۱؎ مٹی کی ٹھلیا جس میں ہرا روغن کیا گیا ہو،یہ شراب کا خاص برتن تھا،یہ حدیث بھی منسوخ ہے اس کی ناسخ حدیث پہلے گزرگئی۔

۲؎ یعنی اس میں بھی نبیذ نہ بناؤ اور اس کا بنایا ہوا نبیذ ہرگز مت پیو کہ یہ شراب کا برتن ہے،رنگ کا اعتبار نہیں برتن کا اعتبار ہے،یہ حدیث بھی منسوخ ہے۔

باب تغطیۃ الاوانی وغیرھا

برتن وغیرہ ڈھکنے کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎اس باب میں رات کو برتن ڈھکنے دروازہ بند کرنے،چراغ اور آگ بجھانے سب کا ہی ذکر ہوگا جیساکہ آئندہ پتہ لگے گا۔برتن سے مراد بھرے ہوئے برتن ہیں خواہ پانی سے یا دودھ یا سالن سے،خالی برتن ڈھکنے کا حکم نہیں جیساکہ اس کی وجہ بیان فرمانے سے معلوم ہورہا ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب رات کا شروع حصہ ہوجائے ۱؎یا تم شام پاؤ تو اپنے بچوں کو روک لو ۲؎کیونکہ اس وقت شیطان پھیلتے ہیں پھر جب رات کی ایک گھڑی گزر جاوے تو بچوں کو چھوڑ دو ۳؎اور دروازے بندکردو اور اللہ کا نام لو ۴؎کیونکہ شیطان بند دروازے کو نہیں کھولتا ۵؎اور اپنے مشکیزوں کو بندھن دے دو اللہ کا نام لو ۶؎ اور اپنے برتنوں کو ڈھک دو اور اللہ کا نام لو اگرچہ اس پر کوئی چیز کھڑی کردو ۷؎اور اپنے چراغ کو بجھا دو ۸؎(مسلم،بخاری)

۱؎**جنح** ج کے فتحہ ن کے جزم سے بمعنی حصہ اور شروع اور تاریکی۔(مرقات)یہاں سارے معنی درست ہیں رات کا شروع حصہ یا رات کی اندھیری۔راوی کو شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے **جنح اللیل** فرمایا یا فرمایا **امسیتم**۔مقصد قریبًا ایک ہی ہے۔

۲؎یعنی اس وقت بچوں کو گھروں سے باہر نہ نکلنے دو۔شیطان سے مراد موذی جنات اور موذی انسان دونوں ہیں۔(اشعہ)شام کے وقت ہی بچوں کو اغواء کرنے والے زیادہ پھرتے ہیں۔شیطان سے مراد موذی خبیث جن ہیں ورنہ ایک شیطان تو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے جسے قرین کہتے ہیں لہذا یہ حدیث دوسری احادیث کے خلاف نہیں جن میں قرین کے ہر وقت ساتھ رہنے کا ذکر ہے ۔

۳؎ کیونکہ اب ان شیاطین کا زور گھٹ جاتا ہے وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتے ہیں اب اگر بچے باہر نکلیں تو حرج نہیں۔ معلوم ہوا جنات و شیاطین کا اثر بچوں پر زیادہ ہوتا ہے اس لیے بچوں کو نکلنے سے روکا گیا ہے۔

۴؎ یعنی جب رات کو سونے لگو تو دروازے بند کرکے سوؤاور بند کرتے وقت بسم اللہ پڑھ لیاکرو،اس کی حکمت ابھی آگے بیان ہورہی ہے۔

۵؎ بند دروازے سے مراد وہ ہے جو بسم اللہ سے بند کیا گیا ہوبغیر ذکراللہ بند کیے ہوئے کے اندر شیطان آسکتا ہے،ان کی روک کے لیے دروازہ بند ہونا اور بسم اللہ پر بند ہونا ضروری ہے بسم اللہ باطنی قفل۔

۶؎ یعنی پانی کے بھرے مشکیزے کا منہ ڈوری سے باندھ دویوں ہی کھلا نہ چھوڑو۔

۷؎ یہ مجبوری کی حالت میں ہے جب کہ کوئی چیز گھڑا وغیرہ ڈھکنے کے لیے نہ ملے۔اس لکڑی اور بسم اللہ کی برکت سے برتن شیطان کے اثر سے محفوظ رہے گا۔

۸؎ چراغ سے مراد بتی والا چراغ ہے جس کی بتی چوہا وغیرہ کھینچ سکے،لالٹین یا بجلی اس حکم سے خارج ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔بند گھر میں جلتی لالٹین چھوڑنا بھی خطرناک ہے اس سے گیس پھیل جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔

	اور بخاری کی روایت میں ہے فرمایا برتن ڈھک دو اور مشکیزوں کو بندھن دے دو اور دروازے بند کردو اور اپنے بچوں کو روک لو شام کے وقت کیونکہ جنات کا پھیلاؤ اور چھین جھپٹ کا وقت ہے ۱؎ اور سوتے وقت چراغوں کو گل کردو کیونکہ بہت بار چوہیا بتی کھینچ لے جاتی ہے تو گھر والوں کو جلا دیتی ہے ۲؎

۱؎ یہاں چھین جھپٹ سے مراد ان کو دیوانہ کردینا ان پر مسلط ہوجانا ہے۔ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جن پر جن آجاتے ہیں ان کو پریشان کرتے ہیں دیوانہ بنادیتے ہیں۔جنات کا یہ تصرف قرآن کریم سے ثابت ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ"۔جیسے سانپ بچھو وغیرہ زہریلے جانور انسان کو نقصان پہنچاسکتے ہیں ایسے ہی شیطان بھی نقصان پہنچاسکتے ہیں،یہ اثرات بھی بالکل حق ہیں۔

۲؎ یہاں فویسقه سے مراد موذی جانور ہے جو اپنے نفع کے بغیر انسان کا نقصان کردے۔چوہا،چیل،کوّا،بچھو،دیوانہ کتا سب فویسق یعنی موذی ہیں اس لیے ان کو حرم شریف میں بھی اور حالت احرام بھی قتل کرسکتے ہیں۔

	اور مسلم کی روایت میں ہے فرمایا برتن ڈھک دو اور مشکیزے باندھ دو ۱؎ دروازے بندکردواور چراغ بجھادو ۲؎ کیونکہ شیطان مشکیزہ نہیں کھولتا اور نہ دروازہ کھولتا ہے نہ برتن کھولتا ہے ۳؎ پھر اگر تم میں سے کوئی نہ پائے مگر یہ کہ اپنے برتن پر لکڑی کھڑی کردے اور اللہ کا

نام لےآوے تو یہ ہی کرے۴ کیونکہ چوہیا گھر والوں پر ان کا گھر بھڑکا دیتی ہے ۵	

۱؎ یہاں بھی برتنوں سے مراد وہ برتن ہیں جن میں کھانے پینے کی چیزیں ہوں،یوں ہی مشکیزے سے مراد وہ مشکیزے ہیں جن میں پانی یا نبیذ وغیرہ ہوں۔
۲؎ یہاں بھی چراغ سے مراد کھلا چراغ ہے جس کی بتی چوہا کھینچ سکے،موجودہ بجلی کی روشنی اس حکم سے خارج ہے جیساکہ پہلے عرض کیا گیا۔
۳؎ یہ اللہ تعالٰی کی مہربانی ہے کہ اس نے ان شیاطین کو یہ قدرت نہیں دی کہ ان چیزوں کو کھول سکیں جیسے شیطان اس کھانے کو نہیں کھاسکتا جو بسم اللہ پڑھ کر کھایا جائے لہذا حدیث شریف بالکل ظاہر معنی پر ہے اس میں کسی تاویل و توجیہ کی ضرورت نہیں۔
۴؎ یعنی اگر برتن ڈھکنے کے لیے کوئی ڈھکنا نہ ملے تو اس پر اللہ کا نام لے کر لکڑی کھڑی کردو وہ برتن اس لکڑی اور اللہ کے ذکر کی وجہ سے ان بلاؤں سے محفوظ رہے گا۔
۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم بطور مشورہ ہے لہذا مستحب ہے واجب نہیں،اس میں بہت ہی منافع اور فوائد ہیں۔

اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ اپنے جانور اور بچے نہ چھوڑو۱ جب کہ سورج ڈوب جائے حتی کہ رات کی سیاہی جاتی رہے ۲ کیونکہ جب سورج ڈوب جاتا ہے تو شیاطین چھوڑ دیئے جاتے ہیں حتی کہ رات کی یہ سیاہی جاتی رہے۔	

۱؎ فواشی جمع ہے **فاشیة** کی،عربی میں چھوٹے ہوئے جانور کو **فاشیه** کہتے ہیں خواہ جنگل میں چھوٹا ہوا ہو یا بستی میں کھلا پھرتا ہو پھر مطلقًا جانوروں کو **فواشی** کہا جانے لگاوہ ہی یہاں مراد ہے یعنی مغرب و عشاء کے درمیان اپنے جانور اور بچے کھلے نہ پھرنے دو۔
۲؎ یعنی رات کے شروع حصہ کی سیاہی ختم ہوجاوے اور اس کی اصلی سیاہی آجاوے،مغرب عشاء کے درمیان آسمان پر سیاہی ہوتی ہے مگر مغربی کنارہ پر سرخی یا سفیدی ہوتی ہے۔یہاں **فحمه** سے یہ ہی سیاہی مراد ہے اور جب عشاء کا وقت آتا ہے تو یہ خالص سیاہی ہر طرف چھا جاتی ہے کسی جگہ سرخی یا سفیدی کا نام نہیں ہوتا لہذا حدیث واضح ہے۔

اور اس کی ایک روایت میں یوں ہے فرمایا کہ برتن ڈھک دو اور مشکیزے باندھ دو کیونکہ سال میں ایک رات ہے جس میں وبائیں اترتی ہیں۱ نہیں گزرتیں کسی ایسے برتن پر جس پر ڈھکنا نہ ہو مگر اس وباء میں سے اس میں اتر جاتی ہے ۲	

۱؎ اس کا مطلب یہ ہے کہ عموماً ہر رات شیاطین کا پھیلاوا اول شب میں ہوتا ہے اور سال میں ایک رات ایسی بھی آتی ہے جس میں خصوصی بلائیں نازل ہوتی ہیں لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔ان احادیث میں یہ عمومی بلاؤں کا ذکر تھا جو روزانہ شروع رات میں آتی ہیں اور اس حدیث میں خاص ان بلاؤں کا ذکر ہے جو سال میں ایک رات آتی ہے۔

۲؎ من بیانیہ ہے نہ کہ تبعیضیہ لہذا اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ بلا ان برتنوں میں داخل ہوجاتی ہے جن پر ڈھکنا نہ ہو۔نووی نے فرمایا کہ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دنیا کی ہر آفت سے بچاؤ اللہ تعالٰی کا ذکر ہے مسلمان ہر وقت ہر حال میں اللہ کا ذکر کرے،دنیا زہر ہے ذکر اللہ اس کا تریاق۔(مرقات)تر لکڑی آگ میں نہیں جلتی،اللہ کے ذکر سے تر زبان ان شاء اللہ دوزخ اور آفات کی آگ سے نہ جلے گی۔مؤمن سوتے جاگتے،جیتے،مرتے اللہ کا ذکر کرے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ ایک انصاری صاحب ابوحمید نقیع سے دودھ بھرا برتن نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں لائے ۱؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اسے ڈھک کیوں نہیں لیا اگرچہ اس پر لکڑی کھڑی کر دیتے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ ابو حمید کا نام عبدالرحمٰن ابن سعد ہے،کنیت ابو حمید خزرجی ساعدی ہیں،نقیع وادی عقیق میں ایک جگہ ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے اونٹوں کے لیے طویلہ بنوایا تھا وہاں حضور کے خدام بھی رہتے تھے ان اونٹوں کی نگرانی کے لیے۔بعض نسخوں میں بجائے **نقیع** کے **بقیع** ہے یعنی ب سے جو مدینہ منورہ کا قبرستان ہے مگر یہ صحیح نہیں وادی عقیق مدینہ منورہ کے مکہ معظّمہ کے قدیمی راہ پر تین میل فاصلہ پر ایک وادی ہے اب راستہ بدل چکا ہے۔

۲؎ وہ حضرت کھلے برتن میں دودھ لائے تھے اس پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا یعنی دودھ ڈھک کر لانا چاہیے تھا اگر ڈھکنا نہ تھا تو اس کے اوپر لکڑی ہی کھڑی کرلیتے۔ہمارے ہاں عوام میں مشہور ہے کہ دودھ اور دہی کو نظر بد بہت جلد لگتی ہے اس پر لکڑی کھڑی کرلینی چاہیے۔اس کی اصل یہ حدیث ہوسکتی ہے کہ خیال رہے کہ دوکانوں پر دودھ دہی کھلا رکھا رہتا ہے وہ اس حکم میں داخل نہیں،کہیں لے کر جاؤ تو ڈھک لو۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جب سونے لگو تو اپنے گھروں میں آگ نہ چھوڑو ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ جلتا ہوا چراغ گل کردو،چولہے میں آگ ہو تو بجھادو،کبھی آگ جلتی چھوڑ کر نہ سوؤ نہ کہیں جاؤ،اس میں صدہا حکمتیں ہیں۔آگ خطرناک چیز ہے ذرا سی بے احتیاطی میں گھر اور سامان جلا ڈالتی ہے،بے خبر سوتے ہوئے جل جاتے

ہیں۔خدا کی پناہ!یہاں آگ سے مراد وہ ہی آگ ہے جس سے آگ لگ جانے کا اندیشہ ہو بجلی کی آگ میں یہ اندیشہ نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں کہ مدینہ میں ایک گھر مع گھر والوں کے رات میں جل گیا ۱؎ اس واقعہ کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تو فرمایا کہ یہ آگ تمہاری دشمن ہے ۲؎ تم جب سونے لگو تو اسے اپنے سے بجھا دیا کرو ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اس طرح کہ گھر مع گھر والوں کے جل گیا یا گھر جل کر ان لوگوں پر گر گیا۔غرضیکہ گھر والے بھی ہلاک ہوگئے خواہ جل کر یا دب کر۔

۲؎ کیونکہ آگ ہمارے بدن ہمارے مال کی ہلاکت کا ذریعہ ہے،اگر احتیاط سے برتی جائے تو مفید ہے ورنہ ہلاکت۔اسے دشمن فرمانا اس معنی سے ہے یعنی بے احتیاطی سے برتی جائے تو دشمن ہے لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ آگ تو بڑی مفید چیز ہے۔حد میں رہ کر ہر چیز مفید ہے حد سے بڑھ کر مضر۔ہم بھی حد میں رہیں تو اچھے ورنہ حد سے بڑھ جائیں تو خود اپنے دشمن ہیں۔اللہ تعالٰی حد میں رکھے۔

۳؎ یہ حکم بطور مشورہ ہے لہذا استحبابی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب تم رات میں کتوں کا یا گدھوں کا رینگنا سنو تو مردود شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو ۱؎ کیونکہ وہ ایسی چیز دیکھتے ہیں جو تم نہیں دیکھتے ۲؎ اور جب قدم ٹھہر جائیں تو نکلنا کم کرو ۳؎ کیونکہ اللہ تعالٰی اپنی رات میں اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے پھیلاتا ہے ۴؎ اور دروازے بند کرو اور اس پر اللہ کا نام لو کیونکہ شیطان دروازہ نہیں کھولتا جب کہ اسے بند کیا جائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے ۵؎ اور گھڑے ڈھک دو،برتن اوندھے کردو مشکیزہ باندھ دو ۶؎(شرح سنہ)

۱؎ یہاں رات کی قید ہے دوسری روایات میں یہ قید نہیں۔چنانچہ حصن حصین شریف میں ہے کہ جب تم گدھے کا رینگنا سنو تو اعوذ باللہ پڑھو۔ابوداؤد و نسائی حاکم وغیرہ کی روایت میں ہے کہ جب تم کتوں کا رونا سنو تو اعوذباللہ پڑھو۔یہاں رات کی قید یا تو اتفاقی ہے یا اس لیے ہے کہ رات میں یہ آوازیں بہت مکروہ معلوم ہوتی ہیں۔

۲؎ یعنی شیاطین کو دیکھ کر یہ دونوں جانور آوازیں نکالتے چیختے ہیں۔کتوں کا رونا بلاؤں آفتوں کو دیکھ کر ہوتا ہے اور جب مرغ کی آواز سنو تو دعا مانگو کہ وہ فرشتہ کو دیکھ کر بولتا ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ صالحین کے پاس دعا مانگنا یا ان سے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے اور بدکاروں کو دیکھ کر **اعوذ** پڑھنا افضل۔صالحین فاسقین کا دیکھنا آیاتِ الٰہیہ سے ہے۔(مرقات)

۳؎ یعنی رات گئے جب لوگوں کی آمدورفت بند ہوجائے تم بھی بلاضرورت گھر سے نہ نکلو کہ اس وقت جنات موذی جانور نکلتے ہیں۔

۴؎ یعنی دن بھر زمین میں تم پھیلتے ہوتے ہو رات گئے کوئی اور مخلوق یہاں پھیلتی ہے جو دن میں چھپی رہتی ہے دن میں تم چلو پھر وہ مخلوق چھپی رہے رات میں تم آرام کرو تاکہ وہ مخلوق چلے پھرے اس کو بھی رب تعالٰی کی زمین پر چلنے کا حق ہے اگر تم بھی اس وقت عام طور پر چلو پھرو تو اس مخلوق سے خلط ملط ہونے کی وجہ سے تم کو تکلیف پہنچے گی۔

۵؎ جیسے ظاہری قفل انسان سے نہیں ٹوٹتے یوں ہی ذکر اللہ کا قفل شیطان سے نہیں ٹوٹتا اور جیسے بسم اللہ کی برکت سے شیطان کھانا نہیں کھاسکتا ایسے ہی بسم اللہ کی برکت سے صحبت میں شریک نہیں ہوسکتا،یوں ہی بسم اللہ کی برکت سے وہ بند دروازہ نہیں کھول سکتا۔

۶؎ گھڑے اور مشکیزے کا ذکر حصر کے لیے نہیں مثال کے طور پر ہے کہ تمام کھانے پینے کے برتن ڈھک دیئے جائیں اور خالی برتن اوندھے کردیئے جائیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ فرماتے ہیں ایک چوہیا بتی کھینچتی ہوئی آئی اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ڈال دیا اس چٹائی پر جس پر حضور بیٹھے تھے ۱؎ اس سے درہم برابر حصہ جلادیا ۲؎ تب حضور نے فرمایا کہ جب تم سونے لگو تو اپنے چراغ بجھادو کیونکہ شیطان ان جیسی چیزوں کی اس کام پر رہبری کرتا ہے پھر تمہیں جلادیتا ہے ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ خمرہ بنا ہے **خمر** سے بمعنی ڈھکنا اور چھپانا،اس سے ہے **خمار** بمعنی ڈوپٹہ،**خمر** بمعنی شراب کہ دوپٹہ سر کو اور شراب عقل کو چھپالیتی ہے۔یہاں خمرہ سے مراد چھوٹا مصلے چٹائی کا جس پر ہر ایک آدمی نماز پڑھ سکے،چونکہ وہ مصلے زمین کو چھپالیتا ہے اس لیے اسے خمرہ کہتے ہیں۔حضور انور رات کے وقت اس مصلے پر جلوہ گر تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا۔

۲؎ مصلے میں آگ لگتے ہی بجھادی گئی ہوگی صرف اتنی ہی جگہ جل پائی ہوگی ورنہ سارا مصلے جل جاتا۔
۳؎ یعنی ابھی تو ہم جاگ رہے تھے آگ بجھالی اگر سوتے ہوتے تو مصلیٰ بلکہ سارا گھر جل جاتا اس لیے سوتے وقت چراغ بجھادیا کرو۔

کتاب اللباس

لباس کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱لباس بمعنی پہننا مصدر ہے باب سمع یسمع سے،اس سے مراد ہے پہنی ہوئی چیز یعنی مصدر بمعنی اسم مفعول۔اس میں کپڑے،جوتے،زیور وغیرہ سب کا بیان آئے گا کہ وہ سب چیزیں پہنی جاتی ہیں۔لباس بمعنی التباس بھی آتا ہے مشتبہ ہوجانا تشابہ لگ جانا وہ بھی مصدر ہے مگر ضرب یضرب سے پہلے لباس کا مادہ لبس لام کے پیش سے ہے دوسرے لباس کا مادہ لبس لام کے فتحہ سے یہ فرق ضرور خیال رہے یہاں،پہلا لباس ہےبمعنی پہننا۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ محبوب ترین لباس جن کا پہننا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا حبرہ تھے ۱(مسلم،بخاری)	

۱یمن کے تیارکردہ کپڑوں میں سے ایک قسم کے سوتی کپڑے کا نام حیرہ ہے ح کے کسرہ سے،یہ بہترین قسم کا کپڑا ہوتاہے،سادہ سفید بھی ہوتا ہے اور سبزوسرخ دہاری والا بھی۔حیر کے معنی ہیں سجاوٹ آراستگی،یہ کپڑا بڑا اچھا ہوتا ہےجس سے دولہنوں کو آراستہ کیا جاتا تھا اس لیے اسے حیرہ کہتے ہیں،قرآن کریم میں ہے"فَهُمۡ فِیۡ رَوۡضَةٍ یُّحۡبَرُوۡنَ"۔یہ کپڑا میل خوردہ ہوتاہے،میل کو چھپالیتا ہے جلد جلد دھونا نہیں پڑتا اس لیے محبوب تھا۔(مرقات و اشعہ)

روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگ آستینوں والا رومی جبہ پہنا ۱(مسلم،بخاری)	

۱ بعض روایات میں ہے کہ حضور انور نے شامی جبہ پہنا،چونکہ اس زمانہ میں شام روم کا ماتحت تھا اس لیے ملک شام کو بھی روم کہہ دیا جاتا تھا یا مطلب ہے کہ بنا ہوا روم کا تھا سلا ہوا شام کابہرحال احادیث میں تعارض نہیں۔یہ کپڑا اونی ہوتا تھا موٹا بنا ہوا بہت سادہ۔حضرات صوفیاء کرام بھی اکثر صوف یعنی اونی کپڑے پہنتے ہیں اس لیے انہیں صوفی کہا جاتا ہےیعنی صوف پہننے والے حضرت آدم و حوا نے زمین پر آکر پہلے اونی کپڑا پہنا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام اکثر صوف پہنتے اور درختوں کے پھل وغیرہ کھاتے تھے،جہاں شام آجاتی سورہتے تھے۔خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ میں نے ستر بدری صحابہ سے ملاقات کی سب کا لباس صوف یعنی اون کا تھا،فقہاء فرماتے ہیں کہ

سفر میں تنگ آستین کی قمیض افضل ہے اور گھر کھلی آستین کی قمیض بہتر ہے۔صحابہ کرام کی آستین ایک بالشت چوڑی ہوتی تھیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوبردہ سے فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے عائشہ نے ایک پیوند والا کمبل اور موٹا تہبند نکالا ۱؎ پھر فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ ان دونوں میں قبض کی گئی ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ بعض حضرات ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حضور کے تبرکات کی زیارت کرنے آیا کرتے تھے اور آپ انہیں زیارت کراتی تھیں۔ملبد کے معنی ہیں لبادہ کیا ہوا یعنی پیوند پر پیوند لگتے لگتے نمدہ کے لباس کی طرح موٹا ہوچکا تھا۔

۲؎ یہ اس دعا کا اثر ہے **اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا** کہ میری زندگی و موت مسکین ہوکر ہو۔شعر

بوریا ممنوں خواب راحتش تاج کسریٰ زیر پائے امتش

ہم جیسے کمینے غلام ان کے نام پر عیش کررہے ہیں اور وہ خود اس حالت میں دنیا سے پردہ فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلیٰ و عمدہ لباس بھی پہنے ہیں مگر ان کی عادت نہ ڈالی،ہر قسم کا لباس بے تکلف پہن لیتے تھے،آخر وقت یہ لباس جسم اطہر پر تھالہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ **سھری اثر نعمة ربك علیك**۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ بستر جس پر آپ سوتے تھے چمڑہ کا تھا جس کا بھراؤ کھجور کا لیف تھا ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ بعض لوگوں نے لیف کے معنی کیے ہیں کھجور کی چھال،یہ غلط ہے چھال بہت سخت ہوتی ہے۔لیف کھجور کے درخت کا گودا جو نرم ہوتاہے،عرب شریف میں کم چوڑے بہت لمبے گدیلے تکیہ نما ہوتے ہیں ان پر سویا جاتا ہے یہاں وہی مراد ہے یعنی حضور کے سونے کا بستر ایسے گدیلے تھے سردی میں یہ بستر تھا اور گرمیوں میں ٹاٹ لہٰذا یہ حدیث ٹاٹ والی حدیث کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ تکیہ جس پر آپ ٹیک لگاتے تھے چمڑہ کا تھا جس کا بھراؤ لیف تھا ۱؎(مسلم)

۱؎ یہاں تکیہ سے مراد چھوٹے اور ٹیک لگانے کے قابل تکیے ہیں حضور کے تکیے جن سے آپ ٹیک لگاتے تھے وہ بھی چمڑے کے تھے جن کے بھراؤ میں کھجور کا گودا تھاغرضیکہ ہر چیز میں سادگی تھی۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتی ہیں اس حال میں کہ ہم

	بیٹھے تھے اپنے گھر میں دوپہر کی گرمی میں کہ کسی کہنے والے نے جناب ابوبکر سے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرہے ہیں سر شریف ڈھانپے ہوئے ۱؎ (بخاری)

۱؎ یہ واقعہ ہجرت کے دن کا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو خبر دے دی تھی کہ مجھے عنقریب ہجرت کا حکم ملنے والا ہے تم مکہ معظّمہ میں رہو تم ہجرت میں ہمارے ساتھ ہو گے،حضرت صدیق اکبر منتظر رہے آج ہجرت کا حکم ملنے پر دوپہر کے وقت حضور حضرت صدیق اکبر کے گھر تشریف لائے اس طرح کہ چادر شریف اوڑھے ہوئے تھے اور چادر کا ایک حصہ گھونگھٹ کی طرح چہرہ پر تھا جس پر چہرہ صاف نظر نہ آتا تھا یا تو گرمی کی وجہ سے یہ عمل تھا یا تاکہ کوئی حضور کو دیکھ نہ سکے یہ ساری چیزیں صیغہ راز میں رکھنی تھیں،بعض صوفیاء خصوصًا حضرات نقشبندیہ چادر کا گھونگھٹ مارتے ہیں ان کی اصل یہ حدیث ہے۔بعض لوگوں نے اس کو ناجائز کہا ہے،بعض نے بلا ضرورت ناجائز کہامگر حق یہ ہے کہ مطلقًا جائز ہے چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکے متعلق ایک رسالہ لکھا "طی اللسان عن ذم الصیلسان" جس میں بہت احادیث اس عمل کی جمع فرمائیں۔دوسرے موقعوں پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عمل ثابت ہے،حضرت صحابہ کرام تابعین عظام سے بھی ثابت ہے۔حضور غوث الثقلین قطب الکونین سید شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ عمل ثابت ہے۔(اشعۃ اللمعات)

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ایک بستر مرد کا ہو ایک بستر اس کی بیوی کا اور تیسرا مہمان کا ۱؎ اور چوتھا شیطان کا ہوگا ۲؎ (مسلم)

۱؎ اہلِ عرب فخریہ طور پر بہت سے بستر بناتے اور ان سے گھر سجاتے تھے جیسے پنجاب کے اہلِ دیہات بہت زیادہ برتنوں سے گھر سجاتے اس پر فخر کرتے ہیں۔اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ صرف تین قسم کے بستر رکھو:اپنے لیے،بیوی بچوں کے لیے اور بقدر ضرورت مہمانوں کے لیے،یہاں بستر کی قسمیں مراد ہیں نہ کہ تعداد لہٰذا جس کے دو چار بچے ہوں،دو چار مہمان روزانہ آتے جاتے ہوں تو وہ انہیں کے مطابق بستر رکھے۔

۲؎ چوتھے سے مراد چوتھی قسم کا بستر ہے یعنی بلا ضرورت محض فخر اور اپنی بڑائی کے اظہار کے لیے رکھا جائے خواہ ایک ہو یا زیادہ،چونکہ اس قسم کا بستر تکبر و شیخی کے لیے ہوتا ہے اس کا محرک شیطان ہوتا ہے اس لیے اسے شیطان کی طرف نسبت دی گئی ہے۔بعض شارحین نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ مرد کو اپنی بیوی سے علیحدہ سونا چاہیے ساتھ سونا ممنوع ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کا بستر بیوی سے علیحدہ فرمایا مگر یہ ضعیف ہے،بعض حالات بیماری وغیرہ میں علیحدہ سونا پڑتا ہے اس لیے علیحدہ بستر کی اجازت دی گئی۔خاوند بیوی کا ایک بستر پر سونا حدیث سے ثابت ہے،اس کے متعلق بہت احادیث ہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ اس کی طرف نظر نہ کرے گا جو اپنا تہبند گھسیٹے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎عرب کے رئیس لوگ شیخی میں تہبند بہت نیچا رکھتے تھے جیسے ہمارے ہاں گاؤں کے چوہدری بہت نیچے باندھتے ہیں جو زمین پر گھسٹتے ہی نجس ہوجاتے ہیں ان کے متعلق یہ وعید ہے اسی لیے بطرًا کی قید لگائی گئی،اگر بغیر فخر کے تہبند نیچا ہو تو یہ وعید نہیں،ہاں سنت یہ ہے کہ مرد کا تہبند یا پاجامہ ٹخنہ سے اوپر رہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنا کپڑا ۱؎فخر سے گھسیٹے قیامت کے دن اللہ اس کی طرف نظر کرم نہ کرے گا ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎کپڑے میں تہبند،پاجامہ،قمیض،چادر سب ہی داخل ہیں ان میں سے جو بہت زیادہ نیچا ہوکر زمین پر گھسٹے اور ہو فخریہ فیشن کے طورپر اس پر یہ وعید ہے۔

۲؎ان جیسے فرمانوں میں نہ دیکھنے سے مراد ہوتا ہے مہربانی و کرم کی نظر نہ دیکھنا۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں ایک شخص تکبر سے اپنا تہبند گھسیٹ رہا تھا ۱؎کہ اسے دھنسا دیا گیا تو وہ قیامت کے دن تک دھنستا رہے گا ۲؎(بخاری)	

۱؎ظاہر یہ ہے کہ یہ مرد گزشتہ امتوں میں کوئی تھا اس لیے امام بخاری نے یہ حدیث ذکر بنی اسرائیل کے باب میں نقل فرمائی۔بعض نے فرمایا کہ یہ شخص قریب قیامت حضور کی امت سے ہوگا یعنی فیشن ایبل مسلمان مگر قول اول قوی ہے۔(اشعہ)

۲؎ **یتجلل** بنا ہے **جلجلة** سے جس کے معنی ہیں حرکت کرنے کی آواز یعنی وہ برابر نیچے کو جارہا ہے اس کے جانے کی آواز اللہ والے سن رہے ہیں،یہ شخص قارون کے علاوہ کوئی اور شخص ہے،قارون کے دھنسنے کی وجہ اس کا بخل اور اس کی بے ادبی بنی تھی۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تہبند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچا ہوگا وہ آگ میں جائے گا ۱؎(بخاری)	

۱؎اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ ٹخنے سے نیچے تہبند جہنمیوں کا لباس ہے یا یہ مطلب ہے کہ وہ حصہ تہبند کا دوزخ میں جائے گا اس شخص کو ساتھ لے کر،یہ مطلب نہیں کہ تہبند تو دوزخ میں جاوے اور یہ متکبر سیدھا جنت میں،یہاں بھی تکبر شیخی فیشن کے لیے تہبند نیچا رکھنا مراد ہے۔گزشتہ احادیث اس حدیث کی شرح ہیں اور یہ حکم مردوں کے لیے ہے عورتوں کو ٹخنہ کے نیچے تہبند رکھنا چاہیے تاکہ ان کی پنڈلی کا کوئی حصہ حتی کہ ٹخنہ بھی نہ کھلے کہ یہ ستر عورت ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بائیں ہاتھ سے کھائے۱ یا ایک جوتہ میں چلے۲ اور اس سے کہ کپڑے میں لپٹ جائے۳ یا ایک کپڑے میں اوکڑوں بیٹھے اپنی شرمگاہ کھولے ہوئے۴	

۱بلا مجبوری بائیں ہاتھ سے کھانا پینا مکروہ تنزیہی ہے،بعض علماء کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ظاہر یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے کہ اس سے سخت ممانعت ہے۔

۲ایک پاؤں میں جوتا ہو ایک پاؤں ننگا اس طرح چلنا مکروہ تنزیہی ہے،عذر سے ہو تو ممنوع نہیں ایسے چلنا پھرنا وقار کے بھی خلاف ہے اور اس طرح چلنے میں کچھ دشواری بھی ہوتی ہے کہ جوتا والا پاؤں اونچا ہوتا ہے ننگا پاؤں نیچا،بہرحال اس ممانعت میں بڑی حکمتیں ہیں۔

۳**اشتمال صماء** یہ ہے کہ ایک چادر جسم پر اس طرح لپیٹ لے کہ جسم سارا بندھ جائے ایک ہاتھ بھی کھلا ہوا نہ رہے کہ یہ مغلول کی طرح ہوجاتا ہے یہ بھی مکروہ تنزیہی ہے۔

۴ **احتباء** کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص بغیر تہبند صرف چادر اوڑھے ہو اور اوکڑوں بیٹھے تکیہ لگا کر اس طرح کہ شرمگاہ کھل جائے کہ اس میں بے پردگی ہے اس لیے **کاشفا عن فرجه** کی قید لگائی گئی،اگر ستر نہ کھلے تو حرج نہیں۔

روایت ہے حضرت عمر انس،ابن زبیر،ابو امامہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جو دنیا میں ریشم پہنے گا وہ آخرت میں نہ پہنے گا۱(مسلم،بخاری)	

۱یعنی جو مسلمان ناجائز ریشم پہنے وہ اولًا ہی جنت میں نہ جاسکے گا کیونکہ ریشم کا لباس ہر جنتی کو ملے گا وہاں پہنچ کر رب تعالٰی فرماتا ہے:"**وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيْرٌ**"۔بعض صورتوں میں اور بعض ریشم مرد کو حلال ہیں ان کے پہننے پر سزا نہیں۔خیال رہے کہ کیڑے کا ریشم مرد کو حرام ہے،دریائی ریشم یا سن سے بنا ہوا نقلی ریشم حلال ہے کہ وہ ریشم نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیا میں ریشم وہ ہی پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۱ (مسلم،بخاری)	

۱اس کی شرح بھی وہ ہی ہے جو ابھی گزری کہ مسلمان مرد کو کیڑے کا ریشم بلا عذر شرعی ممنوع ہے،اگر بانا سوت کا ہوتانا ریشم کا تو حلال ہے،یوں ہی چار انگل سے کم کی پٹی ریشم کی ہو باقی کپڑا سوت وغیرہ کا تو بھی حلال ہے،اسکی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔

	روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ ہم سونے چاندی کے برتنوں میں پئیں اور ان میں کھائیں[1] اور موٹے باریک ریشم کے پہننے سے اور اس پر بیٹھنے سے [2] (مسلم،بخاری)

[1] سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا مرد وعورت سب کو حرام ہے،عورتوں کو سونے چاندی کا زیور پہننا حلال ہے مرد کو حرام ہے۔

[2] مردوں کو ریشم پہننا بھی حرام ہے اور ریشمی بستر پر سونا ریشمی لحاف اوڑھنا بھی حرام ہے،عورتوں کو یہ سب درست ہے حتی کہ ریشم کی ڈوری گھڑی میں باندھنا،ریشم کا کمر بند استعمال کرنا یہ سب مردوں کو ممنوع عورتوں کو حلال ہے۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ریشمی جوڑا ہدیۃً پیش کیا گیا [1] آپ نے وہ مجھے بھیج دیا [2] میں نے اسے پہن لیا پھر میں نے آپ کے چہرہ انور میں ناراضی معلوم کی [3] پھر فرمایا کہ میں نے تمہیں اس لیے نہ بھیجا تھا کہ تم خود پہن لو تو میں نے تو اس لیے بھیجا تھا کہ تم عورتوں کو اس کے دوپٹے پھاڑ دو [4] (مسلم،بخاری)

[1] بعض شارحین نے فرمایا سیرا وہ کپڑا ہے جو ریشم و سوت سے مخلوط کرکے بُنا جاوے مگر حق یہ ہے کہ سیرا خالص ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں۔(مرقات واشعہ)حلہ چادر و تہبند کے مجموعہ کو کہتے ہیں یعنی جوڑا،یہ پتہ نہ لگا کہ ہدیہ کرنے والا کون تھا غالبًا کوئی کافر بادشاہ ہوگا،حضور انور نے یہ ہدیہ قبول فرمایا حضور نے کفار بادشاہوں کے ہدیے قبول بھی کیے انہیں بدلے عطا بھی کیے۔

[2] یعنی وہ ریشمی جوڑا حضور انور نے مجھے ہدیہ فرمادیا۔معلوم ہوا کہ جو چیز مرد کے لیے حرام عورتوں کے لیے حلال ہے وہ مرد کو ہدیہ کی جاسکتی ہے،اسے مرد سے خرید و فروخت کیا جاسکتا ہے،جس کا استعمال کسی مسلمان کے لیے کسی طرح حلال نہ ہو اس کا ہدیہ لینا دینا اس کی تجارت مسلماں کے لیے حرام ہے جیسے شراب اور سؤر لہذا مسلمان افیون،بھنگ کی خرید و فروخت کرسکتا ہے شراب کی نہیں کرسکتا کہ افیون و بھنگ کا دواؤں لیپ میں استعمال حلال ہے،شراب کا استعمال مطلقًا حرام۔

[3] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ اگر میرے لیے یہ حرام ہوتا تو آپ مجھے کیوں عطا فرماتے اس لیے پہن لیا اگر غور فرماتے تو معلوم کرلیتے کہ یہ مجھے پہننے کے لیے عطا نہیں ہوا بلکہ عورتوں کو پہنانے کے لیے عطا ہوا ہے،اس غور نہ کرنے پر حضور انور نے ناراضگی فرمائی۔

۴؎ بعض روایات میں بجائے نساء کے فواطم آیا ہے تب ان سے مراد حضرت فاطمہ بتول زہرا یعنی زوجہ علی مرتضٰی اور فاطمہ بنت اسد ابن ہاشم یعنی حضرت علی جعفر و عقیل طالب کی والدہ ماجدہ اور ابو طالب کی زوجہ مطہرہ جنہیں حضور نے فرمایاامی بعدامی میری ماں کے بعدماں اور فاطمہ بنت حمزہ اسد ابن ہاشم یعنی ام اسماء۔خیال رہے کہ فاطمہ بن اسد نے ہی حضور انور کی پرورش کی،انہی کی قبر انور میں حضور کچھ دیر لیٹے،اسلام میں ہاشم ہی سب سے پہلے انہی کے ہاں فرزند پیدا ہوئے،حضور انور نے حضرت علی کے گھر پرورش پائی،پھر حضرت علی نے حضور کے ہاں پرورش پائی رضی اللہ عنہ۔(ازمرقات و اشعہ)یعنی تم نے ان چند فاطماؤں میں یہ کپڑا تقسیم کردیا ہوتاوہ دوپٹے بنالیتیں۔

روایت ہے حضرت عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا سواء اس قدر کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیاں بیچ والی اور کلمہ والی اٹھائیں انہیں ملایا ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی اگر دو انگل کی ریشمی پٹی یا دو انگل کا ریشمی بیل بوٹا کسی کپڑے میں ہو تو مرد کے لیے جائز ہے دوانگل چوڑا ریشمی کمربند حرام ہے کہ وہ تو پورا کپڑا ہے۔

اور مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ نے جابیہ میں خطبہ دیا تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا سوا دو یا تین یا چار انگل کے ۱؎	

۱؎ فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ امام اعظم وصاحبین کے نزدیک اگر کسی کپڑے میں چار انگل تک ریشمی پھول ریشمی بیل بوٹے ہوں تو مرد کو حلال ہے،چار انگل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے معتبر ہیں کہ جو ہمارے ایک بالشت کے قریب ہیں یہ چار انگل ایک جگہ کے معتبر ہیں،اگر قبایا اچکن میں جگہ جگہ ریشمی بیل بوٹے ہوں کہ ہر ایک ایک بالشت سے کم ہو مگر جب ملاؤ تو بالشت سے زیادہ ہوجائیں وہ حلال ہے کہ ایک جگہ کا اعتبار ہے۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق سے کہ انہوں نے ایک طیالسی کسروانیہ جبہ نکالا ۱؎جس کا گریبان ریشم کا تھا اور اس کے دونوں دامن ریشم سے سلے ہوئے تھے ۲؎اور بولیں یہ جبہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ۳؎ یہ جناب عائشہ کے پاس تھا جب وہ وفات پا گئیں تو اسے میں نے لے لیا ۴؎نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہنا کرتے تھے اب ہم اسے بیماروں کے لیے دھوتے ہیں ۵؎ اس سے شفاء حاصل کرتے ہیں ۶؎(مسلم)	

۱؎ طیالسه جمع ہے طیلسان کی بمعنی چادر،یہ لفظ فارسی میں تالسان تھا عربی میں طیلسان کیا گیا،بعض نے کہا کہ جمع طیس کی ہے،کسروانی منوی ہے کسریٰ کی طرف جو خسرو کا معرب ہے۔خسرو فارسی میں بادشاہ کو کہتے ہیں یہ کپڑا خالص اونی ہوتاہے۔

۲؎ یعنی اس جبہ شریف کے گریبان میں ریشم کی پٹی تھی اور اس کے اگلے پچھلے دونوں دامنوں میں ریشمی کپڑے کے ٹکڑے لگے تھے،چونکہ یہ ریشم چار انگل سے زائد نہ تھالہٰذا حلال تھا۔یہاں اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ کنارہ و حاشیہ کو کفه کہتے ہیں،لمبائی میں ہو تو کفه کاف ضمہ سے اور اگر گولائی میں ہو تو کفه کاف کے کسرہ سے ترازو کے پلڑے کو کفه کومکسر کاف کہا جاتا ہے۔

۳؎ جسے حضور حیات شریف میں پہنا کرتے تھےلوگ اس کی زیارت کرنے آتے تھےآپ یہ فرما کر زیارت کراتی تھیں۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کی زیارت کرانا سنت صحابہ ہے جیسے آج بال شریف کی زیارت کرائی جاتی ہے،اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۴؎ حضور انور نے یہ جبہ جناب عائشہ صدیقہ کو اپنی زندگی شریف میں ہبہ فرمادیا تھا،حضرت اسماء نے یہ جبہ حضرت عائشہ صدیقہ کی میراث میں لیا کیونکہ آپ ہی ان کی وارث تھیں کیونکہ عائشہ صدیقہ کی حیات شریف میں ابو بکر صدیق کی ساری اولاد وفات پاچکی تھی سواء حضرت اسماء کے اس لیے آپ نے ہی بہن ہونے کی وجہ سے بطور میراث یہ جبہ لیا۔(اشعہ و مرقات)

۵؎ یعنی یہ جبہ دھوکر تبرک کے لیے پیتے پلاتے ہیں۔

۶؎ اس جملہ کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قمیض کے غسالہ دھوون سے بیماروں کو شفا حاصل کرتے تھے کہ اسے وہ پانی پلاتے تھے اس سے چھینٹا دیتے تھے۔دوسرے یہ کہ ہم اسے دھوتے تھے برکت کے طور پر پینے کے لیے اور اس قمیض کو باندھ کردکھا کر سینہ پر رکھ کر بیماروں کی شفا حاصل کرتے تھے یعنی شفاء حاصل کرنا کئی طریق سے تھا۔(مرقات) جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایاتھا کہ میری قمیض والد کے چہرے پر لگادووہ انکھیارے ہوجائیں گے۔معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات کی زیارت کرنا ان کا لباس دھوکر بیماروں کو پلانا سنت صحابہ ہےان میں شفا ہے۔آبِ زمزم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑی سے پیدا ہواتمام بیماریوں کی شفاء ہے۔حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا گیا:"اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ"اپنا پاؤں رگڑو اس سے پانی کے چشمے پیدا ہوں گےاس کا پینا نہانا شفاء ہے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ اس جبہ شریف کو سر پر رکھنا،آنکھوں سے لگانا،ہونٹوں سے چومنا اس پر ہاتھ پھیرنا شفاء ہے۔(مرقات)یہ معلوم ہوا کہ جبہ پہننا بھی سنت ہے اور گریبان یا چولی اگر ریشم کی ہو تو چار انگل تک جائز ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب زبیر اور عبدالرحمان ابن عوف کو ریشم پہننے کی اجازت دی ان کی خارش کی وجہ سے

	ا(مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ ان دونوں نے جُوں کی شکایت کی تو ان کو ریشمی قمیض کی اجازت دی ۲

اریشم کا کپڑا خارش اور جوں کے لیے مفید ہےاس مجبوری میں مرد کے لیے ریشمی کپڑا پہننا جائز ہے۔
۲ریشمی کپڑے میں جُوں نہیں پڑتی۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر دو کسومی رنگے کپڑے دیکھے اتو فرمایا کہ یہ کفار کے لباس میں سے ہیں تم انہیں نہ پہنو ۲

اکسم ایک پھل ہوتا ہے جو سرخ رنگ دیتا ہے اور خالص سرخ رنگ مرد کے لئے ممنوع ہے عورتوں کے لیے جائز ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اگر بنا ہوا کپڑا سرخ رنگ لیا جائے تو ممنوع ہے اور اگر سرخ سوت سے بنا جائے تو جائز ہے،بعض کے نزدیک مطلقًا ممنوع ہے،یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جو یہ تفصیل کرتے ہیں،اس کی تحقیق کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔
۲یعنی کفار حرام و حلال لباس میں یوں ہی مردانہ زنانہ لباس میں فرق نہیں کرتے جیسا کپڑا چاہتے ہیں پہن لیتے ہیں۔چنانچہ سرخ کپڑا عورتوں کا لباس ہے مگر ان کے مرد بھی پہنتے پھرتے ہیں تم ایسا نہ کروتم مردانہ زنانہ جوڑے میں فرق کرو۔(ازمرقات)معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو کفار کے لباس سے اور مردوں کو عورتوں کے لباس سے بچنا چاہیے۔

	اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے عرض کیا کہ میں انہیں دھودوں فرمایا بلکہ انہیں جلادو ا(مسلم)ہم حضرت عائشہ کی حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صبح کو تشریف لائے اب مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ذکر کریں گے ۲

ایعنی چونکہ اس کا رنگ پکا ہے اور اس میں خوشبو بھی ہے اس لیے دھونے سے نہ رنگ اترے گانہ بو جائے گی،نیز اگر رنگ و بو جاتی رہی تو اس میں مال ضائع کرنا ہے کہ رنگ قیمتی چیز ہے اسے دھوکر کیوں پھینکولہٰذا اسے آگ میں ڈالو یعنی اپنے سے الگ کردو عورتوں کو دے دو وہ پہن لیں گی۔جلانے کا مطلب یہ ہی ہے جیسے اردو میں کہاجاتا ہے بھاڑ میں پھینکو۔چنانچہ حضرت یہ مقصد سمجھے نہیں،گھرآئے تنور جل رہا تھا یہ کپڑا اس میں ڈال دیا دوسرے دن حاضر ہوئے حضور نے پوچھا عبداللہ تم نے اس کپڑے کا کیا کیاعرض کیاتنور میں جلادیا،فرمایا اپنے گھر کی کسی عورت کو دے دیا ہوتا وہ پہن لیتی،عورتوں کے لیے سرخ لباس حلال ہے۔(مرقات)امام اعظم کے ہاں خالص سرخ کپڑا مرد کے لیے بہرحال مکروہ ہے خواہ سرخ سوت سے بنایا گیا ہو یا بننے کے بعد رنگا گیا ہو،یوں ہی

زعفرانی رنگ کا پیلا کپڑا مرد کو مکروہ ہے۔(مرقات)اس حدیث کی اور بھی شرحیں کی گئی ہیں مگر یہ شرح بہت قوی ہے۔

۲؎یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں ہی تھی چونکہ اس میں حضرات حسنین کریمین کے فضائل کا ذکر ہے کہ حضور انور نے ان دونوں کو اپنے مخطط کمبل میں لے لیا اس لیے ہم اسے مناقب اہل بیت میں ذکرکریں گے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کپڑوں میں ا؎زیادہ پسند قمیض تھی ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ثیاب جمع ہے ثوب کی، پہننے کے کپڑے کو ثوب کہا جاتا ہےخواہ سلا ہوا ہو یا بغیر سلالہٰذا بے سلا تہبند بھی ثوب ہےاور سلا ہوا پائجامہ کرتا بھی ثوب۔

۲؎قمیض سے مراد سوتی قمیض ہےحریر ریشم تو مرد کو حرام ہے اور حضور انور نے کبھی اونی قمیض نہیں پہنی کہ یہ بدن میں چبھتی ہے اور پسینہ میں بو دیتی ہے۔قمیض کے پسند ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ بدن سے چمٹی رہتی ہے بدن سے سرکتی نہیں،نماز میں اسے باربار چڑھانا نہیں پڑتاجیساکہ چادر اوڑھنے کی حالت میں ہوتاہے۔حضور کی قمیض میں گریبان نہ ہوتا تھا بلکہ دو طرفہ کندھوں پر چاک کھلے ہوتے تھے جیسے کہ احادیث میں وارد ہے۔

	روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیض کی آستینیں کلائی تک تھیں ا؎(ترمذی،ابوداؤد)اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎لہٰذا سنت یہ ہی ہے کہ قمیض کی آستینیں نہ تو کلائی سے اوپر ہوں نہ نیچے یعنی ہتھیلی یا انگلیوں تک۔جن روایات میں ہے کہ حضور انور کی آستینیں انگلیوں تک ہوتی تھیں وہاں جبہ کی آستینیں مراد ہیں لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔جبہ کی آستینیں دراز ہوتی تھیں قمیض کی آستینیں چھوٹی،آج کل قمیض کی آستینیں آدھی کلائی تک بعض لوگ رکھتے ہیں یہ سنت کے خلاف ہے۔شلوکے یا واسکٹ کی آستینیں بازو تک ہوتی ہیں یا بالکل نہیں ہوتیں یہ بھی جائز ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قمیض پہنتے تو داہنی طرف سے

	شروع فرماتے تھے ۱؎(ترمذی)

۱؎یعنی جب قمیض پہنتے تو قمیض کا داہنہ حصے پہلے پہنتے بایاں حصہ بعد میں اس طرح کہ اولًا داہنا ہاتھ شریف داہنی آستین میں ڈالتے پھر بایاں اور اتارنے میں اس کے برعکس۔میامن جمع ہے میمنه کی جس کا مادہ یمن یا یمین ہے۔قمیض کا ہر داہنا حصہ یمین ہے،آستین دامن کلی وغیرہ۔اس لیے میامن جمع ارشاد ہوا۔اور ہوسکتا ہے کہ میامنه کی ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہو یعنی اپنے دائیں طرف سے شروع فرماتے تھے تب میامن کو جمع فرمانا تعظیم کے لیے ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مسلمانوں کے تہبند اس کے آدھی پنڈلیوں تک ہوں ۱؎اس پر پنڈلی اور ٹخنوں کے درمیان میں گناہ نہیں ۲؎جو اس سے زیادہ نیچا ہوگا وہ آگ میں ہوگا ۳؎یہ تین بار فرمایا اور اللہ تعالٰی اس کی طرف نظر رحمت نہ کرے گا جو اپنا تہبند فخرًا زیادہ نیچا رکھے (گھسیٹے) ۴؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ ازرہ الف کے کسرہ سے ز کے جزم سے یعنی تہبند باندھنے کی حالت و ہیئت جیسے جلسہ بیٹھنے کی ہیئت و کیفیت۔(اشعہ و مرقات)یعنی مسلمانوں کے ازاروتہبند باندھنے کی کیفیت یہ چاہیے کہ وہ نصف پنڈلی تک رہے،نصف سے مراد تقریبًا آدھا ہے نہ کہ حقیقی آدھا لہذا کچھ اونچے نیچے ہونے میں حرج نہیں،یہ حد مردوں کے لیے ہے۔عورتوں کے تہبند یا پاجامے ٹخنوں کے نیچے تک ہونے چاہئیں کیونکہ ان کی پنڈلی ستر میں داخل ہے جس کا چھپانا فرض ہے۔عورتیں گھر میں رہتی ہیں گندی گلیوں سڑکوں میں انہیں چلنا پھرنا نہیں پڑتا ان کے لیے پاجامہ نیچا ہونا مضر نہیں،مردوں کو باہر چلنا پھرنا پڑتا ہے ان کے نیچے پانچے نجس ہوجائیں گے اس لیے بھی یہ فرق کیا گیا۔

۲؎یعنی مرد ٹخنوں تک پائجامہ اور تہبند رکھ سکتے ہیں اس طرح کہ ٹخنے کھلے ہوں۔

۳؎اس کا مطلب پہلے بیان ہوچکا کہ اس حد سے نیچا تہبند مع پاؤں کے دوزخ میں ڈالا جائے گا اور جب پاؤں دوزخ میں گیا تو پاؤں والا بھی وہاں ہی گیا۔وجہ ظاہر ہے کہ یہ عمل متکبرین اور فیشن ایبل لوگوں کا ہے،نیز ایسے تہبند اکثر نجس رہتے ہیں،راستہ کی گندگی ان کے نچلے کنارہ میں لگ جاتی ہے جس سے نماز درست نہیں ہوتی،اکثر ایسے تہبند میں الجھ کر گر جاتے ہیں خصوصًا زینہ پر چڑھتے اترتے۔

۴؎فخر کی قید سے معلوم ہوا کہ یہ سزائیں اس صورت میں ہیں جب کہ فیشن یا تکبر کے طور پر ہو،اگر کوئی شخص بے خیالی میں ایسا کر بیٹھے تو یہ حکم نہیں،حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تہبند شریف کبھی بے خیالی میں نیچا ہوجاتا تھا۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں میں

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مؤمن کے تہبند اس کی آدھی پنڈلیوں تک ہوں ۱؎ اس پر پنڈلی اور ٹخنوں کے درمیان میں گناہ نہیں ۲؎ جو اس سے نیچے ہوگا وہ آگ میں ہوگا ۳؎ یہ تین بار فرمایا ۴؎ اور اللہ اس کی طرف نظر رحمت نہ کرے گا جو فخریہ طور پر اپنا تہبند نیچا رکھے ۵؎ (گھسیٹے) (ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ انصاف جمع فرماکر اشارۃً بتایا گیا کہ حقیقی آدھا ضروری نہیں قریبی آدھی پنڈلی تک ہونی چاہیے جیسے کہا جاتا ہے اوائل کتاب یا اواخر کتاب۔اگر حقیقی آدھی پنڈلی مراد ہوتی تو **نصف الساق** فرمایا جاتا کہ پنڈلی کا نصف ایک ہی ہوتا ہے نہ کہ چند۔(اشعہ)

۲؎ یعنی آدھی پنڈلی تک تہبند ہونا بہتر ہے ٹخنوں تک ہونا جائز،آج کل آدھی پنڈلی تک تہبند،منڈا ہوا سر بہت لمبی داڑھی وہابیوں کی نشانی ہے اس لیے ٹخنہ کے اوپر تہبند رکھے یعنی اس جائز کام پر عمل کرے سر نہ منڈائے، داڑھی صرف ایک مشت رکھے زیادہ بھی نہ رکھے تاکہ ان کی مشابہت سے بچے **من تشبہ بقوم فھو منھم**۔

۳؎ اسکی شرح ابھی گزری کہ صرف نیچا تہبند ہی دوزخ میں نہ جائے گا بلکہ اپنے پہننے والے کو بھی ساتھ لے جائے گا۔

۴؎ یہ پوری حدیث تین بار فرمائی یا صرف یہ آخری کلمہ **مااسفل** الخ تین بار فرمایا۔

۵؎ اس فرمان عالی نے ساری حدیث کو مقید کردیا یعنی فخریہ طور پر یا فیشن یا یہودونصاری کی نقل کے لیے نیچے پائجامے پہننا دوزخ کا ذریعہ ہے۔اس لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ فیشن یا شیخی کے لیے نیچے پائجامہ پہننا مکروہ تحریمی ہے اس کے بغیر مکروہ تنزیہی یا خلاف مستحب۔

روایت ہے حضرت سالم ۱؎ سے وہ اپنے والد سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا نیچا چھوڑنا تہبند اور قمیض اور عمامہ میں ہے ۲؎ جو ان میں سے کوئی چیز زیادہ نیچی رکھے تکبرًا تو قیامت کے دن اللہ اس کی طرف نظرِ رحمت نہ کرے گا ۳؎ (ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)	

۱؎ حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ ابن عمر کے بیٹے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے آپ اسم بامسمّٰی تھے،دین و تقویٰ صحیح و سالم رکھتے،حق بات کہنے میں بہت جری اور بے باک تھے،حجاج ابن یوسف جیسے ظالم حاکم کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے، ۱۰۶ھ ایک سو چھ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،بڑے پایہ کے تابعی ہیں۔

۲؎ یعنی صرف نیچا تہبند ہی مکروہ و ممنوع نہیں بلکہ عمامہ کا شملہ،کرتے کا دامن بھی اگر ضرورت سے زیادہ نیچا ہو تو وہ بھی ممنوع ہے اور اس پر بھی یہ ہی وعید ہے۔

۳؎ چنانچہ عمامہ کا شملہ نصف پیٹھ تک چاہیے، بعض چوتڑوں تک رکھتے ہیں ممنوع ہے اور قمیض کا دامن بعضے عرب ٹخنوں کے نیچے رکھتے ہیں ممنوع ہے۔

روایت ہے حضرت ابو کبشہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ٹوپیاں چمٹی ہوتی تھیں ۲؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث منکر ہے۔	

۱؎ آپ کا نام عمرو بن سعید انصاری ہے، کنیت ابو کبشہ، شام میں قیام رہا۔

۲؎ کمام جمع کمۃ کی، کاف کے پیش سے جیسے قبہ کی جمع ہے قباب، کمہ کی اصل ہے کم بمعنی ڈھکنا گھیرنا، اب اصطلاح میں ٹوپی کو کمہ کہا جاتا ہے کہ وہ سر کو گھیرتی اسے ڈھکتی ہے اور بطح جمع ہے ابطح کی بمعنی فراخ اور چوڑی اس لیے زمین مدینہ کو ابطح بھی کہا جاتا ہے کہ وہ وسیع و فراخ ہے۔یہاں بطحا سے مراد ہے چوڑی ٹوپی جو گول ہو اور فراخ کہ سر سے اٹھی نہ رہے بلکہ ساری کھوپڑی پر چمٹی رہے حضرات صحابہ کی ٹوپیاں ایسی ہی ہوتی تھیں۔بعض شارحین نے کمام کو کُمٌّ بمعنی آستین کی جمع فرمایا اور حدیث کے معنی یہ کیے کہ صحابہ کرام کی آستین فراخ و چوڑی ہوتی تھیں مگر پہلے معنی قوی ہیں کیونکہ کم کی جمع اکمام آتی ہے نہ کہ کمام۔مرقات نے فرمایا کہ حضرات صحابہ کی ٹوپیوں کی چوڑائی ایک بالشت ہوتی تھی سارے سر پر چمٹی ہوتی تھیں۔معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ ٹوپیاں بھی اوڑھتے تھے عمامہ لازم بھی تھے بلکہ عمامہ بھی ٹوپیوں پر ہی باندھتے تھے۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا جب کہ حضور نے تہبند کا ذکر کیا ۱؎ یا رسول اللہ تو عورت ۲؎ فرمایا ایک بالشت لٹکائے ۳؎ بولیں تب تو اس سے کھل جائے گی ۴؎ فرمایا تو ایک گز اس پر زیادہ نہ کرے ۵؎ (مالک،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی یہ فرمایا کہ مؤمن کے تہبند آدھی پنڈلی تک رہنے چاہئیں تب حضرت ام سلمہ نے یہ سوال پیش کیا۔

۲؎ یعنی مؤمن تو عورت بھی ہے اگر اس کا تہبند آدھی پنڈلی تک رہے تو اس کی نماز کیسے درست ہوگی اور اس کی پنڈلی ستر ہے اس کا کھلا رکھنا اسے ممنوع ہے۔

۳؎ یعنی بمقابلہ مرد کے ایک بالشت اپنا تہبند زیادہ رکھے۔مطلب یہ ہے کہ نصف پنڈلی سے ایک بالشت زیادہ لٹکائے تاکہ ٹخنے بھی ڈھکے رہیں۔

۴؎ یعنی ایک بالشت زیادہ رکھنے میں اگرچہ بیٹھنے کی حالت میں تو اس کا ستر چھپا رہے گا مگر چلنے کی حالت میں اس کے قدم ضرور کھلیں گے یا بے احتیاطی میں پنڈلی بھی کھل جائے گی لہذا ایک بالشت زیادہ ہونے سے بھی ستر حاصل نہ ہوگا۔

۵؎ گز سے شرعی گز مراد ہے یعنی ایک ہاتھ یا دو بالشت جو کہ ڈیڑھ فٹ یا اٹھارہ انچ ہوتے ہیں شریعت میں اسی گز کا اعتبار ہے۔مطلب یہ ہے کہ دو بالشت زیادہ رکھے اس سے زیادہ نہ کرے ورنہ زمین پر گھسیٹے گا اور نجس ہوتا رہے گا۔

اور ترمذی نسائی کی روایت میں جو حضرت ابن عمر سے ہے یوں ہے کہ بولیں تب تو ان کے قدم کھل جائیں گے ۱؎ فرمایا تو ایک گز لٹکالیں اس پر زیادہ نہ کریں۔	

۱؎ یہ عبارت پہلے جملہ کی تفسیر ہے وہاں فرمایا تھا **تنکشف عنھا** اس کا مطلب یہ بتایا کہ عورتوں کے قدم کھل جائیں گے۔اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ اگرچہ عورت کے قدم ستر نہیں مگر انہیں بھی چھپا کے رکھنا بہتر ہے جیسے عورت کا چہرہ کہ اگرچہ ستر نہیں مگر اجنبی مردوں سے اس کا چھپانا بہتر ہے اب تو یہ باتیں بڑی پرانی معلوم ہوتی ہیں۔

روایت ہے حضرت معاویہ ابن قرہ سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مزینہ کی ایک جماعت میں آیا لوگوں نے آپ سے بیعت کی ۲؎ آپ کے بٹن کھلے ہوئے تھے میں نے حضور کی قمیض کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا ۳؎ تو مہر نبوت کو چھوا ۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ معاویہ ابن قرہ ابن ایاس مزنی ہیں،تابعی ہیں،جنگ جمل کے دن پیدا ہوئے،اپنے والد اور انس ابن مالک،عبداللہ ابن مفضل صحابہ سے ملاقات ہے،ان کے والد صحابی ہیں،بصرہ میں قیام رہا،ان سے روایت صرف ان کے بیٹے معاویہ نے ہی کی،یہ قوم ازارقہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔(مرقات)

۲؎ تین سے لےکر دس تک کی جماعت کو رھط کہتے ہیں۔مزینہ والے لوگ چار سو تھے جو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں باری باری حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے،ایک ٹولی میں یہ تھے لہذا یہ حدیث اور چار سو والی روایت کے خلاف نہیں۔

۳؎ **جیب** کہ لفظی معنی ہیں پھٹن،اصطلاح میں گریبان کو جیب کہتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گریبان شریف سینہ پر نہ ہوتا تھا بلکہ گردن شریف کے داہنے بائیں جگہ کھلی تھی جس سے قمیض پہنتے اور اتارتے تھے مگر آج گریبان والی قمیض زیب تن فرما تھے جیساکہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے۔بعض لوگوں نے سینہ پر گریباں بنانے کو بدعت کہا ہے مگر یہ غلط ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ گریباں بھی ثابت ہے۔(مرقات)آپ کا گریبان شریف میں ہاتھ ڈال دینا بے ادبی سے نہ تھا بلکہ اس مقصد کے لیے تھا جو آگے آرہا ہے یعنی مہر نبوت کو چھوکر بوسہ دینا۔

۴؎ مہر نبوت شریف کا ذکر ان شاءاللہ عنقریب آوے گا،یہ چھونا برکت حاصل کرنے اور بوسہ دینے کے لیے تھا۔

	روایت ہے حضرت سمرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفید کپڑے پہنو وہ زیادہ پاکیزہ اور بہت ستھرے ہیں اور بہت پسندیدہ ہیں ۱؎ اور اس میں اپنے مردوں کو کفن دو ۲؎ (احمد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ اطیب بنا ہے طیب سے اگرطیب خبیث کا مقابل ہو تو بمعنی حلال ہوتا ہے جیسے رب تعالٰی کا فرمان:"لَا يَسۡتَوِى الۡخَبِيۡثُ وَالطَّيِّبُ"ورنہ اس کے معنی ہوتے پسندیدہ شرعًا یا عقلًا یا طبعًا یہاں اس ہی آخری معنی میں ہے یعنی سفید کپڑا پاکیزہ بھی ہے کہ ذرا سا دھبہ دور سے معلوم ہوجاتا ہے اور دھولیا جاتا ہے،رنگین کپڑے کے داغ دھبے نظر نہیں آتے،نیز رنگین کپڑے کے دھونے میں رنگ دھل جانے کا خطرہ ہوتا ہے سفید کپڑے میں یہ خطرہ نہیں،نیز سفید کپڑا اپنے پیدائشی رنگ پر ہے رنگین کپڑے کا رنگ عارضی۔اطیب کے معنی میں دل پسند،جتنا حسن و زیبائش سفید کپڑے میں ہے اتنا دوسرے میں نہیں۔وہ جو وارد ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہ عمامہ باندھا یا سرخ جوڑا یعنی سرخ دھاری والا جوڑا پہنا یا عورت کا کپڑا رنگین ہو وہ سب بیان جواز کے لیے ہے یہ فرمان عالی بیان استحباب کے لیے۔بعض طلباء صوفیاء رنگین کپڑے پہنتے ہیں وہ محض اس لیے کہ جلد جلد دھونا نہ پڑیں ورنہ مسلمان کے لیے سفید کپڑا بہت ہی بہتر ہے۔

۲؎ بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ عورت کو رنگین کفن دو غلط ہے ہر مردہ کو سفید کفن دینا بہتر ہے کہ اب اس کی گفتگو اور ملاقات فرشتوں سے ہونے والی ہے تو اچھے کپڑوں میں ہونی چاہیے اچھے کپڑے سفید ہیں۔یہاں مرقات نے سفید رنگت پر بہت اعلٰی گفتگو کی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اسے اپنے کندھوں کے درمیان لٹکاتے تھے ۱؎ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎ یعنی عمامہ شریف کا کنارہ مبارکہ جسے فارسی میں شملہ اور عربی میں عذبہ کہتے ہیں نصف پیٹھ تک ہوتا تھا اور دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا رہتا تھا خواہ پیٹھ پر یا سینہ پر مگر سینہ پر ہونا افضل ہے یعنی سامنے۔(مرقات ولمعات)

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف سے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے عمامہ باندھا ۱؎ تو اسے میرے آگے اور پیچھے لٹکا دیا ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی میرے سر پر خود اپنے دستِ مبارک سے عمامہ لپیٹا۔آج کل فارغ التحصیل طلباء کے سروں پر علماء عمامے لپیٹتے ہیں جسے رسم دستار بندی کہا جاتا ہے اس کی اصل یہ حدیث ہے۔

۲اس طرح کہ عمامہ کا پہلا شملہ تو سینہ پر ڈالا اور آخری شملہ پیٹھ پر ڈالا یہ ہی سنت ہے۔بعض لوگ آخری شملہ اونچا رکھتے ہیں جسے طرہ کہتے ہیں یہ خلاف سنت ہے،ہاں یہاں مرقات نے فرمایا کہ یہ دوسرا شملہ کبھی رکھا گیا ہے کبھی نہیں۔خیال رہے کہ نماز پنجگانہ کے لیے سات ہاتھ اور نماز جمعہ کے لیے بارہ ہاتھ کا عمامہ بہتر ہے،اس کا شملہ کم از کم چار انگل ہوزیادہ سے زیادہ آدھی پیٹھ تک اس سے زیادہ ممنوع ہے۔شملہ پشت پر رہے یا داہنے ہاتھ کی طرف سینہ پر،بائیں ہاتھ کی طرف سنت کے خلاف ہے،کھڑے ہوکر باندھنا سنت ہے مسجد میں باندھے یا کہیں اور۔

روایت ہے حضرت رکانہ سے ۱وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپیوں پر عمامے ہیں ۲(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور انس کی اسناد قوی و قائم نہیں۔	

۱آپ رکانہ ابن عبد یزید ابن ہاشم ابن عبدالمطلب ہیں،قریشی ہاشمی ہیں،بڑے محدث بڑے شجاع صحابی ہیں،خلافت عثمانی میں وفات پائی۔

۲یعنی بغیر ٹوپی عمامہ باندھنا طریقہ مشرکین ہے اور ٹوپی پر عمامہ باندھنا طریقہ مؤمنین ہے لہذا ٹوپی پر عمامہ باندھو ٹوپی خواہ سر سے چمٹی ہوئی ہو یا اٹھی ہوئی جسے پنجابی میں کلاہ کہتے ہیں۔(مرقات)عمامہ بہت افضل ہے،بغیر عمامہ کی ۷۰ نمازیں اور عمامہ سے ایک نماز برابر ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ ٹوپی پر عمامہ اس طرح باندھے کہ ٹوپی کھلی نہ رہے اگر کلاہ ہو تو اس کے نیچے بھی عمامہ کا کچھ حصہ ہو۔ٹوپی کھلے رہنے میں اعتجار کا احتمال ہے۔اعتجار یہ ہے کہ سر کے آس پاس عمامہ ہو بیچ حصہ کھلا ہو جیسے کہ عام دیہاتی باندھتے ہیں یہ ممنوع ہے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی عورتوں کے لیے سونا اور ریشم حلال کیا گیا ۱اور اسی امت کے مردوں پر حرام کیا گیا ۲(ترمذی،نسائی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔	

۱اُحل صیغہ واحد غائب ماضی مجہول ہے احل واحد متکلم مضارع نہیں کیونکہ آگے آرہا ہے حرم یہ ہی صیغہ ماضی مجہول یعنی میری امت کی عورتوں پر ریشم پہننا حلال کیا گیا خواہ چھوٹی بچیاں ہوں یا بالغہ جوان سب کے لیے حلال ہے،اناث سب کو شامل ہے۔

۲ذکور ہر مرد کو شامل ہے بچہ ہو یا جوان سب پر ریشم پہننا حرام ہے،ہاں چھوٹے بچہ کو پہنانے والے گنہگار ہوں گے بڑا مرد خود گنہگار ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ	

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نیا کپڑا پاتے تو اس کا نام رکھتے عمامہ یا قمیض ۱؎ یا چادر پھر کہتے الٰہی تیرا شکر ہے جیسے تو نے مجھے یہ پہنایا ویسے ہی میں اس کپڑے کی خیر اور جس کے لیے یہ بنایا گیا اس کی خیر مانگتا ہوں اور اس کی اور جس کے لیے یہ بنایا گیا اس کی شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد)۳؎	

۱؎ حضور انور حتی الامکان نیا کپڑا جمعہ کو پہنتے تھے اور نیا کپڑا پہن کر پرانا خیرات فرمادیتے تھے۔(مرقات) پھر پہلے اس کا نام معین فرماتے کہ یہ چادر اوڑھتا ہوں یا قمیض پہنتا ہوں یا تہبند پھراسے زیب تن فرماتے،ان کی ہر ہر ادا پر کروڑوں درود۔

۲؎ کپڑے کی خیر یہ ہے کہ کپڑا پہن کر نیک اعمال کی توفیق ملے اور کپڑے کی شر یہ ہے کہ کپڑے پہن کر گناہ کرے،کپڑے پہن کر نماز پڑھنا خیر ہے اور کپڑے پہن کر چوری کرنا اس کی شر ہے اور بندہ اللہ تعالٰی ہی کے کرم سے خیر کرسکتا ہے شر سے بچ سکتا ہے،نیز کپڑا پہن کر حمدوشکر کرنا کپڑے کی خیر ہےاس پر فخرکرنا اس کپڑے کی شر۔

۳؎ یہ حدیث احمد،نسائی،ابن حبان نے اور حاکم نے مستدرک میں ان ہی راوی سے روایت کی۔شرح سنہ بروایت حضرت ابن عمر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو سفید قمیض پہنے دیکھا تو فرمایا کہ نئ ہے یا دھلی ہوئی عرض کیا نئی،فرمایا البس جدیدا عش حمیدًا و مت شهیدا یعنی نیا لباس پہنو اچھے جیو شہید مرو رضی اللہ عنہ۔

روایت ہے حضرت معاذ ابن انس سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کھانا کھائے پھر کہے شکر ہےاس اللہ کا جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور میری بغیر قوت و طاقت کے مجھے یہ عطا فرمایا تو اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں ۲؎ (ترمذی)اور ابوداؤد نے یہ زیادتی کی کہ جو کوئی کپڑا پہنے تو کہے شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے یہ پہنایا اور بغیر میری طاقت و قوت کے مجھے یہ عطا فرمایا تو اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں ۳؎	

۱؎ آپ صحابی ہیں،قبیلہ جند سے ہیں،مصر میں قیام رہا،آپ سے آپ کے فرزند سہل نے احادیث روایات کیں۔

۲؎ زبان سے یہ کلمات کہے اور دل میں عقیدہ رکھے کہ مجھے جو کچھ مل رہا ہے میرے علم و عقل کا نتیجہ نہیں صرف میرے رب کا فضل ہے ورنہ مجھ سے اچھے اچھے مارے مارے پھررہے ہیں،بڑی مصیبتوں میں ہیں تو ان شاءاللہ مغفرت ہوگی۔

۳؎ حاکم نے مستدرک میں بروایت عائشہ صدیقہ مرفوعًا روایت کی،فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی ایک یا آدھے دینار کا کپڑا خریدے اس پر رب تعالٰی کی حمد کرے تو یہ کپڑا اس کے گھٹنوں پر پیچھے پہنچے گا گناہ پہلے بخش دیئے جائیں گے۔(مرقات)اس کی مثل طبرانی نے حضرت ابو امامہ سے روایت کی کچھ فرق کے ساتھ۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ اگر تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو ۱؎ تو تم کو دنیا سے اتنا کافی ہو جیسے سوار مسافر کا توشہ ۲؎ اور امیروں کی مجلس سے اپنے کو بچاؤ ۳؎ اور کسی کپڑے کو پرانا نہ سمجھو حتی کہ اسے پیوند لگالو ۴؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صالح ابن حسان کی ہی حدیث سے پہچانتے ہیں،محمد ابن اسماعیل نے کہا کہ صالح ابن حسان منکر الحدیث ہے ۵؎	

۱؎ دنیا و آخرت میں اچھی طرح ملنا کامل طور پر میرے ساتھ رہنا جس کی وجہ سے میں تم سے بہت خوش رہوں تو یہ عمل کرنا۔

۲؎ یعنی تھوڑی دنیا پر قناعت کرو جیسے مسافر راستہ طے کرتے ہوئے تھوڑا سامان رکھتا ہے بہت سامان کو بوجھ اور وبال سمجھتا ہے۔

۳؎ یعنی خود تو مالدار بننے کی کوشش کرنا بہت دور ہے مالداروں کی صحبت سے بھی پرہیز کرو۔مالداروں سے غافل اور متکبر مالدار مراد ہیں یا وہ صورت مراد ہے جب مالداروں کے پاس بیٹھنے سے ناشکری کا جذبہ پیدا ہو کہ یہ تو اتنا بڑا مالدار ہے میں غریب ہوں،ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت عثمان غنی اور امام اعظم ابوحنیفہ بڑے دولت مند تھے انکی صحبت کیمیا تھی۔

۴؎ یہ انتہائی قناعت کی تعلیم ہے کہ پیوند والے کپڑے پہننے میں عار نہ ہو۔حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب کہ آپ خلیفۃ المسلمین تھے کہ آپ کے کپڑوں میں اوپر تلے تین پیوند ایک جگہ پر لگے تھے کہ پیوند گل گیا تو اور لگالیا حضرت عمر نے اپنی خلافت کے زمانہ میں خطبہ دیا اس وقت آپ کے تہبند شریف میں بارہ پیوند تھے۔(مرقات)مقصد یہ ہی ہے کہ پیوند والے کپڑے کے پہننے میں عار نہ ہونی چاہیے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جہاں ارشاد ہے کہ رب کی نعمت کا اثر تم پر ظاہر ہو یا فرمایا کہ نیا کپڑا پاؤ تو پرانا خیرات کردو۔ابن عساکر نے حضرت ابو ایوب انصاری سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گدھے کی سواری فرمالیتے تھے،اپنا نعلین پا خود سی لیتے تھے،اپنی قمیض میں پیوند لگالیتے تھے اور پہن لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو میری سنت سے نفرت کرے وہ میری جماعت سے نہیں۔(مرقات)

۵؎ ان شاءاللہ حدیث منکر کے معنی،اس کی تعریف اور احادیث کے اقسام و احکام آخر کتاب میں عرض کیے جائیں گے۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ ابن ایاس ابن ثعلبہ سے۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم نہیں سنتے بے شک پرانے کپڑے پہننا ایمان سے ہے بے شک پرانے کپڑے پہننا ایمان سے ہے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ ابو امامہ دو ہیں اور دونوں صحابی ہیں:ایک ابو امامہ باہلی جو قبیلہ بنی باہلہ سے ہیں،دوسرے وہ جن کا نام ایاس ابن ثعلبہ ہے،یہ انصاری ہیں،یہاں یہ دوسرے ابو امامہ مراد ہیں،آپ کے حالات معلوم نہ ہوسکے رضی اللہ عنہم اجمعین۔
۲؎ اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو ابھی بیان کیا گیا کہ معمولی لباس پھٹے پرانے کپڑے پہننے سے شرم و عار نہ ہونا کبھی پہن بھی لینا مؤمن متقی کی علامت ہے،ہمیشہ اعلیٰ درجہ کے لباس پہننے کا عادی بن جانا کہ معمولی لباس پہنتے شرم آئے طریقہ متکبرین کا ہے۔یہاں ایمان سے مراد کمالِ ایمان ہے،اس حدیث کو احمد،ابن ماجہ اور حاکم نے ابو امامہ حارثی سے روایت کیا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دنیا میں شہرت کا لباس پہنے گا۱؎ اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا ۲؎(احمد،ابوداؤد ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی جو ایسا لباس پہنے جس سے لوگ اسے امیر جانیں یا ایسا لباس پہنے جس سے اسے لوگ بڑا تارک الدنیا فقیر صوفی ولی سمجھیں یہ دونوں قسم کے لباس شہرت کے لباس ہیں،بعض لوگوں کو ٹاٹ پہنے دیکھا گیا یہ بھی شہرت کا لباس ہے۔غرضیکہ جس لباس میں یہ نیت ہو کہ اس کی طرف لوگوں کی انگلیاں اٹھیں،لوگ اس کی عزت کریں خواہ امیر سمجھ کر خواہ ولی سمجھ کر وہ اس کی شہرت ہے،عزت اللہ رسول کی ہے جسے چاہیں دیں۔مرقات نے فرمایا کہ مسخرہ پن کا لباس پہننا جس سے لوگ ہنسیں یہ بھی لباس شہرت ہے۔
۲؎ قیامت میں سب لوگ ننگے اٹھیں گے پھر میدان محشر میں سب کی تن پوشی کی جائے گی،شہرت کا لباس پہننے والوں کو وہ لباس ملے گا جس سے انکی ذلت ظاہر ہو اس کے عکس کا حکم بھی برعکس ہی ہوگا کہ جو شخص سادہ لباس پہنے باوجود قدرت کے لباس فاخرہ نہ پہنے ان شاءاللہ اسے قیامت میں لباس عزت ملے گا بشرطیہ نیت صادق ہو۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی قوم سے مشابہت کرے گا تو وہ ان ہی میں سے ہوگا۱؎(احمد،ابوداؤد)	

۱؎ یعنی جو شخص دنیا میں کفار،فاسق و بدکار کے سے لباس پہنے انکی سی شکل بنائے کل قیامت میں ان کے ساتھ اٹھے گا اور جو متقی مسلمانوں کی سی شکل بنائے انکا لباس پہنے وہ کل قیامت میں ان شاءاللہ متقیوں کے زمرہ میں اٹھے

گا۔خیال رہے کہ کسی کی سی صورت بنانا **تشبہ** ہے اور کسی کی سی سیرت اختیارکرنا **تخلق** ہے یا **تشبہ** فرمایا گیا ہے۔

حکایت: غرق فرعون کے دن سارے فرعونی ڈوب گئے مگر فرعونیوں کا بہروپیا بچ گیا،موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی مولیٰ یہ کیوں بچ گیا،فرمایا اس نے تمہارا روپ بھرا ہواتھاہم محبوب کی صورت والے کو بھی عذاب نہیں دیتے۔(مرقات)مسلمان کو چاہیے کہ نماز و روزہ وغیرہ عبادات میں بھی اچھوں خصوصًا اچھوں سے اچھے یعنی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کرنے کی نیت کرے،دل لگے یانہ لگے شکل تو حضور کی سی بن جاتی ہے۔یہاں **من تشبہ** ہے **من تخلق** نہیں۔ان شاءاللہ اصل کی برکت سے خدا ہم نقالوں کو بھی بخش دے گا۔

مسئلہ: جو ہیئت جو لباس کفار کی مذہبی علامت ہے وہ مسلمان کے لیے کفر ہے جیسے پیشانی پر قشقہ لگانا یا سر پر چوٹی رکھنا یا کان میں جنیئو باندھنا یا گلے میں عیسائیوں کی سی صلیب ڈالنا۔اور جو ہیئت و لباس کفار کی قومی علامت ہے وہ مسلمانوں کے لیے حرام ہے جیسے ہندوانی دھوتی یا عیسائیوں کا ہیٹ و نیکر اس حدیث کا یہ ہی مطلب ہے۔یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اگر جہاد میں کوئی مسلمان جو کفار کی سی شکل و صورت رکھتا ہو دھوکہ سے مسلمان غازیوں کے ہاتھوں مارا جائے تو یہ غازی گنہگار نہیں وہ مرنے والا اپنی اس حرکت کی وجہ سے انہیں میں شمار ہوگا غرضیکہ یہ حدیث بہت جامع ہے۔

روایت ہے حضرت سوید ابن وہب سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بیٹوں میں سے ایک صاحب سے [1] راوی وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو جمال کالباس پہننا چھوڑ دے حالانکہ وہ اس پر قادر ہو اور ایک روایت میں ہے کہ انکسار کے طور پر تو اللہ اسے عزت کا جوڑا پہنائے گا [2] اور جو اللہ کے لیے نکاح کرے تو اللہ اسے بادشاہی تاج پہنائے گا [3] (ابوداؤد)	

[1] غالب یہ ہے کہ وہ بیٹے بھی صحابی ہیں یا تقویٰ و طہارت سے موصوف ہیں ورنہ یہ حدیث مجہول ہوگی کیونکہ سوید ابن وہب تابعی بھی صحابی کا ذکر نہیں کرتے،صحابی کا نام مذکور نہ ہوکوئی حرج نہیں کہ صحابہ سارے ثقہ ہیں۔

[2] یعنی جو بخل کی وجہ سے نہیں بلکہ عجز و انکسار کے لیے قدرت کے باوجود معمولی لباس پہنے اس کا یہ درجہ ہے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ اللہ کی نعمت کا اثر تم پر دیکھا جاتا ہے۔

[3] جس تاج کے ایک ایک موتی میں ایسی چمک ہوگی جیسے سورج کی چمک اگر وہ تمہارے گھر کے اندر ہوتا جیسا کہ دوسری احادیث میں ہے۔(از مرقات)

اور ترمذی نے انہیں سے بروایت معاذ ابن انس لباس کی حدیث روایت کی [1]	

۱؎ یعنی اس روایت میں اللہ کے لیے نکاح کرنے کا ذکر نہیں۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ پسند کرتا ہے یہ کہ اس کی نعمت کا اثر اسکے بندے پر دیکھا جائے۱؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی جسے رب تعالٰی نے مال دیا ہے تو وہ بخل کی بنا پر بہت ہلکے کپڑے نہ پہنے بلکہ کبھی اچھے کپڑے پہنے تاکہ اللہ تعالٰی کی نعمت کا اظہار ہو اور فقراء اسے غنی سمجھ کر اس سے کچھ مانگ بھی سکیں،اگر اللہ نے عالم دین بنایا ہے تو عالمانہ لباس پہنے تاکہ حاجتمند لوگ اس سے مسئلے پوچھ سکیں،رب کی نعمت کا اظہار بھی شکر ہے اس کی نعمت چھپانا کفران ہے۔یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ معمولی کپڑے پہننا ایمان سے ہے۔وہاں تکبر تکلف کی ممانعت تھی یہاں شکر اور اظہارِ نعمت الٰہی کا حکم ہے،ایک ہی چیز ایک نیت سے بری ہوتی ہےدوسری نیت سے اچھی۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات کے لیے تشریف لائے ۱؎ تو ایک شخص کو پراگندہ بال دیکھا کہ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے ۲؎ تو فرمایا کہ یہ شخص وہ چیز نہیں پاتا جس سے اپنے سر کو جمع کرے ۳؎ اور ایک شخص کو دیکھا جس پر میلے کپڑے تھے تو فرمایا یہ شخص وہ چیز نہیں پاتا جس سے اپنے کپڑے دھولے ۴؎ (احمد،نسائی)	

۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں خادموں سے ملاقات کے لیے انکے گھروں پر کبھی تشریف لے جاتے تھے اس میں ان کی عزت افزائی ہوتی تھی۔زائر فرماکر یہ بتایا کہ یہ تشریف کسی کی بیمار پرسی یا شادی وغیرہ کی تقریب کے سلسلہ میں نہ تھی صرف ہم کو نوازنے کے لیے تھی۔

۲؎ یا ہمارے گھر میں یا راستہ میں ایسے شخص کو دیکھا۔

۳؎ یعنی کیا اس کے پاس تولہ دو تولہ تیل بھی نہیں کہ بالوں میں لگاکر کنگھی کرے جس سے اس کے بال بکھریں نہیں بلکہ مجتمع ہوجائیں۔

۴؎ یعنی کیا اسے تھوڑا سا صابن میسر نہیں جس سے کپڑے صاف کرے۔خیال رہے کہ عزت اور تکبر میں فرق ہے تکبر کے لیے اچھا لباس پہننا ممنوع ہے اس کے لیے ارشاد ہوا **البذاذۃ من الایمان** اورعورت کے لیے اعلٰی لباس پہننا اچھا ہے جس کے متعلق یہاں یہ ارشاد ہوالہذا دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔

روایت ہے ابوالاحوص سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎ فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا مجھ پر معمولی کپڑے تھے ۲؎ تو فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ مال ہے	

میں نے کہا ہاں فرمایا کون سا مال ہے میں نے کہا کہ اللہ نے مجھے ہر قسم کے مال سے دیا ہے۳؎ اونٹ گائے اور بکری اور گھوڑے اورغلام فرمایا تو جب تجھے اللہ نے مال دیا ہے تو چاہیے کہ اللہ کی نعمت اس کی بخشش کا اثر تجھ پر دیکھا جائے ۴؎ (احمد،نسائی)اور شرح سنہ میں مصابیح کے الفاظ سے ہے ۵؎	

۱؎ آپ تابعین میں سے ہیں،آپ کا نام عوف ابن مالک ابن نضر ہے،آپ نے اپنے والد اور ابن مسعود اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم صحابہ سے ملاقات کی،آپ سے خواجہ حسن بصری ابواسحاق اور عطاء ابن سائب نے احادیث روایت کیں۔آپ کے والد مالک ابن نضر صحابی ہیں۔

۲؎ جو میری مالی حیثیت سے کم تھے مجھے خدا تعالٰی نے بہت غنی کیا ہوا تھا مگر کپڑے پھٹے پرانے کم قیمت زیب تن کیے ہوئے تھے۔

۳؎ یعنی عرب میں جس مال کی بہت قدر ہوتی ہے جانور اور غلام ان میں سے اللہ نے مجھے ہر مال دیا ہے۔عرب میں جانوروں کی ملکیت کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا جیسے آج کل مربے اور شہری جائیداد والے کی بڑی عزت ہوتی ہے۔

۴؎ یعنی قیمتی اور صاف کپڑے پہنو تاکہ لوگ سمجھیں کہ تم پر اللہ کا فضل ہے یہ بھی اللہ کا شکریہ ہے۔مطلب وہ ہی ہے کہ شکر کے لیے اچھا لباس پہنے فخر کے لیے نہ پہنے،کبھی اچھا لباس پہنے شکر کے لیے کبھی معمولی پہنے انکسار کے طور پر۔اپنے کو اچھے کھانے اچھے لباس کا عادی نہ بنائے کہ کبھی معمولی کھا پی نہ سکے۔

۵؎ یعنی ان دونوں روایتوں کے الفاظ مختلف ہیں مضمون ایک ہی ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص گزرا جس پر دو سرخ کپڑے تھے ۱؎ تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پیش کیا حضور نے اس کا جواب نہ دیا ۲؎ (ترمذی،ابواؤد) ۳؎	

۱؎ خالص سرخ کیونکہ مخطط سرخ مرد کو بلاکراہت جائز ہے،یہ حضرت اس وقت تہبند بھی سرخ پہنے تھے اور قمیض بھی سرخ۔

۲؎ اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے مرد کے لیے سرخ کپڑے پہننا حرام فرمایا،اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہ کرنے کی حالت میں انسان سلام کے جواب کا مستحق نہیں ہوتا،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا۔

۳؎ طبرانی نے بروایت عمران ابن حصین روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سرخ رنگ سے بچو کہ یہ شیطانی زینت ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ تو میں ارغوانی گھوڑے پر سوار ہوں گا۱ نہ کسومی رنگ کے کپڑے پہنوں گا اور نہ ایسی قمیص پہنوں گا جو ریشمی حاشیہ والی ہو۲ اور فرمایا کہ خبردار رہو کہ مردوں کی خوشبو وہ خوشبو ہے جس میں رنگ نہ ہو اور عورتوں کی خوشبو وہ ہے جس میں رنگ ہو خوشبو نہ ہو۳(ابوداؤد)

۱ ارجوان معرب ہے ارغوان سے۔ارغوان ایک سرخ رنگ کا پھول ہے،اب ہر سرخ رنگ کو ارغوانی کہا جاتا ہے وہ ہی یہاں مراد ہے۔یہ کبھی ریشم کا ہوتا ہے کبھی سوتی،گھوڑے کی کاٹھی پر چھوٹا سا تکیہ رکھ کر سوار ہوتے ہیں۔وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی ہم کبھی سرخ رنگ کا تکیہ کاٹھی پر رکھ کر سواری نہ کریں گے۔معلوم ہوا کہ خالص سرخ کپڑے پر مرد کو بیٹھنا لیٹنا بھی بہتر نہیں۔خصوصًا جب کہ ریشم کا ہو اس لیے علماء کرام مرد کو ریشمی تو شک،گدیلا،بچھانا،ریشمی لحاف اوڑھنا ممنوع قرار دیتے ہیں۔

۲ کفف بنا ہے کفۃ سے بمعنی حصہ اور کنارہ یعنی جس سوتی قمیص کا گریبان دامن کلی وغیرہ ریشم کی ہو وہ ہم نہ پہنیں گے مگر یہ ممانعت جب ہے جب کہ ان کی چوڑائی چار انگل سے زیادہ ہو لہذا یہ حدیث اس حدیث اسماء کے خلاف نہیں کہ انہوں نے ریشمی دامن والی قمیص دکھا کر فرمایا کہ یہ ہے حضور کا جبہ شریف کہ وہاں چار انگل سے کم ریشمی تھا۔

۳ یعنی مسلمان مردوں کو ایسی خوشبو کی اجازت ہے جس کا رنگ کپڑے پر ظاہر نہ ہو مہک ہو جیسے عطر لہذا زعفرانی رنگ کے کپڑے مرد کو منع ہیں کہ اس میں مہک کے ساتھ رنگ بھی ہوتا ہے اور عورتوں کو ایسے کپڑے کی اجازت ہے کہ اس میں رنگت ہو مگر مہک نہ ہو۔عورتوں کو مہک کی ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ وہ خوشبو اجنبی مردوں تک پہنچے،اگر وہ گھر میں عطر لگائیں جس کی خوشبو خاوند یا اولاد ماں باپ تک ہی پہنچے تو حرج نہیں۔بہرحال مرد کے لیے سفید کپڑے بہتر ہیں عورت لیے رنگین کپڑے بہتر۔

	روایت ہے حضرت ابو ریحانہ سے۱ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس چیزوں سے منع فرمایا:دانت پتلے کرانے سے اور گودا کرانے سے سفید بال اکھیڑنے سے اور مرد کو مرد کے ساتھ بغیر کپڑے یوں ہی عورت کو عورت کے ساتھ بغیر کپڑے کے لیٹنے سے۲ اور اس سے کہ مرد اپنے نیچے کپڑے میں ریشم لگائے۳ عجمیوں کی طرح یا اپنے کندھوں پر ریشم لگائے عجمیوں کی طرح۴ اور چیتے کی کھال پر سوار ہونے سے اور

	انگوٹھی پہننے سے سوا حکومت والے کے ۵؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ آپ کا نام عبداللہ ابن شمعون ابن یزید ہے،قرضی کہاجاتاہے مگر ہیں انصاری،چونکہ بنی قریظہ کے حلیف تھے اس لیے قرضی کے نام سے مشہور ہوگئے،آپ کی بیٹی کا نام ریحانہ تھااس لیے ابو ریحانہ کنیت ہوئی،بڑے عابد وزاہد متقی تارک الدنیا صحابی ہیں،شام میں قیام رہا،وہاں ہی وفات پائی۔(مرقات و اکمال)

۲؎ بعض بے وقوف حسن و خوبصورتی کے لیے اپنے چوڑے دانت کسی مشین کے ذریعے پتلے کرالیتے ہیں یہ حرام بھی ہے اور سخت نقصان دہ بھی۔بعض مرد اور عموماً عورتیں اپنی کلائیوں اور رخساروں میں سوئی کے ذریعہ سرمہ وغیرہ بھروالیتے ہیں جسے نیلہ گودنا کہا جاتا ہے یہ بھی سخت ممنوع ہے ،یوں مردوں کا ننگے ہو کر ایک ساتھ سونا اور عورتوں کا برہنہ ایک ساتھ سونا حرام ہے،کپڑے پہنے ہوں تو جائز ہے،اگر خاوند بیوی ننگے ایک بستر میں سوئیں تو ممنوع نہیں جب کہ چادر وغیرہ سے ڈھکے ہوئے ہوں بالکل ننگے رہنا سونا ممنوع ہے اکیلے آدمی کا بھی۔سر یا داڑھی میں سے سفید بال نوچ کر الگ کردینا حسن کے لیے ہو تو ممنوع ہے ۔

۳؎ یعنی جب ریشم کا کپڑا نیچے بھی پہننا حرام ہے جو کسی کو نظر نہیں آتا تو اوپر کا کپڑا ریشمی ہو تو سخت حرام کہ وہ تو نظر بھی آتا ہے یہ حکم مرد کے لیے ہے۔

۴؎ یہ ممانعت جب ہے جب کہ ریشم چار انگل سے زیادہ ہو۔اس سے معلوم ہواکہ عجمی کفار سے مشابہت مسلمانوں کے لیے ممنوع ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ ہندوؤں کی سی دھوتی باندھ کر نماز پڑھنا ممنوع ہے اس کا ماخذ یہ حدیث بھی ہوسکتی ہے۔

۵؎ حکومت سے مراد عام حکومت ہے دینی ہو یا دنیاوی لہذا مفتی قاضی حاکم سب ہی اس میں داخل ہیں کہ مہر والی انگوٹھی پہنیں تاکہ اپنے فتوؤں اور فیصلوں پر اس انگوٹھی سے مہر لگایا کریں مگر وہ بھی چاندی کی ہو سوا چار ماشہ تک۔خلاصہ یہ ہے کہ عام مسلمان مردوں کو انگوٹھی نہ پہننا بہتر،علماء و حکام کو چاندی کی انگوٹھی پہننا بالکل درست۔سونے کی انگوٹھی عورتوں کو حلال ہے مردوں کو حرام۔لوہا،پیتل،تانبہ کی انگوٹھی چھلا مرد وعورت دونوں کو حرام ہے۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی اور قسی کپڑے اور ارغوانی رنگ کے گدیلوں سے منع فرمایا۱؎

۱؎ قسی وہ کپڑا ہے جو شہر قس میں بنایا جاتا ہے،قس مصر کا ایک شہر ہے وہاں یہ ریشمی کپڑا بنتا تھا۔میاثرہ جمع ہے مثیرہ کی۔مثیرہ وہ گدیلہ جو زین پر ڈال کر اس پر سوار ہواجاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت معاویہ سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ تو ریشم پر سوار ہو اور نہ چیتے کی کھال پر ۲؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ معاویہ نام کے بہت صحابہ ہیں مگر جب مطلقًا معاویہ بولا جاوے تو اس سے مراد حضرت امیر معاویہ ابن ابوسفیان ہوتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہیں۔
۲؎ یعنی گھوڑے کی کاٹھی پر ریشمی گدیلہ یا چیتے کی کھال ڈال کر اس پر سوار نہ ہو،درندوں جانوروں کی کھالوں کو پہننے یا بچھانے سے دل میں تکبر پیدا ہوتا ہے جیسے ہرن کی کھال پر بیٹھنے یا اسے پہننے سے نامردی پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔بعض شارحین نے نمار کے معنی کیے ہیں دہاری دار کمبل مگر یہ قوی نہیں کیونکہ دہاری دار کمبل بچھانا ممنوع نہیں،نیز اس کی جمع نور ہے نہ کہ نمار،نیز جامع صغیر کی روایت میں ہے عن جلود النمار یعنی نمار کی کھال سے منع فرمایا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ گدیلے سے منع فرمایا ۱؎(شرح سنہ)	

۱؎ اس کی شرح اور وجہ ابھی گزر گئی کہ گھوڑے کی کاٹھی پر سرخ رنگ کا گدیلہ ڈال کر مرد کو بیٹھنا ممنوع ہے عورت کو جائز مگر یہ ممانعت سرخ لباس پہننے کی ممانعت سے ہلکی ہے کہ اس کا پہننا زیادہ برا ہے۔

روایت ہے حضرت ابو رمثہ تیمی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا آپ پر دو سبز کپڑے تھے ۲؎ اور آپ کے بال تھے جن پر بڑھاپا غالب تھا ۳؎ اور سفید بال سرخ تھے ۴؎(ترمذی)اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ وفرہ والے تھے ۵؎ جن میں مہندی کا اثر تھا ۶؎	

۱؎ آپ کے نام میں اختلاف ہے یا تو رفاعہ ابن یثربی ہے یا عمارہ ابن یثربی،قبیلہ تیم رباب سے ہیں نہ کہ تیم قریش سے،بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ تمیمی ہیں اپنے والد کے ساتھ آئے اور دونوں مسلمان ہوگئے بعد میں کوفہ میں قیام رہا۔(لمعات و مرقات و اشعۃ اللمعات)
۲؎ قمیص اور تہبند شریف یا تو بالکل سبز تھے یا اس میں سبز دہاریاں تھیں پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔جنتیوں کا لباس سبز ہوگا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"عٰلِيَهُمۡ ثِيَابُ سُنۡدُسٍ خُضۡرٌ"۔اس سے معلوم ہوا کہ مرد کو ہرے کپڑے پہننا جائز ہے اگر اس عمل شریف کی اتباع میں ہو تو مستحب ہے۔
۳؎ یعنی سر مبارک میں ایک آدھ بال شریف سفید تھا،شعر کی تنکیر کمی بیان کرنے کے لیے ہے۔حضور اقدس کے سفید بالوں کے متعلق تین روایات ہیں:چودہ بال شریف سفید تھے،سترہ تھے،بیس تھے،ہوسکتا ہے کہ اولًا چودہ بال شریف سفید ہوئے ہوں پھر آخر میں سترہ سر مبارک میں اور تین داڑھی شریف میں کل بیس لہذا تینوں روایات درست ہیں۔

۴؎ اس عبارت کے تین مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ وہ سفید بال مہندی سے سرخ کیے گئے تھے۔دوسرے یہ کہ عطر یا خوشبودار تیل کے رنگ سے سرخ تھے یا یہ کہ وہ خالص سفید نہ تھے بلکہ مائل بہ سرخی تھےجب بال سفید ہونے والا ہوتا ہے تو پہلے سرخ ہوتا ہے پھر سفید یا اولًا جڑ کی طرف سے سفید ہوتا ہے نوک کی طرف سے سرخ۔

۵؎ سر کے بال جو کان کی گدیا تک پہنچیں **وفرہ** کہلاتے ہیں اور جو کان و کندھوں کے درمیان ہوں انہیں **حجہ** کہا جاتا ہےاور اگر کندھوں تک پہنچ جائیں تو **لمہ** ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف کبھی وفرہ ہوتے تھے کبھی حجہ،کبھی لمہ۔کندھوں سے نیچے بال مردوں کے لیے بہتر نہیں۔اس کی تحقیق ان شاءاللہ حلیہ شریف کی احادیث میں ہوگی۔

۶؎ یعنی ان چند سفید بالوں کو مہندی سے سرخ کیا گیا تھا مگر یہ ان کا اپنا خیال ہے۔حق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خضاب نہ لگایا نہ سرخ نہ کسی اور رنگ کا،آپ کے بال شریف خضاب کی حد تک سفید ہوئے ہی نہیں،جب سرکار سر میں تیل ڈالتے تو وہ سفید بال ظاہر ہوتے تھے ورنہ نہیں چند سفید بال ظاہر نہیں ہوا کرتے،ہاں یہ ثابت ہے کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھنڈک کے لیے سر شریف میں مہندی لگائی ہے۔(اشعہ)نیز داڑھی شریف بھی مہندی سے دھوئی ہے یعنی صفائی کے لیے مہندی لگاکر دھو ڈالی ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے ۱؎ تو حضرت اسامہ پر تکیہ لگائے تشریف لائے آپ پر قطری کپڑا تھا ۲؎ جس سے آپ لپٹے ہوئے تھے ۳؎ پھر انہیں نماز پڑھائی ۴؎ (شرح سنہ)	

۱؎ غالبًا مرض وفات مراد ہے جس میں حضور انور کا وصال شریف ہوگیا۔

۲؎ قطری یمنی اعلیٰ درجہ کا کپڑا ہوتا ہےجو سوتی ہوتا ہے مائل بہ سرخی،حاشیہ پر اعلی درجہ کا کام ہوتا ہے۔قطر ایک بستی کانام ہے یمن یا بحرین میں وہاں کا تیارکردہ ہوتاہے جیسے ہمارے ہاں ڈھاکہ کی ململ۔

۳؎ جیسے محرم احرام کی چادر میں لپٹا ہوتا ہے کہ چادر کے دونوں کنارے کندھوں پرپڑے تھے۔**توشح** بنا ہے **وشاح** سے بمعنی کنگن،چونکہ کنگن کلائی سے لپٹ جاتا ہے اس لیے کپڑے میں لپیٹنے کو **توشح** کہتے ہیں۔

۴؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آخری نماز پڑھائی تھی۔اس کا تفصیلی بیان ان شاءاللہ وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں آئے گا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دو قطری موٹے کپڑے تھے اور حضور جب بیٹھتے تو پسینہ آجاتا آپ پر بوجھ کی وجہ سے ۱؎ پھر شام سے فلاں یہودی کا کپڑا آیا ۲؎ میں نے عرض کیا کہ کاش آپ اس کے پاس کسی کو بھیجتے اس سے دو کپڑے روپیہ	

آنے تک خرید لیتے۳؎ چنانچہ حضور نے اس کے پاس بھیجا وہ بولا میں جانتا ہوں کہ آپ کیا چاہتے ہیں آپ چاہتے ہیں کہ میرا مال مار لیں۴؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جھوٹا ہے وہ جانتا ہے کہ میں ان سب میں زیادہ زیادہ پرہیزگار ان سب میں زیادہ امانت کا ادا کرنے والا ہوں ۵؎ (ترمذی،نسائی)	

۱؎ یعنی گرمیوں میں ان کپڑوں میں پسینہ آجاتا تھا۔بعض لوگوں نے ثقلًا ماضی مطلق کا تشبہ پڑھا ہے۔

۲؎ اس یہودی فاجر کا نام نہ معلوم ہوسکا۔بز کہتے ہیں بغیر سلے کپڑے کو اور کپڑے کے تاجر کو بزاز کہا جاتا ہے۔بعض نے بز اور خز میں فرق کہا ہے سوتی کپڑا بز اور ریشمی کپڑا خز۔(مرقات)کپڑا آنے سے مراد ہے لوگ کپڑا لے کر آئے اس یہودی کے پاس۔

۳؎ یعنی اس وقت حضور کے پاس روپیہ نہیں ہے ادھار خرید لیں،اس سے وعدہ فرمالیں کہ فلاں تاریخ فلاں دن تک تم کو رقم دے دی جائے گی۔خیال رہے کہ ادھار خریداری میں وقت ادا معلوم ہونا ضروری ہے،یہ کہنا کہ جب روپیہ آئے گا تب قیمت دے دیں گے ناجائز ہے،یہ ہی حال پہلے حکم میں ہے کہ وہاں قیمت نقد ہوتی ہے چیز ادھار وہاں ادائیگی کا وقت مقرر ہونا ضروری ہے۔

۴؎ یعنی اس یہودی تاجر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد سے جو آپ کی طرف سے کپڑا خریدنے گیا تھا یہ گستاخی کا جواب کہلا کر بھیجا کہ آپ قیمت ادا نہ کریں گے یوں ہی میرا مال لے لیں گے حالانکہ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ وقت پر قیمت وصول ہوجائے گی۔

۵؎ یعنی اس یہودی نے توریت شریف میں میرا سب سے زیادہ پرہیزگار بڑا امانت دار ہونا پڑھا ہے وہ منہ سے ایسی بکواس کررہا ہے جو اس کی توریت کی آیات کی خلاف ہے حضور کو تو مشرکین عرب بھی صادق الوعدہ اور امین کہہ کر پکارتے تھے،انہیں تو رب تعالٰی نے اپنا امین بناکر دنیا میں بھیجا ان جیسا امین نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔صلی اللہ علیہ وسلم۔غالبًا اس نے کپڑا دیا نہیں۔اللہ اکبر! آج ہم ان کے نام پر پلنے والے ململ،لٹھے،بوسکی پہنیں اور وہ خود باریک کپڑا منگائیں تو یہود نابہبود انکار کردے۔اللہ کی شان ہے۔شعر

بوریا ممنوں خواب راحتش تاج کسرٰی زیر پائے امتش

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا اور مجھ پر کسم میں رنگے ہوئے گلابی کپڑے تھے ۱؎ تو فرمایا یہ کیا میں پہچان گیا کہ حضور نے ناپسند فرمایا ۲؎ تو میں چلا اسے میں نے جلاد دیا ۳؎ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اپنے کپڑے کا کیا کیا کہا کہ میں نے	

	اسے جلادیا فرمایا تم نے وہ کپڑا اپنی کسی گھر والی کو کیوں نہ پہنادیااس میں عورتوں کے لیے حرج نہیں۴؎(ابوداؤد)

۱؎ حالانکہ مرد کو گلابی کپڑے پہننے ممنوع ہیں میں نے بے خبری میں پہن لیے تھے۔
۲؎کیونکہ حضور انور کا یہ کیا فرمانا سوال کے لیے نہیں بلکہ اظہار تعجب اور انکار کے لیے ہے کہ تم نے میرے صحابی ہوکر یہ کیاکیا،گلابی سرخ کپڑے کیوں پہن لیے۔
۳؎یہ ہے صحابہ کرام کا عشق رسول اوراس عشق کا جذبہ جس کپڑے سے اپنا پیارا ناراض ہو وہ اپنے گھر میں بھی نہ رکھا چہ جائیکہ بدن پر رکھتے،یہ نہ غور کیا کہ یہ مال کا برباد کرنا ہےاسراف یا تبذیر ہے،یہ تو وہ سوچے جو عقل کو حاکم بنائےعشق آیا عقل رخصت ہوگئی۔شعر

اس میں روضہ کا سجدہ ہو کہ طواف ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے

۴؎خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام پر انہیں عتاب نہ فرمایامعذور رکھاآئندہ کے لیے مسئلہ بتادیا کہ عورتوں کو سرخ و گلابی رنگ کے کپڑے پہننا بالکل جائز ہےمردوں کو ممنوع ہیں،اس کی بحث پہلے ہوچکی ہے۔

	روایت ہے حضرت ہلال ابن عامر سے وہ اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منٰی میں اپنے خچر پر خطبہ دیتے دیکھا آپ پر سرخ چادر تھی ۱؎اور علی آپ کے سامنے تھے آپ سے لوگوں کو پہنچانتے تھے۲؎(ابوداؤد)

۱؎ ان جیسی تمام روایات میں سرخ سے مراد لال دھاری دار کپڑے ہیں خالص سرخ مراد نہیں ہوتالہذا یہ حدیث سرخ لباس کی ممانعت کی احادیث کے خلاف نہیں تمام محدثین کا اتفاق ہے۔
۲؎یعنی مجمع و ہجوم بہت تھاحضور کی آواز سب تک پہنچ نہیں سکتی اس لیے حضرت علی حضور سے کچھ دور کھڑے حضور کے فرمان عالی بلند آواز سے لوگوں تک پہنچارہے تھے۔یہاں **یعبر** سے مراد ترجمہ کرنا نہیں مگر اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ حضور انور کی آواز تو سب تک بطور معجزہ پہنچ رہی تھی حضرت علی مطلب سمجھارہے تھے،یہ معنی **یعبر** کی لیے بہت ہی موزوں ہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کالی چادر تیار کی گئی حضور نے وہ پہن لی تو جب اس میں پسینہ آیا اس سے اون کی بو محسوس کی تو اسے الگ فرمایا۱؎(ابوداؤد)

۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بدبو بہت ہی ناپسند تھی کپڑے کی ہو یا منہ کی یا بغل یا کسی اور چیز کی،طبیعت پاک بہت ہی طیب وطاہر و لطیف تھی اس لیے گرمی میں حضور نے یہ اونی چادر علیحدہ کردی۔حجاج کو چاہیے کہ روضہ اطہر کی

حضوری کے وقت معطر ہوکر حاضر ہوا کریں،بدبو دار کپڑے یا بدبودار منہ سے مسجدوں میں نہ جایا کریں عموماً خوشبو کا استعمال کریں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ایک چادر سے لپٹے ہوئے تھے ۱؎ جس کا پھندنا آپ کے قدموں پر پڑا تھا ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ شملہ وہ کپڑا ہے جس پر انسان مشتمل ہو لپٹا ہوا ہو خواہ چادر ہو یا کمبل۔محتب بنا ہے احتباء سے جس کے معنی ہیں اکڑوں بیٹھنا یعنی حضور انور اکڑوں بیٹھے ہوئے چادر شریف سے لپٹے ہوئے تھے۔حضرات صحابہ کرام حضور کی ہر وضع قطع کی روایت فرماتے ہیں تاکہ انکی ہر کیفیت مسلمانوں کے ذہن نشین ہوجائے،محبوب کی ہر ادا ہی محبوب ہے۔

۲؎ اب بھی اہل عرب یا تو کسی چیز سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہیں،اگر ٹیک کا سہارا نہ ملے تو اپنے ارد گرد چادر لپیٹ کر اس سے ٹیک کا کام لیتے ہیں اس وقت حضور کی یہ وضع تھی۔

	روایت ہے حضرت دحیہ ابن خلیفہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قباطی کپڑے لائے گئے ۲؎ تو حضور نے مجھے اس میں سے ایک قبطی عطا فرمایا پھر فرمایا اس کے دو ٹکڑے کرلو ان میں سے ایک کی قمیض کٹوا لو اور دوسرا اپنی بیوی کو دے دو وہ اس کا دوپٹہ بنالیں ۳؎ پھر جب انہوں نے پیٹھ پھیری تو فرمایا اپنی بیوی سے کہہ دو کہ اس کے نیچے اور کپڑا رکھیں جو ظاہر نہ ہونے دے ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ وہ ہی دحیہ کلبی مشہور صحابی ہیں جن کی شکل میں اکثر حضرت جبریل امین آیا کرتے تھے،انہی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ چھ ہجری میں قیصر روم کی تبلیغ کے لیے بھیجا تھا،احد اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے،شام میں قیام رکھا،حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی،دحیہ دال کے کسرہ سے ہے۔

۲؎ قباطی جمع ہے قبطیة کی۔یہ ایک خاص قسم کے کپڑے کا نام ہے جو باریک سفید ہوتا ہے،مصر میں بنتا ہے اگرچہ قبط قاف کے کسرہ سے ہے مگر قبطی کپڑاق کے پیش سے ہے۔غالبًا کہیں سے ہدیۃً آئے تھے خریدے نہ گئے تھے۔

۳؎ معلوم ہوا کہ یہ کپڑے ریشمی نہ تھے سوتی تھے ورنہ مرد کو اس کا پہننا حلال نہ ہوتا۔

۴؎ معلوم ہوا کہ اس زمانہ شریف میں بھی ایسے باریک کپڑے ایجاد ہوگئے تھے جن سے ستر حاصل نہ ہوسکتا تھا۔اس فرمان عالی سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ عورت کو باریک کپڑے کا دوپٹہ اوڑھنا درست ہے۔دوسرے یہ کہ

ایسے باریک کپڑے کے نیچے کوئی موٹا کپڑا ضرور سر پر رکھے تاکہ بال و سر ظاہر نہ ہوں ورنہ نماز درست نہ ہوگی اور بے پردگی بھی ہوگی،خاوند کے سامنے تنہائی میں ویسے بھی اوڑھ سکتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے حالانکہ دوپٹہ اوڑھ رہی تھیں تو فرمایا ایک پیچ دو نہ کہ دو پیچ ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی اے ام سلمہ دوپٹہ اس طرح اوڑھو کہ سر سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک کا حصہ ڈھک جاوے مگر صرف ایک پیچ سے ڈھکے دو پیچ نہ پھیرو تاکہ مردوں کے عمامہ کے مشابہ نہ ہوجائے اور زیادہ بڑا دوپٹہ نہ اوڑھنا پڑے کہ اس میں اسراف ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ بلاضرورت بہت دراز کپڑا پہننا ممنوع ہے،یونہی مردوں کو عورتوں کے مشابہ اور عورتوں کو مردوں کے مشابہ کپڑا پہننا بھی ممنوع،عورتیں مرد لباس وضع قطع میں ممتاز چاہئیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرا حالانکہ میرے تہبند میں درازی تھی ۱؎ تو فرمایا اپنا تہبند اونچا کرو میں نے اونچا کرلیا فرمایا اور زیادہ میں نے اور زیادہ کرلیا ۲؎ پھر میں اس کا خیال رکھتا رہا ۳؎ تو بعض قوم نے کہا کہ کہاں تک رہے فرمایا کہ آدھی پنڈلیوں تک ۴؎(مسلم)

۱؎ اس طرح کہ ٹخنوں سے نیچے لٹکا ہوا تھا جو کہ مرد کے لیے منع ہے۔

۲؎ حتی کہ آدھی پنڈلی تک اٹھ گیا جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۳؎ یعنی اس فرمان عالی کے بعد میں نے جب بھی تہبند باندھا آدھی پنڈلی تک باندھا۔

۴؎ یہ حدیث بہت طریقہ سے مروی ہے۔بہتر یہ ہی ہے کہ مرد آدھی پنڈلی تک تہبند رکھے اگرچہ ٹخنوں کے اوپر تک بھی جائز ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی اپنا کپڑا تکبرًا نیچا رکھے ۱؎ تو قیامت کے دن اللہ اس کیطرف نظر نہ فرمائے گا ۲؎ حضرت ابوبکر نے عرض کیا یارسول اللہ میرا تہبند لٹک جاتا ہے ۳؎ مگر یہ کہ اس کا بہت ہی خیال رکھوں ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان لوگوں سے نہیں جو یہ

	کام تکبرًا کریں ۴؎(بخاری)

۱؎ کپڑے سے مراد تہبند یا پائجامہ ہے اور نیچے سے مراد ٹخنوں کے نیچے ہے۔تکبرًا فرما کر اشارہ کیا گیا کہ فیشن یا فخر کے لیے یہ حرکت مکروہ تحریمی ہے،بے خیالی میں نیچے ہوجانا اتنا سخت ممنوع نہیں جیساکہ آئندہ مضمون سے معلوم ہورہا ہے۔غرضیکہ ان قیود سے بہت مسائل معلوم ہوئے۔

۲؎ یعنی نظر رحمت،نظر کرم و عنایت نہ فرمائے گا۔اس کی شرح پہلے ہوچکی۔

۳؎ یعنی میں خود تو نہیں لٹکاتا بلکہ تہبند خود ہی لٹک جاتا ہے شکم کسی قدر بھاری ہے اس لیے پیٹ سے سرک جاتا ہے نہ ارادہ ہے نہ غرور۔

۴؎ یعنی ہم نے تکبروغرور سے تہبند نیچا رکھنے سے ممانعت کی ہے تم کو غرور سے دور کا بھی تعلق نہیں اور پھر قصدًا لٹکاتے بھی نہیں لہذا تم اس حکم کی زد میں نہیں آتے۔

	روایت ہے حضرت عکرمہ سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے جناب ابن عباس کو دیکھا کہ وہ تہبند باندھتے تو اپنے تہبند کا اگلا کنارہ اپنے قدم کی پشت پر ڈالتے ۲؎ اور اس کے پیچھے سے اٹھاتے میں نے عرض کیا کہ آپ اس طرح کیوں تہبند باندھتے ہیں فرمایا اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو یوں ہی ازار پہنتے دیکھا ۳؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ عکرمہ ابن ابوجہل نہیں ہیں وہ تو صحابی ہیں بلکہ آپ عکرمہ تابعی ہیں،حضرت ابن عباس کے کاتب اور آزاد کردہ غلام،فقہاء مکہ معظّمہ سے ہیں،اسّی سال عمر پائی، ۱۰۷ھ ایک سو سات میں وفات پائی۔

۲؎ تہبند باندھنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہوتا ہے کہ اگلے حصہ کا کنارہ زیادہ نیچا ہو حتی کہ قدم پر پڑ جائے اور پچھلا حصہ اونچا ہواس میں پچھلے حصہ کا اعتبار ہے۔

۳؎ اس طرح تہبند باندھنا حضور سے کبھی کبھی ثابت ہوا ہے۔اس سے صرف حضرت ابن عباس ہی کو اطلاع ہوئی اور صحابی سے یہ عمل ثابت نہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبادہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم عمامے اختیارکرو ۱؎ کیونکہ یہ فرشتوں کی علامت ہے ۲؎ اور انہیں اپنی پیٹھوں کے پیچھے لٹکاؤ ۳؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎ ہمیشہ یا نماز کے وقت عمامہ باندھا کرو۔عمامہ کے ساتھ ایک نماز بغیر عمامہ کی ستر نمازوں سے افضل ہے مگر عمامہ سنت کے مطابق چاہیے کہ ٹوپی پر باندھا جائے مع شملہ کے ہو،عام دنوں میں سات ہاتھ ہو جو جمعہ کی نماز میں بارہ ہاتھ،شملہ آدھی پیٹھ تک ہو سفید ہو یا سیاہ مگر سرخ رنگ کا نہ ہو۔عمامہ کے تفصیلی مسائل عالمگیری وغیرہ میں ملاحظہ کرو۔

۲؎ یا تو فرشتے رحمت کے نوری عمامہ باندھتے ہیں جو ان کی شان کے لائق ہے یا جب شکل انسانی میں آتے ہیں تو عمامہ باندھ کر آتے ہیں۔چنانچہ بدر میں جب غازیوں کی امداد کے لیے آئے تو عمامہ باندھتے تھے،قرآن کریم فرماتاہے:"یُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِیۡنَ"۔ان کی نشانیاں عمامے تھے،ان کے رنگ زرد تھے،شملے کندھوں پر پڑے تھے۔(مرقات)

۳؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شملہ پشت کے پیچھے لٹکاتے تھے کبھی داہنی جانب سینہ پر بھی ہوتا تھا،دونوں طریقے سنت ہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ جناب اسماء بنت ابوبکر صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں ۱؎ ان پر باریک کپڑے تھے ۲؎ حضور نے ان سے منہ پھیر لیا ۳؎ اور فرمایا اے اسماء عورت جب بلوغ کو پہنچ جائے ۴؎ تو جائز نہیں کہ اس کا کوئی حصہ دیکھا جائے سوائے اس کے اور اس کے اور اشارہ فرمایا اپنے چہرے اور ہاتھوں کی طرف ۵؎ (ابوداؤد)

۱؎ حضرت اسماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی ہیں یعنی عائشہ صدیقہ کی بہن،حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں،یہ واقعہ پردہ فرض ہونے سے پہلے کا ہے۔(مرقات)

۲؎ ان کی قمیض بھی باریک کپڑے کی تھی جس سے بازو وغیرہ نظر آتے تھے اور دوپٹہ بھی باریک تھا جس سے سر کے بال چمک رہے تھے۔معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں بھی باریک کپڑے ایجاد ہوچکے تھے اب تو بہت ہی برا حال ہے۔

۳؎ یہ منہ پھیر لینا یاتو اظہار ناراضی کے لیے تھا یا نگاہ پاک کی حفاظت کے لیے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول احکام سے پہلے بھی احکام پر عامل تھے۔

۴؎ اس طرح کہ قریب بلوغ ہوجائے مراہقہ،مراہقہ ہونے کی عمریں مختلف ہیں۔تندرست لڑکیاں جلد اور کمزور لڑکیاں دیر سے اس حد کو پہنچتی ہیں اس لیے لڑکی کے بلوغ کی عمر نو برس سے پندرہ برس تک کی عمر ہے اور لڑکے کے لیے بارہ برس سے پندرہ برس تک،جیسی تندرستی و صحت ویسے ہی بلوغ۔خیال رہے کہ **محیض** کے معنی ہیں حیض مگر اس سے مراد ہے بلوغ کیونکہ لڑکی کا بلوغ اکثر اس سے ظاہر ہوتا ہے اگرچہ زیر ناف بال اور حمل بھی بلوغ کی علامت ہے،پستان کا ابھار اس کی خاص علامت نہیں۔

۵؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اگر باریک کپڑے میں سے جسم نظر آرہا ہو تو وہ ننگے جسم کے حکم میں ہے اس کو پہن کر نماز نہ ہوگی۔دوسرے یہ کہ عورت کے ہاتھ کلائیوں تک اور چہرہ ستر نہیں مگر اب اجنبی کو اس کا دیکھنا حرام ہے،یہ فرمان عالی پردہ فرض ہونے سے پہلے کا ہے۔

روایت ہے حضرت ابو مطر سے۱؎ فرماتے ہیں کہ جناب علی نے ایک کپڑا تین درہم(بارہ آنہ)کا خریدا پھر جب اسے پہنا تو فرمایا اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے زینت کے لباس میں سے وہ عطا فرمایا جس سے میں لوگوں میں زینت حاصل کروں۲؎ اور اس سے اپنا ستر ڈھانپوں پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو اسی طرح کہتے سنا ۳؎(احمد)	

۱؎ ابو مطر تابعی ہیں مگر ان کا نام وحالات معلوم نہ ہوسکے۔تقریب میں فرمایا کہ آپ کی ملاقات حضرت علی سے ثابت نہیں لہذا یہ حدیث منقطع ہے یعنی درمیان سے ایک راوی چھوٹ گیا ہے،حجاج ابن ارطات نے کہا کہ آپ ثقہ ہیں۔

۲؎ ریش کے لغوی معنی ہیں چڑیا کے،چونکہ پر اس کے لیے زینت ہیں اس لیے اب بمعنی زینت آتا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"یُوٰرِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ وَرِیۡشًا"یہ ہے امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا شکر کہ صرف تین درہم یعنی بارہ تیرہ آنے کا معمولی لباس پہن کر ایسا شکریہ ادا کررہے ہیں۔

۳؎ اسی سنت پرعمل کرتے ہوئے میں بھی یہ کہتا ہوں مسلمان کو چاہیے کہ اللہ تعالٰی کی ہر نعمت پر شکریہ اداکرے اعلٰی ہو یا معمولی۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے نیا کپڑا پہنا تو فرمایا شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھے وہ پہنایا جس سے میں اپنا ستر ڈھانپوں اور اس سے اپنی زندگی میں زینت حاصل کروں پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو کوئی نیا لباس پہنے پھر کہے شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھے وہ پہنایا جس سے میں اپنا ستر چھپالوں اور اپنی زندگی میں اس سے زینت حاصل کروں۲؎ پھر پرانے کپڑے کی طرف توجہ کرے اسے خیرات دے۳؎ تو وہ اللہ کی پناہ اور اللہ کی حفاظت اور اللہ کی پردہ پوشی میں ہوگا جیتے مرتے۴؎(احمد،ترمذی،ابن ماجہ،) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ آپ کا نام سعد ابن حنیف ہے،انصاری اوسی ہیں،اپنی کنیت میں مشہور ہوئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو سال پہلے پیدا ہوئے اس لیے آپ کو تابعین میں سے مانا گیا۔ ۱۰۰ھ میں وفات پائی،بانوے سال عمر پائی مدینہ منورہ کے علماء سے تھے رضی اللہ عنہ۔

۲؎ یعنی لباس میں بہت سی خوبیاں ہیں ستر پوشی،زینت،سردی گرمی سے بچاؤ،نماز کی ادائیگی لہذا یہ عظیم الشان نعمتوں سے ہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ نیا کپڑا،نیا جوتا،نئ ٹوپی۔غرضکہ نیا لباس ملنے پر پرانا خیرات کردینا بہت ہی ثواب کا باعث ہے،پرانی چیز کو یوں پھینک کر برباد نہ کردے کسی غریب کو دیدے اس کے کام آجائے گی مگر ہمیشہ پرانی ہی چیز خیرات نہ کرے کبھی نئ اور دل پسند چیز بھی خیرات کرے"لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ "اور پرانا کپڑا ہمیشہ خیرات ہی نہ کردے کبھی خود بھی پہنے لہذا یہ حدیث نہ تو اس آیت مذکورہ کے خلاف ہے اور نہ اس حدیث عائشہ صدیقہ کے،بغیر پیوند لگے کپڑے کو پرانا نہ سمجھو کہ یہاں سخاوت کی تعلیم ہے وہاں تواضع کی۔

۴؎ سبحان اللہ! یہ رب تعالٰی کا کرم و بندہ نوازی ہے کہ ہم معمولی پھٹے پرانے کپڑے خیرات کریں اور وہ اس کی ایسی بہترین جزائیں عطا فرمائے۔جب پھٹے پرانے کپڑوں کی خیرات پر یہ ثواب ہے تو نئے کپڑوں کی خیرات پر کتنا ثواب ہوگا۔جیتے مرتے پردہ پوشی کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالٰی اسے زندگی میں اور بعد موت رسوا نہ ہونے دے گا،اس کے عیب چھپا بھی لے گا بخش بھی دے گا۔

	روایت ہے حضرت علقمہ ابن ابی علقمہ سے ۱؎ وہ اپنی والدہ سے روایت فرماتی ہیں کہ حفصہ بنت عبدالرحمٰن ۲؎ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں حالانکہ ان پر باریک دوپٹہ تھا تو حضرت عائشہ نے اسے پھاڑ دیا ۳؎ اور انہیں موٹا دوپٹہ اوڑھا دیا ۴؎(مالک)

۱؎ یہ علقمہ ابن قیس نہیں جوکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود کے خاص ساتھیوں میں سے ہیں بلکہ علقمہ ابن ابوعلقمہ ہیں،ان کے باپ کا نام بلال ہے،حضرت عائشہ صدیقہ کے آزاد کردہ غلام،کنیت ابوعلقمہ،آپ خود بھی تابعی ہیں اور ان کے والد ابو علقمہ بھی تابعی،ان کی ماں کا نام معلوم نہ ہوسکا۔

۲؎ یہ عبدالرحمٰن ابن ابوبکر صدیق ہیں اور یہ حفصہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کی بھتیجی ہیں اور منذر ابن زبیر ابن عوام کی بیوی ۔

۳؎ یعنی اس دوپٹہ کو پھاڑکر دو رومال بنادیئے تاکہ اوڑھنے کے قابل نہ رہے رومال کے کام آوے لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ آپ نے یہ مال ضائع کیوں فرمادیا۔

۴؎ یہ ہے عملی تبلیغ اور بچیوں کی صحیح تربیت و تعلیم۔اس دوپٹہ سے سر کے بال چمک رہے تھے ستر حاصل نہ تھا اس لیے یہ عمل فرمایا۔

روایت ہے حضرت عبدالواحد ابن ایمن سے ۱؎ وہ اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں کہ میں جناب عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا ان پر قطری قمیض تھی پانچ درہم والی ۲؎ آپ بولیں تم اپنی نظر اس میری لڑکی کی طرف تو اٹھاؤ اسے دیکھو کہ یہ اس کو گھر میں پہننے سے نفرت کرتی ہے ۳؎ اور اس کپڑے کی ایک قمیض میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں تھی تو مدینہ میں کوئی لڑی دلہن نہ بنائی جاتی تھی مگر وہ میرے پاس بھیج کر مجھ سے منگالیتی تھی ۴؎ (بخاری)	

۱؎ آپ تابعین سے ہیں،آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے،قاسم ابن عبدالواحد کے والد ہیں،قبیلہ بنی مخزوم سے ہیں،آپ نے بہت تابعین سے روایات لیں،آپ کے والد ایمن بھی تابعی ہیں،ابن ابی عمرو کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

۲؎ پہلے عرض کیا گیا کہ قطری مصری کپڑے کا نام تھا۔

۳؎ یعنی یہ لڑکی لونڈی ہونے کے باوجود اسے گھر میں نہیں پہنتی اس سے نفرت کرتی ہے اس میں اپنی ذلت سمجھتی ہے ۔

۴؎ یعنی زمانہ اس قدر بدل چکا کہ چند سال پہلے یہ کپڑا نئی دلہنوں کو رخصت کرتے وقت پہنایا جاتا تھا اور اب لونڈیاں روزانہ کے کام کاج کے وقت بھی اسے گھر میں نہیں پہنتیں۔اس سے معلوم ہوا کہ دلہن کے لیے کپڑے عاریۃً مانگ لینا جائز ہے۔بخاری،احمد،نسائی نے حضرت انس سے مرفوعًا روایت فرمایا کہ ہر اگلا دن پچھلے دن سے اور اگلا سال پچھلے سال سے بدتر آوے گا،اس کی وجہ ظاہر ہے کہ زمانہ کو جس قدر نور نبوت سے دوری ہوگی اسی قدر تکلف بڑھیں گے نورانیت گھٹے گی۔(مرقات)اللہ تعالٰی حسن خاتمہ نصیب فرماوے،دنیاوی تکلفات سے بچائے۔جب اس زمانہ میں ہی اس قدر فرق ہوچکا تھا تو اب اس زمانہ کا کیا پوچھنا ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیباج کی قبا پہنی جو آپ کو ہدیۃً پیش کی گئی تھی ۱؎ پھر جلد ہی اسے اتار دیا پھر وہ جناب عمر کے پاس بھیج دی کہا گیا یارسول اللہ کس قدر جلد حضور نے اتار دیا تو فرمایا کہ مجھے اس سے جبریل نے منع کردیا ۲؎ تب حضرت عمر روتے ہوئے حاضر ہوئے عرض کی یارسول اللہ ایک چیز حضور نے ناپسند کی اور مجھے عطا فرمائی ۳؎ تو میرا کیا حال ہے فرمایا ہم نے تم کو اس لیے نہ دیا کہ تم اسے پہنو اس لیے دیا کہ	

	اسے بیچ لو تو حضرت عمر نے وہ دو ہزار درہم میں بیچا ۴؎(مسلم)

۱؎ اس وقت ریشم مردوں کے لیے ممنوع نہ ہوا تھا اورپہن لینے سے ہدیہ لانے والے کا دل خوش ہوتا اس لیے حضور انور نے پہن لیا۔

۲؎یہ میرے پہنتے ہی جبریل امین رب العالمین کی طرف سے اس کے حرام ہونے کا حکم لے آئے اور اب سے مردوں کو ریشم پہننا حرام کردیا گیا،یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھاحضرت جبریل نے بتایا،نہ یہ مطلب ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حضور پر حرام فرمادیالہٰذا حدیث واضح ہے۔

۳؎یعنی کیا میں حضور کی نظر میں مسلمان نہیں ہوں اس لیے حضور نے مجھے وہ لباس عطا فرمایا جو مسلمان کو پہننا ممنوع ہے۔یہ حضرت عمر کا انتہائی خوفِ الٰہی ہے۔

۴؎نہ تو حضور انور نے خود فروخت کرکے اس کی قیمت استعمال فرمائی نہ حضرت عمر کو یہ حکم دیا کہ یہ کپڑا پنی عورتوں کو پہنادوبلکہ حکم دیا کہ اسے فروخت کرکے اس کی قیمت اپنے کام میں لاؤکیونکہ یہ کپڑا بہت ہی قیمتی تھا اور جناب عمر کو اس وقت پیسہ کی ضرورت تھی حضور کی کرم نوازی بندہ پروری کی نظر ہر خادم پر رہتی تھی،حضور تو اب بھی ہم غلاموں پر نظر پرورش رکھتے ہیں ہماری ضروریات پوری فرماتے ہیں باذن اللہ۔معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی بڑے قیمتی کپڑے تیار ہونے لگے تھے کہ ایک قبا کی قیمت دو ہزار درہم یعنی پانچ سو روپیہ تھی کیا شاندار کپڑا ہوگا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کپڑے سے منع فرمایا جو خالص ریشمی ہو۱؎لیکن نشان۲؎اور کپڑے کا تانا اس میں حرج نہیں۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ اس طرح کہ اس کا تانا بانا دونوں ریشم کا ہو۔**مصمت** کے لغوی معنی ہیں ٹھوس اس کا مقابل ہے کھکل مگر اصطلاح میں خالص کو **مصمت** کہا جاتا ہےوہ ہی یہاں مراد ہے۔ریشم سے مراد اصل یعنی کیڑے کا ریشم کیونکہ سن کا ریشم اور دریائی ریشم مرد کو حلال ہے کہ وہ ریشم نہیں ہے۔ریشم اصل کی پہچان یہ ہے کہ اس کو جلاؤ تو اس سے گوشت کے جلنے کی سی بو آتی ہے۔

۲؎یعنی سوتی کپڑے پر نمبر یا کارخانہ کا نام یا کوئی علامت یوں ہی بیل بوٹا اگر ریشم کا ہو تو جائز ہےبشرطیکہ چار انگل سے زائد نہ ہو۔

۳؎اس طرح کہ کپڑا کا بانا سوت یا اون کا ہو اور تانا ریشم کا تو مرد کے لیے حلال ہے کیونکہ کپڑا تانے بانے ہی کا نام ہے وہ ہی بنا جاتا ہے،لمبا تار تانا کہلاتا ہے،چوڑائی والا تار جو بناجاتا ہے اسے بانا کہتے ہیں،بانے کا اعتبار ہے تانے کا نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو رجاء سے۱؎فرماتے ہیں کہ ہمارے

پاس عمران ابن حصین تشریف لائے حالانکہ آپ پر ریشمی نقشینی چادر تھی ۲؎ اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس پر اللہ انعام کرے تو اللہ پسند کرتا ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے پر دیکھا جائے ۳؎ (احمد)	

۱؎ آپ کا نام عمران ابن تمیم ہے، عطاروی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں ایمان لائے مگر دیدار نہ کرسکے اس لیے تابعی ہیں۔ حضرت عمرو علی وغیرہم بہت صحابہ سے ملاقات کی، بہت عمر رسیدہ ہوئے تبحر عالم تھے، ۱۰۷ھ ایک سو سات میں وفات پائی۔

۲؎ **مطرف** بروزن **مکرم** بنا ہے **طرف** سے بمعنی کنارہ۔ **مطرف** وہ چادر کہلاتی ہے جس کے حاشیوں پر نقش و نگار بیل بوٹے ہوں، نیز وہ چادر بھی مطرف ہے جو ریشم و سوت مخلوط سے بنی جاوے، یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یا تو سوتی یا اونی چادر تھی جس کے چوطرفہ حاشیوں پر ریشمی نقش و نگار بیل بوٹے تھے چار انگل یعنی ہماری ایک بالشت سے کم چوڑے یا وہ چادر اون و ریشم سے مخلوط تھی کہ تانا ریشم کا تھا بانا اون یا سوتی۔ (مرقات) غرضیکہ بہت قیمتی چادر تھی۔

۳؎ یعنی میں نے ایسی قیمتی چادر شال اس لیے پہنی ہے کہ مجھے اللہ نے بہت دولت دی ہے تو اسے ظاہر کرتا ہوں شکریہ کے لیے۔

لطیفہ: منہاج العابدین میں ہے کہ فرقد سنجی ایک موٹا کمبل پہنے ہوئے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، آپ نہایت ہی شاندار جوڑا پہنے ہوئے تھے تو فرقد بطور اعتراض آپ کے کپڑے ٹٹولنے لگا، امام حسن نے فرمایا کیا دیکھتا ہے میرے کپڑے جنتیوں کے سے ہیں تیرے کپڑے دوزخیوں کے سے ہیں، مجھے حدیث پہنچی ہے کہ اکثر دوزخیوں کو موٹے کمبل پہنائے جائیں گے پھر فرمایا لوگوں کا کیا حال ہے کہ ان کے کپڑوں میں زہد ہے دلوں میں تکبر۔ (مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرمایا جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو ۱؎ جب کہ دو چیزیں تم سے الگ رہیں فضول خرچی ۲؎ اور تکبر۔ (بخاری ترجمہ باب)	

۱؎ یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ مباح کھانا کھاؤ اور بڑھیا سے بڑھیا مباح لباس پہنو، اللہ نے اعلیٰ لباس اور اللہ نے کھانے تمہارے ہی لیے بنائے ہیں، حلال کھانے چھوڑنے کا نام تقویٰ نہیں حرام خصلتیں چھوڑنے کا نام تقویٰ ہے۔ بعض لوگ گوشت نہیں کھاتے مگر بھنگ چرس پینے میں نماز کے قریب نہیں آتے اور اپنے کو پہنچا ہوا کہتے ہیں، واقعی وہ شیطان تک پہنچے ہیں۔

۲؎ کھانے پینے کی مقدار میں حد سے بڑھ جانا اسراف و فضول خرچی ہے۔ کیفیت میں حد سے بڑھ جانا مخیلہ یا تکبر ہے اسی لیے علماء فرماتے ہیں **لاخیر فی اسرف اور لا اسرف فی الخیر** یعنی اسراف میں بھلائی نہیں اور بھلائی میں

اسراف نہیں۔بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دل و نفس کی ہر خواہش پوری کرنا اسراف ہے کہ جو دل چاہے وہ ہی کھائے پیئے اور فخر کی نیت سے اچھے کھانا مخیلہ ہے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کھاؤ پیو اور خیرات کرو اور پہنو کہ جب تک فضول خرچی اور تکبر نہ ملے[1] (احمد،نسائی،ابن ماجہ)

[1] اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے کہ ہر طیب و حلال چیز کھاؤ پہنو بشرطیکہ تکلف اور تکبر سے خالی ہو،دل ٹھیک رکھو۔

مصرعہ درویش صفت باش کلاہ تتری دار

	روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین وہ لباس جس میں تم اپنی قبروں اور اپنی مسجدوں میں اللہ سے ملو سفید کپڑے میں[1](ابن ماجہ)

[1] یعنی مسجدوں میں نماز کے لیے سفید کپڑے پہن کرآؤ اور قبروں میں سفید کفن لے کر جاؤ کہ رب تعالٰی سفید لباس پسند فرماتا ہے۔مؤمن مر کر اللہ تعالٰی سے ملاقات کرتا ہے تو چاہیے کہ سفید کفن میں ملاقات کرے۔(مرقات)نیز مرتے ہی حضور کا دیدار بھی ہوتا ہے دوسرے مسلمانوں کی ملاقاتیں بھی،تو چاہیے کہ یہ سب کچھ سفید کفن میں ہو اسی لیے کفن میں خوشبو ملتے ہیں کہ مدینہ کے دولہا سے مہکتے ہوئے ملاقات ہو۔بعض لوگ شب کو وضو کرکے خوشبو مل کر سوتے ہیں کہ دیدار یار خواب میں نصیب ہو تو اچھی حالت میں ہو۔

باب الخاتم

انگوٹھی کا بیان1

الفصل الاول

پہلی فصل

1خاتم ت کے فتحہ سے صفت مشبہ یا آلہ ہے ختم سے بمعنی مہر،چونکہ انگوٹھی کے نگینہ میں اپنا نام ہوتا ہے جس سے مہر لگائی جاتی ہےاس لیے انگوٹھی کو خاتم کہتے ہیں یعنی مہر لگانے کا آلہ یا مہر لگانے والی چیز،تمام ہوجانے کو ختم کہتے ہیں کیونکہ اس وقت مہر لگتی ہے۔خاتم النبیین کے معنی ہیں آخری نبی کہ آپ کی آمد سے نبوت پر مہر لگ گئی اب کوئی نبی نہیں آسکتا حضرت مسیح پہلے کے نبی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی1اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اپنے داہنے ہاتھ میں پہنی2پھر اسے علیحدہ کردیا3پھر چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس میں نقش کیا محمد رسول اللہ4اور فرمایا کہ کوئی اس انگوٹھی کے نقش پر نقش نہ کرائے5اور وہ پہنتے تو اس کا نگینہ اپنی ہتھیلی سے متصل رکھتے6 (مسلم،بخاری)	

1یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا جب کہ سونا پہننا مرد کو حرام نہ تھاحرام ہوجانے پر یہ عمل ممنوع ہوگیا۔خیال رہے کہ عورتوں کو چاندی سونے کی انگوٹھی جائز ہے،مردوں کو ساڑھے چار ماشہ سے کم چاندی کی انگوٹھی جائز ہے جس میں نگینہ صرف ایک ہو۔تانبہ پیتل،لوہا وغیرہ کی انگوٹھی چھلا مرد وعورت دونوں کو حرام ہے۔اس کی پوری بحث کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔

2یہ حکم منسوخ ہے حضور کا آخری عمل یہ ہے کہ حضور نے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ہےاب یہ ہی سنت ہے اگرچہ سیدھے ہاتھ میں پہننا بھی جائز ہے۔

3کیونکہ سونا پہننا مردوں کے لیے اب حرام ہوگیا۔

4اس طرح کہ محمد ایک سطر،رسول دوسری سطر،اللہ تیسری سطر سب سے اوپر۔اس طرح محمد رسول اللہ،یہ انگوٹھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ شریف تک خلفاء کی انگلیوں میں رہی،حضرت عثمان کے ہاتھ سے بیر اریس میں گرگئی جسے بیر خاتم بھی کہتے ہیں،مسجد قبا کے سامنے ہے۔

5یعنی آپ لوگ ایسی انگوٹھی بنواکر پہن سکتے ہو مگر نگینہ میں یہ نقش نہیں کھود سکتے کیونکہ بادشاہوں کے فرمان نامے اور احکام نبوی اس مہر سے مزین کرکے بھیجے جاتے ہیں۔اگر دوسروں کی انگوٹھی پر بھی یہ نقش ہو تو بڑے فساد پھیلیں گے۔مفتی صاحبان

آج بھی اپنی مہر والی انگوٹھی بڑی احتیاط سے رکھتے ہیں کہ اور کوئی شخص ان کے نام کی مہر سے غلط فتویٰ یا فیصلہ صادر نہ کردے،حکومت کی مہریں بڑی محفوظ رکھی جاتی ہیں ان سب کی اصل یہ ہی حدیث ہے۔یہ ممانعت اس زمانہ میں تھی اب اگر کوئی یہ نقش اپنی انگوٹھی میں کندہ کرے اور تبرک کے لیے اپنے پاس رکھے تو بالکل جائز ہے کہ وجہ ممانعت اب باقی نہیں۔

۶؎ اس عبارت کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ انگوٹھی نہ پہنتے تھے جب پہنتے تو نگینہ ہتھیلی سے متصل رکھتے۔دوسرے یہ کہ پہنتے تو ہمیشہ تھے مگر بعض اوقات استنجاء وغیرہ کے وقت اتار دیتے تھے پھر جب پہنتے تو اس طرح پہنتے۔خیال رہے کہ اس طرح پہننے سے معلوم ہوا کہ حضور زینت کے لیے نہیں بلکہ ضرورت کے لیے پہنتے ورنہ زینت کی چیز تو نگینہ ہے وہ ہی چھپایا جاتا تھا۔اس وجہ سے علماء فرماتے ہیں کہ سوا بادشاہوں،قاضیوں،مفتیوں کے اور لوگ انگوٹھی نہ پہنیں تو اچھا ہے کہ انگوٹھی کی ضرورت ان ہی لوگوں کو رہتی ہے دوسروں کو ضرورت نہیں۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشمی اور سرخ لباس پہننے اور سونے کی انگوٹھی پہننے سے اور رکوع ۱؎ میں قرآن پڑھنے سے منع فرمایا ۲؎(مسلم)

۱؎ ان تین چیزوں سے صرف مسلمان مردوں کو منع فرمایا گیا ہے عورتوں کے لیے یہ تینوں چیزیں جائز ہیں۔

۲؎ یہ ممانعت مردوعورت دونوں کے لیے ہے رکوع و سجود دونوں میں تلاوت قرآن سب کو ممنوع ہے ان میں تسبیح ہی پڑھی جائیں،نماز میں تلاوت قرآن صرف قیام کی حالت میں چاہیے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو اسے اتار کر پھینک دیا ۱؎ پھر فرمایا کیا تم میں سے کوئی آگ کی چنگاری لیتا ہے اسے اپنے ہاتھ میں ڈال لیتا ہے ۲؎ اس شخص سے کہا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد کہ اپنی انگوٹھی لے لو اس سے کوئی اور نفع اٹھالو ۳؎ وہ بولے اللہ کی قسم میں اسے کبھی نہ لوں گا جب کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینک دیا ۴؎(مسلم)

۱؎ یہ ہے عملی تبلیغ کہ برائی کو بہ جبر روک دیا،فرماتے ہیں کہ جو کوئی برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکے،نہ کرسکے تو زبان سے روکے،یہ بھی نہ ہوسکے تو دل سے براجانے۔

۲؎ اسے سمجھانے کے لیے یہ فرمایا یعنی مسلمان مرد کے لیے سونا پہننا گویا دوزخ کی چنگاری اپنے ہاتھ میں لینا ہے کیونکہ یہ اس کا سبب ہے۔
۳؎ یعنی حضور انور نے تم کو اس کے پہننے سے منع فرمایا نہ کہ دوسرے نفع سے تم اسے اٹھالو اسے فروخت کرکے اس کی قیمت اپنے کام میں لاؤ یا گھر میں کسی عورت کو دیدو وہ استعمال کرے۔یہ تھا شریعت کا فتویٰ جو حضرات صحابہ نے اسے دیا اور بالکل درست تھا۔
۴؎ یہ ہے مفتی عشق کا فتویٰ کہ اب میں اسے ہاتھ نہ لگاؤں گا کوئی فقیر اسے اٹھالے تاکہ یہ صدقہ میرے اس قصور کا کفارہ بن جائے جو میں نے پہلے بے خبری میں کیا کہ سونا پہنا،اس میں مال کی بربادی نہیں بلکہ اپنا کفارہ ادا کرنا ہے۔(از اشعۃ اللمعات)

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ قیصر اور نجاشی کو کچھ لکھنا چاہا ۱؎ تو عرض کیا گیا کہ وہ لوگ مہر کے بغیر کوئی تحریر قبول نہیں کرتے ۲؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انگوٹھی ڈھلوائی حلقہ چاندی کا تھا جس میں محمد رسول اللہ کندہ کیا گیا ۳؎ (مسلم)اور بخاری کی روایت میں ہے کہ انگوٹھی کا نقش تین سطریں تھیں محمد ایک سطر،رسول اللہ ایک سطر،اللہ ایک سطر ۴؎

۱؎ دعوت اسلام دینے کے لیے فرمان عالیہ،کسریٰ لقب تھا شاہ فارس کا اور قیصر لقب تھا شاہ روم کا اور نجاشی شاہ حبشہ کا،وہ نجاشی جو پہلے ہی اسلام لاچکا تھا اس کا نام اصحمہ تھا،یہ ۶ھ میں اسلام لائے اور ۹ھ میں ان کی وفات ہوئی،حضور انور نے مدینہ منورہ میں ان کا جنازہ پڑھا ان کے بعد جو نجاشی تخت پر بیٹھا اسے حضور انور نے دعوتِ اسلام دی اس کا نام اس کا اسلام لانا معلوم نہ ہوسکا۔اصحمہ نجاشی کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حبیبہ کے ساتھ اپنے نکاح کی قبولیت کا فرمان لکھا تھا انہیں دعوتِ اسلام نہ دی گئی تھی۔(مرقات)
۲؎ یعنی ان بادشاہوں کا قانون یہ ہے کہ جس خط پر بھیجنے والے کے نام کی مہر نہ ہو اسے نہ قبول کرتے ہیں نہ سنتے ہیں وہ لوگ دنیاوی وجاہت والوں کے خطوط ہی پڑھتے سنتے ہیں عوام کے نہیں اور ان کے ہاں وجاہت کی علامت مہر ہے۔
۳؎ ان علامات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس انگوٹھی شریف کا صرف حلقہ چاندی کا تھا نگینہ کسی اور چیز کا تھا مگر حضور نے ایسی انگوٹھی بھی پہنی ہے جس کا حلقہ بھی چاندی کا تھا۔
۴؎ اس انگوٹھی کا نگینہ حبشی پتھر کا تھا جس پر صرف یہ ہی عبارت لکھی تھی اس سے زیادہ عبارت نہ تھی۔جن روایات میں ہے کہ حضور کی انگوٹھی کا نقش پورا کلمہ طیبہ تھا وہ ضعیف ہیں۔

	روایت ہے انہی سے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

	انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی اس کا تھا ۱؎(بخاری)

۱؎حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھیاں مختلف رہی ہیں۔کبھی ایسی انگوٹھی پہنی ہے جس کا نگینہ حبشی پتھر کا تھا اور کبھی ایسی کہ اس کا نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا یہاں اس دوسری قسم کی انگوٹھی کاذکر ہے۔حق یہ ہے کہ یہ انگوٹھی خالص چاندی کی تھی،بعض لوگوں نے کہا ہے کہ انگوٹھی لوہے کی تھی اس پر چاندی کا خول تھا اس کا ثبوت نہیں ملتا۔یہ روایت مرقات نے مکحول اور ابراہیم نخعی سے کی اور کہیں نہیں ملتی۔واللہ اعلم!حق یہ ہے کہ لوہے کی انگوٹھی کبھی نہیں پہنی۔

	روایت ہے انہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنی جس میں حبشی نگینہ تھا۱؎آپ اس کا نگینہ ہتھیلی شریف سے متصل رکھتے تھے۔(مسلم،بخاری)

۱؎یہاں مرقات میں ہے کہ اس انگوٹھی کا نگینہ عقیق کا تھا جس کا رنگ مائل بہ سیاہی تھا یعنی سرخ مائل بہ سیاہی،یہ عقیق تو یمنی تھا مگر اس کو بنایا گیا تھا حبشہ میں اس لیے اسے حبشی کہا گیا۔پیداوار یمنی صنعت حبشی عقیق کا نگینہ بہت مبارک ہے،حدیث شریف میں ہے **تختم بالعقیق فانہ مبارك** چاندی کی انگوٹھی عقیق سیاہ کا نگینہ بہت اعلیٰ ہے۔(مرقات)بعض روایات میں ہے کہ پیلے یاقوت کی انگوٹھی طاعون سے محفوظ رکھتی ہے،بعض میں ہے کہ عقیق کی انگوٹھی فقیری دور کرتی ہے،یہ احادیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہیں لہذا قوی ہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی اس میں تھی اور اپنے بائیں ہاتھ کی چھنگلی کی طرف اشارہ کیا۱؎(مسلم)

۱؎یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ کی چھنگلی میں انگوٹھی پہنی اسی طرح یعنی اس انگلی میں انگوٹھی پہننا بھی جائز بلکہ سنت سے ثابت ہے۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس سے منع کیا کہ میں اپنی اس انگلی میں یا اس میں انگوٹھی پہنوں فرمایا کہ بیچ والی انگلی اور اس کی برابر والی کی طرف اشارہ فرمایا۱؎(مسلم)

۱؎خیال رہے کہ عورتوں کو ہر انگلی میں انگوٹھی پہننا جائز ہے مگر مردوں کو تین انگلیوں میں پہننا منع ہے: انگوٹھا،کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی۔اور دو انگلیوں میں پہننا مستحب ہے چھنگلی اور اس کے برابر والی میں،یوں ہی مرد صرف ایک انگوٹھی پہن سکتا ہے وہ بھی چاندی کی سوا چار ماشہ تک،عورتیں سونے چاندی کی دس انگوٹھیاں دسوں انگلیوں میں پہن سکتی ہیں۔(مرقات و اشعہ)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن جعفر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے ۱؎(ابن ماجہ)

۱؎یعنی کبھی اپنے داہنے ہاتھ میں بھی پہنتے تھے بیان جواز کے لیے۔

	اور ابوداؤد اور نسائی نے حضرت علی سے روایت کی۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎یعنی کبھی بائیں ہاتھ میں بھی انگوٹھی پہنی۔علماء فرماتے ہیں کہ اولًا داہنے ہاتھ میں پہنتے تھے پھر اسے ترک کردیا اور بائیں ہاتھ میں پہننا شروع فرمایا لہذا آخری عمل یہ ہی ہے بہرحال جائز دونوں عمل ہیں مگر بہتر آخری عمل ہے یعنی بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ میں ریشم لیا پھر اپنے بائیں ہاتھ میں سونا ۱؎ پھر فرمایا کہ یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں ۲؎(احمد،ابوداؤد،نسائی)

۱؎مجمع میں لوگوں کے سامنے یہ دو چیزیں ہاتھ میں لیں تاکہ لوگ دیکھ لیں اور یہ دونوں چیزیں خوب واضح ہوجائیں۔

۲؎چونکہ ان دونوں چیزوں کو مستقل طور پر حرام فرمانا تھا اس لیے حرام واحد ارشاد فرمایا حرامان تثنیہ نہ فرمایا ورنہ احتمال یہ ہوتا کہ ریشم و سونا مل کر تو حرام ہے اکیلے اکیلے حرام نہیں اس لیے ارشاد فرمایا حرام۔ان میں سے ہر ایک چیز مستقل حرام کہ ریشم بھی حرام ہے سونا بھی حرام ہے مگر مردوں پر ہیں عورتوں کے لیے یہ دونوں چیزیں حلال ہیں۔بعض نے فرمایا کہ حرام مصدر ہے جو واحد،تثنیہ،جمع سب کے لیے استعمال ہوسکتا ہے یہاں دو کے لیے ہے۔

	روایت ہے حضرت معاویہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چیتے کی کھالوں پر سوار ہونے ۱؎ اور سونا پہننے سے منع فرمایا مگر ریزہ ریزہ ۲؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎اس کی شرح پہلے ہوچکی ہے کہ کاٹھی یا چار پائی پر چیتے کی کھال بچھا کر بیٹھنا ممنوع ہے کہ یہ طریقہ ہے متکبرین کا،نیز اس سے دل میں نخوت اور سختی پیدا ہوتی ہے لہذا اس سے پرہیز کرنا چاہیے یہ حکم مردوں عورتوں سب کے لیے ہے۔

۲؎یعنی مسلمان مرد کے لیے سونے کے ریزے حلال ہیں جیسے تلوار میں یا چاندی کی انگوٹھی میں سونے کے ریزے ہوں تو ان کا استعمال مرد کے لیے بھی حلال ہے۔اس حدیث سے بہت سے مسائل مستنبط ہوسکتے ہیں۔کتب فقہ میں مردوں کے لیے سونے کے پچیس مقام لکھے ہیں کہ ان مقامات میں مردوں کو سونے کا استعمال حلال ہے:جیسے ہلتے دانت کو سونے کی زنجیر سے باندھنا،کٹی ناک کی جگہ سونے کی ناک لگانا،قلمدان یا چاقو کے دستہ میں سونے کے ریزے وغیرہ۔ان کی پوری تفصیل شامی اور عالمگیری میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت بریدہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا جس پر تانبہ کی انگوٹھی تھی ۱؎مجھے کیا ہوا کہ میں تم سے بتوں کی بو پاتا ہوں ۲؎ اس نے وہ پھینک دی پھر آیا تو اس پر لوہے کی انگوٹھی تھی تو فرمایا کہ مجھے کیا ہوا کہ تم پر دوزخیوں کا زیور دیکھتا ہوں۳؎اس نے وہ پھینک دی۴؎پھر عرض کیا یارسول اللہ کس چیز کی انگوٹھی بناؤں فرمایا چاندی کی اور اس کی ایک مثقال پوری نہ کرو ۵؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی) محی السنہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سہل ابن سعد سے بروایت صحیح ثابت ہے مہر کے متعلق کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ کچھ ڈھونڈھو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو ۶؎

۱؎یعنی وہ تانبے کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے۔

۲؎اس زمانہ میں بھی اور اب بھی عمومًا بت پیتل کے ہوتے تھے اس لیے اسلام نے پیتل کے زیور ہر مسلمان کے لیے منع فرمائے خواہ مرد ہو یا عورت،انگوٹھی چھلہ بھی زینت کے لیے ہے یہ بھی پیتل کا ممنوع ہے۔

۳؎دوزخی لوگ لوہے کی زنجیروں میں جکڑے جائیں گے یہاں ان زنجیروں کو زیور فرمانا ان کی اہانت کے لیے ہے جیسے قیدی کی ہتھکڑی اور بیڑی کو اس کا زیور کہہ دیا جائے۔

۴؎کہ نہ اپنے آپ استعمال کی نہ اپنی بیوی کو استعمال کے لیے دی کیونکہ پیتل لوہے کا زیور مرد و عورت سب کو ہی حرام ہے۔خیال رہے کہ سونے چاندی کا استعمال مطلقًا حرام ہے کہ مسلمان مرد نہ اس کا زیور پہنے نہ کسی اور طرح استعمال کرے،عورتوں کو ان کے زیوروں کی اجازت ہے دوسری طرح استعمال کرنا انہیں بھی حرام ہے لہذا سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا،یوں ہی ان کی گھڑی میں وقت دیکھنا،ان کی سلائی سے سرمہ لگانا حرام ہے،ہاں ان کا کشتہ کھانا یا علاج کے لیے

سونے کی سلائی آنکھ میں پھیرنا حلال ہے کہ یہ علاج ہے۔ان کے علاوہ دیگر دھاتوں کا زیور حرام ہےان کا استعمال دوسری طرح درست ہے،لہذا تانبا پیتل لوہے وغیرہ کے برتن گھڑیاں وغیرہ تمام کا استعمال درست ہے غرضیکہ استعمال میں کئی طرح فرق ہے۔

۵؎ لہذا مرد کے لیے چاندی کی انگوٹھی سوا چار ماشہ تک کی درست ہے۔

۶؎ شاید اس فرمان عالی کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوہے کی انگوٹھی بھی پہننا جائز ہےورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس صحابی سے یہ کیوں فرماتے کہ اپنی بننے والی عورت کے مہر کے لیے لوہے کی انگوٹھی ہی تلاش کرلومگر یہ استدلال بہت کمزور ہے۔اولًا تو اس لیے کہ اس فرمان عالی کے وقت لوہے پیتل کی حرمت کے احکام اسلام میں نہیں آئےاور اگر مان لیا جائے کہ احکام آچکنے کے بعد کی یہ حدیث ہےتب بھی اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ کوئی نہایت معمولی چیز ہی لے آجیسے کہا جاتا ہے کہ تم مجھے دومٹھی بھر خاک ہی دے دو۔اس کا مقصد یہ نہیں کہ خاک پھانکنا درست ہے۔نیز وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ حضور انور کی انگوٹھی لوہے کی تھی جس پر چاندی کا خول یا پانی تھا وہ انگوٹھی صرف مہر لگانے کی تھی پہننے کی نہ تھی،اگر پہننے کی تھی تو لوہے کی حرمت سے پہلے کا یہ واقعہ ہے۔یہ حدیث ان سب کی ناسخ ہے،دیکھو اس کی تفصیل کے لیے مرقات شرح مشکوۃ یہ ہی مقام۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس خصلتیں ناپسند فرماتے تھے ۱؎ زردی یعنی خلوق ۲؎ سفید بالوں کی تبدیلی ۳؎ اور تہبند گھسیٹنا ۴؎ اور سونے کی انگوٹھی پہننا اور غیر محل پر زینت ظاہر کرنا ۵؎ اور پانسے مارنا ۶؎ اور دم کرنا سوا معوذات کے ۷؎ اور تعویذ باندھنا ۸؎ اور پانی غیر محل میں ڈالنا ۹؎ اور بچہ کو بگاڑنا اسے حرام نہ فرمایا ۱۰؎ (ابوداؤد ،نسائی)	

۱؎ خلال بکسر خ جمع ہے خلۃ کی بمعنی خصلت و عادت،خصلت کی جمع ہے خصال اور خلت کی جمع ہے خلال۔

۲؎ خلوق ایک خوشبو خاص کا نام ہے جس میں زعفران پڑتا ہے یہ پیلا رنگ دیتی ہے اس لیے اس کا استعمال مردوں کے لیے ممنوع ہےعورتوں کے لیے جائز،بعض احادیث میں خلوق کی اجازت ہے مگر وہ سب احادیث منسوخ ہیں۔

۳؎ یا اس طرح کہ سفید بال اکھیڑ دیئے جائیں یا اس طرح کہ ان میں سیاہ خضاب کیا جائےیہ دونوں کام ممنوع ہیں مرد کو بھی عورت کو بھی۔

۴؎ یعنی تہبند اتنا نیچا رکھنا کہ زمین پر گھسٹے،یہ عمل مردوعورت سب کے لیے ممنوع ہے۔مرد کا تہبند ٹخنہ سے اونچا رہے عورت کا ٹخنہ سے نیچے۔

۵؎ یعنی عورت کا اپنی زینت نامحرم مردوں پر ظاہر کرنا حرام ہے۔یہ فرمان بہت ہی جامع ہے اس سے پردہ کے متعلق بہت احکام مستنبط ہوسکتے ہیں۔

۶؎ کعاب جمع ہے کعب کی،کعب نردشیر کھیل کے پانسوں کو کہتے ہیں،یہ کھیل کھیلتے وقت پانسے پھینکے جاتے ہیں۔حق یہ ہے کہ نردشیر کھیل مطلقًا ممنوع ہے خواہ اس میں جوا ہو یا نہ ہو،اگر اس پر مالی ہار جیت ہو تب تو بہت ہی ممنوع ہے کہ کھیل ہے اور جوا بھی ورنہ کھیل ہونے کی وجہ سے ممنوع۔غیر معتبر کھیل فعل عبث ہونے کی وجہ سے ممنوع ہیں۔

۷؎ معوذات سے مراد سورۂ فلق اور سورۂ ناس ہیں۔سوا سے مراد وہ منتر ہیں جن میں شرکیہ الفاظ ہوں۔شرکیہ الفاظ سے جھاڑ پھونک حرام ہے۔آیاتِ قرآنیہ اور ماثورہ دعاؤں سے دم درود جائز بلکہ بہتر ہے اور دعائیں جن میں بتوں وغیرہ کا نام نہ ہو شرکیہ کلمات نہ ہوں ان سے دم بھی جائز ہے باقی سے حرام۔

۸؎ یہاں تعویذ سے مراد مشرکین کے تعویذ وگنڈے ہیں جن میں کفریہ الفاظ بتوں کے نام وغیرہ ہوں یہ حرام ہے۔آیات قرآنیہ دعا اسلامیہ سے تعویذ باندھنا حضرات صحابہ کرام سے ثابت ہے جیساکہ باب المعوذات میں گزر گیا۔تمائم جمع ہے تمیمہ کی،تمیمہ کے بہت معانی ہیں:جادو،منتر،ٹونہ جانوروں کی ہڈیاں درد آنکھ کے لیے باندھنا اور تعویذ۔(اشعۃ اللمعات)

۹؎ یعنی حرام جگہ منی گرانا،زنا کرنا،لواطت کرنا،جلق سے منی نکالنا،عورت کی دبر میں وطی کرنا یہ سب کام حرام ہیں۔

۱۰؎ یعنی جب بچہ دودھ پیتا ہو تو عورت سے صحبت کرنااگر اس میں اندیشہ ہو کہ اس سے دودھ بھاری ہوکر بچہ کے لیے مضر ہوگا تو اس سے بچے،یہ کام حرام نہیں اس سے احتیاط بہتر ہے اس لیے فرمایا کہ اسے حرام نہ کیا۔محرمہ میں ہ کا مرجع یہ آخری عمل ہے۔

روایت ہے حضرت ابن زبیر سے کہ انکی ایک آزاد شدہ لونڈی زبیر کی بیٹی کو عمر بن خطاب کے پاس لے گئی حالانکہ ان کے پاؤں میں جھانجن تھے ۱؎ تو انہیں حضرت عمر نے توڑ دیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہر جھانجھ کے ساتھ شیطان ہے ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی حضرت عبداللہ ابن زبیر کی آزاد کردہ لونڈی ان کی لڑکی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لائیں،اس بچی کے پاؤں میں بجنے والے جھانجن تھے۔اجراس جمع جرس کی بمعنی جلاجل یعنی گھنگرو اور اس جیسی آواز دینے والی چیز،اونٹ کے گلے کے گھنگروں اور باز کے پاؤں کے چھلوں کو بھی اجراس یا جلاجل کہتے ہیں۔ہمارے ہندوستان میں بھی پہلے عورتوں میں جھانجن کا رواج تھا۔

۲؎ کیونکہ جھانجن ایک قسم کا باجا ہے اور جہاں باجا ہو وہاں فرشتہ رحمت نہیں ہوتا شیطان ہوتا ہے۔شیطان سے مراد وہ شیطان ہے جو کھیل تماشوں پر مقرر ہے،قرین شیطان تو ہر انسان کے ساتھ رہتا ہے۔انگوٹھی کے باب میں یہ حدیث لانا نہایت ہی موزوں ہے کہ انگوٹھی ایک قسم کا زیور ہی ہے۔

روایت ہے حضرت بنانہ سے جو عبدالرحمٰن ابن حیان انصاری کی لونڈی ۱؎ وہ جناب عائشہ کے پاس تھیں کہ آپ کی خدمت میں ایک بچی لائی گئی جس پر جھانجھن تھے جو آواز کررہے تھے ۲؎ آپ بولیں کہ اسے میرے پاس ہرگز نہ لاؤ مگر اس صورت میں کہ اس کے جھانجن توڑ دیئے جائیں ۳؎ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس گھر میں فرشتے نہیں آتے جس میں جھانج ہو ۴؎(ابوداؤد)	

۱؎ بنانہ ب کے پیش سے ہے آپ تابعیہ ہیں،حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت لیتی ہیں اور آپ سے جھانجن کے متعلق ہی روایات آتی ہیں۔(اکمال)

۲؎ اس طرح کہ چلنے کی حالت میں بجتے تھے جیساکہ مروجہ جھانجن میں دیکھا جاتا ہے۔علیھا سے مراد ہے ان کے پاؤں میں جھانجن تھے کیونکہ یہ زیور پاؤں میں پہنا جاتا ہے۔

۳؎ یا اس طرح کہ ان کے اندر کے کنکر نکال دیئے جائیں یا اس طرح کہ اس کے گھنگرو الگ کردیئے جائیں یا اس طرح کہ خود جھانجن ہی توڑ دیئے جائیں غرضیکہ ان میں آواز نہ رہے۔

۴؎ فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں جو خصوصی طور پر مسلمانوں کے گھروں میں آتے جاتے رہتے ہیں یا وہاں ہی مقیم رہتے ہیں خصوصًا ان گھروں میں جہاں تلاوت قرآن کا ذکر خیر رہتا ہے۔اجراس سے مراد مطلقًا بجنے والا زیور ہے خواہ بچوں کے پاؤں یا جانوروں کے گلے یا پاؤں میں ہو۔اسی بناء پر فقہاء فرماتے ہیں کہ دوسرے باجے حرام ہیں بعض حالات میں جائز ہوجاتے ہیں جیسے شادی نکاح پر اعلان کے لیے نوبت نقارہ اعلانات کے لیے مگر جھانجھ حرام لعینہ ہے کبھی حلال نہیں ہوتی۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن طرفہ سے کہ ان کے دادا عرفجہ ابن سعد کی ۱؎ کلاب کے دن ناک ٹوٹ گئی تو آپ نے چاندی کی ناک بنوالی وہ آپ پر بدبو دینے لگی تو انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ سونے کی ناک بنالیں ۲؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ حق یہ ہے کہ عبدالرحمٰن اور طرفہ دونوں تابعی ہیں مگر عرفجہ صحابی ہیں،کلاب کاف کے پیش سے جبلہ اور شام کے درمیان ایک گھاٹ کا نام ہے اور جبلہ و شام دونوں پہاڑوں کے نام ہیں،یہاں دو دفعہ جہاد ہوئے ہیں،انہیں کلاب اول اور کلاب ثانی کہا جاتا ہے۔

۲؎ اسی حدیث کی بنا پر فقہاء فرماتے ہیں کہ مرد کو سونے کی ناک لگالینا جائز ہے،یوں ہی ہلتے دانت کو سونے کے تار سے باندھ لینا مباح ہے کہ سونے میں میل سے بدبو پیدا نہیں ہوتی۔ہم پہلے بحوالہ شامی عرض کرچکے ہیں کہ پچیس جگہ مرد کو سونے کا استعمال درست ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے پیارے کو آگ کا حلقہ پہنانا چاہے وہ اسے سونے کی بالی پہنادے ۱؎ اور جو اپنے پیارے کو آگ کا طوق ڈالنا چاہے ۲؎ وہ اسے سونے کا طوق پہنادے ۳؎ اور جو چاہے کہ اپنے پیارے کو آگ کے کنگن پہنانا چاہے وہ اسے سونے کے کنگن پہنائے ۴؎ لیکن تم چاندی کو پکڑ لو اس سے کھیلو کودو ۵؎ (ابوداؤد)	

۱؎ حبیب سے مراد پیارا بیٹا پوتا وغیرہ لڑکے ہیں کیونکہ لڑکیوں کے لیے سونے کے زیور جائز ہیں۔حلقہ میں بالی،چھلا،انگوٹھی،طوق ہار،نیکلس وغیرہ سب ہی شامل ہیں بلکہ اس میں چوڑی کنگن وغیرہ بھی داخل ہیں مگر یہاں گلے کے زیور مراد نہیں کہ ان کا ذکر تو آگے آرہا ہے۔

۲؎ طوق سے مراد گلے کا ہار و گلو بند وغیرہ ہیں۔

۳؎ لہذا اپنے پیارے کو سونے کا ہار نہ پہناؤ۔

۴؎ خیال رہے کہ کسی کو سونے کے زیور پہنانے کا یہ عذاب جب ہے جب کہ پہننے والا اس سے راضی و خوش ہو،چھوٹے نا سمجھ بچوں کو اگر زیور پہنائے گئے تو اس کا عذاب پہنانے والوں کو ہوگا نہ کہ ان بچوں کو کہ وہ تو بالکل بے قصور ہیں،رب تعالٰی بے قصوروں کو نہیں پکڑتا۔

۵؎ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں بھی سونا نہ پہنیں صرف چاندی پہنیں تب یہ حدیث منسوخ ہے ان احادیث سے جن میں عورتوں کو سونا پہننے کی اجازت دی گئی ہے اور اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مرد صرف چاندی کی انگوٹھی پہن سکتے ہو تو یہ حدیث محکم ہے،اسے بھی کھیل فرمانے سے اشارۃً بتایا کہ چاندی کی انگوٹھی بھی مرد کے لیے بہتر نہیں یہ بھی کھیل کود ہی ہے۔

روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت سونے کا ہار پہنے گی اس کی گردن میں اسی طرح آگ کا ہار ڈالا جائے گا قیامت کے دن اور جو عورت اپنے کان میں سونے کی	

	بالی ڈالے گی تو اللہ تعالٰی قیامت کے دن اس کے کان میں اسی طرح کی آگ کی بالی ڈالے گا۱؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ یہ حدیث یا تو منسوخ ہے۔اسلام میں اولًا سونا پہننا عورتوں کو بھی ممنوع تھا یہ حدیث اس وقت کی ہے بعد میں اجازت دی گئی۔یا اس سے وہ سونا مراد ہے جس کی زکوۃ نہ دی جائے گی اگرچہ زکوۃ چاندی کے زیور پر بھی ہے مگر اکثر چاندی کا زیور نصاب کو نہیں پہنچتا،آدھ سیر سے زیادہ چاندی کون عورت پہن سکتی ہے،سونا تو ساڑھے سات تولہ ہو تب بھی زکوۃ لازم ہو جاتی ہے اس لیے خصوصیت سے سونے کا ذکر فرمایا گیا۔خیال رہے کہ مذہب حنفی میں پہننے کے زیوروں پر زکوۃ فرض ہے،امام شافعی کے ہاں اس پر زکوۃ نہیں اس لیے شوافع حضرات اس حدیث کو کراہت تنزیہی پر محمول کرتے ہیں مگر یہ درست نہیں۔اول تو اس لیے کہ عورتوں کو سونے کا زیور مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے،دوسرے اس لیے کہ مکروہ تنزیہی پر ایسی وعید نہیں ہوتی لہذا اس حدیث کی وہ ہی توجیہیں قوی ہیں جو ہم نے عرض کیں۔

	روایت ہے حضرت حذیفہ کی بہن سے۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عورتوں کی جماعت کیا تمہارے پاس چاندی نہیں ہے جس کے زیور پہنو۲؎ خیال رکھو کہ تم میں کوئی عورت نہیں جو سونے کا زیور پہنے جسے ظاہر کرے۳؎ مگر اسی سے عذاب دی جائے گی۴؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ ان بہن صاحبہ کا نام اور حالات معلوم نہ ہوسکے مگر وہ صحابیہ ہیں اس لیے یہ معلوم نہ ہونا مضر نہیں تمام صحابہ عادل ہیں۔

۲؎ یعنی بے تکلف سونے کا زیور نہ پہنو کہ حیثیت نہ ہو مگر قرض ادھار یا تنگی برداشت کرکے سونا ہی پہنا جائے۔چاندی کے زیور کو حقیر سمجھا جائے یہ نہ کرو لہذا حدیث بالکل واضح ہے،اس احتمال کی تائید اگلا مضمون کررہا ہے۔

۳؎ اجنبی مردوں پر ظاہر کرے کہ اپنا حسن اور زیور دوسروں کو دکھائے یا فخروغرور کے لیے دکھلاوہ کرے یا غریب عورتوں کو فخریہ دکھا کر انہیں دکھ پہنچائے۔آخری دو معنی زیادہ مناسب ہیں کیونکہ اجنبی مردوں کو چاندی کا زیور دکھانا بھی حرام ہے۔عورتیں سونے کا زیور اپنی سہیلیوں کو فخریہ دکھایا کرتی ہیں انہیں حقیر و ذلیل کرنے کے لیے وہ یہاں مراد ہے۔

۴؎ اس فخرواظہار پر عذاب پائے گی نہ کہ صرف زیور پہننے پر لہذا حدیث محکم ہے منسوخ نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیور اور ریشم والوں کو ۱؎ منع فرماتے تھے ۲؎ اور فرماتے تھے کہ اگر تم جنت کا زیور اور وہاں کا ریشم پسند کرتے ہو تو اسے دنیا میں نہ پہنو ۳؎ (نسائی)

۱؎ یعنی امیروں کو جو ہمیشہ ریشم اور سونے کے زیور پہن سکیں۔

۲؎ ہمیشہ ریشم و زیور پہننے سے منع فرماتے تھے کہ نفس اچھے زیور پہننے کا عادی نہ ہوجائے بلکہ چاہیے کہ امیر آدمی بھی کبھی موٹا معمولی لباس پہن لیا کریں،یہ زہد کی تعلیم ہے۔(مرقات)

۳؎ اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے کہ یہ چیزیں ہمیشہ نہ پہنویا یہ ممانعت استحباب کی ہے یعنی ریشم و زیور عورتوں کو نہ پہننا بہتر ہے۔عورت کا اصلی زیور ایمان تقویٰ پاکدامنی عفت ہے،اس سے دائمی عزت ہے۔امام بغوی نے فرمایا کہ یہ حدیث منسوخ ہے اس کی ناسخ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی وہ حدیث ہے **احل الذھب والحریر للاناث من امتی** میں اپنی امت کی عورتوں کے لیے سونا اور ریشم حلال کرتا ہوں۔**واللہ اعلم!**

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی ۱؎ پھر اسے پہنا فرمایا کہ اس نے آج مجھ کو مشغول کردیا ۲؎ ایک نظر اس کیطرف رہی ایک نظر تمہاری طرف ۳؎ پھر اسے علیحدہ کردیا ۴؎ (نسائی)

۱؎ چاندی کی انگوٹھی بنوائی یا سونے کی اس کی تحقیق ان شاءاللہ آگے بھی آوے گی۔

۲؎ یعنی آج یہ واقعہ ہوا کہ اس انگوٹھی نے مجھے اپنی طرف مائل اور متوجہ کرلیا جس کی وجہ سے تمہاری اور تمہارے حالات کی طرف توجہ پوری نہ رہی،یہ **منذ** پوری مدت کے معنی میں ہے۔

۳؎ یہ اس توجہ کا بیان ہے یعنی میں کبھی تو اس انگوٹھی کو دیکھتا ہوں اور کبھی تم کو،حالانکہ دل یہ چاہتا ہے کہ میں ہر وقت تم کو ہی دیکھا کروں تمہاری ہی اصلاح کیا کروں۔معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت بڑی پیاری ہے اور اس کی اصلاح ہر وقت مدِ نظر ہے،حضور چاہتے ہیں کہ ہر وقت امت پر نظر کرم رہے، یہ ہے نظر کریمانہ۔

۴؎ اس میں اختلاف ہے کہ یہ انگوٹھی چاندی کی تھی یا سونے کی۔ابوداؤد نے بروایت حضرت انس بیان فرمایا کہ یہ انگوٹھی چاندی کی تھی۔اس کے علیحدہ کردینے کے معنی یہ ہیں کہ اسے مہرلگانے کے لیے رکھا تو اپنے پاس ہی مگر اسے پہنا نہیں اور پہننے کی نفی بھی ہیشگی کی ہے یعنی ہمیشہ نہ پہنا کبھی کبھی پہنا مگر اپنے قبضہ میں رکھا ہمیشہ،باقی محدثین نے فرمایا کہ یہ انگوٹھی سونے کی تھی اور الگ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ نہ اسے پہنا نہ اپنے پاس رکھا

بلکہ اسے تڑوادیا،بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ انگوٹھی چاندی کی تھی بغیر نقش کی جو زینت کے لیے پہنی گئی تھی حضور انور نے اسے الگ کردیاپھر بعد میں نقش والی انگوٹھی مہر لگانے کے لیے پہنی ضرورت کی بنا پر نہ کہ زینت کے لیےلہذا یہ حدیث دوسری احادیث کے خلاف نہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ مرد کو بلاضرورت چاندی کی انگوٹھی بھی پہننا بہتر نہیں اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے۔قاضی،بادشاد،مفتی مہرلگانے کے لیے نقش بنی انگوٹھی پہنیں جس کے نگینہ میں اپنا نام کندہ ہو۔

روایت ہے حضرت مالک سے فرمایا کہ میں یہ ناپسند کرتاہوں کہ لڑکوں کوکچھ سونا پہنایا جائے ۱؎کیونکہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا ۲؎تو میں اسے بڑے چھوٹے مردوں کے لیے ناپسند کرتا ہوں ۳؎ (موطا)	

۱؎یوں ہی چاندی بھی چھوٹے بچوں لڑکوں کو نہ پہنائی جائےسوا سوا چار ماشہ کی انگوٹھی کے۔خلاصہ یہ ہے کہ سونے چاندی کا زیور بالغ مردوں کی طرح نابالغ لڑکوں کو پہننا حرام ہےمگر اس کا جرم پہنانے والے عزیزوں پر ہوگا کہ ناسمجھ بچے شرعی احکام کے مکلّف نہیں۔

۲؎اورجب سونے کی انگوٹھی ہی مردوں کے لیے حرام ہے تو دوسرے زیور بدرجہ اولیٰ حرام ہیں۔

۳؎یہ ہی مذہب ہےدوسرے اماموں کا بھی کہ سونے کا زیور نابالغ لڑکوں کو بھی نہ پہنایا جائے۔

باب النعال

باب جوتے کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ نعال نون کے زیر سے ہر وہ چیز جو پیر کو مٹی سے بچائے۔ اصطلاح میں ہر قسم کی جوتی کو نعال کہتے ہیں۔جوتی انسان کا زیور ہے اس لیے یہ لباس میں شامل ہے،جوتی سنت انبیاء ہے اور حکم اسلامی ہے۔جب حضرت آدم کو لباسِ دنیا عطا ہوا تو اس کے ہمرا کھجور کے پتوں کا نعلین پاک بھی تھا۔بڑی کشتی یعنی بحری جہاز اور چمڑے کا جوتا حضرت نوح علیہ السلام کی ایجاد ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے ۱؎ فرمایا انہوں نے کہ دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنے ہوئے وہ جوتے جس میں بال نہ تھے ۲؎ (بخاری)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،آپ کا نام عبداللہ ہے،فقہاء صحابہ میں سے ہیں،عبادلہ ثلاثہ میں سے ایک ہیں۔

۲؎ یعنی کھال اچھی طرح صاف کرکے سب بال اتار دیئے ہوں جس طرح ہمارے ملک میں رواج ہے اس طرح بہت خوبصورت جوتا بنتا ہے،ایسا جوتا بھی زینت انسانی میں شامل ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ مرد کو زینت کرنی جائز ہے جب کہ اس میں شرعی ممانعت نہ ہونہ اس میں کفر سے مشابہت ہو نہ عورتوں سے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرمایا انہوں نے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین پاک میں دو فیتے تھے ۱؎ (بخاری)	

۱؎ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتی پاک مثل چپّلی کے تھی اور اس کے دونوں چمڑے کے فیتے آپ کے انگوٹھے اور انگلی کے درمیان سے ہوکر پنجے مبارک کے دائیں بائیں جڑے ہوئے تھے جس طرح نقشہ نعلین پاک ہے وہ شکل نہیں بلکہ جس طرح آج کل سپنچ کی چپل بناتے ہیں،نقشہ پاک والی چپل نبی کریم نے اکثر پہنی ہے مگر یہ چپل کبھی کبھی۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرمایا انہوں نے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی غزوے میں جس غزوے میں خود شرکت فرمائی فرماتے سنا کہ زیادہ استعمال کرو جوتیوں کو کیونکہ مرد جب جوتے پہنتا ہے سوار کی	

	مثل رہتا ہے۱؎(مسلم)

۱؎یعنی چلنے کی مشقت سے بچ جاتا ہے جس طرح سوار دھول پتھر اور کانٹے سے بچ جاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو داہنے سے شروع کرے۱؎اور جب اتارے تو بائیں سے شروع کرے تاکہ داہنا پاؤں میں پہلے پہناجاوے اور آخر میں اتارا جاوے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ حکم استحبابی ہے۔اس کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ اچھا و اعلیٰ کام داہنی طرف سے شروع کیا جاوے اور ادنی اور گھٹیا کام بائیں طرف سے،مسجد میں داخل ہو تو داہنا پاؤں پہلے داخل کرے بایاں پاؤں پیچھے،جب نکلے تو اس کے برعکس کرے کہ بایاں پاؤں پہلے نکالے داہنا پاؤں پیچھے اور پاخانہ جاتے وقت بایاں پاؤں پاخانہ میں داخل کرے بعد میں داہنا مگر وہاں سے نکلتے وقت اس کے برعکس۔جوتے پہننا اعلیٰ کام ہے اور اتارنا ادنی کام لہذا یہ حکم دیا گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ دونوں جوتے یکدم اوتارنا پہننا بھی سنت کے خلاف ہے،اولًا داہنے پاؤں میں پہنے پھر بائیں میں۔

۲؎اسلام میں داہنا حصہ بائیں سے افضل ہے اس لیے یہ حکم دیا گیا حتی کہ وضو میں داہنے ہاتھ پاؤں پہلے دھو لیے جائیں بائیں بعد میں یہ ترتیب بہت جگہ ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی ایک جوتا میں نہ چلے یا تو دونوں پاؤں ننگے کرے یا دونوں میں جوتے پہن لے۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہ ممانعت کراہت تنزیہی کی ہے اسی حکم میں کرتہ اچکن وغیرہ کا پہننا ہے کہ کرتے اچکن کی ایک آستین پہن لینادوسری یوں ہی لٹکتی رکھنا ممنوع ہے۔یہاں مرقاۃ میں اس حکم کی بہت سی حکمتیں بیان فرمائیں: ایک یہ ہے کہ یہ طریقہ شیطان کا ہے کہ وہ ایک جوتہ پہن کر چلتا ہے،نیز اس طرح چلنا کچھ دشوار بھی ہوتا ہے خصوصًا جب کہ جوتی کچھ اونچی ہو اور جگہ ناہموار ہو،نیز یہ طریقہ شرفاء کا نہیں اور یہ کم عقلی کی علامت ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت میں جو آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے ایک جوتا شریف میں چلتے دیکھا وہ یا تو اس حکم سے منسوخ ہے یا وہ عمل شریف گھر کے اندر کا ہے اور یہ حکم شریف یا باہر سڑک کا یا وہ حکم بیان جواز ے لیے ہے اور یہ حکم بیان استحباب کے لیے یا وہ اتفاقًا نادر تھا،یہ ممانعت ہمیشگی اور عادت ڈال لینے سے ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔اس کی پوری تحقیق کتب فقہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کسی کے جوتے کا تسمہ

	ٹوٹ جاوے تو ایک جوتے میں نہ چلے حتی کہ اس کا تسمہ درست کرلے ۱؎ اور نہ ایک موزے میں چلے ۲؎ اور نہ اپنے بائیں ہاتھ سے کھائے ۳؎ اور نہ ایک کپڑے میں لپٹے ۴؎ اور نہ سخت طریقہ سے کپڑا لپیٹے ۵؎ (مسلم)

۱؎ یا وہاں ہی بیٹھ کر درست کرلے یا گھر تک دونوں پاؤں سے ننگے جاوے اور وہاں درست کرکے پھر پہنے۔مقصد یہ ہے کہ ضرورت پڑ جانے پر بھی ایک جوتا پہن کر نہ چلو چہ جائیکہ بلاضرورت اس کی عادت ڈال لینا یہ تو بہت ہی برا ہے۔

۲؎ عربی میں خف چمڑے کے موزے کو کہتے ہیں جس پر مسح ہوسکے اور جوراب سوتی اونی ریشمی موزے کو کہا جاتا ہے جو قابلِ مسح نہیں۔اہلِ عرب کبھی چمڑے کے موزے کو جوتے کی طرح استعمال کرتے ہیں،صرف ایک موزہ پہننا کہ دوسرا پاؤں کھلا رہے ممنوع ہے خواہ موزہ چمڑے کا ہو یا سوتی اونی۔

۳؎ کیونکہ داہنا ہاتھ افضل ہے اور کھانا اعلیٰ کام ہے تو اعلیٰ کام افضل ہاتھ سے کرنا بہتر ہے۔عرب میں مالدار سردار لوگ اظہار فخر کے لیے بائیں ہاتھ سے کھاتے تھے اور غرباء مساکین داہنے ہاتھ سے۔اسلام نے سب کے لیے داہنا ہاتھ معین فرمایا کہ اس سے کھایا پیا جاوے۔

۴؎ ایک کپڑے میں لپٹنا اس وقت ممنوع ہے جب کہ اس سے شرمگاہ کھل جاتی ہو اگر شرمگاہ ڈھکی رہے تو مضائقہ نہیں۔

۵؎ اس کی شرح پہلے گزرگئی کہ اس طرح کپڑا اپنے جسم پر لپیٹنا کہ ہاتھ بالکل بند جاویں بہ تکلف کھل سکیں یہ ممنوع ہے ورنہ ممنوع نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتہ شریف کے دو تسمے تھے جو دو تسموں سے بٹے ہوئے تھے ۱؎ (ترمذی)

۱؎ قبال اور شراک دونوں کے معنی ہیں تسمہ مگر شراک اکہرے تسمہ کو کہتے ہیں قبال بٹے ہوئے کو یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جوتا شریف میں دو تسمہ ہوتے تھے ہر تسمہ بٹا ہوا،اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق کے نعلین پاک کا حال تھا ایک تسمہ کا جوتا سب سے پہلے حضرت عثمان غنی نے پہنا بیان جواز کے لیے اب مروجہ جوتوں میں تسموں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔اس زمانہ میں چپل کا رواج عام تھا وہ بھی تسمہ والی۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ

	صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص کھڑے کھڑے جوتا پہنے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یہ ممانعت ان جوتوں میں ہے جن کے پہننے میں ہاتھ لگانا پڑتا ہے جیسے آج کل فل بوٹ تسمے والے یا چمڑے کے موزے کہ انہیں کھڑے کھڑے پہنے انکے تسمے باندھنے میں گرجانے کا اندیشہ ہے۔عام معمولی جوتے جو بہ آسانی بغیر ہاتھ لگائے پہن لیے جاتے ہیں وہ کھڑے کھڑے پہننا بالکل جائز ہے جیسے دیسی اور گرگابی جوتے۔(مرقات و اشعۃ اللمعات)

	اور ترمذی و ابن ماجہ نے ابوہریرہ سے روایت کی۔

	روایت ہے حضرت قاسم ابن محمد سے ۱؎ وہ حضرت عائشہ سے راوی فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہت دفعہ ایک جوتہ میں چلے ۲؎ اور ایک روایت میں ہے کہ خود آپ ایک جوتہ میں چلیں (ترمذی) اور فرمایا یہ زیادہ صحیح ہے ۳؎

۱؎ آپ کا ذکر پہلے ہوچکا ہے کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق کے پوتے ہیں،تابعی ہیں،حجۃ الوداع میں مقام ذوالحلیفہ پیدا ہوئے،بڑے فقیہ عالم اور بڑے قاری تھے۔(مرقات،اشعہ)

۲؎ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس کے معنی وہ ہی ہیں جو پہلے عرض کیے گئے کہ ضرورۃً گھر کے صحن میں ایک دو قدم اس طرح چلے مثلًا دونوں جوتے شریف دور دور پڑے تھے ایک پاؤں مبارک میں جوتہ پہن لیا پھر دو ایک قدم چل کر دوسرے جوتہ تک پہنچے اور وہ پہن لیا اور ممانعت کی احادیث میں باہر سڑک پر اس طرح چلنے کی ممانعت ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں یا وہ احادیث اس حدیث کی ناسخ ہیں یا یہ حدیث بیان جواز کے لیے ہے گزشتہ ممانعت کی حدیث بیان استحباب کے لیے۔

خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض ایسے کام کرنا جو امت کے لیے مکروہ یا ممنوع ہیں بیان جواز کے لیے ہوتا ہے یہ عمل آپ کے لیے ممنوع نہیں۔بلکہ آپ کو اس پر بھی ثواب ملے گا کیونکہ یہ عملی تبلیغ ہے جیسا کہ حضور انور کا کھڑے ہو کر پانی پینا بیان جواز کے لیے تھا ہمارے واسطے مکروہ ہے۔حضور نے یہ عمل تبلیغ مسئلہ کے لیے کیا(اشعۃ اللمعات)

۳؎ یعنی ترمذی نے حدیث مرفوع و موقوف دونوں کی روایت کی مگر حدیث موقوف کو اسنادًا صحیح تر کہا کہ یہ عمل حضرت عائشہ صدیقہ کا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرمایا یہ بات سنت سے ہے کہ جب آدمی بیٹھے تو اپنے جوتہ اتارے انہیں اپنی برابر رکھ لے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎یعنی مجلس میں نہ تو جوتے پہن کر بیٹھے کہ یہ بدتمیزی ہے اور نہ جوتے اپنے آگے رکھے کہ یہ قبلہ معظّمہ کی بے ادبی ہے نہ اپنی داہنی طرف رکھے داہنا حصہ عظمت والا ہے نہ پیچھے کہ اس میں جوتہ چوری ہوجانے کا خطرہ ہے لہٰذا پنی بائیں طرف رکھے۔(مرقات و لمعات)اب تو فیش پرست مسلمان مع جوتہ فرش پر بیٹھ کر روٹی کھاتے ہیں۔

	روایت ہے ابن بریدہ سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎ کہ نجاشی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو سیاہ سادہ موزے ہدیۃً بھیجے حضور نے انہیں پہنا ۲؎(ابن ماجہ)اور ترمذی نے ابن بریدہ عن ابیہ سے یہ زیادتی کہ پھر حضور نے وضو کیا اور ان پر مسح کیا ۳؎

۱؎بعض نسخوں میں ابوہریدہ ہے مگر غلط ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ ابوبریدہ کنیت ہے عبداللہ ابن مریدہ کی ،بریدہ ابن خصیب اسلمی صحابی ہیں،عبداللہ ابن بریدہ مرو کے حاکم تھے سلیمان ابن بریدہ کے بھائی ہیں دونوں بھائی ثقہ ہیں مگر حضرت عبداللہ بہت شاندار ہیں۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎اصحمہ یعنی نجاشی جو شاہ حبشہ تھے پہلے عیسائی تھے پھر حضرت عبداللہ ابن جعفر وغیرہم صحابہ کرام کی تبلیغ پر مسلمان ہوئے،انہوں نے خالص سیاہ رنگ کے چمڑے کے موزے حضور انور کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجے حضور نے انہیں پہنے،بعض علماء فرماتے ہیں کہ موزے سیاہ رنگ کے بہتر ہیں اور جوتے پیلے رنگ کے افضل۔بہتر یہ ہے کہ موزے سادہ ہوں ان پر دھاگے وغیرہ کے نقش و نگار نہ ہوں۔

۳؎یہاں مرقات نے فرمایا کہ جناب نجاشی رضی اللہ عنہ نے حضور کی خدمت میں ایک خط بھیجا اور قمیص پاجامہ چادر اور موزوں کا جوڑا بھیجا خط میں لکھا تھا کہ میں نے آپ کا نکاح بی بی ام حبیبہ سے کردیا ہے آپ کی قوم سے ہیں میرے ملک میں ہیں حضور قبول فرمائیں اور یہ حقیر سے ہدایا تحفے میں منظور کریں سرکار نے منظور فرمائے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کپڑے یا جوتے اگرچہ کفار نے بنائے ہوں بغیر تحقیق کیے پہنے جاسکتے ہیں۔ظاہر یہ ہے کہ وہ پاک ہوں گے بلاوجہ ناپاک نہ سمجھو۔(مرقات)معلوم ہوا کہ حضور انور نے پاجامہ کا ہدیہ قبول کیا ہے مگر پہننا ثابت نہیں۔

باب الترجل

کنگھی کرنے کا بیان[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1]جس کے سر پر بال ہوں وہ انہیں پریشان نہ رکھے ان میں کنگھی وغیرہ کرتا رہے۔اس باب میں کنگھی کے علاوہ اور چیزوں کا ذکر بھی ہوگا جیسے خضاب وغیرہ۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر کنگھی کرتی تھی حالانکہ میں حائضہ ہوتی تھی[1](مسلم،بخاری)

[1]جب حضور انور اعتکاف میں ہوتے تو اپنا سر مبارک گھر کی کھڑکی میں داخل فرمادیتے تھے ام المؤمنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر دھو بھی دیتیں تھیں تیل کنگھی بھی کردیتی تھیں۔معلوم ہوا کہ بحالت حیض عورت کا جسم پاک ہوتا ہے وہ ناپاکی حکمی ہے اور بحالت اعتکاف اپنے بعض اعضاء مسجد سے باہر نکال دینا جائز ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پانچ چیزیں فطرت سے ہیں[1] ختنہ کرنا[2] استرا لینا[3] مونچھیں کاٹنا[4] ناخن تراشنا[5] اور بغل کے بال اکھیڑنا[6] (مسلم،بخاری)

[1]سنت قدیمہ جو گزشتہ انبیاء کرام کا بھی طریقہ رہا ہو اسے فطرت کہتے ہیں گویا وہ انسان کی پیدائشی عادت ہے۔یہاں پانچ کا ذکر حد کے لیے نہیں ہے اس کے علاوہ اور بھی سنتیں انبیاء ہیں جو دوسری احادث میں مذکور ہیں۔

[2]ختنہ امام اعظم کے ہاں سنت ہے ،امام شافعی کے ہاں فرض۔(مرقات)سات سال کی عمر تک ختنہ کردینا چاہیے،نو مسلم جوان آدمی کا نکاح ایسی عورت سے کردیا جاوے جو ختنہ کرنا جانتی ہو پھر ختنہ کے بعد چاہے تو طلاق دیدے،جو بچہ ختنہ شدہ پیدا ہو اس کے ختنہ کی ضرورت نہیں۔خیال رہے کہ چودہ انبیاء کرام ختنہ شدہ پیدا ہوئے:حضرت آدم،شیث،نوح،صالح،شعیب ،یوسف،موسیٰ،زکریا،سلیمان،عیسیٰ،حنظلہ ابن صفوان جو اصحاب رُسل کے نبی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ حضرات ختنہ شدہ ناف بریدہ پیدا ہوئے،عورتوں کا ختنہ ہمارے ہاں مکروہ ہے۔

[3]یعنی ناف کے نیچے اور پاخانہ کے مقام کے بال استرہ سے صاف کرنا سنت ہے مرد کے لیے اور کسی دواء سے صاف کردینا مرد کے لیے خلاف سنت ہے قینچی سے یہ بال کاٹ دینا مردوعورت دونوں کے لیے خلاف سنت ہے،بحالت جنابت کوئی بال کاٹنا مونڈھنا بہتر نہیں۔(مرقات)

۴؎ اوپری ہونٹ کے بالوں کو مونچھ کہا جاتا ہے۔یہ اتنے کاٹے جاویں کہ اوپرے ہونٹ کا کنارہ خوب کھل جاوے،پانی پیتے وقت یہ بال پانی میں نہ ڈوب سکیں،مونچھیں مونڈنا یا بہت زیادہ پست کردینا خلاف سنت ہے۔محیط میں ہے کہ مردوں کو سر منڈآنا عام حالات میں اچھا نہیں احرام کھولتے وقت سنت ہے۔حلق کے بال نہ منڈائے،بھویں اور چہرے کے کچھ کچھ بال الگ کردینا جائز ہے جب کہ ہیجڑوں سے تشبہ نہ ہو،سینہ اور پیٹھ کے بال مونڈھنا یا کترنا مستحب نہیں۔(مرقات)

۵؎ اس طرح ناخن تراشے کہ ہاتھوں کے پہلے پاؤں کے بعد میں،داہنے ہاتھ کی کلمہ کی انگلی شروع کرے چھنگلی تک کاٹ دے پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے شروع کرے انگوٹھے تک کاٹ دے پھر داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن کاٹ دے۔جو کوئی جمعرات کے دن ناخن تراشا کرے ان شاء اللہ فقیر نہ ہوگا۔حجامت جمعرات کو چاہیے اور غسل تبدیلی لباس خوشبو جمعہ کو افضل ہے۔حضرت آدم علیہ السلام کے جسم پر ناخن کا لباس تھاجنت سے باہر آکر یہ کپڑوں کا لباس عطا ہوا،آپ کا جسم ساٹھ ہاتھ تھا۔(مرقات)

۶؎ بغل کے بال اوکھیڑنا سنت ہے منڈانا جائز،امام شافعی منڈایا کرتے تھے۔ناک کے بال اکھیڑنا ممنوع ہے اس سے بیماری پیدا ہوتی ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مخالفت کرو مشرکین کی ۱؎ ڈاڑھی بڑھاؤ۲؎ اور مونچھیں پست کراؤ اور ایک روایت میں ہے کہ مونچھیں نیچی کرو اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ مشرکین سے مراد کفار ہیں خواہ بت پرست ہوں یا اہلِ کتاب۔مخالفت سے مراد شکل،لباس،وضع قطع سب میں مخالفت ہوسکتی ہے مگر یہاں شکل میں مخالفت مراد ہے جیساکہ اگلی تفسیر سے ظاہر ہے۔یہ امروجوب کے لیے ہے کہ مسلمان کو کفار کی سی شکل بنانا حرام ہے۔

۲؎ **اوفروا** بنا ہے **وفر** سے بمعنی بڑھانا زیادہ کرانا،**لحی** جمع ہے **لحیۃ** کی بمعنی ڈاڑھی،رخسار اور ٹھوڑی پر جو بال ہیں انہیں **لحیہ** یعنی ڈاڑھی کہا جاتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ڈاڑھی کو ہاتھ نہ لگاؤ اسے بڑھنے دو اس کے بڑھنے کی حددوسری حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ڈاڑھی کی لمبائی چوڑائی سے کچھ کترتے تھے،اسے حضرت عبداللہ ابن عمر کے فعل شریف نے واضح کیا آپ چار انگلی یعنی مٹھی بھر سے زیادہ کو کٹوا دیتے تھے،دیکھو بخاری کتاب الحج اور شامی وغیرہ۔اگر عورت کے ڈاڑھی نکل آوے تو اس کا اکھیڑ دینا ضروری ہے کہ وہ داڑھی نہیں ہے بلکہ بیماری ہے۔ڈاڑھی مشت سے کم کرنا بھی منع ہے اور اس سے زیادہ کرنا بھی منع ہے اور ہر دو کے پیچھے نماز مکروہ۔(مرقات و شامی)

۳؎ **احفاء** اور **اعفاء** دونوں کے معنی ہیں بڑھانا۔کفار کی مخالفت کو حضور انور نے مقرر فرمادیا کہ ڈاڑھی بڑھا کر ان کی مخالفت کرواگرکسی جگہ کے کفار ڈاڑھی رکھتے ہوں جیسے ہمارے ہاں کے سکھ تو انکی مخالفت میں داڑھی مونڈانا

حرام ہے کہ مخالفت کو حضور نے مقرر فرمادیا،یہ بھی خیال رہے کہ ایک مشت ڈاڑھی قرآن مجید سے بھی ثابت ہے،حضرت ہارون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا"لَاتَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ" میری ڈاڑھی نہ پکڑو۔معلوم ہوا کہ آپ کی ڈاڑھی اتنی تھی کہ پکڑنے میں آجائے وہ مٹھی بھر ہی ہے۔انبیاء کرام کے متعلق احادیث میں ہے کہ وہ خشخشی یعنی بھری ڈاڑھی والے تھے بھری ڈاڑھی مشت سے کم نہیں ہوسکتی لہذا فرنچ یا خشخشی یا مشت سے کم داڑھی رکھنا حرام ہے کہ یہ منڈانے کے حکم میں ہے۔اس کی بحث شامی کتاب الصوم میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہمارے لیے مونچھیں کاٹنے اور ناخن کترنے اور بغل اکھیڑنے اورزیر ناف کے بال مونڈھنے کے متعلق وقت یہ مقرر کیا گیا کہ ہم چالیس شب سے زیادہ نہ چھوڑیں[1] (مسلم)	

[1] یعنی چالیس سے زیادہ دیر لگانا ممنوع ہے۔سنت یہ ہے کہ مونچھیں و ناخن ہر جمعہ کو کاٹے،زیر ناف کے بال بیس دن میں لے لہذا ہفتہ افضل ہے،پندرہ دن درمیانے،چالیس دن انتہائی مدت۔دراز ناخن سے روزی گھٹتی ہے۔حدیث شریف میں ہے جمعہ کے دن ناخن تراشے تو ان شاءاللہ دس دن تک بلاؤں سے محفوظ رہے گا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود اور عیسائی نہیں رنگتے تو تم انکی مخالفت کرو[1] (مسلم،بخاری)	

[1] لہذا اپنے سر کے بال اور ڈاڑھیاں جب سفید ہوجائیں تو مہندی سے خضاب لگالیا کرو،یہ حکم استحبابی ہے مہندی سے خضاب کرتے رہنا بہتر ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ فرماتے ہیں کہ ابو قحافہ فتح مکہ کے دن لائے گئے[1] حالانکہ ان کا سر اورداڑھی سفیدی میں ثغامہ کی طرح تھی[2] تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے کسی چیز سے بدل دو اورسیاہی سے بچو[3] (مسلم)	

[1] ابو قحافہ کا نام عثمان ابن عامر ہے،قرشی ہیں،فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور خلافت فاروقی تک زندہ رہے، ننانوے سال عمر پائی، ۱۴ھ چودہ میں وفات ہوئی،حضرت ابوبکر صدیق کے والد ہیں،آپ سے کچھ احادیث حضرت ابوبکر صدیق اور اسماء بنت ابوبکر نے روایت کیں۔(مرقات)جب آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لایا گیا تاکہ ایمان قبول کرلیں تو حضور انور نے فرمایا کہ تم لوگوں نے ابوقحافہ کو یہاں آنے کی تکلیف کیوں دی ہم خود ان کے پاس جاکر انہیں مسلمان کرتے۔(اشعہ)

۲؎ثغامہ ایک گھاس کانام ہے جو بہت سفید ہوتی ہے۔برف کی طرح،فارسی میں اسے درمنہ سفید کہتے ہیں یعنی حضرت ابو قحافہ کے سر و ڈاڑھی کے بال ایسے سفید تھے جیسے ثغامہ گھاس،حضرت ابوبکر صدیق انہیں اٹھا کر حضور کی خدمت میں لائے تھے۔(مرقات)

۳؎یعنی ان سر اور ڈاڑھی میں سیاہی کے سواء کسی رنگ کا خضاب کردو چنانچہ مہندی سے سرخ خضاب کردیا گیا۔حق یہ ہے کہ سیاہ خضاب مردعورت دونوں کے لیے ممنوع ہے۔حضرت عثمان غنی و امام حسن و حسین نے سیاہ خضاب لگایاہے مگر زینت کے لیے نہیں بلکہ غزوات میں کفار پر رعب طاری کرنے کے لیے کہ وہ لوگ آپ کو بوڑھا نہ سمجھ سکیں اور آپ پر دلیر نہ ہوجائیں،اب بھی بحالت جہاد غازی کو سیاہ خضاب درست ہے۔(مرقات)حضور انور نے داڑھی شریف میں کبھی خضاب نہ کیا،حضور کے بال خضاب کی حد تک سفید نہ ہوئے صرف چند بال شریف سفید تھے،چند بار سر شریف میں مہندی لگائی تھی دردسر کی وجہ سے۔(مرقات)حضرت ابوبکر صدیق نے مہندی اور وسمہ کا خضاب کیا ہے مگر وسمہ اتنا ہوتا تھاجس سے سیاہ رنگت نہ ہوتی تھی بلکہ پختہ سرخ رنگ ہوتا تھا،اسی طرح اور صحابہ سے بھی خضاب منقول ہے۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کاموں میں جس میں خاص حکم نہ دیا گیا ہو اہلِ کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے ۱؎ اور اہل کتاب اپنے بالوں کو کھلے رکھتے تھے ۲؎ اور مشرکین اپنے سروں میں مانگ نکالتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیشانی کے بال کھلے چھوڑے ۳؎ پھر بعد میں مانگ نکالی ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎موافقت اور مشابہت میں بڑا فرق ہے کفار سے مشابہت بہرحال حرام ہے موافقت جائز ہے مگر جائز چیزوں میں۔مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں سے حضور انور کو منع نہیں فرمایا گیا ان میں ایسے کام اختیار فرماتے تھے جو مشرکین کے مخالف ہوں اہلِ کتاب کے موافق۔

۲؎یعنی سر کے بالوں میں مانگ نہ نکالتے تھے یوں ہی کھلے ہوئے چھوڑ دیتے تھے۔

۳؎پیشانی سے مراد سر ہے،بعض روایات میں راسہ ہے یعنی حضور انور نے مانگ نہ نکالی بلکہ بال شریف کھلے رکھے۔

۴؎کیونکہ جبریل امین نے حضور انور سے یہ ہی عرض کیا کہ مانگ نکالا کریں،چنانچہ اب مسلمانوں کو یہ ہی سنت ہے۔

روایت ہے نافع سے وہ حضرت ابن عمر سے راوی فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ قزع سے منع فرماتے ہیں ۱؎ نافع سے کہا گیا کہ قزع کیا ہے فرمایا کہ بچے کے سر کا کچھ حصہ مونڈ دیا جاوے اور	

	کچھ حصہ چھوڑ دیا جاوے۲؎(مسلم،بخاری)اور بعض محدثین نے اس تفسیر کو حدیث سے ملایا ہے۳؎

۱؎قزع قاف کے فتحہ سے بمعنی بادل کے ٹکڑے،اب اصطلاح میں سر کا بعض حصہ منڈوانے یا کترانے اور بعض رکھانے کو قزع کہتے ہیں اسے بادل کے ٹکڑوں سے تشبیہ دیتے ہوئے،یہ ممانعت بچوں بڑوں سب کے لیے ہے۔مجبوری کے حالات اس سے علیحدہ ہیں جیسے کبھی سر سام میں بیمار کا تالو کھول دیا جاتا ہے یعنی صرف بیچ کھوپڑی کے بال مونڈدیئے جاتے ہیں ویسے بلاضرورت ممنوع ہے کہ کراہت تنزیہی ہے،انگریزی حجامت بھی قزع ہے۔

۲؎بچوں کا ذکر اتفاقًا ہے کہ عرب میں بچوں ہی کی حجامت اس طرح کی جاتی ہے ورنہ یہ ممانعت چھوٹے بڑوں سب کے لیے ہے۔

۳؎یعنی اس روایت میں اسطرح مروی ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی یہ تفسیر ارشاد فرمائی۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچہ دیکھا جس کے سر کا کچھ حصہ مونڈ دیا گیا اور کچھ چھوڑ دیا گیا تھا تو انہیں اس سے منع فرمایا اور فرمایا کُل سر مونڈویا کل چھوڑو۱؎(مسلم)

۱؎خیال رہے کہ کل سر منڈانا جائز ہے مگر بہتر نہیں سواء احرام سے کھلنے کے وقت کہ وہاں سر منڈانا بہتر ہے باقی حالات میں منڈانا بہتر نہیں کہ سواء حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کسی صحابی نے سر نہ منڈایا نہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے۔(مرقات)حضرت علی کے سر منڈانے کی حکمت شروع کتاب میں عرض کی گئی۔اس زمانہ میں تو سر منڈانا بہت ہی برا ہے کہ وہابیوں کی علامت ہے،حضور نے وہابیوں کے متعلق ارشاد فرمایا سیماھم التحلیق ان کی علامت سر منڈانا ہوگی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انگریزی بال رکھنا یا قلمیں بنوانا سب ممنوع ہے کہ اس میں قزع ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے مخنث مردوں پر۱؎اور مرد بننے والی عورتوں پر لعنت کی۲؎اور فرمایا کہ انہیں اپنے گھروں سے نکال دو۳؎(بخاری)

۱؎ مخنث بنا ہے خنث سے بمعنی نرمی یا پیچیدگی۔مخنث وہ لوگ جو ہوں تو مرد مگر ان کی آواز وضع قطع عورتوں کی سی ہو۔مخنث دو قسم کے ہیں: ایک پیدائشی،دوسرے بناوٹی یہاں بناوٹی مخنثوں کا ذکر ہے انہیں پر لعنت ہے کہ پیدائشی مخنث تو مجبور ہے۔معلوم ہوا کہ مرد کا عورتوں کی طرح لباس پہننا،ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا،عورتوں کی طرح بولنا،ان کی حرکات و سکنات اختیار کرنا سب حرام ہے کہ اس میں عورتوں سے تشبیہ ہے،اس پر لعنت کی گئی بلکہ ڈاڑھی مونچھ منڈانا حرام ہے کہ اس میں بھی عورتوں سے مشابہت اورعورتوں کے سے لمبے بال رکھنا،ان میں

مانگ چوٹی کرنا حرام ہے کہ ان سب میں عورتوں سے مشابہت ہے،عورتوں کی طرح تالیاں بجانا،مٹکنا،کوے بلانا سب حرام ہے اسی وجہ سے۔

۲؎ یعنی عورتوں کامردوں کی سی شکل بنانا،ان کالباس پہننا،ان کی طرح بے پردہ پھرنا حرام ہے لہذا عورتیں بادشاہ یا حاکم نہ بنیں کہ یہ کام مردوں کے ہیں۔

۳؎ یعنی مخنث کو اپنے گھروں میں نہ آنے دو تمہاری عورتیں اس سے پردہ کریں کہ یہ بڑے بدمعاش ہوتے ہیں،پردہ نشین عورتوں کا ذکر غیر مردوں سے کرتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ مخنث اور مردوں کی ہم شکل بننے والی عورتیں دونوں کو گھروں سے نکال دو اور اپنی عورتوں کو ان سے پردہ کراؤ کہ ایسی عورتیں آوارہ ہیں ان سے پردہ واجب۔(اشعہ)فقہاء فرماتے ہیں کہ آوارہ عورتوں سے شریف عورتوں کا اسی طرح پردہ کرنا فرض ہے جیسے مردوں سے پردہ کرنا ضروری ہے کہ آوارہ عورتیں مردوں سے زیادہ خطرناک ہیں،ایسی آوارہ عورتوں نے شریفوں کے بہت گھر اجاڑ دیئے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے اللہ لعنت کرے ان مردوں پر جو عورتوں کے ہم شکل بنیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی ہم شکل بنیں ۱؎ (بخاری)

۱؎ معلوم ہوا کہ یہ حرکت گناہ کبیرہ ہے،گناہ صغیرہ بھی اگر ہمیشہ کیا جاوے تو کبیرہ بن جاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ لعنت کرے بال ملانے والی اور ملوانے والی پر اور گودنے والی اور گودانے والی پر ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ ان دونوں چیزوں کی شرح پہلے گزرگئی۔**واصلہ** وہ عورت جو اپنے سر کے بالوں میں دوسری عورت کے بال ملا کر دراز کرے۔**مستوصلہ** وہ عورت جودوسری کے سر میں یہ بال جوڑے یا جو اپنے سر کے بال کاٹ کر اسے دے ملانے کے لیے یہ دونوں کام حرام ہیں جن پر لعنت فرمائی گئی۔**واشمہ** وہ عورت جو سوئی وغیرہ کے ذریعہ اپنے اعضاء میں سرمہ یا نیل گودوالے جیساکہ ہندو عورتیں بعض ہندو مرد کرتے ہیں۔**مستوشمہ** وہ جو دوسری عورت کے گودے دونوں پر لعنت فرمائی۔حرام کام فاعل و مفعول دونوں کی لعنت کا باعث ہوتا ہے۔خیال رہے کہ اگر بالوں میں دھاگہ لگا کر انہیں دراز کرلیا جاوے تو جائز ہے جسے موباف کہتے ہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ لعنت کرے اللہ گودنے والیوں پر اور گودوانے والیوں پر اور بال اکھیڑنے والیوں پر ۱؎ اور حسن کے لیے کھڑکیاں کرانے والیوں پر ۲؎ جو اللہ کی خلقت کو بدلنے والیاں ہیں ۳؎

	تو ایک عورت آپ کے پاس آئی بولی کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم نے فلاں فلاں پر لعنت کی ہے۴؎ فرمایا میں کیوں لعنت نہ کروں اس پر جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی اور اسپر جو اللہ کی کتاب میں ہے ۵؎ وہ بولی کہ میں نے تو دو تختیوں کے درمیان میں پڑھا ہے جو تم کہتے ہو وہ میں نے اس میں نہ پائی ۶؎ فرمایا اگر تم نے اسے پڑھا ہوتا تو تم اسے پالیتیں۷؎ کیا تم نے نہ پڑھا کہ جو تم کو رسول دیں اسے لے لو اور جس سے تم کو رسول منع کریں اس سے باز رہو وہ بولی ہاں فرمایا کہ حضور نے اس سے منع فرمایا ہے ۸؎(مسلم،بخاری)۹؎

۱؎ یہ لفظ بناہے **نماص** سے،**نماص** بال اکھیڑنے کہ آلہ کو کہتے ہیں جسے پنجاب میں موچنا کہا جاتا ہے یہاں چہرے کا رونگٹا اکھیڑنا مراد ہے یہ حرام ہے ورنہ اگر عورت کے ڈاڑھی یا مونچھیں نکل آویں تو انہیں ضرور اکھیڑ دے۔(مرقات)

۲؎ **متفلجات** بنا ہے **فلج** سے،**فلج** اس کھڑکی یا کشادگی کو کہتے ہیں جو دو دانتوں کے درمیان ہوتی ہے،بعض عورتیں مشین کے ذریعہ اپنے دانت پتلے کروا کر درمیان میں جھریاں کرالیتی ہیں اسے اپنے لیے حسن و خوبصورت تصور کرتی ہیں یہ حرام ہے،اس سے دانت بھی خراب ہوجاتے ہیں پھر ٹھنڈا پانی گرم چائے یا دودھ نہیں پی سکتیں دانتوں میں لگتا ہے۔**للحسن** کا تعلق یا تو صرف **متفلجات** سے ہے یا **والشمات** اور **متنمصات** اور **متفلجات** تینوں سے ہے یعنی جو عورتیں یہ تینوں کام خوبصورتی کے لیے کریں وہ لعنتی ہیں جو مجبورًا کسی مرض کی وجہ سے کریں انہیں معافی ہے۔

۳؎ خیال رہے کہ تبدیلی خلق اللہ دوطرح کی ہے:ایک شرعًا جائز دوسری حرام۔چنانچہ ختنہ کرنا،ناخن کٹوانا،مونچھیں ترشوانا ،حجامت کرانا ان میں بھی تبدیلی خلق اللہ تو ہے مگر اس کا حکم ہے اور یہ مذکورہ چیزیں دانت پتلے کرانا وغیرہ تبدیلی خلق اللہ ہے مگر حرام،یہاں حرام تبدیلی مراد ہے یعنی چونکہ اس حرکت میں حرام تبدیلی ہے لہذا یہ ممنوع ہے۔(اشعۃ اللمعات)

۴؎ یعنی کسی مسلمان پر لعنت جائز نہیں تو تم نے ان مسلمان عورتوں پر لعنت کیوں کی تم نے صحابی رسول ہو کر ایسی جرات کس بنا پر کی۔

۵؎ یعنی میں نے خود اپنی طرف سے ان پر لعنت نہیں کی بلکہ اللہ رسول نے لعنت کی ہے میں تو ان لعنتوں کا ناقل ہوں لعنت رسول تو میں نے خود سنی ہے لعنت اللہ قرآن مجید سے معلوم کی ہے لہذا میری یہ لعنت برحق ہے لہذا یہ حدیث مرفوع ہوگئی۔

٦؎ یعنی اس کے متعلق حدیث حدیث تو ہوگی جو میں نے نہ سنی ہو آپ نے سنی ہو کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت زیادہ حاضر رہتے تھے مگر قرآن کریم تو مقررومعین ہے میں اسے دن رات پڑھتی ہوں میں نے کسی آیت میں ان عورتوں اور ان پر لعنت کا ذکر نہ دیکھا میں اس میں آپ کو سچا کیسے مان لوں۔ لوحین سے مراد قرآن مجید کی جلد کے دو گتے ہیں جن کے بیچ میں قرآن مجید ہوتا ہے مراد ہے سارا قرآن مجید۔

٧؎ مطلب یہ ہے کہ اگر تم قرآن مجید غور سے پڑھتیں سمجھ بوجھ کر تو تم کو اس میں یہ لعنت مل جاتی اور تم میری تصدیق کردیتیں۔

٨؎ سبحان اللہ! کیسا ایمان افروز شاندار استنباط ہے اس آیت سے یہ ثابت فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام منع فرمائی ہوئی چیزیں قرآن مجید کی ممانعت میں داخل ہیں اور حضور نے تو ان سے منع فرمایا ہے لہذا قرآن نے بھی انہیں منع فرمایا حضور کی لعنت خدا تعالٰی کی لعنت ہے۔(مرقات) لہذا حضور کی رحمت و کرم رب تعالٰی کی رحمت ہے۔

٩؎ اس حدیث کو احمد،ترمذی ابن ماجہ،ابوداؤد،نسائی نے بھی روایت کیا۔(مرقات) اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ حدیث کے احکام کو قرآن کی طرف نسبت کرسکتے ہیں کہ کتاب قرآن خاموش قرآن ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بولتے ہوئے قرآن ہیں،لہذا کہہ سکتے ہیں کہ نماز کی تعدادومقدار زکوۃ کی مقداریں وغیرہ سب کچھ قرآن میں ہے کیونکہ یہ حضور نے بتادیئے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نظر حق ہے ١؎ اور گودنے سے منع فرمایا ٢؎(بخاری)	

١؎ یعنی نظر بد کا اثر حق ہے اس سے مال بدن پر اثر پڑتا ہے باذن اللہ۔جیسے اللہ تعالٰی نے سانپ کے منہ میں،بچھو کے ڈنگ میں زہر رکھا ہے یوں ہی اس نے انسان کی نظر میں بھی اثر رکھا ہے جس سے انسان بیمار یا چیز ضائع ہوجاتی ہے،ان شاء اللہ اس کی تحقیق کتاب الطب و الرقی میں آوے گی۔جادو،نظر وغیرہ سب برحق ہے۔جب گالی کے لفظوں میں اثر ہے کہ اس سے دل مغموم ہو جاتا ہے تو جادو کے الفاظ میں بھی اثر ہوسکتا ہے یوں ہی دعاؤں وظیفوں دم درود میں شفاء کا اثر برحق ہے۔

٢؎ اہلِ عرب کا عقیدہ تھا کہ گودنے سے نظر نہیں لگتی اور لگی ہوئی نظر دفع ہوجاتی ہے اس لیے حضور انور نے اس سے منع فرمایا کہ یہ خلاف عقل اور عقیدہ باطل ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بال چپکائے ہوئے دیکھا ١؎(بخاری)	

۱؎ملبد کے معنی ہیں چپکانا۔اہل عرب کوئی خاص گوند ہلکا سا سر میں مل کر بال چپکا لیتے تھے تاکہ بال پراگندہ نہ ہوں اسے ملبد کہتے ہیں،یہ بحالت احرام اور غیر احرام سب میں جائز ہے یہاں غالبًا غیر احرام کی حالت میں ملبد مراد ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ مرد زعفرانی رنگ استعمال کرے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی اپنے کپڑے یا بدن میں زعفرانی رنگ استعمال کرنا مرد کے لیے ممنوع قرار دیا عورتوں کو یہ سب کچھ جائز ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ تھوڑا سا زعفرانی رنگ لگالینا مرد کو جائز ہے زیادہ ممنوع ہے مگر حق یہ ہے کہ مطلقًا ممنوع ہے۔جن احادیث سے اس جواز کا دھوکا ہوتا ہے ان میں رنگ لگ جاتا ہے لگانا نہیں لہذا یہ حدیث اپنے اطلاق پر ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موجود بہترین خوشبو تیار کرتی تھی ۱؎حتی کہ خوشبو کی چمک آپ کے سر اور آپ کی ڈاڑھی میں پائی جاتی تھی ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎اطیب کے دو معنی ہوسکتے ہیں: خوشبو تیار کرتی تھی یا خوشبو لگاتی تھی۔حضور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو بہت ہی پسند تھی اس لیے ازواج مطہرات خصوصًا ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور انور کے لیے خوشبو تیار کیا کرتی تھیں حتی کہ احرام کھولتے وقت بھی خوشبو تیار کی گئی تھی۔

۲؎یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سر مبارک اور ڈاڑھی شریف میں خوشبو لگاتے تھے اور وہ خوشبو اس قدر زیادہ ہوتی تھی کہ بالوں میں اس کی چمک دیکھی جاتی تھی،یہ چمک خوشبو کا رنگ نہ تھا چمک تھی،چمک تو پانی کی بھی محسوس ہوجاتی ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ مردوں کی خوشبو بغیر رنگ والی چاہیے کہ وہاں رنگ سے مراد زینت والا رنگ ہے اس کی ممانعت ہے۔

روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر جب دھونی لیتے تو لوبان سے دھونی لیتے غیر مخلوط ۱؎یا کافور سے لیتے جسے وہ لوبان کے ساتھ ڈالتے ۲؎پھر فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دھونی لیتے تھے ۳؎(مسلم)	

۱؎استجمار وہ خوشبو لینا جو جمرہ یعنی آگ کے انگاروں پر رکھ کر حاصل کی جاوے یعنی بخور یا دھونی اسی لیے انگیٹھی کو مجمرہ کہتے ہیں یہ جمرہ سے ہے نہ جمار سے،جمار سے جو استجمار آتا ہے اس کے معنی ہوتے ہیں ڈھیلے سے

استنجا کرنا،اسی سے ہے جمار جن کی رمی حج میں کی جاتی ہے۔لوبان مشہور خوشبو ہے جو پہلے بہت مروج تھی اب اگربتیوں کی وجہ سے اس کا رواج کم ہوگیا۔

۲؎ یعنی کبھی تو خالص لوبان سے دھونی لیتے کبھی لوبان کے ساتھ کافور بھی شامل فرمالیتے تھے دونوں کی ملاکر دھونی لیتے تھے۔

۳؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی صرف لوبان سے اور کبھی لوبان و کافور کے مجموعہ سے دھونی لیا کرتے تھے میں بھی اس سنت پر عمل کرتا ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور عادت کریمہ جو کام کیے وہ سنت زائدہ کہلاتے ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم اپنی مونچھوں سے کچھ کترتے یا لیتے تھے ۱؎ اور اللہ کے خلیل جناب ابراہیم بھی یہ کام کرتے تھے ۲؎(ترمذی)	

۱؎ راوی کو شک ہے کہ حضرت ابن عباس نے یاخذ کہا یا یقص معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔

۲؎ غالبًا حضرت ابراہیم پہلے وہ نبی ہیں جنہوں نے مونچھیں تراشیں آپ کے بعد تمام نبیوں نے یہ عمل کیا اور ہمارے حضور نے یہ سنت خلیل جاری فرمائی لہذا یہ عمل فطرت ہے اس پر بڑا ثواب ہے۔مونچھیں ہرہفتہ یا پندرہ دن میں ضرور تراشنا چاہئیں۔

روایت ہے حضرت زید ابن رقم سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنی مونچھوں میں سے کچھ نہ لے وہ ہم میں سے نہیں ۱؎(احمد،ترمذی،نسائی)	

۱؎ یعنی ہمارے طریقہ سے وہ خارج ہے یا بڑی مونچھیں رکھنے والے کے لیے خطرہ ہے کہ اس کا خاتمہ اسلام پر نہ ہو۔معاذ اللہ!(مرقات)

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی شریف سے طول و عرض سے کچھ لیا کرتے تھے ۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ اس طرح کہ لمبائی میں مٹھی بھر یعنی چار انگل سے زیادہ بالوں کو کاٹ دیتے تھے اور چوڑائی میں اس دائرے کے حد میں جو بال آتے باقی رکھے جاتے اس سے بڑھتے ہوئے کاٹ دیئے جاتے۔چار انگل تک ڈاڑھی رکھنا واجب

ہے،ڈاڑھی منڈانا یا کتروانا فسق ہے۔حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنھما اپنے ڈاڑھی مٹھی میں پکڑتے تو جو مٹھی سے باہر بال ہوتے انہیں کاٹ دیتے تھے وہ عمل اس حدیث کی شرح ہے۔یہاں حضرت شیخ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے بہت عرصہ تک ڈاڑھی نہ کٹوائی حتی کہ ڈاڑھی بہت بڑی ہوگئی تو اب اسے نہ کٹوائے بلکہ ویسی ہی رہنے دے۔(اشعہ)جن بزرگوں کی ڈاڑھیاں بہت لمبی دیکھی گئیں ہیں وہاں یہ ہی وجہ ہوئی ہوگی۔غرضکہ چار انگل سے ہرگز کم نہ کرے مگر اس سے زیادتی اس کی دو صورتیں ہیں: کوشش کرتا رہے کہ زیادہ نہ ہونے پائے،اگر بہت زیادہ کرلی تو پھر ویسے ہی رہنے دے۔

	روایت ہے حضرت یعلیٰ ابن مرہ سے[1] کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر خلوق خوشبو دیکھی[2] تو فرمایا کیا تمہارے پاس بیوی ہے[3] کہا نہیں فرمایا تو اسے دھودو پھر دھو دو پھر دھودو پھر آئندہ نہ کرو[4] (ترمذی،نسائی)

[1] آپ مشہور صحابی ہیں،اہلِ کوفہ میں آپ کا شمار ہے،صلح حدیبیہ،غزوہ خیبر،غزوہ حنین میں شریک رہے۔

[2] خلوق خ اور لام کے پیش سے عرب کی مشہور خوشبو ہے جو زعفران وغیرہ سے تیار کی جاتی ہے رنگت دیتی ہے۔

[3] یعنی اگر تمہارے بیوی ہوتو تم اس رنگت میں معذور ہو کہ اس نے رنگت والی خوشبو استعمال کی ہو اور اس کے کپڑوں سے تمہارے جسم یا کپڑوں میں خوشبو لگ گئی ہو،اس صورت میں تم معذور ہو اور اس خوشبو کے لگ جانے سے تم پر کوئی گناہ نہیں۔

[4] یا تو اس خوشبو کی رنگت ایسی تیز اور پختہ ہوگی جو تین بار دھوئے بغیر کپڑے سے چھوٹ نہ سکتی ہوگی اس لیے تین بار دھونے کا حکم دیا یا مبالغہ کے طور پر فرمایا کہ خوب اچھی طرح دھوؤ تاکہ بامشقت انہیں یاد رہے اور پھر یہ کبھی استعمال نہ کریں۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جس کے جسم میں کچھ خلوق ہو[1] (ابوداؤد)

[1] رجل فرماکر اشارۃً بتایا کہ عورت کا یہ حکم نہیں اسے خلوق استعمال کرنا جائز ہے اور شیئ فرماکر بتایا کہ خلوق تھوڑی ہو یا زیادہ بہرحال مرد کے لیے ممنوع ہے۔اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ تھوڑی خلوق جائز ہے زیادہ ممنوع۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن چیزوں کا استعمال ممنوع ہے ان کے ساتھ نماز مکروہ ہے لہذا مرد اگر ریشمی لباس یا چاندی سونے کا زیور پہن کر نماز پڑھے تو اس کی نماز سخت مکروہ واجب الاعادہ ہوگی۔

	روایت ہے حضرت عمار ابن یاسر سے فرماتے ہیں کہ میں سفر سے اپنے گھر والوں کے پاس آیا میرے ہاتھ پھٹ گئے تھے تو انہوں نے زعفران والی خلوق میرے لگادی[1] پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا

میں نے آپ پر سلام عرض کیا تو مجھے جواب نہ دیا اور فرمایا جاؤ اسے اپنے جسم سے دھو دو ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎خلوق بغیر زعفران کی بھی ہوتی ہے اور زعفران والی اور یہ زخم کا علاج ہے جیسے آج کل ویسلین کہ اس میں خوشبو ہوتی ہے اور یہ زخموں وغیرہ کا علاج بھی ہے،انکے زخم پر زعفرانی خلوق لگائی گئی تھی علاج کے لیے۔
۲؎غالبًا اسی پھٹن کا علاج خلوق کے سواء اور بھی ہوگا جیسے موم و تیل وغیرہ یا اس پر ناراضی ہے کہ تم اسے لگائے ہوئے باہر کیوں آئے یا اس پر کہ تم نے خلوق پر پانی بہاکر اس کا رنگ کیوں زائل نہ کردیا ورنہ مجبوری و معذوری میں معافی ہوتی ہے۔(مرقات و اشعہ)اس سے معلوم ہوا کہ اعلانیہ ناجائز کا ارتکاب کرنے والے کے سلام کا جواب نہ دینا تاکہ وہ اس گناہ سے توبہ کرے درست ہے اور ممکن ہے کہ حضور نے آہستہ جواب دیا ہو جوانہوں سے سنا نہ گیا ہو،لہذا حدیث پر یہ سوال نہیں ہوسکتا کہ سلام کا جواب دینا فرض ہے پھر حضور نے جواب کیوں نہ دیا جبکہ بزرگ ہستی کے جواب سلام نہ دینے سے اس کے گناہ چھوڑ دینے کی امید ہو تب یہ جواب نہ دینا ایک قسم کی تبلیغ ہے یہ توجیہ خیال میں رہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مردوں کی خوشبو وہ ہے جس کی مہک ظاہر ہو رنگت چھپی رہے ۱؎اور عورتوں کی خوشبو ایسی ہو جس کا رنگ ظاہر ہو مہک چھپی ہوئی ۲؎(ترمذی،نسائی)	

۱؎جیسے گلاب،مشک،عنبر اور کافور وغیرہ مرد کے لیے یہ خوشبوئیں بہتر ہیں کہ ان میں رنگت نہیں مہک ہے۔
۲؎خیال رہے کہ عورت مہک والی چیز استعمال کرکے باہر نہ جائے اپنے خاوند کے پاس خوشبو مل سکتی ہے یہاں کوئی پابندی نہیں جیساکہ دوسری روایت میں ہے کہ جو عورت خوشبو مل کر باہر نکلے وہ ایسی ایسی ہے۔دوسری روایت میں ہے کہ عورت بخور لگاکر ہماری مسجد میں عشاء کے لیے نہ آئے۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ عورت مہندی لگائے ہوئے باہر نہ پھرے کہ مہندی میں مہک ہے اور عورت کو مہک لگا کر نکلنا ممنوع ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کپی تھی جس سے آپ خوشبو لگاتے تھے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ سکہ سین کے پیش کاف کے شد سے،عرب کی ایک مشہور خوشبو ہے جس میں بہت خوشبوئیں شامل کی جاتی ہیں مگر یہاں مراد وہ ڈبی یا کپی ہے جس میں یہ خوشبو رکھی جاوے اس لیے **منھا** ارشاد ہوا جس میں **من** ابتدائیہ ہے۔(مرقات)

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر میں تیل اور ڈاڑھی میں کنگھی بہت	

استعمال فرماتے ۱؎اور قناع کا استعمال زیادہ کرتے ۲؎گویا آپ کا کپڑا تیل والوں کا کپڑا ہی تھا۳؎(شرح سنہ)	

۱؎حضرت انس سے روایت ہے کہ رات کو حضور کے سرہانے مسواک اور کنگھی رکھی جاتی تھی جب شب اٹھتے تو یہ دونوں چیزیں استعمال فرماتے،حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سات چیزیں سفروحضر میں نہ چھوڑتے تھے: پیشاب کا برتن،آئینہ،سرمہ دانی،مسواک، قینچی،سرمہ کی سلائی۔(مرقات)

۲؎ قناع ق کے کسرہ سے وہ کپڑا جو ٹوپی کے نیچے پہناجاوے تاکہ تیل ٹوپی و عمامہ میں نہ لگے وہ کپڑا ہی تیل میں تر رہے یعنی چونکہ آپ سر میں تیل زیادہ استعمال کرتے تھے اس لیے ٹوپی شریف کے نیچے ایک کپڑا تیل سے بچاؤ کے لیے استعمال فرماتے تھے۔

۳؎یعنی یہ قناع تیل میں ایسا بھیگا رہتا تھا جیسے تیل والے کے کپڑے تیل سے تر رہتے ہیں دوسرے کپڑے مراد نہیں کیونکہ حضور کے کپڑے بہت صاف اور چٹے رہتے تھے آپ سفید کپڑے پسند فرماتے تھے جو صاف ہوں۔

روایت ہے حضرت ام ہانی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے پاس مکہ میں تشریف آوری فرمائی ۱؎اس دن آپ کے چار گیسو تھے ۲؎(احمد،ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎غالبًا فتح مکہ کے دن کی تشریف آوری مراد ہے جب حضور نے ام ہانی کے گھر میں غسل بھی کیا اور نماز چاشت بھی پڑھی تھی بعد ہجرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار بار مکہ معظّمہ تشریف لے گئے عمرہ قضا کے لیے،فتح مکہ کے لیے،عمرہ ہجرانہ کے لیے اور حجۃ الوداع کے لیے۔حضور انور نے چار عمرے کیے ہیں اور ایک حج،تین عمرے ذیقعدہ ہی میں ایک عمرہ جو حج الوداع کے ساتھ کیا وہ ذی الحجہ میں۔یہ واقعہ جو آپ بیان فرمارہی ہیں وہ فتح مکہ کے دن کا ہے۔

۲؎بٹے ہوئے بالوں کو غدیرہ ضفیرہ کہا جاتا ہے جس کی جمع غدائر اور ضفائر ہے یعنی اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں مبارک کو چار حصوں میں کیا ہوا تھادو حصے بٹ کر داہنے ہاتھ کی طرف لٹکے ہوئے تھے اور دو حصے بائیں جانب۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں مانگ نکالتی تھی تو آپ کی مانگ آپ کے درمیان سر سے چیرتی تھی ۱؎اور آپ کی پیشانی کے بال دو آنکھوں کے درمیان چھوڑتی ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎یہ ہی سنت ہے کہ سر کے بال بکھرے نہ رہیں ان میں کنگھی کی جاوے،بالوں کے دو حصے کیے جاویں اور مانگ بیچ سر میں ناک کے اوپر سے سیدھی نکالی جاوے،اب فیشن پرست مردوعورت ایک طرف سے مانگ نکالتے ہیں یعنی ٹیڑھی مانگ خلاف سنت ہے۔

۲؎اس جملہ کے شارحین نے کئی معنی کیے ہیں۔ظاہر یہ ہے کہ یہ کلام پہلے کلام کا تتمہ ہے یا **فوخ** کہتے ہیں وسط سر یعنی کھوپڑی کو۔مطلب یہ ہے کہ میں حضور انور کے بال شریف کے دو حصے کرتی تھی ایک حصہ داہنی جانب دوسرا حصہ بائیں جانب اور پیشانی کے اوپر سے یہ مانگ شروع کرتی تھی اور کھوپڑی شریف سےاسے گزارتی تھی پوری مانگ بیچ سر میں ہوتی تھی سیدھی جاتی تھی۔یہ ہی معنی بہت موزوں ہیں(مرقات و اشعہ)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مغفل سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنگھی کرنے سے منع فرمایا مگر گاہے گاہے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

۱؎یہ حکم مرد کے لیے سر کے بالوں میں کنگھی کرنے کے متعلق ہے یعنی جس مرد کے سر پر بال ہوں وہ روزانہ ان میں تیل و کنگھی نہ کرے کہ اسی میں لگا رہے بلکہ کبھی کرے کبھی نہ کرے،ایک دن کرے ایک دن نہ کرے۔خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ ہفتہ میں ایک دن کرے۔غب غین کے کسرہ سے ب کے شد سے، اس کے معنی ہیں اونٹ کو ایک دن پانی پلانا ایک دن ناغہ کرنا تجارت کو بھی غب کہا جاتا ہے۔اس ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ انسان ظاہری آرائش میں مشغول ہوکر رب کو نہ بھول جائے اس حکم سے عورتیں مستثنٰی ہیں وہ چاہیں تو روزانہ مانگ چوٹی کریں،یوں ہی اگر مرد ڈاڑھی میں روزانہ کنگھی کرے تو مضائقہ نہیں دیکھو مرقات۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ وضو کے بعد ڈاڑھی میں کنگھی کرنا فقیری کو دور کرتا ہے،امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روز ڈاڑھی میں دو بار کنگھی کرتے تھے۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بریدہ سے ۱؎فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے فضالہ ابن عبید سے کہا ۲؎کہ مجھے کیا ہوا کہ میں آپ کو پراگندہ بال دیکھتا ہوں ۳؎فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو بہت عیش پسندی سے منع فرماتے تھے ۴؎بولے کہ مجھے کیا ہوا کہ تمہارے پاؤں میں جوتے نہیں دیکھتا فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم دیتے تھے کہ کبھی کبھی ننگے پاؤں رہا کریں ۵؎(ابوداؤد)

۱؎آپ عبداللہ ابن بریدہ ابن حصیب اسلمی ہیں،تابعی ہیں،اپنے والد بریدہ سے جوکہ صحابی ہیں روایات لیتے ہیں،آپ کے بیٹے سہل آپ سے روایات لیتے ہیں،مرو کے قاضی رہے،وہاں ہی وفات پائی۔

۲؎ فضالہ ابن عبید صحابی ہیں،انصاری ہیں،اوسی ہیں،غزوہ احد وغیرہ میں شامل رہے،پھر دمشق میں قاضی رہے امیر معاویہ کے زمانہ میں،وہاں ہی وفات پائی۔(مرقات)

۳؎ یعنی میں آپ کو کبھی کبھی سروبال کے پراگندہ بال والا دیکھتا ہوں اس کی کیا وجہ ہے آپ روزانہ بال عمدہ کنگھی والے کیوں نہیں رکھتے۔

۴؎ یعنی ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ پر تکلف رہنے بناؤ سنگھار کئے رہنے سے منع فرمایا ہے،اس ممانعت میں صدہا حکمتیں ہیں۔ہمیشہ بنے ٹھنے رہنے سے صد ہا گناہ کا دروازہ کھل جاتا ہے اور نفس عیاش ہوجاتا ہے،اگر کبھی فقیری آجائے اور تکلیف ممکن نہ رہے تو بہت تکلیف ہوتی ہے لہذا چاہیئے کہ کبھی کبھی معمولی حالت میں بھی رہا جاوے۔

۵؎ اس میں تقویٰ طہارت کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے کہ کبھی کبھی انسان اپنے گھر اپنی گلی کوچہ میں ننگے پاؤں بھی پھر لیا کرے تاکہ اگر کبھی جوتی میسر نہ ہو تو اسے برداشت کرسکے۔غرضکہ اپنے کو کسی چیز کا عادی نہ بنائے،بھوک پیاس کی برداشت پیدا کرنے کے لیے روزہ فرض کیا گیا،ہر حالت کی برداشت کے لیے یہ تعلیم دی گئی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے بال ہوں وہ ان کا احترام کرے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی جس نے سر کے بال رکھے ہوں وہ انہیں ہمیشہ پراگندہ نہ رکھے بلکہ کبھی کبھی ان میں تیل لگائے کنگھی کرے مگر دائمی نہیں لہذا یہ حدیث گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ بہترین وہ چیز جس سے تم بڑھاپے کی علامت بدلو مہندی اور وسمہ ہے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

۱؎ اس حدیث کی بنا پر بعض حضرات نے سیاہ خضاب جائز کہا،وہ کہتے ہیں کہ مہندی اور وسمہ مل کر سیاہ رنگ دیتے ہیں اور ان کے ملاکر لگانے کی اجازت دی گئی ہے مگر یہ دلیل بہت ہی ضعیف ہے کیونکہ سیاہ خضاب کی صراحۃً ممانعت کی گئی جیسے کہ اتقوا السواد وغیرہ مگر سیاہ خضاب کی صراحۃً اجازت کہیں نہیں دی گئی ان جیسی احادیث سے سیاہ خضاب کی اجازت نہیں نکلتی اولًا تو یہاں مہندی وسمہ ملانے کی اجازت ہے ہی نہیں،حدیث کے معنی یہ ہیں کہ بہترین رنگ سفیدی بدلنے کے لیے مہندی اور وسمہ ہے کہ کبھی مہندی سے رنگ کرے کبھی وسمہ سے،مہندی کا رنگ سرخ ہوتا ہے وسمہ کا رنگ سبز جیسے کہا جاتا ہے کلمہ اسم ہے اور فعل ہے اور حرف ہے ایسے ہی یہ ہے اور اگر ملانا ہی مراد ہو تب بھی خیال رہے کہ اگر وسمہ مہندی کے ساتھ آدھوں آدھ یا زیادہ ملایا جاوے تب سیاہ رنگ دیتا ہے اور اگر کم ملایا جاوے تو پختہ سرخ کرتا ہے سیاہ نہیں کرتا سرخ مائل بہ سبزی رنگ ہوجاتا ہے وہ ہی یہاں مراد ہے،سیاہ خضاب کی سخت ممانعت احادیث میں وارد ہے،یہ حدیث ان احادیث سے متعارض نہیں اگر یہاں سیاہ رنگ مراد ہو تو احادیث میں تعارض ہوگا۔(مرقات واشعہ ولمعات)

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا آخری زمانہ میں ایک قوم ہوگی جو اس سیاہی سے خضاب کیا کرے گی کبوتروں کے پوٹوں کی طرح ۱؎ وہ جنت کی خوشبو تک نہ پائیں گے ۲؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ یعنی اپنے سر اور ڈاڑھی کے بال خالص سیاہ کیا کریں گے جیسے کبوتروں کے پوٹے خالص سیاہ ہوتے ہیں۔ **حواصل** جمع ہے **حوصلہ** کی بمعنی معدہ یہاں سینہ مراد ہے بعض کبوتروں کے سینے سیاہ ہوتے ہیں۔

۲؎ حالانکہ جنت کی مہک پانچ سو سال کی راہ سے محسوس ہوتی ہے یعنی سیاہ خضاب کرنے والے جنت میں جانا تو کیا اس کے قریب بھی نہ پہنچیں گے یعنی اولًا بعد میں معافی ہوکر پہنچ جاویں گے تو دوسری بات ہے(مرقات)یا یہ مطلب ہے کہ میدان محشر میں جنت کی خوشبو آتی ہوگی جو مسلمانوں کو محسوس ہوگی اس مہک سے مست ہو کر محشر کی شدت بھول جائیں گے مگر یہ سیاہ خصاب کرنے والے محشر میں یہ خوشبو محسوس نہ کرسکیں گے اور وہاں کی تکلیف محسوس کریں گے جیسے حوض کوثر کی ایک نہر محشر میں ہوگی جس سے مؤمن پانی پیتے رہیں گے منافق روک دیئے جائیں گے۔(اشعۃ اللمعات)اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ سیاہ خضاب حرام ہے خواہ سر میں لگائے یا ڈاڑھی میں مرد لگائے یا عورت اس سے معذوری کی حالت مستثنٰی ہے،علاج کے لیے یا غزوہ کے لیے سیاہ خضاب جائز ہے۔(مرقات)بعض لوگ مطلقًا سیاہ خضاب جائز کہتے ہیں،بعض لوگ عورتوں کے لیے جائز کہتے ہیں،بعض مردوں کے سر کے لیے جائز کہتے ہیں،ڈاڑھی کے لیے ممنوع مانتے ہیں،بعض لوگ اسے مکروہ تنزیہی کہتے ہیں یہ کل ضعیف ہیں۔صحیح وہ ہی ہے کہ سیاہ خضاب مطلقًا مکروہ تحریمی ہے۔مردوعورت،سر ڈاڑھی سب اسی ممانعت میں داخل ہیں۔(مرقات)ہاتھ پاؤں میں مہندی وغیرہ سے خضاب عورتوں کو جائز مردوں کے لیے ممنوع الابالعذر۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سبتی جوتے پہنتے تھے ۱؎ اور اپنی ڈاڑھی شریف کو ورس ۲؎ اور زعفران سے رنگتے تھے ۳؎ اور حضرت ابن عمر بھی یہ کرتے تھے ۴؎(نسائی)

۱؎ جس کی کھال کے بال اڑا دیئے گئے ہوں۔سبت بمعنی حلق(منڈانا)عام عرب بال والے جوتے پہنتے تھے اب عمومًا بے بال کے جوتے بنتے ہیں۔

۲؎ ورس ایک گھاس ہے جو یمن میں پیدا ہوتی ہے پیلا رنگ دیتی ہے۔

۳؎ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کے لیے یہ گھاس یا زعفران ڈاڑھی شریف میں ملتے تھے جس سے ان کا رنگ سیاہ بالوں میں نمودار ہوجاتا تھا خضاب کے لیے نہیں کیونکہ حضور کی ڈاڑھی شریف سفید ہوئی

نہیں پھر خضاب کیسا لہٰذا یہ حدیث حضرت انس کی حدیث کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ حضور انور نے خضاب نہ کیا،آپ کے کل بیس بال سفید تھے۔(اشعۃ اللمعات)مرقات نے کچھ اور توجیہ کی ہے مگر یہ توجیہ قوی ہے اور اس سے احادیث کا اجتماع ہوجاتا ہے۔
۴؎ معلوم ہوا کہ زرد خضاب جائز ہے صرف سیاہ منع ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک شخص گزرا جس نے مہندی کا خضاب لگایا ہوا تھا تو فرمایا یہ کیا ہی اچھا ہے فرماتے ہیں پھر دوسرا گزرا جس نے مہندی اور وسمہ سے خضاب کیا تھا۱؎ تو فرمایا یہ اس سے اچھا ہے پھر دوسرا آدمی گزرا جس نے زردی سے خضاب کیا تھا تو فرمایا یہ ان سب سے اچھا ہے ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ اسی طرح کہ مہندی میں تھوڑا سا وسمہ تھا جس سے خضاب کا رنگ پختہ سرخ ہوگیا تھا۔سیاہ کی حد کو نہ پہنچا تھا۔(مرقات)لہٰذا اس سے سیاہ خضاب کی حلت ثابت نہیں ہوئی،سیاہ خضاب کی حلت کی ایک حدیث بھی نہیں حرمت کی بہت احادیث ہیں۔
۲؎ معلوم ہوا کہ زرد خضاب حضور نے بہت پسند فرمایا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بڑھاپے کی نشانی بدلو۱؎ اور یہود سے مشابہت نہ کرو ۲؎(ترمذی)اور نسائی نے حضرت ابن عمر اور زبیر سے روایت کی ہے۳؎

۱؎ یہ حکم مجاہدین کے لیے ہے کہ وہ سفید بال لے کر جہاد میں نہ جائیں یا ان کے لیے جو سفید بالوں کی حفاظت میں مسلمان ہوں،دوسرے مسلمانوں کے لیے اختیار ہے کہ بال سفید رکھیں یا سیاہ کے علاوہ کوئی اور خضاب لگائیں اس کی اور توجیہیں بھی ہیں۔(مرقات وغیرہ)
۲؎ یعنی یہودی اپنے سر وڈاڑھی کے بال چٹے جیسے سفید رکھتے ہیں تم سرخ یا پیلے کرلیا کرو تاکہ ان کی مشابہت سے بچو۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ مسلمان یہود کی مخالفت کے لیے ڈاڑھیاں منڈوانہ دیں بلکہ اونہیں سرخ کرکے اون کی مخالفت کریں۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ جو سفید ڈاڑھی والا کافر مسلمان ہو وہ ضرور خضاب کرے تاکہ کفر و اسلام کے رنگوں میں فرق ہوجائے مگر جو پرانا مسلمان ہو اس کے لیے سفید ڈاڑھی رکھنا بھی درست ہے۔
۳؎ یہ حدیث احمد نے حضرت زبیر سے روایت کی،احمد نے حضرت انس سے یوں روایت کی بالوں کا سفید رنگ بدلو اور سیاہ خضاب سے بچو کیونکہ سیاہ خضاب کفار کا ہے۔مشہور یہ ہے کہ سب سے پہلے سیاہ خضاب لگانے والا فرعون تھا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بڑھاپے کی نشانی نہ اکھیڑو کہ وہ مسلمان کا نور ہے[1] جو اسلام میں بوڑھا ہو تو اللہ اس کے لیے ایک نیکی لکھتا ہے اور اس سے اس کی برکت سے ایک گناہ مٹاتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کا درجہ بلند کرتا ہے[2] (ابوداؤد)

[1] یعنی جب سر یا ڈاڑھی میں چٹے بال شروع ہوجاویں تو انہیں مت اکھیڑو ان چٹے بالوں سے نفس کمزور ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اب میں بوڑھا ہو چلا ہوں آخرت کی تیاری کروں یہ بال اکھیڑ دینے سے وہ اپنے کو جوان ہی سمجھے گا،یہ فرق ہے خضاب اور سفید بال اکھیڑنے میں اس لیے خضاب کا حکم دیا اکھیڑنے سے منع فرمایا، سفید بال خواہ سفید ہی رہیں یا سرخ کردیئے جاویں قبر یاد دلاتے ہیں کہ تیاری کرو چلنے کا وقت قریب آگیا سویرا ہوگیا اب جاگ جاؤ۔شعر

اٹھ جاگ مسافر بھور ہوئی اب رات کہاں جو سوت ہے جو جاگت ہے سو پاوت ہے جو سوت ہے وہ کھووت ہے

اٹھ نیند سے اکھیاں کھول ذرا اور رب سے اپنے دھیان لگا یہ پریت کرن کی ریت نہیں رب جاگت ہے تو سووت ہے

[2] امام مالک نے بروایت سعید ابن مسیب نقل فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بال سفید ہوئے آپ نے پوچھا یارب یہ کیا فرمایا یہ وقار اور نور ہے،فرمایا الٰہی میرا وقار اور نور اور زیادہ کر۔وہ جو حاکم و ابن سعد نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی کہ رب تعالٰی نے حضور کو چٹے بال سے بگاڑا نہیں(حاشیہ بیضاوی)وہاں معنی یہ ہیں کہ حضور کے کچھ بال سفید ہوئے تو اس سے حضور کا حسن اور بھی زیادہ ہوگیا کچھ کمی نہ آئی۔علماء فرماتے ہیں کہ سفید بال اکھیڑنا زینت کے لیے ہو تو منع ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت کعب ابن مرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اسلام میں بوڑھا ہو تو وہ اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگا [1] (ترمذی،نسائی)

[1] یعنی سفید ریش والے مؤمن کے لیے قیامت میں نور ہوگا کہ اس کی سفید ڈاڑھی نورانی ہوگی یا نور کا باعث ہوگی اس دن سواء ابراہیم علیہ السلام کے ڈاڑھی کسی کے نہ ہوگی مگر یہ سفید ڈاڑھی چہرہ کے نور کا باعث ہوگی۔ان دونوں حدیثوں کی بناء پر حضرت علی،سلمہ ابن اکوع،ابی ابن کعب اور بہت صحابہ کرام نے کبھی خضاب نہ لگایا اپنی ڈاڑھی اور سر سفید رکھے،وہ فرماتے تھے کہ چٹی ڈاڑھی نور اور درجات کا باعث ہوگی۔بعض صحابہ کرام اور حضرت حسن و حسین نے خضاب لگایا گزشتہ احادیث کی بنا پر لہذا دونوں عمل جائز ہیں۔علماء فرماتے ہیں کہ اگر اپنے شہر میں خضاب کا رواج عام ہو تو خضاب کرنا بہتر ہے،اگر سفید ڈاڑھی کا رواج عام ہو تو سفید رکھنا بہتر اور جہاد کے موقع پر خضاب

افضل۔(مرقات)یوں ہی اگر ہمارے شہر یا ملک میں یہودی سکھ عام ہوں جو خضاب نہیں کرتے تو خضاب کرنا افضل ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل کیا کرتے تھے ۱؎ اور آپ کے بال شریف جمہ سے زیادہ اور وفرہ سے کم تھے ۲؎(ترمذی،نسائی)	

۱؎ ایک برتن سے اور ایک ساتھ غسل کرتے تھے پردہ سے کہ دونوں حضرت تہبند باندھے ہوتے تھے۔اس کی بحث کتاب الغسل میں گزرچکی ہے۔وہ حضرات برہنہ ہوکر کبھی غسل نہ کرتے تھے،مستحب بھی یہ ہی ہے کہ غسل خانہ میں بھی تہبند باندھ کر غسل کرے،حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک دوسرے کا ستر نہ دیکھا،ستر سے مراد ناف سے گھٹنے تک کا بدن ہے یہ دونوں ہستیاں پہلے اپنے ہاتھ دھولیتے تھے پھر بڑے برتن سے چلو لیتے تھے تاکہ پانی مستعمل نہ ہوجاوے اور اسطرح غسل فرماتے تھے کہ بدن کا غسالہ برتن میں نہیں پڑتا تھا۔

۲؎ تابگوش بالوں کو وفرہ کہا جاتا ہے اور تابدوش کولمہ ان دونوں کے درمیان کو جمہ یعنی حضور کے بال شریف کندھوں تک نہ ہوتے تھے کندھوں سے قریب ہوتے تھے کان کی گدیوں سے نیچے اور کندھوں سے اوپر یہ اکثری حالت کا ذکر ہے۔

روایت ہے ابن حنظلیہ سے ۱؎ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صاحب ہیں فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خریم اسدی ۲؎ اچھے آدمی ہیں اگر ان کے جمہ کی درازی اور ان کے تہبند کا گھسٹنا نہ ہوتا ۳؎ یہ خبر جناب خریم کو پہنچی تو انہوں نے چھری لی تو اس سے اپنے گیسو اپنے کانوں تک کاٹ دیئے اور اپنا تہبند اپنی آدھی پنڈلیوں تک اونچا کرلیا ۴؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ کا نام سہیل ابن ربیع ابن عمرو ہے،حنظلیہ آپ کی ماں کا نام ہے،سہیل صحابی ہیں،بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے،بڑے گوشہ نشین تاریک الدنیا عالم و عامل بزرگ تھے،لاولد تھے،شام میں قیام رہا،دمشق میں وفات ہوئی،امارت امیر معاویہ کے شروع میں وفات پائی۔

۲؎ آپ کا نام خریم ابن اخرم ابن شداد ابن عمرو ابن فاتک ہے،شام میں قیام رہا،صحابی ہیں،قبیلہ بن اسد سے ہیں جو یمن کا مشہور قبیلہ ہے۔

۳؎ یہ فرمان عالی حضرت خریم کی غیر موجودگی میں ہوا۔معلوم ہوا کہ کسی کی پس پشت اس کی برائی بیان کرنا درست ہے جب کہ اس کی اصلاح مقصود ہو،اگرچہ سر کے بالوں کا کچھ دراز ہونا ممنوع نہیں مگر چونکہ ان کی نیت اظہار

فخر کی تھی اس لیے اس سے منع فرمادیا گیا اس لیے بالوں کے ساتھ درازی تہبند کا ذکر فرمایا ورنہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف کبھی دراز ہوتے تھے۔
۴؎خیال رہے کہ مردوں کے لیے دونوں حکم ہیں یعنی سر کے بال کٹوانا تہبند اونچا پہننا،عورتوں کو یہ دونوں کام حرام ہیں عورتیں اپنے سر کے بال خود دراز رکھیں ہرگز نہ کٹوائیں تہبند نیچا باندھیں،ہاں احرام سے فارغ ہونے پر عورتیں بالوں کی نوکیں ایک پورا کٹوادیں۔(مرقات)یہ بھی خیال رہے کہ مرد کو لمبے بال رکھنا ان میں عورتوں کی سی مانگ چوٹی کرنا حرام ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ میرے گیسو تھے میری والدہ نے فرمایا کہ میں انہیں نہ کاٹوں گی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کھینچتے اور انہیں پکڑتے تھے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎چنانچہ حضرت انس نے اپنے اگلے سر کے بال کبھی نہ کٹوائے انہیں قبر میں ساتھ لے گئے کیونکہ ان بالوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک لگا کرتے تھے حالانکہ سر کے بعض بال رکھنا بعض کٹوانا ممنوع ہے مگر اس خصوصیت نے یہ ممانعت دور کردی۔اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی مس کی ہوئی چیزوں سے تبرک حاصل کرنا سنت صحابہ ہے،مدینہ منورہ کی زمین پاک کی خاک بھی تبرک ہے کہ اسے کبھی وہ تلوے لگے ہیں جو عرش اعظم پر گئے تھے۔شعر

کہاں یہ مرتبے اللہ اکبر سنگ اسود کے — یہاں کے پتھروں نے پاؤں چومے ہیں محمد کے

اس حدیث سے تصوف کے بہت مسائل حاصل ہوسکتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت انس سے ان کے بچپن سے ہی بڑی محبت تھی،حضور پیار میں ان کے سر کے اگلے حصہ پر ہاتھ شریف رکھتے بالوں کو بٹتے تھے،آپ اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمارہی ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن جعفر سے ۱؎کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر کے گھر والوں کو تین دن کی مہلت دی ۲؎پھر ان کے پاس تشریف لائے فرمایا آج کے بعد میرے بھائی پر نہ رونا ۳؎پھر فرمایا کہ میرے بھتیجوں کو میرے پاس بلاؤ ۴؎چنانچہ ہم کو لایا گیا گویا کہ ہم چوزے تھے تو فرمایا کہ نائی کو میرے پاس بلاؤ اسے حکم دیا اس نے ہمارے سر مونڈدیئے ۵؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎حضرت جعفر بھی صحابی ہیں اور ان کے بیٹے عبداللہ ابن جعفر بھی حضرت جعفر جناب علی مرتضٰی کے بھائی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد کیونکہ جعفر ابن ابی طالب ہیں،حضرت جعفر غزوہ موتہ میں شہید ہوئے یہاں اسی کا ذکر ہے۔

۲؎ تعزیت کے لیے بیٹھنے اور عزیزواقرباء کے تسلی دینے کے لیے آنے کی مہلت تین دن تک دی جیسے آج کل میت والے تین دن تک چٹائی ڈالتے ہیں یہ سنت سے ثابت ہے اس کا یہاں ذکر ہے،بعض لوگ ان دنوں میں میت کے لیے فاتحہ پڑھتے رہتے ہیں یہ بھی بہت اچھا ہے۔

۳؎ یہاں رونے سے مراد آنکھ کے آنسو نہیں بلکہ تعزیت کے لیے بیٹھنا اور چہرے سے غم کے آثار کا ظاہر ہونا ہے۔کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا حرام ہے سواء خاوند کے کہ اس کی بیوہ بیوی چار ماہ دس دن سوگ کرے۔

۴؎ یعنی حضرت جعفر کے بچوں کو جواب یتیم ہوچکے تھے۔یہ واقعہ غزوہ موتہ کے بعد کا ہے جس میں حضرت جعفر شہید ہوئے تھے،ان کے بچوں کے بال بڑھے ہوئے تھے اس لیے چڑیا کے بچوں سے تشبیہ دی گئی۔

۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ یتیم عزیزوں کی خبرگیری کرنا ان کی ضروریات پوری کرنا سنت ہے اور یہاں بال منڈوا دینا علامت تھی مدت تعزیت ختم ہوجانے کی۔خیال رہے کہ احرام سے کھلتے وقت کے سواء اور موقعوں پر بال منڈوانا اچھا نہیں مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ اب ان کی والدہ حضرت اسماء بنت عمیس ان کی بالوں کی نگرانی و خدمت نہ کرسکیں گی اپنی عدت وغم میں گرفتار رہیں گی اس لیے حضور نے ان کے سر منڈوا دیئے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یتیموں کا والی تصرف کرسکتا ہے جیسے حجامت اور ختنہ وغیرہ۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ام عطیہ انصاریہ سے ۱؎ کہ ایک عورت مدینہ میں ختنہ کرتی تھی ۲؎ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ مبالغہ کرو کیونکہ یہ عورت کے لیے زیادہ نافع ہے اور خاوند کو زیادہ پسند ۳؎(ابوداؤد)اور فرمایا یہ حدیث ضعیف ہے اور اس کا راوی مجہول ہے۔	

۱؎ آپ کا نام نسیبہ بنت کعب ہے،کنیت ام عطیہ،عظیم الشان صحابیہ ہیں،قریبًا تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہیں غازیوں کی خدمت زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

۲؎ اس زمانہ میں قاعدہ یہ تھا کہ بچیوں کی پیدائش کے وقت دائی یا کوئی اور عورت بچی کے نال کے ساتھ کچھ پارۂ گوشت پیشاب کی جگہ کا بھی کاٹ دیا جاتا تھا اسے لڑکیوں کا ختنہ کہتے تھے،اس کے متعلق فرمایا کہ یہ پارۂ گوشت زیادہ نیچے سے نہ کاٹے اولًا تو حدیث صحیح نہیں اگر صحیح بھی ہو تو صرف جواز ثابت کرے گی،احناف کے ہاں لڑکی کا ختنہ مکروہ ہے۔

۳؎ جیسے بچہ کے ختنہ سے صفائی اچھی رہتی ہے ایسے ہی اس ختنہ سے صفائی زیادہ نصیب ہوتی ہے،اس سے صحبت میں زیادہ لذت ہوتی ہے،مرد کے ختنہ سے عورت کو لذت زیادہ اور عورت کے ختنہ سے مرد کو لذت زیادہ،اب اس کا دنیا میں غالبًا رواج نہیں۔

روایت ہے کریمہ بنت ہمام سے ۱؎ کہ ایک عورت نے جناب عائشہ سے مہندی کے خضاب کے متعلق پوچھا ۲؎	

	آپ بولیں کوئی حرج نہیں لیکن میں اسے ناپسند کرتی ہوں۳ میرے محبوب اس کی مہک ناپسند کرتے تھے ۴(ابوداؤد،نسائی)

۱آپ تابعیہ ہیں،آپ کے والد کا نام ابراہیم ابن محمد ابن ابراہیم ابن ہمام ہے۔(مرقات)
۲کہ عورتوں کو اس کا خضاب ہاتھ پاؤں اور سر میں لگانا کیسا ہے مگر غالب یہ ہے کہ یہاں سر میں مہندی لگانا مراد ہے تاکہ یہ حدیث اس حدیث کے مخالف نہ ہو جس میں عورتوں کو ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانے کا حکم دیا گیا ہے لہذا حدیث واضح ہے(مرقات)
۳شاید سائلہ نے حضرت ام المؤمنین سے پوچھا ہوگا کہ آپ مہندی کیوں نہیں لگاتیں تب آپ نے یہ جواب دیا کہ اس میرے فعل کی وجہ یہ ہے۔
۴اس حدیث کی بنا پر شوافع کہتے ہیں کہ مہندی میں خوشبو نہیں لہذا بحالت احرام اس کا خضاب درست ہے کیونکہ حضور انور کو خوشبو پسند تھی اور مہندی کی بو پسند نہ تھی اگر مہندی میں بھی خوشبو ہوتی تو آپ کو پسند ہوتی،امام اعظم فرماتے ہیں کہ مہندی ہے تو خوشبو اس کا خضاب احرام میں جائز نہیں مگر حضور انور کو جنس خوشبو پسند تھی نہ کہ ہر فرد خوشبو یا بعض خوشبوئیں زیادہ پسند تھیں بعض کم جیسے حضور انور کو گوشت پسند تھا مگر بعض جانوروں کے گوشت ناپسند تھے تو اس سے لازم یہ نہیں کہ وہ گوشت گوشت ہی نہیں۔فقیر کہتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی ازواج پاک کے ہاتھ پاؤں کی مہندی بھی بہتر نہ تھی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پاک سر میں تو مہندی لگاتی ہی نہ تھیں ان کے بال سفید تھے ہی نہیں ہاتھ پاؤں میں لگاتی تھیں اسے ناپسند فرمایا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور کے پردہ فرمانے کے بعد بھی ازواج پاک حضور کی ناپسند چیزیں استعمال نہ فرماتی تھیں،حضور حیات ہیں اپنے ازواج پاک کو بعد وفات ملاحظہ فرمارہے ہیں،ان کے حالات سے خوش ہوتے ہیں یہ ناپسندیدگی صرف ازواج پاک کے لیے ہے دوسری عورتوں کے لیے حرج نہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ ہند بنت عتبہ نے عرض کیا۱ یارسول اللہ مجھے بیعت فرمالیجئے ۲تو فرمایا ہم تم کو بیعت نہ کریں گے حتی کہ تم اپنے ہاتھوں میں تبدیلی کرلو یہ ہاتھ تو گویا درندے کے ہاتھ ہیں۳(ابوداؤد)

۱آپ ہند بنت عتبہ ابن ربیعہ ہیں،ابو سفیان کی بیوی جناب امیر معاویہ کی والدہ،فتح مکہ کے دن ابوسفیان کے اسلام کے بعد آپ اسلام لائیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نکاح قائم رکھا،بڑی عاقلہ فہیمہ تھیں،کبھی زنا کے قریب نہ گئیں،جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کے وقت فرمایا کہ زنا نہ کرنا تو آپ بولیں کیا کوئی شریف عورت بھی زنا کرسکتی ہے۔حضرت عمر کی خلافت میں عین ابوقحافہ کے وفات کے دن فوت ہوئیں حضرت عائشہ نے آپ سے

روایات لیں رضی اللہ عنہا۔(مرقات)عہدِ فاروقی میں غزوہ قادسیہ و یرموک میں بڑی مجاہدانہ شان سے شریک رہیں بڑی خدمت اسلام کی۔

۲؎ یہ بیعت علاوہ بیعت اسلام کے کوئی اور تھی کسی خاص معاہدہ پر بیعت اسلام فتح مکہ کے دن کی گئی تھی۔

۳؎ یعنی تمہارے ہاتھ مردوں کی طرح سفید ہیں ان میں مہندی سے رنگ کرو پھر بیعت کرو۔اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو مردوں کی طرح چٹے ہاتھ رکھنا مکروہ ہیں اور مردوں کو عورتوں کی طرح ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا مکروہ ہے حتی کہ عورت کو چاندی کی انگوٹھی بہتر نہیں،اگر پہنے تو اسے رنگ کرلے تاکہ مردوں کی مشابہت نہ رہے۔(اشعۃ اللمعات)

	روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے جس کے ہاتھ میں کوئی تحریر تھی پردے کے پیچھے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ روک لیا۱؎ فرمایا میں نہیں جانتا کہ مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا ہاتھ ہے وہ بولی بلکہ عورت کا ہاتھ ہے ۲؎ فرمایا اگر تو عورت ہوتی تو اپنے ناخن میں تبدیلی کرلیتی یعنی مہندی سے ۳؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ یعنی اپنا ہاتھ شریف روک لیا اس کے ہاتھ سے خط نہ لیا اظہار ناراضی کے لیے حضور انور نے کسی اجنبی عورت کو ہاتھ نہ لگایا حتی کہ ان کو زبان سے بیعت فرمایا۔

۲؎ یہ سوال و جواب بھی اظہارِ ناراضی کے لیے ہیں ورنہ حضور کو خبر تھی کہ یہ عورت کا ہاتھ ہے عورت کا ہاتھ چھپا نہیں رہتا پھر اس کی آواز پہچانی جاتی ہے۔

۳؎ معلوم ہوا کہ عورت مہندی وغیرہ سے اپنے ناخن رنگین کرے یہ بھی کافی ہے یا مہندی سے ہتھیلیاں رنگے یا صرف ناخن،آج کل ناخن پر پالش لگانے کا رواج ہے مگر پالش میں جسامت ہوتی ہے اس لیے اگر ناخنوں پر لگی ہو تو عورت کا وضو یا غسل نہ ہوگا کہ پالش کے نیچے پانی نہ پہنچے گا۔غرضیکہ ایسی چیز لگائی جاوے جو صرف رنگ دے اس میں جسامت نہ ہو،ابھی جو حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت میں گزرا کہ حضور انور کو مہندی پسند نہ تھی یہ اپنی ازواج پاک کے متعلق تھا کہ حضور انور کی ازواج مطہرات کے لیے مہندی بہتر نہ تھی عام عورتوں کے لیے مہندی بہتر ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ بال ملانے والی اور ملوانے والی اور بال اکھیڑنے والی اور اکھڑوانے والی گودنے والی اور گودوانے والی پر لعنت کی گئی ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ ان چاروں لفظوں کی شرح ابھی کچھ پہلے ہوچکی۔**واصلہ** وہ عورت جو دوسری عورتوں کے بال اپنے سر کے بالوں سے ملائے،حسن کے لیےملانے والی **واصلہ** ملوانے والی **مستوصلہ**۔**نامصہ** وہ عورت جو اپنے چہرے کے رونگٹے اکھیڑے حسن کے لیے اکھیڑنے والی **متنمصہ** اکھڑوانے والی **مستوصلہ**۔اپنے جسم میں حسن کے لیے گودواکر نیل وغیرہ بھروانے والی **واشمہ** اور **متوشمہ**۔

روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت کی جو عورتوں کا سا لباس پہنے اور اس عورت پر جو مرد کا سا لباس پہنے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی جو عورت مردوں کا سا لباس پہنے اس پر لعنت ہے اور جو مرد عورتوں کا سا لباس پہنے اس پر لعنت ہے۔چاہیے یہ کہ مرد عورتیں لباس میں ممتاز رہیں،عورت پگڑی نہ باندھے،مرد دوپٹہ نہ پہنے،یوں ہی قمیض شلوار میں زنانہ مردانہ میں فرق رہے۔

روایت ہے حضرت ابن ابی ملیکہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ سے کہا گیا کہ ایک عورت نعلین پہنتی ہے ۲؎ آپ بولیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد بننے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ کا نام عبداللہ ابن عبید اللہ ابن ابی ملیکہ ہے،تیمی قرشی ہیں،مشہور جلیل القدر تابعی ہیں،سیدنا عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں قاضی مکہ رہے،تیس صحابہ سے آپ کی ملاقات ہے،آپ حضرت عائشہ سیدنا عبداللہ ابن عباس اور ابن زبیر وغیرہم سے روایت کرتے ہیں رضی اللہ عنہم۔

۲؎ یعنی مردوں کے سے جوتے پہنتی ہے۔**نعلین** عموماً وہ جوتے کہلاتے ہیں جو مردانہ ہو۔

۳؎ معلوم ہوا کہ مردوں عورتوں کے جوتوں میں بھی فرق چاہیے۔صورت،لباس،جوتہ،وضع قطع سب ہی میں عورت مردوں سے ممتاز رہے،ہاں علم و فضل تقویٰ طہارت میں مردوں سے بڑھ جانے کی کوشش کرے۔حضرت عائشہ صدیقہ کے متعلق کہا جاتا ہے **رجلة الرای** آپ مردوں کی سی رائے رکھتی تھیں،اسلام نے تو نماز وحج و عمرہ،جہاد جیسی عبادات میں بھی عورت و مرد میں امتیاز رکھا ہے۔

روایت ہے حضرت ثوبان سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کرتے تو آپ کے گھر والوں میں جس شخص سے آپ کی آخری ملاقات ہوتی وہ فاطمہ تھیں اور پہلے جن کے پاس تشریف لاتے فاطمہ ہوتیں ۲؎ چنانچہ آپ ایک غزوہ سے تشریف لائے آپ نے	

اپنے دروازے پر ٹاٹ یا پردہ ڈالا ہوا تھا اور حضرت حسن وحسین کو چاندی کے دو کنگن پہنائے ہوئے تھے۳؎ تو آپ تشریف لائے مگر اندر نہ آئے۴؎آپ سمجھ گئیں کہ حضور کو تشریف آوری سے اس نے روکا جو آپ نے دیکھا ۵؎چنانچہ انہوں نے پردہ پھاڑ دیا اور دونوں کنگن بچوں سے الگ کردیئے اور دونوں سے کاٹ دیئے ٦؎پس دونوں بچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روتے ہوئے چلے ۷؎حضور نے ان دونوں سے وہ لے لیے پھر فرمایا اے ثوبان اسے فلاں کے پاس لے جاؤ ۸؎ یہ لوگ میرے گھر والے ہی ہیں میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ یہ اپنی طیب چیزیں اپنی دنیاوی زندگی میں کھالیں۹؎اے ثوبان فاطمہ کے لیے عصب کا ہار ۱۰؎ اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خرید لاؤ ۱۱؎(احمد،ابوداؤد)	

۱؎حضرت ثوبان حضور کے آزاد کردہ مشہور غلام ہیں جو حضور انور کے ساتھ سفروحضر میں ملازم بارگاہ رہتے تھے،آپ کے حالات بیان ہوچکے ہیں کہ آپ کا نام شریف ثوبان ابن بجدد ہے،کنیت ابو عبداللہ حضور کی وفات کے بعد آپ شام چلے گئے،مقام رملہ میں حمص میں مقیم رہے ۵۴ھ؁ چون میں وفات پائی۔

۲؎یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تشریف لے جاتے تو پہلے سارے گھر والوں سے رخصت ہوتے سب سے آخر میں حضرت فاطمہ زہرا سے رخصت ہوتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے جناب فاطمہ کے گھر تشریف لاتے پھر دوسرے اہلِ بیت کے پاس غرضکہ جانا بھی اس گھر سے ہوتا اور آنا بھی اسی گھر میں اس گھر کی عزت پر لاکھوں سلام۔

۳؎دروازہ کا یہ پردہ غالبًا تصاویر والا تھااور چاندی کے کنگن لڑکوں کے لیے تصاویر والا پردہ یہ دونوں حرام ہیں جناب فاطمہ کو ان کی حرمت کی ابھی تک خبر نہ تھی اسی لیے آپ نے یہ دونوں کام کیے ہوئے تھے ورنہ اہل بیت نبوت دانستہ طور پر ناجائز کام نہیں کرسکتے۔

۴؎اظہارِ ناراضگی کے لیے یہ ایک طریقہ تبلیغ ہے،یہ تبلیغ عملی ہے جو قولی تبلیغ سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے یعنی اظہار ناراضگی۔

۵؎آپ نے نور ایمانی فراست ولایت سے معلوم کرلیا کہ اندر تشریف نہ لانے کی وجہ صرف یہ دو کام ہی ہو سکتے ہیں۔

۶؎ یا تو **قطعت** تفسیر ہے تب تو دونوں کے معنی ہیں علیحدہ کردیئے یا ف عطف کی ہے یعنی کنگن دونوں صاحبزادوں سے اتار لیے اور توڑ دیئے تاکہ آئندہ یہ بچے انہیں نہ پہن سکیں بہرحال حضور کی صرف ناراضگی ملاحظہ فرماکر یہ دونوں چیزیں ختم کر دیں۔

۷؎ اس طرح کہ کنگن کے ٹکڑے ان کے ہاتھوں میں تھےجناب فاطمہ نے یہ ٹکڑے ان دونوں کے ہاتھ حضور کی خدمت میں بھیجے تاکہ حضور انہیں اپنے ہاتھ سے خیرات کردیں اور حضور انور کو اس عمل پر اطلاع ہوجاوے اور حضور گھر میں تشریف لاویں۔

۸؎ وہ لوگ فقراء ہیں انہیں صدقہ کرکے دے آؤ ان کا کام چل جاوے گاجناب فاطمہ زہرا کا یہ ہی منشا تھا۔

۹؎ یعنی حضرت فاطمہ زہرا بھی ان کنگنوں کو نہ پہنیں کہ اگرچہ ان کے لیے انکا پہننا جائز ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ میرے اہل بیت جائز آرائش ٹیپ ٹاپ بھی نہ کریں تاکہ ان کے دل دنیا میں نہ لگیں اور آخرت میں ان کے درجات اوربلند ہوں وہ دنیا میں فقروریاضت کی زندگی گزاریں،چونکہ فاطمہ زہرا کوگزشتہ واقعہ سے غم ہوا تھا اس لیے حضور اکرم نے ان کا غم غلط فرمانے کے لیے اگلا حکم صادر فرمایا تاکہ تسلی ہو۔

۱۰؎ ایک یمنی کپڑے کا نام عصب ہے جو دھاری دار ہوتا ہے اور ایک دریائی جانور کی ہڈی ہے جو کوڑیوں کے مشابہہ ہوتی ہے اسے سکھا کر ہار کے منکے بنائے جاتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہے،بعض نے کہا کہ عصب ایک دریائی جانور کے دانت ہیں جسے فرس فرعون کہتے ہیں۔(اشعہ)

۱۱؎ اکثر شارحین نے عاج کے معنی ہاتھی دانت کیے ہیں۔بعض نے فرمایا کہ یہ بھی ایک دریائی جانور کے دانت ہیں سواء سؤر اور انسان کے باقی تمام حرام جانوروں کی ہڈی جو خشک ہو پاک ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ اثمد سرما لگایا کرو ۱؎ کہ وہ نگاہ میں جلا دیتا ہے اور بال اگاتا ہے ۲؎ انہوں نے گمان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرمہ دانی تھی جس میں سے ہر رات سرمہ لگاتے تھے تین سلائیاں اس آنکھ میں اور تین اس میں ۳؎ (ترمذی)

۱؎ یعنی ہمیشہ اثمد سرمہ لگایا کرو۔اثمد الف اور میم کے کسرہ ث کے سکون سے ایک خاص سرمہ کا نام ہے جسے اصفہانی سرمہ کہا جاتا ہے یہ ہلکے سرخ رنگ کا سرمہ ہوتا ہے اس بار حج کے موقعہ پر یہ سرمہ مجھے مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ سے ملا۔بعض شارحین کا قول ہے کہ عام سیاہ سرمہ کو ہی اثمد کہتے ہیں۔بعض نے کہا کہ تیہ کا نام اثمد ہے،بعض نے کہا کہ جس سرمہ میں تھوڑا مشک حل کرلیا جاوے وہ اثمد ہے مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے، عرب میں اب بھی اسی خاص لال سرمہ کو اثمد کہا جاتا ہے۔

۲؎ یعنی اثمد سرمہ آنکھوں کی روشنی زیاہ کرتا ہے،پلک کے بال دراز کرتا ہے اگر نہ ہوں تو اگاتا ہے۔مرقات میں ہے کہ یہ آنکھ کا پانی خشک کرتا ہے،آنکھ کے زخم اچھے کرتا ہے،نگاہ قائم رکھتا ہے غرضکہ اس میں بہت فائدے ہیں

مگر اس کے لیے جسے موافق آجاوے بعض لوگوں کو موافق نہیں آتا۔غرضکہ طبیب کی رائے سے اسے استعمال کرنا چاہیے۔

۳؎اس طرح کہ پہلے داہنی آنکھ میں دو سلائیاں پھر بائیں آنکھ میں تین پھر داہنی میں ایک اس طرح کہ ابتداء بھی داہنی سے ہو انتہاء بھی داہنی پر،ہمیشہ رات کو سوتے وقت اس طرح سرمہ لگانا فقیری اور ضعف بصر کو دور کرتا ہے۔بعض روایات میں ہے حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم رات کو سوتے وقت داہنی آنکھ میں تین سلائیاں اور بائیں میں دو لگایاکرتے تھے ہوسکتا ہے کہ کبھی یہ عمل ہو کبھی وہ لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔ یہاں **زعم** کا فاعل حضرت ابن عباس ہیں اور **زعم** بمعنی قول ہے نہ کہ بمعنی وہم،عربی میں بہت دفعہ **زعم** بمعنی قول استعمال ہوتا ہے۔بعض شارحین نے کہا کہ **زعم** کا فاعل محمد ابن حمید ہیں جو امام ترمذی کے شیخ ہیں مگر پہلا احتمال قوی ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سونے سے پہلے اثمد سرمہ لگاتے تھے ہر آنکھ میں تین سلائیاں ۱؎فرماتے ہیں کہ حضور فرماتے تھے کہ بہترین دوا جو تم کرو وہ لیپ ہے ۲؎اور نسوار۳؎اور پچھنے اور جلاب ۴؎اور بہترین وہ سرمہ جو تم لگاؤ اثمد ہے کہ وہ نگاہ میں جلادیتا ہے اور بال اگاتا ہے ۵؎اور بہترین دن جس میں تم فصد لو سترہ تاریخ ہے اور انیس تاریخ اور اکیسواں دن ۶؎اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معراج کرائی گئی تو آپ فرشتوں کی کسی جماعت پر نہ گزرے مگر انہوں نے یہ ہی عرض کیا کہ فصد اختیار کرو ے؎(ترمذی)اور فرمایا حدیث حسن،غریب ہے۔	

۱؎یعنی رات کو سوتے وقت سرمہ لگاتے تھے دوپہری میں سوتے وقت نہیں،سنت یہ ہی ہے کہ رات کو سوتے وقت سرمہ لگائے۔دن میں سرمہ لگانا جمعہ کی نماز کے لیے،عیدین کے لیے سنت ہے،یوں ہی عاشورہ کے دن اور روزانہ شب کو سنت ہے۔

۲؎ہر لیپ کو لدود نہیں کہتے بلکہ جو لیپ منہ کے اندرونی حصہ میں کیا جاوے ایک طرف یا دو طرفہ جیسے گلے آجانے کی صورت میں کیا جاتا ہے۔

۳؎ناک میں دوا چڑھانا سعوط ہے خواہ پتلی دوا چڑھائی جاوے یا خشک دوا،اکثر دماغی امراض میں نسوار مفید ہوتی ہے۔

۴؎پیٹ کے امراض کے لیے جلاب بہترین علاج ہیں خصوصًا سناء مکی کا جلاب عرب شریف میں عمومًا سناء کا جلاب لیا جاتا ہے،دموی امراض میں فصد یا پچھنے بہترین علاج ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جن کے جسم میں خون زیادہ ہو یا خون میں جوش یا فساد آگیا ہو جلاب اور فصد ہمیشہ طبیب حاذق کی رائے سے کرنا چاہیے،بعض شارحین نے فرمایا کہ حجامت،فصد میں فرق ہے سنگی کے ذریعہ خون نکالنا حجامت ہے اور پچھنے سے خون نکالنا فصد۔

۵؎ اس کی شرح ابھی ہوچکی کہ بال سے مراد پلک کے بال ہیں،یہ فائدے ان لوگوں کے لیے ہیں جنہیں اثمد سرمہ موافق آجاوے ناموافق ہونے کی صورت میں نقصان کرتا ہے اس لیے آنکھ کی بیماری والے طبیب کے مشورہ سے یہ سرمہ استعمال کریں۔

۶؎ ان تاریخوں کی ترجیح کی پوری وجہ ان شاءاللہ کتاب الطب والرقی میں ہوگی،یہاں اتنا سمجھ لو کہ چاند کی شروع تاریخوں میں خون میں جوش ہوتا ہے اور آخری تاریخوں میں سکون لہذا درمیانی تاریخیں اختیار کی گئیں جب کہ نہ پورا جوش نہ بالکل سکون،یہ تاریخیں چاند کی معتبر ہیں نہ کہ انگریزی اور تاریخیں طاق چاہئیں جفت نہ ہوں۔

۷؎ فصد میں جسمانی،روحانی بہت فوائد ہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ سر میں فصد کرانے میں جنون،جذام،برص،زیادتی نیند،دانتوں کی تکالیف دور ہوتی ہیں،دوسری روایت میں ہے کہ فصد درد سر،آنکھ کی دھند کو دفع کرتی ہے،اس سے قوت حافظہ زیادتی ہوتی ہے۔فصد کے لیے بہترین دن جمعرات،دو شنبہ،منگل کے دن ہیں،جمعہ،ہفتہ،اتوار کے دن فصد نہ کرائے۔بدھ کے دن فصد کرانے سے کوڑھ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے،منگل کے دن حضرت ایوب علیہ السلام کو شفا ہوئی تھی اس دن فصد بہتر ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے مردوں اور عورتوں کو حمام میں جانے سے منع فرمایا ۱؎ پھر مردوں کو اجازت دی کہ وہ تہبند کے ساتھ وہاں جائیں ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ کیونکہ حمام میں بہت بے پردگی ہوتی ہے وہاں کے کام کاج والے لوگ بے پردہ نہانے والوں کے سامنے آتے انہیں مالش کرتے ننگے نہلاتے ہیں جیساکہ دیکھا گیا ہے۔

۲؎ عورتوں کو تہبند کے ساتھ بھی حمام میں جانے کی اجازت نہیں کیونکہ ان کا تمام جسم عورت ہے از سر تاقدم،ان میں سے کسی عضو کا غیروں کے سامنے کھولنا جائز نہیں الا عند الضرورۃ لہذا اگر یہ حمام میں تہبند باندھ کر بھی غسل کریں تب بھی باقی جسم کھلا رہے گا اور وہاں کے نوکر چاکر ان کو بے پردہ دیکھیں گے،مرد تہبند باندھ کر نہائیں تو کوئی مضائقہ نہیں کہ ان کا سارا جسم ستر نہیں۔خیال رہے کہ عورتوں کی عورت غلیظ یعنی ناف سے گھٹنے تک غیر محرم عورتوں کو بھی دیکھنا حرام ہے الا بالضرورۃ۔حمام میں عورتوں کو اگرچہ عورتیں غسل کرائیں مگر یہ بے پردگی ان سے بھی حرام ہے اور عورتیں اس کی احتیاط ہرگز نہیں کرتیں جیسا کہ عموماً دیکھا جاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوالملیح سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ کے پاس حمص کی کچھ عورتیں آئیں ۲؎ آپ نے کہا تم کہاں کی ہو وہ بولیں شام کی آپ نے فرمایا شاید تم اس جہاں کی عورتیں ہو جو حماموں میں جاتی ہیں وہ بولیں ہاں ۳؎ آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر

کے علاوہ اپنے کپڑے نہیں اتارتی مگر وہ اپنے اور رب تعالٰی کے درمیان پردہ پھاڑ دیتی ہے ۴؎ اور ایک روایت میں ہے کہ اپنے گھر کے علاوہ میں مگر وہ اپنا پردہ اپنے اور اللہ عزوجل کے درمیان پھاڑ دیتی ہے ۵؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ آپ کا نام عامر ابن اسامہ ہے،ہزلی ہیں،تابعی ہیں،ان کے والد حضرت اسامہ صحابی ہیں،بصرہ کے رہنے والے ہیں، ۱۲۲ھ ایک سو بائیس میں وفات پائی۔

۲؎ حمص شام کا مشہور شہر ہے دمشق اور حلب کے درمیان ہے یہاں ہی حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کا مزار مقدس ہے،دمشق سے حلب کے دس لیسرے(شامی روپیہ)کرایہ ہے درمیان میں حمص آتا ہے،حلب میں زکریا علیہ السلام کامزار ہے۔

۳؎ یعنی ہاں واقعی ہمارے علاقہ میں حمام بہت ہیں اور ہمارے ہاں کے مردوعورتیں حماموں میں غسل کے عادی ہیں۔معلوم ہواکہ لفظ بلیٰ اثبات کے جواب میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

۴؎ یعنی عورت اپنے خاوند کے پاس تو اپنے کپڑے اتار سکتی ہے اس کے علاوہ کسی کے گھر میں کسی کے سامنے ننگی نہیں ہوسکتی اگرچہ اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہ ہوحتی کہ اکیلے میں بھی بلا ضرورت ننگی نہ رہے لہذا عورتوں کا حمام میں ننگے ہونا بھی ممنوع ہوا کہ حمام بھی اسی قاعدے میں داخل ہیں۔(مرقات)پردہ پھاڑنے سے مراد حیاءوغیرت کا پردہ چاک کرنا ہے یعنی ایسی عورت رب تعالٰی کے ہاں بے حیاؤں میں شمار ہوتی ہے،اللہ تعالٰی نے لباس بنایا ہی اس لیے ہے کہ اس کے ذریعہ ستروپردہ پوشی کی جاوے۔

۵؎ ان دونوں روایتوں کے الفاظ میں قدرے فرق ہے معنی بالکل ایک ہیں وہاں الستر تھایہاں سترھا ہے، وہاں بیننا تھا یہاں فیمابینھما ہے وہاں ربھا تھا یہاں اللہ عزوجل ہے،چونکہ محدثین حضور کے الفاظ بعینہٖ نقل کرتے ہیں اس لیے یہ فرق روایت بھی دکھادیا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب تمہارے لیے عجم کی زمین فتح کی جاوے گی ۱؎ اور تم اس میں ایسے گھر پاؤ گے جنہیں حمامات کہا جاوے گا تو اس میں مرد نہ جائیں مگر تہبندوں کے ساتھ اور وہاں سے عورتوں کو منع کرو سواء بیمار کے یا نفاس والی کے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ عرب کے پانچ صوبوں کے سواء باقی کو عجم کہتے ہیں۔اس فتح عجم کی ابتداء زمانہ صدیقی سے ہی ہوچکی تھی پھر خلافت فاروقی و عثمانی میں تو سبحان اللہ مشرق و مغرب فتح ہوگئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی ہو بہو درست ہوئی۔

۲؎ یعنی عورتیں سواء ضرورت کے حمام میں ہرگز نہ نہائیں،مرد بلاضرورت بھی وہاں نہاسکتے ہیں مگر تہبند سے،وجہ فرق ابھی کچھ پہلے عرض کی جاچکی۔حضرت جبر ابن نفر فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت عمر کا فرمان آیا اس میں تھا کہ حمام میں مرد بغیر تہبند اور عورتیں بغیر بیماری کے نہ جائیں۔کھیل صرف تین قسم کے جائز ہیں: گھوڑا،بیوی،تیر۔حضرت ابوالدرداء حمام میں نہاتے اور اس کی بہت تعریف فرماتے تھے کہ حمام دوزخ کو یاد دلاتا ہے اور بدن کو صاف کرتا ہے یعنی وہاں کمرے کی بھڑک سے دوزخ کی بھڑک یاد آتی ہے۔(مرقات)بعض بیماریوں میں حمام میں نہانا بہت مفید ہے،نفاس والی عورت کو حمام سے بہت فائدہ ہوتا ہے اس لیے مریض اور نفاس کا ذکر فرمایا گیا یہ عورتیں بھی حتی الامکان پردہ سے وہاں نہائیں۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ جو کوئی اللہ تعالٰی اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو ا؎ تو بغیر تہبند حماموں میں نہ جائے ۲؎ اور جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنی بیوی کو حمام میں نہ جانے دے ۳؎ اور جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو تو ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جہاں شراب کا دور چل رہا ہو ۴؎ (ترمذی،نسائی)	

ا؎ یعنی توحید سے لے کر قیامت تک تمام ایمانیات پر ایمان رکھتا ہو۔ایمانیات کے دو کناروں کا ذکر فرماکر تمام عقائد مراد لیے گئے ہیں،ایمان سے مراد کامل ایمان ہے۔

۲؎ کیونکہ وہاں حمام کے ملازمین ملنے والے اور نہانے والے نائی موجود ہوتے ہیں ان کے سامنے ننگا نہ ہو ہاں اگر تنہائی کی جگہ وہاں مل جاوے تو جائز ہے۔

۳؎ یعنی اسے وہاں نہ نہانے دے نہ تہبند سے نہ بغیر تہبند وجہ فرق معلوم ہوچکی کہ عورت کا جسم سر سے پاؤں تک ستر ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی حمام میں غسل نہ فرمایا مکہ مکرمہ میں مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جو حمام ہے جسے حمام النبی کہتے ہیں یا تو اس لیے کہ وہ حضور کی ولادت گاہ کے قریب ہے یا اس لیے کہ اس جگہ کبھی حضور انور نے غسل کیا ہوگا وہاں حمام بنادیا گیا یہ مطلب نہیں کہ اس حمام میں حضور نے غسل کیا،یہ بھی خیال رہے کہ حمام میں تلاوت قرآن ممنوع ہے۔

۴؎ فقہاء فرماتے ہیں کہ جس دسترخوان پر فسق و فجور ہورہا ہو وہاں کھانا ممنوع ہے اس کا ماخذ یہ حدیث ہے لہذا اگر شادی میں خاص دسترخوان پر ناچ گانا ہے تو وہاں کھانا نہ کھائے اور اگر اس کے قریب یہ کام ہے خاص دسترخوان پر نہیں تو مشہور متقی نہ کھائے عام مسلمان کھاسکتے ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ثابت سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت انس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ اگر میں چاہتا کہ وہ سفید بال گنوں جو آپ کے سر میں تھے تو کرلیتا ۲؎ فرمایا اور خضاب نہ کیا،ایک روایت میں یہ زیادہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے مہندی اور وسمہ سے خضاب کیا ۳؎ اور حضرت عمر نے خالص مہندی سے خضاب کیا۔ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ کا نام ثابت ابن اسلم بنانی ہے،کنیت ابو محمد،بصرہ کے مشہور بڑے عابد تابعی ہیں،حضرت انس کے ساتھ چالیس سال تک رہے،چھیاسی سال عمر پائی ۱۲۳ھ ایک سو تئیس میں وفات ہوئی،آپ اکثر حضرت انس سے روایات لیتے ہیں۔

۲؎ یعنی سر شریف اور ڈاڑھی مبارک میں چند گنتی کے بال سفید تھے جو شمار میں آجاتے پھر خضاب کیسے ہوتا۔

۳؎ یعنی حضرت ابوبکر صدیق نے پکا لال رنگ کا خضاب کیا جو مہندی اور تھوڑے وسمہ سے حاصل ہوتا ہے اتنا وسمہ شامل نہ کیا کہ سیاہ ہوجاوے کہ سیاہ خضاب مطلقًا ممنوع ہے اور حضرت عمر نے خالص مہندی کا سرخ خضاب کیا لہذا خضاب سنت صحابہ ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ آپ اپنی ڈاڑھی زردی سے پیلی کرتے تھے حتی کہ آپ کے کپڑے زردی سے بھر جاتے تھے ۱؎ ان سے کہا گیا کہ آپ زرد خضاب کیوں کرتے ہیں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ کو اسی سے خضاب کرتے دیکھا ۲؎ اور کوئی چیز آپ کو اس سے پیاری نہ تھی اور اس سے اپنے کپڑے سارے رنگ لیا کرتے تھے حتی کہ اپنے عمامہ کو بھی ۳؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ یعنی ورس خضاب کرتے تھے،یہ ایک گھاس ہے جو زعفرانی رنگ دیتی ہے کبھی صرف اس سے خضاب کرتے ہیں کبھی مہندی میں ملاکر۔کپڑے سے مراد سر سے باندھنے والا کپڑا ہے یا وہ جو خضاب لگا کر داڑھی پر لپیٹ لیا جاتا ہے نہ کہ قمیض و تہبند۔

۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ڈاڑھی شریف میں خوشبو لگاتے تھے جس کا رنگ داڑھی پر اور اس کپڑے پر ظاہر ہوجاتا تھا،یہ رنگ خضاب کا نہ تھا یا غسل کے وقت سر و داڑھی شریف میں کوئی چیز مل کر غسل فرماتے تھے صفائی کے

لیے یہ رنگ اس کا ہوتا تھا لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ حضور نے خضاب کبھی نہ لگایا۔

۳؎ یہ ہے سنت کی اتباع کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کسی اور وجہ سے بھی کیا تب بھی حضرت ابن عمر نے اس کام میں اتباع کی،دیکھو حضور کا یہ عمل خوشبو استعمال کرنے کی حیثیت سے تھا حضرت ابن عمر نے رنگ ہی کرلیا ان کا دل اتباع رسول کے رنگ میں رنگا ہوا تھا۔

	روایت ہے حضرت عثمان ابن عبداللہ ابن موہب سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں جناب ام سلمہ کے خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے ہمارے سامنے حضور کے بالوں میں سے ایک بال نکالا خضاب کیا ہوا ۲؎ (بخاری)

۱؎ آپ تابعی ہیں،تیمی ہیں،ان کے والدیعنی عبداللہ ابن موہب فلسطینی ہیں،وہاں کے قاضی تھے یہ عثمان ثقہ ہیں حضرت ابوہریرہ،ابن عمر،جابر ابن سمرہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

۲؎ بعض روایات میں ہے کہ سرخ رنگ کا خضاب تھا یا تو حضرت ام سلمہ نے اس بال شریف کو خوشبو میں رکھا تھا یہ رنگ اس خوشبو کا تھا یا حضور نے خوشبو ملی تھی یہ رنگ اس کا تھا یا حضور نے سرشریف میں ٹھنڈک کے لیے مہندی لگائی تھی یہ رنگت اس کی تھی لہذا یہ حدیث خضاب نہ لگانے کی احادیث کے خلاف نہیں۔حضرت ام سلمہ نے حضور کی ڈاڑھی کا بال اپنے پاس تبرگًا رکھا ہوا تھا۔(مرقات) نہ معلوم یہ وہ بال شریف تھا یا دوسرا بہرحال حضور کا بال شریف تبرک کے لیے رکھنا اس کی زیارت کرنا سنت صحابہ ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مخنث لایا گیا ۱؎ جس نے اپنے ہاتھ پاؤں مہندی سے رنگے ہوئے تھے ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا کیا حال ہے لوگوں نے عرض کیا کہ عورتوں کی شکل بناتا ہے تو حکم دیا اسے نقیع کیطرف نکال دیا گیا ۳؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ کیا ہم اسے قتل نہ کریں فرمایا مجھے نمازیوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ مخنث کا بیان کتاب النکاح میں گزر چکا ہے کہ پیدائشی مخنث ہونا فسق نہیں وہ تو قدرتی چیز ہے،ہاں بہ تکلف مخنث بننا،اپنی آواز،لباس،وضع قطع عورتوں کی رکھنا فسق ہے۔

۲؎ عورتوں کی سی شکل بنانے کے لیے یہ حرکات کرتا تھا جیسا آج کل ہیجڑوں میں دیکھا جاتا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیماری بڑی پرانی ہے۔

۳؎ نقیع مدینہ منورہ کے باہر ایک جنگل ہے جہاں اہلِ مدینہ کے جانور چرا کرتے تھے۔اس مخنث کو اس لیے نکال دیا تاکہ اہل مدینہ اس کی صحبت سے بچیں اور اسے عبرت ہو اور توبہ کرے اور پھر واپس آجائے،یہ مطلب نہیں کہ اسے اس حرکت سے منع نہیں فرمایا گیا یہ نکالنا عملی ممانعت ہے۔

۴؎ یعنی اس مخنث کا نمازیں پڑھنا اس کے مؤمن ہونے کی علامت ہے اور اس نے کوئی ایسا جرم کیا نہیں جس کی سزا قتل ہو جیسے زنا یا ظلمًا قتل لہذا اسے قتل نہیں کیا جاسکتا۔اس فرمان عالی کا یہ مطلب نہیں کہ نمازی آدمی خواہ کیسا ہی جرم کرے اسے قتل نہیں کیا جاسکتا۔خیال رہے کہ یہ مخنث اگر منافق تھا تب تو کوئی اعتراض نہیں اور اگر مخلص مؤمن تھا تو اس نے یقینًا توبہ کرلی ہوگی توبہ کرکے مرا ہوگا کیونکہ اس صورت میں وہ صحابی ہے اور صحابہ تمام عادل ہیں کوئی فاسق نہیں یعنی کوئی صحابی گناہ پر قائم نہیں رہے ان کی عدالت کی گواہی قرآن کریم دے رہا ہے،دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ۔

	روایت ہے حضرت ولید ابن عقبہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو مکہ والے حضور کے پاس اپنے بچے لانے لگے حضور ان کے لیے دعاء برکت فرماتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے ۲؎ مجھے آپ کے پاس لایا گیا میں خلوق والا تھا تو خلوق کی وجہ سے مجھے مس نہ فرمایا ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ کی کنیت ابو وہب ہے،قریشی ہیں،حضرت عثمان غنی کے ماں شریکے بھائی ہیں یعنی اردی کے شکم سے وہ بھی پیدا ہوئے،فتح مکہ کے دن اسلام لائے،بڑے شاعر تھے،حضرت عثمان غنی کی خلافت میں کوفہ کے حاکم رہے،مقام رقہ میں آپ کی وفات ہوئی۔

۲؎ سبحان اللہ! حضور انور نے فتح مکہ فرمانے پر اہلِ مکہ کے دل بھی جیت لیے کہ یہ لوگ آج ہی مسلمان ہوئے اور آج ہی حضور انور کے ایسے معتقد ہوگئے کہ اپنے بچوں کو حضور پر پیش کرنے لگے،حضور کا کرم کریمانہ ہے کہ ان کے بچوں پر بھی حضور کرم نوازی فرمانے لگے۔

۳؎ یعنی میرے سر پر ہاتھ تو نہ پھرا مگر دعا فرمائی ہاتھ اس لیے نہ پھیرا تاکہ حضور انور کے ہاتھ میں وہ رنگت والی خوشبو نہ لگ جاوے۔

	روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے بال جمہ ہیں ۱؎ تو کیا میں ان میں کنگھی کروں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اور ان کی خدمت کرو ۲؎ فرماتے ہیں کہ ابوقتادہ بہت دفعہ ان میں ایک دن میں دوبار تیل لگاتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی

وجہ سے کہ ہاں اور انکی خدمت کرو۳؎(مالک)	

۱؎ جمہ وہ بال ہیں جو کندھوں اور کان کے درمیان ہوں۔سر کے بالوں کی تین حدیں ہیں: وفرہ،جمہ،لمہ۔کندھوں سے نیچے مرد کے بال نہ چاہئیں۔

۲؎یعنی جو شخص اپنے سر پر بال رکھے تو انہیں پریشان نہ رکھے،بال بکھیرے نہ رہے،بھوت بنا ہوا نہ رہے،سر دھونا،تیل ڈالنا،کنگھی کرنا یہ کام کرتا رہے،پھر اس مانگ پٹی میں اتنا بھی مشغول نہ ہوکہ روزہ نماز ہی بھول جاوے۔

۳؎اگرچہ اتنا زیادہ مانگ پٹی کرنا بہتر نہیں مگر انہوں نے سمجھا کہ میرے لیے بہتر ہے کہ حضور اقدس نے فرمایا بالوں کی خدمت کرو لہذا میرا اور حکم ہے دوسروں کا اور حکم جیسے حضرت انس کی والدہ نے جناب انس کے سر کے اگلے بال نہ ترشوائے خصوصیت کی بناء پر۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت حجاج ابن حسان سے۱؎فرماتے ہیں کہ ہم انس ابن مالک کے پاس گئے تو مجھے میری بہن مغیرہ نے بتایا بولیں کہ تم اس دن بچے تھے۲؎اور تمہارے دو گیسو یا پیشانی پر دو جوڑے تھے۳؎تو تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا اور تمہیں دعائے برکت دی اور فرمایا کہ ان دونوں کو مونڈوا دیا اور کترادیا کرو کیونکہ یہ یہود کا طریقہ ہے ۴؎(ابوداؤد)	

۱؎ تابعی ہیں،بصری ہیں،امام احمد ابن حنبل نے ایک بار کہا کہ ثقہ ہیں دوسری بار کہا کہ ان سے حدیث لینے میں حرج نہیں،یحییٰ ابن معین کہتے ہی کہ وہ صالح الحدیث ہیں۔

۲؎یعنی حضرت انس کے پاس جانے کے واقعہ کی تفصیل مجھے یادنہیں میری بہن مغیرہ نے مجھے یہ تفصیل سنائی وہ بھی ہم سب کے ساتھ اس دن جناب انس کے پاس گئی تھیں۔**مغیرہ** بدل یا عطف بیان ہے **اختی** سے اور لفظ **مغیرہ** مشترک ہے عورت و مرد کے درمیان کہ مغیرہ مردوں کے نام بھی ہوتے ہیں عورتوں کے نام بھی۔

۳؎قرنان تثنیہ ہے **قرن** کا بمعنی لٹ یا گیسواور **قصتان** تثنیہ ہے **قصۃ** کا،**قصۃ** ق کے پیش صاد کے شد سے بمعنی جوڑا یعنی پیشانی کے بال جمع کرکے دھاگہ سے باندھ لیے جاویں۔

۴؎یعنی حضرت انس نے تمہارے سر پر ہاتھ بھی پھیرا اور تمہارے لیے دعاء برکت بھی کی اور یہ حکم بھی دیا۔پہلے گزرچکا ہے کہ **قزع** سے حضور انور نے ممانعت فرمائی یہ ہی آپ فرمارہے ہیں کہ یا تو کل بال رکھاؤ یا کل کتراؤ یا منڈاؤ،بعض بال کتر دینا بعض رکھنا درست نہیں یہ طریقہ یہود ہے۔آج کل سکھ سر کے بال بہت درازرکھتے ہیں اور انہیں سر کے وسط جوڑا بنالیتے ہیں مسلمان کے لیے یہ بھی ممنوع ہے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ عورت اپنا سر	

	منڈائے ۱؎(نسائی)

۱؎ جیسے مرد کو ڈاڑھی منڈانا حرام ہے ایسے ہی عورت کو سر کے گیسو منڈانا یا کتروانا حرام ہے،مرد کی زینت داڑھی سےہے عورت کی زینت سر کے گیسوں سے۔اس میں گفتگو ہے کہ مرد کو سر منڈانا سنت ہے یا رخصت حق یہ ہے کہ رخصت ہے سنت نہیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے صحابہ نے سواء احرام سے کھلنے کے کبھی سر نہیں منڈایا،حضرت علی ضرورۃً منڈایا کرتے تھے۔(مرقات) فقیر کہتا ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا سر منڈانا ثابت نہیں کترایا کرتے تھے۔

	روایت ہے حضرت عطاء ابن یسار سے ۱؎فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے تو ایک شخص سر اور ڈاڑھی بکھیرے آیا ۲؎تو اس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا گویا آپ اسے اپنے بال اپنی ڈاڑھی کی درستی کا حکم دے رہے تھے ۳؎ چنانچہ اس نے کرلیا پھر واپس آیا ۴؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا یہ اس سے بہتر نہیں کہ تم میں سے کوئی شیطان کی طرح سر بکھیرے ہوئے آئے ۵؎ (مالک)

۱؎ آپ کی کنیت ابو محمد ہے،ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزادکردہ غلام ہیں،مشہور تابعی ہیں،مدینہ منورہ میں قیام رہا،چوراسی سال عمر پائی، ۹۷ھ ستانوے ہجری میں وفات،پائی مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں دفن ہوئے،اکثر روایات حضرت ابن عباس سے لیتے ہیں،یہ حدیث مرسل ہے۔

۲؎ اس طرح کہ نہ سر میں تیل کنگھی نہ ڈاڑھی میں،دونوں کے بال بکھرے ہوئے تھے جس سے شکل بگڑ گئی تھی بری معلوم ہوتی تھی۔

۳؎ یعنی آپ نے زبان سے کچھ نہ فرمایا بلکہ ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ان دونوں کو ٹھیک کرے حضور کا ہر عضو مبلغ ہے۔

۴؎ یعنی مجلس شریف سے باہر گیا وہاں درست کرکے پھر حاضر ہوا۔

۵؎ شیطان سے مراد مردود جن ہیں یعنی بھوت یہ اپنی بدشکلی میں مشہور ہیں ان کی شکل ڈراؤنی ہوتی ہے جیسے فرشتے اچھی صورت سیرت میں مشہور ہیں۔

	روایت ہے ابن مسیب سے ۱؎انہیں یہ کہتے سنا گیا کہ اللہ تعالٰی پاک ہے پاکی پسند فرماتا ہے ظاہر باطن ستھرا ہے ستھرا پن پسند کرتا ہے ۲؎کریم ہے کرم پسند کرتا ہے سخی ہے سخاوت پسند فرماتا ہے ۳؎تو تم صاف رکھو مجھے

	خیال ہے کہ فرمایا اپنے صحنوں کو۴ اور یہود سے مشابہت نہ کرو۵ فرماتے ہیں کہ میں نے مہاجرابن مسمار سے یہ ذکر کیا۶ تو انہوں نے کہا کہ مجھے عامر ابن سعد نے ۷ اپنے والد سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل روایت کی مگر انہوں نے کہا کہ اپنے صحنوں کو صاف رکھو ۸ (ترمذی)

۱ آپ کا نام سعید ابن مسیب ہے، مشہور تابعی ہیں، خلافت فاروقی کے دوسرے سال میں پیدا ہوئے، آپ کی کنیت ابو محمد ہے، قرشی مخزومی مدنی ہیں، بڑے محدث، فقیہ، متقی پرہیزگار تھے۔ حضرت مکحول کہتے ہیں کہ میں طلب علم میں دنیا میں گھوما میں نے چالیس حج کئے مگر سعید ابن مسیب سے بڑا عالم نہ پایا ۹۳ھ ترانوے ہجری میں وفات پائی۔ (مرقات)

۲ ظاہری پاکی کو طہارت کہتے ہیں اور باطنی پاکی کو طیب اور ظاہری باطنی دونوں پاکیوں کو نظافۃ کہا جاتا ہے یعنی اللہ تعالٰی بندے کی ظاہری باطنی پاکی پسند فرماتا ہے بندے کو چاہیے کہ ہرطرح پاک رہے جسم، نفس روح، لباس، بدن، اخلاق غرضکہ ہر چیز کو پاک رکھے صاف رکھے، اقوال، افعال، احوال عقائد سب درست رکھے اللہ تعالٰی ایسی نظافت نصیب کرے۔

۳ کرم و سخاوت میں فرق ہے۔ کریم وہ جو غذائیں ہی سخاوت کرے، سخی وہ جو چیز میں سخاوت کرے جس انسان کے اچھے اخلاق ظاہر ہوں وہ کریم ہے۔ (مرقات)

۴ یعنی اپنے گھر تک صاف رکھو لباس، بدن وغیرہ کی صفائی تو بہت ہی ضروری ہے گھر بھی صاف رکھو وہاں کوڑا جالا وغیرہ جمع نہ ہونے دو۔

۵ کیونکہ یہود اپنے گھر کے صحن صاف نہیں رکھتے، نیز یہود بہت گندے بہت بخیل بڑے خسیس بڑے ذلیل ہیں، عیسائی اگرچہ کافر ہیں مگر وہ یہود کی طرح گندے نہیں ان میں کچھ صفائی ہے اگرچہ ان کے بھی دانت میلے منہ بدبو دار اور ناخن لمبے ہوتے ہیں ہرطرح کی صفائی تو اسلام نے ہی سکھائی ہے۔

۶ یعنی میں نے یہ حدیث جو سعیدابن مسیب سے سنی تھی مہاجر ابن مسمار کو سنائی اور پوچھا کہ کیا آپ نے بھی یہ حدیث کسی سے سنی ہے مہاجر ابن مسمار زہری ہیں، یہ تابعی ہیں، ثقہ ہیں۔

۷ عامر ابن سعد ابن ابی وقاص بھی زہری قرشی ہیں، تابعی ہیں ۱۰۴ھ ایک سو چارہجری میں وفات پائی ہے، انہوں نے اپنے والد سے اور حضرت عثمان غنی سے ملاقات کی ہے۔ (مرقات)

۸ لہٰذا یہ حدیث موقوف بھی ہے مرفوع بھی سعید ابن مسیب کی روایت میں موقوف ہے اور عامر ابن سعد کی روایت میں مرفوع ۔

	روایت ہے حضرت یحیٰی ابن سعید سے انہوں نے سعید ابن مسیب کو فرماتے سنا کہ رحمٰن کے خلیل ابراہیم

	لوگوں میں پہلے وہ ہیں جنہوں نے مہمانوں کی مہمانی کی ۱؎ اور لوگوں میں پہلے آپ نے ختنہ کیا ۲؎ اور لوگوں میں پہلے آپ نے اپنی مونچھ تراشی ۳؎ اور لوگوں میں پہلے آپ نے بڑھاپا دیکھا ۴؎ تو عرض کیا یارب یہ کیا رب تعالٰی نے فرمایا یہ وقار ہے ۵؎ اے ابراہیم، عرض کیا رب میرے وقار کو بڑھادے ۶؎ (مالک)

۱؎ اس طرح کہ آپ سے پہلے کسی نے مہمان نوازی کا اتنا اہتمام نہ کیا جتنا آپ نے کیا آپ تو بغیر مہمان کھانا ہی نہ کھاتے تھے۔

۲؎ آپ سے پہلے انبیاء کرام ختنہ شدہ پیدا ہوئے اور انکی امتوں نے ختنہ کیا نہیں کیونکہ اس زمانہ میں ختنہ کا شرعی حکم نہ تھا۔ سب سے پہلے آپ کے دین میں ختنہ حکم شرعی بنا اور آپ کی وجہ سے ختنہ سنت ابراہیمی ہوا۔

۳؎ آپ سے پہلے کسی نبی کی یا مونچھیں بڑھی نہیں یا بڑھیں اور انہوں نے تراشیں مگر ان کے دینوں میں مونچھ کاٹنا حکم شرعی نہ تھا اب آپ کی وجہ سے یہ عمل سنت ابراہیمی ہوا۔

۴؎ آپ سے پہلے کسی کے بال سفید نہ ہوتے تھے اگرچہ ان کی عمریں صدہا سال ہوتی سب سے پہلے آپ کے بال سفید ہوئے۔ آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال ہوئی، نوح علیہ السلام کی عمر ڈیڑھ ہزار سال مگر بال کسی کے سفید نہ ہوئے۔

۵؎ یعنی بال کی سفیدی وقار کا سبب ہے، اس سے حلم، صبر، عفو اور بڑی اعلٰی صفات انسان میں پیدا ہوجاتی ہیں۔

۶؎ یعنی مجھے حلم و وقار عطا فرما خواہ اس طرح کہ بالوں کی سفیدی بڑھ جاوے جس سے وقار بڑھے یا اس طرح کہ بال ایسے ہی رہیں صرف وقار بڑھے، یہ تو رب تعالٰی کی دین ہے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف سیاہ رہے وقار سب سے زیادہ عطا ہوا۔

باب التصاویر

تصویروں کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1]تصاویر جمع ہے تصویر کی بمعنی صورت بنانا،یہ جاندار کی حرام بے جان کی جائز ہے۔تصویر میں مروجہ فوٹو،قلم کی تصویریں،مجسمے سب ہی داخل ہیں کہ غیر جاندار کے حلال ہیں جاندار کے حرام،حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں تصاویر حرام نہ تھیں رب تعالٰی فرماتاہے:"یَعۡمَلُوۡنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ مِنۡ مَّحٰرِیۡبَ وَ تَمٰثِیۡلَ"۔

روایت ہے حضرت ابوطلحہ سے[1]فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس گھر میں فرشتے نہیں آتے جس میں کتاہو نہ اس گھر میں جس میں تصویریں ہوں[2](مسلم،بخاری)	

[1]آپ کا نام سہل ابن زید ہے،انصاری ہیں،حضرت انس کے سوتیلے والد مگر اپنی کنیت میں مشہور ہیں،آپ کا مزار بصرہ میں ہے،فقیر نے زیارت کی ہے۔

[2]ملائکہ سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں،حافظین کاتبین اور عذاب کے فرشتے تو ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں۔کتے سے مراد غیر ضروری کتا ہے اور تصاویر سے مراد جاندار کی تصویریں ہیں جو شوقیہ بلاضرورت ہوں اور احترام سے رکھی جاویں یہ قیدیں ضروری یاد رہیں لہذا نوٹ روپیہ پیسہ کی تصاویر جو ضروری ہیں اور فرش وبستر پر تصاویر جو پاؤں سے روندی جاویں جائز ہے ان کی وجہ سے فرشتے آنے سے نہیں روکتے،بچوں کی گڑیاں ان سے کھیلنا بچوں کے لیے جائز ہے مگر اس کی تجارت ممنوع ہے مذہب امام مالک،بعض نے فرمایا کہ گڑیا سازی کی احادیث منسوخ ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ غیر منسوخ ہیں۔(مرقات)اور بچیوں کا گڑیاں بنانا ان سے کھیلنا درست ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ جناب میمونہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن غمگیں سویرا کیا[1]اور فرمایاکہ جبریل نے مجھ سے آج رات ملنے کا وعدہ کیا مگر مجھے ملے نہیں واللہ انہوں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی[2]پھر آپ کے خیال	

	میں ایک کتے کا بچہ آیا جو آپ کے تخت کے نیچے تھا۳؎ حکم دیا وہ نکال دیا گیا پھر اپنے ہاتھ شریف میں پانی لیا اسے اس کی جگہ چھڑک دیا۴؎ جب شام ہوئی تو حضرت جبریل آپ کو ملے تو فرمایا کہ تم نے مجھ سے آج رات ملنے کا وعدہ کیا تھا وہ بولے ہاں لیکن ہم اس گھر میں نہیں جاتے۵؎ جہاں کتا ہو نہ وہاں جہاں تصویر ہو اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح اٹھ کر کتوں کے قتل کا حکم دے دیا حتی کہ حضور چھوٹے باغ کے کتے کے قتل کا حکم دیتے تھے بڑے باغ کے کتے کو چھوڑ دیتے تھے ۶؎ (مسلم)

۱؎ یعنی آپ صبح کے وقت بہت غمگیں اٹھے۔**واجم** بنا ہے **وجم** سے بمعنی خاموشی اور غم،غصہ۔**واجم** وہ جو غم کی وجہ سے خاموش ہو۔

۲؎ یعنی حضرت جبریل صادق الوعد ہیں ناممکن ہے کہ وہ وعدہ خلافی کریں۔

۳؎ **فسطاط** کے پیش سے خیمہ کو کہتے ہیں یہاں مراد تخت ہے۔(مرقات)کیونکہ خیمہ سفر میں ہوتا ہے نہ کہ گھر میں۔

۴؎ کتے کی جگہ پر پانی چھڑکنا تقویٰ احتیاط کی تعلیم کے لیے ہے ورنہ کتے کا جسم ناپاک نہیں اس کے منہ کا لعاب ناپاک ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر دل میں تکدر ہوجاوے تو اس کی وجہ معلوم کرکے بدلہ کردے اس میں غوروفکر کرنا بھی عبادت ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّہُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا"ہمارے متقی بندے وہ ہیں کہ جب انہیں شیطان چھو بھی جاوے تو وہ لوگ سوچ لیتے ہیں۔

۵؎ یعنی ہم تو حسب وعدہ حاضر ہونے کو تیارتھے مگر آپ کے گھر میں رکاوٹ تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر اپنے گھر میں کتا نہ بھی پالا گیا ہو دوسری جگہ سے ہی آکر گھر میں بیٹھ جاوے تب بھی ملائکہ کی تشریف آوری سے رکاوٹ ہے اس لیے باہر کا کتا بھی نہ آنے دیا جاوے۔

۶؎ چونکہ بڑے باغوں کی حفاظت بغیر کتے کے مشکل ہے اور چھوٹے باغ کی حفاظت صرف مالک کرلیتا ہے اس لیے یہ فرق رکھا گیا،یہ ہی فرق اس زمانہ میں جانوروں کے چھوٹے بڑے ریوڑوں میں فرق رکھا گیا ہوگا کہ بڑے ریوڑوں کی حفاظت کے کتے باقی رکھے گئے ہوں گے مگر اب یہ حدیث منسوخ ہوچکی اب شکار اور گھر بار اور جانوروں کی حفاظت کے لیے کتے پالناجائز ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

	اپنے گھر کوئی ایسی چیز نہ چھوڑتے جس میں تصویریں ہوں مگر اسے توڑ دیتے تھے ۱؎(بخاری)

۱؎ تصالیب جمع ہے تصلیب کی اس کے معنی ہیں صلیب کی شکل بنانا پھر خود صلیب کو تصلیب کہنے لگے اب یہ لفظ بمعنی تصویر استعمال ہوتا ہے یہاں یہ ہی تیسرے معنی مراد ہیں۔صلیب ٹی کی شکل کی دو لکڑیاں اس طرح T عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسی لکڑیوں کی شکل پر سولی دی گئی لہذا یہ لوگ اس کی بہت تعظیم بلکہ اس کی پرستش کرتے ہیں اکثر جگہ صلیبی نشان لگاتے ہیں اور اپنے سینہ پر اسی کے نشان رکھتے ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر کی کسی چیز پر تصویر باقی نہ چھوڑتے تھے اسے پھاڑ دیتے یا توڑ دیتے تھے۔اس تصویر میں وہ تمام قیدیں ہیں جو شروع باب میں عرض کی گئیں یعنی جاندار کی تصویر غیرضروری اور محترم لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ انہوں نے ایک پردہ خریدا جس میں تصویریں تھیں ۱؎ پھر جب اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو دروازے پر کھڑے ہوگئے اندر نہ آئے ۲؎ میں نے آپ کے چہرے میں ناپسندیدگی محسوس کی ۳؎ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں اللہ رسول کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں ۴؎ میں نے کیا گناہ کیا ۵؎ تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس پردہ کا کیا حال ہے میں نے عرض کیا کہ یہ میں نے آپ کے لیے خریدا ہے تاکہ آپ اس پر بیٹھیں اور آپ اس سے تکیہ لگائیں ۶؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان تصویروں والے لوگ قیامت کے دن عذاب دیئے جائیں گے ۷؎ ان سے کہا جاوے گا کہ جو تم نے بنایا ۸؎ انہیں زندہ کرو ۹؎ اور فرمایا کہ وہ گھر جس میں تصویر ہو اس میں فرشتے نہیں آتے ۱۰؎(مسلم،بخاری)

۱؎ **نمرقہ** ن اور ر کے کسرہ سے بھی آتا ہے اور ان دونوں کے پیش سے بھی۔تکیہ،پردہ،زین پر ڈالنے کی چادر ان سب کو **نمرقہ** کہا جاتا ہے۔غالبًا یہ پردہ تھا جو دروازہ پر لٹکایا گیا تھا اس میں جاندار چیزوں کی تصویریں تھیں۔

۲؎ اظہارِ ناراضگی کے لیے یہ عملی تبلیغ ہے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر با اثر عالم یا شیخ کسی فسق کی جگہ نہ جائے تو فسق بند ہوجاوے ایسی صورت میں ہرگز نہ جائے اور اگر اس کے نہ جانے سے اثر نہ پڑے تو جاسکتا ہے اس مسئلہ کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۳؎ آپ میں مزاج شناسی رسول حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ شریف سے کچھ نہ فرمایا مگر آپ نے چہرہ انور پر ناپسندیدگی کے آثار معلوم کرلیے۔

۴؎ سبحان اللہ! کیسا ایمان افروز کلمہ ہے اس عرض معروض سے دو مسئلہ معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اللہ کے ساتھ حضور کا نام لینا بغیر فاصلہ کے بالکل جائز ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ"لہذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ رسول بھلا کرے،اللہ رسول کی بڑی مہربانی ہے۔دوسرے یہ کہ توبہ اور دوسری عبادات میں اللہ کے ساتھ حضور کو راضی کرنے کی نیت کرنا بالکل جائز ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ"اور فرماتاہے:"وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ"۔صوفیا فرماتے ہیں کہ ہر گناہ میں اللہ تعالٰی کی بھی نارضگی ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی"عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ"ہر گناہ سے دو حق تلفیاں ہوتی ہیں لہذا ہر گناہ کی توبہ حق تعالٰی کی بارگاہ میں بھی کرے اور حضور کی بارگاہ میں بھی دونوں ذاتوں سے معافی چاہیے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ دوبارہ الی فرمانے سے معلوم ہوا کہ دونوں ذاتوں کی طرف رجوع کرنا مشکل ہے کوئی کسی کے تابع نہیں۔

۵؎ سبحان اللہ! گناہ کے علم سے پہلے توبہ کرلی حضور کو راضی کرنے کے لیے رب فرماتاہے:"عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ"خطا کے ذکر سے پہلے معافی کا اعلان۔

۶؎ یعنی میں نے عرض کیا کہ میں نے یہ کپڑا یا تکیہ آپ کی خاطر خریدا ہے اپنے لیے نہیں خریدا مجھے خبر نہ تھی کہ حضور اس سے ناراض ہوں گے۔

۷؎ اس فرمان سے معلوم ہورہا ہے کہ تصویریں بنانے والے اور ان کو شوقیہ رکھنے والے دونوں ہی اس مذکور ہ سزا کے مستحق ہیں کیونکہ ام المؤمنین نے یہ تصاویر بنائی نہ تھیں صرف رکھی تھیں اور حضور نے یہ ارشاد فرمایا۔(مرقات)اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شوقیہ تصویر کھچوانا بھی حرام ہے کہ تصویر کھچوانے اور تصویر رکھنے میں تصویر بنانے والے کی امداد ہے گناہ پر مدد کرنا بھی گناہ ہے۔

۸؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس جگہ تصویر والوں سے مراد تصویر بنانے والے اور تصویر استعمال کرنے سب ہی ہیں اور ان سب پر یہ عتاب ہوگا مگر اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ اس سے مراد صرف تصویر بنانے والے ہیں کیونکہ خلقتم انہیں سے کہا جاسکتا ہے بہرحال تصویر بنانا سخت حرام اور تصویر کھچوانا اسے حرمت سے رکھنا اس لیے حرام ہے کہ یہ گناہ پر مدد ہے۔

۹؎ یہ حکم تعجیزی ہے جیسے "فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ" میں ہے یعنی اس فرمان کا مقصود مصورین کو عاجز کرنا ہے نہ کہ انہیں روح پھونکنے کا حکم دینا۔معلوم ہوا کہ ہر حکم وجوب کے لیے نہیں ہوتا۔

۱۰؎ یہاں اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ اگرچہ بعض تصویروں کا رکھنا جائز ہے مگر ان سے بھی رحمت کے فرشتے نہیں آتے کیونکہ تکیہ میں تصویر ہو تو جائز ہے کہ اس میں تصویر کا احترام نہیں پھر بھی حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس طرح کی تصویروں سے بھی فرشتے رحمت کے نہیں آتے۔مگر حق یہ ہے کہ جس تصویر کا رکھنا شرعًا جائز ہو اس سے رحمت کے فرشتے نہیں رکتے،جس کا رکھنا ممنوع ہے اس سے رکتے ہیں،اگر یہ تصاویر ذلت سے پڑی تھیں تب یہ فرمان عالی تقویٰ کی تعلیم کے لیے ہے کہ ہمارے اہل بیت کو اس طرح تصویریں رکھنا بھی مناسب نہیں،اگر احترام سے تھیں تو یہ فرمان اپنی حقیقت پر ہے۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ جس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے اس لیے حضور گھر میں نہ آئے۔(مرقات)

روایت ہے انہیں سے کہ انہوں نے اپنے ایک طاق پر پردہ ڈالا جس میں تصویریں تھیں تو اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھاڑ دیا ۱؎ پھر انہوں نے اس کے دو تکیے گھر میں بنالیے جن پر حضور بیٹھتے تھے ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ اس طرح کہ وہ طاق وغیرہ پر لٹکانے کے قابل نہ رہا تب اسے بچھانا پڑا لٹکانے اور بچھانے کے احکام میں فرق ہے۔

۲؎ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر تصاویر بستر یا فرش میں ہوں جو پاؤں تلے تصویریں روندی جاتی ہوں تو جائز ہے یہ حدیث بظاہر پچھلی حدیث کے مخالف معلوم ہوتی ہے کہ وہاں تو تکیوں کی تصاویر سے منع فرمایا گیا اور یہاں اس کی اجازت دی گئی لہذا یا تو یہ تصویریں جاندار کی نہ تھیں اور اس پر پردہ کو پھاڑنا اس لیے تھا کہ دیواروں چھت پر غلاف ڈالنا دنیاوی تکلف ہے جس سے اہلِ بیت کو بچنا چاہیے اور اگر جاندار کی تصاویر تھیں تو انکے سر کاٹ دیئے گئے تھے جن سے انکا استعمال جائز ہوگیا لہذا یہ حدیث گزشتہ کے خلاف نہیں۔(اشعۃ اللمعات)خیال رہے کہ یہ فرق حکم استعمال کے لیے ہے،رہی تصویر سازی وہ مطلقًا حرام ہے خواہ فرش پر ہو یا بستر میں یا کاغذ یا شیشہ میں یا دیوار وغیرہ میں۔

روایت ہے انہیں سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جہاد میں تشریف لے گئے تو میں نے ایک باریک چادر بنائی پھر میں نے اسے دروازے پر ڈالدیا ۱؎ جب حضور تشریف لائے تو چادر دیکھی تو اسے کھینچا حتی کہ اسے پھاڑ دیا ۲؎ پھر فرمایا کہ اللہ نے ہم کو یہ حکم نہیں دیا کہ ہم پتھروں اور مٹی کو	

	پہنائیں۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎نمط وہ باریک چادر جو بستر پر بچھائی جاوے زیبائش کے لیے،اس کی جمع انماط ہے،دروازے پر اس کا ڈالنا زینت کے لیے تھا نہ کہ پردہ کے لیے۔

۲؎یہ پھاڑنا مال کی بربادی نہیں بلکہ برائی کا مٹانا ہے اور عملی تبلیغ اور اظہار ناراضی لہذا یہ عمل عبادت ہے۔

۳؎تکلفًا بلا ضرورت دروازوں دیواروں چھتوں پر غلاف ڈالنا بہتر نہیں،چونکہ اہلِ بیت اطہار کی شان بہت اعلیٰ ہے اس لیے حضور نے انہیں اس سے بھی منع فرمایا۔(اشعہ)خیال رہے کہ غلاف کعبہ،غلاف روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،بزرگانِ دین کے قبور کی غلاف و چادریں،قرآن پاک کے جزدان وغیرہ اس حکم میں داخل نہیں کہ وہاں دیواروں کا پہنانا مقصود نہیں بلکہ وہاں اس دینی محترم چیزوں کی عظمت کا اظہار ہے۔کعبہ،قرآن،روضۂ رسول،مزارات اولیاء اللہ شعائر اللہ ہیں اور شعائر اللہ کی تعظیم رکن ایمانی ہے،دیکھو اس کی تحقیق شامی جلد اول میں اور ہماری کتاب جاء الحق میں۔

	روایت ہے ان سے ہی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا قیامت کے دن سب سے سخت عذاب والے وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی خلق سے مشابہت کرتے ہیں ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی جیسی جاندار کی صورتیں اللہ تعالیٰ بناتا ہے ویسی یہ بناتے ہیں گویا رب تعالیٰ کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس سے مقابلہ کرنے والا مستحق عذاب ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سے بڑا ظالم کون ہے جو میری مخلوق کی طرح گھڑنے بنانے لگے ۱؎تو انہیں چاہیے کہ ایک ذرہ پیدا کریں یا ایک دانہ یا ایک جو پیدا کریں ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی اس تصویر سازی میں اللہ تعالیٰ سے تشبیہ یا اس سے مقابلہ کی بو ہے لہذا اس سے بچے یہ حکم اطاعت ہے ہم حکم کے بندے ہیں بے جان کی تصویریں بنانا درست ہے جاندار کی صورتیں بنانا حرام ہم کو بسرو چشم قبول ہے۔

۲؎خیال رہے کہ پرستش کے لیے بت بنانا یا اللہ تعالیٰ کے مقابلہ کے لیے تصویریں بنانا کفر ہے،اگر یہ دونوں خیال نہ ہوں تو جاندار کی تصویریں بنانا حرام ہے کفر نہیں۔پرستش کے چاند سورج کے فوٹو،پیپل کے درخت کا مجسمہ بنانا بھی حرام ہے کہ یہ بت سازی ہے۔خیال رہے کہ غیر جاندار چیزوں میں بندے کے کسب کو دخل ہے۔لوگ کہتے ہیں کہ یہ باغ میرا لگایا ہوا ہے،یہ کھیت میرا اگایا ہوا ہے مگر جاندار چیز میں کسی کے کسب کو

دخل نہیں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ چڑیا میری بنائی ہوئی ہے اس لیے جاندار کی تصویر سازی جرم ہے غیر جاندار کی نہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ کے نزدیک سخت عذاب والے تصویر بنانے والے ہیں ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہاں **مصورین** سے مراد بت ساز بت تراش ہیں جو پرستش کے لیے بت بنائیں یا وہ مصور مراد ہیں جو رب تعالٰی کے مقابلہ کے لیے تصویر سازی کریں یہ دونوں کافر ہیں اور کافر واقعی سخت عذاب مستحق ہیں اور اگر مصورین سے مراد عام فوٹو گرافر ہیں تو یہ فرمان عالی ڈرانے کے لیے ہے تاکہ لوگ اس حرکت سے باز آجاویں ورنہ ایسے لوگ فاسق ہیں اور فاسق کا عذاب کافر سے ہلکا ہے یا اس صورت میں **ناس** سے مراد مسلمان ہیں یعنی گنہگار مسلمانوں میں سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر سازوں کو ہوگا۔تصویر سے مراد جاندار کی تصویر ہے جیساکہ اوپر گزر گیا اور آگے بھی آرہا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہر تصویر ساز(فوٹو گرافر)آگ میں ہوگا ہر تصویر کے عوض جو وہ بنائے ایک ذات بنائی جائے گی جو اسے دوزخ میں عذاب دے گی ۱؎ابن عباس نے فرمایا کہ اگر تم ضرور یہ ہی کرو تو درخت اور وہ چیزیں بناؤ جن میں جان نہیں ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎یا تو اس کی بنائی ہوئی ہر تصویر میں جان ڈال دی جاوے گی اور وہ سب مل کر اسے عذاب دیں گی یا ہر تصویر کی عوض ایک فرشتہ اس پر مسلط ہوگا جو اسے عذاب دے گالہذا نفس سے مراد یا روح ہے یا ذات دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

۲؎اس استثناء سے معلوم ہوا کہ ہر غیر جاندار کی تصویر بنانا جائز ہے،بعض علماء نے فرمایا کہ پھل دار درختوں کی تصویر بنانا مکروہ ہے مگر حق یہ ہی ہے کہ مکروہ بھی نہیں،ہاں لہوولعب کی نیت سے بنانا اس لیے مکروہ ہوگا کہ کھیل کود مکروہ ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص ایسی خواب گھڑے جو اس نے دیکھی نہ ہو تو اسے مکلّف کیا جاوے گا کہ وہ جَو میں گرہ لگائے اور نہ کرسکے گا

	ا؎اور جو کسی قوم کی بات سنے حالانکہ وہ ناپسند کرتے ہوں یا اس سے بھاگتے ہوں تو قیامت کے دن اس کے کان میں سیسہ ڈالاجائے گا۲؎اور جو تصویر بنائے تو اسے عذاب دیا جاوے گا اور مکلّف کیا جاوے گا کہ اس میں روح پھونکے حالانکہ وہ پھونکنے والا نہیں(بخاری)

ا؎بعض شارحین نے فرمایا کہ جھوٹی خواب گھڑنے سے مراد ہے نبوت یا ولایت کا دعویٰ کرنا اور لوگوں سے یہ کہنا کہ رب تعالیٰ نے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا فلاں ولی نے مجھے خواب میں فرمایا ہے کہ تو نبی یا ولی ہے یا فلاں غیب کی مجھے خبردی ہے مگر حق یہ ہے کہ حدیث میں یہ کوئی قید نہیں ہر جھوٹی خواب گھڑنے والا اس سزا کا مستحق ہے خواہ کسی قسم کی خواب گھڑے کیونکہ مؤمن کی سچی خواب نبوت کا چھیالیسواں[٤٦] حصہ ہے اور وحی خفی ہے تو خواب گھڑنے والا رب تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے اور وحی الٰہی جھوٹی گھڑتاہے اس لیے عام جھوٹوں سے یہ جھوٹ بڑا سخت جرم ہے، بعض لوگ تبلیغ کے بہانہ جھوٹی خوابیں کسی بڑے کی طرف نسبت کردیتے ہیں کہ حضور کے روضہ کے فلاں خادم نے خواب میں حضور کو دیکھا آپ نے فرمایا کہ قیامت عنقریب آرہی ہےفلاں فلاں باتیں وغیرہ یہ سب حرام ہیں۔جو میں گرہ لگانے کا حکم دینا وجوب کے لیے نہیں بلکہ عاجز کرنے اور عذاب دینے کے لیے ہے۔

۲؎یعنی جو دوسروں کی خفیہ بات چھپ کر سنے اس کے کان میں قیامت کے دن سیسہ گرم کرکے انڈیلا جاوے گا۔حدیث بالکل ظاہر پر ہے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں،واقعی اسے قیامت میں یہ عذاب ہوگا کہ یہ بھی رازونیاز کا چور ہے۔

	روایت ہے حضرت بریدہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نردشیر کھیل کھیلے ا؎تو گویا اس نے اپنے ہاتھ سؤر کے گوشت اور اس کے خون میں رنگ لیے ۲؎(مسلم)

ا؎فارس کے بادشاہوں میں ایک بادشاہ آردشیر ابن تابک گزرا ہے اس نے یہ جوا ایجاد کیا۔نرد بمعنی ہار جیت کی بازی اردشیر آردشیر سے لیا گیااس لیے اس کھیل کا نام نردشیر رکھا گیا یعنی اردشیر کا جو اس کی ایجادکردہ بازی۔مرقات نے فرمایا کہ اس کا موجد شابور ابن آرد شیر بن تابک ہے۔

۲؎سؤر کے گوشت و خون میں ہاتھ سانا اسے نجس بھی کرتا ہے اور گھنونا عمل بھی ہے اس لیے اس سے تشبیہ دی گئی۔خیال رہے کہ نردشیر کی حرمت پر امت کا اجماع ہے،شطرنج احناف کے ہاں ممنوع ہے،شوافع کے ہاں جائز ہے بشرطیہ اس میں مالی ہار جیت نہ ہو،نماز یا جماعت نماز نہ جائے،کھیلنے والے گالی گلوچ نہ کریں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے پاس جناب جبریل آئے بولے کہ میں آج رات آپ کے پاس آیا تھا ۱؎ مجھے داخل ہونے سے کسی چیز نے نہ روکا بجز اس کے کہ دروازے پر تصاویر تھیں اور گھر میں باریک کپڑے کا پردہ تھا جس میں تصاویر تھیں ۲؎ اور گھر میں کتا تھا ۳؎ پس آپ حکم دیجئے کہ ان تصویروں کے سر کاٹ دیئے جاویں جو گھر کے دروازے پر ہیں تاکہ وہ درخت کی طرح رہ جاویں ۴؎ اور پردہ کے متعلق حکم دیجئے کہ کاٹ دیا جاوے اور اس کے دو تکیے بنادیئے جاویں جو پھٹکے رہیں ۵؎ روندھے جاویں اور حکم دیجئے کہ کتا نکال دیا جاوے ۶؎ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہی کیا۔(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ آپ کی زیارت آپ کی ملاقات کے لیے نہ کہ وحی الٰہی لےکر جیساکہ ظاہر ہے۔

۲؎ قرام ق کے کسرہ سے بمعنی باریک نقشین۔ستر کے معنی ہیں پردہ یعنی گھر کے دروازے پر جو پردہ تھا وہ باریک نقشین کپڑے کا تھا جس میں جاندار چیزوں کی تصویریں تھیں،پردہ کا باریک یا نقشین ہونا مضر نہیں ہاں اس پر تصویریں ہونا مضر ہے،حضرت جبریل کی آمد سے رکاوٹ۔

۳؎ یعنی باہر سے آیا ہوا کتا جو آپ کے گھر میں آکر بیٹھ گیا تھا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ازواج پاک نے کتا کبھی نہ پالا۔ معلوم ہوا کہ باہر سے آکر بیٹھ جانے والا کتا بھی ملائکہ رحمت کے آنے سے مانع ہوجاتا ہے اس سے بھی احتیاط چاہیے۔

۴؎ یعنی دروازے کی دیوار یا تختے پر جو تصویریں ہیں ان کی وجہ سے نہ تو دیوار گرائی جاوے نہ پوری تصویر مٹائی جاوے بلکہ انکے سر کاٹ دیئے جاویں سر کے مٹنے سے وہ حیوانی نہ رہے گی جسم حیوان رہے گا جو درخت کے مشابہہ ہے۔خیال رہے کہ صرف چہرے کے فوٹو کی پرستش تو ہوتی ہے اگرچہ باقی جسم نہ ہو مگر بغیر سر صرف جسم کے فوٹو کی پرستش کوئی نہیں کرتا اس لیے بغیر جسم کے صرف چہرے کا فوٹو رکھنا ممنوع ہے مگر بغیر سر کے صرف جسم کا فوٹو یا تصویر رکھنا ممنوع نہیں یہ مسئلہ اسی حدیث سے مستنبط ہوتا ہے۔اس کی پوری تفصیل کتب

فقہ میں دیکھوبلکہ اگر سر کا حصہ الگ نہ کیا جاوے صرف ناک کان ہونٹ کا نقش مٹا دیا جاوےجب بھی جائز ہے۔

۵؎ یعنی ان کا احترام باقی نہ رہے پاؤں سے روندے جائیں۔اس سے ۔معلوم ہوا کہ فرش زمین میں یا فرش دری میں اگر تصاویر ہوں تو حرج نہیں کہ ان تصاویر کی حرمت کوئی نہیں،تصاویر کی حرمت ہی سخت حرام ہے،ہاں تصویر والے فرش پر نماز پڑھنا ممنوع ہے جب کہ اس پر سجدہ ہوتا ہو۔

۶؎ اس طرح کہ آئندہ کتا گھر میں نہ آنے پائے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن ایک گردن نکلے گی ۱؎ جس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھتی ہوگی اور دوکان ہوں گے جن سے وہ سنتی ہوگی اور زبان ہوگی جس سے بولے گی کہے گی کہ میں تین شخصوں پر مسلط کی گئی ہوں ۲؎ ہر سرکش جابر ظالم پر اور ہر اس پر جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود پوجے اور تصویر سازوں پر ۳؎ (ترمذی)

۱؎ یعنی پورا سر یا پورا جسم عذاب کے فرشتے کا یا آگ کا ایک حصہ بہ شکل سر،تیسرے معنی کچھ بعید سے ہیں یہ بڑا ہی خطرناک عذاب کا فرشتہ ہوگا۔

۲؎ یعنی ان تین قسم کے مجرموں کا عذاب میرے سپرد کیاگیا ہے جیسے بڑے سخت مجرم کے لیے حکومت دُرّلی جتھا مقرر کرتی ہے کہ بڑا مجرم ان کے حوالہ کیا جاتا ہے جو انہیں سخت سزا دیتا ہے لوگ اس جتھے کے نام سے ڈرتے ہیں۔

۳؎ عنید وہ ظالم باغی شخص ہے جو جان بوجھ کر حق کا انکارکرے۔اس حدیث میں تصویر سازوں کے لیے انتہائی وعید ہے کہ ان کی سزا بت پرستوں کی سزا کے برابر کی گئی ہے۔خدا کی پناہ!

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا بے شک اللہ تعالٰی نے شراب اور جوا اور طبلہ حرام فرمادیا ۱؎ اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے ۲؎ کہا گیا ہے کہ کوبہ طبلہ ہے ۳؎ (بیہقی شعب الایمان)

۱؎ شراب جوئے کی حرمت تو قرآن کریم میں صراحۃً مذکور ہے طبلہ وغیرہ باجوں کی حرمت اشارۃً بیان ہوئی کہ فرمایا"وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡتَرِیۡ لَهْوَ الْحَدِیۡثِ"کھیل کی چیزوں میں طبلہ بھی داخل ہے۔

۲؎نشہ آور چیز خواہ خشک ہو جیسے بھنگ چرس افیون یا پتلی جیسے شراب تاڑی وغیرہ سب حرام ہیں اس پر تمام امت کااجماع ہے۔اختلاف اس میں ہے کہ شراب انگوری کے علاوہ دوسری شرابیں حد نشہ سے کم پینا حرام ہے یا نہیں،اس پر بھی اتفاق ہے کہ افیون،بھنگ،چرس وغیرہ خشک نشہ آور چیزیں دواءً استعمال کی جاسکتی ہیں جب کہ نشہ نہ دیں،بعض معجونوں میں افیون پڑتی ہے۔

۳؎قاموس میں ہے کہ کوبہ بضم کاف،شطرنج نردشیر،چھوٹا طبل،بربط غرضکہ یہ لفظ مشترک ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایاشراب اور جوئے اور باجے اور غبیراء سے وہ شراب ہے جسے حبشی لوگ جوار سے بناتے ہیں جسے سکرکہ کہا جاتا ہے ا؎ (ابوداؤد)	

ا؎اس شراب کا اصلی نام تو سکر کہ ہے،غبراء اسی لیے کہتے تھے کہ گدلی ہوئی ہوتی تھی جوار کی شراب تھی، اس کا رواج حبشہ میں بہت تھا سخت نشہ آور تھی حرام کردی گئی جیسے ہندوستان کے بعض علاقوں میں تاڑی پی جاتی ہے یہ بھی حرام ہے کہ نشہ آور ہے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی نرد کھیلے اس نے اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کی ا؎(احمد،ابوداؤد)	

ا؎نردشیر کے معنی اور اس کی شرح پہلے کی جاچکی ہے یہ بھی ایک قسم کا جوا ہے لہٰذا حرام ہے پانسوں پر کھیلا جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ کبوتر کے پیچھے دوڑ رہا ہے تو فرمایا شیطان شیطانہ کا پیچھا کررہا ہے ۲؎(احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ،بیہقی شعب الایمان)	

ا؎کبوتر باز کو شیطان فرمایا اور کبوتر بازی کو شیطانہ کیونکہ جو چیز رب تعالٰی سے غافل کردے وہ بھی شیطان ہے اور غافل ہوجانے والا بھی شیطان۔خیال رہے کہ کبوتر پالنا جائز ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد بلکہ مسجد حرام میں بہت کبوتر پلے ہوئے ہیں،پہلے زمانہ میں کبوتروں سے پیغام رسانی کا کام لیا جاتا تھا مگر کبوتر بازی کرنا ممنوع ہے،ہر بازی ممنوع ہے کہ یہ نماز تلاوت بلکہ دنیاوی ضروری کاموں سے غافل کردیتی ہے جیسے مرغ،بٹیر پالنا جائز مگر مرغ بازی،بٹیر بازی،تیتر بازی اور انہیں لڑانا حرام ہے خصوصًا جب کہ اس پر مالی ہار جیت ہو کہ اب یہ جواء بھی ہے۔مرقات میں فرمایا کہ صرف اڑانے کے لیے کبوتر پالنا مکروہ ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت سعید ابن حسن سے [1] فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس کے پاس تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا بولا اے ابن عباس میں ایسا شخص ہوں کہ میری روزی میری ہاتھ کی کاریگری میں ہے اور میں یہ تصویریں بناتا ہوں [2] تو حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ میں تم کو نہیں خبر دیتا مگر وہ جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو کوئی تصویریں بنائے تو اللہ اسے عذاب دے گا [3] حتی کہ اس میں روح پھونکے اور وہ اس میں کبھی نہ پھونک سکے گا تو وہ شخص بہت سخت ہانپا [4] اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا [5] تو آپ نے فرمایا تجھے خرابی ہو اگر اس کے بنانے سے تو باز نہ آئے تو اس درخت کو اور ہر اس چیز کو اختیار کر جس میں جان نہیں [6] (بخاری)

[1] آپ خواجہ حسن بصری کے بھائی ہیں،حضرت زید ابن ثابت کے آزاد کردہ غلام ہیں،آپ کے والد کا نام یسار ہے،کنیت ابوالحسن،یہ ہی خواجہ حسن بصری کے والد ہیں،سعید تابعی ہیں،بصری ہیں،ثقہ ہیں،حضرت ابن عباس ابوہریرہ وغیرہم سے ملاقات ہے رضی اللہ عنہم اجمعین۔آپ سے قتادہ،عوف وغیرہم نے احادیث روایت کیں۔

[2] یعنی جاندار کی تصویریں بنانا میرا پیشہ ہے اس سے میرا گزارہ ہے مجھے اور کوئی کام آتا نہیں۔

[3] یہاں عذاب سے مراد تمہید عذاب ہے جیساکہ اگلے مضمون سے واضح ہے۔اولًا اس سے روح پھونکنے کو فرمائے گاجب وہ نہ پھونک سکے گا تو عذاب دے گا،اگر حلال سمجھ کر تصویرسازی کرتا تھا تو دائمی عذاب ورنہ بہت دراز مدت تک عذاب۔

[4] ربا کے معنی ہیں بلندی اور زیادتی اس لیے بلند زمین کو ربوہ کہتے ہیں اور سود کو ربو کہا جاتا ہے۔اب اصطلاح میں گھوڑے کی سانس پھول جانے کو ربوہ کہنے لگےجو زیادہ دوڑنے سے پھول جاتی ہے کہ اس میں سانس کی زیادتی ہوجاتی ہے جسے فارسی میں تلواسہ کہتے ہیں،اردو میں سانس چڑھ جانالہٰذا اس کا ترجمہ ہانپنا نہایت موزوں ہے وہ خوفِ خدا سے ہانپنے لگاجو اسے یہ حدیث سن کر پیدا ہوا۔

۵؎ یعنی خوفِ خدا سے اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا غصہ میں چہرہ سرخ ہوجاتا ہے اور خوف میں پیلا وہ متفکر ہوگیا کہ اب میں گزارہ کیسے کروں مجھے صرف یہ ہی ہنر آتا ہے اور یہ حرام ہے یہ فکر بھی علامت ایمان ہے۔

٦؎ یعنی درخت،پہاڑ،مکانات اور دوسری سبزیاں اور تمام بے جان چیزوں کی تصویریں بنایا کر اس سے تیرا گزارہ بھی ہوگااور تو گناہ سے بھی بچا رہے گا۔خیال رہے کہ یہاں باز نہ آنے سے مراد سرکشی کرنا نہیں بلکہ مجبوری مراد ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ کی بعض بیویوں نے ایک کنیسہ کا ذکر کیا ۱؎ جسے ماریہ کہا جاتا تھا اور ام سلمہ ام حبیبہ زمین حبشہ میں پہنچی تھیں ۲؎ تو ان دونوں نے اس کی خوبصورتی اور وہاں کی تصویروں کا ذکر کیا ۳؎ تو حضور نے اپنا سر اٹھایا پھر فرمایا کہ یہ لوگ ان میں جب کوئی نیک آدمی مرجاتا ہے اس کی قبر پر مسجد بنالیتے ہیں ۴؎ پھر اس میں یہ تصویریں بناتے ہیں یہ لوگ اللہ کی مخلوق میں بدترین ہیں ۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ غالبًا کنیسہ عیسائیوں کے عبادت خانہ کو کہتے ہیں اور بیعہ یہود کے عبادت خانہ کو،بعض نے اس کے برعکس کہا ہے یہ عجمی ہے،یونانی زبان میں کنیشت تھا اس سے کنیسہ بنایا گیا،یہ ذکر فرمانے والی بیوی حضرت ام سلمہ تھیں یا ام حبیبہ۔

۲؎ یہ دونوں بیبیاں اولًا حبشہ کو ہجرت کرکے گئی تھیں وہاں کئی سال رہ کر پھر مدینہ منورہ آئیں اس لیے وہاں انہوں نے عیسائیوں کا یہ گرجا دیکھا تھا۔لفظ ماریہ دراصل ماروی تھا یعنی بے مثال گرجا۔

۳؎ پہلے راہب عیسائیوں نے گرجوں میں اپنے نیک لوگوں کے فوٹو رکھے تھے تاکہ لوگ ان کی عبادات دیکھ کر خود عبادت میں مشغول ہوں بعد میں ان تصویروں کی پرستش شروع ہوگئی۔(مرقات)ان کے دین میں تصویر سازی حرام نہ تھی اس لیے اسلام نے تصویر سازی حرام فرمادی کہ یہ بت پرستی کی جڑ ہے۔ہم نے بعض جاہل مسلمانوں کو دیکھا کہ وہ اپنے پیروں کے فوٹوؤں کو سلام کرتے ہیں،بعض کو سجدہ کرتے بھی دیکھا گیا ہے۔

۴؎ سارے اہل کتاب یہودی ہوں یا عیسائی ان سب کا یہ ہی طریقہ ہے کہ اپنے صالح لوگوں کی قبروں پر یا تو اس طرح عبادت خانہ بناتے ہیں کہ انکی قبر میں فرش کنیسہ میں آجاتی ہیں،ان پر کھڑے ہو کر عبادت کرتے ہیں یعنی ان کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیتے ہیں کہ ان کی طرف سجدے کرتے ہیں یہ دونوں کام حرام ہیں،یہاں مسجد سے مراد سجدہ گاہ ہے ورنہ اہل کتاب مسجدیں نہیں بناتے،ہمارے اسلام میں بزرگوں کی قبروں کے پاس بناتے ہیں یہ بہت ہی اچھا ہے جیسے مسجد نبوی

اور عام وہ مساجد جو اولیاء اللہ کے مزارات کے قریب بنی ہوئی ہیں ان مسجدوں سے زائرین کو نماز کا آرام بھی رہتا ہے اور وہاں نماز کی قبولیت کی بھی قوی امید ہے۔
۵؎ کہ یہ گمراہ بھی ہیں اور گمراہ گر بھی۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن لوگوں میں سخت تر عذاب والا وہ ہوگا جو نبی کو قتل کرے ۱؎ یا اسے نبی قتل کریں ۲؎ اپنے ماں باپ میں سے کسی کو قتل کرے ۳؎ اور تصویر ساز لوگ اور وہ عالم جس کے علم سے نفع حاصل نہ کیا جاوے ۴؎

۱؎ جیسے یہود کہ انہوں نے حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام بلکہ اور بہت پیغمبر کو قتل کیا یہ بدترین مخلوق ہیں۔
۲؎ قتل فی سبیل اللہ یعنی جہاد میں وہ نبی کے مقابل آئے اور نبی کے ہاتھوں مارا جائے ورنہ جسے نبی قصاص یا حد میں قتل کریں وہ اس حکم سے خارج ہے۔(مرقات)بعض صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص یا حد میں قتل کرایا ہے ان کا تو بیڑا پار لگ گیا کہ حضور کے ہاتھوں پاک ہوکر گر گئے۔
۳؎ ماں یا باپ یا دونوں کوظلمًا قتل کرے،اگر بیٹا حاکم ہے وہ اپنے باپ کو قصاص یا حد شرعی میں قتل کرے تو وہ اس حکم سے خارج ہے۔
۴؎ اس طرح کہ نہ توعالم اپنے علم پر عمل کرے نہ کسی سے عمل کرائے اپنا علم سینہ میں چھپاکرلے جائے،علم دین اللہ رسول کی امانت ہے لوگوں تک پہنچاؤ۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ شطرنج عجمیوں کاجوا ہے ۱؎

۱؎ اگر شطرنج پر مالی ہار جیت ہوتو بالاتفاق حرام ہے ورنہ امام ابوحنیفہ قدس سرہٗ کے نزدیک ممنوع،بعض علماء کے نزدیک جائز بشرطیکہ اس کی مشغولیت نماز سے غافل نہ کرے اور دوران کھیل کود گالی گلوچ نہ کرے۔

	روایت ہے حضرت ابن شہاب سے کہ ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا شطرنج نہ کھیلے گا مگر خطا کار ۱؎

۱؎ یہ احادیث امام اعظم کی دلیلیں ہیں کہ شطرنج مطلقًا ممنوع ہے خواہ اسپر مال کی ہار جیت ہو یا نہ ہو کیونکہ صرف تین کھیلوں کی اسلام میں اجازت ہے شطرنج ان تین کے سواء ہے۔حضرات صحابہ کرام نے کبھی شطرنج نہ کھیلی نہ کسی حدیث میں اس کی اجازت دی گئی بہرحال مذہب احناف بہت قوی ہے۔

	روایت ہے انہیں سے کہ ان سے شطرنج کھیلنے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ وہ باطل سے ہے اور اللہ باطل کو پسند نہیں فرماتا ۱؎ ان چاروں حدیثوں کو بیہقی

	نے شعب الایمان میں بیان فرمایا۔

۱؎یعنی اللہ تعالٰی شطرنج کو ناپسند کرتا ہے ایسے موقعہ پر پسند نہ فرمانے کا مطلب ہوتا ہے ناپسند کرنا۔کسی نے امام مالک سے پوچھا کہ شطرنجی آدمی کی گواہی قبول ہے یا نہیں تو فرمایا کہ جو ہمیشہ کھیلے اس کی گواہی قبول نہیں،آپ نے فرمایا کہ شطرنج حق نہیں اور"فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ"اس کی ممانعت کے متعلق اور بہت احادیث ہیں اگر یہ احادیث ضعیف بھی ہوں تب بھی تعدد اسناد کی وجہ سے حسن ہیں کہ تعداد اسناد ضعیف حدیث کو حسن کردیتی ہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری قوم کے گھر تشریف لے جاتے تھےان کے گھروں سے دور تھا یہ ان گھر والوں کو گراں گزرا تو بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم آپ فلاں کے گھر تشریف لے جاتے ہیں اور ہمارے گھر تشریف نہیں لاتے ۱؎تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس لیے کہ تمہارے گھر میں کتا ہے۲؎وہ بولے ان کے گھر میں بلی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلی تو درندوں میں سے ہے ۳؎(دارقطنی)

۱؎یعنی حضور انور ہمارے گھر راستہ میں چھوڑکر دوسرے دور والے گھروں میں تشریف لے جاتے ہیں کیا حضور ہم سے ناراض ہیں آپ کی ناراضی تو حق تعالٰی کی ناراضی ہے پھر ہم کس کے ہوکر رہیں جسم سے جان آنکھ سے نور ناراض ہوجائے تو نہ جسم کام کا نہ آنکھ کام کی۔

۲؎یعنی تمہارے گھر بلاضرورت کتا پالا ہواہے وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے لہذا ہم بھی وہاں نہیں آتے یہ انتہائی ناراضی کا اظہار ہے۔معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت شریف فرشتوں کی سی طبیعت ہے۔

۳؎یہ جواب عالی یا تو بطور استفہام انکاری ہے یعنی کیا بلی کتے کی طرح درندہ ہے یعنی یہ درندہ نہیں بلکہ گھر میں چوہوں وغیرہ سے حفاظت کا ذریعہ ہے لہذا اس کا حکم کتے کا سا نہیں۔

کتاب الطب و الرقی

دواؤں اور دعاؤں کا بیان[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] طب ط کے فتح سے بھی ہے کسرہ سے بھی پیش سے بھی مگر فتح مشہور ہے اس کے معنی علاج ودوا۔طب ط کے فتح سے اس کے معنی جادو بھی ہیں اس لیے مسحور کو مطبوب کہتے ہیں۔ علاج کے تین ارکان ہیں:دفع مرض،حصول صحت،دفع اسباب مرض۔طب جسمانی قرائن اور طب روحانی قرآن سے ہے اس لیے طب کے اوراق جمع فرمائے گئے۔رقی جمع ہے رقیۃ کی بمعنی جھاڑ پھونک۔ناجائز یا شرکیہ الفاظ سے دم کرنا حرام یا کفر ہے،جائز دعائیں پڑھ کر دم کرنا سنت ہے،جس دم جھاڑ پھونک کے معانی معلوم نہ ہوں انہیں نہ پڑھے۔اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں اور علوم بخشے ہیں وہاں علم طب بھی عطا فرمایا بذریعہ وحی کے بھی اور بذریعہ تجربہ وغیرہ کے بھی۔حضرت سلیمان علیہ السلام ہر درخت و گھاس سے پوچھا کرتے تھے کہ تجھ میں کیا تاثیر ہے اگر وہ اچھی تاثیر بتاتی تو اس کی کاشت بھی کراتے تھے اور اس کا نام و فوائد لکھ بھی لیتے تھے۔ معلوم ہوا کہ طب کی تدوین آپ نے بھی کی۔واللہ اعلم!(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے کوئی بیماری نہ بنائی مگر اس کے لیے شفا بھی اتاری[1](بخاری)	

[1] موت اور بڑھاپا ان کے سواء تمام امراض کی دوائیں ہیں۔جب اللہ کسی کو شفاء دینا چاہتا ہے تو طبیب کا دماغ اس کی دوا تک پہنچ جاتا ہے ورنہ طبیب کا دماغ الٹا چلتا ہے علاج غلط کرتا ہے۔مصرع!چوں قضا آید طبیب آبلہ شود۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر بیماری کی دوا ہے[1] جب دوا بیماری تک پہنچادی جاتی ہے تو اللہ کے حکم سے اچھا ہوجاتا ہے[2](مسلم)	

[1] یعنی دوا بیماری دور کرنے میں مؤثر تو ہے مگر مستقل مؤثر نہیں بلکہ ارادۂ الٰہی کے تابع ہے وہ چاہے تو دواء کو مؤثر بنادے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ جب اللہ تعالٰی کسی بیمار کی شفا نہیں چاہتا تو دواء اور مرض کے درمیان ایک فرشتے کے ذریعے آڑ کر دیتا ہے جس کی وجہ سے دواء مرض پر واقع نہیں ہوتی،جب شفاء کا ارادہ ہوتا ہے تو وہ پردہ ہٹا دیا

جاتا ہے جس سے دواء مرض پر واقع ہوتی ہے اور شفاء ہوجاتی ہے۔(مرقات)ہم نے بہت بیماروں کو دیکھا کہ دواء ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتی بعد موت ان کے منہ سے دوا نکلتی ہے یہ ہے وہ آڑ۔

۲؎ احمد نے بروایت حضرت علی مرفوعًا روایت کیا کہ ہر مرض کی دواء ہےاور گناہ کی دواء توبہ ہے۔خیال ہے کہ دفع مرض کے لیے دواءکرنا مستحب ہے مگر دفع بھوک کے لیے کھانا اور دفع پیاس کے لیے پانی پینا فرض ہے لہذا اگر کوئی بیمار بغیردواء کیے مرجائے تو گنہگار نہیں لیکن اگر کوئی بھوکا پیاسا بغیر کھائے پیئے مرجائے،مرن برت یا بھوک ہڑتال کرکے مرے تو حرام موت مرے گا کیونکہ دواء سے شفا میں یقین نہیں مگر کھانے سے دفع بھوک میں اور پانی سے دفع پیاس میں یقین یا گمان اغلب ہے دواءکرنا توکل کے خلاف نہیں بلکہ توکل کی قسم ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شفاء تین چیزوں میں ہے سنگی والے کے نشتر میں ۱؎ یا شہد کے گھونٹ میں ۲؎ یا آگ سے داغ میں ۳؎ اور میں اپنی امت کو داغ سے منع کرتا ہوں۔(بخاری)	

۱؎ جب کسی مریض کے بھری سنگی لگاتے ہیں تو پہلے مرض کی جگہ نشتر مارتے ہیں پھر سنگی رکھ کر چوستے ہیں پھر وہاں سنگی جم جاتی ہے جب اکھیڑتے ہیں تو فاسد خون نکل جاتا ہے۔شرطہ وہ نشتر ہے اور محجم وہ سنگی یا محجم نشتر اور شرطہ نشتر لگانا۔

۲؎ خواہ خالی شہد کا گھونٹ یا کسی چیز میں مخلوط ہوکر،رب شہد کے متعلق فرماتاہے:"فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ"۔

۳؎ یعنی کیّ کرنا،لوہا گرم کرکے داغ دینا ان علاجوں کی وجہ اور پچھنے کے مقدم فرمانے کی حکمتیں یہاں مرقات میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ احزاب کے دن ابی کو ان کی رگ حیات پر تیرا مارا گیا ۱؎ تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے داغ دیا ۲؎(مسلم)	

۱؎ احادیث شریفہ میں داغ سے ممانعت بھی آئی ہے اور داغ لگانا بھی وارد ہے اس لیے محدثین نے ان کی مطابقت کی بہت وجہیں بیان فرمائیں: ایک یہ کہ داغ بیان جواز کے لیے ہے اور ممانعت بیان کراہت کے لیے یعنی داغ سے علاج کرنا جائز ہے مگر بہتر نہیں۔دوسرے یہ کہ جب دوسرے علاج ہوسکتے ہوں تو داغ نہ لگاؤ اگر اس کے سواء اور کوئی علاج نہ ہو تو لگاؤ۔تیسرے یہ کہ اہلِ عرب داغ کو آخری یقینی علاج سمجھتے تھےان کی نظر رب تعالٰی سے ہٹ کر داغ پر اڑ گئی،**توکل علی اللہ** جاتا رہا تھاتعلیم توکل کے لیے ممانعت فرمائی گئی،اگر اللہ پرتوکل ہو داغ کو محض دواء سمجھے تو جائز ہے۔چوتھے یہ کہ جہاں داغ لگانا خطرناک ہو وہاں ممنوع ہے غیر خطرہ کی صورت میں جائز۔کیّ کے معنی ہیں داغ،عرب میں لوہا گرم کرکے زخم پر لگادیتے ہیں اسے کیّ کہا جاتا ہے۔

۲؎ حضرت ابی ابن کعب خزرجی انصاری ہیں،بڑے قاری تھے،آپ ان چھ صحابہ سے ہیں جنہوں نے قرآن کریم حفظ کیا تھا،حضور نے آپ کی کنیت ابوالمنذر رکھی، ۱۹ھ میں مدینہ منورہ میں وصال ہوا۔احزاب غزوہ خندق کا نام ہے۔اکحل رگ حیوۃ کو کہتے ہیں یہ کلائی کے درمیان ہوتی ہے جیسے ران کی رگ کونساء، پیٹھ کی رگ کو ابہر کہا جاتا ہے،اگر اکحل کٹ جاوے تو خون بند نہیں ہوتا اور موت ہوجاتی ہے اگر اس کو داغ دیا جاوے تو خون بند ہوجاتا ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ سعد ابن معاذ کی رگ حیات میں تیر مارا گیا ۱؎ تو اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے تیر سے داغ دیا پھر وہ سوج گیا تو اسے دوبارہ داغ دیا ۲؎ (مسلم)

۱؎ تاکہ خون بند ہوجاوے،ابھی پچھلی حدیث میں اس عمل شریف اور ممانعت کی احادیث میں مطابقت عرض کی گئی۔
۲؎ یہ واقعہ بھی اس غزوہ احزاب میں ہوا کہ حضرت سعد ابن معاذ کی رگ حیوۃ میں تیر لگا۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی ابن کعب کے پاس ایک طبیب بھیجا اس نے آپ کی رگ کاٹ دی پھر اس پر داغ لگادیا ۱؎ (مسلم) ۲؎

۱؎ یعنی ایک بار تیر گرم کرکے زخم پر داغ لگایا مگر پھر ورم آگیا تو دوبارہ تیر سے داغ لگادیا گیا اس سے بھی داغ کا جواز ثابت ہوا۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب کو ہر فن کا ماہر بنایا ہے کہ یعنی داغ لگانا ہر شخص کا کام نہیں اس کے لیے بڑے کمال کی ضرورت ہے۔
۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ آپریشن بڑا پرانا علاج ہے زمانہ نبوی میں اس کی اصل موجود تھی چیر پھاڑ رگ کی کاٹ چھانٹ یہ ہی آپریشن کی حقیقت ہے،چونکہ رگ کٹ جانے سے تمام خون نکل جانے کا اندیشہ تھا اس لیے زخم کو آگ سے جھلسا دیا گیا تاکہ خون بند ہوجاوے،اب خون بند کرنے کے لیے ٹیکہ لگایا جاتا ہے ٹیکہ یہاں سے ماخوذ ہوسکتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کلونجی میں موت کے سوا ہر بیماری سے شفا ہے ۱؎ ابن شہاب نے فرمایا کہ سام موت ہے اور کالا دانہ کلونجی ہے ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ ہر مرض سے مراد ہر بلغمی اور رطوبت کے امراض ہیں کیونکہ کلونجی گرم اور خشک ہوتی ہے لہذا مرطوب اور سردی کی بیماریوں میں مفید ہوگی۔(اشعہ)

۲؎حبة سوداء تین دواؤں کا نام ہے: سیاہ زیرہ،رائی،کلونجی۔اس شرح سے معلوم ہوا کہ یہاں کلونجی مراد ہے،یہ فرمان عالی ایسا ہے جیسے قرآن کریم کا فرمان"اُوۡتِیَتۡ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ"یا جیسے"تُدَمِّرُ کُلَّ شَیۡءٍ"کہ کل شیئ سے مراد عام چیزیں ہیں،یوں ہی یہاں مراد عرب کی عام بیماریاں ہیں۔(مرقات)یعنی کلونجی عرب کی عام بیماریوں میں مفید ہے۔خیال رہے کہ احادیث شریفہ کی دوائیں کسی حاذق طبیب کی رائے سے استعمال کرنی چاہیں صرف اپنی رائے سے استعمال نہ کریں کہ ہمارے مزاج اہلِ عرب کے مزاج سے جداگانہ ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا کہ میرے بھائی کا پیٹ چل رہا ہے۱؎تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے شہد پلادو ۲؎اس نے پلایا پھر آیا بولا کہ میں نے اسے پلایا اس کے دست بڑھ ہی گئے حضور نے اسے تین بار یہ ہی فرمایا ۳؎ وہ پھر آیا چوتھی بار تو فرمایا اسے شہد پلاؤ وہ بولا کہ میں نے اسے پلایا مگر اس نے پیٹ چلنا ہی بڑھایا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے ۴؎اس نے پھر شہد پلایا تو آرام ہوگیا ۵؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی دست آرہے ہیں اردو میں بھی دست آنے کو پیٹ چلنا کہا جاتا ہےوہ ہی محاورہ یہاں استعمال ہوا۔

۲؎ظاہر یہ ہے کہ یہاں خالص شہد مراد ہے۔حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ دو شفاؤں کو مضبوطی سے پکڑو شہد اور قرآن۔حضرت علی فرماتے ہیں کہ لا علاج بیمار اپنی بیوی سے اس کے مہر کا پیسہ لےکر اس سے دوا خریدے اس میں بارش کا پانی ملا کر استعمال کرے ان شاء اللہ شفا ہوگی کہ بارش کا پانی مبارک ہے"مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَکًا"اور بیوی کے مہر کے پیسہ برکت والا"فَکُلُوۡہُ ہَنِیۡٓـًٔا مَّرِیۡٓـًٔا"۔(مرقات)

۳؎حضور انور جانتے تھے کہ اس کے پیٹ میں لیس دار بلغمی فضلات جمع ہوگئے ہیں جنہیں شہد خارج کررہا ہے اس کے خارج ہوجانے کے بعد دست بند ہوجائیں گے۔معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے روزانہ ایک بار بقدر ضرورت شہد پلانے کا حکم دیا اس لیے وقت اور مقدار کا ذکر نہ فرمایا۔(مرقات)جیسا مریض ویسی مقدار دوا۔

۴؎یعنی رب تعالٰی نے شہد کے متعلق فرمایا:"فِیۡہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ"رب تعالٰی سچا اس کا یہ فرمان سچا تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے اس شہد سے شفا حاصل نہ کرنے میں خطا کار ہے دوا مفید ہے قصور پیٹ میں ہے کہ اس سے شفاء

حاصل نہیں کرتا یا یہ مطلب ہے کہ مجھے رب نے وحی فرمائی ہے کہ تیرے بھائی کے پیٹ کو شہد سے شفا ہوگی ابھی اس کا ظہور نہ ہونا اس میں پیٹ کا قصور ہے رب تعالٰی کی یہ خبر سچی ہے۔واللہ اعلم!

۵؎طب میں شہد کو دست آور مانا گیا ہے مگر یہاں اس سے دست بند ہوئے یا تو حضور کی برکت سے لہذا ہم لوگ دستوں میں شہد استعمال نہ کریں یا اس لیے کہ اس شخص کے دست بدہضمی اور فاسد مادہ کے معدے میں جمع ہوجانے کی وجہ سے تھے اس فاسد مادہ کا نکال دینا ہی ضروری تھا اس لیے پہلی تین بار میں شہد سے دست زیادہ ہوئے جب مادہ سارا نکل گیا دست ٹھہر گئے۔پیٹ جھوٹے ہونے کے یہ ہی معنی ہیں کہ اس میں خراب مادہ بہت جمع ہوگیا ہے،بہرحال حضور کی تجویزکردہ دوا بہت حکمتوں پر مبنی ہے۔(اشعہ و مرقات)دوسرے طبیب اپنے فن کو حضور پر قیاس نہ کریں ان کی طب ظنی ہے حضور کی تجویزیں یقینی ہیں وحی الٰہی سے تائید شدہ۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین وہ چیز جس سے تم علاج کرو پچھنے اور قسط بحری ہے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎قسط دو قسم کا ہے: قسط بحری جسے قسط اظفار بھی کہتے ہیں،اظفار ایک شہر کا نام ہے اس کی طرف نسبت ہے یہ سفید رنگ اور کم گرم ہوتا ہے۔دوسرا قسط ہندی یہ قسط بحری سے بہترین چیز ہے بہترین خوشبودار ہے جس کی دھونی لی جاتی ہے اس کے نفع بہت ہیں: حیض کا خون جاری کرتی ہے،بند پیشاب جاری کرتی ہے،زہر کو دفع،قوت شہوانی کو زیادہ،معدہ کے کیڑے مارتی ہے،بعض بخاروں کو دور کرتی ہے،اس کی دھونی زکام دور کرتی ہے،ریح کی دافع ہے اس لیے اطباء اسے بہترین دوا کہتے ہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اپنے بچوں کو دبانے سے تکلیف نہ دو گلے آجانے میں ۱؎تم قسط اختیار کرو ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎کبھی بچوں کے حلق میں گلٹیاں نکل آتی ہیں اس کے علاج کے لیے عورتیں اپنی انگلی میں دوا لگا کر حلق میں انگلی ڈال کر دباتی ہیں جس سے بچوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے،خون جاری ہوجاتا ہے،میں بھی بچپن میں یہ مصیبت بھگت چکا ہوں حضور نے اس سے منع فرمایا۔

۲؎یعنی قسط بحری کو پانی میں حل کرکے مریض کے ناک میں ٹپکا دو کہ دماغ و حلق میں پہنچ جاوے۔اس علاج سے اطباء حیران ہیں کیونکہ گلے کی گلٹیاں جسے گلے آنا کہا جاتا ہے گرمی سے ہوتی ہیں اور قسط بحری بھی گرم ہے تو گرم کو گرم کیسے دفع کرسکتا ہے مگر اکثر گلے کی گلٹیاں اس خون سے پیدا ہوتی ہیں جس پر بلغم غالب ہو اور قسط بحری بلغم چھانٹنے میں اکسیر ہے لہذا اس سے علاج مفید ہے۔

روایت ہے حضرت ام قیس سے ۱؎فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اپنی اولاد کو اس گلہ آنے سے کیوں دباتی ہو ۲؎تم اس عود ہندی کو اختیار کرو ۳؎کہ	

	اس میں سات شفائیں ہیں ان میں سے ذات الجنب بھی ہے گلے آنے سے نسوارلی جاوے اور ذات الجنب سے لیپ کیا جاوے ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎آپ ام قیس بنت محصن اسدیہ ہیں،حضرت عکاشہ کی بہن قدیم الاسلام ہیں،ہجرت سے پہلے ایمان لائیں،آپ کو مہاجر ام قیس کہاجاتا ہے۔

۲؎ان لفظوں کے معنی ابھی پچھلی حدیث میں عرض کیے گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو گلے آنے پر حلق دبانے سے منع فرمارہے ہیں۔علاق بمعنی علوق ہے یعنی حلقوم کی آفت ناگہانی گلے کی گلٹیاں۔

۳؎عود ہندی نام ہے قسط بحری کا جس کا ذکر ابھی ہوا،بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ قسط ہندی کا نام ہے دونوں قسط گلے آنے میں مفید ہیں۔

۴؎یعنی گلہ آنے میں قسط بحری کو پانی میں حل کرکے ناک میں نسوار کراؤ اور پسلیوں کے درد میں اس کا پسلیوں پر لیپ کرو،ذات الجنب بڑا تکلیف دہ بلکہ مہلک مرض ہے اس میں بھی یہ دوا مفید ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ اور رافع ابن خدیج سے ۱؎وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ بخار دوزخ کی بھڑک ہے ۲؎تو اسے پانی سے ٹھنڈا کرو۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ حضرت رافع ابن خدیج مشہور صحابی ہیں،جنگ احد میں آپ تیر سے زخمی ہوئے تو آپ سے حضور انور نے فرمایا کہ میں قیامت میں تمہاری گواہی دوں گااس وقت زخم بھر گیا،پھر عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں دوبارہ ہرا ہوگیااور اسی سے ۷۳ھ تہتر میں وفات ہوئی،چھیاسی سال عمر پائی۔

۲؎کہ جیسے دوزخ کی آگ فقط ظاہری جسم پر ہی نہ ہوگی بلکہ اندرون بدن میں بھی"تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ"۔یوں ہی بخار کی تپش دل و جگر پر بھی ہوتی ہے لہذا ا س آگ کے مشابہ ہے۔

۳؎یعنی صفراوی بخار والے کو ٹھنڈا پانی پلاؤ،اس سے غسل دو یا کپڑا تر کرکے سراور بعض اعضاء پر رکھو یہ علاج ہر بخار کے لیے نہیں بلکہ خاص بخاروں کے لیے ہے جو عموماً اہل عرب کو ہوتا ہے،ہمارے ہاں بھی بعض بخاروں میں اطباء مریض کے سر پر تو کپڑا بلکہ برف رکھواتے ہیں لہذا یہ عمل طبیب کے مشورہ سے کیا جاوے، ہمارے ہاں کے اکثر بخاروں میں پانی مضر ہوتا ہے۔احادیث پاک میں بخار والے کو سات مشکیزوں سے نہلانے کا مشورہ بھی دیا گیا ہے مگر وہ ہی بخار گرمی والے۔حدیث شریف میں ہے کہ مؤمن کا ایک شب کا بخار ایک سال کے گناہ معاف کرادیتا ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دم کرنے کی اجازت دی نظر بد ڈنک اور اندھوریوں میں ۱؎(مسلم)

۱؎ اولًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جھاڑ پھونک سے منع فرمادیا تھا لوگ اس سے مطلقًا پرہیز کرنے لگے،پھر حضور انور نے آیات قرآنیہ دعاء ماثورہ اور تمام ان دعاؤں سے دم کی اجازت دیدی جن میں شرکیہ الفاظ نہ ہوں،یہ حدیث اجازت کی احادیث سے ہے۔عین نظر بدخواہ انسان کی ہو یا جن کی،حمہ ڈنک زہریلا جیسے بھڑ،بچھو،سانپ،نملہ،باریک دانہ جو پسلیوں پر نمودار ہوکر تمام جسم پر پھیل جاتے ہیں۔بعض نے اس سے خسرہ مراد لی ہے،بعض نے اندھوییں،بعض نے اس کے علاوہ اور یہ دانہ چونکہ چھوٹی چیونٹی کے مشابہ ہوتا ہے اس لیے اسے نملہ کہتے ہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر بد سے دم کرنے کا حکم دیا ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی اجازت ہے لہذا یہ حدیث یا تو دم کی ممانعت کی احادیث کی شرح ہے یا ان کی ناسخ یعنی وہ دم ممنوع ہے جس میں مشرکانہ الفاظ ہوں،قرآنی آیات اور احادیث کی دعاؤں سے دم جائز ہے ان کی تاثیر برحق ہے۔معلوم ہوا کہ عورتیں بھی دم کرسکتی ہیں مگر مردوں پر دم کرنا ہو تو پردہ کا خیال ضروری ہے بچوں،عورتوں پر دم میں آزادی ہے۔العین سے مراد یا آنکھ دکھنا ہے یا نظر لگنا،مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں نسترقی نون سے ہے جمع متکلم۔علماء فرماتے ہیں کہ بدنظری سے بچنے کے لیے یہ آیت کریمہ اکسیر ہے "وَاِنۡ یَّكَادُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لَیُزۡلِقُوۡنَكَ بِاَبۡصٰرِهِمۡ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكۡرَ"۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں ایک لڑکی دیکھی جس کے چہرے پر زرد چھائیں تھیں یعنی زردی ۱؎ تو فرمایا کہ اس کے لیے دم کردو کہ اسے نظر ہے ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ سفعه کے بہت معنی ہیں:نشانی،طمانچہ،نظر بد،جلنا آگ لہو،چہرے کی سیاہی مائل بہ سرخی اس لیے یہاں یہ شرح فرمائی۔

۲؎ جن کی نظر ہے یا انسان کی،علماء فرماتے ہیں کہ جنات کی نظر انسانی نظر سے سخت تر ہوتی ہے۔(اشعہ)مرقات نے فرمایا کہ جنات کی نگاہ نیزے سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔جائز دعاؤں سے دم بھی جائز ہے اس دم پر اجرت لینا بھی درست ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دم پھونک سے منع فرمایا تو عمرو ابن حزم کے گھر والے آئے ۱؎ بولے یارسول اللہ ہمارے پاس دم ہے جسے ہم بچھو سے دم کرتے ہیں اور آپ نے جھاڑ پھونک سے منع فرمادیا ۲؎ چنانچہ انہوں نے وہ حضور پر	

	پیش کیا تو فرمایا کہ اس میں کوئی حرج ہم نہیں دیکھتے تم میں سے جو اپنے بھائی کو نفع پہنچاسکے وہ اسے نفع پہنچائے ۳؎(مسلم)

۱؎عمرو ابن حزم کی کنیت ابو الضحاک ہے انصاری ہیں غزوہ خندق اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے غزوہ خندق میں پندرہ سالہ تھے حضور انور نے انہیں بحران کا حاکم بنایا تھا،۱۰ھ دس میں،آپ کی وفات ۵۳ھ ترپن میں مدینہ منورہ میں ہوئی،ان کے اہلِ خانہ یعنی بھائی برادر بچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔
۲؎یعنی ہم سب لوگ بچھو وغیرہ کے کاٹے پر دم کردیتے ہیں تو اس سے فائدہ ہوتا ہے اگر اسے بند کردیں تو ایک فیض بند ہوجاوے گا حضور نے دعا سنانے کا حکم دیا۔
۳؎غالبًا وہ عربی زبان کے الفاظ تھے اگرچہ قرآنی آیت یا دعاء ماثورہ نہ تھی مگر اس کے الفاظ شرکیہ بھی نہ تھے۔ہم نے بعض ورد اردو زبان کے دیکھے بہت زود اثر،آدھا سیسی کے لیے یہ دعا بڑی مفید ہے۔کالی چڑی کلچڑی کالا پھل کھائے اٹھو محمد آکھ دو کہ آدھا سیسی جائے،اس دعا میں کوئی لفظ شرک و کفریا ناجائز نہیں۔بچہ پیدا ہونے میں اگر دشواری ہو تو یہ کوری ٹھیکری پر لکھ کر زچہ کے سر پر رکھی جاوے سر پر چینی کمر میں گھڑا نکل پڑی یا نکل پڑا۔

	روایت ہے حضرت عوف ابن مالک اشجعی سے ۱؎فرماتے ہیں کہ ہم دور جاہلیت میں دم کرتے تھے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اس بارے میں آپ کی کیا رائے عالی ہے تو فرمایا ہم پر پیش کرو جھاڑ پھونک میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ اس میں شرک نہ ہو ۲؎(مسلم)

۱؎آپ اولًا غزوہ خیبر میں شریک ہوئے،قبیلہ اشجع کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا فتح مکہ کے دن،آخر میں شام میں رہے، ۷۳ھ تہتر میں وفات پائی۔
۲؎اس حدیث کی بناء پر حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ عمل کی تاثیر کے لیے شیخ کو عمل سنالینا اس سے اجازت لے لینا مفید ہے اگرچہ اس کے معنی جانتا ہو۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ نظر حق ہے ۱؎اگر کوئی چیز تقدیر سے بڑھ سکتی ہے تو اس پر نظر بڑھ جاتی ہے ۲؎اور جب تم دھلوائے جاؤ تو دھودو ۳؎(مسلم)

۱؎یعنی نظر بد کا اثر برحق ہے اس سے منظور کو نقصان پہنچ جاتاہے۔
۲؎یعنی اس کا اثر اس قدر سخت ہے کہ اگر کوئی چیز تقدیر کا مقابلہ کرسکتی تو نظر بد کرلیتی کہ تقدیر میں آرام لکھا ہو مگر یہ تکلیف پہنچادیتی مگر چونکہ کوئی چیز تقدیر کا مقابلہ نہیں کرسکتی اس لیے یہ نظر بد بھی تقدیر نہیں پلٹ سکتی۔

۳؎یعنی اگر کسی نظرے ہوئے کو تم پر شبہ ہو کہ تمہاری نظر اسے لگی ہے اور وہ دفع نظر کے لیے تمہارے ہاتھ پاؤں دھلواکر اپنے پر چھینٹا مارنا چاہے تو تم برا نہ مانو بلکہ فورًا اپنے یہ اعضاء دھوکر اسے دے دو نظر لگ جانا عیب نہیں نظر تو ماں کی بھی لگ جاتی ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عوام میں مشہور ٹوٹکے اگر خلاف شرع نہ ہوں تو ان کا بند کرنا ضروری نہیں دیکھو،نظر والے کے ہاتھ پاؤں دھوکر منظور کو چھینٹا مارنا عرب میں مروج تھاحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باقی رکھا،ہمارے ہاں تھوڑی سی آٹے کی بھوسی تین سرخ مرچیں منظور پر سات بار گھما کر سرسے پاؤں تک پھر آگ میں ڈال دیتے ہیں اگر نظر ہوتی ہے تو بھس نہیں اٹھتی اور رب تعالٰی شفاء دیتا ہے جیسے دواؤں میں نقل کی ضرورت نہیں تجربہ کافی ہے ایسے ہی دعاؤں اور ایسے ٹوٹکوں میں نقل ضروری نہیں خلاف شرع نہ ہوں تو درست ہیں اگرچہ ماثورہ دعائیں افضل ہیں۔ حضرت عثمان غنی نے ایک خوبصورت تندرست بچہ دیکھا تو فرمایا اس کی ٹھوڑی میں سیاہی لگا دو تاکہ نظر نہ لگے،حضرت ہشام ابن عروہ جب کوئی پسندیدہ چیز دیکھتے تو فرماتے ماشاءاللہ لاقوۃ الا باللہ۔علماء فرماتے ہیں کہ بعض نظروں میں زہریلا پن ہوتا ہے جو اثر کرتاہے۔(مرقات)اس نظر کی پوری بحث تفسیر کبیر سورۂ یوسف میں"یٰبَنِیَّ لَاتَدۡخُلُوۡا مِنۡۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادۡخُلُوۡا"کی تفسیر میں دیکھو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت اسامہ ابن شریک سے فرماتے ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم دوادارو کریں فرمایاہاں اے اللہ کے بندو دوا کرو کیونکہ اللہ نے کوئی بیماری نہیں پیدافرمائی مگر اس کے لئے شفاء رکھی سواء ایک بیماری بڑھاپے کے ۱؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎یعنی دواعلاج توکل کے خلاف نہیں جیسے بھوک کا علاج غذا ہے،پیاس کا علاج پانی ہے اگر دوائیں بیماریوں کا علاج ہوں تو کیا بعید ہے اسی لیے عباد اللہ فرماکر دوا کرنے کا حکم دیا تاکہ معلوم ہو کہ دوا عبودیت کے خلاف نہیں۔بڑھاپے کو بیماری اس لیے فرمایا گیا کہ بڑھاپے کے بعد موت ہے جیسے بیماری کے بعد موت ہوتی ہے،نیز بڑھاپے میں بہت بیماریاں دبالیتی ہیں۔

لطیفہ: ایک بوڑھے آدمی نے کسی طبیب سے کہا کہ میری نگاہ موٹی ہوگئی ہے طبیب نے کہا بڑھاپے کی وجہ سے،وہ بولا اونچا سننے لگا ہوں جواب ملا بڑھاپے کی وجہ سے،بولا کمر ٹیڑھی ہوگئی ہے کہا بڑھاپے کی وجہ سے، آخر میں بوڑھا بولا کہ جاہل طبیب تجھے بڑھاپے کے سواء کچھ نہیں آتا جواب ملا یہ بے موقعہ غصہ بھی بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے بیماروں کو کھانے پر مجبور نہ کرو۱ کیونکہ انہیں اللہ تعالٰی کھلاتا ہے۲ (ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ بعض بیمار کھانے پینے سے نفرت کرتے ہیں تیمارداروں کو چاہیے کہ انہیں اس پر مجبور نہ کریں اس نہ کھانے میں ان کے لیے بہتری ہوتی ہے۔

۲؎ یعنی رب تعالٰی انہیں صبر بھی دیتا ہے اور قدرتی قوت و طاقت بھی بخشتا ہے،بدن کی قوت ارادہ الٰہی سے ہے نہ کہ محض کھانے سے۔خیال رہے کہ یہ ہی الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے روزہ وصال کے لیے بھی ارشاد فرمائے ہیں وہاں کچھ مطلب ہی اور ہے۔(مرقات)وہاں حق تعالٰی حضور کو غیبی روزی عطا فرماتا ہے، بعض صوفیاء کرام نے خواب میں کوئی چیز کھائی بیدار ہونے پر شکم سیر تھے اور کھانے کی خوشبو منہ سے ہاتھوں سے آتی تھی اسی لیے حضور نے اپنے لیے فرمایا **ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی** وہاں **ابیت عند ربی** ہے یہاں یہ عبارت نہیں ہے اس میں یہ ہی فرق ہے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے اس قرب خصوصی کو بیمار پر قیاس کرنا سخت غلطی ہے کہاں یہ مریض کہاں آقائے دو جہان۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد ابن زرارہ کو لالی کی بیماری سے داغ دیا۱ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ **شوکہ** ایک خاص بیماری کا نام ہے جس میں اولًا چہرہ سرخ ہوجاتا ہے پھر تمام بدن پر سرخی چھا جاتی ہے حضور انور نے اس کا علاج داغ سے کیا ہے۔

روایت ہے حضرت زید ابن ارقم سے۱ فرماتے ہیں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ذات الجنب کا قسط بحری اور زیتون کے تیل سے علاج کریں۲ (ترمذی)	

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،انصاری ہیں،خزرجی ہیں،کوفہ میں رہے،وہاں ہی ۶۸ھ میں وفات پائی،پچاسی ۸۵ سال عمر ہوئی، آپ کی کنیت ابو عمرو ہے۔

۲؎ اس طرح کہ زیتون کے تیل میں قسط بحری ملا کر درد کی جگہ لیپ کریں اور بیمار کو زیتون کا تیل کھلائیں اسی تیل کی مالش بھی کریں۔ حدیث شریف میں ہے کہ زیتون کا تیل کھاؤ اسے لگاؤ کہ یہ مبارک درخت سے ہے اور اس میں ستر بیماریوں کی شفاء ہے جن میں جذام بھی ہے،اس میں بواسیر کو بھی شفا ہے۔(دیکھو مرقات،ترمذی وغیرہما)

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ و	

سلم ذات الجنب کے لیے تیل اور ورس بیان فرماتے تھے ۱؎(ترمذی)	

۱؎ ورس یمن میں پیدا ہونے والی ایک گھاس ہے چوبیس سال تک رہ سکتی ہے رنگ سرخ دیتی ہے،ذات الجنب یعنی پسلیوں کے درد میں اس کا لیپ مفید ہے۔

روایت ہے حضرت اسماء بنت عمیس سے ۱؎کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم کس چیز سے جلاب لیتی ہو ۲؎وہ بولیں شبرم سے ۳؎فرمایا گرم ہے گرم ہے فرماتی ہیں پھر میں نے سناء سے جلاب لیا ۴؎تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی چیز ہوتی جس میں موت سے شفاء ہو تو سناء میں ہوتی،ترمذی ابن ماجہ اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎آپ پہلے حضرت جعفر ابن ابی طالب کے نکاح میں تھیں ان کے ساتھ ہجرت کرکے حبشہ گئیں وہاں ہی ان سے محمد عبداللہ اور عون پیدا ہوئے، پھر مدینہ منورہ ہجرت کرکے آئیں،حضرت جعفر کی شہادت کے بعد ابوبکر صدیق سے نکاح کیا ان سے محمد پیدا ہوئے،حضرت صدیق اکبر کی وفات کے بعد حضرت علی کے نکاح میں آئیں ان سے یحیٰی ابن علی پیدا ہوئے بڑی درجہ والی صحابیہ ہیں،چنانچہ آپ سے حضرت عبداللہ ابن جعفر،عمر ابن خطاب،عبداللہ ابن عباس،ابو موسیٰ اشعری،عبداللہ ابن شداد جیسے صحابہ کرام نے احادیث روایت کیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۲؎یہ لفظ بنا ہے **مشی** سے بمعنی چلنا جلاب کو **مشی** اس لیے کہتے ہیں کہ اس سے پیٹ چلتے ہیں یا اس سے پینے والا آدمی بار بار چل کر پاخانہ جاتا ہے۔

۳؎ **شبرم** حجاز کی خاص دوا ہے چنے کی دانوں کی طرح ہوتی ہے پکا کر اس کا پانی پینے سے دست لگ جاتے ہیں۔

۴؎سناء حجاز مقدس کی مشہور دوا ہے دست آور ہے بے ضرر ہے مکہ مکرمہ کی سنا اپنی خوبیوں میں بہت مشہور ہے اسی لیے اسے سناء مکی کہا جاتا ہے۔صفراوی سوداوی بلغمی،مادہ کو دستوں کے ذریعہ نکالنے میں بے مثال ہے سوداوی وسوسوں کی دافع ہے۔(اشعہ)بعض روایات میں سناءزیرہ کی بہت تعریف آئی ہے۔

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے بیماریاں اور دوائیں اتاری ہیں اور ہر بیماری کے لیے دوا بنائی ۱؎تو تم لوگ دوا کرو اور حرام سے دوا نہ کرو ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎یعنی ہر بیماری کے لیے حلال و جائز دوا پیدا فرمائی ہے جیساکہ آئندہ عبارت سے معلوم ہورہاہے۔

۲؎ یعنی شراب پیشاب وغیرہ حرام چیزوں سے دوانہ کرو،طبرانی کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالٰی نے حرام میں شفا نہیں رکھی،مسلم شریف میں ہے کہ حضور نے شراب کے متعلق فرمایا کہ وہ دوا نہیں نری داء ہے(بیماری)امام سبکی فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ "فِیۡهِمَاۤ اِثۡمٌ کَبِیۡرٌ وَّ مَنٰفِعُ لِلنَّاسِ" منسوخ ہے۔جب جو اشراب حرام کردیئے گئے تو ان کے نفع سلب ہوگئے۔(مرقات)فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے متعلق حاذق طبیبوں کا اتفاق ہوجاوے کہ اس کی دواء شراب کے سواء اور کوئی نہیں تو وہ اس مریض کے لیے بقدر ضرورت حرام نہیں رہتی حلال ہوجاتی ہے،پھر بھی شفا حرام میں نہ ہوئی۔(اشعہ)اس کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عرینہ والوں سے فرمانا ہے کہ تم اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیو وہاں وحی سے پیشاب میں شفا معلوم ہوئی،یہاں اجماع اطباء سے شفا معلوم ہوئی مگر اولًا تو حاذق طبیب کا ملنا مشکل ہے پھر حاذقوں کا اجماع بہت ہی مشکل،میں نے بعض حاذق طبیبوں سے سنا کہ شہد بہترین بدل ہے شراب کا اگر کسی مرض کے لیے اطباء شراب بتاویں اس میں شہد استعمال کرو وہ ہی فائدہ ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبیث دوا سے منع فرمایا ۱؎ (احمد،ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ خبیث سے مراد حرام یا نجس ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد بدمزہ بدبودار دوائیں ہیں۔(مرقات)یعنی مریض کو نہایت بد مزہ بدبودار دوائیں نہ کھلاؤ کہ اس سے زیادہ بیمار ہونے کا اندیشہ ہے خصوصًا نازک طبع لوگوں کے لیے۔

روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ سلمٰی رضی اللہ عنہا سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سر کے درد کی شکایت نہ کرتا مگر آپ فرماتے کہ پچھنے لگاؤ اور نہ کوئی پاؤں کے درد کی شکایت کرتا مگر آپ فرماتی ان میں خضاب کرو ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ صفیہ بنت عبدالمطلب یعنی حضور کی پھوپھی کی لونڈی ہیں حضور کے غلام ابورافع کی بیوی صاحبہ ہیں حضرت فاطمہ زہرا کی اولاد اور حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ کی دایہ ہیں جلیل القدر صحابیہ ہیں رضی اللہ عنہا۔

۲؎ ان حضرات کے سر کے درد زیادتی خون سے اور پاؤں کا درد گرمی سے ہوتا ہوگا۔معلوم ہوا کہ مرد کو پاؤں کے تلووں میں مہندی لگانا درست ہے جب کہ دفع گرمی کے لیے ہو۔یہاں خضاب سے مراد مہندی سے خضاب ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ہوتا زخم نہ خراش ۱؎ مگر مجھے حکم دیتے کہ میں اس پر مہندی رکھ دو ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ قرح سے مرد چھری چاقو وغیرہ کا زخم ہے اور نکبہ سے مراد پھانسی کانٹے،پتھر وغیرہ کا زخم ہے۔(مرقات)

۲؎ تاکہ مہندی کی ٹھنڈک سے زخم کی گرمی ہلکی پڑ جاوے اور درد میں خفت ہو۔

روایت ہے حضرت ابو کبشہ انماری سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پچھنے لگواتے تھے اپنی کھوپڑی پر اور اپنے دونوں کندھوں کے درمیان ۲؎ اور آپ فرماتے تھے کہ جو کوئی ان خونوں میں سے بہاوے ۳؎ تو اسے مضر نہیں کہ وہ کسی بیماری کے لیے کوئی دوا نہ کرے ۴؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ آپ کا نام عمرو ابن سعید ہے،کنیت ابو کبشہ،قبیلہ انمار سے ہیں،شام میں قیام رہا،آپ سے روایات بہت کم ہیں۔

۲؎ یا تو ایک دم ان دونوں جگہ فصد لیتے تھے یا کبھی سر میں کبھی کندھے پر دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔

۳؎ خون سے مراد خون فاسد ہے جسے اس فن کے لوگ پہچانتے ہیں یا زیادہ خون جس کی جسم میں موجودگی بیماریوں کا سبب ہے۔(اشعہ)اور اسی خون سے مراد یا تو ان مقامات کا خون ہے یا مطلقًا خون خواہ کسی عضو کا فاسد یا زائد خون ہو۔

۴؎ بیماریوں سے مراد وہ بیماریاں ہیں جن کا تعلق اس خون سے ہے لہذا **بشییٔ** فرمانا بالکل درست ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران پر پچھنے لگوائے اس موچ سے جو آپ کو ہوگئی تھی ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ **وثاء** عربی میں اس تکلیف کو کہتے ہیں جو کسی عضو کے گوشت پر تکلیف پہنچنے سے ہو،ہڈی محفوظ رہے اب موچ آجانے کو کہا جاتا ہے کہ موچ میں بھی تعلق گوشت سے ہوتا ہے ہڈی پر ضرب نہیں آتی اس لفظ کے لکھنے کی بہت ترکیبیں ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کے متعلق خبر دی جس میں آپ کو معراج کرائی گئی کہ آپ فرشتوں کی کسی جماعت پر نہ گزرے مگر انہوں نے عرض کیا ۱؎ کہ آپ اپنی امت کو پچھنے کا حکم دیں ۲؎ (ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔	

۱؎ یہاں امر بمعنی مشورہ ہے یا بمعنی وجوبی حکم کیونکہ بعض بیماریوں میں فصد واجب ہوجاتی ہے۔اس حدیث سے دو مسئلہ معلوم ہوئے: کہ ایک یہ کہ فرشتوں کو اللہ تعالٰی نے بہت وسیع علم بخشا جس میں علم طب بھی ہے وہ حضرات بیماریوں اور دواؤں سے بھی واقف ہیں۔ دوسرے یہ کہ امت پر حاکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ کہ فرشتے حتی کہ خدا تعالٰی بھی بندوں سے براہ راست کلام نہیں فرماتا نہ ان پر خود احکام فرماتا ہے جو کچھ کہتا ہے نبی کی معرفت سے کہتا ہے خدا کا فرمان نبی کی معرفت پہنچے تو سب کے لیے قابلِ عمل ہوتا ہے۔

۲؎ امت سے مراد ساری امت نہیں بلکہ خاص ملک کے خاص بیماریوں والے امتی مراد ہیں گرم ملک کے لوگوں کو فصد بہت مفید رہتی ہے لہذا اس سے یہ لازم نہیں کہ ہر مسلمان فصد کرلیا کرے بغیر فصد کے وہ مسلمان نہ ہو۔یہاں حجامت سے مراد فصد پچھنے،بھری سنگی سب ہی ہیں،بعض شارحین نے امتك سے مراد لی ہے قومك یعنی آپ اپنی قوم اہل عرب کو حکم دیں۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن عثمان سے کہ کسی طبیب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مینڈک کے متعلق پوچھا ۱؎ جسے کسی دوا میں ڈالا جاوے تو اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل سے منع فرمایا ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ یہ سوال مطلقًا مینڈک کے متعلق تھا دریائی ہو یا خشکی کا دونوں قسم کے مینڈکوں کی تاثیریں جداگانہ ہیں۔
۲؎ فرمایا کہ مینڈک کو قتل نہ کروخواہ دوا کے لیے ہو یا کسی اور مقصد کے لیے یا بلا مقصد کے کیونکہ نہ تو یہ موذی ہے نہ حلال ہے نہ لذیذ۔حرام،خبیث،غیر مفید جانور کا مارنا بلاوجہ ہی مارنا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مینڈک کھانا حرام ہے لہذا یہ حدیث احناف کی دلیل ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ مینڈک کسی بیماری میں مفید نہیں،بعض لوگ ایک خاص قسم کے مینڈک کا تیل قوت باہ کے لیے استعمال کرتے ہیں محض غلط و ممنوع ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گردن اور کندھے کی رگوں میں پچھنے لگواتے تھے ۱؎(ابوداؤد)اور ترمذی و ابن ماجہ نے یہ زیادہ کیا کہ آپ سترہ اور انیس اور اکیس کو فصد لیتے تھے ۲؎	

۱؎ اخدعین گردن کی دو طرفہ رگوں کو کہتے ہیں،یہ رگیں حبل ورید کی ہی شاخیں ہیں۔اور گردن میں پیٹھ سے متصل پچھنے لگوانا بہت سی بیماریوں میں مفید ہے،ہم لوگوں کو چاہیے کہ بغیر طبیب حاذق کے مشورہ کے پچھنے ہرگز نہ کرائیں اہل عرب اور ہماری بیماریوں میں بڑا فرق ہے۔
۲؎ یعنی آپ اکثر چاند کی ان طاق تاریخوں میں فصد لیتے تھے ان تاریخوں میں خون میں جوش نہیں ہوتا فصد سے زیادہ خون بہ جانے کا خطرہ نہیں ہوتا،تاریخوں کو ہمارے حالات میں بڑا دخل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام کیفیات سے واقف ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سترہ یا انیس یا اکیس تاریخ کو فصد لینا پسند فرماتے تھے ۱؎(شرح سنہ)	

۱؎ جیسے بعض کاموں کے لئے بعض دن موزوں ہیں سفر کرنے کے لیے شنبہ دو شنبہ پنج شنبہ بہتر،کتاب شروع کرنے کے لیے بدھ بہتر،یوں ہی فصد کے لیے یہ تاریخیں افضل ہیں،یہ افضیلت رب تعالٰی کی طرف سے ہے ہماری عقل کو اس میں دخل نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا کہ جو سترہ،انیس،اکیس تاریخ کو فصد لے تو ہر بیماری سے شفا ہوگی ۱(ابوداؤد)	

۱بیماریوں سے مراد وہ ہی بیماریاں ہیں جن کا تعلق فصد سے ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ دواؤں علاجوں کے اثر کا تعلق دنوں اور وقتوں سے بھی ہے جیسے کہ اس کا تعلق زمانوں اور مقامات سے ہے۔ایک دوا ایک موسم میں ایک جگہ مفید ہوتی ہے وہ ہی دوا دوسری جگہ دوسرے موسم میں مضر،ٹھنڈی چیز میں گرم موسم گرم ملک میں مفید ہیں اور سرد موسم سرد ملک میں مضر۔یہاں اشعہ میں فرمایا کہ چاند کی شروع تاریخوں میں خون میں بہت جوش ہوتا ہے اور آخری تاریخوں میں بہت جمود و سکون لہذا درمیان مہینہ فصد کے لیے تجویز ہوا جب خون نہ بہت جوش میں ہو نہ بالکل سکون میں تاکہ بقدر حاجت نکلے نہ زیادہ نکلے نہ کم،جنہوں نے چاند کی حرکتوں پر سمندر کا جوار بھاٹا دیکھا ہے وہ اسے بلا تامل مان لیں گے۔

روایت ہے حضرت کبشہ بنت ابی بکرہ سے ۱کہ ان کے والد اپنے گھر والوں کو منگل کے دن فصد سے منع کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ منگل کا دن خون کا دن ہے ۲اور اس میں ایک ایسی گھڑی ہے جس میں خون ٹھہرتا نہیں ۳ (ابوداؤد)	

۱مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں کیسہ ہے ی اور سین سے،بعض میں کبشہ ہے ب اور شین سے ان کے حالات معلوم نہ ہوسکے،یہ تابعیہ ہیں،ان کے والد ابو بکرہ صحابی ہیں۔

۲کہ قابیل نے ہابیل کو منگل کے دن ہی قتل کیا اور جناب حوا کو منگل کے دن ہی حیض شروع ہوا گویا یہ دن خون کی ابتداء کا ہے یا اس دن میں خون جوش مارتاہے فصد سے بہت زیادہ بہ جاوے گا۔(مرقات)

۳کیونکہ اس دن کی ہر گھڑی میں احتمال ہے کہ شاید وہ ہی گھڑی ہو لہذا اس دن فصد لوہی نہیں کہ اس میں ہی سلامتی ہے اگر اس گھڑی میں فصد لی گئی تو خون ٹھہرے گا نہیں بالکل نکل جاوے گا اور اس مریض کی موت واقع ہوجانے کا خطرہ ہے۔

روایت ہے زہری سے ارسالًا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ جو کوئی بدھ یا ہفتہ کے دن فصد لے پھر اسے برص پہنچ جاوے تو اپنے ہی کو ملامت کرے ۱(احمد،ابوداؤد)اور ابوداؤد نے کہا کہ یہ اسنادًا بھی مروی ہے مگر صحیح نہیں ۲	

۱؎ معلوم ہوا کہ ہفتہ یا بدھ کے دن فصد لینے سے برص پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔برص جسم کے سفید داغ کو کہتے ہیں یہ کوڑھ کی ایک قسم ہے خدا تعالٰی محفوظ رکھے۔اطباء تجربہ سے کہتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی سے حضور کا ہر فرمان برحق ہے زمانوں،مکانوں،دنوں،گھڑیوں میں مختلف تاثیریں ہیں۔
۲؎ جمہور محدثین کے نزدیک حدیث مرسل بھی حجت ہے لہذا سند حدیث کا صحیح نہ ہونا اس کے لیے ہرگز مضر نہیں۔

	روایت ہے انہیں سے ارسالًا فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی ہفتہ کے دن فصد لے یا لیپ کرے ۱؎ تو سفید داغ کے بارے میں نہ ملامت کرے مگر اپنی ذات کو ۲؎(شرح السنہ)

۱؎ یعنی اپنے کسی عضو پر کسی دوا کا لیپ کرے جیسے چونا وغیرہ۔
۲؎ یعنی اگر کوئی شخص ہفتہ یا بدھ کے دن فصد لے پھر اسے برص کی بیماری ہوجاوے تو نہ تو رب تعالٰی کی شکایت کرے نہ کسی اور پر ملامت کرے نہ بے عملی کا بہانہ بنائے بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرے کہ میری غلطی سے یہ بیماری ہوئی ہے۔معلوم ہوا کہ دنوں کی تاثیریں مختلف ہیں اور پرہیز احتیاط ضروری ہے۔

	روایت ہے عبداللہ ابن مسعود کی بیوی زینب سے ۱؎ کہ عبداللہ نے میری گردن میں دھاگہ دیکھا تو فرمایا ۲؎ یہ کیا میں بولی کہ یہ دھاگہ ہے جس میں دم کیا گیا ہے فرماتی ہیں کہ آپ نے اسے لے کر توڑ دیا پھر فرمایا اے عبداللہ کے گھر والو تم شرک سے بے نیاز ہو ۳؎ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ دم تعویذات اور جادو شرک ہے ۴؎ تو میں نے کہا کہ آپ یہ کیوں کہتے ہیں میری آنکھ کھٹکی تھی اور میں فلاں یہودی کے پاس آجاتی تھی تو جب وہ اسے دم کردیتا تھا تو ٹھہر جاتی تھی ۵؎ تب عبداللہ نے کہا کہ یہ شیطانی کام ہی تھا وہ آنکھ میں اپنے ہاتھ سے چبھوتا تھا پھر جب دم کیا جاتا تو ٹھہر جاتا تھا ۶؎ تمہیں یہ کافی تھا کہ کہہ لیتی جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے اے لوگوں کے رب تکلیف دور کردے اور شفاء دے تو ہی شفا دینے والا ہے نہیں ہے شفاء مگر تیری شفاء ۷؎ وہ شفاء دے جو بیماری نہ چھوڑے ۸؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ زینب بنت عبداللہ ابن معاویہ ہیں،ثقفی ہیں،اپنے خاوند کی طرح آپ بھی بارگاہِ نبوت میں بہت مقبول اور درجہ والی تھیں۔(مرقات)

۲؎ محدثین کی اصطلاح میں جب عبداللہ مطلقًا بولا جاوے تو اس سے مراد حضرت عبداللہ ابن مسعود ہوتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہیں۔

۳؎ یہاں دھاگہ سے مراد گنڈے کا نیلا دھاگہ ہے جس پر جادوگر جادو کا دم کرکے مریض کو پہناتے ہیں،چونکہ ان کے دم میں مشرکانہ الفاظ ہوتے ہیں بتوں کا توسل وغیرہ اس لیے آپ نے اس گنڈے پہننے کو شرک قرار دیالہٰذا حضرات صوفیاءکرام کے گنڈے جس میں وہ قرآنی آیات یا ماثورہ دعائیں پڑھ کر دم کرکے گرہ لگاتے ہیں بالکل جائز ہیں۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ اگر تعویذ گنڈے کو مؤثر حقیقی مان لیا جاوے رب سے نظر ہٹ جاوے تو شرک ہے مگر یہ فقیر کے نزدیک قوی نہیں۔اولًا تو اس لیے کہ حضرات صحابہ ایسا عقیدہ نہیں رکھ سکتے،دوسرے اس لیے کہ یہ بات تو دواؤں میں بھی ہے کہ اگر حکیم کو شافی الامراض اور دوا کو شفاء مستقل مان لے تو مشرک ہے،شافی اللہ ہی ہے یہ چیزیں ذریعہ شفاء ہیں دوا ہو یا دعا۔آل عبداللہ سے مراد حضرت ابن مسعود کے گھر والے ہیں بیوی ہوں یا اولاد۔

۴؎ تولہ ایک خاص جادو کا نام ہے جو زوجین کی محبت کے لیے کیا جاتا ہے لیکن اگر آیات قرآنیہ یا ماثورہ دعاؤں سے اسی محبت کا تعویذ کیا جاوے تو بالکل جائز ہے،حضرات صحابہ کرام نے دعاء ماثورہ کے تعویذات باندھے ہیں۔

۵؎ یعنی میرا تجربہ ہے کہ یہ درد چشم کے لیے مفید ہے اگر یہ شرک ہوتا تو اس میں یہ فائدہ کیوں ہوتا جیسے حرام دوا میں فائدہ نہیں ایسے ہی شرکیہ عمل میں اثر نہ چاہیے سبحان اللہ!کیسا باریک اعتراض ہے۔

۶؎ یعنی یہ بیماری نہ تھی بلکہ شیطانی اثر تھا کہ وہ تمہاری آنکھوں میں انگلی چبھوتا تھا جس سے تم کو درد محسوس ہوتا تھا اور اس یہودی کے دم کردینے پر وہ چبھونا بند کردیتا تھا جس سے تمکو آرام محسوس ہوتا تھا اس کا یہ سارا عمل تمہارا عقیدہ بگاڑنے کے لیے تھا۔معلوم ہوا کہ شیطان انسان کو بیمار کرسکتا ہے،قرآن کریم فرماتاہے:"یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ"جب سانپ بچھو بلکہ زہریلی دوائیں آدمی کو بیمارکرسکتی ہیں تو اگر شیطان بیمارکرے تو کیا بعید ہے،یہ سب کچھ رب تعالٰی کے اذن اس کے ارادے سے ہے۔

۷؎ یعنی حقیقی شافی الامراض تو ہی ہے جو مخلوق کو شفا بخشے وہ تیری عطا تیرے کرم سے ہے لہٰذا شافی الناس تو ہی ہے۔

۸؎ یہ دعا بہت اسنادوں سے بہت محدثین نے نقل فرمائی اور بہت ہی مجرب ہے علماء نے اسے بہت امراض میں مفید پایا۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نشرہ کے متعلق پوچھا گیا ۱؎ تو فرمایا یہ شیطانی کاموں سے ہے ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ نشرۃ نون کے پیش سین کے سکون سے ایک خاص منتر کا نام ہے جو مجنون کے شفاء کے لیے کیا جاتا ہے یہ جادو کی ایک قسم ہے۔ نشر بمعنی پھیلنا اس سے ہے انتشار،چونکہ یہ عمل جنات شیاطین کے پھیلنے کی بناء پر ہوتا ہے اس کو نشرہ کہا جاتا ہے۔

۲؎ یعنی یہ عمل وہ ہے جسے جاہلیت کے لوگ اپنے کاہنوں ساحروں کی تعلیم سے کیا کرتے تھے اس میں شرکیہ الفاظ ہیں لیکن اگر قرآنی آیات حضور کی بتائی ہوئیں دعاؤں سے عمل کیے جاویں دفع شیطان کے لیے تو جائز ہے۔چنانچہ احمد،حاکم،ابن ماجہ نے بروایت ابی ابن کعب نقل فرمایا کہ ایک بدوی نے اپنے بچے کی دیوانگی کی شکایت کی تو حضور نے اس پر سورۂ فاتحہ شروع بقر مفلحون تک آیۃ الکرسی اور سورۂ بقر کا آخری رکوع،سورۂ حشر کی آخری آیات سورۂ جنّ کی آیت "وَ اَنَّہٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا" اور سورۂ اخلاص،فلق،ناس پڑھ کر دم فرمایا اسے فورًا ہی آرام ہوگیا،بعض صحابہ نے مجنون پر صرف سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا ہے تین دن تک۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میں نہیں پرواہ کرتا ان میں سے جو کام کروں کہ میں تریاق پیوں ۲؎ یا تعویذ باندھو ۳؎ یا اپنی طرف سے شعر کہوں ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں عبداللہ ابن عمرو واؤ سے ہے یہ ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ بعض نسخوں میں عبداللہ ابن عاص بھی آیا ہے اس نسخے میں شاید کاتب واؤ لکھنا بھول گیا۔(مرقات واشعہ)

۲؎ تریاق یا دریاق ایک مرکب معجون ہے جسے یونانی حکیم ماغنیس نے ایجاد کیا اور اندرماغس نے اس کی تکمیل کی یہ دوا زہر خصوصًا سانپ کے زہر کے لیے بہت مفید ہے۔ تریاق بہت قسم کی ہوتی ہے: بعض قسموں میں سانپ کا گوشت اور شراب شامل کی جاتی ہے یہ قسم حرام بھی ہے نجس بھی اسی ہی کا استعمال حرام ہے وہ ہی یہاں مراد ہے جس تریاق میں ایسی چیزیں نہ ہوں وہ حلال ہے۔بعض نے فرمایا کہ ہر تریاق سے بچے کہ تریاق کا استعمال کرنے والا اللہ پر توکل نہیں رکھتا تریاق کو ہی مؤثر مانتا ہے۔(مرقات)

۳؎ تعویذ سے مراد زمانہ جاہلیت کے تعویذ ہیں جن میں شرکیہ الفاظ ہوتے تھے ان کا بنانا استعمال کرنا سب حرام ہے۔

۴؎ شعر سے مراد زمانہ جاہلیت کے اشعار ہیں جن کے مضامین فحش وبے حیائی کے ہوتے تھے۔اپنی طرف سے فرمانے کی قید اس لیے لگائی گئی کہ کسی اور کے بنائے ہوئے اشعار پڑھنا یا سیکھنا برا نہیں اگرچہ اشعار برے ہوں کیونکہ ان سے علوم میں بڑی مدد ملتی ہے آج دیوان متنبّی دیوان حماسہ وغیرہ درس میں داخل ہیں اگرچہ ان کے مضامین گندے ہیں غرضکہ ان تینوں فرمانوں میں تفصیل ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمدًا شعر کبھی نہ کہا ہاں کبھی بغیر قصد شعر آپ سے صادر ہوئے جیسے انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب ہاں لبید وغیرہ کے

اشعار سنے ہیں ان کی تعریف بھی فرمائی ہے حضور نے شعر گا کر ترنم سے کبھی نہ پڑھا اسکی بحث ہماری تفسیر "وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ" کی تفسیر میں ملاحظہ کرو۔

	روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو داغ لگائے یا جھاڑ پھونک کرے وہ توکل سے دور ہوگیا ۱؎ (احمد،ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی اگرچہ داغ لگانا دم کرنا جائز ہے مگر متوکلین کی شان سے بعید ہے۔خیال رہے کہ زمانہ جاہلیت میں داغ اور دم کو دفع مرض کے لیے مستقل علت مانا جاتا تھا اس لیے حضور انور نے اس کو توکل کے خلاف قرار دیا۔دواؤں کے متعلق یہ عقیدہ کسی کا نہ تھا اس لیے دوا خلاف توکل نہیں اسی لیے حضور انور نے متوکلین کی صفت میں داغ نہ کرنا،رقیہ نہ کرنا بیان فرمایا دوا نہ کرنے کا ذکر نہ کیا۔

	روایت ہے عیسیٰ ابن حمزہ سے فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ ابن عکیم کے پاس گیا ۱؎ انہیں سرخی تھی ۲؎ تو میں نے کہا کہ آپ تعویذ کیوں نہیں باندھتے تو فرمایا کہ ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی چیز لٹکائے(باندھے)تو اس کی طرف سونپ دیا جاتا ہے ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ عیسیٰ ابن حمزہ تابعی ہیں،عبداللہ ابن عکیم کی صحابیت میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ وہ بھی تابعی ہیں انہوں نے حضور کا زمانہ پایا مگر زیارت نہ کی ان سے کوئی روایت منقول نہیں۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ ان کا نام عیسیٰ ابن عبدالرحمٰن ابن یعلیٰ ہے یا عیسیٰ ابن یونس ابن اسحاق عیسیٰ بڑے متقی تھے،ایک سال حج کرتے تھے اور ایک سال جہاد،۱۸۷ھ ایک سو ستاسی میں وفات پائی۔(مرقات)

۲؎ حمرہ وہ بیماری ہے جس میں چہرہ اور جسم پر سرخ دھبے پڑ جاتے ہیں اسے پنجابی میں قین کہتے ہیں اس بیماری میں بہت قسم کے دم کیے جاتے ہیں۔

۳؎ یعنی اگرچہ یہ کام جائز تو ہیں مگر عمل کے خلاف ہیں اس لیے ان سے بچنا بہتر ہے یہ ایسا ہی ہے جیساکہ حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی حکومت کا طلبگار ہوکر اسے حاصل کرے تو وہ حکومت اس کے سپرد کردی جاوے گی اورجو مجبورًا حاکم بنادیا جاوے تو اس کی مدد کی جاوے گی۔(مرقات)ہم ابھی دواؤں اور دم میں فرق بیان کرچکے ہیں کہ دوا علاج میں توکل کیوں قائم رہتا ہے اور اس دم وغیرہ میں کیوں جاتا رہتا ہے۔

	روایت ہے عمران ابن حصین سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے جھاڑ پھونک مگر نظر سے یا ڈنک سے ۱؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد)اسے ابن ماجہ نے بریدہ

سے روایت کیا۔	

۱؎ یعنی نظر بد اور زہریلے جانوروں کے کاٹ لینے میں دم جھاڑ پھونک بہت زیادہ مفید ہے اتنی اور بیماریوں میں مفید نہیں،یہ مطلب نہیں کہ دوسری بیماریوں میں جھاڑ پھونک جائز نہیں جیسے کہا جاتا ہے لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار یا یہ مطلب ہے کہ نظر بد اور زہر جلد بیمار کردیتے ہیں اس لیے ان میں دوا کا انتظار نہ کرو اس پر جلد جھاڑ پھونک کرو۔(مرقات)ورنہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت بیماریوں میں دم کیا ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ہے جھاڑ پھونک مگر نظر سے یا ڈنگ سے یا خون سے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یہاں خون سے مراد نکسیر کا خون ہے اس میں بہت قسم کے جھاڑ پھونک کیے جاتے ہیں جو لوگوں میں مشہور ہیں۔

روایت ہے حضرت اسماء بنت عمیس سے ۱؎ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ جعفر کی اولاد کو نظر جلد لگ جاتی ہے ۲؎ تو میں ان کو دم کردوں فرمایا ہاں ۳؎ کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر سے بڑھ جاتی ہوتی ہے تو اس پر نظر بڑھ جاتی ہے ۴؎(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ آپ کے حالات ابھی کچھ پہلے بیان کیے گئے۔جب آپ نے یہ سوال کیا ہے تب آپ حضرت جعفر طیار کی زوجہ تھیں۔(اشعۃ اللمعات)حضرت جعفر طیار کی کچھ اولاد آپ سے تھی اور کچھ اولاد دوسری زوجہ سے ان سب کے متعلق آپ نے یہ سوال فرمایا۔

۲؎ کیونکہ یہ بچے ظاہری باطنی خوبیوں والے ہیں اس لیے لوگ انہیں تعجب کی نظر سے دیکھتے ہیں اور یہ بچے نظر کی وجہ سے بیمار ہوجاتے ہیں،نظر کا اثر زہر سے زیادہ تیز اور سخت ہوتا ہے اس لیے یسرع فرمانا بالکل درست ہے۔

۳؎ غالبًا انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی نظر کا دم سیکھا ہوگا اس کی اجازت چاہ رہی ہیں جو عطا ہوگئی۔

۴؎ یعنی نظر بد بڑی مؤثر ہوتی ہے اگرکسی چیز سے تقدیر پلٹ جاتی تو نظر سے پلٹ جاتی۔خیال رہے کہ غصہ کی نظر منظور میں ڈر پیدا کردیتی ہے،محبت کی نظر خوشی اسی طرح تعجب کی نظر بیماری پیدا کرسکتی ہے رب تعالٰی جس چیز میں چاہے تاثیر خاص پیدا فرمادے وہ قادر مطلق ہے،اگر حائضہ عورت دودھ کے برتن میں ہاتھ ڈال دے تو دودھ خراب ہوجاتا ہے وہ ہی عورت پاک ہوکر ہاتھ ڈالے تو نہیں بگڑتا پھرجیسے بری نظر پر اثر پیدا کرتی ہے یوں ہی صالحین مقبولین کی رحمت کی نظر منظور میں انقلاب پیدا کردیتی ہے،نظر بد بیماریاں پیدا کرتی ہے تو نظر خوب بیماریاں دور کرتی ہے،شیطان نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا انظرنی مجھے مہلت دے اگر کہتا انظرانی مجھے نظر رحمت سے دیکھ لے تو اس کا بیڑا پار ہوجاتا۔(مرقات)ایک شخص نے کہا کہ میں نے بڑے بڑوں کو دیکھا کسی میں کچھ نہیں

ہے،دوسرے نے کہا کہ مگر کسی نے تجھے نہ دیکھا اگر کوئی نظر والا تجھے دیکھ لیتا تو تیرا یہ حال نہ ہوتا غرضکہ نظر بڑی چیز ہے کوئی نظر خانہ خراب کردیتی ہے کوئی نظر خراب کو آباد کردیتی ہے۔شعر

نظر کی جولانیاں نہ پوچھو نظر حقیقت میں وہ نظر ہے

اٹھے تو بجلی پناہ مانگے گرے تو خانہ خراب کردے

روایت ہے شفاء بنت عبداللہ سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ میں حفصہ کے پاس تھی تو فرمایا کہ تم انہیں نملہ کا دم کیوں نہیں سکھاتیں۲؎ جیسے تم نے انہیں لکھنا سکھایا ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ کا نام لیلیٰ ہے،شفاء لقب قرشیہ عدویہ ہیں،مہاجرین اولین میں سے ہیں،بڑی عاملہ عاقلہ بی بی تھیں،اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ہاں دوپہر کا آرام فرماتے تھے حتی کہ آپ نے حضور کے لیے ایک بستر علیحدہ رکھا تھا۔(مرقات و اشعہ)

۲؎ نملہ باریک دانے ہوتے ہیں جو بیمار کی پسلیوں پر نمودار ہوتے ہیں جس سے مریض کو بہت سخت تکلیف ہوتی ہے اسے تمام جسم پر چیونٹیاں رینگتی محسوس ہوتی ہیں اس لیے اسے نملہ کہتے ہیں۔بعض کا خیال ہے کہ اس کا نام موتی جھرہ ہے مگر یہ درست نہیں کہ موتی جھرہ تمام جسم پر ہوتا ہے حضرت شفاء مکہ معظّمہ میں اس مرض کا بہترین دم کرتی تھیں آپ وہاں اس دم کی وجہ سے مشہور تھیں اس دم کے الفاظ مرقات نے یہاں بیان کیے آخری عبارت اس کی یہ ہے"العروس تنتعل وتخضب تکتحل وکل شیئ تفتعل غیر انہا لاتعص الرجل"یعنی دلہن جوتے پہنے،خضاب لگائے،سرمہ لگائے،سب کچھ کرے خاوند کی نافرمانی نہ کرے۔بی بی حفصہ نے حضور کا ایک راز ظاہر فرمادیا تھا اس لیے فرمایا کہ انہیں نملہ کا دم سکھاؤ جس میں خاوند کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

۳؎ یعنی تم نے جناب حفصہ تو لکھنا تو سکھادیا جو عورتوں کے لیے بہتر نہیں اور نملہ کا دم نہ سکھایا جو فائدہ مند ہے لہذا اس حدیث سے عورتوں کو لکھنے کی تعلیم دینے کی اجازت نہیں عورتوں کو لکھنے کی تعلیم دینا مکروہ ہے خصوصًا اس زمانہ میں جب کہ عورتوں کی آزادی حد سے بڑھ چکی ہے،اس کی ممانعت صریحی حدیث میں وارد ہے لاتعلموھن بالکتابۃ عورتوں کو لکھنا نہ سکھاؤ،بعض شارحین نے فرمایا کہ عوام عورتوں کو یہ تعلیم ممنوع ہے ازواج مطہرات کے لیے جائز تھی لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔(مرقات اشعہ)

روایت ہے ابو امامہ ابن سہل ابن حنیف سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ عامر ابن ربیعہ نے سہل ابن حنیف کو دیکھا ۲؎ جو نہا رہے تھے تو بولے اللہ کی قسم میں نے آج کا سا دن دیکھا نہ ایسی محفوظ کھال ۳؎ فرماتے ہیں کہ فورًا سہل گر گئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں	

	حاضری دی گئی تو عرض کیا گیا یارسول اللہ کیا حضور کو سہل ابن حنیف کے علاج میں رغبت ہے خدا کی قسم وہ تو اپنا سر بھی نہیں اٹھاتے ۴ تو فرمایا کیا تم انکے متعلق کسی پر شبہ کرتے ہو بولے ہم عامر ابن ربیعہ پر شبہ کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر کو بلایاان پر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے تم نے دعاء برکت کیوں نہ کی ۵ اچھا اب ان کے لیے دھوؤ ۶ چنانچہ عامر نے ان کے لیے اپنا منہ اور ہاتھ کہنیاں اور گھٹنے اور اپنے پاؤں کے کنارے اور تہند کا داخلی حصہ ۷ ایک پیالہ میں دھویا پھر اس پر ڈالا گیا چنانچہ وہ لوگوں کے ساتھ چل دیا اسے کوئی تکلیف نہ تھی ۸ (شرح) اسے مالک نے بھی روایت کیااور ان کی روایت میں ہے کہ فرمایا نظر حق ہے تم اس کے لیے وضو کرو انہوں نے وضو کیا ۹

۱ آپ کا نام سعد ابن سہل ہے، کنیت ابو امامہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو سال پہلے پیدا ہوئے اسی لیے صحابی نہیں تابعی ہیں، اپنے والد سہل اور ابو سعید خدری سے روایات کرتے ہیں، بانوے سال عمر ہوئی، سنہ ۱۰۰ھ ہجری میں وفات ہوئی۔

۲ حضرت عامر دو ہجرتوں والے صحابی ہیں، بدر اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے، حضرت عمر سے پہلے اسلام لائے، سنہ ۳۲ھ میں وفات پائی اور سہل ابن حنیف انصاری اوسی ہیں بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے، بعد میں حضرت علی کے ساتھ رہے، کوفہ میں سنہ ۳۸ھ اڑتیس میں وفات ہوئی، حضرت علی نے آپ کو پہلے مدینہ منورہ کا پھر فارس کا حاکم بنایا۔

۳ مخبأة بنا ہے خبأء سے بمعنی خیمہ و پردہ مخبأة کنواری پردہ نشین لڑکی کو کہتے ہیں اب بمعنی محفوظ استعمال ہوتا ہے یہاں اسی معنی میں ہے، حضرت سہل بہت خوبصورت نازک اندام تھے یعنی کیسی چکنی کھال ہے جس سے بدن کی ہڈیاں چھپی ہوتی ہیں جیسے دیوار پر لیس یا سیمنٹ کا پلستر اس سے کھال کی نرمی اور تندرستی مراد ہے۔ کہا تعجب سے جس سے نظر لگ گئی۔

۴ یعنی حضرت سہل کو نظر لگ گئی جس سے وہ بے ہوش ہوگئے۔

۵ یعنی نظر لگانا نہ لگانا خود نظر والے کے اختیار میں ہے اگر کسی پسندیدہ چیز کو دیکھ کر ماشاءاللہ یا بارك الله کہہ دے تو نظر نہیں لگتی اگر ان کلمات کے بغیر ہی تعجب سے دیکھے اور تعجب کے الفاظ بولے تو نظر لگ جاتی ہے۔

۶ یعنی اپنی نظر کا اثر دور کرنے کے لیے اپنا چہرہ اپنے ہاتھ اور کہنیاں، گھٹنے، پاؤں دھوکر پانی دو تاکہ ان پر چھڑکا جاوے جیساکہ آگے آرہا ہے۔

۷؎ تہبند کے داخلی حصہ میں تین احتمال ہیں: یا تو خود تہبند کا پلو مراد ہے جو جسم سے متصل ہو یا نظر والے کی ران و سرین مراد ہیں یا اعضاء تناسل اسی طرح کہ اس سے استنجاء بھی کرایا گیا اور پھر یہ پانی منظور پر چھڑکا گیا۔
۸؎ یہ نظر اتارنے کا ایک ٹوٹکہ ہے۔معلوم ہوا کہ نظر کے لیے جائز ٹوٹکے کرنا درست ہے۔یہاں مرقات نے نظر اتارنے کے بہت ٹوٹکے بیان فرمائے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نظر والے کو اعضاء بدن دھوکر دینا واجب ہے جب کہ اس سے یہ مطالبہ ہو کیونکہ یہ دفع نقصان کا ذریعہ ہےجب کہ کچا لہسن،کچی پیاز کھا کر مسجد میں آنا منع ہے تاکہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو تو یہ بھی ضروری ہے۔قاضی عیاض نے فرمایا کہ بعض لوگوں کی نظر بہت تیز ہوتی ہے مسلمانوں کو ان سے بچنا چاہیے بلکہ ایسے لوگوں کو حاکم مجمعوں میں جانے سے روک سکتا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کوڑھی کو مجمعوں میں جانے سے روکا تھاپھر خلفاء نے یہ عمل جاری فرمایا۔(مرقات)
۹؎ یعنی نظر والے کو وضو کا حکم دیا پھر وضو کا غسالہ منظورپر چھینٹا مار دیا۔خیال رہے کہ جب دواؤں کی تاثیر میں ہماری عقل کام نہیں کرتی تو ان ٹوٹکوں میں کام نہ کرے گی لہذا ان اعمال پر اعتراض کرنا بے جا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات اور انسانوں کی نظر سے پناہ مانگتے تھے حتی کہ سورۂ فلق و ناس نازل ہوئی۱؎ پھر جب یہ نازل ہوئیں تو ان کو لے لیا ان کے ماسوا کو چھوڑ دیا۲؎ (ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن بھی غریب بھی۔

۱؎ یعنی سورۂ فلق اور سورۂ ناس نازل ہونے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن وانس کی نظر سے بچنے کے لیے مختلف دعائیں پڑھتے تھے مثلًا اعوذ باللہ من الجان وغیرہ یا اعوذ باللہ من عین الانسان الحاسد۔
۲؎ یعنی دیگر دعاؤں کی کثرت چھوڑ دی زیادہ تر سورۂ فلق و ناس ہی سے عمل فرمایا،یہ مطلب نہیں کہ بالکل چھوڑدیں لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا تم میں مغرب کے لوگ دیکھے گئے ہیں ۱؎ میں نے عرض کیا مغرب کیا چیز ہے فرمایا وہ جن میں جنات شریک ہو جاویں ۲؎ (ابوداؤد)اور حضرت ابن عباس کی حدیث خیر ما تداویتم کنگھی کرنے کے باب میں ذکر کردی گئی ۳؎

۱؎ مغرب بنا ہے تغریب سے بمعنی دورکردینا اسی لیے جلا وطن کرنے کو تغریب کہتے ہیں یہاں مراد ہے رحمت الہی سے دور۔
۲؎ اسی طرح کہ ان کے ماں باپ بغیر بسم اللہ صحبت کریں جس کی وجہ سے شیطان بھی صحبت میں شریک ہوجائے اس صحبت سے جو بچہ پیدا ہو وہ شکلًا انسان سیرۃً شیطان ہوتا ہے،اس کی نظر بہت سخت بے ادب بدتمیز جیساکہ آج

کل عموماً دیکھا جارہا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَشَارِکۡھُمۡ فِی الۡاَمۡوٰلِ وَ الۡاَوۡلٰدِ" ہمارے بعض بچوں کا یہ حال ہے کہ جنے گئے سینما میں،پلے بڑھے کالج میں،رہے ہوٹلوں میں،مرے ہسپتال میں اللہ اس زندگی سے بچائے۔حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ صحبت کے وقت یہ دعا پڑھ لیا کرو بسم اللّٰہ اللھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان مارزقتنا اس کی نفیس بحث یہاں مرقات میں ملاحظہ کرو بہت نفیس تحقیق کی ہے۔

۳؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی ہم نے باب الترجل میں بیان کی مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ معدہ بدن کا حوض ہے اور رگیں اس کی طرف آتی ہیں۱؎ تو جب معدہ درست ہو تو رگیں تندرستی کے ساتھ لوٹتی ہیں۲؎ اور جب معدہ خراب ہو تو بیماری سے لوٹتی ہیں۳؎

۱؎ حوض سے مراد وہ گڑھا ہے جس میں درخت کی جڑ قائم ہوتی ہے اس پر درخت کی بقاء ہے یوں ہی معدہ پر جسم کی بقاء ہے۔

۲؎ یعنی معدے سے رگیں دوسرے اعضاء کی طرف اچھی رطوبتیں اور صالح غذا لے کر چلتی ہیں جس سے صحت اچھی ہوتی ہے۔

۳؎ یہ حدیث علم طب کی اصل ہے کہ اگر معدہ درست ہے تو تمام جسم درست ہے اگر معدہ خراب ہے تو سارا جسم بیمار۔اس حدیث میں معدہ کو درخت کے حوض سے تشبیہ دی گئی ہے اور بدن کو درخت سے اور بدن کی رگوں کو درخت کی ان رگوں سے جو جڑ سے چلتی ہیں اور شاخ شاخ پتے پتے میں جڑ کا رس پہنچاتی ہے،یہ ہی حال ہماری روحانیت کا ہے حرام اعمال حاصل ہوتے ہیں،اسی لیے رب نے فرمایا:"کُلُوۡا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعۡمَلُوۡا صٰلِحًا"۔حضور فرماتے ہیں کہ جو گوشت حرام غذا سے بنے گا دوزخ کی آگ اسے جلد جلائے گی بہرحال طب نبوی بہت جامع ہے۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ اس درمیان کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات نماز پڑھ رہے تھے آپ نے اپنا ہاتھ زمین پر رکھا تو بچھو نے کاٹ لیا۱؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جوتہ شریف سے

	اسے مارا حتی کہ اسے قتل کردیا پھر جب فارغ ہوئے تو فرمایا اللہ بچھو پر لعنت کرے نمازی غیر نمازی نبی غیرنبی کسی کو نہیں چھوڑتا ۲؎ پھر نمک اور پانی منگایا پھر اسے برتن میں ڈالا پھر اسے اپنی انگلی پر ڈالنے لگے جہاں بچھو نے کاٹا تھا اسے پونچھنے لگے اور اس پر فلق و ناس سے دم کرنے لگے ۳؎ (بیہقی شعب الایمان)

۱؎ آپ کی بائیں ہاتھ کی انگلی شریف میں کاٹ لیا جسم نبی پر زہر،ڈنگ تلوار اثر کرسکتی ہے یہ واردات بشریت پر وارد ہوتی ہے۔

۲؎ بعض روایات میں ہے کہ اسے مار کر فرمایا کہ بچھو موذی ہے اسے حل و حرم ہر جگہ مار دو۔موذی وہ جانور ہے جو اپنے نفع کے بغیر انسان کا نقصان کردے لہذا کھٹل جوں موذی نہیں کہ انسان کو کاٹتی ہے مگر اپنا پیٹ بھرنے کے لیے۔

۳؎ یہ ہے دوا اور دعا کا اجتماع نمک و پانی بھڑ(تنبوڑی)اور بچھو وغیرہ کے کاٹے کے لیے بہت مفید ہے۔ **یمسحھا** سے معلوم ہوا کہ دم کرتے وقت بیماری کی جگہ پر ہاتھ پھیرنا سنت ہے،بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مریض پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم فرماتے تھے۔

	روایت ہے حضرت عثمان ابن عبداللہ ابن موہب سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ مجھے گھر والوں نے ام سلمہ کے پاس پانی کا پیالہ دے کر بھیجا اور جب کسی آدمی کو نظر یا کوئی شے لگ جاتی تو ان کے پاس لگن بھیجتے تھے ۲؎ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بال نکالتیں انہوں نے حضور کا بال چاندی کی کپی میں رکھا ہوا تھا آپ اس کے لیے وہ بال ہلادیتیں ۳؎ اس سے انہوں نے پیا فرماتے ہیں میں نے کپی میں جھانکا تو چند سرخ بال دیکھے ۴؎ (بخاری)

۱؎ یہ عثمان تابعی ہیں،تیمی ہیں،حضرت طلحہ ابن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں،بڑے ثقہ اور عالم ہیں۔

۲؎ یعنی اہلِ مدینہ کو جب کوئی بیماری یا نظر بد یا کوئی اور تکلیف ہوتی تو وہ کسی ایسے برتن میں جس میں کپڑے دھوئے جاتے تھے پانی بھیج دیتےاور حضرت ام المؤمنین ام سلمہ وہ عمل فرماتیں ہیں جس کا ذکر ابھی ہورہا ہے۔

۳؎ جلجل لغت میں اس گھنگرو کو کہتے ہیں جو جانوروں کے گلوں میں ڈالے جاتے ہیں یہاں مراد کپی ہے کہ وہ بھی اسی شکل کی ہوتی ہے۔غالبًا آپ وہ بال شریف مع اس کپی کے پانی میں گھول دیتی تھیں لوگ وہ پانی پیتے اور شفا پاتے۔

۴؎ بال کی یہ سرخی خضاب کی نہ تھی بلکہ وہ بال خوشبوؤں میں رکھے گئے تھے یہ رنگ اسی خوشبو کا تھا اس حدیث سے چند فائدے حاصل ہوئے: ایک یہ کہ حضرات صحابہ کرام حضور کے بال شریف برکت کے لیے اپنے گھروں میں رکھتے تھے۔دوسرے یہ کہ اس بال شریف کا بہت ہی ادب و احترام کرتے تھے کہ اس کے لیے خاص کپی(ڈبی) یا پونگی بناتے اس میں خوشبو بساتے تھے کیونکہ یہ رنگت خوشبو کی تھی نہ کہ خضاب کی۔ تیسرے یہ کہ صحابہ کرام حضور کے بال شریف کودافع بلا باعث شفا سمجھے تھے کہ انہیں پانی میں غسل دے کر شفاء کے لیے پیتے تھے کیوں نہ ہو کہ جب یوسف علیہ السلام کی قمیض دافع بلا ہوسکتی ہے جیساکہ قرآن کریم فرمارہاہے:"اِذۡهَبُوۡا بِقَمِيۡصِىۡ"الخ تو حضور انور کے بال شریف بدرجہ اولیٰ دافع بلا ہو سکتے ہیں۔چوتھے یہ کہ صحابہ کرام حضور کے بال شریف کی زیارت کرنے جاتے تھے جیساکہ روایت سے معلوم ہوا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ کھمبی زمین کی چیچک ہے ۱؎ تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھمبی من سے ہے ۲؎ اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے ۳؎ اور عجوہ جنت سے ہے اور وہ زہر سے شفا ہے ۴؎ ابوہریرہ نے فرمایا کہ پھر میں نے تین یا چار یا پانچ یا سات کھمبیاں لیں انہیں نچوڑا اور ان کا پانی ایک شیشی میں ڈال لیا ایک ضیف البصر ۵؎ لونڈی کی آنکھ میں اس کا سرمہ لگایا وہ اچھی ہوگئی ۶؎ (ترمذی)اور فرمایایہ حدیث حسن ہے۔

۱؎ کمات کا اردو ترجمہ ہے کھمبی جو برسات میں بھیگی لکڑی سے چھتری کی طرح نکلتی ہے اسے سانپ کی چھتری بھی کہتے ہیں۔ان کا مطلب یہ تھا کہ جیسے چیچک انسان کی کھال کے نیچے سے ردی بلغمی فضلات سے نمودار ہوتی ہے ایسے ہی کھمبی زمین کے نیچے سے نمودار ہوتی ہے یہ بھی زمین کی بیماری ہے۔

۲؎ یعنی جیسے بنی اسرائیل پر من اترا تھا بغیر مشقت نہایت لذیذومفید کھانا ایسے ہی یہ کھمبی بغیر مشقت ہم کو مل جاتی ہے بغیر محنت و مشقت سے بہت نافع اس کی شرح پہلے گزر چکی۔کھمبی دو قسم کی ہے۔ایک چھتری نما اور ایک مولی کی طرح لمبی یہاں دوسری قسم مراد ہے۔

۳؎ آنکھ کی گرمی دفع کرنے کے لیے صرف یہ پانی مفید ہے،دوسرے چشمی امراض میں یہ پانی سرمہ میں ڈال کریا دوسری دواؤں میں ملاکر مفید ہے بعض امراض میں نقصان دہ لہٰذا اس کا استعمال طبیب کی رائے سے کرنا چاہیے۔غالبًا اہل عرب کی آنکھ کی بیماریاں عمومًا ایسی ہوتی ہوں گی جن میں یہ پانی مفید ہو۔(مرقات)اور اشعۃ اللمعات میں ہے کہ

ایک بزرگ نابینا ہوگئے تھےانہوں نے اعتقاد سے یہ پانی استعمال کیا انہیں گئ ہوئی روشنی ملی ان کا نام ابن کمال دمشقی ہے۔

۴؎ یعنی عجوہ کھجوریں جنت سے آئی ہیں اللہ کی بڑی نعمت ہے اس کو صبح شام کھانے والا زہر کے اثر سے محفوظ رہتا ہے یعنی اس پر زہر اثر نہیں کرتا،اس کی شرح بھی پہلے کی جاچکی ہےوہاں مطالعہ فرمانا چاہیے۔

۵؎ **عمشاء** مؤنث ہے **اعمش** کی **اعمش** وہ شخص ہے جو ضعیف البصر ہو۔اس کی آنکھوں سے پانی جاری ہو۔ یہاں تین یا پانچ یا سات فرمانا کسی راوی کے شک سے ہے ابوہریرہ کی طرف سے شک نہیں۔

۶؎ ظاہر یہ ہے کہ خالص پانی ہی لگایا گیا۔اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ یہ حدیث تجربہ سے بھی قوی ہے حدیث کو قوت بہت وجہ سے حاصل ہوتی ہے جن میں سے ایک وجہ تجربہ بھی ہے یہاں اسی کا ذکر ہے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں ملاحظہ کرو۔گویا یہ حضور انور کا فرمان ہے اور ایک صحابی کا تجربہ لہذا حدیث بہت قوی ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر مہینہ میں جو شخص تین صبح شہد چاٹ لیا کرے تو اسے بڑی بلا نہ پہنچے گی ۱؎

۱؎ یعنی شہد کے اس طرح استعمال سے چھوٹی بیماریاں تو کیا شی ہیں بڑی بیماریاں بھی نہیں لگتیں۔احادیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح کو ایک پیالہ شہد کا شربت پیا کرتے تھے۔شارحین کہتے ہیں کہ شہد کے شربت میں ایسی تاثیریں ہیں جن سے بڑے بڑے اطباء بھی ناواقف ہیں،بلغمی بیماریوں کے لیے شہد بہت مفید ہے۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شفائیں اختیار کرو شہد اور قرآن ۱؎ ان دونوں حدیثوں کو ابن ماجہ نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا اور کہا صحیح یہ ہے کہ آخری حدیث حضرت ابن مسعود پر موقوف ہے۔

۱؎ یعنی دنیاوی و دینی بلاؤں سے شفاء یا ظاہری امراض سے،ظاہری و باطنی شفا شہد اور قرآن ہے ان دونوں کا شفا ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے،شہد کے متعلق فرمان الٰہی ہے"فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ" قرآن کریم کے متعلق فرماتاہے:"وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ"اور فرماتاہے:"وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ"یعنی بیماریوں میں شہد بھی استعمال کرو اور قرآنی آیات بھی دم کرواگر شہد پر آیات دم کرکے کھایا جاوے تو سبحان اللہ نور پر نور ہے۔

	روایت ہے ابوکبشہ انماری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کھوپڑی پر زہریلی بکری کی وجہ سے فصد

	کروائی ۱؎ معمر کہتے ہیں ۲؎ کہ پھر میں نے بغیر زہر کے اسی طرح اپنی کھوپڑی میں فصد کرالی تو میرے حافظہ کی عمدگی جاتی رہی حتی کہ مجھے نماز میں سورۂ فاتحہ بتائی جانے لگی ۳؎ (رزین)

۱؎ خیبر میں ایک یہودیہ نے بکری کے گوشت میں حضور انور کو زہر دیا زہر بہت سخت تھا یہ گوشت بشر ابن براہ ابن معرور نے بھی کھایا وہ وہاں ہی وفات پا گئے،یہ فقیر ان کی قبر انور پر حاضر ہوا جو خیبر میں ہے۔حضور نے حکم دیا تو وہ گوشت جلاکر دفن کردیا گیا اور حضور انور نے اس یہودیہ کو معافی دے دی یہاں وہ واقعہ بیان ہورہا ہے حضور انور نے اس زہر کا اثر دفع کرنے کیلئے فصد لی۔

۲؎ معمر اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی ہیں،آپ کا نام معمر ابن راشد ہے،کنیت ابو عروہ ہے،ازدی ہیں،یمن کے بڑے عالم ہیں،اٹھاون سال عمر ہوئی، ۵۳ھ ترپن میں وفات پائی،تابعین میں سے ہیں،دس ہزار حدیثیں آپ کو حفظ تھیں۔(مرقات)

۳؎ اس سے مقصود ہے حافظہ کی انتہائی خرابی کا بیان۔خیال رہے کہ حضرت معمر نے بلا ضرورت اور بے وقت بے موقعہ سر سے بہت خون نکلوادیا اس لیے آپ کو یہ مرض لاحق ہوا اور وہ بھی عارضی تھا پھر صحت ہوگئی ورنہ حدیث شریف میں ہے کہ سر میں فصد لینے میں سات بیماریوں سے شفا ہے:سر درد،جنون،جذام،برص،زیادہ نیند،درد داڑھ،آنکھ تلے اندھیرا ہوجانا مگر یہ فوائد جب ہیں جب ضرورۃً اور صحیح وقت میں فصد لے اس لیے فصد کسی قابل طبیب کی رائے سے لینا چاہیے ورنہ نقصان کا اندیشہ ہے۔

	روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں فرمایا ابن عمر نے اے نافع میرا خون کھولتا ہے تو فصد والے کو میرے پاس لاؤ مگر جوان آدمی اختیار کرنا نہ بڈھا لینا اور نہ بچہ ۱؎ فرماتے ہیں کہ ابن عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فصد نہار منہ پر اچھی ہے ۲؎ وہ عقل میں اضافہ حفظ میں زیادتی کرتی ہے اور حافظ کا حافظہ بڑھاتی ہے ۳؎ جو فصد کرانا چاہے وہ اللہ کے نام پر جمعرات کے دن کرائے اور جمعہ،ہفتہ،اتوار کے دن فصد سے بچو ۴؎ پیر اور منگل کے دن فصد لو اور بدھ کے دن فصد سے بچو کہ یہ ہی وہ دن ہے جس میں ایوب علیہ السلام بلا میں مبتلا کیے گئے ۵؎ اور کوڑھ اور سفید داغ نہیں شروع ہوتے مگر یا بدھ کے دن یا بدھ کی رات میں ۶؎ (ابن ماجہ)

۱؎ کیونکہ بڈھا اور بچہ کمزور ہوتے ہیں وہ فصد کا خون قوت سے نہیں کھینچ سکتے اس لیے جوان اور قوی آدمی سے فصد کھلوائی جاوے۔خیال رہے کہ بڈھا کا تجربہ زیادہ ہوتا ہے طاقت کم اور بچہ میں طاقت بھی کم تجربہ بھی کم،جوان میں اگرچہ تجربہ قدرے کم ہوتا ہے مگر طاقت زیادہ اس لیے آپریشن وغیرہ کے لیے جوان طبیب کو ڈھونڈو بڈھے کے بھی ہاتھ کانپ جاتے ہیں جس سے نشتر کہیں کا کہیں لگ جاتا ہے اس لیے جوان بہتر۔

۲؎ یعنی جب بھی فصد لو تو بغیر کھائے پیئے لو نہار منہ باسی منہ۔ہم نے دیکھا کہ آپریشن سے پہلے مریض کو فاقہ کراتے ہیں بلکہ کچھ گھنٹے پہلے اس کا انیمہ کرکے پیٹ صاف کردیتے ہیں پھر آپریشن کرتے ہیں تاکہ ہرے زخم پر پیشاب پاخانہ نہ ہو قے وغیرہ نہ آئے آج کل کے ڈاکٹری و طبّی اصول احادیث سے مستنبط ہیں۔

۳؎ نہار منہ فصد یا مطلقًا فصد کے یہ فوائد ہیں،دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے بشرطیکہ ضرورۃً استعمال کی جاوے۔

۴؎ کیونکہ یہ دن فصد کے لیے اچھے نہیں اللہ تعالٰی نے بعضے دنوں میں بعض خصوصیات رکھی ہیں اس کی حکمتیں وہ ہی جانتا ہے۔ہمارے بزرگ کہتے تھے کہ آٹھ،اٹھارہ،اٹھائیس،اور تین،تیرہ،تئیس تاریخوں میں نکاح نہ کرے یہ تاریخیں نکاح کے لیے اچھی نہیں۔علامہ شامی نے لکھا کہ بدھ کے دن بیمار پرسی نہ کرے کہ لوگ اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔

۵؎ ایوب علیہ السلام نے بدھ کے دن فصد لی تو آپ پر بیماری مسلط ہوئی یا بدھ کے دن آپ کی بیماری کی ابتداء ہوئی۔معلوم ہوا کہ بدھ کا دن عتاب کا دن ہے بلکہ بعض قوموں پر بدھ کے دن عذاب آیا لہذا یہ دن کفار پر عذاب کا بھی ہے اور منحوس ہے،رب تعالٰی بدھ کے متعلق فرماتا ہے:"یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ"۔اس سے ثابت ہوا کہ عتاب وعذاب کا دن دائمی منحوس ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ رحمت کا دن دائمی مبارک ہو لہذا پیر کا دن بڑا ہی مبارک ہے کہ حضور انور کی ولادت کا دن ہے۔

۶؎ اس سے پتہ لگا کہ بدھ کے دن کی نحوست دائمی ہے،بعض روایات میں ہے کہ پیر کے دن ایوب علیہ السلام کو شفا عطا ہوئی۔

	روایت ہے حضرت معقل ابن یسار سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مہینہ کی سترہ تاریخ منگل کے دن فصد لینا سال بھر کی بیماری کی دوا ہے ۱؎ اسے حرب ابن اسمٰعیل کرمانی نے جو احمد کے ساتھیوں سے ہیں روایت کیا اور اس کی اسناد ایسی قوی نہیں یوں ہی منتقٰی میں ہے۔

۱؎ یعنی اگر چاند کی سترہ تاریخ کو منگل کا دن ہو تو اس دن فصد لینا ایک سال تک متعلقہ بیماریوں کا علاج ہے۔جن احادیث میں ہے کہ منگل کے دن فصد نہ لو کہ اس میں ایک ساعت خون کی ہے کہ اس وقت کا خون بہا ہوا بند نہیں ہوتا اس سے وہ منگل مراد ہے جو سترھویں تاریخ کے علاوہ ہو لہذا احادیث میں تعارض نہیں یہ حدیث مختلف الفاظ سے منقول ہے۔

	اور رزین نے اس کی مثل ابوہریرہ سے روایت کیا ۱؎ ہے۔

1 محدثین کی اصطلاح میں بذالك سے مراد ہوتا ہے قوی یا صحیح منتقٰی ابن جارود کی کتاب ہے فن حدیث میں۔

باب الفال و الطیرۃ

فال اور بدفال لینے کا بیان1

الفصل الاول

پہلی فصل

1محاورہ عرب میں فال ہر اچھی بری شگون کو کہتے ہیں اور طیرہ عمومًا بدفالی کو کہا جاتا ہے۔طیرہ بمعنی تطیر ہے جیسے خیرۃ اور تحیرا اس کے لفظی معنی ہیں اڑانا۔اہلِ عرب جب کسی کام کو جاتے تو کسی بیٹھے ہوئے پرندے کو اڑاتے اگر داہنی طرف اڑ جاتا تو سمجھتے کہ ہمیں کامیابی ہوگی،اگر بائیں طرف اڑتا تو کہتے کہ ناکامی ہوگی پھر اس کام کو جاتے ہی نہیں،اگر اوپر یا نیچے کی طرف اڑتا تو سمجھتے کہ کام میں دیر لگے گی رکاوٹ ہوگی،پھر اس کا استعمال مطلقًا فال یا بدفالی میں ہوگیا۔یوں ہی اگر شکاری جانور داہنی طرف نظر پڑتا اسے بروج کہتے اور بائیں طرف نظر آنے کو سنوح،بروج سے نیک فال لیتے،سنوح سے بدفالی،سوانع وبوارح سے ممانعت کے یہ ہی معنی ہیں۔خیال رہے کہ نیک فال لینا سنت ہے اس میں اللہ تعالٰی سے امید ہے اور بدفالی لینا ممنوع کہ اس میں رب سے ناامیدی ہے۔امید اچھی ہے ناامیدی بری،ہمیشہ رب سے امید رکھو۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بدفالی کچھ نہیں 1بہترین چیز فال ہے لوگوں نے عرض کیا فال کیا چیز ہے فرمایا وہ اچھا لفظ جسے تم میں کوئی سنے 2(مسلم،بخاری)

1غالبًا یہاں طیرہ سے مراد بدفالی لینا ہے خواہ پرندے سے ہو یا چرندہ جانور سے یا کسی اور چیز سے کیونکہ بدفالی مطلقًا ممنوع ہے،قرآن مجید میں تطیر اور طائر بمعنی بدفالی آیا ہے،رب فرماتاہے:"قَالُوۡۤا اِنَّا تَطَیَّرۡنَا بِکُمۡ"اور فرماتاہے:"قَالُوۡا طٰٓئِرُکُمۡ مَّعَکُمۡ"۔مقصد یہ ہے کہ اسلام میں بدفالی کوئی شیئ نہیں کسی چیز سے بدفالی نہ لو۔

2جیسے کوئی شخص کسی کام کو جارہا ہے کسی سے آواز آئی اے نجیح یا اے برکت یا اے رشیدیہ جانے والا یہ الفاظ سن کر کامیابی کا امیدوار ہوگیا یہ بالکل جائز ہے۔بعض دکاندار صبح کو یارزاق،گمشدہ کے متلاشی یاواجد،مسافر لوگ یاسالم،حاجی و غازی لوگ یامنصور یامبرور اور زائر لوگ یامقبول سن کر خوش ہو جاتے ہیں یہ سب اسی حدیث سے ماخوذ ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ مرض کا اڑکر لگنا ہے ۱؎ نہ پرندہ نہ الو ۲؎ نہ صفر کوئی چیز ہے ۳؎ اور کوڑھی سے ایسے بھاگے جیسے تم شیر سے بھاگتے ہو ۴؎ (بخاری)	

۱؎ اہل عرب کا عقیدہ تھا کہ بیماریوں میں عقل و ہوش ہے جو بیمار کے پاس بیٹھے اسے بھی اس مریض کی بیماری لگ جاتی ہے وہ پاس بیٹھنے والے کو جانتی پہچانتی ہے یہاں اسی عقیدے کی تردید ہے۔موجودہ حکیم ڈاکٹر سات بیماریوں کو متعدی مانتے ہیں:جذام،خارش،چیچک،موتی جھرہ،منہ کی یا بغل کی بو،آشوب چشم،وبائی بیماریاں اس حدیث میں ان سب وہموں کو دفع فرمایا گیا ہے۔(مرقات واشعہ)اس معنی سے مرض کا اڑ کر لگنا باطل ہے مگر یہ ہوسکتا ہے کہ کسی بیمار کے پاس کی ہوا متعفن ہو اور جس کے جسم میں اس بیماری کا مادہ ہو وہ اس تعفن سے اثر لے کر بیمار ہوجاوے اس معنی سے تعدی ہوسکتی ہے اس بنا پر فرمایا گیا کہ جذامی سے بھاگو لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں۔غرضکہ عدوی یا تعدی اور چیز ہے کسی بیمار کے پاس بیٹھنے سے بیمار ہوجانا کچھ اور چیز ہے۔

۲؎ اہلِ عرب کا خیال تھا کہ میت کی گلی ہڈیاں الو بن کر آجاتی ہیں اور الو جہاں بول جاوے وہاں ویرانہ ہوجاتا ہے یہ عقیدہ غلط ہے،بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس مقتول کا بدلہ نہ لیا جاوے اس کی روح الو کی شکل میں آکر لوگوں سے کہتی ہے**اسقو**،**اسقو** مجھے پانی پلاؤ،یہ سب باطل خیالات ہیں۔

۳؎ **صفر** سے مراد یا تو ماہ صفر ہے جسے اب بھی بعض منحوس جانتے ہیں یا اس سے مراد پیٹ کا درد ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ پیٹ کا درد ایک سانپ ہے جو پیٹ میں رہتا ہے اس کا مروڑہ کھانا پیٹ کا درد ہےاس میں ان دونوں خیالات کی تردید ہے۔(مرقات)اس کی اور بہت شرحیں ہیں۔بعض لوگ صفر کے آخری چہار شنبہ کو خوشیاں مناتے ہیں کہ منحوس شہر چل دیا،یہ بھی باطل ہے۔

۴؎ یہ حکم عوام کے لیے ہے جن کا عقیدہ بگڑ جانے کا خوف ہو کر اگر کوڑھی کے پاس بیٹھنے سے اتفاقًا انہیں بھی کوڑھ ہوجائے تو سمجھیں کہ کوڑھ اڑ کر لگ گئی ان کے لیے کوڑھی سے علیحدگی اچھی ہے،خاص متوکل لوگ جن کے دلوں پر اس سے کوئی اثر نہ پڑے ان کے لیے یہ حکم نہیں لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ مرض کا اڑ کر لگنا ہے نہ کوئی چیز ہے اور نہ صفر تو ایک دیہاتی نے عرض کیا یارسول اللہ اونٹ کا کیا حال ہے کہ وہ ریگستان میں ہرن کی طرح ہوتا ہے ۱؎ پھر اس سے خارشی اونٹ ملتا ہے تو اسے خارشی کردیتا ہے ۲؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو پھر پہلے اونٹ کو کس نے خارشی کردیا ۳؎ (بخاری)	

۱؎ یعنی جب تک اونٹ ریگستان میں الگ تھلگ رہتا ہے ہرن کی طرح صاف ستھرا بے عیب ہوتا ہے۔

۲؎ مقصد یہ ہے کہ حضور مرض کی تعدی کا انکار فرماتے ہیں مگر تجربہ شاہد ہے کہ تعدی ہوتی ہے مرض اڑکر لگتا ہے ہم نے اپنے اونٹوں میں اس کا مشاہدہ کیا ہے۔

۳؎ یعنی اگر خارش اڑ کر ہی لگتی ہے تو سب سے پہلا خارشی اونٹ جس سے خارش کی ابتدا ہوئی اسے خارش کہاں سے لگی وہاں تو کہنا پڑے گا کہ رب کے حکم سے وہ خارشی ہوا تو آیندہ بقیہ اونٹ بھی اس کے حکم سے خارشی ہوئے اللہ تعالٰی پر نظر رکھو۔یہاں اعدی فرمانا مشاکلت کے لیے ہے جیسے کماتدین تدان یا جیسے جزاء سیئۃ سیئۃ ورنہ فرمایا جاتا فمن اعطی الاول۔(مرقات)

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بیماری کا اڑکر لگنا ہے نہ الو ہے نہ برج ہے اور نہ صفر ۱؎ (مسلم)	

۱؎ ان تمام لفظوں کی شرح ابھی ہوچکی۔نوء کے معنی ہیں برج،اس کی جمع ہے انواءٌ،یہ برج اٹھائیس ہیں چاند کی منزلیں اہلِ عرب بلکہ ہندوستان کے مشرکین بھی بارش کو چاند کے اثر سے مانتے ہیں کہ چونکہ چاند فلاں برج میں پہنچا لہٰذا بارش ہوئی رب کا نام نہیں لیتے اس لیے یہ ارشاد ہوا کہ برج وغیرہ کوئی چیز نہیں بارش محض عطا الٰہی ہے۔شعر

جب آویں برسن کے تاؤ پروا دیکھیں نہ پچھوا باؤ

جب بارش کا وقت آجاتا ہے تو پوربی پچھمی کوئی ہوا ہو بارش ہوجاتی ہے،یوں ہی نیک بختی بدبختی کو ستاروں کے متعلق ماننا جائز نہیں۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہ تعدی کوئی چیز ہے نہ صفر نہ بھوت ۱؎ (مسلم)	

۱؎ بعض لوگوں کا خیال تھا اور ہے کہ خبیث لوگوں کی روحیں مرنے کے بعد بھوت بن کر جنگلوں میں پھرتی ہیں اور لوگوں کو ستاتی ہیں یہاں اس کا انکار فرمایا گیا ورنہ بھوت بمعنی سرکش جنات کا ثبوت ہے وہ انسانوں کو ستاتے بھی ہیں۔حدیث شریف میں ہے اذا تغولت الغیلان فبادروا بالاذان جب بھوت سرکشی کریں تو اذان دو،حضرت ابو ایوب انصاری فرماتے ہیں میرے طاق میں کھجوریں تھیں انہیں بھوت کھا جاتے تھے۔(مرقات)قرآن کریم فرماتاہے:"یَتَخَبَّطُهُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الْمَسِّ" شیطان اسے چھوکر دیوانہ کردیتا ہے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شرید سے وہ اپنے والد سے فرمایا انہوں نے کہ ثقیف کے وفد میں ۱؎ ایک کوڑھی آدمی تھا تو اس کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہلا بھیجا کہ ہم نے تجھ کو بیعت کرلیاتو لوٹ جا ۲؎ (مسلم)	

۱؎عمرو ابن شرید تابعی ہیں،ان کے والد شرید ابن سوید ثقفی صحابی ہیں،حضر موت کے رہنے والے تھے۔
۲؎یعنی حضور انور نے اسے اپنے پاس نہ بلایاوہ اپنی منزل ہی میں رہا اسے مصافحہ فرماکر بیعت نہ فرمایا بلکہ دور سے زبانی بیعت کی خبر دے دی۔خیال رہے کہ یہ حدیث عوام مؤمنین کو احتیاط کی تعلیم کے لیے ہے اور حضور انور کا کوڑھی کو اپنے ساتھ کھلانا خواص مؤمنین کو توکل کی تعلیم کے لیے ہے جیسے گرتی ہوئی دیوار ڈوبتی ہوئی کشتی سے علیحدہ رہنا ایمان کے خلاف نہیں،یوں ہی کسی مہلک بیماری والے سے بچنا خلاف ایمان نہیں جیسے مضر غذاؤں سے پرہیز برا نہیں یوں ہی مضر صحبتوں سے دور رہنا حرام نہیں،شارحین نے اور بہت وجہیں ان احادیث کی مطابقت میں بیان فرمائی ہےاگر شوق ہو تو لمعات اور اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کی شرح ملاحظہ کرو۔ہم نے پہلے عرض کیا کہ بعض بیمار کے اردگرد کی ہوا متعفن ہوجاتی ہےجس شخص میں اس مرض کا مادہ موجود ہووہ اس ہوا سے بیمار ہوجاتا ہے جس چراغ میں تیل بتی موجود ہو وہ دوسرے چراغ سے مس کرتے ہی بھڑک اٹھتا ہے اس لیے احتیاط بری نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھی فال تو لیتے تھے بدفالی نہ لیتے تھے۱؎اور اچھا نام پسند فرماتے تھے۲؎(شرح سنہ)	

۱؎ یعنی حضور انور اچھے مقام وغیرہ سے نیک فال لیتے کہ انہیں سن کر دیکھ کر رحمتِ الٰہی کے امیدوار ہوجاتے تھے مگر کسی چیز سے بدفالی نہیں لیتے تھے کہ اللہ سے ناامیدی نہیں چاہیے۔
۲؎حتی کہ مسلمانوں کے برے نام اچھے ناموں سے تبدیل فرمادیتے تھے کہ نام کا اثر نام والے پر پڑتا ہے،ایک شخص کا نام تھا حزن اسے فرمایا تو سہل ہے۔

روایت ہے قطن ابن قبیصہ سے وہ اپنے والد سے راوی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عیافت اور کنکر پھینکنا۱؎اور پرندے اڑانا بتوں میں سے ہے۲؎(ابوداؤد)	

۱؎عیافت کی بہت شرحیں کی گئی ہیں مشہور شرح یہ ہے کہ پرندوں کے نام سے فال لینا عیافت ہے جیسے کسی نے عقاب دیکھ کر سمجھا کہ ہم کو عتاب یعنی عذاب ہوگا غراب(کوے)سے غربت وسفر سمجھنا،ہدہد سے ہدایت کا امیدوار ہونا یہ عیافت ہے،کنکر پھینکنا یا ریت میں لکیریں کھینچنا فال کے لیے یہ ہے طرق ط اور ر کے فتحہ سے۔
۲؎جبت سے مراد یا جادو ہے یا کہانت یا بت یا شیطان۔مطلب یہ ہے کہ یہ کام بت پرستوں،کاہنوں،جادوگروں کے سے ہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا پرندے اڑانا شرک سے	

	ہے ایہ تین بار فرمایااور نہیں ہے ہم سے کوئی مگر اللہ تعالٰی اس کو توکل سے لے جاتا ہے ۲(ابوداؤدو ترمذی)فرمایا ترمذی نے کہ میں نے محمد بن اسمٰعیل کو فرماتے سنا کہ سلیمان ابن حرب اس حدیث کے بارے میں فرماتے تھے۳کہ وما منا الا و لکن اللہ یذھبہ بالتوکل میرے نزدیک یہ ابن مسعود کا قول ہے ۴

اشرک عملی ہے مشرکوں کا سا کام یا شرک خفی۔

۲ الا کے بعد ایک عبارت پوشیدہ ہے یخطر فی بالہ اور لکن سے نیا کلام ہے یذھبہ میں ہ کی ضمیر اسی خطرہ کی طرف ہے،معنی یہ ہیں کہ ہم مسلمانوں سے جو کوئی بدفالیاں لیتا ہے تو وہ خطرات و شبہات میں پڑ جاتا ہے لیکن اللہ تعالٰی اس شبہ و خطرہ کو توکل کے ذریعہ ختم فرمادیتا ہے کہ جو کوئی توکل اختیار کرے وہ ان شبہات میں نہیں پڑتا۔اس مطلب کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہےاحمد،طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے مرفوعًا روایت کیا کہ جسے بدفالی اس کے کام سے روک دے وہ مشرک ہوگیا،اس کا کفارہ یہ ہے کہ یہ کہہ لے اللھم لاخیر الاخیرك ولا طیر الا طیرك ولا الہ غیرك"اس کی کچھ بحث تیسری فصل میں آئے گی۔ ان شاء اللہ!(مرقات)

۳سلیمان ابن حرب اس حدیث کے راویوں میں سے ہیں،قاضی مکہ تھے،بصرہ کے رہنے والےاپنے وقت کے امام فن تھے،آپ کے سبق میں چالیس ہزار طلباء ہوتے تھے،ماہ صفر ۱۴۰ھ ایک سو چالیس میں پیدا ہوئے اور ۱۵۸ھ ایک سو اٹھاون میں فن حدیث سے فارغ ہوئے،انیس سال تک حماد ابن زید محدث کے ساتھ رہے،امام احمد ابن حنبل کے استادوں میں سے ہیں،۲۲۴ھ دوسوچوبیس میں وفات پائی۔(مرقات)

۴یعنی یہ عبارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی نہیں بلکہ حضرت ابن مسعود کا اپنا قول ہے حدیث تو الطیر شرك پر ختم ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کوڑھی کا ہاتھ پکڑااسے پیالہ میں رکھ لیااور فرمایا کھا اللہ پر بھروسہ اسی پر توکل ہے ا(ابن ماجہ)

اکوڑھی کو ہاتھ لگانا پھر اس کا ہاتھ اپنے پیالہ میں ڈالنا،پھر اسے ساتھ کھلاناتینوں کام انتہائی توکل پر مبنی ہیں۔صرف مجذوم کو دیکھ کر ہی لوگوں کے دل دھڑک جاتے ہیں چہ جائے کہ اسے ساتھ کھلانا۔اس حدیث میں توکل کی تعلیم ہےاور پچھلی حدیث کو حضور انور نے مجذوم کو بیعت کیا بغیر مصافحہ کے وہاں تعلیم احتیاط تھی۔خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام نفرت والی بیماریوں سے محفوظ ہوتے ہیں جیسے کوڑھ،کھجلی وغیرہ۔(مرقات)حضرت ایوب

علیہ السلام کو جب وہ خاص بیماری آئی تو آپ پر تبلیغ فرض نہ رہی تھی پھر اس میں گفتگو ہے کہ انہیں بیماری کیا تھی۔

روایت ہے حضرت سعد ابن مالک سے[1] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ تو الو کوئی شئے ہے اور نہ مرض کا اڑکر لگنا نہ نحوست،اگر کسی چیز میں نحوست ہو تو گھر میں،گھوڑے اور عورت میں ہوگی [2](ابوداؤد)	

[1] حضرت ابوسعید خدری کا نام سعد،ان کے والد کا نام مالک ابن سنان یہ دونوں صحابی ہیں،خدرہ قبیلہ انصار کا ایک خاندان ہے اس لیے انہیں خدری کہا جاتا ہے،۷۴ھ چوہتر ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،بقیع سے باہر دفن ہیں یہاں وہ ہی مراد ہیں۔(اشعہ)

[2] محدثین نے اس عبارت کے چند مطلب بیان فرمائے:ایک یہ کہ طیرہ سے مراد نحوست ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو ان تین چیز میں ہوتی لیکن ان میں تو ہے نہیں لہذا کسی شے میں نہیں۔دوسرے یہ کہ اگر نحوست ہو تو ان تین میں ہوگی مگر یقین نہیں لہذا ان میں سے کسی چیز کو یقین سے منحوس نہ جانو۔تیسرے یہ کہ یہاں طیرہ سے مراد ناپسندیدگی ہے یعنی تین چیزیں کبھی دل کو ناپسند ہوتی ہیں نحوست مراد نہیں۔(مرقات)چوتھے یہ کہ عورت کی نحوست اس کا بانجھ ہونا،خاوند کا نافرمان ہونا گھر میں لڑائی رکھتا ہے،گھوڑے کی نحوست اس کا اڑیل ہونا،سرکش ہونا ہے کہ مالک کو سواری نہ دے،یوں ہی گھر کی نحوست یہ ہے کہ مسجد سے دور ہو وہاں اذان کی آواز نہ آتی ہو اور نہ وہاں ذکر اللہ ہوتا ہو۔(مرقات واشعہ)اس صورت میں حدیث بالکل ظاہر ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کام کے لیے روانہ ہوتے تو آپ کو یہ پسند تھا کہ سنیں اے راشد اے نجیح [1](ترمذی)	

[1] راشد کے معنی ہیں ہدایت یافتہ اور نجیح کے معنی ہیں کامیاب،کسی کام کو جاتے وقت یہ الفاظ سننا اس لیے پسند تھا کہ ان سے اللہ کے فضل و کامیابی کی امید ہوجاتی ہے۔معلوم ہوا کہ نیک فال لینا بالکل جائز ہے۔

روایت ہے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض چیزوں سے فال لیتے تھے چنانچہ آپ جب کسی کو عامل بنا کر بھیجتے تو اس کا نام پوچھتے اگر اس کا نام آپ کو پسند آتا تو اس سے خوش ہوتے[1] اور اس کی خوشی آپ کے چہرے میں دیکھی جاتی اور اگر اس کا نام ناپسند ہوتا تو اس کی ناپسندیدگی آپ کے چہرے میں دیکھی	

جاتی ۲؎ اور جب کسی بستی میں جاتے تو اس کا نام پوچھتے تو اگر اس کا نام پسند فرماتے تو اس سے خوش ہوتے اور اس کی خوشی آپ کے چہرہ انور میں دیکھی جاتی اور اگر اس کا نام ناپسند فرماتے تو آپ کے چہرہ میں اس کی ناپسندیدگی محسوس ہوتی ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ اپنی اولاد کے نام اچھے رکھو نام کا اثر نام والے پر پڑتا ہے،برے نام والے کو لوگ اپنے پاس نہیں بیٹھنے دیتے،اچھے نام والے کے کام بھی ان شاءاللہ اچھے ہوتے ہیں۔

۲؎ یعنی حضور برے ناموں کو بہت ناپسند فرماتے تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے پوچھا تیرا نام کیا ہے وہ بولا جمرہ(انگارہ) کہا کس کا بیٹا ہے کہا شہاب کا(شعلہ) کہا تو کہاں رہتا ہے بولا حراقہ میں(جلن) کہا کس محلّہ میں بولا بحرۃ النار میں(آگ کا دائرہ)فرمایا کس طرف بولا ذات نظی میں،آپ نے فرمایا تو اپنا گھر جا کر دیکھ جل چکا ہے دیکھا تو واقعی گھر اور گھر والے جل چکے تھے۔عرب کہتے ہیں الاسماء من السماء نام آسمان سے تعلق رکھتے ہیں۔(مرقات) اہل عرب اپنے بیٹوں کا نام رکھتے تھے اسد(شیر) ذئب (بھیڑیا) کلب(کتا)اور اپنے غلاموں کے نام رکھتے تھے راشد نجیح اور کہتے تھے کہ ہمارے غلام ہماری خدمت کے لیے ہیں اور ہمارے بیٹے دشمنوں کے مقابلہ کے لیے۔(مرقات)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچوں،غلاموں کے نام اچھے رکھو۔

۳؎ ہمارے ہاں پنجاب میں بعض دیہات کے نام ہیں نور پور،مدینہ،جماپور ایسے نام بڑے مبارک ہیں،بعض بستیوں کے نام ہیں شیطانیہ،خونی چک وغیرہ یہ نام اچھے نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بستیوں کے برے نام بھی ناپسند فرماتے تھے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ہم ایک گھر میں تھے جس میں ہماری تعداد اور ہمارے مال زیادہ ہوگئے پھر ہم دوسرے گھر میں منتقل ہوگئے جس میں ہماری تعداد و مال گھٹ گئی تو فرمایا اسے برا کر کے چھوڑ دو ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اس فرمان عالی کی بہت حکمتیں ہیں:ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر یہ لوگ اس زمین میں رہتے تو ہر وقت ان کے دلوں میں وسوسہ آتے دلوں کو سکون و چین میسر نہ ہوتا نہ معلوم کب کیا مصیبت آجائے گی گویا اس زمین کا چھوڑنا ان حضرات کے سکون قلبی کا ذریعہ تھا جس سے انہیں عبادات میں لذت ہو۔

روایت ہے یحیٰی ابن عبداللہ بن بحیر سے فرماتے ہیں کہ مجھے اس نے خبر دی جس نے فروہ ابن مسیک کو کہتے سنا ۱؎ کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہمارے پاس ایک زمین ہے جسے ابین کہا جاتا ہے ۲؎ اور وہ ہماری باغ اور	

کھیتی کی زمین ہے۳؎ اور اس کی وبا بہت سخت ہے تو فرمایا اسے اپنے سے جدا کردوکیونکہ قرف سے ہلاکت ہے۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یحییٰ ابن عبداللہ صنعان کے باشندے ہیں،ان سے حضرت معمر نے احادیث روایت کیں اور فروہ ابن مسیک صحابی ہیں،مسیک تصغیر ہے مسیک کی،آپ مرادی غطیفی ہیں،اہل یمن سے ہیں،حضور کی خدمت میں ۹ھ ہجری میں آئے،ایمان لائے عہد فاروقی میں کوفہ رہے،اپنی قوم کے سردار بڑے اعلیٰ درجہ کے شاعر ہیں۔

۲؎ ابین بروزن افعل ایک شخص کا نام ہے جس نے شہر عدن آباد کیا اس لیے اسے عدن ابین کہا جاتا ہے، یمن کے علاقہ میں ایک شخص کا نام بھی ابین ہے جو دریا کے قریب ہے،ایک شہر کا نام بھی ابین ہے،غرضکہ ابین بہت چیز کے نام ہیں جیسے ہمارے ہاں پنجاب میں بہاول ایک شخص کا نام تھااب بہاول پور،بہاول نگر شہروں کے نام ہیں اور بہاول بخش،بہاول خان آدمیوں کے نام ہیں۔

۳؎ یعنی وہ زمین بہت ہی زرخیز ہے۔اس کے کچھ حصہ میں باغ ہے اور کچھ حصہ میں کھیت،یہاں کی پیداوار دورجاتی ہے یا اس میں باغ ہے اور باغ کے درمیان کھیت جیساکہ اب بھی مدینہ منورہ میں دیکھا جاتا ہے۔

۴؎ قرف کے معنی ہیں قرب یعنی نزدیک ہونا یعنی ایسے وبائی زمین میں رہنا ہلاکت کا سبب ہے یہ طبّی مشورہ کے طور پر فرمایا کہ جس جگہ کی آب و ہوا موافق نہ ہو وہاں سے چلا جائے یہ مرض اڑکر لگنے کا مسئلہ نہیں اطباء بیماروں کو پہاڑوں پر بھیج دیتے ہیں گرم علاقہ سے منتقل کردیتے ہیں اسی وجہ سے اشعۃ اللمعات نے فرمایاکہ یہ حدیث اس پائے کی نہیں جس پایہ کی احادیث ممانعت ہیں،فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں وباء پھیل جائے وہاں سے بھاگو مت اور جہاں وبا پھیلی ہو وہاں جاؤ مت۔خیال رہے کہ گرنے والے مکان سے بھاگ جانا،زلزلہ کی حالت میں گھر سے باہر نکل جانا خلاف توکل نہیں مگر وبائی جگہ سے بھاگ جانا خلاف توکل ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عروہ بن عامر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شگون کا ذکر کیا گیا ۱؎ تو فرمایا ان میں اچھی فال ہے اورکسی مسلمان کو نہ لوٹائے ۲؎ تو جب تم میں سے کوئی وہ دیکھے جسے ناپسند کرتا ہوتو کہہ دے الٰہی بھلائیاں تیرے سوا کوئی نہیں لاتا اور برائیاں تیرے سوا کوئی نہیں دور کرتا،نہیں ہے طاقت اور نہیں ہے قوت مگر اللہ سے ۳؎ (ابوداؤد ارسالًا)	

۱؎ کہ لوگ بعض چیزوں سے بدشگونی لیتے ہیں بعض سے اچھا شگون اس کی حقیقت کیا ہے تب حضور نے وہ جواب دیا جو یہاں مذکور ہے۔

۲؎ فال سے مراد نیک فال ہے جو اچھی بات اچھا نام سننے سے لی جائے یعنی یہ جائز ہے لیکن کوئی شخص کسی کام کو جاتے وقت ناپسندیدہ چیز دیکھے یا سنے جس سے بدشگونی لی جائے تو وہ محض اس وجہ سے اپنے کام سے واپس نہ ہو،اللہ پر توکل کرے اور کام کو جائے۔

۳؎ یہ عمل بہت ہی مجرب ہے ان شاءاللہ اس دعا کی برکت سے کوئی بری چیز اثر نہیں کرتی تمام مروجہ بدفالیوں بدشگونیوں کا بہترین علاج ہے۔واللہ اعلم!

باب الکہانۃ

کہانت کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ کہانت کاف کے فتحہ سے غیبی خبر دینااور کہانت کاف کے کسرہ سے اس غیب گوئی کا پیشہ کرنا، بعض کاہنوں کا دعوٰی تھا کہ ہمارے پاس جنات آکر ہم کو غیبی چیزیں غیبی خبریں بتاتے ہیں کہ شیاطین آسمان پر جا کر فرشتوں کی باتیں سن کر ایک سچ میں سو جھوٹ ملا کر کاہنوں نجومیوں کو بتاتے ہیں۔بعض کاہن خفیہ علامات،اسباب سے غیبی چیزوں کاپتہ بتاتے ہیں انہیں عراف کہتے ہیں اور اس عمل کو عرافت یہ دونوں عمل حرام ہیں ان کی اجرت لینا دینا دونوں حرام ہیں۔(مرقات و اشعہ)لفظ کاہن بہت عام ہے۔نجومی،رمال،عراف سب کو کاہن کہا جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت معاویہ ابن حاکم سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم چند کام زمانہ جاہلیت میں کرتے تھے ہم کاہنوں کے پاس جاتے تھے ۲؎ فرمایا تم کاہنوں کے پاس نہ جاؤ ۳؎ فرماتے ہیں میں نے کہا ہم پرندے اڑاتے تھے فرمایا یہ ایسی چیز ہے جسے تم میں سے کوئی اپنے دل میں پاتا ہے تو یہ اسے روک نہ دے ۴؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کہ ہم سے بعض لوگ خط کھینچتے ہیں ۵؎ فرمایا حضرات انبیاء میں ایک نبی خط کھینچتے تھے ۶؎ تو جوان کے خط کے موافق ہوجائے تو یہ درست ہے ۷؎ (مسلم)	

۱؎ آپ صحابی ہیں سلمی ہیں مدینہ منورہ میں رہتے سہتے ہیں،۱۱۷ھ؁ ایک سو سترہ ہجری میں وفات پائی۔آپ سے عطا ابن یسار وغیرہ نے روایات لیں۔

۲؎ غیبی باتیں چھپی چیزیں گم شدہ مال چوری کا اسباب دل کی سوچی باتیں پوچھنے کے لیے فرمایا جائے کہ یہ عمل کیسا ہے۔

۳؎ کاہنوں سے غیبی خبریں پوچھنا حرام ہے انہیں عالم غیب جاننا ان کی خبروں کی تصدیق کرنا کفر ہے ہاں انہیں جھوٹا کرنے کے لیے ان سے کچھ پوچھ کرلوگوں پر ان کا جھوٹا ظاہر کرنا اچھا ہے کہ یہ تبلیغ ہے یہاں پہلی صورت مراد ہے اس سے منع فرمایا گیا ہے ۔

۴؎ یعنی یہ پرندے وغیرہ اڑانا نفس کے دھوکے ہیں انکی حقیقت کچھ نہیں اگر تم کسی کام کو جارہے ہو اور کوئی پرندہ بائیں طرف کو اڑتے دیکھو تو اپنے کام سے نہ رک جاؤ اپنے کام کو جاؤ رب تعالیٰ پر توکل کرو کام بننا نہ بننا اس کی طرف سے ہے۔

۵؎ یعنی علم جفر یا رمل کے طریقہ سے خطوط کھینچ کر غیبی خبریں معلوم کرتے ہیں ان کا یہ عمل ازروئے شریعت اسلامیہ جائز ہے یا نہیں۔

۶؎ یہ نبی یا تو حضرت دانیال ہیں یا حضرت ادریس علیہم السلام ان کا معجزہ یہ علم خط تھا۔یعنی علم جفر یا رمل جس سے وہ غیبی بات دریافت فرما لیتے تھے۔(مرقات)

۷؎ خلاصہ جواب یہ ہے کہ یہ عمل عوام کے لیے حرام ہے کیونکہ ان نبی کے خط سے مشابہت معدوم ہے یا موہوم اور معدوم و موہوم پر اعتماد کرنا ممنوع ہے۔(مرقات و اشعۃ اللمعات)

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے متعلق پوچھا ۱؎ تو ان سے رسول اللہ نے فرمایا کہ وہ لوگ کچھ نہیں عرض کی یارسول اللہ وہ لوگ بعض اوقات کچھ خبریں دیتے ہیں جو سچی ہوتی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بات حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے ۲؎ جسے جن اچک لیتا ہے تو اسے اپنے دوست کے کان میں ایسے ڈال دیتا ہے جیسے مرغی کاچوگا دینا ۳؎ یہ لوگ اس میں زیادہ جھوٹ ملا دیتے ہیں ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎ کہ کاہنوں کو غیب کی باتیں معلوم ہوتی ہیں یا نہیں کبھی انکی خبریں درست نکلتی ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے واضح ہے۔

۲؎ اس طرح کہ فرشتے لوح محفوظ سے غیبی باتیں معلوم کرکے آپس میں ذکر کرتے ہیں۔یہ جن چھپ چھپا کر اسے سن لیتے ہیں وہ بات کاہنوں تک پہنچاتے ہیں وہ بالکل درست صحیح ہوتی ہے۔

۳؎ بعض نسخوں میں بجائے دجاجہ کے زجاجہ ز سے ہے وہ درست نہیں مرغی اپنے بچے کے منہ سے منہ ملا کر دانہ کھلاتی ہے ایسے ہی یہ شیطان کاہن کے کان سے منہ ملا کر یہ بات چپکے سے بیان کرتا ہے۔دوسرا نہ سن سکے۔

۴؎ سو کا ذکر زیادتی بیان فرمانے کے لیے ہے صرف یہ عدد مراد نہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فرشتے عنان میں اترتے ہیں عنان بادل ہے ۱؎ تو وہ ان واقعات کاذکر کرتے ہیں جن کا آسمان میں فیصلہ کیا گیا ۲؎ تو شیاطین چوری سے

سنتے ہیں یہ سن کر کاہنوں کو خبر دیتے ہیں ان کے ساتھ اپنی طرف سے سو جھوٹ ملادیتے ہیں ۳؎(بخاری)	

۱؎عنان کی تفسیر بادل سے یا تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی یا کسی راوی نے بادل سے مراد یا تو آسمان دنیا یا جو یعنی آسمان و زمین کے درمیان کی فضا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب بادل نہ ہوں تو فرشتے کہاں اوترتے ہیں۔ (مرقات و اشعہ)

۲؎یعنی فرشتوں کا مقام آسمان ہے وہاں ان کو احکام الٰہیہ واقعات عالم کی اطلاع پہنچتی ہے پھر فرشتے آسمان سے اتر کرفضا میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں وہاں آپس میں ایک دوسرے سے ان غیبی واقعات کا ذکر کرتے ہیں یہاں شیاطین چوروں کی طرح چھپ کر سن لیتے ہیں۔

۳؎یعنی یہ شیاطین اگر ایک ہونے والی بات فرشتوں سے سنتے ہیں تو سو جھوٹی باتیں ملا کر ایک سو ایک باتیں اپنے کاہنوں کو سنا جاتے ہیں یہ سو باتیں جھوٹی ہوتی ہیں وہ ایک بات سچی ہوتی ہے لوگ اس ایک بات سچی کی سچائی دیکھ کر کاہنوں کو سچا سمجھ لیتے ہیں۔

روایت ہے حضرت حفصہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی نجومی کے پاس گیا۱؎پھر اس سے کچھ پوچھے تو اس کی چالیس شب کی نمازیں قبول نہ ہوں گی ۲؎(مسلم)	

۱؎اسے سچا سمجھ کر اس سے آیندہ غیبی خبریں پوچھنے کے لیے گیا اس کی وہ سزا ہے جو یہاں مذکور ہے لیکن اگر کوئی اسے جھوٹا سمجھ کر لوگوں کو اس کا جھوٹ ظاہر کرنے کے لیے اس کے پاس گیا اس سے کچھ پوچھا تاکہ اس کی جھوٹی خبر لوگوں کو سنادے اس کی یہ سزانہیں۔

۲؎یعنی اس کی یہ نمازیں ادا ہوجائیں گی اللہ کے ہاں ان کا ثواب نہ ملے گا جیسے غصب شدہ زمین میں نماز کہ اگرچہ ادا تو ہوجاتی ہے مگر اس پر ثواب نہیں ملتا لہذا ان نمازوں کا لوٹانا اس پر لازم نہیں ۔خیال رہے کہ نیکیوں سے گناہ تو معاف ہوجاتے ہیں۔مگر گناہوں سے نیکیاں برباد نہیں ہوتیں وہ تو صرف ارتداد سے برباد ہوتیں ہیں(مرقات)اور جب نمازیں ہی قبول نہ ہوئیں تو دوسری عباداتیں بھی قبول نہ ہوں گی بعض شارحین نے فرمایا کہ چالیس راتوں کی نمازیں سے مراد تہجد کی نمازیں ہیں۔فرائض و واجبات قبول ہوجائیں گے مگر حق یہ ہے راتوں سے مراد دن و رات سب ہیں اورکوئی نماز قبول نہیں ہوتی(اشعہ)دوسری حدیث میں ہے کہ ایسے شخص کی چالیس دن تک توبہ قبول نہیں ہوتی بہرحال نجومیوں سے غیب کی خبریں پوچھنا بدترین گناہ ہے۔

روایت ہے حضرت زید ابن خالد جہنی سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں نماز فجر پڑھائی اس بارش کے بعد جو اس رات ہوئی تھی ۱؎ جب فارغ ہوئے تو لوگوں پر توجہ فرمائی پھر فرمایا کہ کیا	

	تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا لوگ بولے اللہ رسول جانیں فرمایا کہ رب نے فرمایا میرے بندوں میں سے مجھ پر مؤمن و منکر نے صبح پائی ۲؎ جس نے کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل اس کی رحمت سے بارش ہوئی یہ مجھ پر مؤمن ہیں ستاروں کے انکاری ۳؎ لیکن جس نے کہا کہ ہم پر فلاں فلاں برج سے بارش ہوئی ۴؎ تو یہ میرا منکر ہے تاروں کا مؤمن(مسلم،بخاری)

۱؎ غالبًا یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوا۔حدیبیہ ایک جنگل ہے جدہ اور مکہ معظمہ کے درمیان بحیرہ منزل سے دور مکہ معظّمہ سے قریب اس کا کچھ حصہ حل میں ہے کچھ حصہ حرم میں یہاں بیعت رضوان ہوئی بڑا مقدس جنگل ہے ہم نے اس کی زیارت کی ہے۔

۲؎ یعنی رب تعالٰی نے فرمایا کہ اس بارش کی وجہ سے بعض بندے مؤمن رہے بعض کافر ہوگئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالٰی جو کلام فرشتوں سے فرماتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوتے ہوئے اسے سنتے ہیں جو رب کی سن سکتے ہیں وہ مخلوق کی بھی سن سکتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم

۳؎ یعنی وہ ستاروں کو مؤثر نہیں مانتے۔خیال رہے کہ ستاروں کو بعض چیزوں کی علامات ماننا درست ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ بِالنَّجۡمِ ھُمۡ یَھۡتَدُوۡنَ"مگر انہیں مؤثر ماننا حرام یا کفر ہے ستاروں سے وقت،سمت،آفتاب کا طلوع و غریب معلوم کرلیا جاتا ہے۔

۴؎ یعنی فلاں تارہ فلاں برج میں پہنچا لہذا بارش ہوئی اس کے تاثیر سے بادل اور برسا یہ کہنا حرام بلکہ بعض معانی سے کفر ہے۔خیال رہے کہ ستاروں کو فاعل مدبر ماننا کفر ہے انہیں بارش کی علامت ماننا اگرچہ کفر نہیں مگر یہ کہنا بہت ہی برا ہے کہ فلاں تارے سے یہ بارش ہوئی کہ اس میں کفار کے عقیدے کا اظہار ہے اور ناشکری کے الفاظ ہیں۔اس لیے بعض روایت میں ہے۔اصبح من الناس شاکرًا و کافرًا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اللہ تعالٰی آسمان سے کوئی رحمت نہیں اتارتا ۱؎ مگر اس کی وجہ سے لوگوں کا ایک گروہ کافر ہوجاتا ہے۔اللہ بارش اتارتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں ستارے سے ہوتی ہے ۲؎(مسلم)

۱؎ غالبًا برکت سے مراد بارش ہے من السماء کے معنی ہیں آسمان کی طرف سے آنا کیونکہ بارش آسمان سے نہیں آتی بادل سے آتی ہے ہاں آسمان کی طرف یعنی بلندی سے آتی ہے۔رب تعالٰی بارش کے متعلق فرماتا ہے:"وَ

نَزَّلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَکًا"اور ممکن ہے کہ برکت سے مراد عام نعمت ہو بارش ہوا،سورج چاند تاروں کی روشنی وغیرہ مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ یعنی فلاں تارے کے طلوع فلاں تارے کے غروب سے یا فلاں تارے کے فلاں برج میں جانے کی وجہ سے بارش ہوئی۔ خیال رہے کہ تاروں کو موثر حقیقی ماننا کفر ہے انہیں علامات مان کر یہ بات کہنا کفر نہیں مگر پھر بھی اچھا نہیں کہ اس سے عوام کے عقیدے بگڑنے کا اندیشہ ہے لہذا یہاں کافرین سے مراد یا اعتقادی کافر ہیں یا ناشکرے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے علم نجوم کا حصہ حاصل کیا اس نے جادو کا حصہ حاصل کیا ۱؎ جس نے اسے بڑھایا اتنا ہی اسے بڑھایا ۲؎(احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ علم نجوم سے مراد کہانت کا علم ہے کہ ستاروں سے علمِ غیب حاصل کیا جائے۔اسی علم کو جادو سے تشبیہ دینا اس کی انتہائی ذلت کے اظہار کے لیے ہے یعنی علم نجوم جادو کی طرح برا ہے جادو کفر ہے یا قریب کفر۔

۲؎ یعنی جس قدر علوم نجوم میں زیادتی کرے گا۔اس قدر گویا جادو میں زیادتی کرے گا اپنے گناہ بڑھائے گا۔لہذا دونوں جگہ زاد بمعنی ماضی ہے اور مازاد میں ما بمعنی مادام ہے بعض شارحین نے فرمایا کہ زاد مازاد حضرت عبداللہ ابن عباس کا قول ہے اور زاد کا فاعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضور نے علم نجوم کی برائی میں بہت زیادتی فرمائی لہذا مازاد مفعول ہے زاد کا۔(اشعۃ اللمعات)پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔خیال رہے کہ تاروں سے بارش کا وقت،آندھیاں چلنا سردی گرمی،ارزانی گرانی آیندہ کے حالات معلوم کرنا حرام ہے کہ یہ علوم غیبیہ ہیں جنہیں اللہ تعالٰی ہی جانتا ہے مگر ان سے اوقات اور راستے،سمت قبلہ معلوم کرنا بالکل حق ہے۔چاند کے طلوع کی خبر جو بذریعہ تاروں کے دی جائے شرعًا معتبر نہیں حضرت فرماتے ہیں کہ علم نجوم اس قدر حاصل کرو جس سے تم سمت قبلہ اورر استے معلوم کرلو پھر باز رہو(مرقات)لہذا علم توقیت برحق ہے۔یوں ہی علم ریاضی،علم ہیئت وغیرہ درست ہے اپنی حد میں رہ کر۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہ کاہن کے پاس جائے ۱؎ پھر اس کی تصدیق کرے یا اپنی بیوی کے پاس بحالت	

	حیض جائے یا اپنی بیوی کے پاس اس کی دبر میں جاوے تو وہ اس سے بری ہوگیا جو اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا ۲؎(احمد،ابوداؤد)

۱؎کاہن و عراف میں فرق یہ ہے کہ کاہن وہ جو آئندہ کی خبریں دے عراف وہ جو موجود چھپی خبریں بتائے کہ تمہاری چوری فلاں نے کی ہے فلاں چیز فلاں جگہ رکھی ہے۔

۲؎بحالت حیض یا دبر میں صحبت حرام قطعی ہے اس کا حلال جاننے والا کافر ہے وطی بحالت حیض کی حرمت تو نص قرانی سے ثابت ہے فرماتاہے:"لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى یَطْهُرْنَ"اور فرماتاہے:"قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ"مگر دبر میں صحبت کی حرمت احادیث صحیحہ سے بھی ثابت ہے اور اشارۃً قرآن سے بھی اور وطی بحالت حیض کی حرمت پر قیاس کی وجہ سے بھی یہ قیاس قطعی ہے لہذا دبر میں صحبت حرام قطعی ہے جو حرام جان کر ایسی حرکت کرے وہ سخت بدکار گنہگار ہے۔اس کی تحقیق ہماری تفسیر نعیمی میں ملاحظہ فرماؤ۔خیال رہے کہ لڑکوں سے دبر میں صحبت کرنا صریحی قطعی نص سے حرام ہے قوم لوط پر اسی وجہ سے عذاب آیا اور عورت سے دبر میں صحبت قیاس قرآنی سے حرام یہ فرق ضرور خیال میں رہے۔لہذا اصول فقہ والوں کا اسے قیاس شرعی سے حرام فرمانا بالکل درست ہے جیسا کہ نور الانوار اور توضیح تلویح وغیرہ میں ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا جب اللہ تعالٰی آسمان میں کسی چیز کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے پست ہو کر اپنے پر بچھادیتے ہیں ۱؎اس کے فرمان پر گویا کہ وہ پتھر کی چٹان پر زنجیر ہے ۲؎پھر جب ان کے دلوں سے کھول دیا جاتا ہے تو کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا ۳؎وہ کہتے ہیں رب کے فرمودہ کے متعلق کہ حق فرمایا ۴؎اور وہ بلند ہے بڑائی والا تو اسے چھپ کر سننے والے اس طرح سنتے ہیں کہ ان کے بعض بعض کے اوپر ہوتے ہیں سفیان نے اپنے ہاتھ سے یوں بیان کیا کہ اسے مائل کیا اور اپنی انگلیوں کے درمیان کشادگی کی ۵؎تو وہ بات سنتا ہے اسے اپنے نیچے والے کیطرف ڈال دیتا ہے پھر دوسرا اسے اپنے

	نیچے والے کی طرف ڈالتا ہے ٦؎ حتی کہ اسے جادو گر کاہن کی زبان پر ڈال دیتا ہے تو اکثر شہاب اسے ڈالنے سے پہلے لگ جاتا ہے اور اکثر وہ اسے لگنے سے پہلے ڈال دیتا ہے ٧؎ تو اس کے لیے سو جھوٹ بنا دیتا ہے ٨؎ تو کہا جاتا ہے کہ کہا اس نے ہم سے فلاں فلاں دن فلاں فلاں بات نہ کہی تھی اسی ایک وجہ سے اس کاہن کی تصدیق کی جاتی ہے مگر آسمان سے سنی گئی ٩؎ (بخاری)

١؎ یعنی جب اللہ تعالٰی اپنے کسی فیصلہ کا فرشتوں میں اعلان فرماتا ہے تو فرشتے اظہار انکسار کے لیے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔بعض فرشتوں کے دو پر ہیں بعض کے تین بعض کے چار۔

٢؎ یعنی فرمان الٰہی کی آواز ایسی ہوتی ہے جیسے صاف چکنے پتھر والے لوہے کی پتلی زنجیر کھینچو نہایت باریک اس کا سمجھنا بہت دشوار الفاظ غیر واضح۔

٣؎ یعنی جب وہ آواز ختم ہوجاتی ہے اور فرشتوں کے دلوں سے وہ ہیبت جاتی رہتی ہے تو بعض فرشتے بعض سے پوچھتے ہیں یہ پوچھنا ایسا ہوتا ہے جسے طلباء سبق پڑھ کر آپس میں تکرار کرتے ہیں۔

٤؎ یعنی رب نے جو کچھ فرمایا بالکل حق فرمایا یہاں حق مقابل ہے باطل کا یا بمعنی ثابت ہے ۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ روزانہ کے واقعات کا ذکر رب تعالٰی فرشتوں سے فرماتا ہے،گناہوں کی بخشش،مصیبتوں کا دور کرنا،کسی قوم کی ترقی،کسی کا تنزل،بیماروں کی شفاء، تندرستوں کو بیمار کرنا،ذلیلوں کو عزت دینا،عزت والوں کو ذلیل کرنا فقیروں کو غنی کرنا،اغنیاء کو فقیر بنادینا۔غرض کہ لوح محفوظ میں تحریر قول میں لائی جاتی ہے۔(مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ رب تعالٰی ان فرشتوں کو علوم غیبیہ پر مطلع فرماتا ہے اور جو فرشتے لوح محفوظ پر مقرر وہ تو کائنات کے ذرہ ذرہ سے خبردار ہیں۔

٥؎ یعنی زمین سے آسمان تک جنات کے پرے اوپر نیچے ایسے کھڑے ہوجاتے ہیں جیسے مائل ہاتھ کی متفرق کھلی انگلیاں۔

٦؎ اس ڈالنے اور بتانے کا سلسلہ اس طرح چلتا ہے کہ آسمان سے قریب والے جن فرشتوں کی باتیں سن کر فورًا اپنے نیچے والے جن کو سنادیں اس نے اپنے نیچے والے کو اس نے اپنے نیچے والے کو حتی کہ آخری پرے نے اپنے دوست کاہن کو سنادیں یہاں ساحر سے مراد کاہن نجومی ہے۔

٧؎ یعنی پہلا جن جو فرشتوں سے باتیں چراتا ہے اس کو شعلہ آگ کا ضرور لگتا ہے مگر کسی کو یہ خبریں سنادینے کے بعد اور کسی کو سنادینے سے پہلے پھر یہ شعلہ کبھی تو اس جن کو ہلاک کرتا ہے جلا کر اور کبھی جلاتا نہیں صرف دیوانہ کردیتا ہے۔(مرقات)خیال رہے کہ ہلکی آگ کو قوی آگ فنا کرسکتی ہے۔جن ہلکی آگ سے پیدا ہیں اور شعلہ کی آگ بہت قوی ہوتی ہے۔لہذا یہ اسے جلا کر فنا کردیتی ہے۔

۸؎ یا تو پہلا جن ہی یہ ملاوٹ کردیتا ہے یا آخری جن جو کاہن کو سناتا ہے وہ ملاوٹ کرتا ہے دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔
۹؎ کاہن کی جھوٹی خبروں کی اشاعت نہیں کرتے لوگ اس ایک سچی خبر کی دھوم مچادیتے ہیں کہ فلاں خبر سچی تھی لہذا کاہن سچا ہے آج کل طبیبوں عاملوں کے متعلق یہ دیکھاجارہا ہے۔اگر کوئی طبیب پچاس بیماروں سے قبرستان بھردے مگر دو چار کو صحت ہوجائے تو اسکی صحت و شفاء کا شہرہ ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک انصاری نے خبر دی اس حالت میں کہ ہم ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے تھے،ایک تارا ٹوٹا،اور روشنی پھیل گئی ۱؎ تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جاہلیت میں کیا کہتے تھے جب اس جیسا تارا ٹوٹتا تھا ۲؎ وہ بولے کہ اللہ اور اس کا رسول خوب جانیں۔ہم تو یہ کہتے تھے کہ آج رات یا تو کوئی بڑا آدمی ۳؎ پیدا ہوا یا کوئی بڑا آدمی مرا ہے۔تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ تارے نہ تو کسی کی موت کے لیے مارے جاتے ہیں نہ کسی کی زندگی کیلیے ۴؎ لیکن ہمارا رب کہ مبارک ہے اس کا نام جب کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے ۵؎ تو حاملین عرش تسبیح کرتے ہیں پھر اس آسمان والے تسبیح کرتے ہیں جو انکے قریب ہیں حتی کہ تسبیح اس دنیا کے آسمان والوں تک پہنچ جاتی ہے ۶؎ پھر حاملین عرش کے قریب والے حاملین عرش سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایاوہ انہیں خبر دیتے ہیں ۷؎ فرمایا کہ پھر بعض آسمان والے بعض سے خبریں پوچھتے ہیں حتی کہ اس آسمان دنیا تک خبر پہنچ جاتی ہے۔تو جنات سنی باتوں کو اچک لیتے ہیں ۸؎ تو اپنے دوستوں تک ڈال دیتے ہیں اور مار دیئے جاتے ہیں ۹؎ پھر کاہن جو کچھ اس کے موافق لاتے ہیں وہ حق ہے ۱۰؎ لیکن وہ تو اس میں جھوٹ ملادیتے ہیں اور بڑھادیتے ہیں ۱۱؎ (مسلم)	

۱؎ کہ تھوڑی دیر کے لیے سارے عالم میں سرخ یا سبز یا سفید روشنی ہوگئی جب کہ اب بھی کبھی دیکھا جاتا ہے۔

۲؎ ان کا عقیدہ پوچھنا اس کی تردید کے لیے تھا اور اصل صحیح عقیدہ سمجھانے کے لیے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔(مرقات)
۳؎ یعنی بچہ پیدا ہوا جو آگے چل کر شاندار انسان بنے گا اس کی خوشی میں تارا ٹوٹا۔
۴؎ یعنی تم لوگوں کا یہ خیال غلط ہے تاروں کے ٹوٹنے کا تعلق کسی انسان کی موت یا زندگی سے نہیں۔
۵؎ یعنی رب تعالٰی عالم کے انتظام کے متعلق اپنے کسی فیصلہ کی خبر فرشتوں کو دیتا ہے کہ ہم نے فلاں قوم کو ذلیل کرنا ہے وغیرہ وغیرہ۔
۶؎ جیسے بادشاہ جب اپنے خاص درباریوں کو اپنے کسی ارادے پر مطلع کرتا ہے تو درباری ادب سے سر جھکا کر کہتے ہیں حضور بالکل حق ہے بالکل درست ہے وغیرہ ایسے ہی فرشتے ارادۂ الٰہی کی خبر پاکر ادب سے تسبیح پڑھتے ہیں ۔خیال رہے کہ یہاں قضا یعنی فیصلہ الٰہی کا ذکر ہے نہ کہ مشورہ کا چنانچہ رب تعالٰی نے فرشتوں کو خبر دی کہ "اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرْضِ خَلِیۡفَۃً"میں فیصلہ کی خبر نہ تھی بلکہ بطور مشورہ ان سے کہا گیا تھا کہ تمہاری اس میں کیا رائے ہے لہذا وہاں فرشتوں نے آزادی سے رائے ظاہر کردی کہ خلافت کے مستحق ہم ہیں اگر وہاں قضا و فیصلہ کی خبر ہوتی تو فرشتے وہاں بھی تسبیح ہی پڑھتے۔لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں قرآن کے احکام واجب العمل ہیں جیسے نماز و زکوۃ کا حکم مگر قرآنی مشورہ واجب العمل نہیں مستحب ہیں جیسے قرض کا لکھ لینا۔
۷؎ اس فرمان عالی سے دو مسئلہ معلوم ہوئے: ایک یہ کہ رب تعالٰی کی خبر صرف حاملین عرش ہی سنتے ہیں باقی فرشتوں کو پھر یہ لوگ بتاتے ہیں،دوسرے یہ کہ اللہ تعالٰی نے فرشتوں کو ان پر مطلع فرمایا ہے،حاملین عرش کو بلاواسطہ اور دوسرے فرشتوں کو ان حاملین کے ذریعہ سے۔
۸؎ اس طرح کہ جب یہ چیزیں دنیا کے آسمان یعنی پہلے آسمان والے فرشتوں کو ان کے اوپر والے بتاتے ہیں تو وہاں چھپے ہوئے جنات جو کان لگائے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں سن لیتے ہیں۔
۹؎ یعنی بعض دفعہ یہ جن یہ باتیں سنا کر شہاب سے مارے جاتے ہیں اور کبھی اس سے پہلے ہی۔
۱۰؎ یعنی جب یہ کاہن لوگ وہ بات جو اس جن سے سنی ہے وہ لوگوں کو بتاتے ہیں تو حق ہوتی ہے اس کے علاوہ جو بتاتے ہیں وہ ناحق ہوتی ہے۔
۱۱؎ یہ زیادتی ننانوے فی صد ہوتی ہے یعنی سو میں ایک بات درست اور ننانوے باتیں جھوٹی ہوتی ہیں۔

	روایت ہے حضرت قتادہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے ان تاروں کو تین مقصدوں کے لیے پیدا فرمایا ۲؎ انہیں آسمان کی زینت اور شیاطین کی مار بنایا ۳؎ اور نشانیاں بنایا جن سے ہدایت لی جاوے ۴؎ تو جو ان میں اس کے سوا تاویل کرے ۵؎ اس نے خطا کی اور اپنا حصہ ضائع کیا اور اس کا تکلف کیا جو وہ جانتا نہیں ۶؎ اسے بخاری نے

	تعلیقًا روایت کیا۔اور رزین کی روایت میں ہے کہ اس نے غیر مفید چیز کا تکلف کیا۔اور اس کا جس کا اسے علم نہیں،اور جس کے علم سے انبیاء و فرشتے ۷عاجز نہیں

۱آپ تابعی ہیں اور اس زمانہ کے مفسرین کے امام ہیں آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے ہیں۔

۲یعنی تاروں کے بڑے بڑے مقصد یہ تین ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں صراحۃً ہے۔ورنہ تاروں کی پیدائش کے ہزار ہا مقصد ہیں۔

۳چنانچہ قرآن مجید فرماتاہے:"زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصٰبِیۡحَ"اور فرماتاہے:"وَ جَعَلْنٰہَا رُجُوۡمًا لِّلشَّیٰطِیۡنِ"یہ تارے آسمان پر ایسے محسوس ہوتے ہیں جیسے نیلی چادر پر رنگ برنگے سلمے ٹکے ہیں۔

۴کہ تاروں سے وقت اور سمت معلوم کی جاتی ہے۔قطب تارے پر سمندری سفر،سمت قبلہ وغیرہ موقوف ہیں مسجدیں اس تارے سے بنائی جاتی ہیں رب فرماتا ہے:"وَ بِالنَّجْمِ ہُمْ یَہۡتَدُوۡنَ"لہذا ستاروں کی یہ تین صفات برحق ہیں۔

۵اس طرح کہ ان سے غیبی چیزیں معلوم کرے ان کو مؤثر مانے بارشیں موسم ان سے ثابت کرے جس کا نتیجہ شرک ہے۔

۶یعنی رب تعالٰی نے اسے ان چیزوں کا مکلّف نہیں کیا وہ غیر ضروری چیزوں میں پھنس کر ضروری عبادات سے غافل ہوجاتا ہے۔

۷یعنی حضرات انبیاء اورفرشتے بھی تاروں سے غیبی خبریں معلوم نہیں کرتے ان کے علوم وحی الٰہی ارشاد ربانی سے ہوتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان حضرات کو غیبی علوم دیئے نہیں گئے مقصد یہ ہے کہ ان تاروں کے ذریعے نہیں دیئے گئے یا یہ مطلب ہے کہ حضرات انبیاء کرام نے مخلوق کو تاروں کے ذریعہ ہدایت نہ دی بلکہ اپنے ارشادات اور ربانی کلام کے ذریعے ہدایت دی علم بمعنی تعلیم لہذا تم ان تاروں میں سوچ بچار کرنے کی بجائے کتاب و سنت میں سوچ و بچار کرو۔(ازمرقات)

	اور ربیع سے اسی کی مثل مروی ہےاور یہ زیادتی ہے کہ رب کی قسم! اللہ نے تارے میں نہ کسی کی زندگی رکھی ہےنہ رزق نہ موت یہ لوگ اللہ پر جھوٹ ہی باندھتے ہیں اور تاروں سے بہانہ بناتے ہیں ۱

۱یعنی انتظامات دنیا مخلوق کی موت و زندگی،فراخی،تنگی،بارش وخشکی میں تارے موثر نہیں یہ سب کچھ اللہ کی قدر ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ تارے حالات میں موثر نہیں ہاں بعض حالات کی علامات ہیں۔اور علامات سے حالات وابستہ نہیں ہوتے بادل بارش کی علامت ہے۔اس کی علت نہیں بارہا بادل آتے ہیں بارش نہیں ہوتی۔صحبت اولاد کی علامت

یا حد درجہ سبب ہے اس کی علت نہیں لہذا علم نجوم باطل بھی ہے اور صحیح بھی موثر ماننا باطل ہےعلامت ماننا برحق ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص علم نجوم کا کوئی باب اس کے سوا کے لیے حاصل کرے جو اللہ نے ذکر فرمایا ۱؎ تو اس نے جادو کا حصہ سیکھا،نجومی کاہن،جادو گر،اور کاہن جادو گر کافر ہے ۲؎(رزین)

۱؎ یعنی گزشتہ مذکورہ تین چیزوں کے سوا اور چیزیں ستاروں سے معلوم کرے۔

۲؎ کہ جادو گر اپنے عمل سے اور کاہن اپنی باتوں سے لوگوں کے دلوں پر اثر کرتے ہیں یہ دونوں عمل یا کفر ہیں۔یا کفر ان یعنی ناشکری یہ پہلے بتایا گیا کہ علم نجوم کفر بھی ہے حرام بھی ہے اور درست بھی۔

	روایت ہے ابو سعید سے،فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر اللہ اپنے بندوں سے پانچ سال بارش روک لے پھر بھیجے ۱؎ تب بھی لوگوں کا ایک ٹولہ کافر ہی ہو کہ وہ کہیں کہ ہم برج مجدح کی وجہ سے برسائے گئے ۲؎(نسائی)

۱؎ پانچ سال کا ذکر بطور مثال ہے اس سے مقصود دراز مدت ہے یعنی اگر دراز مدت اور بہت انتظار کے بعد بھی بارش آوے تب بھی شکر نہیں کرتے کفر ہی کرتے ہیں۔

۲؎ مجدح میم کے کسرہ سے چاند کی ایک خاص منزل کا نام ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ جب چاند اس میں داخل ہوتا ہے تو ضرور بارش آتی ہے۔بعض نے فرمایا کہ مجدح تین تاروں کا نام ہے جن کے متعلق عرب کا عقیدہ تھا کہ بارش ان سے ہوتی ہے۔(اشعہ مرقات)جدح کہتے ہیں ستو گوندھنے کو ان تاروں کی شکل و ترتیب ایسی واقع ہے۔جیسے کوئی بیٹھا ہوا ستو گوندھ رہا ہے اس لیے انہیں مجدح کہتے ہیں۔جیسے عقرب قوس وغیرہ منزل ہے۔

کتاب الرؤیا

خواب کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ رؤیا بناہے رؤیت سے بمعنی دیکھنا مگر رؤیت عام ہے رؤیا خاص،رؤیت تو دیکھنے کو کہتے ہیں آنکھ سے دیکھنا ہو یا دل سے دیکھنا مگر رؤیا صرف خواب کو کہا جاتا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا"اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ"الخ ۔رؤیا مصدر ہے بشرہ شوری،سقیا۔خواب کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ جیسے بیداری میں دل کے خیالات یا الہام الٰہی ہوتے ہیں یا وسوسہ شیطانی یوں ہی خواب سونے والے کے دل کے خیالات ہی سچے خواب الہام الٰہی ہیں،جھوٹے خواب شیطانی وسوسہ،ہمارے خواب نفسیاتی،شیطانی،رحمانی ہر طرح کے ہوتے ہیں مگر حضرات انبیاءکرام کے خواب رحمانی ہی ہوتے ہیں حتی کہ ان کے خوابوں پر شرعی احکام جاری ہوتے ہیں،دیکھو نماز کی اذان حضرات صحابہ کی خواب سے جاری ہوئی،حضور کی تصدیق فرمادینے کی وجہ سے بعض خوابیں بالکل واضح ہوتی ہیں جیسے صحابہ کی اذان کی خواب بعض مجمل جیسے شاہ مصر نے قحط کے سالوں کو گایوں بالیوں کی شکل میں دیکھا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ باقی رہیں موت سے مگر بشارتیں۱؎ لوگوں نے عرض کیابشارتیں کیا ہیں فرمایا اچھی خواب ۲؎(بخاری)	

۱؎ یعنی ہماری وفات پر وحی،نبوت تا قیامت ختم ہوجائے گی مگر نبوت کا ایک حصہ یعنی ڈرانا اور بشارت باقی رہے گا۔رب تعالٰی خوابوں کے ذریعہ علوم غیبیہ اگلے حالات پر اطلاع برابر جاری رکھے گا خوابیں غیبی خبریں دیتی رہیں گی،خوابیں بشارت بھی ہوتی ہیں ڈراتی بھی ہیں مگر تغلیبًا بشارت فرمایا۔(مرقات)

۲؎ صالحًا سے مراد یا سچی خوابیں یا اچھی خوشی کی خوابیں عمومًا خوشی کی خواب کو رؤیا کہتے ہیں اور ڈراؤنی خواب کو حلم مگر یہاں رؤیا سے عام خواب مراد ہے اچھی ہو یا ڈراؤنی۔(اشعہ و مرقات)خیال رہے کہ رؤیا بمعنی خواب آتا ہے مگر جب اس کے بعد رؤیت کا کوئی مشتق آجاوے تو بیداری میں دیکھنے کے بھی معنی دیتا ہے،رب فرماتاہے:"وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡیَا الَّتِیۡۤ اَرَیۡنٰکَ اِلَّا فِتۡنَۃً لِّلنَّاسِ"۔حضور انور نے معراج کی شب سارے عالم

غیب کو اپنی آنکھوں سے بیداری میں دیکھا مگر اسے رب نے رؤیا فرمایا،چونکہ آگے آرہا ہےارینٰك اس لیے وہاں آنکھ سے بیداری میں دیکھنا مراد ہوا۔معراج جسمانی کے منکر اسی لفظ رؤیا سے جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں۔

مالک نے بروایت عطاء ابن یسار یہ زیادتی کی کہ جسے مسلمان آدمی دیکھے یا اسے دکھائی جاوے ۱؎	

۱؎یعنی مسلمان خود خواب دیکھے یا دوسرا شخص اس کے متعلق خواب دیکھے۔طبرانی نے بروایت عبادہ ابن صامت حدیث نقل فرمائی کہ مؤمن کا خواب اس کا اپنے رب سے کلام کرنا ہے یا رب کا اس سے کلام کرنا۔
(مرقات)خواب میں رب تعالیٰ کا دیدار بھی ہوسکتا ہے،ہمارے امام اعظم نے ننانوے بار رب تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔یراھا اور اوتری له سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض خواب انسان خود دیکھتا ہے کہ دن میں جو خیالات رکھتا ہے وہ ہی خواب دیکھتا ہے اور بعض خواب رب کی طرف سے دکھائے جاتے ہیں،مؤمن کے یہ خواب الہام کا حکم رکھتے ہیں انہیں کو رؤیا صالحہ کہتے ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اچھی خواب ۱؎ نبوت کا چھیالیسواں ہے ۲؎(مسلم و بخاری)	

۱؎رؤیاصالحه سے مراد سچی خواب ہے جو نہ شیطانی وسوسہ سے ہو نہ دل کے خیالات سے بلکہ خاص رحمان کی طرف سے ہو جس قدر تقویٰ اعلیٰ اس قدر خوابیں سچی ہوتی ہیں۔خیال رہے کہ کبھی کفار و فساق کی خوابیں بھی سچی ہوتی ہیں،شاہ مصر کافر تھامگر اس نے آیندہ کے سات سال کی قحط سالی بالیوں کی شکل میں دیکھی،حضرت یوسف علیہ السلام نے تعبیر دی اور وہ خواب سچی تھی اس کی اس خواب کے بہت اعلیٰ نتیجے ہوئے۔
۲؎اس کا حقیقی مطلب رب تعالیٰ جانے یا اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم۔بعض شارحین نے فرمایا کہ حضور کی نبوت کا زمانہ تئیس سال ہے اور ظہور نبوت سے پہلے چھ ماہ یعنی نصف سال آپ کو بہت ہی سچی اور اعلیٰ خوابیں آئیں تو زمانہ خواب زمانہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے اس لیے خواب کو چھیالیسواں حصہ فرمایا گیا۔ واللہ اعلم!بعض روایا ت میں ہےسترواں حصہ ہے،بعض میں ہے پچاسواں حصہ ہے۔ فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم کے اچھے اخلاق اور میانہ روی نبوت کا چوبیسواں حصہ ہے لہذا چاہیے یہ کہ فرمان پر ایمان لاؤ مطلب اللہ رسول کے سپرد کرو,بعض نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھیالیس خصوصی صفات عالیہ عطا ہوئیں جن میں سے ایک صفت اچھی خواب ہے،بعض نے فرمایا کہ اس سے عدد خاص مراد نہیں بلکہ زیادتی بیان کرنا مقصود ہے یا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی چھیالیس قسم کی ہوئی ہے بلاواسطہ جبریل،بواسطہ جبریل،پھر گھنٹہ کی سی آواز،صاف بیان حق تعالیٰ کا خواب میں کچھ فرمادینا حتی کہ معراج میں مشاہدہ جمال کراکر کلام فرمایا ان چھیالیس حصہ سے ایک خواب بھی ہے لہذا یہ خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔(اشعہ)خیال رہے کہ حضور پر نبوت ختم ہوچکی مگر نبوت کے اوصاف تاقیامت باقی ہیں اوصاف نبوت یا اجزاء نبوت بعینہٖ نبوت نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا ۱؎ کیونکہ شیطان میری شکل نہیں بن سکتا ۲؎ (مسلم و بخاری)	

۱؎ یعنی جو شخص خواب میں ایک شکل دیکھے اور سمجھے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تووہ حضور اقدس ہی ہیں شیطان آپ کی شکل بن کر نہیں آیا خواہ وہ شخص حضور کو بچپن شریف کی عمر میں دیکھے یا جوانی کی عمر میں یا بڑھاپے شریف کی عمر میں۔خیال رہے کہ خواب میں حضور کا نورانی چہرہ چمکدار دیکھنا اپنے درستی عقائد کی علامت ہے اور چہرہ انور میں سیاہی دیکھنا اپنے دل کی سیاہی بدعقیدگی ہے،حضور کا لباس صاف سفید اپنے نیک اعمال ہونے کی علامت ہے،لباس مبارک کثیف دیکھنا اپنے اعمال خراب ہونے کی علامت ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئینہ حق نما ہے آئینہ میں اپنا چہرہ نظر آتا ہے۔شعر

گفت من آئینہ منقول دوست　　　　ترکی و ہندی بہ بیند آنچہ است

اگر خواب میں حضور کوئی ناجائز حکم دیں تو وہ ہمارے اپنے سننے میں فرق ہے،کسی نے خواب میں دیکھا کہ حضور فرماتے ہیں **اشرب خمرا** تم شراب پیو اس کی تعبیر دی گئی کہ حضور نے فرمایا ہے **لاتشرب** تو نے غلطی سے سن لیا **اشرب** یا **خمر** سے مراد شراب طہور شراب محبت ہے۔

۲؎ علماء فرماتے ہیں کہ شیطان خواب میں خدا بن کر آسکتا ہے مگر مصطفی بن کر نہیں آسکتا کیونکہ حضور ہادی مطلق ہیں اور شیطان مضل مطلق گمراہ گر ہادی کی شکل میں کیسے آئے ضدین جمع نہیں ہوسکتیں اللہ تعالٰی ہادی بھی ہے مضل بھی دیکھو مدعی الوہیت کے ہاتھ پر عجائبات ظاہر ہوسکتے ہیں جیسے دجال مگر مدعی نبوت کے ہاتھ پر کبھی عجائبات ظاہر نہیں ہوسکتے۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے ابوقتادہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے مجھے دیکھا اس نے حق دیکھا ۱؎ (مسلم و بخاری)	

۱؎ اس حدیث کے چند معنی کیے گئے ہیں:ایک یہ کہ دیکھنے سے مراد ہے خواب میں دیکھنا اور حق سے مراد ہے واقعی دیکھنا باطل کا مقابل یعنی جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے واقعی مجھے دیکھا وہ شکل خیالی یا شیطانی نہیں میری ہے۔دوسرے یہ کہ تاقیامت جو ولی بیداری میں مجھے دیکھے گا وہ مجھ ہی کو دیکھے گا۔شیطان میری شکل میں اس کے سامنے نہ آئے گا۔بعض اولیاء بیداری میں حضور کو دیکھتے آپ سے کلام کرتے ہیں،مصافحہ و معانقہ کرتے ہیں۔شیخ ابو مسعود ہر نماز کے بعد حضور انور سے مصافحہ کرتے تھے،ابوالحسن شاذلی فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضور انور نے فرمایا اے علی اپنے کپڑے پاک رکھو،نور الدین یحیٰی نے روضہ انور سے جواب سلام سنا،شیخ ابوالعباس کہتے ہیں کہ اگر میں ایک ساعت بھی حضور کا جمال نہ دیکھو تو اپنے مرتد ہوجانے کا فتویٰ دوں،حضرت غوث پاک وعظ فرمارہے تھے کہ شیخ علی ابن ہیتی سامنے بیٹھے تھے کہ انہیں نیند آگئی حضور غوث پاک منبر سے اتر کر ان کے پاس باادب کھڑے

ہوگئے اور حاضرین سے فرمایا با ادب رہو خاموش رہو کچھ دیر بعد علی بیدار ہوئے جناب غوث پاک نے فرمایا اے علی کیا تم نے خواب میں حضور کی زیارت کی بولے ہاں،فرمایا اس لیے میں تمہارے پاس پاس باادب کھڑا ہوگیا،فرمایا تم کو حضور نے کیا حکم دیا عرض کیا آپ کی مجلس میں حاضر رہنے کا،شیخ علی نے کہا کہ جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا جناب غوث نے بیداری میں دیکھا غرضکہ بیداری میں حضور کو دیکھنا اولیاءاللہ سے ثابت ہے یہ حدیث اس کی دلیل ہے۔(اشعۃ اللمعات) کوئی شخص اس دنیا میں آنکھوں سے بیداری میں رب تعالٰی کو نہیں دیکھ سکتا،قرآن مجید فرماتاہے:"لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصٰرُ"ان آنکھوں سے رب کو صرف حضور انور نے بیداری میں دیکھا مگر زمین پر رہ کر نہیں بلکہ عرش سے ورا جاکر یعنی معراج کی رات،ہاں خواب میں رب تعالٰی کی زیارت ہوسکتی ہے بلکہ بعض خواص کو ہوئی ہے،حضور انور صبح کی نماز میں دیر سے آئے بعد نماز فرمایا میں نے رب کو اچھی صورت میں دیکھا جیساکہ ہم نے باب المساجد میں اس حدیث کی شرح میں لکھ چکے ہیں،بعض لوگ اس حدیث کے معنی یہ کرتے ہیں کہ یہاں حق سے مراد رب تعالٰی کی ذات ہے اور معنی یہ ہیں کہ جس نے مجھے دیکھااس نے خدا تعالٰی کو دیکھ لیا کیونکہ حضور انور آئینہ ذات کبریا ہیں جیسے کہا جائے کہ جس نے قرآن مجید پڑھا اس نے رب سے کلام کرلیا یا جس نے بخاری دیکھی اس نے محمد بن اسماعیل کو دیکھ لیاا گرچہ بعض لوگ اس معنی کی تردید کرتے ہیں لیکن ہم نے جو توجیہ عرض کی اس توجیہ سے یہ معنی درست ہیں،قرآن کریم نے حضور کو ذکر اللہ فرمایا:"قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا"کیونکہ حضور کو دیکھ کر خدا تعالٰی یاد آتا ہے حضور مذکر ہیں"اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ"۔یہاں مرقات،اشعۃ اللمعات نے اس حدیث کے متعلق بڑی اعلٰی باتیں فرمائی ہیں۔

	روایت ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا۱؎ اور شیطان میری شکل نہیں بن سکتا۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اس حدیث کے بھی چند معنی کیے گئے:ایک یہ کہ جس صحابی نے مجھے خواب میں دیکھا وہ مجھے قیامت میں بیداری میں دیکھے گا۔دوسرے یہ کہ جس مسلمان نے مجھے خواب میں دیکھا وہ مجھے قیامت میں بیداری میں دیکھے گا۔تیسرے یہ کہ جس مسلمان نے مجھے خواب میں دیکھا وہ مجھے اپنی زندگی ہی میں بیداری میں دیکھے گا۔ خواص اولیاء تو ظاہر ظہور دیکھیں گے ہم جیسے عوام جن میں ضبط کا مادہ نہیں راز چھپا نہیں سکتے وہ مرتے وقت جب زبان بند ہوجائے گی تب پہلے مجھے دیکھیں گے بعد میں وفات پائیں گے تاکہ وہ راز ظاہر نہ کرسکیں۔چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا بیدار ہوکر اس حدیث میں غور کیا اور سوچا کہ اب میں حضور انور کو بیداری میں کیونکر دیکھوں گا،آپ اپنی خالہ ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے حضرت میمونہ نے حضور کا آئینہ آپ کو دیا جس میں حضور انور اپنا چہرہ انور دیکھا کرتے تھے حضرت ابن عباس نے جب آئینہ دیکھا تو اس میں بجائے اپنی صورت کے حضور کی صورت شریف نظر آئی اپنی صورت بالکل نظر نہ آئی،دیکھو اشعۃ اللمعات

یہ ہی مقام۔چوتھے یہ کہ میرے زمانہ حیات شریف میں جو مسلمان مجھ تک نہ پہنچ سکا اس نے مجھے خواب میں دیکھ لیا وہ ان شاءاللہ عنقریب مجھ تک پہنچ جائے گا اور میری زیارت کرلے گا مگر تیسرے معنی بہت قوی ہیں اور یہ بشارت عام مسلمانوں کے لیے ہے۔

۲؎ یہ حضور کا وہ معجزہ ہے جو تاقیامت باقی ہے کہ جیسے شیطان زندگی شریف میں آپ کی شکل اختیار نہیں کرسکتا تھا یوں ہی تاقیامت کسی کے خواب میں حضور کی شکل میں نہیں آسکتا حضور انور کے سواء اور تمام کی شکلوں میں آجاتا ہے،خواب میں باتیں کرجاتا ہے مرد یا عورت کو احتلام اس کی مہربانی سے ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اچھی خواب اللہ کی طرف سے ہےاور بری خواب شیطان کی طرف سے ۱؎ تو جب تم میں سے کوئی پسندیدہ چیز دیکھے تو اپنے پیارے کے سوا کسی سے بیان نہ کرے ۲؎ اور جب ناپسند بات دیکھے تو اس کی شر سے اور شیطان کی شر سے اللہ کی پناہ مانگےاور تین بار تھوک دےاور اس کی خبر کسی کو نہ دے تو وہ خواب اسے مضر نہ ہوگی ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ اچھے خواب کو رؤیا کہتے ہیں اور برے خواب کو **حلم**،اسی سے ہے **اضغاث احلام** اسی سے بنا ہے احتلام، اگرچہ ساری خوابیں رب تعالٰی کی طرف سے ہوتی ہیں مگر بارگاہِ الٰہی کا ادب یہ ہے کہ بُری اور ڈراؤنی خوابوں کو شیطان کی طرف سے نسبت دے کیونکہ مسلمان کی بری خوابوں سے بہت خوش ہوتا ہے۔(مرقات) بہرحال اچھی خواب رب کی بشارت ہے تاکہ مسلمان اللہ کی رحمت کا منتظر اور شکر میں مشغول ہوجائے بری خواب مایوس کن ہےاور مایوسی شیطانی عمل ہے۔

۲؎ یعنی اچھی خواب ضرور بیان کرے تاکہ اس کا ظہور ہوجائے مگر بیان کرے ایسے عالم معتبر سے جو اس کا دوست و خیرخواہ ہو تاکہ وہ تعبیر خراب نہ دے اچھی تعبیر دے خواب کی پہلی تعبیر ہی پر خواب کا ظہور ہوتا ہے۔

۳؎ یہ عمل بہت مجرب ہے کیسی ہی خطرناک خواب دیکھو یہ عمل کرلو ان شاءاللہ اس کا ظہور کبھی نہ ہوگا،اچھی خواب اللہ کی نعمت ہے اس کا چرچہ کرو "**وَ اَمَّا بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ**" اور بری خواب بلاوامتحان ہے اس پر صبر کرو کسی سے نہ کہو رب سے عرض کروان شاءاللہ دفع ہوجائے گی۔(مرقات)چونکہ حضور کے خطرناک خواب بھی رب کی طرف سے ہوتے تھےاس لیے حضور لوگوں سے انکا ذکر فرمادیتے پھر ان کا ظہور بھی ہوتا تھا جیسے حضور نے خواب میں تلوار ٹوٹتی دیکھی اس کا ظہور غزوہ احد کی تکالیف کی شکل میں نمودار ہوا،ہاتھوں پر بھاری کنگن دیکھے ان کا ظہور مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی سے ہوالہٰذا حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان حضور کے اس عمل شریف کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ	

صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اپنے بائیں جانب تین بار تھوک دے اور تین بار شیطان سے اللہ کی پناہ مانگےاور جس کروٹ پر تھا اس سے پھر جاوے ۱؎(مسلم)	

۱؎عربی میں **بصق** کہتے ہیں تھوکنے کو،**اتفل** کہتے ہیں تھتکارنے کو،یہاں **بصق** سے مراد تھتکارنا ہی ہے جیساکہ دوسری روایات میں ہے یہ تینوں عمل شیطان کو ذلیل کرنے اور اپنے حال کو بدلنے کے لیے ہے،شیطان اکثر بائیں ہاتھ پر رہتا ہے ادھر تھوکنا گویا شیطان کے منہ پر تھوکنا ہے،یہ عمل بھی مجرب ہے،برے خواب میں یہ دیکھ کر یہ کرنا چاہیے اس سے خواب ختم ہوجاتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب زمانہ قریب ہوگا ۱؎تو مؤمن کی خواب جھوٹی نہ ہوسکے گی۲؎اور مؤمن کی خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہےاور جس کا تعلق نبوت سے ہو وہ جھوٹی نہیں ہوتی ۳؎محمد ابن سیرین نے فرمایا۴؎کہ میں کہتا ہوں کہ خواب تین طرح کی ہے نفسیاتی خیالات ۵؎اور شیطان کی دھمکی اور اللہ کی طرف سے بشارت ۶؎تو جو ناپسند چیز خواب میں دیکھےاسے کسی پر بیان نہ کرے اور کھڑا ہوجاوے نماز پڑھ لے ۷؎فرمایا کہ آپ خواب میں طوق کو ناپسند کرتے تھے اورا نہیں قید پسند تھی ۸؎کہا جاتا ہے کہ قید دین میں پختگی ہے۔(مسلم،بخاری)	

۱؎ قرب زمان میں کئی احتمال ہیں:قریب قیامت،موت کے قریب کا زمانہ یعنی بڑھاپا وہ مہینے جن میں دن رات برابر ہوتے ہیں۔حضرت امام مہدی کے ظہور کا زمانہ جب کہ لوگوں میں عیش و عشرت بہت ہوگا،سال گزرے گا مہینہ کی طرح،مہینہ ہفتہ کی طرح،ہفتہ ایک دن کی طرح وہ زمانہ جب لوگوں کی عمریں گھٹ جائیں گی یا شروفساد کا زمانہ جب لوگ ایک دوسرے سے گتھ جائیں قتل و خون کے لیے قریب ہوں گے۔(اشعہ)مرقات میں اس کے اور بہت سے معنی کیے گئے ہیں مثلًا یاجوج ماجوج کے خروج کا زمانہ۔

۲؎یعنی ان زمانوں میں اہلِ اسلام کی اکثر خوابیں صحیح ہوا کریں گی ان تمام موقعوں پر خوابیں درست ہونے کی وجہیں مرقات و لمعات وغیرہ نے بہت دراز بیان فرمائی ہیں۔

۳؎اس مضمون کی شرح ابھی کچھ پہلے ہم عرض کرچکے ہیں۔

۴؎ محمد ابن سیرین حضرت انس ابن مالک کے آزاد کردہ غلام ہیں، عظیم الشان تابعی ہیں،بڑے فقیہ محدث عالم باعمل تھے،ستتر ۷۷سال عمر پائی، ۱۱۰ھ ایک سو دس میں وفات ہوئی،بصرہ کے پاس خواجہ حسن بصری کے ساتھ ایک ہی حجرہ میں دفن ہیں۔فقیر نے قبر شریف کی زیارت کی ہے آپ اپنے زمانہ میں علم تعبیر کے امام تھے۔

۵؎ کہ دن بھر کے خیالات رات کو خواب کی شکل میں نظر آجاتے ہیں۔

۶؎ یعنی ہر خواب سچا نہیں ہوتا نفسانی شیطانی خواب مثل وسوسہ کے ہوتے ہیں ناقابل اعتبار اور رحمانی خواب،ہاں رحمانی خواب جس کا تعلق فرشتہ سے ہوتا ہے وہ درست ہی ہوتے ہیں یہ ہماری خوابوں کا حال ہے،حضرت انبیاءکرام کے خواب ہمیشہ رحمانی اور درست ہوتے ہیں لہذا حدیث بالکل ظاہر ہے۔

۷؎ تاکہ نماز کی برکت سے شیطان کا اثر جاتا رہے یہ مشورہ جب ہے جب کہ نماز میں دل لگے ورنہ بائیں ہاتھ کی طرف تھتکار دے،کروٹ بدل لے،لاحول شریف پڑھ لے جیساکہ ابھی پچھلی حدیث میں گزرا۔

۸؎ یعنی ابن سیرین خواب میں اپنے گلے میں طوق دیکھنا نا پسند کرتے تھے اپنے پاؤں میں زنجیر و بیڑیاں دیکھنا پسند کرتے تھے اور کہتے تھے یا حضرات صحابہ کرام خواب میں اپنے گلے میں طوق دیکھنا ناپسند کرتے تھے۔**کان یکرہ** کا فاعل ابن سیرین ہیں اور **یعجبھم** کا مرجع حضرات صحابہ کرام ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ گلے میں طوق لعنت کی علامت ہے،پاؤں میں بیڑی دین پر استقامت کی نشانی ہے۔

بخاری نے فرمایا کہ اسے قتادہ یونس ہشیم اور ابوہلال نے محمد ابن سیرین سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے ۱؎ روایت کیا یونس نے فرمایا میں اسے نہیں خیال کرتا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قید کے متعلق ۲؎ اور مسلم نے کہا مجھے خبر نہیں کہ وہ حدیث میں ہے یا یہ ابن سیرین نے کہا ۳؎ اورایک روایت میں ہے کہ حدیث میں یہ قول **اکرہ الغل** پورے کا پورا حدیث میں داخل کرلیا گیا ہے ۴؎	

۱؎ قتادہ تو مشہور تابعی ہیں،یونس نام کے بہت راوی ہیں یہاں یونس ابن عبید بصری مراد ہیں جو عبدالقیس کے آزاد کردہ غلام ہیں کیونکہ محمد ابن سیرین سے زیادہ روایت یہی کرتے ہیں،ہشیم سے مراد ہشیم ابن بشیر سلمی ہیں،ابو ہلال بھی تابعی ہیں،ان چاروں بزرگوں نے کہا کہ محمد ابن سیرین نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ سے روایت کی۔(اشعہ)

۲؎ یعنی یونس ابن عبید نے کہا کہ قید کے متعلق یہ فرمان کہ قید پسند کرتے تھے یہ حضور کا فرمان عالی ہے کہ حضور خواب میں قید دیکھنا پسند فرماتے تھے۔

۳؎ یعنی خواب میں قید دیکھنے کا محبوب ہونا یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے یا محمد ابن سیرین کا اپنا قول ہے۔

۴؎ یعنی کان یکرہ الغل سے لے کر فی الدین تک کی عبارت حدیث میں نہیں ہے یہ ابن سیرین کا اپنا قول ہے مگر اسے حدیث میں اس طرح بیان کیا ہے کہ حدیث کا جز معلوم ہوتا ہے یہ شامل کرنے والے یا تو ابن سیرین ہیں یا ابوہریرہ۔(اشعہ) یہاں مرقات نے فرمایا کہ طوق گردن میں پڑتا ہے اور قیامت کے دن کفار کی گردنوں میں طوق ہوگا،رب فرماتاہے:"اِذِ الۡاَغۡلٰلُ فِیۡۤ اَعۡنٰقِہِمۡ"لہذا یہ خواب میں دیکھنا اچھا نہیں اور بیڑیاں پاؤں میں پڑتی ہیں جس سے پاؤں ایک جگہ ٹھہر جاتا ہے اس میں اشارہ ہے کہ اس کو اسلام پر ثابت قدمی نصیب ہوگی،اپنے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے دیکھنا بخل کی علامت ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا بولا کہ میں نے خواب میں دیکھا گویا میرا سر کاٹ دیا گیا ہے ۱؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا جب تم میں سے کسی سے شیطان خواب میں کھیلے تو لوگوں کو اس کی خبر نہ دے(مسلم) ۲؎	

۱؎ یعنی مجھے ذبح یا قتل کردیا گیا اور میں اپنے ذبح اپنے قتل کو خود دیکھ رہا ہوں وہ صاحب خواب سے گھبرا گئے تھے۔

۲؎ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی سے معلوم فرمالیا کہ یہ خواب اضغاث احلام سے ہے شیطان نے اسے مغموم کرنے کے لیے یہ خواب دکھایا ہے اگر یہ خواب درست ہو تو اس کی تعبیر ہوتی ہے،تبدیلی حال مغموم دیکھے تو اسے خوشی ہوگی،خوش حال دیکھے تو وہ بدحال ہوجاوے گا،غلام دیکھے تو آزاد ہوجاوے گا،مقروض دیکھے تو قرض سے آزاد ہوجاوے گا لہذا یہ حدیث بھی صحیح ہے اور معبرین کی یہ مذکورہ تعبیریں بھی درست ہیں۔ (مرقات واشعہ)

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات مجھے اس میں جس میں سونے والا دیکھتا ہے دکھایا ۱؎ گیا گویا ہم عقبہ ابن رافع کے گھر میں ہیں کہ ہمارے پاس ابن طاب سے کچھ رطب لائے گئے ۲؎ میں نے تعبیر دی کہ دنیا میں بلندی ہمارے لیے ہے اور آخرت میں انجام بھی اور یہ کہ ہمارا دین طیب ہوگیا ۳؎ (مسلم)	

۱؎ مایری النائم سے مراد صادقہ و صالحہ خوابیں ہیں۔النائم میں الف لام عہدی ہے جس سے مؤمن صالح نائم مراد ہے۔

۲؎ یعنی ہم مع صحابہ کرام ان کے گھر میں ہیں ہم سب کے پاس یہ کھجوریں لائی گئیں۔ابن طاب مدینہ منورہ میں ایک شخص تھا جس کی طرف یہ کھجوریں منسوب ہیں،انہیں عذق ابن طاب بھی کہتے ہیں اور رطب ابن طاب بھی۔

۳؎ حضور انور نے یہ تعبیر ان کے ناموں سے دی۔حضور انور ناموں سے نامی بیداری بھی لیتے تھے۔چنانچہ سفر ہجرت میں حضور انور نے کفار کی ایک جماعت کو دیکھا جس کا سردار بریدہ اسلمی تھا جسے کفار مکہ نے سو۱۰۰ اونٹ کے وعدہ پر حضور انور کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا تھا،آپ نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ بولا بریدہ تو صدیق اکبر نے فرمایا (**بردامرنا**) ہمارے کاموں میں ٹھنڈک ہوئی،پھر پوچھا تیرا نسب کیا ہے بولا بنی اسلم،فرمایا ان شاءاللہ ہم کو سلامتی ملی،پھر پوچھا کون سا اسلم؟بولا بنی سہم والے،فرمایا(**اصبت سهمك**)تو نے اپنا حصہ پالیا اسی وقت بریدہ مسلمان ہوگئے اور حضور کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہوئے گویا حضور علیہ السلام نے جو کہا فورًا ہوا انہیں حصہ مل گیا۔(اشعۃ اللمعات)

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے ایسی زمین کی طرف ہجرت کررہا ہوں جہاں کھجوریں ہیں تو میرا خیال ادھر گیا۱؎ کہ وہ زمین یمامہ یا ہجر ہے ۲؎ مگر وہ نکلا مدینہ یعنی یثرب۳؎ اور میں نے اپنی اسی خواب میں دیکھا کہ میں نے ایک تلوار ہلائی تو اس کا درمیانی حصہ ٹوٹ گیا یہ وہ تکلیف تھی جو مسلمان کو احد کے دن پہنچی ۴؎ پھر میں نے اسے دوبارہ ہلایا تو وہ پہلے سے زیادہ اچھی ہوگئی تو یہ وہ فتح اور مسلمانوں کا اجتماع ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ۵؎(مسلم،بخاری)

۱؎ وهل واؤ اورہ کے فتحہ سے بمعنی گھبراہٹ اور فورًا دل میں آنے والا خیال۔(مرقات)

۲؎ یمامہ ایک لونڈی کا نام تھا جس کی آنکھیں نیلی اور نگاہ بہت تیز تھی،بور نو شہر اور علاقہ اس کی طرف منسوب ہے،یمامہ سارے حجاز میں زیادہ ہرا بھرا اور کھجوروں والی بستی ہے،مکہ معظّمہ سے جانب مشرق ہے،بصرہ کوفہ سے سولہ منزل پر ہے،مسیلمہ کذاب یہاں ہی کا باشندہ تھا،ہجر بحرین کے علاقہ میں ایک شہر ہے جہاں کے گھڑے اور مٹکے بہت مشہور تھے۔

۳؎ یعنی اس خواب کے کچھ دیر بعد علامات سے معلوم ہوا کہ ہماری جائے ہجرت مدینہ منورہ ہے جسے لوگ یثرب کہتے ہیں،حضور کی یہ تعبیر ہجرت سے کہیں پہلے ہوچکی تھی خواب دیکھنے کے کچھ بعد جہاں **فاذا** کی ف سے معلوم ہورہا ہے دیکھو اشعہ۔خیال رہے کہ مدینہ منورہ کے قریبًا اسّی نام ہیں جن میں سے بہت سے نام شیخ عبدالحق نے اپنی کتاب جذب القلوب میں بیان فرمائے:مدینہ،طیبہ،طابہ،بطحی۔ابطح وغیرہ۔اسے یثرب کہنا منع ہے طریقہ منافقین ہے،قرآن کریم فرمارہا ہے کہ منافقین کہتے ہیں"**یٰۤاَهۡلَ یَثۡرِبَ لَا مُقَامَ لَکُمۡ**"امام احمد نے بروایت براء ابن عازب مرفوعًا نقل فرمایا کہ جو اسے یثرب کہے وہ توبہ کرے(مرقات)بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کی کہ حضور

فرماتے ہیں جو ایک بار مدینہ کو یثرب کہےوہ کفارہ کے لیے دس بار مدینہ کہے۔(اشعہ)یثرب نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام تھاجس نے یہ شہر آباد کیا۔(اشعہ)واللہ اعلم! روح البیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے زمانہ سلیمانی میں تبع نے آباد کیا،نیز یثرب بنا ہے ثرب سے بمعنی ہلاکت یا مصیبت،یثرب بمعنی مصیبت و آفات کی جگہ،چونکہ پہلے یہ جگہ بڑی بیماریوں والی تھی اس لیے یثرب کہلاتی تھی حضور کی برکت سے طیبہ یعنی صاف کی ہوئی زمین ہوگئی اب وہ جگہ بجائے دارالوباء کے دارالشفاء بن گئی۔

۴؎ یعنی تلوار کاٹوٹنا مسلمانوں کی وہ پریشانی تھی جو انہیں احد میں پہنچی۔معلوم ہوا کہ غازی مسلمان حضور کی تلوار ہیں اور حضور کے ہاتھ میں ہیں۔

۵؎ اس فتح سے مراد یا تو خود احد کے دن کی فتح ہے کہ اولًا مسلمانوں کے قدم اکھڑے اور ستر حضرات شہید ہوگئے پھر حضور کے قدموں میں جمع ہوگئے اور بخیروخوبی مدینہ منورہ پہنچے،نہ ان کا مال لٹا نہ کوئی مسلمان قیدی ہوا،کفار مکہ کی آرزو پوری نہ ہوئی وہ تو مدینہ منورہ کو برباد کرنے آئے تھے ناکام گئے،بامراد بعد کی فتوحات ہیں جیسے فتح مکہ،فتح حنین،فتح خیبر وغیرہ۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب ہم سو رہے تھے تو ہمارے پاس زمین کے خزانے لائے گئے ۱؎ تو پھر ہمارے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن رکھے گئے وہ ہم پر بھاری پڑے ۲؎ تو ہم کو وحی کی گئی کہ انہیں پھونک مار دو ہم نے پھونکا تو وہ دونوں جاتے رہے ۳؎ ہم نے انکی تعبیر ان دو جھوٹوں سے کی جن کے درمیان ہم ہیں صنعا والا اور یمامہ والا ۴؎ (مسلم،بخاری) اور ایک روایت میں ہے کہ ان میں سے ایک مسیلمہ ہے یمامہ والا اور عنسی ہے صنعا والا،میں نے یہ روایت مسلم،بخاری میں نہ پائی،اسے صاحب جامع نے ترمذی سے ذکر کیا ۵؎	

۱؎ اور ہم کو عطا فرمائے گئے یا تو خزانوں کی چابیاں عطا ہوئیں یا خود خزانے کہ حضور انور ان کے مالک بنادیئے گئے۔(مرقات)خزانوں میں زمین اور اسکے تمام ملک اور اس کی تمام چیزیں بحری ہوں یا بری سب مراد ہیں۔حضور سب چیزوں کے مالک کردیئے گئے اب جو جس کو ملے گا یا ملتا ہے حضور کی عطاء سے ملتا ہے۔شعر

لاورب البیت جس کو جوملا ان سےملا　　　　بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

۲؎ کیونکہ وہ کنگن مجھے ناپسند تھے،بھاری پڑنے سے مراد ناپسندیدگی ہے۔(مرقات)

۳؎ پھونک سے اڑا دینے میں اشارہ اس جانب ہے کہ وہ دونوں دشمن آپ کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے آسانی سے دفع ہوجائیں گے۔اس حدیث کی بنا پر بعض معبرین کہتے ہیں کہ اگر مرد خواب میں اپنے ہاتھ میں سونے کے کنگن

دیکھے تو کسی مصیبت میں گرفتار ہوگا کہ سونے کے کنگن مرد کے لیے حرام ہیں،نیز وہ ہتھکڑی کے مشابہ ہیں۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کنگن اپنی ہتھیلی پر رکھے ہوئے دیکھے تھے۔

۴؎ یعنی دو جھوٹے مدعی نبوت جو حضور کے زمانہ میں ہی پیدا ہوئے اور دعوٰی نبوت کرچکے تھے ایک اسود عنسی جو یمن کے شہر صنعا میں رہتا تھا جسے حضور کے مرض وفات میں ہی فیروز دیلمی نے قتل کیااور حضور کو خبر دی حضور نے فیروز کو دعا دی،دوسرا مسیلمہ کذاب جو حجاز کے ایک شہر یمامہ میں رہتا تھا جسے خلافت صدیقی میں حضرت وحشی ابن حرب نے قتل کیا،اس کا واقعہ بہت مشہور ہے،یہ دونوں بڑے مردود تھے جیسے آج کل مرزا قادیانی۔اس خواب اور اس تعبیر سے چند مسئلہ معلوم ہوئے: ایک یہ کہ مسیلمہ اور عنسی کی نبوتیں دنیا طلبی کے لیے تھیں کہ حضور نے انہیں سونے کے کنگنوں کی شکل میں دیکھا۔دوسرے یہ کہ ان کی وجہ سے حضور کے قلب پر بوجھ تھا کہ وہ گمراہ گر تھے۔تیسرے یہ کہ وہ اور انکے ایجاد کردہ دین عنقریب فنا ہونے والے تھے۔چوتھے یہ کہ حضرت صدیق اکبر کی خلافت برحق ہے اور آپ کے فتوحات حضور کے کرم سے ہیں کیونکہ مسیلمہ کذاب حضرت صدیق اکبر کی خلافت میں مارا گیا آپ نے اس پر جہاد کیا جسے حضور انور نے اپنی پھونک سے اڑتا دیکھا،صدیق اکبر کا جہاد حضور کی پھونک تھی۔

۵؎ اس کا منشاء یہ ہے کہ صاحب مصابیح نے یہ حدیث فصل اول میں بیان کی حالانکہ یہ صحیحین کی ہیں اسے دوسری فصل میں لانا چاہیے تھا۔

روایت ہے ام العلاء انصاریہ سے ۱؎ فرماتی ہیں میں نے عثمان ابن مظعون کا چشمہ خواب میں دیکھا تھا بہتا ہوا ۲؎ میں نے اسکا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا تو فرمایا کہ یہ اس کا عمل ہے جو اس کے لیے جاری ہے ۳؎(بخاری)	

۱؎ آپ کا نام زینب ہے،زید ابن ثابت کی زوجہ ہیں،خارجہ ابن زید کی والدہ،عثمان ابن مظعون آپ کے ہاں دائمی مہمان تھے،آپ کے حصے میں آئے تھے،حضور نے مہاجرین کو انصار میں تقسیم فرمادیا تھا تو حضرت عثمان ابن مظعون جناب ام العلاء کے پاس رہے۔

۲؎ یہ مضمون بڑی حدیث کا حصہ ہے۔عثمان ابن مظعون کعب ابن لوی کی اولاد میں سے ہیں،قریش میں تیرھویں مسلمان ہیں،صاحب ہجرتین ہیں،حضور کی ہجرت کے اڑھائی سال بعد مدینہ منورہ میں فوت ہوئے،حضور نے آپ کی پیشانی چومی،آپ مدینہ میں پہلے مہاجر ہیں جن کی وفات ہوئی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے،ان کے متعلق ام العلاء نے خواب میں دیکھا کہ ان کے پاس شفاف پانی کا چشمہ رواں ہے۔

۳؎ یعنی حضرت عثمان مرابط مجاہد تھے اور مجاہد کو تاروز قیامت ثواب ملتا ہے،اس کا عمل صدقہ جاریہ ہوتا ہے، اسے ہمیشہ ثواب ملتا رہتا ہے،یہ پانی کا چشمہ ان کا دائمی ثواب ہے۔

روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے ۱؎ فرماتے ہیں	

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو اپنے چہرہ انور سے ہم پر متوجہ ہوتے فرماتے تم میں آج رات کسی نے خواب دیکھا ہے ۲؎ فرماتے ہیں اگر کسی نے خواب دیکھا ہوتا تو اسے بیان کرتا آپ وہ فرماتے جو رب چاہتا چنانچہ ہم سے پوچھا فرمایا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے ؟ ہم نے عرض کیا نہیں ۳؎ فرمایا لیکن میں نے آج رات دو شخصوں کو دیکھا جو میرے پاس آئے انہوں نے میرے ہاتھ پکڑے پھر مجھے مقدس زمین کیطرف لے گئے ۴؎ تو ایک شخص بیٹھا تھا اور ایک شخص کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں لوہے کا زنبور ہے جسے اس کے جبڑے میں داخل کرتا ہے تو اسے چیر دیتا ہے حتی کہ اس کی گدی تک پہنچادیتا ۵؎ پھر اسکے دوسرے جبڑے سے اسی طرح کرتا اور اس کا وہ جبڑا بھر جاتا پھر لوٹتا تو اسی طرح کرتا ہے ۶؎ میں نے کہا یہ کیا ہے ؟ انہوں نے کہا چلئے ۷؎ چنانچہ ہم چل دیئے حتی کہ ایک شخص پر پہنچے جو اپنی پیٹھ پر لیٹا ہے اور ایک شخص اسکے سر پر پتھر یا چٹان لیے کھڑا ہے ۸؎ جس سے اس کا سر کچل رہا ہے جب اسے مارتا ہے تو پتھر لڑھک جاتا ہے وہ اسے لینے چلا جاتا ہے ۹؎ تو وہ اس تک لوٹ کر نہیں آتا حتی کہ اس کا سر بھر جاتا ہے اور اس کا سر جیسا تھا ویسا ہوجاتا ہے ۱۰؎ پھر وہ لوٹ کر اس تک آتا ہے اور اسے مارتا ہے ۱۱؎ میں نے کہا یہ کیا ہے؟ وہ بولے چلئے تو ہم چلے حتی کہ ہم ایک سوراخ تک پہنچے جو تنور کی طرح تھا ۱۲؎ کہ اس کا اوپر تنگ نیچا فراخ تھا جس کے نیچے آگ تھی جب آگ بھڑکتی تو وہ لوگ اوپر اچھلتے حتی کہ اس کے نکلنے کے قریب ہوجاتے اور جب بجھتی تو اس میں لوٹ جاتے ۱۳؎ اس میں ننگے مرد وعورتیں تھیں ۱۴؎ میں نے کہا یہ کیا ہے ؟وہ بولے چلئے ہم چل دیئے حتی کہ ایک خون کی نہر پر پہنچے جس میں ایک آدمی درمیان نہر کے کھڑا تھا اور نہر

ے کنارے پر ایک آدمی کھڑا ہےجس کے سامنے پتھر تھے جو آدمی نہر میں تھاوہ آتا جب نکلنا چاہتا تو یہ شخص اس کے منہ میں پتھر مارتاتو اسے وہاں ہی لوٹا دیتا جہاں تھا۱۵پھر یہ کرنے لگا کہ جب بھی یہ نکلنے کے لیے آتا تو اس کے منہ میں پتھر مارتاوہ جہاں تھا وہاں لوٹ جاتامیں نے کہا یہ کیا ہے ؟ وہ بولے چلئے۱۶ہم چلے حتی کہ ایک سبز باغ تک پہنچے جس میں ایک بڑا درخت تھا جس کی جڑ میں ایک بوڑھے صاحب اورکچھ بچے ۱۷تھے ایک شخص درخت سے قریب تھاجس کے سامنے آگ تھی جسے وہ روشن کررہا تھایہ مجھے درخت تک لے گئے مجھے اس گھر میں داخل کیا جو درخت کے بیچ ہی تھا۱۸ اس سے اچھا مکان میں نے کبھی نہ دیکھا ۱۹اس میں کچھ لوگ بوڑھے اور جوان اورعورتیں وبچے تھے ۲۰پھر وہ مجھے وہاں سے لے گئے مجھے اس درخت میں جڑ کے پاس ایسے گھر میں داخل کیا جو اس سے بھی اچھا اور بہتر تھا ۲۱اس میں بوڑھے اورجوان تھے ۲۲میں نے ان دونوں سے کہاتم نے مجھے آج رات بھر پھرایامجھے اس کی خبر دو۲۳جو میں نے دیکھا وہ بولے ہاں لیکن وہ شخص جسے آپ نے دیکھا کہ اس کا جبڑا چیرا جارہا ہےیہ وہ جھوٹا ہے جو جھوٹی خبر دیتا ہےجو اس سے نقل کی جاتی ہے حتی کہ سارے ملک میں پھیل جاتی ہے ۲۴جو کچھ آپ نے دیکھا اس کے ساتھ تاروز قیامت کیا جاوے گا اور جو آپ نے دیکھااس کا سر کچلا جارہا ہےیہ وہ شخص ہے جسے اللہ تعالٰی نے قرآن سکھایااور وہ رات میں اس سے غافل سویااور دن میں اس کے فرمان پر عمل نہ کیاجو کچھ آپ نے دیکھااس کے ساتھ یہ قیامت تک کیا جاوے گا۲۵اور جو لوگ آپ نے تنور میں دیکھےیہ زانی لوگ ہیں ۲۶اور جسے آپ نے نہر میں دیکھا وہ سود خوار ہے ۲۷اور وہ بوڑھے صاحب جنہیں آپ نے درخت کی جڑ

میں دیکھا ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ان کے آس پاس والے بچے وہ لوگوں کی اولاد ہے ۲۸؎ اور وہ جو آگ روشن کررہے تھے وہ مالک ہیں دوزخ کے خزانچی ۲۹؎ اور پہلا گھر جس میں آپ گئے وہ عام مسلمانوں کا گھر ہے ۳۰؎ اور یہ گھر شہداء کا گھر ہے ۳۱؎ میں جبرئیل ہوں اور ۳۲؎ یہ میکائیل اپنا سر تو اٹھایئے میں نے اپنا سر اٹھایا تو ناگاہ میرے سر پر بادل جیسا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ سفید تہ بہ تہ بادل جیسا ۳۳؎ وہ دونوں بولے یہ آپ کا گھر ہے ۳۴؎ میں نے کہا مجھے چھوڑو اپنے گھر میں جاؤں وہ بولے کہ ابھی آپ کی عمر باقی ہے جو آپ نے پوری نہیں کی اگر آپ وہ پوری کر لیتے تو اپنے گھر چلے جاتے ۳۵؎ (بخاری) اور عبداللہ ابن عمر کی حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب مدینہ منورہ کے بارے میں باب حرم مدینہ میں ذکر کی گئی۔	

۱؎ آپ کا ذکر بارہا ہوچکا ہے کہ آپ عظیم الشان صحابی ہیں،بڑے محدث ہیں،بصرہ میں آپ کی وفات ہوئی، ۵۹ھ ہجری میں یا ۶۰ھ ہجری میں۔

۲؎ معلوم ہوا کہ لوگوں سے خواب پوچھنا اس کی تعبیر دینا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے بشرطیکہ تعبیر خواب کا علم ہو۔

۳؎ یا تو صراحۃً نہیں فرمایا تمام حضرات خاموش رہے،یہ خاموشی نفی کی علامت تھی۔(مرقات)پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔

۴؎ یہ حضور کی معراج منامی یعنی خواب کی معراج ہے۔زمین مقدس سے مراد فلسطین کی زمین ہے جہاں بیت المقدس واقع ہوا ہے،چونکہ اس زمین میں حضرات انبیاء کے مزارات بہت ہیں اس لیے اسے قدس کہا جاتا ہے۔چنانچہ بیت المقدس سے تیس۳۰ میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے خلیل الرحمٰن وہاں ہے غار انبیاء،اس غار میں ستر ہزار نبیوں کے مزارات ہیں،میں نے وہاں کی زیارت کی ہے،درمیان میں بیت اللحم آتا ہے جائے پیدائش عیسیٰ علیہ السلام یا زمین مقدس سے کوئی اور پاک زمین مراد ہے۔واللہ اعلم!

۵؎ یہ کھڑا ہوا شخص فرشتہ عذاب تھا اور بیٹھا ہوا شخص مجرم انسان،یہ عذاب برزخی تھا جو حضور کو آنکھوں سے دکھایا گیا۔

۶؎ یعنی دو طرفہ جبڑے چیرنے کا کام مسلسل کررہا تھا داہنا جبڑا چیرتا تو اتنی دیر میں بایاں جبڑا بھرکر چیرنے کے قابل ہوجاتا اور جب بایاں جبڑا چیرتا تو داہنا جبڑا بھرکر چیرنے کے قابل ہوجاتا ہے۔

ے یعنی آگے چلئے ابھی آپ نے اور بھی عجائبات دیکھنے ہیں سب کی تفصیل آخر میں ایک ساتھ عرض کردی جاوے گی۔

۸ فھر یا تو چھوٹی پتھریاں مٹھی بھر کر یا مطلقًا پتھر۔صخرہ بڑا پتھر بمعنی چٹان شک،راوی کو ہے کہ حضور انور نے فھر فرمایا،یا صخر۔

۹ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں صخر فرمایا ہوگا یعنی چٹان کیونکہ یہ صفات چٹان کی ہیں،لڑھکنا پھر اسے اٹھانے جانا،پتھریوں کے لیے بکھرجانا،انہیں جمع کرنا(بیننا)کہا جاتا ہے۔

۱۰ یعنی اس شخص کے پتھر لینے جانے کے دوران اس شخص کا کچلا ہوا سر پہلے کی طرح بالکل درست اور کچلنے کے قابل ہوجاتا ہے۔

۱۱ مگر اسے بار بار مارنے سر کچلنے سے وہ شخص مرتا نہیں ورنہ عذاب کا دوام کیسے ہو۔

۱۲ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں بجائے ثقب کے نقب نون سے ہے،ثقب ث سے ہر آرپار سوراخ کو کہتے ہیں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا مگر نقب نون سے بڑے سوراخ کو ہی کہا جاتا ہے،ثقب ث سے زیادہ مشہور ہے۔

۱۳ مگر اس کے باوجود ان کی جان نہیں نکلتی ہے تاکہ آگ کا یہ عذاب ان پر قائم رہے۔

۱۴ یعنی پہلے دیکھے ہوئے دو عذاب شخصی تھے یہ تیسرا عذاب قومی تھا جس میں مردوعورتیں سب ایک ساتھ ہی گرفتار تھے۔خدا کی پناہ!

۱۵ یعنی جو شخص خون کی نہر میں کھڑا ہے وہ سخت تنگی مصیبت و تکلیف میں ہے وہ وہاں سے نکلنا چاہتا ہے۔آج گرمیوں کے موسم میں گرم پانی کے ٹپ میں کھڑا ہونا ہی سخت تکلیف دہ ہوتا ہے وہ تو گرم خون میں کھڑا ہوتا تھا اس سے بھاگتا تھا مگر کنارے والا آدمی اسے نکلنے نہ دیتا تھا،نہر کے اس پار نکلنے کی راہ نہ تھی اس لیے وہ اس طرف بھاگ کر آتا اور پتھر کھا کر لوٹ جاتا یہ تو عذاب دکھائے گئے اب ثواب دکھائے جاتے ہیں۔

۱۶ اور اس کی قدرتیں ورحمتیں بھی دیکھئے۔

۱۷ یہاں جڑ سے مراد عین جڑ نہیں بلکہ درخت کی جڑ سے محض جگہ مراد ہے،درخت کے پھیلاؤ کے نیچے وہاں یہ بزرگ اور بچے ہیں۔(مرقات)

۱۸ درخت کے نیچے مکان ہونے کی کیفیت ہماری سمجھ سے بالا ہے۔اسے دیکھنے والا جانے یا دکھانے والا بہرحال جو صورت بھی ہو ہمارا اس پر ایمان ہے۔

۱۹ یعنی اس دنیا میں کبھی ایسا شاندار مکان نہ دیکھا ورنہ منامی جسمانی خوابوں میں جنت میں مکانات دیکھے تھے یہ بھی جنت کا ہی مکان تھا۔

۲۰ شباب جمع ہے شباب کی بمعنی جوان مرد ہو یا عورت سب پر بولا جاتا ہے۔

۲۱ یعنی اس گھر کی بناوٹ اور یہاں کی زیب و زینت پہلے گھر سے کہیں زیادہ تھی،حسن سے مراد ہے ذاتی خوبی،فضل سے مراد ہے آرائش و افضیلت۔

۲۲؎ یہاں عورتوں بچوں کا ذکر نہیں اس کی وجہ بیان تعبیر سے ہی معلوم ہوگی اس لیے کہ یہ جگہ کاملین کی ہے اور عورتیں بچے کامل کم ہوتے ہیں اس لیے۔

۲۳؎ تاکہ خواب کی تعبیر خواب ہی میں ہوجاوے۔سبحان اللہ اس خواب کے بھی قربان جایئے اور اس تعبیر کے بھی فدا۔

۲۴؎ یعنی جھوٹ کا موجد جھوٹ گھڑنے والا اور لوگوں میں جھوٹ پھیلانے والا جس سے اور لوگ بھی جھوٹ بولیں،اس میں دنیاوی جھوٹے بھی داخل ہیں اور دینی جھوٹے بھی،جو بے دینی کا موجد جھوٹا دین گھڑ کر لوگوں میں شائع کرے لوگ اس جھوٹ کی تصدیق کریں وہ بھی اسی زمرے میں ہے،مثلًا مرزا نے کہا میں نبی ہوں یہ جھوٹ گھڑا پھر اس کے متبعین نے کہا ہاں واقعی وہ نبی ہے یہ ہوئی اس جھوٹ کی اشاعت۔غرضکہ غلط بات،غلط مسئلہ،غلط عقیدہ ایجاد کرنے والوں کا یہ انجام ہے۔

۲۵؎ چونکہ عالم بے عمل فاسق بھی ہے فاسق گر بھی یا گمراہ بھی ہے گمراہ گر بھی کہ اس کی دیکھا دیکھی بہت لوگ بدعمل یا بدعقیدہ ہوجاتے ہیں اس لیے اس کو عذاب بھی بہت ہوا،چونکہ رات میں تلاوت قرآن زیادہ ہوتی ہے دن میں عمل قرآن زیادہ کہ نوے فیصدی اعمال دن میں ہوتے ہیں اس لیے عمل کو دن کے ساتھ خاص فرمایا اور رات کے متعلق فرمایا کہ سو گیا یعنی رات میں نماز تہجد وغیرہ نہ پڑھی جس میں قرآن شریف کی تلاوت کرتا جو سر خدا کے لیے نہ جھکے وہ کچلنے کے ہی قابل ہے۔

۲۶؎ چونکہ زانی اور زانیہ غیر کے سامنے ننگے ہوتے تھے اس لیے انہیں دوزخ میں ننگا رکھا گیا تاکہ اپنا یہ شوق پورا کریں۔اس سے آج کل کے فیشن پرست لوگ عبرت پکڑیں جو نیم عریاں لباس میں باہر پھرتے ہیں،نیز انہوں نے دنیا میں آتش شہوت بے جا بھڑکائی لہذا وہ بھڑکتی آگ میں جلائے گئے،شہوت اپنے محل پر خرچ ہو تو نور ہے اور بے محل خرچ ہو تو نار۔

۲۷؎ چونکہ دنیا میں سودخوار لوگوں کے خون چوستا تھا کہ غریبوں کا مال سود کے ذریعہ حرام طریقے سے جمع کرکے امیر بنتا تھا لہذا اسے خون کی نہر میں کھڑا کیا گیا۔

۲۸؎ علماء فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے چھوٹے بچے جو عین بچپن میں فوت ہوجاویں وہ برزخ میں،حضرت ابراہیم علیہ السلام و سارہ رضی اللہ عنہا کی پرورش میں رہتے ہیں،قیامت میں سوائے ابراہیم علیہ السلام کے باقی تمام جوان ہوں گے بے ڈاڑھی مونچھ۔

۲۹؎ مالک نام ہے داروغہ دوزخ کا۔

۳۰؎ یعنی وہ جنت کا وہ مقام ہے جہاں عام جنتی مسلمان رہیں گے اس لیے آپ نے وہاں مرد عورتیں اور بچے دیکھے۔

۳۱؎ یعنی یہ گھر شہیدوں اور خاص مؤمنوں کا ہے اس لیے یہاں عورتیں اور بچے کم ہیں کہ یہ مراتب عمومًا مردوں کو ہی حاصل ہوتے ہیں۔

۳۲؎ تمام فرشتوں میں افضل حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔(مرقات)

۳۳؎ یعنی وہ مکان بہت حسین خوشنما،بہت اونچا،بہت وسیع کہ جہاں تک بغیر اس کے فضل کے نہ پہنچا جاسکے۔

۳۴؎ جنت کا گھر جتنا اونچا اتنا ہی اعلیٰ دوزخ کا گھر جس قدر نیچا اتنا ہی بدتر،چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہان سے افضل و اعلیٰ ہیں لہذا آپ کا مقام بھی سب سے اونچا و اعلیٰ ہے اتنا اونچا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں کھڑے ہوکر اسے بادل کی طرح اونچا دیکھا۔

۳۵؎ شاید حضور انور نے وہاں رہنا چاہا اس لیے یہ عرض کیا گیا صرف دیکھنے سے منع نہ کیا گیا یعنی اس گھر میں روحانی طور پر رہنا بعد وفات ہوگا اور جسمانی رہنا بعد قیامت ابھی نہ تو حضور کی وفات ہوئی ہے نہ قیامت آئی لہذا ابھی کسی قسم کا رہنا نہیں ہوسکتا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ عمر پوری کرنے پر بھی اس کا داخلہ نہیں وہاں داخلہ تو بعد قیامت ہوگا۔اس پوری حدیث سے معلوم ہوا کہ اچھی خواب کے بیان کرنے اور تعبیر دینے میں جلدی بہتر ہے،دیکھو حضور انور نے رات کی خواب سویرے ہی بعد نماز فجر بیان بھی کردی تعبیر بھی دے دی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابو رزین عقیلی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن کی خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے اور وہ پرندے کے پاؤں پر ہوتی ہے جب تک اس کی خبر نہ دی جاوے جب وہ بیان کردی جاوے تو واقع ہوجاتی ہے ۲؎ مجھے خیال ہے کہ انہوں نے کہا کہ خواب نہ بیان کرو مگر دوست سے یا عاقل سے ۳؎ (ترمذی)اور ابوداؤد کی روایت میں ہے فرمایا کہ پرندے کے پاؤں پر ہے جب تک تعبیر نہ دی جاوے جب تعبیر دے دی جاوے تو واقع ہوکر رہتی ہے غالبًا انہوں نے فرمایا کہ خواب نہ بیان کرو مگر محبت والے پر یا عقل والے پر ۴؎	

۱؎ آپ کا نام لقلیط ابن عامر ابن صبرہ ہے،اہلِ طائف سے ہیں،مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ اس کی شرح پہلے کی جاچکی ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ خواب تعبیر سے پہلے اڑتی ہوئی چڑیا ہے جو ظاہر نہیں ہوتی مگر تعبیر ہوجانے کی صورت میں ضرور واقع ہوتی ہے اور تعبیر میں پہلی تعبیر کا اعتبار ہے بعد کی تعبیر دی ہوئی کا اعتبار نہیں۔

۳؎ یعنی پہلی بار تعبیر لینے کے لیے اپنی خواب یا اپنے پیارے سے بیان کرو یا بہت سمجھ دار سے جسے خواب کی تعبیر کا علم ہو۔پیارا اگر تعبیر نہ جانتا ہوگا تو تعبیر دے گا ہی نہیں،عالم تعبیر دے گا مگر درست،بے علم بے وقوف سے خواب نہ کہو کہ وہ غلط تعبیر دے کر تمہاری خواب بگاڑ دے گا۔

حکایت: ایک عورت کا خاوند تلاش روزگار میں باہر گیا ہوا تھاعورت نے خواب میں دیکھاکہ میرے خاوند کے منہ سے کوے نکل کر اڑ رہے ہیں،اس نے اپنی پڑوسن سے بیان کیاوہ بولی کہ کوے تو مردے کے منہ سے اڑتے ہیں تیرا خاوند مرگیا ہوگا،پھر وہ عالم وقت کے پاس گئی انہوں نے فرمایا کہ تیرا خاوند توپ خانہ کا مالک کردیا گیا ہے،کچھ روز بعد اس کی موت کی خبر آگئی تو وہ پھر ان عالم کے پاس گئی اور ماجرا بیان کیا،عالم نے فرمایا کہ خواب کی پہلی تعبیر ہی ہوتی ہے تو نے اس نادان عورت سے اپنی خواب کہہ کر تعبیر خراب کرلی۔

۴؎ کیونکہ خواب بظاہر کبھی بری ہوتی ہے لیکن درحقیقت اچھی کبھی برعکس اس لیے خواب اہل علم اور فن تعبیر جاننے والے سے کہو جو حقیقت تک پہنچ سکیں۔دشمن اپنی عداوت سے،بے وقوف اپنی حماقت سے اچھی خواب کو بری کردے گا بری تعبیر دے کر بلکہ بری خواب کی تعبیر ہی نہ دے کچھ صدقہ دلوادے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ کے متعلق پوچھا گیا ۱؎ حضور سے جناب خدیجہ نے کہا کہ انہوں نے آپ کی تصدیق کی تھی ۲؎ لیکن اظہار سے پہلے وفات پاگئے ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے خواب میں وہ دکھائے گئے ان پر سفید کپڑے تھے اور اگر وہ آگ والوں سے ہوتے تو ان پر اس کے علاوہ لباس ہوتا ۴؎ (احمد،ترمذی)	

۱؎ کہ ورقہ مسلمان ہیں یا نہیں،یہ ورقہ ابن نوفل ابن اسد ابن عبدالعزیٰ ابن قصی ابن کلاب ہیں،قرشی ہیں،حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی ہیں،اسلام سے پہلے فوت ہوئے وہ عیسائی بن گئے تھے،حضور کا ابتدائی زمانہ نبوت پایاآپ کی تصدیق کی اس لیے بعض نے انہیں صحابی مانا ہے۔(مرقات)انجیل کا عربی ترجمہ آپ نے ہی کیا تھا کبھی بت پرستی نہ کی،آخر میں نابینا ہوگئے تھے،پہلی وحی کے موقع پر حضرت خدیجہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے پاس لے جانا اور ان کا حضور کو نبوت کی بشارت دینا اور تمنا کرنا کہ کاش میں کچھ زندہ رہتا تو آپ کی اس وقت مدد کرتا جب کہ آپ کی قوم آپ کو مکہ سے نکالے گی وغیرہ وغیرہ،بخاری شریف وغیرہ میں مذکور ہے۔

۲؎ اور عرض کیا تھا کہ آپ پر جو فرشتہ آج اترا ہے یہ وہ ہی فرشتہ ہے جو موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر اترتا تھا۔یہ عرض معروض تصدیق کی علامت ہے فرمایا جاوے کہ وہ اس تصدیق سے مؤمن ہوئے یا نہیں۔

۳؎ یعنی ورقہ بن نوفل اس سے پہلے ہی وفات پاگئے کہ آپ لوگوں پر اپنی نبوت ظاہر فرمادیں اور ان کو دعوتِ اسلام دیں۔

۴؎ یعنی ورقہ کے متعلق ہم پر وحی جلی تو نہ آئی مگر وحی خفی یعنی خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنتی ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردے کو سفید لباس میں خواب میں دیکھنا اس کے جنتی ہونے کی علامت ہے اور یہ کہ حضرت ورقہ مؤمن ہیں مغفور ہیں بلکہ بعض کے نزدیک صحابی ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت

نبوت پالیااور حضور کی تصدیق کردی اگرچہ اعلان نبوت تبلیغ اسلام کا زمانہ نہ پایا انکے نزدیک یہ چیز صحابیت کے لیے کافی ہے۔

	روایت ہے حضرت خزیمہ ابن ثابت سے ۱؎ وہ اپنے چچا ابو خزیمہ سے راوی ۲؎ کہ انہوں نے خود کو اس حالت میں دیکھا جس کو سونے والا دیکھتا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر سجدہ کیاتو حضور کو خبر دی حضور انکے آگے لیٹ گئے اور فرمایا اپنی خواب سچی کرلو چنانچہ انہوں نے حضور کی پیشانی پر سجدہ کیا ۳؎ (شرح السنۃ)اور ہم ابوبکرہ کی حدیث گویا آسمان سے ترازو اتری الخ مناقب ابوبکروعمر میں بیان کریں گے ۴؎

۱؎ آپ کا نام عبداللہ ہے،کنیت ابوعمارہ انصاری ہے،بدر اور تمام غزوات میں شریک ہوئے،جنگ صفین میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے،جب عمار ابن یاسر شہید ہوگئے تو آپ نے تلوار سونت لی اورلڑتے لڑتے شہید ہوگئے،بہت بڑے عابد زاہد صحابی ہیں۔(اشعہ و مرقاۃ)

۲؎ ابو خزیمہ مشہور صحابی ہیں،آپ کو ذوالشھادتین کہاجاتا ہے کیونکہ آپ کی گواہی دو گواہوں کے برابر تھی۔

۳؎ اس طرح کہ حضور انور کی پیشانی پر اپنی پیشانی رکھ کر سجدہ کیا یہ سجدہ رب تعالیٰ کو تھا سجدۂ عبادت تھا حضور کو نہ تھا بلکہ حضور کی پیشانی پر آج حضور انور کی پیشانی آپ کا مصلی تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر خواب میں کوئی عبادت کرتے دیکھے تو بیدار ہوکر کرے،بعض بے دین فی زمانہ پیروں ولیوں کو سجدہ کرنا جائز کہتے ہیں اور اس حدیث سے دلیل لیتے ہیں وہ نرے جاہل ہیں،مصلے پر سجدہ کرنا مصلی کو سجدہ نہیں ہوتا۔خیال رہے کہ کسی بندے کو سجدۂ عبادت کرنا شرک ہے سجدہ تعظیمی کرنا حرام ہے،حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کا سجدہ کرنا حکم شرعی نہ تھاکہ فرشتے احکام شرعیہ کے مکلّف نہیں،نیز وہ سجدہ صرف ایک بار ہوا کسی نے کبھی حضرت آدم کو پھر سجدہ نہ کیا،یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کا حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا حکم شرعی نہ تھا خواب کی تعبیر پوری کرنے کے لیے تھا جیسے ذبح اسمٰعیل علیہ السلام کا واقعہ کہ دین ابراہیمی میں ذبح اولاد حکم شرعی نہ تھا اسی لیے وہ سجدہ بھی صرف ایک بار ہوا،اگر سجدہ یوسفی سے دلیل لی جاوے تو چاہیے کہ یہ پیر اپنے مریدوں کو سجدہ کریں کیونکہ یعقوب علیہ السلام جو والد ہیں انہوں نے اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام سجدہ کیا تھا۔سجدہ تعظیمی کی بحث ہماری تفسیر نور العرفان میں ملاحظہ کرو ۔سجدہ تعظیمی کی حرمت پر بہت احادیث وارد ہیں اس کے جواز کی کوئی حدیث نہیں محض ان جاہلوں کا قیاس ہے۔

۴؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی،ہم نے وہاں اس باب میں کی کہ اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی شان کا اظہاراس لیے وہاں کے مناسب ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھی ہے چنانچہ آپ کی خدمت میں وہ شخص بیان کرتا جسے اللہ چاہتا اور حضور نے ایک صبح فرمایا کہ آج رات میرے پاس دو آنے والے آئے ۱؎ اور انہوں نے مجھے اٹھایا اور مجھ سے کہا چلئے میں ان کے ساتھ گیا اور اس طرح کی حدیث بیان کی جو پہلی فصل میں بہت دراز ذکر ہوئی اس میں کچھ زیادتی بھی ہے جو مذکورہ حدیث میں نہیں ۲؎ اور وہ حضور کا یہ قول ہے کہ ہم ایک سرسبز باغ پر آئے ۳؎ جس میں ہر قسم کی بہار کی کلیاں تھیں ۴؎ اور ناگاہ باغ کے درمیان ایک دراز قد شخص ہے نہیں قریب تھا میں کہ ان کا سر دیکھوں آسمان میں درازی کی وجہ سے اور اس شخص کے ارد گرد بہت بچے ہیں جنہیں میں نے کبھی دیکھا ہو ۵؎ میں نے کہا یہ کیا ہے اور یہ کون لوگ ہیں؟ فرماتے ہیں وہ دونوں بولے چلو تو ہم ایک بڑے باغ تک پہنچے کہ اس سے بڑا میں نے کبھی نہ دیکھا ۶؎ فرماتے ہیں کہ ان دونوں نے مجھ سے کہا کہ میں اس میں چڑھ جاؤں فرماتے ہیں کہ پھر ہم اس میں چڑھ گئے تو ایسے شہر تک پہنچے جو سونے چاندی کی اینٹوں سے بنا تھا ۷؎ تو ہم شہر کے دروازے پر پہنچے ہم نے دروازہ کھلوایا وہ کھولا گیا ہم اس میں داخل ہوگئے ۸؎ وہاں ہم کو کچھ لوگ ملے جن کی آدھی شکل تو بہت ہی اچھی تھی جو تم دیکھو اور ان کی آدھی شکل بہت ہی بری جو تم دیکھو ۹؎ فرماتے ہیں کہ ان دونوں نے ان سے کہا جاؤ اس

نہر میں کود جاؤفرماتے ہیں کہ سامنے ہی نہر بہ رہی تھی جس کا پانی سفید و خالص چٹا تھاچنانچہ یہ لوگ گئے پھر اس میں کود گئے پھر ہمارے پاس آئے حالانکہ ان سے تمام برائی جاچکی تھی اور وہ نہایت اچھی شکل میں ہوگئے تھے ۱۰؎اور اس زیادتی کی تفسیر میں ذکر فرمایا ۱۱؎کہ وہ دراز قد شخص جو باغ میں تھے وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں ۱۲؎اوروہ بچے جوان کے ارد گرد تھے وہ ہر ایسا بچہ ہے جو اسلام پر مرے۱۳؎راوی کہتے ہیں کہ بعض مسلمانوں نے کہا یارسول اللہ مشرکوں کے بچے بھی تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مشرکوں کے بچے بھی۱۴؎لیکن وہ قوم جن کا آدھا حصہ اچھا اور اچھا برا تھا وہ ایسی قوم ہے جنہوں نے اچھے برے کام ملا کر کئے اللہ تعالٰی نے ان سے در گزر فرمادی ۱۵؎(بخاری)	

۱؎یہ بھی منامی معراج ہے جو بالتفصیل پہلے گزر چکی۔یہ دونوں آنے والے دو فرشتے تھےحضرت جبرئیل و میکائیل علیہما السلام جو شکل انسانی میں حضور علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے۔

۲؎یعنی ابھی پہلی فصل میں جو یہ ہی حدیث گزری ہے اس میں وہ زیادتی نہیں جواب اس تیسری فصل میں بیان ہورہی ہے۔

۳؎ **معتمہ** بنا ہے **عمہ** سے بمعنی سیاہی یا اندھیرااس لیے نماز عشاء کو **عتمہ** کہا جاتا ہے کہ وہ رات اندھیری ہوجانے پر پڑھی جاتی ہے۔یہاں **معتمہ** کے معنی ہیں نہایت اعلٰی درجہ کا سبزہ جو مائل بہ سیاہی ہو۔قرآن کریم دو جنتوں کے متعلق فرماتا ہے کہ "**مُدۡهَآمَّتَانِ**"وہ دونوں باغ سیاہ ہیں یعنی ان کی سبزی مائل بہ سیاہی ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ **معتمہ** کے معنی ہیں گھنا باغ جس کے نیچے دھوپ نہ پہنچے زمین پر اندھیرا رہے،بعض نے فرمایا بڑی لمبی گھاس والا باغ مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔(مرقاۃ واشعہ)

۴؎ربیع موسم بہار کو کہتے ہیں جو سردی اور گرمی کے درمیان ہوتا ہے،اس زمانہ میں ہر قسم کے پھول و شگوفے کھلے ہوتے ہیں۔**نوز** نون کے فتحہ سے بمعنی شگوفہ و گل یعنی اس باغ میں ہر قسم کی کلیاں تھیں کسی پھول یا کلی کا انتظار نہ تھا۔

۵؎لوگوں کا خیال ہے کہ لفظ **قط** نفی کی تاکید کے لیے آتا ہے مگر حق یہ ہے کہ **قط** نفی و اثبات دونوں کی تاکید کے لیے آتا ہے،یہاں اثبات کی تاکید کے لیے ہے یعنی اس شخص کے ارد گرد اتنے زیادہ بچے ہیں کہ اتنے بچے کبھی کبھی ہی دیکھے ہوں گے۔

۶؎ یعنی یہ باغ اس پہلے باغ سے بھی زیادہ بڑا اور زیادہ خوبصورت تھاورنہ یہ نہ فرمایا جاتا کہ ہم نے ایسا باغ کبھی نہ دیکھا۔

۷؎ یعنی اس باغ کے درمیان ایک بڑا شہر تھااس شہر کے درمیان مکانات سونے چاندی کی اینٹوں کے تھے۔

۸؎ خیال رہے کہ دروازہ کھلوانے والے تو وہ دونوں فرشتے ہی تھے مگر اس شہر میں داخل ہونے والے وہ دونوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب ہی حضرات ہیں جیساکہ بالکل ظاہر ہے۔

۹؎ یعنی اس شہر میں لوگوں کے آدھے منہ کالے اور بدنماآدھے منہ گورے اور نہایت خوشنما تھے یہ حسن و قبح انتہائی درجہ کا تھا۔

۱۰؎ یعنی اس نہر میں غسل کرتے ہی ان کے نصف منہ کی سیاہی ختم ہوگئی،سارا چہرہ حسین اور سفید ہوگیاتو یہ لوگ حسین اور گورے ہوکر ہمارے پاس آئے خوشیاں مناتے ہوئے۔سبحان اللہ! عجیب ہی خواب ہے۔

۱۱؎ ذکر معروف ہے اس کا فاعل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی خود حضور انور نے حضرات صحابہ کرام سے تعبیر ارشاد فرمائی۔معلوم ہوا کہ اگرخواب دیکھنے والا خود تعبیر کا علم رکھتا ہو خود بھی تعبیر دیدے کسی سے پوچھنے کی اسے ضرورت نہیں،یہ بھی معلوم ہواکہ خود بھی تعبیر دے تب بھی کسی کو خواب سنادے تعبیر بھی سنادے تاکہ اس کا ظہور ضرور ہوجاوے،بعض نسخوں میں ذکر مجہول کے صیغے سے ہے مگر اسے مرقات نے ضعیف فرمایا۔

۱۲؎ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت دراز قد دیکھنا آپ کے بلندی درجات کی طرف اشارہ ہے جیسے قیامت کے دن مؤذن لوگ بہت دراز گردن ہوں گے یہ درازی قد معاذ اللہ بری معلوم نہ ہوگی۔

۱۳؎ یعنی وہ انسان کے بچے جو لڑکپن میں مرجاویں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پرورش میں رہتے ہیں۔

۱۴؎ یعنی کفار و مشرکین کے بہت چھوٹے اور بالکل نا سمجھ بچے جو فوت ہوجاویں وہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پرورش میں ہی مسلمانوں کے بچوں کے ساتھ ہوں گے۔اس سے چند مسائل معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام بعد وفات بھی کار سازی کرتے ہیں،دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام بعد وفات ہمارے چھوٹے بچوں کو تربیت و پرورش فرمارہے ہیں۔دوسرے یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سب سے خبردار ہیں بے خبر نہیں،بعد وفات اللہ تعالٰی کے مقبول بندے بے خبر نہیں ہوجاتے۔تیسرے یہ کہ کفار اور مشرکین کے چھوٹے بچے فوت شدہ جنتی ہیں وہ دوزخی نہیں۔جن احادیث میں ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے تابع ہوکر دوزخی ہیں اس سے وہ بچے مراد ہیں جو ہوش سنبھال کر اپنی فطرت بدل کر کافر ہوکر مریں،جو شعور سے پہلے مرجاویں وہ جنتی ہیں لہذا احادیث میں تعارض نہیں اسی لیے یہاں مات علی الفطرۃ ارشاد ہوا۔حدیث شریف میں ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا مجوسی یا مشرک بنادیتے ہیں،قرآن کریم فرماتاہے:"وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىٕلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ"۔معلوم ہوا کہ مشرکین کی زندہ دفن شدہ بچی خود دوزخی نہیں بلکہ وہ اپنے ماں باپ کے خلاف گواہ ہے اور فرماتاہے:"وَ یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ"۔ظاہر ہے کہ جنت میں تو بچے پیدا ہوا نہ

کریں گے یہ وہ ہی بچے ہوں گے جو دنیا میں پیدا ہوکر بچپن میں ہی مر گئے اور جنت میں جنتیوں کے خدام بنائے گئے۔(مرقات)فقیر کی یہ تحقیق خوب یاد رکھی جاوے۔

۱۵؎یعنی وہ گنہگار مسلمان ہیں جو بغیر توبہ مر گئے حضور کی شفاعت سے بخشے گئے وہ نہر شفاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہر ہے رب نے انہیں معافی دے دی۔خیال رہے کہ نزع کی حالت میں بدعقیدگی سے توبہ قبول نہیں مگر بدعملی اور گناہوں سے توبہ قبول ہے۔جو اس وقت بھی توبہ نہ کرے اور یوں ہی مرجاوے اس کا ذکر یہاں ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹوں میں سے بدترین جھوٹ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی آنکھوں کو وہ دکھائے جو انہوں نے نہیں دیکھا ۱؎(بخاری)

۱؎یہاں آنکھوں سے مراد خواب کی آنکھیں ہیں جن سے بندہ خواب میں سب کچھ دیکھتا ہے یعنی جھوٹی خواب گھڑ کر لوگوں کو سنائے،یہ جھوٹ دوسرے جھوٹوں سے بدتر اس لیے ہے کہ اس میں رب تعالٰی پر اور نبوت کے چھیالیسویں جزء پر جھوٹ باندھنا ہے۔جامع صغیر میں ہے کہ بدترین جھوٹے تین ہیں:ایک وہ جو کہ اپنا نسب بدلے،اپنے غیر کو باپ کی طرف نسبت دے،دوسرا وہ جو جھوٹی خواب گھڑے،تیسرا وہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھے یعنی جھوٹی احادیث وضع کرے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچی خوابیں سویرے ۱؎کی ہوتی ہیں۔(ترمذی،دارمی)

۱؎یعنی صبح سحری کے وقت کی خوابیں اکثر سچی ہوتی ہیں کیونکہ اس وقت اکثر دل مطمئن ہوتا ہے،معدہ خالی ہوتا ہے،اس سے بخارات دماغ کی طرف نہیں چڑھتے اور اس وقت فرشتوں کا نزول ہوتا ہے جو نماز فجر میں شرکت کر کے دن بھر انسانوں کے ساتھ رہتے ہیں۔سبحان اللہ!مبارک بندوں کے نزول کا وقت بھی مبارک ہے،اس وقت کے کام بھی مبارک ہیں،حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا:"وَجَعَلَنِیۡ مُبٰرَکًا"۔

کتاب الاداب,باب السلام

اچھی باتوں کا بیان[1] سلام کا باب[2]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] آداب جمع ہے ادب کی،لغت میں ادب اس کھانے کو کہتے ہیں جس کے لیے لوگوں کو جمع کیا جاوے اس لیے دسترخوان کو ادبہ کہتے ہیں جس پر لوگ جمع ہوکر کھاتے ہیں۔اصطلاح میں ادب وہ محنت اور مشقت ہے جو اچھے کام کرنے کے لیے برداشت کی جاوے۔اسی سے ہے تادیب،بزرگوں کے احترام کو بھی ادب کہتے ہیں بمعنی تعظیم،یہاں ادب سے مراد اچھے کام اور اچھی باتیں۔(اشعۃاللمعات)یہاں مرقات نے فرمایا کہ بڑوں کی تعظیم چھوٹوں پر شفقت ادب ہے۔سلام کے لغوی معنی ہیں آفات یا عیوب سے سلامتی،اسی سے ہے تسلیم۔اللہ تعالٰی کا نام ہے سلام بمعنی تمام عیوب سے پاک،اپنے بندوں کو سلامتی و امن دینے والا،اسی سے ہے مسلم بمعنی صلح و صفائی،یہاں سلام سے مراد سلام کا جواب ہے جو آتے جاتے وقت کہا جاتا ہے یعنی السلام علیکم کہنا اور اس کا جواب دینا۔

لطیفہ: علماء فرماتے ہیں کہ السلام علیکم کے معنی ہیں کہ تم پر سلامتی و امان نازل ہو۔علیکم سے پہلے نازلۃ پوشیدہ ہے اور یہ دعائیہ جملہ ہے،مگر صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں سلام یعنی اللہ تعالٰی تمہارے اعمال،احوال،افعال،اقوال کا نگران ہے وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے،ان کے ہاں سلام نام ہے اللہ تعالٰی کا اور علیکم سے پہلے رقیب پوشیدہ ہے بمعنی نگران۔(اشعۃ اللمعات)وہ جو حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور انور نے تیمّم فرماکر سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ سلام اللہ کا نام ہے اس لیے بغیر وضو یہ نام نہ لیا وہ حضرات صوفیاء کے معنی کی تائید کرتا ہے۔

دوسرا لطیفہ: مسلمان کو سلام کرنا سنت اور سلام کا جواب دینا فرض ہے مگر ثواب زیادہ ہے سلام کرنے کا یعنی اس سنت کا ثواب اس فرض سے زیادہ ہے جیسے وقت پر قرض ادا کرنا فرض ہے اور وقت سے پہلے ادا کرنا سنت مگر ثواب اس کا زیادہ ہے کہ وعدے سے پہلے ادا کرے یا جیسے محتاج مقروض کو ڈھیل دینا مہلت دینا فرض ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ"معاف کردینا سنت ہے مگر معاف کردینے کا ثواب زیادہ ہے بہرحال بعض سنتوں کا ثواب بعض فرضوں سے زیادہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا[1] جن کے قد کی لمبائی	

	ساٹھ گز تھی ۲؎ تو جب انہیں پیدا کیا تو فرمایا جاؤ ان لوگوں پر سلام کرووہ فرشتوں کی ایک جماعت تھی بیٹھی ہوئی۳؎ تو غور سے سنو وہ تمہیں کیا جواب دیتے ہیں پھر وہ ہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا تحیہ ہے ۴؎ چنانچہ آپ گئے تو کہا السلام علیکم ۵؎ ان سب نے کہا السلام علیک ورحمۃ اللہ فرمایا تو انہوں نے ورحمۃ اللہ بڑھا دیا۶؎ تو جو بھی جنت میں جاوے گا حضرت آدم علیہ السلام کی صورت پر ہوگا ۷؎ اور اس کا قد ساٹھ ۶۰ گز ہوگا پھر جناب آدم علیہ السلام کے بعد مخلوق گھٹتی رہی حتی کہ اب تک ۸؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ اس جملہ کی چار شرحیں ہیں۔صورت بمعنی ہیئت و شکل ہے یا بمعنی صفت اور ضمیر کا مرجع یا آدم علیہ السلام ہیں یا اللہ تعالٰی لہذا اس جملہ کے چار معنی ہیں۔اللہ تعالٰی نے آدم علیہ السلام کو انکی شکل و ہیئت پر پیدا فرمایا کہ جس شکل میں انہیں رہنا تھا انہیں اول ہی سے وہ شکل دی دوسروں کی طرح نہ کیا کہ پہلے بچہ پھر جوان پھر بڈھا وغیرہ یا اللہ نے حضرت آدم کو ان کی صفت پر پیدا کیا کہ وہ اول ہی سے عالم عارف،سمیع و بصیر وغیرہ تھے دوسروں کی طرح نہیں کہ وہ جاہل پیدا ہوتے ہیں پھر بعد میں ہوش عقل وغیرہ حاصل کرتے ہیں یا اللہ نے حضرت آدم کو اپنی پسندیدہ صورت پر پیدا فرمایا،خود فرماتاہے:"لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسٰنَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ"اس لیے کوئی شخص دوزخ میں شکل انسانی سے نہ جاوے گا کہ یہ شکل خدا کو پیاری ہے یا اللہ نے حضرت آدم کو اپنی صفات پر پیدا فرمایا کہ انہیں اپنا علم،اپنا تصرف،اپنی سمع،اپنی قدرت وغیرہ بخشی۔(از اشعہ،مرقات)

۲؎ گز سے مراد شرعی گز ہے یعنی ایک ہاتھ (ڈیڑھ فٹ)یعنی آپ ساٹھ ہاتھ کے ہی پیدا ہوئے دوسرے انسانوں کی طرح نہیں کہ پہلے بہت چھوٹے پیدا ہوتے ہیں پھر بڑھتے رہتے ہیں کیونکہ آپ کی پیدائش ماں باپ سے نہیں تھی لہذا چھوٹا پیداکرنے کی کیا ضرورت ہے۔

۳؎ **جلوس** یا تو مصدر ہے تو اس سے پہلے **ذو** پوشیدہ ہے یا جمع ہے **جالس** کی جیسے **قاعدہ** کی جمع ہے **قعود** اور **راکع** و **ساجد** کی جمع ہے **رکوع** و **سجود** یعنی وہ جماعت ملائکہ جو بیٹھی ہوئی ہے انہیں سلام کرو،اعلٰی سے ادنی کو سلام کرایا،مسجود سے ساجدین کو تحیۃ کرائی غالبًا یہ واقعہ سجدہ آدم کے بعد کا ہے۔

۴؎ اس ارشاد فرمانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سلام جواب کا علم نہ تھا بلکہ اسے سنت ملائکہ قرار دینے کے لیے کہا تاکہ اولاد آدم کو یہ معلوم ہوجائے کہ سلام کرنا سنت آدم علیہ السلام ہے اور اعلٰی جواب دینا سنت ملائکہ،رب تعالٰی انہیں تمام چیزوں کا علم پہلے ہی دے چکا تھا۔

۵؎ معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سلام کے الفاظ سے سلام کرنے کا طریقہ پہلے ہی سے معلوم تھا اس لیے رب تعالٰی نے آپ کو سلام کے الفاظ نہ بتائے سب کچھ پہلے ہی بتادیا سمجھادیا گیا ہے۔

۶؎ اس سے دو مسئلہ معلوم ہوئے: ایک یہ کہ جواب سلام میں السلام علیکم کہنا بھی جائز اگرچہ وعلیکم السلام کہنا افضل ہے۔دوسرے یہ کہ جواب میں کچھ زیادہ الفاظ کہنا بہتر ہے جیساکہ آئندہ آوے گا۔

۷؎ یعنی جنت میں صرف انسان ہی جائیں گے جانور یا جنات نہ جائیں گے اور تمام جنتی انسان آدم علیہ السلام کی طرح حسین و جمیل تندرست ہوں گے کوئی بدشکل یا بیمار نہ ہوگا اور سب کا قد ساٹھ ہاتھ ہوگا کوئی اس سے کم یا زیادہ نہ ہوگا،دنیا میں خواہ پست قد تھا یا دراز قد،بچہ تھا یا بوڑھا،دوزخی کفار بہت موٹے ہوں گے ان کی ایک ڈاڑھ پہاڑ کی برابر ہوں گی۔(اشعہ)

۸؎ یعنی ان کی اولاد برابر قدوقامت میں گھٹتی رہی حتی کہ اب ساڑھے تین فٹ کے لگ بھگ رہ گئی مگر یہ کمی صرف دنیا میں ہے آخرت میں جنت میں پوری کردی جاوے گی۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا اسلام اچھا ہے ۱؎ فرمایا کھانا کھلاؤ اور سلام کرو اسے جسے پہچانو یا نہ پہچانو ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی اسلامی کاموں میں کون سا کام اچھا ہے۔

۲؎ یعنی سلام صرف اسلامی رشتہ سے ہو کاروباری دنیاوی تعلقات سے نہ ہو۔خیال رہے کہ حضور کے جوابات سائل کے حال کے مطابق ہوتے تھے اسی لیے اس سوال کے جواب مختلف دیئے۔کسی سے فرمایا کہ بہترین عمل نماز ہے،کسی سے فرمایا جہاد ہے یہاں فرمایا بہترین عمل کھانا کھلانا سب کو سلام کرنا یعنی تیرے لیے یہ دو کام بہترین۔خیال رہے کہ تقری سلام کرنا،سلام کہلوانا،سلام لکھنا لکھوانا ،سلام کہلا کر بھیجنا سب کو شامل ہے۔من عرفت کا تعلق صرف سلام سے ہے کھانا کھلانے سے نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن کے مؤمن پر چھ حق ہیں ۱؎ جب وہ بیمار ہو تو مزاج پرسی کرے ۲؎ اور جب مرجاوے تو جنازہ پر حاضر ہو ۳؎ جب دعوت دے تو قبول کرے،جب اس سے ملے تو اسے سلام کرے اور جب چھینکے ۴؎ تو جواب دے اور اس کی خیر خواہی کرے جب وہ غائب ہو یا حاضر ۵؎ یہ روایت میں نے نہ تو مسلم،بخاری میں پائی نہ کتاب حمیدی میں لیکن اسے جامع والے نے بروایت نسائی فرمایا ۶؎

۱؎ یہ حقوق اگرچہ واجب یا فرض یا سنت نہیں مگر حق اسلام ہیں اس لیے ارشاد علیٰ ہوا۔

۲؎ عیادت بنا ہے عود سے بمعنی لوٹنا رجوع کرنا،چونکہ بیمار کی مزاج پرسی بار بار کی جاتی ہے اسے عیادت کہتے ہیں۔

۳؎ تاکہ اس کی نماز جنازہ پڑھو،اسے دفن کرو۔بعض شارحین نےمات کے معنی کیے جب وہ مرنے لگے یعنی اس کے نزع کے وقت وہاں موجود ہومگر پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں۔(مرقات)آج کل امیروں کے جنازوں پر بڑا ہجوم ہوتا ہےغریب کی میت کو کوئی پوچھتا نہیں رب توفیق خیر دے۔

۴؎ دعوت سے مراد کھانے کی دعوت اس کا قبول کرنا سنت ہے بشرطیکہ دعوت ناجائز نہ ہو جیسے میت کے تیجے چالیسویں کی رسمی برادری کی دعوتیں کہ ان کا کھانا کھلانا دونوں ممنوع ہیں۔چھینک کا جواب جب دیا جاوے جب کہ وہ چھینکنے والا الحمدللہ کہے تو سننے والا کہے یرحمك اللہ پھر چھینکنے والا کہےیھدیکم اللہ ویصلح بالکم۔تشمت کے لغوی معنی ہیں شماتت دورکرنا۔

۵؎ پس پشت خیرخواہی کرنا کمال ہے روبرو خیرخواہی کی باتیں کردینا آسان ہےبلکہ بسا اوقات خوشامد ہوتی ہے۔

۶؎ کتاب حمیدی میں صرف بخاری،مسلم کی احادیث جمع کی گئی ہیں اور جامع اصول میں صحاح ستہ کی روایت جمع کی گئی،اس عبارت کا مقصود صاحب مصابیح پر اعتراض کرنا ہے کہ وہ پہلی فصل میں ایسی حدیث لائے جو مسلم،بخاری میں نہیں مگر ادبًا کہا کہ میں نے وہاں یہ حدیث نہ پائی اپنی تلاش کی کوتاہی بیان کی۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم جنت میں نہ جاؤ گے حتی کہ مؤمن بن جاؤ اور مؤمن نہ بنو گے ۱؎ حتی کہ آپس میں محبت کرو ۲؎ کیا میں تمہیں اس پر رہبری نہ کروں کہ جب تم وہ کرلو تو اس میں محبت کرنے لگو اپنے درمیان سلام پھیلاؤ ۳؎ (مسلم)

۱؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں لاتؤمنون ہے نون کے ساتھ،جن نسخوں میں لاتؤمنوا ہے وہاں ان کا گرانا مجانست کی وجہ سے ہے کہ چونکہ حتی تؤمنوا میں نون نہ تھا تو یہاں بھی نہ لائے،مرقات نے فرمایا کہ عربی میں کبھی نفی بمعنی نہیں ہوتا ہے کبھی برعکس۔

۲؎ یعنی کمال ایمان مسلمانوں کی آپس کی محبت سے نصیب ہوتا ہے،آپس کی عداوتیں بہت سے گناہ بلکہ کبھی کفر کا موجب ہوجاتی ہیں۔

۳؎ سلام پھیلانے کے وہ ہی معنی ہیں جو ابھی ذکر ہوئے کہ ہر مسلمان کو سلام کرے جان پہچان والا ہو یا انجان۔تجربہ سے بھی ثابت ہے کہ مسلمانوں کے دلوں کی عداوت مٹانے محبت پیدا کرنے کے لیے سلام مصافحہ ایک اکسیر ہے حضور کا فرمان بالکل ٹھیک ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

	علیہ وسلم نے کہ سلام کرے سوار پیدل پر ۱؎ اور پیدل بیٹھے ہوئے پر ۲؎ اور تھوڑے بہتوں پر ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی جب سوار اور پیدل مسلمان ملیں تو پیدل کو سوار سلام کرے کیونکہ سوار پیدل سے اعلیٰ حالت میں ہے اور سلام میں اظہار عجزونیاز ہے اس لیے وہ ہی اظہار نیاز کرے جو بظاہر افضل ہے مگر یہ افضیلت کا ذکر ہے اس کے برعکس بھی جائز ہے۔

۲؎ یعنی جب کوئی شخص کسی بیٹھے ہوئے شخص کے پاس یا مجمع میں آوے یا ان پر سے گزرے تو وہ مجمع والے اس کو سلام نہ کریں بلکہ یہ آنے والا سلام کرے کہ ملاقات یہ کررہا ہے اس بیٹھے سے کررہا ہے اور سلام ملاقات کرنے والے کے لیے ہے۔

۳؎ جب دو طرفہ مسلمان آرہے ہوں اور دونوں یکساں حالت میں ہوں کہ یا دونوں سوار ہوں یا دونوں پیادہ ہوں تو قانون یہ ہے کہ تھوڑے آدمی بہت سوں کو سلام کریں تاکہ چھوٹی جماعت بڑی جماعت کا احترام کرے ممکن ہے کہ اس بڑی جماعت میں اللہ والے زیادہ ہوں بڑی جماعت کا بڑا احترام ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سلام کرے چھوٹا بڑے پر ۱؎ اور گزرنے والا بیٹھے ہوئے پر اور تھوڑے بہت پر ۲؎ (بخاری)

۱؎ یعنی جب دو طرفہ مسلمان آرہے ہوں ایک ان میں کم عمر ہو دوسرا بڑی عمر والا تو سنت یہ ہے کہ چھوٹا بڑی عمر والے کو سلام کرے تاکہ بڑے کا احترام ظاہر ہو،چھوٹی عمر والا بیٹھا ہو اور بڑی عمر والا اس پر گزرے تو اب گزرنے والا ہی سلام کرے لہذا حدیث کا مطلب بالکل ظاہر ہے۔

۲؎ کیونکہ تھوڑے (قلیل) چھوٹے (صغیر) کے حکم میں ہیں لہذا یہ ہی سلام کریں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند لڑکوں پر گزرے تو انہیں ۱؎ سلا م کیا۔(مسلم،بخاری)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر گزرنے والا بڑا ہواور بیٹھا ہوا چھوٹا یا گزرنے والا ایک ہواور بیٹھے ہوئے بچے زیادہ تو گزرنے والا اور تھوڑی جماعت والا سلام کرے،یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ چھوٹے بچے جو سمجھدار ہوں انہیں بھی سلام کیا جاوے،اگر کسی جماعت میں چھوٹے بڑے مخلوط ہوں اور انہیں کوئی سلام کرے،بچہ جواب دے دے تو سب کا فرض ادا ہوجائے گا جیساکہ اگر بچہ نماز جنازہ پڑھ لے تو فرض ادا ہوگا۔اجنبیہ جوان حسینہ عورت کو سلام کرنا ممنوع ہے،اپنی محرم عورت یا بیوی یا بوڑھی عورت کو سلام کرنا بالکل جائز ہے،یہ ہی حکم جواب سلام کا ہے اجنبیہ عورت اجنبی مرد کے سلام کا جواب نہ دے،یہ اجنبی اس عورت کے سلام کا جواب دیدے،یہ مسائل کتب فقہ اور مرقات میں اسی جگہ دیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہودیوں عیسائیوں پر سلام کی ابتداء نہ کرو ۱؎ اور جب تم ان میں سے کسی راستہ میں ملو تو تنگ راستہ کی طرف انہیں مجبور کرو ۲؎(مسلم)

۱؎ سارے کفار کا یہی حکم ہے ذمی ہوں یا حربی کہ ان کو مسلمان بلاضرورت سلام نہ کرے کہ سلام میں اظہار احترام ہے اور کفار کا احترام درست نہیں،مرتدین بدمذہبوں کا حکم بھی یہی ہے ضرورت کے احکام جداگانہ ہیں۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎ یعنی مسلمان راستہ میں اس طرح ہجوم کرکے چلیں کہ ذمی کفار کنارہ پر چلنے پر مجبور ہوجائیں اسلام کی شان ظاہر کرنے کے لیے بشرطیکہ کنارہ راہ پر غار یا خار نہ ہوں،انہیں غار یا خار میں پھنسا دینا ان کو ایذا دینا ہے اور ذمی کافر کو ایذا دینا ممنوع ہے۔(مرقات)مستامن کفار اگر ہمارے مہمان بن جائیں یا ان کو بلایا جاوے تو ان کا مہمان کفار کی خاطر ہے۔خیال رہے کہ اس زمانہ میں کفار بھی مسلمانوں سے ایسا بلکہ اس سے بدتر سلوک کرتے تھے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم کو یہودی سلام کرتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک کہتا ہے تم پر موت پڑے تو تم کہہ دو کہ تجھ پر ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ فقیر نے بھی آزمایا ہے مجھے ایک بدمذہب نے صاف طور پر کہا **السام علیکم**،کے معنی ہیں موت تو مطلب یہ ہوا کہ تم پر موت پڑے اس کے جواب میں خواہ وہ **وعلیك** کہے تو واؤ بمعنی ہیں ہے یا صرف **علیك** کہہ دے۔

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم کو اہلِ کتاب سلام کریں تو کہہ دو وعلیکم ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اگر کفار کی جماعت یوں سلام کرے تو وعلیکم کہہ دے،اگر ایک کافر سلام کرے تو وعلیک کہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے فرماتی ہیں کہ یہود کی ایک جماعت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضری کی اجازت مانگی تو بولے السام علیکم ۱؎ تو میں نے کہا بلکہ تم پر موت و لعنت پڑے ۲؎ تو حضور نے فرمایا اے عائشہ اللہ رحیم ہے ہر کام میں نرمی پسند کرتا ہے ۳؎ میں نے کہا کیا آپ نے وہ نہ سنا جو انہوں نے کہا تھا،فرمایا میں نے کہہ دیا اور تم پر ۴؎ اور ایک روایت میں ہے تم ہی پر یعنی واؤ کا ذکر نہیں

۵؎(مسلم،بخاری)اور بخاری کی روایت میں ہے فرماتی ہیں کہ یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو بولے السام علیک حضور نے فرمایا وعلیکم تو جناب عائشہ رضی اللہ عنھا نے کہا موت ہو تم پر اور تم پر خدا لعنت کرے غضب کرے ٦؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ ٹھہرو نرمی لازم کرواور سختی اور فحش سے بچو ۷؎انہوں نے عرض کیا،کیا آپ نے نہ سنا جو انہوں نے کہا فرمایا کیا تم نے نہ سنا جو میں نے کہامیں نے ان پر ہی لوٹادیاتو میری دعا ان کے بارے میں قبول ہوگی اور ان کی دعا میرے متعلق نہ قبول ہوگی ۸؎اور مسلم کی روایت میں ہے فرمایا تم فحش گو نہ بنو ۹؎کیونکہ اللہ تعالٰی فحش کہنے کو پسند نہیں کرتا ۱۰؎	

۱؎غالبًا یہ یہود مدینہ تھے جو حضور انور سے ملنے آئے تھے۔معلوم ہوا کہ کفار سے ملنا انہیں گھر میں آنے کی اجازت دینا جائز ہےخصوصًا جب ان کو تبلیغ کرنے کے لیےہوں ان بدنصیبوں نے حضور انور کے تمام اہلِ بیت کو کوسا اس لیے علیکم کہا اس کے جواب میں حضور انور نے فرمادیا وعلیکم،جناب عائشہ سمجھیں کہ حضور نے ان کی بکواس میں غور نہیں فرمایااس لیے اگلا کلام آپ نے خود کیا ۔

۲؎ام المؤمنین کا یہ غضب و غصہ حضور کی والہانہ محبت کی بنا پر تھا کہ تم نے محبوب کو یہ کیوں کہا۔

۳؎لہذا تم ان آنے والوں پر نرمی کرو۔خیال رہے کہ جنگ و مناظرہ میں کفار پر سختی محبوب ہےمگر جب وہ ہمارے گھر ہم سے ملنے آویں تب ان پر نرمی کی جاوے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ"وَاغْلُظْ عَلَیۡہِمۡ"مختلف مقامات کے مختلف احکام ہوتے ہیں۔

۴؎یعنی ہم نے خود اپنا بدلہ لیتے ہوئے ان سے فرمایا کہ تم پر ہی پڑے یہ بدلہ کافی ہے۔حضور انور نے اعلٰی اخلاق کی تعلیم دی وہ بھی مہمان کفار کے ساتھ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں پر سختی کرنا عبادت ہے حضور مہمان کفار کی خاطر تواضع کرتے تھے لہذا اس حدیث سے یہ دھوکا نہ دیا جائے کہ حضور کے دشمنوں پر نرمی کرنی چاہیے مہمان کا حکم کچھ اور ہے۔

۵؎ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ وعلیکم میں واؤ جمع کے لیے نہیں بلکہ بمعنی بلی ہےلہذا وعلیکم کے معنی یہ نہیں کہ ہم پر اور تم پر دونوں پر موت واقع ہو بلکہ معنی یہ ہیں ہم پر نہیں بلکہ تم پر موت آئے اور واؤ نہ ہونے کی صورت میں تو معنی بالکل ظاہر ہیں۔

۶؎ یعنی اس روایت میں لعنت کے ساتھ غضب کی زیادتی ہے کہ ام المؤمنین نے انہیں تین بددعائیں دیں: موت کی،لعنت کی،اللہ تعالٰی کے غضب کی۔

۷؎ عنف سے مراد ہےدل کی سختی،فحش سے مراد ہے زبان کی سختی یعنی دل و زبان دونوں نرم رکھو یہ نرمی صرف مہمان کی وجہ سے ہے ورنہ ان ہی ام المؤمنین کے والد ماجد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حدیبیہ میں صلح کی گفتگو کے موقعہ پر ایک کافر سے کہا تھا **امسس بذکر اللات**،اللات یہ ہے"**اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ**"کا ظہور رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

۸؎ یعنی اس سودے میں انہیں کو گھٹا رہا۔

۹؎ یعنی تمہارے منہ سے کبھی فحش بات نہ نکلے،گالی کوسنا،غیبت وغیرہ کہ تمہاری زبان ان باتوں کے لیے نہیں بنی،تم صدیقہ ہو تمہاری زبان سے ہر بات سچی بھلی نکلے۔شعر

جو بات کہو منہ سے وہ اچھی ہو بھلی ہو کھٹی نہ ہو کڑوی نہ ہو مصری کی ڈلی ہو

۱۰؎ یعنی ان دونوں سے رب تعالٰی ناراض ہے۔خیال رہے کہ فحش سے مراد بری بات کا عادی ہونا،**تفحش** سے مراد ہے بہ تکلف بری بات کہنا کہ اس کی عادت تو نہ ہو مگر دل پر جبر کرکے بری بات منہ سے نکالی جائے۔

	روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس پر گزرے جس میں مسلمان مشرکین بت پرست اور یہود مخلوط لوگ تھے ۱؎ حضور نے انہیں سلام کیا ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ بت پرست بیان ہے مشرکین کا،یہود بھی اگرچہ شرک وبت پرستی کرتے ہیں مگر چونکہ انبیاء کو مانتے ہیں اس لیے انہیں مشرکین نہیں کہا جاتا بلکہ اہلِ کتاب کہا جاتا ہےاس لیے یہود کو مشرکین پر معطوف کیا کبھی غلط نسبت بھی فائدہ پہنچادیتی ہے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ مخلوط جماعت جہاں مسلمان کفار ملے ہوئے بیٹھے ہوں وہاں سے گزرنے والا مسلمان سلام کرے اور اپنے سلام سے مسلمانوں کی نیت کرے اور جب کسی کافر کو خط لکھے تو یوں لکھے"**اَلسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی**"۔یہاں اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ ایسی مجلس پر گزرنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے"**اَلسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی**"۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا راستوں پر بیٹھنے سے بچو ۱؎ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم کو وہاں بیٹھنے کے سوا چارہ نہیں ہم وہاں بات چیت کرتے ہیں ۲؎ فرمایا اگر بغیر بیٹھے نہ

	مانو تو راستہ کو اس کا حق دو۳؎ انہوں نے عرض کیا کہ راستہ کا کیا حق ہے یارسول اللہ،فرمایا نگاہ نیچے رکھنا،تکلیف دہ چیز ہٹانا اور سلام کا جواب دینا اور اچھائیوں کا حکم دینا،برائیوں سے روکنا ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎چونکہ راستہ سے عورتیں بچے گزرتے رہتے ہیں،نیز وہاں سے لوگوں کے مال سواریاں گزرتی ہیں اس لیے وہاں بیٹھنا خطرناک بدنظری کا اندیشہ ہے۔

۲؎یعنی ہماری ضروریات راستوں پر بیٹھنے سے وابستہ ہیں وہاں بیٹھ کر ہم کاروبار اور دیگر ضروریات کی باتیں کرتے ہیں۔

۳؎یعنی راستہ میں بیٹھ کر وہ نیکیاں کرو جس کی برکت سے تمام وہاں کے گناہوں سے بچے رہو اور ثواب کمالو،یہاں حق بمعنی استحقاق ہے کہ راستہ ان اعمال کا مستحق ہے۔

۴؎یعنی راستوں پر بیٹھ کر یہ پانچ نیکیاں یا ان میں سے جس قدر بن پڑیں کیا کرو:نگاہیں نیچی رکھو تاکہ اجنبی عورتوں پر نہ پڑیں،راستہ سے کانٹا اینٹ پتھر الگ کردیا کرو تاکہ کسی راہ گیر کو نہ چبھے نہ ٹھوکر لگے،جو راستہ گزرنے والا تمہیں سلام کرتا ہوا گزرےاس کا جواب دو،اگر تم راستہ میں کسی کو کوئی برا کام کرتے دیکھو تو اس سے روکو،اس کی عوض اسے اچھے کام کرنے کا مشورہ دو اس صورت میں تمہارا وہاں بیٹھنا بھی عبادت ہے۔سبحان اللہ! کیمیا پیتل،تانبہ کو سونا کردیتی ہے،حضور کی تعلیم گناہوں کو ثواب بنادیتی ہے۔شعر

تیرے کرم کا رسالت مآب کیا کہنا ثواب ہوگئے سارے عقاب کیا کہنا

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سےوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی اس قصہ میں فرمایااور لوگوں کو راستہ بتانا ۱؎ابوداؤد نے حدیث خدری کے پیچھےیوں روایت کیا۔

۱؎یعنی چھٹی نیکی بھولے بھٹکوں کو راستہ بتانا ہے،اکثر راہ گیر کسی کی دوکان کسی کے گھر کا پتہ پوچھتے ہوں تو بتادو کہ یہ بھی عبادت ہے۔

	روایت ہے حضرت عمر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی اس ہی قصہ میں فرمایا کہ مظلوم کی مدد کرو،گمے ہوئے(بھولے ہوئے) کو ہدایت دو ۱؎اس سے ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے پیچھے یوں ہی روایت کیا اور ۲؎میں نے یہ دونوں حدیثیں مسلم،بخاری میں نہ پائیں۔

۱؎یعنی اگر راستہ یا بازار میں دو مسلمان جھگڑ پڑیں تو ان میں بیچ بچاؤ کرا دو،اگر نہ ہوسکے تو مظلوم کی حمایت کرو یہ بھی ثواب ہے۔

۲؎ یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ وہ پہلی فصل میں غیر شیخین کی روایت لے آئے مگر مرقات نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہ دونوں حدیثیں یعنی حدیث ابی ہریرہ اور حدیث عمر رضی اللہ عنہما یہاں تکمیل اور تتمہ کے طور پر لائی گئی ہیں نہ کہ اصالۃً۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کے لیے مسلمان پر چھ اچھی خصلتیں ہیں۱؎ جب اس سے ملے تو سلام کرے۲؎ جب وہ دعوت دے تو قبول کرے۳؎ اور جب چھینکے تو اسے جواب دے جب بیمار ہوجاوے تو مزاج پرسی کرے جب مرجاوے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے۴؎ اور اس کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۵؎ (ترمذی،دارمی)

۱؎ ستٌّ کے بعد خصال پوشیدہ ہے اور **بالمعروف** صفت ہے اسی پوشیدہ خصال کی،خصال جمع ہے خصلت کی بمعنی عادت مگر یہاں مراد وہ حقوق ہیں جن کی عادت ڈالی جائے یعنی مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں ان کی ادا کی عادت ڈالنی چاہیے۔

۲؎ اگر راہ میں ملے تو صرف ایک بار سلام کرے مگر جب کسی کے گھر جا کر ملے تو تین بار سلام کرے،پہلا سلام اجازت داخلہ کے لیے،دوسر سلام جب اندر داخل ہو اس سے ملاقات کرے اور تیسرا سلام وداع ہوتے وقت پہلے سلام کو سلام استیذان کہتے ہیں،دوسرے کو تحیۃ،تیسرے کو سلام وداع۔یہاں راہ چلتے وقت کا سلام مراد ہے اس لیے صرف **لقیہ** فرمایا حضور کے ہر لفظ پاک میں عجیب حکمتیں ہوتی ہیں۔

۳؎ کھانے کے لیے دعوت دے یا اپنے کسی کام کے لیے بلائے بشرطیکہ وہ کھانے کی دعوت یا اس کا یہ کام ناجائز نہ ہو۔

۴؎ اتباع کے معنی ہیں پیچھے چلنا،یہاں **یتبع** فرما کر اشارۃً فرمایا گیا جنازہ میں شرکت کرنے کے والوں کو جنازہ سے پیچھے رہنا چاہیے اس سے آگے چلنا ممنوع ہے،ابن ماجہ میں روایت حضرت ابن مسعود ہے کہ **الجنازۃ متبوعة لیس بتابعة لیس منا من تقدمها**۔معلوم ہوا کہ جنازہ کے پیچھے چلے یہ ہی احناف کا مذہب ہے،یہاں جنازہ کے ساتھ جانے سے مراد ہے نماز جنازہ پہنچانا،دفن کرنا کامل اتباع یہ ہی ہے۔(مرقات واشعہ)

۵؎ یعنی زندگی بھر ہر مسلمان سے وہ برتاوا کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو اللہ تعالٰی اگر یہ نعمت نصیب کردے تو مسلمانوں سے لڑائیاں جھگڑے سب ختم ہوجائیں۔شعر

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو کلام ایسا کہ جو کوئی تم سے کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

دوسرا شاعر کہتا ہے!

آنچہ برخود نہ پسندی بہ دیگراں مپسند

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو عرض کیا السلام علیکم ۱؎ حضور انور نے اس کا جواب دیا پھر بیٹھ گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس ۲؎ پھر دوسرا آدمی اس نے عرض کیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ حضور نے اس کا جواب دیا وہ بیٹھ گیا تو فرمایا بیس پھر وہ دوسرا آیا عرض کیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ نے اس کا جواب دیا وہ بیٹھ گیا تو فرمایا تیس ۳؎ (ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ ایک شخص کو بھی سلام کرے تو علیکم جمع سے کہے کہ اس میں ان فرشتوں کو سلام ہوجاتا ہے جو انسان کے ساتھ رہتے ہیں محافظین اور کاتبین اعمال وغیرہم اگرچہ علیك واحد کہنا بھی جائز ہے۔

۲؎ عشر فاعل ہے ثبت لہ پوشیدہ کا یا نائب فاعل ہے کتب فعل مجہول کا یعنی اس کو دس نیکیوں کا ثواب حاصل ہوا یا اس کے لیے دس نیکیاں لکھی گئیں۔

۳؎ معلوم ہوا کہ سلام کے ہر کلمہ پر دس نیکیاں ملتی ہیں جتنے کلمات زیادہ ہوں اتنی نیکیاں اسی حساب سے زیادہ ہوں گی،جواب دینے والا زیادہ اچھا جواب دے یعنی سلام کے کلمات پر کچھ کلمات بڑھاکر جواب دے۔

ابوداؤد نے حضرت معاذ ابن انس سے بھی روایت کی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں اس کے ہم معنی اور زیادتی کی کہ پھر دوسرا اور آیا اس نے عرض کیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ و مغفرتہ تو فرمایا چالیس اور فرمایا یونہی زیادتیاں ہوتی رہیں گی ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی یہ ثواب صرف مغفرتہ تک ہی محدود نہیں کہ ان کلمات کے علاوہ اور کوئی کلمہ بڑھاؤ ثواب نہ بڑھے بلکہ جس قدر کلمات بڑھاتے جاؤ گے ثواب بھی فی کلمہ دس کے حساب سے بڑھتا ہی جائے گا۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ السلام علیکم بھی جائز ہے سلام کو معرفہ کرکے اور سلام علیکم بھی جائز سلام کو نکرہ کرکے،السلام کے معنی ہیں وہ سلام یعنی اللہ کا سلام یا آدم علیہ السلام کا سلام جو انہوں نے فرشتوں کو کیا تھا وہ تم پر بھی ہو،قرآن مجید میں دو طرح سلام مذکور ہیں رب فرماتاہے:"وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی"یہاں سلام معروف اور

فرماتاہے:"سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ طِبۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡهَا خٰلِدِيۡنَ"یہاں سلام نکرہ ہے۔ خیال رہے کہ جواب سلام میں علیکم پہلے ہو سلام بعد میں،اگر جواب میں بھی السلام علیکم کہہ دیا تو فرض ادا ہوگیا سنت رہ گئی۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ سے قریب تر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے ۱؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎یعنی جب دو مسلمان راستہ میں گزرتے ہوئے ملیں اور ان میں سے ہر ایک کو سلام کرنے کا حق ہو تو جو سلام کی ابتداء کرے وہ رحمتِ الٰہی سے بہت ہی قریب ہوگا لہذا یہ فرمان عالی ان فرمانوں کے خلاف نہیں کہ آنے والا بیٹھے ہوؤں کو اور تھوڑے لوگ بہت کو،چھوٹا بڑے کو،سوار پیدل کو سلام کرے۔حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں کہ تین چیزیں محبت پیدا کردیتی ہیں: سلام میں ابتداء کرنا،اپنے مسلمان بھائی کو اچھے لقب سے پکارنا،جب وہ آئے اسے مجلس میں جگہ دے دینا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ سلم عورتوں پر گزرے تو انہیں سلام کیا ۱؎ (احمد)	

۱؎اجنبی عورتوں کو سلام کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہے کہ وہاں فتنہ کا خطرہ نہیں،دوسرے مسلمان اجنبی عورتوں خصوصًا جوان عورتوں کو ہرگز سلام نہ کریں نہ ان کے سلام کا جواب دیں کہ یہ سلام عشق بلکہ بدکاری کی ابتداء بن سکتا ہے۔(مرقات واشعہ)

روایت ہے حضرت علی ابن ابی طالب سے فرماتے ہیں کہ جماعت کی طرف سے یہ کافی ہے کہ جب وہ گزریں تو ان میں سے ایک سلام کرے اور بیٹھے ہوؤں کی طرف سے یہ کافی ہے کہ ان میں سے ایک جواب دے دے ۱؎بیہقی نے شعب الایمان میں مرفوعًا روایت کیا ۲؎ اور ابواؤد نے روایت کی اور کہا کہ اسے حسن ابن علی نے مرفوع کیاوہ ابوداؤد کے شیخ ہیں۳؎	

۱؎یعنی اسلام میں سلام کرناسنت علی الکفایہ ہے کہ اگر جماعت میں سے ایک بھی سلام کرے تو سب کی سنت ادا ہوجائے گی اور سامنے والوں پر جواب سلام دینا فرض کفایہ ہے کہ اگر اس جماعت میں سے ایک نے بھی جواب دے دیا تو سب کی طرف سے فرض ادا ہوگیا۔خیال رہے کہ فرض علی الکفایہ تو بہت ہیں جیسے نماز جنازہ اور سلام کا جواب،بعض صورتوں میں جہاد،عالم دین بننا وغیرہ مگر سنت علی الکفایہ صرف دو ہیں: ایک تو سلام، دوسرے چھینک کا جواب۔کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا ہمارے ہاں سنت علی العین ہے کہ ہر شخص بسم اللہ پڑھ کر کھائے اور شوافع کے ہاں سنت علی الکفایہ،بہرحال احناف کے نزدیک سنت علی الکفایہ صرف یہ دو چیزیں ہی ہیں۔

۲؎ یعنی یہ حدیث ابوداؤد نے دو اسنادوں سے روایت کی ایک اسناد میں مرفوع ہے یعنی حسن ابن علی کی اسناد میں دوسری اسناد میں حضرت علی کا اپنا قول روایت کیا یعنی حدیث موقوف مگر بیہقی نے صرف مرفوعًا روایت کی۔
۳؎ یعنی یہ حسن ابن علی ابوداؤد کے مشائخ سے ایک شیخ ہیں یہ حسن ابن علی ابن ابی طالب نہیں دھوکا نہ کھانا چاہیے،اس کی اسناد یہ ہیں عن ابی داؤد عن حسن ابن علی عن عبدالملک ابن ابراہیم عن سعید ابن خالد عن عبداللہ ابن فضل عن عبداللہ ابن ابی رافع عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ،بہرحال یہ حدیث موقوف بھی ہے مرفوع بھی لہذا مرفوع ہی مانی جاوے گی،اگر موقوف بھی ہوتی تب بھی مرفوع کے حکم میں ہوتی کہ ایسی حدیث جو عقل سے وراء ہو وہ موقوف بھی مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے۔

	روایت ہے عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ہم سے نہیں جو ہمارے غیروں سے مشابہت کرے ۱؎ تم نہ تو یہود سے مشابہت کرو نہ نصاریٰ سے،یہود کا سلام انگلیوں سے اشارہ ہے اور عیسائیوں کا سلام ہتھلیوں سے اشارہ ہے ۲؎ (ترمذی)اور فرمایا اس کی اسناد ضعیف ہے ۳؎

۱؎ جو افعال یا احوال یا چیزیں کفار کی قومی علامتیں ہوں مسلمانوں کے لیے حرام ہیں جیسے ہندوانی دھوتی وغیرہ اور جو ان کی دینی علامتیں ہوں وہ مسلمانوں کے لیے کفر ہیں جیسے ہندوانی قشقہ یا ہندوانی زنار وغیرہ۔
۲؎ یعنی صرف اشاروں سے سلام کرنا منہ سے کچھ نہ کہنا یہود و نصاریٰ کا سلام ہے،مسلمان یا تو زبان سے سلام کریں السلام علیکم کہیں یا اشارہ کے ساتھ منہ سے بولیں تاکہ اسلامی اور غیر اسلامی سلام میں فرق ہوجاوے،یوں ہی صرف سرجھکا دینا یا سر یا آنکھوں سے اشارہ کردینا سلام کے لیے کافی نہیں اور سلام کے وقت خود جھکنا ممنوع ہے تاحد رکوع ہو تو حرام ہے،رب تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کی توفیق بخشے۔
۳؎ ترمذی نے اس حدیث کو صرف اس لیے ضعیف فرمایا کہ **عن جدہ** میں **ہ** ضمیر کے متعلق پتہ نہیں چلتا کہ اس کا مرجع کون ہے عمر ابن شعیب ہیں یا انکے والد،ہم شروع کتاب میں یہ بحث کرچکے ہیں۔حق یہ ہے کہ یہ اسناد قوی ہے امام سیوطی نے جامع صغیر میں یہ حدیث بروایت عبداللہ ابن عمرو نقل فرمائی۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے ملے ۱؎ تو اسے سلام کرے پھر اگر ان کے درمیان درخت یادیوار یا پتھر کی آڑ ہوجائے پھر اس سے ملے تو پھر اسے سلام کرے ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ بھائی سے مراد اسلامی بھائی ہے خواہ اپنا عزیز ہو یا اجنبی۔بھائی فرماکر اشارۃً فرمایا کہ اجنبی عورت کو سلام نہ کرے۔

۲؎ یعنی ملاقات کا سلام غائب ہونے کے بعد ملنے پر ہوگا غائب ہونا اگرچہ معمولی ہی ہو ذرا سی آڑ درمیان میں آگئی ہے غائب ہونا پالیا گیا اب ملنا ملاقات ہے سلام کرو،بلکہ حکمی غائب ہونے کے بعد بھی سلام سنت ہے اس لیے نماز ختم ہونے پر سلام کیا جاتا ہے اس سلام میں نمازی ایک دوسرے کی نیت کریں کیونکہ نمازی بحالت نماز ایک دوسرے سے حکمًا غائب تھے اب عالم بالا کی سیر کرکے آرہے ہیں لہذا سلام کرتے ہیں۔بعد نمازِ فجر بعض لوگ مصافحہ کرتے ہیں اس کی وجہ بھی یہ ہی ہے کہ مصافحہ بوقت ملاقات ہوتا ہے اور یہ بھی وقت ملاقات ہے۔خیال رہے کہ یہاں وہ حالات مراد ہیں جن میں سلام ممنوع نہ ہو لہذا جو پیشاب پاخانہ یا جماع میں مشغول ہو یا سورہا ہو،اونگھ رہا ہو یا نماز یا اذان میں مشغول ہو یا غسل خانہ میں ہو ،کھانا کھارہا ہو لقمہ منہ میں ہو یا تلاوت قرآن کررہا ہو یا دینی درس دے رہا ہو یا سن رہا ہواسے سلام نہ کرے،اگر کرے گا تو اس کا جواب دینا لازم نہ ہوگا۔(مرقات)یوں ہی جمعہ کے دن خطبہ کے وقت سلام ممنوع ہے۔

روایت ہے قتادہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ جب تم کسی گھر میں جاؤ تو اس کے باشندوں کو سلام کرو ۱؎اور جب نکلو تو وہاں کے باشندوں کو سلام سے وداع کرو ۲؎(بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ اپنے گھر میں جاؤ یا دوسرے کے بہرحال سلام کرو،اگر خالی گھر میں جاؤ تو کہو السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین،اس کا ماخذوہ آیت کریمہ ہے "فَاِذَا دَخَلۡتُمۡ بُیُوۡتًا فَسَلِّمُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ"۔(مرقات)اور جب مسجد میں جاؤ تو کہو بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ۔روح پاک مصطفٰی مسجدوں بلکہ مسلمانوں کے گھروں میں جلوہ فرما ہے۔(شرح شفا شریف)

۲؎ یعنی سلام کرکے وہاں سے آؤ یہ سلام وداع کہلاتا ہے اس کا جواب دینا فرض نہیں مستحب ہے۔(مرقات) بعض شارحین نے فرمایا کہ فاودعوا بنا ہے ودیعۃ بمعنی امانت سے یعنی رخصت ہوتے وقت اپنا سلام اہل خانہ کے پاس امانت رکھ آؤ کہ پھر خیر سے واپس آؤ اپنی امانت یعنی خیر و برکت و سلامتی وصول کرو،وداع کے وقت مصافحہ کرنا سنت نہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا اے میرے بچے جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو سلام کرو یہ برکت ہوگی تم پر اور تمہارے گھر والوں پر ۱؎(ترمذی)	

۱؎ گھر میں اپنے ماں باپ یا بیوی بچے ہوں بہرحال سلام کرکے داخل ہو اس سے گھر میں اتفاق اورروزی میں بڑی برکت ہوتی ہے۔بہت ہی مجرب ہے،فقیر اس کا عامل ہے اور اس کی بہت برکتیں دیکھتا ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سلام کلام سے پہلے ہے ۱؎ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث منکر ہے ۲؎

۱؎ سلام تین قسم کے ہیں: سلام اذن یہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے ہے اجازت داخلہ حاصل کرنے کے لیے،سلام تحیۃ یہ گھر میں داخل ہونے اور کلام کرنے سے پہلے ہے،سلام وداع یہ گھر سے رخصت ہوتے وقت۔یہاں سلام تحیت مراد ہے یہ کلام سے پہلے چاہئے تاکہ تحیت باقی رہے جیسے تحیۃ المسجد کے نفل کہ وہ بیٹھنے سے پہلے پڑھے جاویں۔

۲؎ اس کی اسناد میں ایک راوی عتبہ ابن عبدالرحمٰن ہے وہ خود بھی ضعیف ہے اور اس کا شیخ محمد ابن زادان ہے جو بہت ہی ضعیف ہے۔خیال رہے کہ یہ حدیث اس اسناد میں منکر ہے معنًی یہ حدیث صحیح ہے بہت اسنادوں سے مروی ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں کہ ہم زمانہ جاہلیت میں کہتے تھے اللہ تیری آنکھ ٹھنڈی کرے سویرا اچھا ہو جب اسلام آیا تو ہم اس سے روک دیئے گئے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ اور اس کی بجائے ہم کو اسلامی سلام کا حکم دیا گیا۔معلوم ہوا کہ سوا اسلامی سلام کے اور سلام ممنوع ہے جیسے آداب عرض یا تسلیمات عرض یا خدا حافظ یا یہ کہنا کہ یا علی مدد وغیرہ سب ممنوع ہیں،ہاں اگر اولًا سلام کرے پھر یہ الفاظ کہے تو حرج نہیں،دیکھو مرقات۔فارسی میں کہا جاتا ہے زی ہزار سال یہ سب ممنوع ہیں۔(اشعہ)اسلامی سلام بہت ہی جامع ہے۔ہندوانی سلام رام رام،سیتا رام،انگریزی سلام گڈ مارننگ نہایت بے ہودہ اور بے معنی ہیں۔اسلامی سلام میں سلامتی کی دعا ہے سلامتی جان،مال،عزت،اولاد،زندگی قبر و حشر ہر سلامتی کو شامل ہے۔

	روایت ہے حضرت غالب سے ۱؎ کہتے ہیں کہ ہم حسن بصری کے دروازے پر بیٹھے تھے ۲؎ کہ ایک شخص آیا بولا مجھے میرے والد نے میرے دادا سے خبر دی فرمایا مجھے میرے باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا ۳؎ کہا حضور کے پاس جاؤ تو حضور کو میرا سلام عرض کرو ۴؎ فرماتے ہیں میں حضور کے پاس حاضر ہوا میں نے عرض کیا کہ میرے والد آپ کو سلام عرض کرتے ہیں تو فرمایا تم پر اور تمہارے باپ پر سلام ۵؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ غالب ابن ابی غیلان ابن خطاب القطان ہیں،بصرہ کے رہنے والے ہیں،تابعین میں سے ہیں،امام نسائی نے آپ کو ثقہ کہا،امام احمد نے ثقہ کہا،امام یحیٰی نے صدوق و صالح فرمایا،بڑے عالم متقی ہیں۔

۲؎ ان کی تشریف آوری کے منتظر تھے یا ان کے ساتھ بیٹھے تھےدوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں،دیکھو مرقات یہ ہی مقام۔

۳؎ یعنی میرے دادا کو ان کے باپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام کہلا کر بھیجا تھا۔

۴؎ معلوم ہوا کہ سلام کہلا بھیجنا بھی سنت ہے اب لوگ حجاج کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سلام کہلواتے ہیں حاجی کو چاہیے کہ مواجہہ شریف میں کھڑے ہوکر یوں عرض کرے الصلوۃ والسلام علیك یارسول اللہ فلاں اور فلاں کی جگہ اس کا نام لے۔

۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی کسی کا سلام پہنچائے تو پہنچانے والے اور بھیجنے والے دونوں کو جواب سلام میں داخل کرلینا چاہیے بلکہ پہنچانے والے کا ذکر پہلے اور بھیجنے والے کا ذکر بعد میں ہونا چاہیے کہ حضور انور نے پہلے فرمایا وعلیك اور بعد میں فرمایا علی ابیك لہذا جو زائرین مدینہ دوسروں کا سلام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچاتے ہیں خود بھی جواب میں داخل ہوتے ہیں زہے نصیب۔

روایت ہے حضرت ابوالعلاء حضرمی سے کہ ابوالعلاء حضرمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل تھے ۱؎ اور جب آپ ان کی طرف لکھتے تو اپنی ذات سے ابتداء کرتے ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ علاء حضرمی کا نام عبداللہ ہے،حضر موت کے باشندے تھے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بحرین کے گورنر تھے،حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم نے ان کا عہدہ بحال رکھا،چنانچہ آپ تاوفات اسی عہدے پر رہے،بعض نے فرمایا کہ آپ کی وفات عہدِ صدیقی میں ہے،مرقات نے فرمایا کہ ۱۴ھ چودہ ہجری میں آپ نے وفات پائی اور ابوالعلاء کا نام زید ابن عبداللہ ہے،کنیت ابوالعلاء،مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں ابن العلاء ہے۔

۲؎ یعنی حضرت علاء جب بحرین سے حضور انور کی خدمت میں کوئی عریضہ لکھتے تو پہلے اپنا نام پھر مکتوب الیہ کا نام لکھتے تھے کیونکہ یہ ہی سنت رسول اللہ ہے،حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب بلقیس کو خط لکھا تو لکھا "اِنَّهٗ مِنۡ سُلَيۡمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ "جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ روم کو فرمان عالی لکھا تو لکھا من محمد رسول اللہ الی ھرقل عظیم الروم،طریقہ خط لکھنے کا یہ چاہیے کہ اپنا نام لکھے،پھر جس کو خط لکھنا ہے اس کا نام ہو،پھر کچھ القاب،پھر سلام،پھر مقصد کی تحریر۔ خیال رہے کہ یہ چیز سلام کی تمہید ہوتی ہے اس لیے اسے باب سلام میں لائے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی تحریر لکھے تو مٹی اس پر ڈالے کہ یہ ضرورت کو بہت پورا کرنے والی ہے	

	۱؎(ترمذی)اور کہا یہ حدیث منکر ہے ۲؎

۱؎یا خط پر مٹی ڈال یا خط کو مٹی پر ڈالے اس سے حرف بھی خشک ہوجائیں گے اور ان شاءاللہ جس مقصد کے لیے خط لکھا گیا ہے اس مقصد میں بھی کامیابی ہوگی کہ مٹی ڈالنے میں اظہار عجز ہے اور رب تعالٰی کو عاجزی بڑی پیاری ہے۔شعر

عجز کار انبیاء و اولیاء است عاجز محبوب درگاہ خدا است

لہذا اگر کسی کو کسی چیز کی درخواست دینا ہو تو یہ عمل کرکے درخواست دے ان شاءاللہ کامیابی ہوگی،بعض شارحین نے مٹی ڈالنے کی اور بہت توجیہیں کی ہیں مگر حق یہ ہے کہ اس سے ظاہری معنی ہی مراد ہیں یعنی خط پر مٹی یا ریت چھڑک دینا۔

۲؎طبرانی نے اوسط میں یہ حدیث بروایت حضرت ابوالدرداء بروایت صحیح نقل فرمائی لہذا اس حدیث کا متن صحیح ہے اگرچہ ترمذی والی اسناد منکر ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت زید ابن ثابت سے فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے کاتب تھا میں نے حضور کو فرماتے سنا کہ قلم اپنے کان پر رکھو کہ یہ انجام کو زیادہ یاد کرانے والا ہے ۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد میں ضعف ہے ۲؎

۱؎یعنی اگر کاتب قلم کو کان سے لگائے رکھے تو اسے وہ مقصد یاد رہے گا جو اسے لکھنا ہے۔بہتر یہ ہے کہ قلم داہنے کان پر رکھے اللہ تعالٰی نے ہر چیز میں کوئی تاثیر رکھی ہے،قلم کان میں لگانے کی یہ تاثیر ہے کہ اسے مضمون یاد رہتا ہے۔

۲؎یہ حدیث ابن عساکر نے بروایت حضرت انس مرفوعًا نقل فرمائی وہاں فانہ اذکر لك ہے اور جامع صغیر میں حضرت زید ابن ثابت سے مرفوعًا نقل فرمائی وہاں اذکر للمآل ہے،بہرحال یہ حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے لہذا اس کا متن صحیح ہے۔(مرقات)

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں سریانی زبان سیکھ لوں ۱؎ اور ایک روایت میں ہے کہ مجھے حکم دیا کہ میں یہود کی خط و کتابت سیکھ لوں اور فرمایا کہ میں کسی تحریر میں یہود پر مطمئن نہیں ۲؎ فرماتے ہیں کہ مجھ پر آدھا مہینہ نہیں گزرا حتی کہ میں نے سیکھ لی تو جب حضور یہود کو

	لکھتے تو میں لکھتا اور جب وہ حضور کو کچھ لکھتے تو حضور کی خدمت میں ان کا خط میں پڑھتا ۳؎(ترمذی)

۱؎سریانی زبان وہ ہے جس میں توریت شریف نازل ہوئی،یہود عموماً یہ ہی زبان بولتے اور لکھتے تھے،سریانی زبان عبرانی کے مشابہ یا اس کی شاخ ہے۔(اشعہ)اب یہ زبانیں دنیا سے مٹ چکیں صرف ان کے نام رہ گئے کسی جگہ نہیں بولی جاتیں جیسے ہندوؤں کی سنسکرت کہ دنیا سے مٹ چکی کہیں نہیں بولی جاتی،سریانی عبرانی زبانوں کی جگہ عربی نے لے لی۔

۲؎یعنی ہم یہود کو تبلیغ کرنے کے لیے انہیں خطوط لکھنا بھی چاہتے ہیں اور ان کے جوابات ملاحظہ کرنا بھی چاہتے ہیں،اگرلکھنے پڑھنے کا کام یہود مدینہ سے لیا جاوے تو ان کی خیانت کا اندیشہ ہے کہ ہم کچھ لکھوائیں وہ کچھ لکھ دیں یا یہود کے خطوط میں کچھ لکھا ہو یہ کچھ پڑھ دیں لہذا یہ دونوں کام تم خود کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفار کی زبان سیکھنا ممنوع نہیں بلکہ ضرورت پر اس کا حکم ہے جیسے آج انگریزی یا فرنچ زبانیں ضرورت کے لیے سیکھی جاویں۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قدرتی طور پر تمام زبانیں جانتے ہیں جب حضور جانوروں،پتھروں،کنکروں کی بولیاں سمجھتے ہیں تو انسانوں کی بولی کیوں نہ سمجھیں گے،یہ حکم عالی امت کی تعلیم کے لیے ہے کہ امراء و سلاطین اپنے ہاں دوسری قوموں کی زبان دانی رکھیں بلکہ خود اپنے لوگوں کو ان کی زبان سکھائیں زبان کوئی بری نہیں سب رب تعالٰی کی طرف سے ہیں،فرماتاہے:"وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِکُمۡ"۔

۳؎صرف پندرہ دن میں سریانی زبان کما حقہ سیکھ لینا یا حضرت زید کی ذکاوت سے ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے سے۔اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہوں کے ہاں ترجمان رہنے چاہئیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا جب تم میں سے کوئی کسی مجلس تک پہنچے تو سلام کرے ۱؎پھر اگر بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جاوے ۲؎پھر جب کھڑا ہو تو پھر سلام کرے ۳؎کیونکہ پہلا سلام دوسرے سے زیادہ حق دار نہیں ۴؎(ترمذی اورابوداؤد)

۱؎معلوم ہوا کہ آنے والا سلام کرے بیٹھے ہوؤں کو۔

۲؎یعنی اگر وہاں بیٹھنا نہ بھی ہو صرف گزر جانا ہو جب بھی سلام کرے اور اگر بیٹھنا ہو تب بھی سلام کرے۔

۳؎معلوم ہوا کہ راہ گیر یعنی گزرنے والا صرف ایک سلام کرے اور جو مجلس میں کچھ دیر ٹھہرے وہ دو سلام کرے ایک آنے کا دوسرا جانے کا۔

۴؎یعنی سلام لقا اور سلام وداع دونوں سنت ہونے میں برابر ہیں ایک کو دوسرے پر کوئی ترجیح نہیں لہذا یہ دونوں سلام سنت ہیں اور ان کے جواب فرض۔

روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راستوں میں بیٹھنے میں بھلائی نہیں ۱؎ سواء اس کے جو راستہ کو بتائے اور سلام کا جواب دے اور نگاہ نیچے رکھے اور سوار کرنے پر مدد دے ۲؎(شرح سنہ)ابوجری کی حدیث فضل کے باب میں ذکر کردی گئی ۳؎	

۱؎ بلکہ راستوں میں بیٹھنا کبھی گناہوں کا سبب بن جاتا ہے اس سے اجنبی عورتوں پر نظر پڑ جاتی ہے اور بہت خرابیاں ہوجاتی ہیں،ضرورت کے احکام جداگانہ ہیں۔

۲؎ یعنی اگر تم کو راستوں پر بیٹھنا پڑ جاوے تو یہ چار نیکیاں کرتے رہو: بھولے بھٹکے ناواقف کو راستہ بتاؤ،نگاہیں نیچے رکھو،راہ گیروں کے سلام کے جواب دو،اگر کوئی سواری پر سوار ہونے میں دشواری محسوس کرتا ہو تو اسے سوار کرادو،یوں ہی اگر کوئی بوجھ اٹھانا چاہتا ہے مگر اسے دشواری ہورہی ہو تو اس کی گٹھڑی اس کے سر پر رکھ دو۔

۳؎ اس حدیث کے اول میں یہ تھا کہ میں نے حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کیا علیك السلام یارسول اللہ تو فرمایا یہ مردوں کا آپس کا سلام ہے تم یوں کہو السلام علیک۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ نے حضرت آدم کو پیدا کیا اور ان میں روح پھونکی تو انہیں چھینک آئی انہوں نے کہا الحمدللہ(باذن الٰہی)پھر ان سے ان کے رب نے کہا اے آدم اللہ تم پر رحمت کرے ۲؎ ان فرشتوں کے پاس جو جماعت بیٹھی ہے جاؤ تو کہو السلام علیکم ۳؎ چنانچہ انہوں نے کہا السلام علیکم وہ بولے علیک السلام ورحمۃ اللہ ۴؎ پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹے ۵؎ تو فرمایا یہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا آپس میں سلام ہے پھر ان سے اللہ نے فرمایا حالانکہ اس کے دونوں ہاتھ کی مٹھیاں بند تھیں ۶؎ کہ جو لینا چاہو اختیار کرلو ۷؎ عرض کیا میں نے اپنے رب کا داہنا ہاتھ اختیار کیا میرے رب کے دونوں ہاتھ داہنے اور مبارک ہیں ۸؎ پھر رب نے ہاتھ کھولا تو اس میں آدم اور ان کی اولاد تھی ۹؎ عرض کیا	

یارب یہ کون لوگ ہیں فرمایا یہ تمہاری اولاد ہے ۱۰؎ تو ہر انسان کی عمر اس کی آنکھوں کے درمیان لکھی تھی ۱۱؎ ان میں ایک صاحب بہت چمکدار تھے یا ان کے بہت چمک داروں سے ۱۲؎ عرض کیا یارب یہ کون ہیں فرمایا یہ تمہارے فرزند داؤد ہیں اور ان کی عمر میں نے چالیس سال لکھی ہے ۱۳؎ عرض کیا یارب ان کی عمر میں زیادتی کردے فرمایا میں نے ان کے لیے یہ ہی لکھی ہے ۱۴؎ عرض کیا یارب میں نے اپنی عمر میں سے ساٹھ سال انہیں دیئے ۱۵؎ فرمایا تم جانو اور یہ کام ۱۶؎ فرماتے ہیں پھر جتنا اللہ نے چاہا حضرت آدم جنت میں رہے پھر وہاں سے اتارے گئے اور حضرت آدم اپنی عمر گنتے تھے ۱۷؎ پھر ان کے پاس ملک الموت آئے تو آدم نے ان سے کہا تم نے جلدی کی میری عمر ایک ہزار سال لکھی گئی عرض کیا ہاں لیکن آپ نے اپنے فرزند داؤد کو ساٹھ سال دے دیئے ہیں ۱۸؎ حضرت آدم نے انکار کردیا ۱۹؎ چنانچہ ان کی اولاد انکار کرتی ہے آپ بھول گئے تو اولاد بھولنے لگی ۲۰؎ فرماتے ہیں کہ اس دن سے لکھنے گواہ بنانے کا حکم دیا گیا ۲۱؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی انہیں پیدا ہوتے ہی چھینک آنا جو صحت و تندرستی کی علامت ہے اللہ کی رحمت اس کے فضل سے تھا اور چھینک پر الحمدللہ کہنا بھی اللہ کے ارادے اس کی تعلیم اس کی رحمت سے تھا انہیں کسی نے سکھایا نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ آپ علم لدنی سے عالم تھے جیسے ہمارے حضور نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کیا اور سجدہ میں حمد الٰہی کی یہ سب رب کی تعلیم سے ہے۔

۲؎ یہ واقعہ فرشتوں کے سجدے کے بعد کا ہے لہذا اس آیت کے خلاف نہیں "فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ"۔ یرحمك الله اگر دعائیہ کلام ہے تو بندوں کی تعلیم کے لیے ہے کہ اولاد چھینک کے جواب میں یہ کہا کریں جیسے قرآن کریم میں ہے "اِهْدِنَا الصِّرٰطَ الْمُسْتَقِیْمَ" اور اگر یہ فرمان خبر کے لیے ہے یعنی اللہ تعالٰی تم پر رحمت کرے گا تو مقصد ظاہر ہے۔

۳؎یعنی اے آدم آپ ان فرشتوں کے پاس جاؤ انہیں تحیۃ و ملاقات کا سلام کرو۔معلوم ہوا کہ آنے والا سلام کرے بیٹھے ہوؤں کو اگرچہ آنے والا افضل ہو اور بیٹھے ہوئے لوگ مفضول ہوں،دیکھو آدم علیہ السلام فرشتوں سے افضل بلکہ ان کے مسجود ہیں مگر آپ نے ہی سلام کیا۔

۴؎فرشتوں نے جواب میں ورحمۃ اللہ زیادہ کیا تاکہ آئندہ کے لیے سبق ہو کہ جواب میں کچھ زیادتی کردی جایا کرے۔

۵؎یعنی اس جگہ لوٹے جہاں پہلے رب تعالٰی سے کلام کیا تھا ورنہ رب تعالٰی کی رحمت و قدرت ہر جگہ ہے۔

۶؎یہ جملہ متشابہات سے ہے اس کے حقیقی معنی ہماری عقل و فہم سے بالا ہیں،اللہ تعالٰی جسمانی ہاتھ اور مٹھی سے پاک ہے اس کے معنی یارب تعالٰی جانے یا اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم۔بعض شارحین نے فرمایا کہ دونوں ہاتھوں سے مراد صفت جمال و جلال ہیں،ان صفتوں میں مرحومین اور مردودین ایسے چھپے تھے جیسے مٹی کی چیز مٹھی میں چھپی ہوتی ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم!

۷؎یعنی ان دونوں میں سے جس کو چاہو اپنا لو اسکے اندر کے بندوں کو اپنا بنالو۔

۸؎یہ ساری عبارت متشابہات سے ہے اس کے حقیقی معنی وہ ہیں جو اللہ رسول جانیں۔یہاں اشعۃ اللمعات میں اسی جملہ کے پانچ معنی بیان فرمائے: ان میں سے ایک یہ ہے کہ مخلوق کے داہنے بائیں میں سے بایاں ضعیف و کمزور ہوتا ہے داہنا قوی،رب تعالٰی ضعف و کمزوری سے پاک ہے اس کی صفات رحمت اور صفات قہر دونوں ہیں یعنی دونوں مبارک و قوی ہیں۔وہ وہ عزیز و غالب ہے جسے گمراہ کرتا ہے تو حکمت سے اور جسے ہدایت دیتا ہے تو حکمت سے۔

۹؎یہاں آدم علیہ السلام عالم شہود میں تھے دست قدرت میں عالم غیب میں بطورِ مثال تھے،خود اپنے کو دیکھ رہے تھے جیسے کوئی شخص آئینہ میں اپنے کو اور اپنے گھر بار آل و اولاد کو دیکھے جو خود گھر میں موجود ہوں،یہ مثال محض سمجھانے کے لیے ہے از آدم تاروز قیامت سارے انسان حضرت آدم کو دکھادیئے گئے اور یہ دکھانا اجمالًا نہ تھا بلکہ تفصیلًا تھا کہ آپ نے ہر ایک کو پہچان بھی لیا جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔رب تعالٰی نے پہلے توآدم علیہ السلام کو تمام عالم کی چیزیں دکھا کر انکے نام بتادیئے اس موقعہ پر صرف اولاد آدم دکھائی۔

۱۰؎اس ہاتھ میں صالحین یعنی مؤمنین اولیاء و انبیاء ہی تھے،دوسرے دستِ قدرت میں کفار ہوں گے خبر نہیں کہ ہم کس ہاتھ میں تھے رب تعالٰی فضل کرے۔

۱۱؎اس سے تین مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ انسان کی تقدیر اس کی عمر اس کی پیشانی میں لکھی ہوتی ہے اس لیے اسے پیشانی کہتے ہیں یعنی پیش آنے والی چیز۔دوسرے یہ کہ یہ تحریر اللہ کے مقبول بندے پڑھ لیتے ہیں آدم علیہ السلام نے بغیر کسی مدرسہ میں تعلیم پائے یہ تحریر پڑھ لی۔تیسرے یہ کہ آدم علیہ السلام کو سارے انسانوں کی تقدیریں ان کی عمریں معلوم تھیں یہ ہی علوم خمسہ سے ہیں پھر ہمارے حضور کے علم کا کیا پوچھنا، آدم علیہ السلام کا علم ہمارے حضور کے علم کے سمندر کا قطرہ ہے۔شعر

قدرت کی تحریریں جانے امی اور تقدیریں جانے
بخشش کی تدبیریں جانے

وہ ہے رحمت والا
جن کا نام ہے محمد ان سے دوجگ ہیں اجیالا
آن کی آن میں عرش پہ جاوے پلک جھپکتے فرش پہ آوے
دوجگ کا والی کہلاوے
امت کا رکھوالا
جن کا نام ہے محمد ان سے دو جگ ہیں اجیالا

۱۲؎غالبًا حضرت آدم علیہ السلام کی غائر نظر حضرت یوسف علیہ السلام یا حضور محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ پڑی ہوگی یا ادھر متوجہ نہ ہوئے ہوں گے ورنہ حضور کا حسن تمام سے زیادہ ہے۔رب کا منشاء یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر حضرت آدم علیہ السلام کی دعا سے زیادہ نہ ہو حضور کو دینے کے لیے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ کسی سے لینے کے لیے،رب تعالٰی کا منشاء یہ تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو جناب آدم علیہ السلام کی نگاہ میں حسین ترین دکھایا جاوے تاکہ اگلا واقعہ پیش آوے۔

۱۳؎آدم علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ عمران کی پیشانی میں پڑھ ہی چکے تھے،رب تعالٰی کا یہ فرمان اس پڑھے ہوئے کی تصدیق و تائید کے لیے ہے۔

۱۴؎آدم علیہ السلام نے عرض کیا تھا کہ ان کی عمر اپنی طرف سے بڑھادے اس لیے یہ جواب دیا گیا کہ ہم تو انہیں وہ عمر دے چکے جو دینا تھی آپ کی دعا سے اس وقت اس میں زیادتی نہ فرمائیں گے۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے بعد میں حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی عمر پوری دی یعنی ایک ہزار سال اور داؤد علیہ السلام کو بھی یہ ساٹھ سال دیئے جو آدم علیہ السلام دے چکے تھے لہذا اس فرمان عالی کے معنی یہ ہیں کہ اس وقت ان کی عمر میں زیادتی نہ کریں گے۔(مرقات)

۱۵؎اس سے چند مسئلہ معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اللہ کے مقبول بندوں کی دعا سے تقدیریں بدل جاتی ہیں عمریں بڑھ جاتی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی دعا سے حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر بجائے چالیس سال کے سو سال ہوگئی،قرآن کریم فرماتا ہے:"مَا یُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِہٖۤ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ"بلکہ بعض اعمال سے عمریں بڑھ جاتی ہیں،حضور فرماتے ہیں کہ صدقہ سے عمر بڑھتی ہے۔

۱۶؎یعنی منظور ہے اگر تم ہی اپنی عمر دے رہے ہو تو تم جانو۔معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کو اپنی عمر معلوم تھی کہ ایک ہزار سال ہے تب ہی تو آپ اس میں سے ساٹھ سال دے رہے ہیں اگر آپ کو خبر ہی نہ ہوتی کہ میری عمر دس سال ہے یا بیس سال تو آپ ساٹھ سال کیسے دیتے۔

۱۷؎خیال رہے کہ آپ کی یہ عمر جنت سے واپس آنے کے بعد شروع ہوئی تھی،اس وقت سے آپ نے گنتی شروع کی تھی ورنہ آپ جنت میں بہت دراز مدت رہے وہ مدت عمر کے حساب میں نہیں لگی۔جب بچہ پیدا ہوتا ہے تب

اس کی عمر شروع ہوتی ہے پیٹ میں رہنے کی مدت عمر کے حساب میں نہیں لگتی اس لیے یہاں ثم اھبط ارشاد ہوا۔

۱۸؎ تقدیر کے بیان میں جو حدیث گزری ہے وہاں چالیس سال کا ذکر ہے یہاں ساٹھ کا ذکر۔بات یہ تھی کہ آدم علیہ السلام نے داؤد علیہ السلام کو پہلے چالیس دیئے پھر ساٹھ سال کردیئے یعنی بیس سال اور زیادہ حضرت ملک الموت اولًا تو جب آئے جب کہ جناب آدم کی عمر کے ساٹھ سال باقی تھے آپ نے انکار کیا پھر بیس سال بعد آئے جب چالیس سال باقی تھے تاکہ ان بیس سال میں آپ اور بھی غور کرلیں سوچ لیں لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں۔(مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاءکرام کی موت ان کی رضا سے آتی ہے وہ جب چاہتے ہیں تب انہیں وفات دی جاتی ہے،موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا تھا کہ اگر آپ ابھی موت نہیں چاہتے تو بیل کی کھال پر ہاتھ پھیریں جتنے بال آپ کے ہاتھ لگیں فی بال ایک سال۔

۱۹؎ یعنی آدم علیہ السلام یہ واقعہ ایسا بھولے کہ یاد دلانے پر بھی انہیں یاد نہ آیا عمر لینا تو یاد رہا مگر عمر دینا یاد نہ رہا۔خیال رہے کہ یہاں انکار اپنی یاد آنے کا ہے نہ کہ اصلی واقعہ کا اصل واقعہ تو بذریعہ فرشتہ کے رب تعالیٰ بیان فرمارہا ہے اس کا انکار کیسے ہوسکتا ہے۔

۲۰؎ آپ سے بھول تو گندم کھانے میں ہوئی اور انکار عمر دینے کا ہوا اولاد میں ماں باپ کا اثر آتا ہے اس لیے انسانوں میں یہ مرض خصوصیت سے موجود ہیں۔

۲۱؎ معلوم ہوا کہ معاملات کا لکھ لینا ان پر گواہ بنالینا آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ہی چلا آرہا ہے۔

روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے فرماتی ہیں کہ ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے میں چند عورتوں میں تھی تو حضور نے ہم کو سلام کیا ۱؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ ہم دوسری فصل میں عرض کرچکے ہیں کہ اجنبی عورتوں کو سلام کرنا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے،ہم لوگ اجنبی جوان عورتوں کو نہ سلام کریں نہ انکے سلام کا جواب دیں،ہاں اپنی محرم عورتوں یا بچیوں یا بوڑھی عورتوں کو سلام جائز ہے۔

روایت ہے طفیل بن ابی کعب سے ۱؎ کہ وہ حضرت ابن عمر کے پاس جاتے تھے تو ان کے ساتھ بازار تک جاتے تو عبداللہ ابن عمر کسی معمولی چیزیں بیچنے والے ۲؎ اور شاندار تجارت کرنے والے اور مسکین پر اور کسی پر نہ گزرتے مگر اسے سلام کرتے ۳؎ طفیل کہتے ہیں کہ ایک دن میں عبداللہ ابن عمر کے پاس گیا تو مجھ سے بازار تک چلنے کو کہا میں نے کہا آپ بازار میں کرتے کیا ہیں نہ تو خرید وفروخت پر کھڑے ہوتے ہیں نہ سامان کی دریافت کرتے ہیں نہ اس کا بھاؤ	

	لگاتے ہیں نہ بازار کی مجلسوں میں بیٹھتے ہیں تو ہمارے ساتھ یہاں ہی بیٹھے باتیں کرلیں گے ۴؎ فرماتے ہیں کہ تو مجھ سے عبداللہ بن عمر نے فرمایا اے پیٹ والے،راوی کہتے ہیں کہ طفیل کا پیٹ بڑا تھا ۵؎ ہم سلام کے لئے جاتے ہیں کہ جو ہمیں ملے اسے سلام کریں ۶؎(مالک، بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یہ طفیل تابعی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں پیدا ہوئے مگر آپ کی زیارت نہ کرسکے،آپ کی کنیت ابوالحسن ہے،انصاری ہیں۔

۲؎ سقاط سین کے فتحہ ق کے شد سے بنا ہےسقط سے،سقط معمولی چیزوں کو کہتے ہیں یعنی گھری بڑی چیزیں۔سقاط وہ شخص جو معمولی چیزیں فروخت کرتا ہو جسے اردو میں کہتے ہیں چھابڑہ فروش اور صاحب بیعت اعلیٰ چیزوں کا بیوپاری کہلاتا ہے۔

۳؎ یعنی آپ ہر تاجر غیر تاجر،امیر وفقیر،واقف ناواقف سب کو سلام کرتے تھے اور کچھ خرید و فروخت نہیں کرتے تھے۔

۴؎ یعنی یہاں بیٹھ کر دینی باتیں کریں،کتاب و سنت،اللہ رسول کا ذکر کریں بازار جاتے آتے بات کرنے کا موقعہ نہیں ملتا۔

۵؎ لہذا ابوبطن کے معنی ہوئے پیٹ والے جیسے ابوہریرہ بلیوں والے،ابوبکر اولیت والے،ابوبطن بڑے پیٹ والے۔

۶؎ یعنی ہمارا بازار جانا بھی عبادت ہے کہ ہم وہاں عملی تبلیغ کے لیے جاتے ہیں،سلام کی اشاعت کرنا لوگوں کو سلام کرنے کی عادت ڈالنا۔معلوم ہوا کہ لوگوں کو سنت کا عادی بنانا بھی بہترین عبادت ہے،علماء اگر لوگوں کے پاس جاکر انہیں تبلیغ کریں تو بہت ہی اچھا ہے،گھر بلاکر تبلیغ کرنا اور لوگوں کے گھر جاکر تبلیغ کرنا دونوں ہی سنت ہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا بولا فلاں شخص کی کھجور کی شاخ میرے باغ میں ہے ۱؎ اور اس کی شاخ نے مجھے بہت دکھ دیا ہے ۲؎ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہلا بھیجا کہ میرے ہاتھ اپنی یہ شاخ فروخت کردے ۳؎ وہ بولا نہیں ۴؎ فرمایا تو مجھے ہبہ کردے ۵؎ بولا نہیں فرمایا تو اسے میرے ہاتھ جنت کے درخت کی عوض بیچ دے ۶؎ بولا نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ایسا شخص نہ دیکھا جو تجھ سے زیادہ بخیل ہو ۷؎ سواء اس کے جو سلام میں بخل کرے ۸؎(احمد، بیہقی شعب الایمان)

۱؎ اس طرح کہ میرا باغ اس کے باغ سے متصل ہے ایک مشترک دیوار بیچ میں ہے،دیوار کی اس طرف اس کی کھجور کا درخت ہے اس درخت کی ایک شاخ دیوار کی اس جانب میرے باغ میں ہے۔حائط وہ باغ کہلاتا ہے جو دیواروں سے گھرا ہو،عرب کے اکثر باغ ایسے ہی ہوتے ہیں۔

۲؎ کیونکہ یہ شخص اس شاخ کی وجہ سے دیوار پر چڑھتا ہے اور اگر اس شاخ کے پھل میری طرف گرجاویں تو انہیں لینے کے لیے میرے باغ میں آتا ہے ان حرکتوں سے مجھے اور میرے بچوں کو تکلیف ہوتی ہے،عرب میں باغ والے کا مکان بھی باغ میں ہوتا ہے جہاں اس کے بال بچے رہتے ہیں،اس پڑوسی کی اس آمدورفت سے اسے یقینًا دکھ پہنچتا تھا۔

۳؎ یعنی اس شاخ یا اس درخت کو ہمارے ہاتھ کچھ پیسوں کی عوض فروخت کردو تاکہ ہم وہ شاخ یا وہ درخت کٹوادیں تاکہ اس شخص کی تکلیف دور ہو،چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب مسلمانوں کے ولی ہیں اس لیے فرمایا یعنی ہمارے ہاتھ فروخت کردو۔

۴؎ اس سے دو مسئلہ معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننا ہر مسلمان پر فرض ہے کہ نہ ماننے والا یا فاسق ہوگا یا کافر مگر حضور کے مشورے کا ماننا فرض نہیں نہ قبول کرنے کا حق ہے،یہاں فرمانا مشورہ تھا حکم نہ تھا۔دوسرے یہ کہ حاکم بادشاہ بھی کسی کا مال بغیر اس کی مرضی کے فروخت نہیں کرسکتا بیع میں مالک کی رضا ضروری ہے،حضور انور نے اس سے فرمایا فروخت کردے خود فروخت نہ فرمادیا رب فرماتاہے:"اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ تِجٰرَۃً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡکُمۡ"۔اور ایک سائل کا کمبل و پیالہ نیلام فرمادینا یہ حضور کی ولایت عامہ کی بنا پر تھا جیسے مالک اپنے غلام کا مال یا باپ اپنے چھوٹے بچے کا مال فروخت کرسکتا ہے۔غرضکہ حضور کے دو عمل دو حیثیت سے ہے۔ابی اللحم کے ہاں حضور کی دعوت تھی ایک شخص کو ساتھ لے گئے تو مالک سے اجازت لی،حضرت طلحہ کے ہاں سارے خندق والوں کو مہمان بنا کر لے گئے،وہاں فتویٰ یہاں اپنی ملکیت کا اظہار صلی اللہ علیہ وسلم۔

۵؎ بغیر دنیاوی عوض کے دیدے یہ ہبہ درحقیقت اس باغ والے کے لیے ہوتا،ھب لی فرمانا اس وجہ سے ہے جو ابھی عرض کی گئی یا ھب لی کے معنے یہ ہیں کہ میری خاطر اس باغ والے کو ہبہ کردے تو یہ سفارش ہے نہ کہ حکم شرعی۔(مرقات)

۶؎ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مسلمان تھا۔مطلب یہ ہے کہ تو اسے سفارش سے بطور صدقہ دیدے میں تجھے اسکی عوض جنت کا باغ عطا کرتا ہوں۔حضور جنت کے مالک ہیں وہاں کی کوئی چیز کسی کو کسی کی عوض دے سکتے ہیں۔

۷؎ شاید یہ شخص کوئی بدوی یعنی جنگلی شخص تھا جسے ان چیزوں کی قدر نہ تھی نہ آداب مجلس سے واقف تھا ورنہ جنت کی عوض درخت کی شاخ کا بک جانا اچھا سودا تھا۔

۸؎ یعنی تجھ سے بڑھ کر بخیل وہ ہے جو مسلمان بھائی کو بلاوجہ سلام نہ کرے مفت کا ثواب کھودے یا وہ ہے جو مجھ پر سلام نہ بھیجے،دوسری توجیہ زیادہ قوی ہے۔(مرقات)اس کی تائید اس حدیث سے ہے کہ بخیل وہ جو میرا ذکر سنے اور مجھ پر سلام نہ بھیجے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا سلام میں ابتداء کرنے والا تکبر سے دور ہے[1] (بیہقی شعب الایمان)

[1] یعنی جو شخص مسلمانوں کو سلام کرلیا کرے وہ ان شاءاللہ متکبر نہ ہوگا اس کے دل میں عجز و نیاز ہوگا،یہ عمل مجرب ہے۔

باب الاستیذان

اجازت لینے کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱استیذان بناہے اذن سے،اذن کے معنی علم بھی ہیں اور اباحت و اجازت بھی۔استیذان کے معنی ہیں اجازت داخلہ حاصل کرنا یا یہ علم حاصل کرنا کہ مجھے اس جگہ جانا درست ہے،کسی کے گھر میں جاتے وقت اس سے اجازت مانگنا سنت ہے۔بہتر یہ ہے کہ کہے **السلام علیکم** کیا میں آسکتا ہوں یہ سلام بھی استیذان کا ہے۔(اشعۃ،مرقات،لمعات)وہ جو آتا ہے کہ **السلام قبل الکلام** وہاں سلام سے مراد سلام تحیۃ ہے جو ملاقات کے وقت ہوتا ہے یہ سلام استیذان ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ابوموسیٰ آئے بولے کہ حضرت عمر نے مجھے پیغام بھیجا کہ میں ان کے پاس آؤں تو میں ان کے دروازے پر آیا میں نے تین بار سلام کیا۱انہوں نے جواب نہ دیا تو میں لوٹ گیا۲انہوں نے فرمایا کہ تم کو ہمارے پاس آنے سے کس نے روکا۳میں نے کہا کہ میں آیا تھا آپ کے دروازے پر تین بار سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا۴تو میں لوٹ گیا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی تین بار اجازت مانگے پھر اسے اجازت نہ دی جاوے لوٹ جاوے۵حضرت عمر نے فرمایا کہ اس پر گواہی قائم کرو۶ابو سعید کہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ اٹھا اور حضرت عمر کی طرف گیا پھر میں نے گواہی دی۷ (مسلم،بخاری)	

۱یعنی جب میں حضرت عمر کے دروازے پر آیا تو میں نے تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہر کر تین بار کہا السلام علیکم یہ سلام استیذان ہے۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ داخلہ کی اجازت مانگنے کے لیے صرف سلام کرنا بھی کافی ہے اور یہ بھی

کہ السلام علیکم کیا آجاؤں،چونکہ حضرت عمر مکان میں تھے جو زنانہ تھا اس لیے اجازت مانگنے کی ضرورت ہوئی اگر مردانہ میں ہوتے تو بلانا ہی کافی تھا جسے بلایا جاوے اس کو اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی جیساکہ آگے آوے گا۔

۲؎دروازہ پیٹنا نہیں آج آنے والے اگر اجازت نہ پائیں تو دروازہ توڑ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اسلامی احکام سے خبردار نہیں۔

۳؎یا تو میرے لوٹتے ہی مجھے خادم کے ذریعہ بلوا کر یہ کہا یا جب میں کسی اور موقعہ پر حاضر ہوا تب یہ فرمایا پہلے معنی زیادہ موزوں ہے۔

۴؎یعنی گھر سے جواب سلام نہ ملا نہ آپ نے جواب دیا نہ آپ کے اہلِ خانہ میں سے کسی نے اس لیے میں واپس گیا۔

۵؎گھر والا پہلے سلام پر تو پہچانے کون ہے،دوسرے سلام پر غور کرے کہ اسے اجازت دوں یا نہ دوں،تیسرے سلام پر اجازت دے یا نہ دے ان تین سلاموں میں یہ حکمت ہے۔

۶؎اس گواہی مانگنے میں حکمت یہ تھی کہ لوگ حدیث بیان کرنے پر دلیر نہ ہوجاویں یا حدیثیں گھڑنے نہ لگیں،نہ تو یہ وجہ تھی کہ ان صحابی پر آپ کو اعتماد نہ تھا،نہ یہ کہ خبر واحد قبول نہیں کیونکہ دو شخصوں کی خبر بھی واحد ہی ہوتی ہے،حد تواتر سے کم کی خبر خبر واحد ہے۔(مرقات)مطلب یہ ہے کہ کوئی اور صحابی ایسا پیش کرو جس نے حضور انور سے یہ فرمان سنا ہو۔

۷؎ یعنی میں نے حضرت عمر کے پاس جاکر عرض کیا کہ میں نے بھی یہ فرمان عالی حضور انور سے سنا ہے تب آپ خاموش ہوگئے،اسی وجہ سے حضرت امیر معاویہ نے فرمایا تھا کہ جو احادیث عہد فاروقی کے بعد شائع ہوئیں ہم انہیں قبول نہ کریں گے کیونکہ حضرت عمر کی سی احتیاط بعد میں نہ رہی،خلافت حیدری میں روافض و خوارج کا ظہور ہوا،روافض نے حضرت علی کے فضائل میں،خوارج نے آپ کے خلاف حدیثیں گھڑنا شروع کردی تھیں،پھر محدثین نے جرح و تعدیل کرکے احادیث کو چھانٹا اسنادیں قائم کیں،سندوں میں جرح و قدح کی،کھرے کھوٹے کو الگ کرکے دکھادیا رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لیے میرے پاس آنے کی اجازت یہ ہے کہ تم پردہ اٹھا دو اور یہ کہ میری بھنک سنو۱؎ حتی کہ میں تم کو منع کردوں ۲؎(مسلم)	

۱؎یعنی تم بغیر آواز دیئے دروازہ کا پردہ اٹھاؤ گھر میں آجاؤ اگرچہ میں کسی سے خفیہ بات کررہا ہوں تم کو اجازت ہے کہ آجاؤ میری وہ بات سن لو،یہ آپ کی نہایت اہم خصوصیت ہے کہ آستانہ عالیہ میں ایسے باریاب ہیں رضی اللہ عنہ۔چونکہ آپ حضور انور کے خادم خاص تھے اور خصوصی خدام جنہیں بار بار گھر میں آنا جانا رہتا ہے انہیں ہر دفعہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں کہ اس پابندی میں تکلیف ہوگی انہیں بھی اور گھر والوں کو،بھی حضور کا یہ فرمان ان

کے لیے دائمی اجازت ہوگیا۔خیال رہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت ابن مسعود سے ازواج پاک پردہ نہیں کرتی تھیں کیونکہ مکان سے مردانہ مکان مراد ہے نہ کہ زنانہ یا یہ فرمان عالی پردہ فرض ہونے سے پہلے ہے۔(مرقات)**سواد** سین کے کسرہ سے،خفیہ آواز یعنی بھنک۔

۲؎ یعنی اگر کسی وقت میں تم کو آتے ہوئے اشارۃً منع کردوں تب نہ آنا وہ کوئی خاص صورت ہوگی گویا یہ عمومی اجازت ہےوہ خصوصی ممانعت ہوگی۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس قرض کے بارے میں آیا جو میرے باپ پر تھا ۱؎ میں نے دروازہ بجایا فرمایا یہ کون ہے میں نے کہا کہ میں،تو فرمایا کہ میں میں کیا غالبًا حضور نے اسے ناپسند کیا ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ جناب عبداللہ یعنی حضرت جابر کے والد مقروض تھے اور غزوہ احد میں شہید ہوگئے،حضرت جابر اس کے متعلق دعا کرانے یا قرض خواہوں سے سفارش کے لیے حاضر بارگاہ ہوئے تھے،یہ حدیث ان شاءاللہ **باب المعجزات** میں آوے گی۔

۲؎ معلوم ہوا کہ آنے والا پوچھنے پر اپنا نام لے صرف میں نہ کہہ دے کہ میں سب ہیں،اس سے گھر والے کو پہچان نہیں ہوتی کہ کون اجازت مانگ رہا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ داخل ہوا تو آپ نے پیالہ میں دودھ پایا ۱؎ فرمایا ابوہریرہ صفہ والوں کے پاس جاؤ انہیں میرے پاس بلا لاؤ میں ان کے پاس گیا انہیں بلایا تو وہ آگئے انہوں نے اذن مانگا انہیں اذن دیا تو وہ اندر آئے ۲؎(بخاری)

۱؎ غالبًا یہ واقعہ حضور کے اپنے گھر شریف کا ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ حضرت سعد ابن عبادہ کے گھر کا واقعہ ہے کہ حضور نے ان کے گھر یہ دودھ پایا تھا۔(مرقات)

۲؎ ان بزرگوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بلایا تھا مگر چونکہ وہ حضرات دیر سے آئے تھے اس لیے داخلہ کی اجازت مانگی ورنہ اگر بلانے والے کے ساتھ فورًا آجاوے اور بلانے والا زنان خانہ میں نہ ہو تو داخلہ کی اجازت حاصل کرنا ضروری نہیں یا یہ اجازت لینا استحبابًا تھا نہ کہ وجوبًا لہذا یہ حدیث آئندہ حدیث کے خلاف نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے کلدہ ابن حنبل سے کہ صفوان ابن امیہ نے ۱؎دودھ یا ہرنی کا بچہ اور ککڑیاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجیں ۲؎اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے اعلٰی حصہ میں تھے ۳؎فرماتے ہیں کہ میں آپ کے پاس حاضر ہوا تو نہ میں نے سلام کیا نہ اجازت لی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوٹ جاؤ پھر کہو السلام علیکم پھر اندر آؤ ۴؎ (ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ کلدہ ابن امیہ ماں شریکے بھائی ہیں صفوان ابن امیہ کے،صفوان قرشی ہیں،فتح مکہ کے بعد اسلام لائے،مؤلفۃ القلوب سے ہیں،ان کا باپ امیہ ابن خلف بدر کے دن دوسرے مشرکین کے ساتھ مارا گیا،یہ مکہ معظّمہ میں فوت ہوئے وہاں ہی دفن ہوئے،صفوان بڑے فصیح خطیب تھے۔(مرقات)

۲؎ جدایہ ہرنی کے شش ماہیہ بچے کو کہتے ہیں اور جدی بکری کے شش ماہیہ بچے کو کہا جاتا ہے،ضغابیس جمع ہے ضغیوس کی بمعنی چھوٹی ککڑی جسے پنجابی میں گلہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ گلے بہت پسند تھے۔

۳؎ مکہ معظّمہ کے اونچے محلوں کو معلٰی کہا جاتا ہے اور مدینہ منورہ کے بیرونی بلند حصوں کو عوالی کہتے ہیں۔اشعہ نے فرمایا کہ حضور انور مکہ معظّمہ کے اعلٰی حصہ میں تھے،مرقات نے کہا کہ مدینہ منورہ میں یہ واقعہ ہوا حضور وہاں تشریف فرما تھے۔

۴؎ یہ عمل اس لیے فرمایا تاکہ انہیں یاد رہے اور آئندہ ایسی غلطی نہ کریں۔جو شخص ہمارے گھر میں بغیر سلام آئے اسے پھر باہر بھیجو اور کہو کہ دوبارہ سلام کرکے آؤ ان شاءاللہ ایک دفعہ کے عمل سے اسے سلام کی عادت پڑ جاوے گی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی بلایا جاوے تو وہ قاصد کے ساتھ آئے تو یہ ہی اس کی اجازت ہے ۱؎(ابوداؤد)ان کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا آدمی کا قاصد آدمی کی طرف اس کی اجازت ہے ۲؎	

۱؎ یہ جب ہے جب کہ وہ شخص جلد آجاوے اور بلانے والا زناں خانہ میں نہ ہو لہذا یہ حدیث گزشتہ ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ایسے شخص کا اجازت لینا ثابت ہے۔

۲؎ اس میں وہ قیدیں ہیں جو ابھی ذکر کی گئیں یعنی جو بلانے والے قاصد کے ساتھ آئے اسے داخلہ کی اجازت لینا ضروری نہیں قصد ہی اس کی اجازت ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم کے دروازے پر آتے تو منہ کے طرف سے دروازے کے سامنے نہ ہوتے لیکن اس کے داہنے یا بائیں رہتے ۱؎ پھر فرماتے السلام علیکم،السلام علیکم یہ اس لیے تھا کہ اس زمانہ میں گھروں پر پردے نہ تھے ۲؎(ابوداؤد)اور حضرت انس کی حدیث کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا السلام علیکم دعوت کے باب میں ذکر کردی گئی ۳؎	

۱؎ سامنے اس لیے نہ کھڑے ہوتے تاکہ پردہ کے سوراخوں کواڑ کے جھروں سے اندرونی حصہ نظر نہ آوے اور گھر والوں کی بے پردگی نہ ہو۔

۲؎ یعنی کواڑوں کے پردے نہ تھے صرف ٹاٹ پڑے رہتے تھے اب جب کہ دروازوں پر کواڑ وغیرہ ہیں تب بھی بالکل دروازے کے سامنے نہ کھڑا ہونا کہ کواڑوں کی جھری سے یا پردہ ہٹ جانے سے گھر والوں کی بے پردگی نہ ہو۔

۳؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی ہم نے مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے دعوت کے باب میں نقل کردی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے عطا ابن یسار سے ۱؎ کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا بولا کیا میں اپنی ماں سے داخلہ کی اجازت لوں ۲؎ فرمایا ہاں وہ بولا کہ میں گھر میں اس کے ساتھ رہتا ہوں ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے داخلہ کی اجازت لو تو وہ شخص بولا کہ میں تو اس کا خدمتگار ہوں ۴؎ تو رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اجازت داخلہ لو ۵؎ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اسے ننگا دیکھو وہ بولا نہیں تو فرمایا کہ اس سے داخلہ کی اجازت لو ۶؎(مالک ارسالًا)	

۱؎ آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے کہ آپ حضرت میمونہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں،جلیل القدر تابعی ہیں۔(اشعہ)

۲؎ یعنی اگر اکیلے گھر میں صرف میری ماں حقیقی یا سوتیلی یا دودھ کی یا اور کوئی محرم ہو جس سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے ماں سے مراد باقی تمام ذی رحم محرم نہیں(مرقات)تو میں بغیر اجازت گھر چلا جاؤں یا ان سے بھی داخلہ کی اجازت لوں۔

۳؎ یعنی اگر میں اپنی ماں سے علیحدہ نہ رہتا ہوں بلکہ ایک گھر میں ساتھ ہی رہتا ہوں کہیں باہر گیا پھر آیا تو کیا پھر اجازت لوں۔

۴؎ اس خدمت گزاری کی وجہ سے بار بار مجھے جانا آنا پڑتا ہے ہر بار اجازت لینے میں حرج ہوگا۔

۵؎ اس اجازت میں یہ آسانی ہے کہ صرف کھانس دینا،پاؤں کی آہٹ کردینا،کنڈی بجادینا،مٹھار دینا کافی ہوگا باقاعدہ سلام کرکے اجازت لینا ضروری نہ ہوگا۔(مرقات)کسی طرح اپنی آمد کی اطلاع کافی ہوگی ۔

۶؎ سبحان اللہ! کیسی پیاری وجہ بیان ہوئی کہ چونکہ ماں کا ستر دیکھنا حرام ہے اور بے اجازت داخل ہونے میں اس کا اندیشہ ہے لہذا اطلاع کرکے آنا چاہیے،ہاں اگر گھر میں صرف بیوی ہو تو اطلاع کی ضرورت نہیں کہ بیوی سے حجاب نہیں۔

	روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ میری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک حاضری رات میں ہوتی تھی ۱؎ ایک حاضری دن میں تو میں جب رات میں حاضر ہوتا تو آپ میری خاطر کھنکار دیتے ۲؎ (نسائی)

۱؎ یعنی میں روزانہ کم از کم ایک بار دن میں حاضر ہوتا تھا اور ایک بار رات میں کبھی زیادہ بار بھی حاضری دیتا تھا یہ حاضریاں زیادہ قرب منزلت کی بنا پر تھیں۔

۲؎ یہ کھنکارنا اجازت کے لیے ہوتا تھا کہ آجاؤ اجازت ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو سلام سے ابتداء نہ کرے اسے اجازت نہ دو ۱؎ (بیہقی شعب الایمان)

۱؎ اس سلام سے مراد یا سلام اجازت ہے یا سلام ملاقات یعنی جو شخص بغیر سلام اجازت داخلہ مانگے یا جو شخص جب گھر میں آئے تو سلام نہ کرے بات شروع کردے تو اسے آنے یا بیٹھنے کی اجازت نہ دو واپس کرو پھر بلاؤ تاکہ وہ اب سلام کرکے آئے یا جو کوئی تمہاری دعوت میں بغیر سلام آجاوے تو اسے کھانا نہ دو لوٹا کر سلام کے ساتھ بلاؤ پھر کھلاؤ۔(مرقات)

باب المصافحۃ و المعانقۃ

مصافحہ کرنے گلے لگنے کا باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱مصافحہ بنا ہے **صفح** سے بمعنی کشادگی و چوڑائی اس سے دروازے کے تختوں کو **صفائح الباب** کہتے ہیں اور تلوار کی چوڑائی کو **صفح السیف** کہتے ہیں۔مصافحہ کے معنی ہیں ہاتھ کی چوڑائی یعنی ہتھیلی کو دوسرے کی ہتھیلی سے ملانا،**معانقہ** بنا ہے **عنق** سے بمعنی گردن اور گلا،**معانقہ** کے معنی ہیں کسی کو گلے لگانا۔مصافحہ معانقہ کے متعلق چند مسائل یاد رکھو:(۱)مصافحہ دونوں ہاتھوں سے چاہیے صرف ایک ہاتھ سے نہ کرے(۲)مصافحہ کرتے وقت ہاتھوں کوہلانا چاہیے(۳)نماز جمعہ یا نماز فجر کے بعد مصافحہ کرنا اگرچہ سنت نہیں مگر درست ہے بلکہ اس کی اصل سنت سے ثابت ہے(۴)اجنبی جوان عورت سے مرد کو مصافحہ کرنا حرام ہے(۵)اپنی محرم یا بہت بوڑھی عورت سے مصافحہ جائز ہے،حضرت ابوبکر صدیق اپنے زمانہ خلافت میں اپنی دودھ کی ماں سے مصافحہ کرتے تھے،حضرت عبداللہ ابن زبیر مکہ معظّمہ میں ایک بوڑھی عورت کی اپنے ہاتھ سے خدمت کرتے تھے(۶)خوبصورت امرد لڑکے سے مصافحہ کرنا جائز نہیں(۷)علماء مشائخ کے ہاتھ پاؤں چومنا جائز ہے،حضرات صحابہ نے حضور کے پاؤں چومے ہیں(۸)جو شخص اپنے کو لوگوں سے چوموائے اور چومنے کے لیے کہے اشارۃً یا صراحۃً اس کے ہاتھ چومنا منع ہے(۹)مصافحہ کرکے اپنے ہاتھ چومنا منع ہے(۱۰)بچوں کو چومنا جائز ہے(۱۱)ننگے بدن معانقہ کرنا حرام ہے،ہاں کپڑے پہنے ہوئے معانقہ کرنا جائز ہے مگر مرد مرد سے معانقہ کریں،عورتیں عورتوں سے،مرد عورت سے اورامرد لڑکوں سے معانقہ نہ کریں(۱۲)اپنی اولاد کا سر چومنا جائز ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم جناب فاطمہ زہرا کو چومتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں ان کے جسم سے جنت کی خوشبو پاتا ہوں،یہ تمام مسائل اشعۃ اللمعات میں ہیں(۱۳)کسی کو سجدہ کرنا،اس کے آگے کی زمین چومنا حرام ہے،یوں ہی سلام میں تاحد رکوع جھکنا حرام ہیں۔

روایت ہے حضرت قتادہ سے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس سے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں مصافحہ مروج تھا فرمایا ہاں ۱(بخاری)	

۱یعنی بوقت ملاقات مصافحہ کرنا سنت صحابہ ہے بلکہ سنت رسول اللہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن ابن علی کو چوما ۱اور آپ کے پاس اقرع ابن حابس تھے ۲وہ بولے کہ میرے	

	دس بچے ہیں میں نے ان میں سے کسی کو نہ چوما۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا پھر فرمایا کہ جو رحم نہیں کرتا وہ رحم نہیں کیا جاتا ۴؎ (مسلم بخاری)ہم جناب ابوہریرہ کی حدیث اثم لکع مناقب اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں ذکر کریں گے ان شاءاللہ اور ام ہانی کی حدیث باب الامان میں ذکر کردی گئی ۵؎

۱؎ ان کے رخسار چومے یا سرپا دونوں،تیسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔

۲؎ اقرع ابن حابس فتح مکہ کے سال بعد فتح بنی تمیم کے وفد میں حضور انور کی خدمت میں آئے اپنی قوم میں بہت باعزت تھے۔

۳؎ یعنی میں نے ساری عمر اپنے کسی بچہ کو نہ چوما آپ بچوں کو کیوں بوسہ دیتے ہیں۔خیال رہے کہ بوسہ پانچ قسم کے ہیں:بوسۂ مؤدت جیسے ماں باپ کے ہاتھ پاؤں چومنا،بوسۂ رحمت جیسے اپنے بچوں کو چومنا،بوسۂ شہوت جیسے اپنی بیوی کو چومنا،بوسۂ تحیۃ جیسے مسلمانوں کا ایک دوسرے کو چومنا،بوسۂ عبادت جیسے سنگ اسود یا قرآن مجید کو چومنا۔(از اشعہ)حضور کا یہ بوسہ بوسۂ رحمت تھا۔

۴؎ یعنی بچوں کو چومنا بوسۂ رحمت ہے جس کے دل میں رحم نہیں اس پرخدا تعالٰی بھی رحم نہیں کرتا۔اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ اپنے ننھے بچوں کو کبھی کبھی چومنا واجب ہے۔(مرقات)

۵؎ یعنی یہ دونوں حدیثیں مصابیح میں اسی جگہ تھیں ہم نے مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے ان بابوں میں ذکر کیا۔خیال رہے کہ حدیث من لا یرحم لا یرحم یعنی جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔اسے مسلم،بخاری،احمد،ترمذی، ابن ماجہ،طبرانی نے مختلف راویوں سے نقل کیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی دو مسلمان نہیں جو آپس میں ملیں پھر مصافحہ کریں مگر ان کے جدا ہونے سے پہلے دونوں بخش دیئے جاتے ہیں ۱؎(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ فرمایا جب دو مسلمان ملیں تو مصافحہ کریں اللہ تعالٰی کی حمد کریں اور اس سے معافی چاہیں تو ان کی بخشش کردی جاتی ہے ۲؎

۱؎مصافحہ سے گناہ صغیرہ جو ہاتھ سے کیے گئے معاف ہوجاتے ہیں،گناہ کبیرہ اور حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔ابو الشیخ نے بروایت حضرت عمر مرفوعًا حدیث نقل کی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو مسلمان جب مصافحہ کرتے ہیں تو اللہ تعالٰی کی سو رحمتیں اترتی ہیں نوے رحمتیں مصافحہ کی ابتداء کرنے والے پر اور دس رحمتیں دوسرے پر۔(مرقات)

۲؎یعنی مصافحہ کرتے وقت دونوں صاحب پہلے تو اللہ کی حمد اس کا شکر کریں کہ اس نے ان کو اسلام کی برکت سے بھائی بھائی بنادیا پھر ہر شخص دونوں کے لیے دعائے مغفرت کرے کہ کہے **یغفر اللّٰہ لنا ولکم**،بعض لوگ اس وقت درود شریف پڑھتے ہیں یہ بھی اچھا ہے کہ حضور کی سنت ادا کرتے وقت حضور پر درود شریف پڑھیں جن کے صدقہ میں یہ سنت ملی۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یارسول اللہ ہم میں سے کوئی اپنے بھائی یا اپنے دوست سے ملے تو کیا اس کے آگے جھکے فرمایا نہیں۱؎ کہا کیا اس سے لپٹ جاوے اور اسے چومے فرمایا نہیں ۲؎ عرض کیا کہ کیا اس کا ہاتھ پکڑ ے اور اس سے مصافحہ کرے فرمایا ہاں۳؎(ترمذی)

۱؎ کیونکہ جھکنا رکوع ہے اور غیر خدا کو جیسے سجدہ کرنا حرام ہے ایسے ہی رکوع کرنا بھی حرام ہے۔خیال رہے کہ جھکنا جب ممنوع ہے جب کہ تعظیم کے لیے ہو،اگر جھکنا کسی اور کام کے لیے ہو اور وہ کام تعظیم کے لیے ہو تو جائز جیسے کسی کے جوتے سیدھے کرنے یا اس کا ہاتھ یا پاؤں چومنے کے لیے جھکنا ممنوع نہیں کہ یہ جھکنا اور کاموں کے لیے ہے۔

۲؎لپٹنے اور چومنے کی ممانعت کی چند وجہیں ہوسکتی ہیں: ہر ایک سے معانقہ کرنا،ہر ایک کے ہاتھ پاؤں چومنا منع ہے،خاص بزرگوں کی دست و پابوسی اور خاص پیاروں کو گلے لگانا جائز ہے یا دنیاداروں مالداروں سے خوشامد کے لیے لپٹنا،ان کے ہاتھ پاؤں چومنا درست نہیں لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں معانقہ اور دست و پا بوسی کا ثبوت ہے،حضور نے بعض صحابہ سے معانقہ کیا ہے اور صحابہ نے حضور کے ہاتھ پاؤں چومے ہیں۔(مرقات،لمعات،اشعہ)

۳؎یعنی مصافحہ کرنا ہر مسلمان سے سنت ہے بوقت ملاقات مصافحہ کرے بوقتِ وداع نہ کرے کہ وداع کے وقت مصافحہ کرنے سے محبت گھٹتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیمار کی پوری مزاج پرسی یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر یا اس کے ہاتھ پر رکھے پھر اس سے پوچھے کہ وہ کیسا ہے ۱؎

اور تمہاری آپس کی پوری تحیت مصافحہ ہے ۲؎ (احمد،ترمذی)اور ترمذی نے اسے ضعیف کہا۔	

۱؎ یعنی جب کوئی شخص کسی بیمار کی مزاج پرسی کرنے جاوے تو اپنا ہاتھ اس کے سر یا ہاتھ پر رکھے پھر زبان سے یہ کہے اس سے بیمار کو تسلی ہوتی ہے مگر بہت دیر تک ہاتھ نہ رکھے رہے یہ ہاتھ رکھنا اظہار محبت کے لیے ہے۔

۲؎ بوقت ملاقات صرف سلام کرنا ادنی درجہ ہے اور معانقہ کرنا انتہائی حالت ہے،ہروقت معانقہ تکلیف کا باعث ہے،درمیانی حالت یہ ہے کہ بوقت ملاقات سلام بھی کرے مصافحہ بھی اور درمیانی حالت ہمیشہ اچھی ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ زید ابن حارثہ مدینہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے۱؎ وہ حضور کے پاس آئے تو دروازہ کھٹکھٹایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف برہنہ چلے اپنا کپڑا کھینچتے ہوئے۲؎ بخدا میں نے آپ کو برہنہ دیکھا نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد۳؎ تو حضور نے انہیں گلے لگالیا انہیں چوما۴؎ (ترمذی)	

۱؎ کسی سفر سے آئے یا کسی جہاد سے عرصہ تک غائب رہنے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ملاقات سے مشرف ہوئے اس دن حضور کی باری میرے گھر تھی یہ واقعہ میرے گھر میں درپیش ہوا جسے میں نے اپنی آنکھوں دیکھا۔

۲؎ یعنی حضور انور نے چادر اوڑھنے یا قمیض پہننے کا توقف نہ کیا بلکہ قمیض پہنتے ہوئے چادر اوڑھتے ہوئے ہی ان کی طرف بڑھے۔برہنہ کے یہ ہی معنی ہیں یعنی بے چادر یا بغیر قمیض ورنہ حضور انور کا ستر کسی بیوی صاحبہ نے بھی کبھی نہ دیکھا۔(مرقات و اشعہ)

۳؎ معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور دولت خانہ میں بھی بغیر قمیض کبھی کسی کے سامنے نہ ہوئے،اس شرم و حیاء پر قربان یا یہ مطلب ہے کہ میں نے اس طرح بغیر قمیض کسی سے ملتے نہ دیکھا لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۴؎ اس میں حضرت زید ابن حارثہ کی انتہائی محبوبیت کا اظہار ہے آپ کو حضور نے اپنا بیٹا بنایا تھا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خوشی میں کسی سے گلے ملنا سنت ہے لہذا عید کے معانقہ کو حرام نہیں کہا جاسکتا۔

روایت ہے ایوب ابن بشیر سے وہ عنزہ کے ایک شخص سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوذر سے کہا کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تم ان سے ملتے تو تم سے مصافحہ کرتے تھے ۲؎ فرمایا کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں آپ سے ملا ہوں اور مجھ سے مصافحہ نہ کیا ۳؎ حضور نے مجھے ایک دن بلایا میں اپنے گھر میں نہ تھا پھر جب میں آیا تو مجھے	

خبر دی گئی تو میں حضور کے پاس آیا آپ ایک تخت پر تھے مجھے لپٹا لیا تو یہ بہت اچھا بہت اچھا ہوا ۴؎(ابوداؤد)	

۱؎ایوب ابن بشیر تبع تابعین ہیں اور قبیلہ عنزہ کے وہ صاحب جن کا نام نہ لیا وہ تابعی ہیں خبر نہیں وہ عادل ثقہ ہیں یا نہیں۔

۲؎یعنی جب تم حضور انور سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے تھے تو کیا حضور تم سے مصافحہ کرلیتے تھے یہ بعید ہے کہ حضور انور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائیں اور صحابی مصافحہ نہ کریں۔(مرقات)

۳؎یہاں بھی وہ ہی مطلب ہے کہ جب میں خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تھا تو میں مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتا تھا حضور مجھ سے مصافحہ فرمالیتے تھے۔

۴؎آج کوئی خاص وقت تھا دریائے کرم جوش میں تھا مجھ سے بجائے مصافحہ کے معانقہ فرمایا۔معانقہ مصافحہ سے اس لیے بہتر ہوا کہ مصافحہ میں صرف ہاتھ ملتے ہیں اور معانقہ میں گلا،سینہ وغیرہ سب ہی مل گئے۔فیضان جو معانقہ میں ہوا وہ مصافحہ کے فیضان سے زیادہ تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ معانقہ صرف سفر سے آنے پر ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے علاوہ حالت میں بھی ہوسکتا ہے۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت عکرمہ ابن ابوجہل سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دن میں آپ کے پاس آیا ۲؎خوش آمدید مہاجر سوار۔(ترمذی)	

۱؎ابوجہل کا نام عمرو ابن ہشام قرشی مخزومی ہے،لوگ اسے ابوالحکم کہتے تھے۔حضور نے اس کا نام ابوجہل رکھا یعنی جہالت والا،یہ اس امت کا فرعون ہے،اس کا فرزند عکرمہ بھی حضور کے سخت تر دشمن تھے،فتح مکہ کے دن یہ یمن بھاگ گئے ان کی بیوی ام حکیم بنت حارث اولًا حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوکر ایمان لائیں،پھر اپنے خاوند کے لیے امن لے کر یمن سے حضور اقدس کی خدمت میں لائیں،جب مکہ آئے تو حضور انور ان کے لیے کھڑے ہوگئے انہیں گلے لگایا اور یہ فرمایا۔خیال رہے کہ انہیں مہاجر کہنا اس معنی میں سے ہے کہ کفر یا دار کفر سے اسلام یا دار اسلام کی طرف انہوں نے ہجرت کی،عکرمہ کا ایمان ۸ھ ہجری میں ہوا اور آپ جنگ یرموک میں شہید ہوئے یعنی خلافت فاروقی میں۔حضور نے حضرت ام سلمہ سے فرمایا تھا کہ میں نے ابوجہل کی ایک شاخ جنت میں دیکھی ہے جب عکرمہ ایمان لائے تو فرمایا اے ام سلمہ یہ ہے ابوجہل کی جنتی شاخ،آپ کا ایمان نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا ہوا،آپ جب قرآن مجید کھولتے تو کہتے اے میرے رب کے فرمان عالی شان یہ کہہ کر اکثر بے ہوش ہوجاتے تھے۔(مرقات)اشعۃ اللمعات کے حاشیہ میں ہے کہ آپ یمن جانے کے لیے جدہ پہنچ گئے تھے کشتی میں سوار ہوگئے تھے کہ آپ کی بیوی پہنچ گئی اور آپ کو اپنے دوپٹہ سے اشارہ کیا آپ کشتی سے اتر آئے آپ کو حضور کی امان دہی کی خبر دی وہ بولے کہ میں امان کے لائق ہی نہیں ہوں میں بڑا مجرم ہوں،وہ بولیں کہ حضور کی رحمت تمہارے قصوروں سے زیادہ ہے اس پر وہ آئے اور یہ واقعہ پیش آیا۔(حاشیہ اشعہ)

۲؎ حضور انور نے انہیں گلے لگا کر یہ فرمایا یعنی تم اب دارالکفر سے دارالسلام کی طرف آئے عکرمہ یہ کرم کریمانہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

	روایت ہے حضرت اسید ابن حضیر سے جو انصاری آدمی ہیں ۱؎ فرمایا جب کہ وہ قوم سے بات چیت کررہے تھے ان کی طبیعت میں مذاق تھا ۲؎ جب کہ وہ لوگوں کو ہنسا رہے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کوکھ میں چھڑی چبھودی ۳؎ وہ بولے مجھے قصاص دیجئے حضور نے فرمایا قصاص لے لو عرض کیا کہ آپ پر قمیض ہے اور مجھ پر نہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیض اٹھا دی ۴؎ وہ حضور کو لپٹ گئے اور آپ کی کوکھ شریف چومنے لگے پھر بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے یہ چاہا تھا ۵؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،بیعۃ عقبہ اور جنگ بدر میں حاضر ہوئے، ۲۰ھ؁ بیس ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،بقیع میں دفن ہوئے۔(مرقات)

۲؎ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خود اسید ابن حضیر کا ہے مگر صحیح تو یہ ہے یہ واقعہ ایک اور انصاری کا ہے جن کے مزاج میں خوش طبعی بہت تھی۔مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں یہ عبارت یوں ہے ان رجلا من الانصار بینما یحدث۔(مرقات)

۳؎ یہ چھڑی چبھونا بھی خوش طبعی کے طور پر ہوا۔معلوم ہوا کہ کبھی کبھی جائز خوش طبعی کرنا اور سننا اس میں شرکت کرنا جائز ہے۔(اشعہ)

۴؎ خیال رہے کہ بیٹا باپ سے،شاگرد استاد سے،امتی نبی سے،غلام مولیٰ سے اپنا قصاص نہیں مانگ سکتا نہ ان کے درمیان قصاص ہے،دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی بے قصور ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ کر انہیں کھینچا مگر قصاص کا حکم نہ ہوا،حضور انور کا یہ عمل تعلیم امت کے لیے ہے کہ قصاص دینے میں شرم نہ کریں۔

۵؎ سبحان اللہ!انہوں نے یہ قرب حاصل کرنے کے لیے کیسا لطیف بہانہ کیا ورنہ کہاں یہ صحابی اور کہاں حضور انور سے قصاص۔

	روایت ہے حضرت شعبی سے ۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جناب جعفر ابن ابی طالب سے ملے تو حضور نے انہیں لپٹا لیا اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا ۲؎ (ابوداؤد،بیہقی شعب الایمان ارسالًا)اور مصابیح کے بعض

	نسخوں اور شرح سنہ میں بیاضی سے بطور اتصال روایت ہے ۳؎

۱؎ آپ کا نام عامر ابن شرجیل ہے،کوفی ہیں،خلافت فاروقی میں پیدا ہوئے،پانچ سو صحابہ کرام سے ملاقات کی، بیاسی سال عمر پائی،۱۰۴ھ ایک سو چار میں وفات پائی۔

۲؎ یہ واقعہ جب کا ہے جب حضرت جعفر حبشہ سے ہجرت کرکے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے جیساکہ اگلی حدیث میں آرہا ہے۔(اشعہ)

۳؎ بیاضی کا نام عبداللہ ابن جابر ہے،بیاضہ قبیلہ کے ہیں،بیاضہ ایک قبیلہ ہے جو بیاضہ ابن عامر ابن زریق کی اولاد سے ہے،چونکہ شعبی تابعی ہے اس لیے ان کی روایت ارسالًا ہی وہاں تھی وہاں صحابی کا ذکر رہ گیا اور بیاضی صحابی ہیں اس لیے یہ اسناد متصل ہے کہ صحابی حضور سے روایت کررہے ہیں۔

	روایت ہے حضرت جعفر ابن ابی طالب سے کہ زمین حبشہ سے لوٹنے کے قصہ میں فرماتے ہیں کہ ہم چلے حتی کہ ہم مدینہ پہنچے تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ملے حضور نے مجھے گلے لگالیا پھر فرمایا میں نہیں جانتا کہ میں خیبر کی فتح سے زیادہ خوش ہوا یا جعفر کے آنے سے اور اتفاقًا یہ آمد فتح خیبر کے دن ہوئی تھی ۱؎ (شرح السنہ)

۱؎ حضرت جعفر ابن ابی طالب یعنی حضرت علی شیرخدا کے بھائی جب حبشہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خیبر میں ہی ملاقات ہوگئی،اس دن فتح خیبر ہوئی تھی حضور انور نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو خیبر کی غنیمت سے حصہ بھی دیا اور ان کو چوم کر یہ فرمایا کہ آج مجھے اللہ نے دو خوشیاں دکھائیں ہیں:ایک فتح خیبر،دوسری تمہاری۔یہ دونوں خوشیاں ایسی عظیم الشان ہیں کہ ان میں سے کسی کو دوسری پر ترجیح دینا مشکل ہے۔

	روایت ہے حضرت زارع سے ۱؎ اور وہ عبدالقیس کے وفد میں تھے فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ آئے تو ہم اپنی سواریوں سے جلدی آنے لگے ۲؎ تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں چومتے تھے ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ زارع ابن عامر ابن عبدالقیس ہیں،عبدالقیس قبیلہ کے وفد میں آپ بھی حاضر بارگاہ ہوئے تھے ایمان لائے،صحابی بنے،بصرہ میں قیام رہا۔(مرقات)

۲؎ یعنی جب مدینہ پہنچے تو شوق و محبت میں بے خود ہوگئے اپنی سواریوں سے جلد جلد اتر کر حضور انور کی طرف دوڑنے لگے زیارت کے لیے،آج بھی حجاج جب مدینہ منورہ پہنچتے ہیں تو انہیں سامان رکھنا مشکل پڑ جاتا ہے یہ تڑپ وہ جانے جس کے دل سے لگی ہو۔اسی وفد میں ایک صاحب تھے جن کا نام تھا وشج یہ سردار قافلہ تھے،یہ اپنی سواری سے اترے،غسل کیا،سفید عمدہ لباس پہنا،پھر مسجد شریف میں آکر دو رکعت نفل ادا کی،پھر نہایت ادب و انکسار خشوع وخضوع سے بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہوئے حضور انور ان کے اس ادب سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ تمہاری دو خصلتیں اللہ کو بڑی پیاری ہیں: ایک حلم،دوسرے وقار۔(اشعہ)

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے ہاتھ پاؤں دونوں چومنا جائز بلکہ مستحب ہے خواہ پاؤں پر ہاتھ رکھ کر ہاتھوں کو چومے خواہ پاؤں پر منہ رکھ کر چومے دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں کیونکہ مصافحہ کرکے اپنا ہاتھ چومنا منع ہے،بزرگوں کے ہاتھ اپنے منہ سے چومے ایسے ہی ان کے پاؤں اپنے منہ سے چومے آنکھیں ان کے قدموں سے ملے۔مبارک ہیں وہ ہونٹ اور آنکھیں جو حضور کے قدم شریف سے لگ جاویں۔شعر

اشارہ آپ کا پاتے ہم آتے اپنی آنکھوں سے تمہارے آستانہ کو لگاتے اپنی آنکھوں سے

تم آتے خواب میں ہم پتلیاں قدموں سے مل لیتے ہم اپنی سوئی قسمت کو جگاتے اپنی آنکھوں سے

پابوسی کو سجدہ سمجھنا جہالت ہے،سجدہ میں سات اعضاء زمین پر لگنا اور سجدہ کی نیت ہونا ضروری ہے قدم بوسی میں یہ کچھ نہیں ہوتا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیئت عادت صورت میں ا؎ ایک روایت میں ہے اور بات و گفتگو میں پورا پور مشابہہ ہو بمقابلہ جناب فاطمہ کے آپ جب حضور کی خدمت میں آتیں تو حضور ان کے لیے کھڑے ہوجاتے ان کا ہاتھ پکڑتے انہیں چومتے انہیں اپنی مجلس میں بٹھاتے ۲؎ اور جب حضور انور ان کے پاس تشریف لاتے تو ان کے لیے کھڑی ہوجاتیں حضور کا ہاتھ پکڑتیں اسے بوسہ دیتیں اور آپ کو اپنی جگہ بیٹھالیتیں ۳؎(ابوداؤد)	

ا؎ سمت کے معنی ہیں ہیئت یعنی رفتار گفتار،کردار اور چال ڈھال،ھدیا بمعنی عادت دلٌّ لام کے شد سے بمعنی صورت یعنی حضرت خاتون جنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جیتی جاگتی چلتی پھرتی بولتی تصویر تھیں بلکہ تصویر صرف شکل دکھاتی ہے آپ سرکار تو سیرت و خصلت میں بھی حضور کا نمونہ تھی قدرت نے ایک سانچہ میں یہ دو صورتیں ڈھالی تھیں ایک ہمارے مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری حضور فاطمہ زہرہ کی،ہم نے عرض کیا ہے۔شعر

رسول اللہ کی جیتی جاگتی تصویر کو دیکھا کیانظارہ جن آنکھوں نے تفسیر نبوت کا

نبی کی لاڈلی بانو ولی کی ماں شہیدوں کی یہاں جلوہ نبوت کا ولایت کا شہادت کا

۲؎ حضرت فاطمہ زہرا کے لیے حضور کا کھڑا ہونا تعظیم کا نہ تھا کہ تعظیم اپنے سے بڑے کی ہوتی ہے بلکہ خوشی کا قیام تھا ایسے ہی یہ بوسہ محبت و پیار کا تھا۔ساری اولاد میں حضور کو جناب فاطمہ زہرا بہت پیاری تھیں کہ سب سے چھوٹی تھیں اور آپ کی والدہ جناب خدیجہ آپ کے لڑکپن میں وفات پا گئی تھیں تو آپ حضور کی گود میں حضور کی آغوش میں پلیں رضی اللہ تعالی عنہا۔

۳؎ حضرت خاتون جنت کا یہ قیام وغیرہ حضور کی تعظیم کے لیے تھا جس میں محبت و جوش کی چاشنی تھی۔معلوم ہوا کہ تعظیم کے لیے قیام سنت فاطمہ زہرا ہے اور خوشی کے لیے قیام سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔معلوم ہوا کہ جوان بیٹی کو چومنا اور جوان بیٹی کا اپنے باپ کو چومنا جائز ہے۔

روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں اولین آمد کے موقعہ پر حضرت ابوبکر کے ساتھ گیا۱؎ تو آپ کی دختر جناب عائشہ لیٹی ہوئی تھیں انہیں بخار آگیا تھا۲؎ تو ان کے پاس ابوبکر آئے بولے اے بچی تو کیسی ہے اور انکا رخسا چوما ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ حضرت براء ابن عازب مشہور صحابی ہیں،انصاری حارثی ہیں،آخر میں کوفہ میں قیام رہا، ۲۴ھ میں کئی علاقہ کے فاتح آپ ہیں،جنگ جمل و صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے،کوفہ میں ہی وفات پائی وہاں ہی دفن ہوئے۔اس روایت سے معلوم ہورہا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے قریب ہی خود بھی ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچ گئیں تھیں۔

۲؎ کیونکہ اس زمانہ میں زمین مدینہ بڑی وبا والی تھی اس لیے اسے یثرب کہتے ہیں جو مہاجر وہاں پہنچتے تھے انہیں بخار آجاتا تھا اس سلسلہ میں حضرت ام المؤمنین کو بھی بخار آگیا،پھر حضور کے دم قدم سے وہ جگہ ایسی صحت بخش بنادی گئی کہ وہاں کی خاک بجائے خاک وباء کے خاک شفا بن گئی،حضور فرماتے ہیں تربۃ ارضنا ریقۃ بعضنا یشفی سقیمنا۔

۳؎ معلوم ہوا کہ باپ اپنی جوان بچی کا رخسار چوم سکتا ہے یہ چومنا رحمت کا ہے سنت سے ثابت ہے،حضور انور نے اولاد کے رخسار چومے ہیں۔بنیۃ تصغیر بنت کی بمعنی چھوٹی سی لڑکی اسے اردو میں کہتے ہیں بنیا یہ تصغیر پیار کے لیے ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بچہ لایا گیا۱؎ تو آپ نے اسے چوما پھر فرمایا کہ یقینًا یہ بخیل اور بزدل بنانے والے ہیں۲؎ اور یہ اللہ کے اعلیٰ رزق سے ہیں۳؎(شرح السنہ)	

۱؎ حضور انور کا اپنا بچہ حضرت حسن یا حسین یا کسی اور کا بچہ۔

۲؎ کہ اولاد کی وجہ سے ماں باپ مال کنجوسی سے خرچ کرتے ہیں ان کے لیے بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور اولاد ہی کی وجہ سے باپ جنگ میں جانے سے کتراتا ہے کہ میرے بچے میرے بعد کہاں جائیں گے کیا کریں گے یہ عام لوگوں کے عام حالات کا بیان ہے۔

۳؎ ریحان خوشبودار سبزے کو بھی کہتے ہیں اور طیب و اعلٰی روزی کو بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں، ماں باپ انہیں چومتے سونگھتے ہیں لہذا یہ اللہ کی عطا کی ہوئی بہترین خوشبو ہیں یہ ماں باپ کے دل کا پھل ہیں لہذا یہ بہترین رزق ہیں۔(مرقات،اشعہ)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے یعلٰی سے ۱؎ کہ حسن اور حسین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دوڑتے ہوئے آئے تو حضور نے انہیں اپنے سے چمٹا لیا اور فرمایا کہ اولاد بخیل اور بزدل بنادینے والی ہے ۲؎(احمد)

۱؎ یہاں یعلی ابن مرہ مراد نہیں بلکہ یعلٰی ابن امیہ مراد ہیں جو فتح مکہ کے دن ایمان لائے اور غزوہ حنین، طائف،تبوک میں حاضر ہوئے،جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ رہے اسی میں شہید ہوئے رضی اللہ عنہ،آپ سے بہت حضرات نے روایات لیں۔(مرقات)

۲؎ اولاد کو مجبن مبخل فرمانا ان کی برائی کے لیے نہیں بلکہ انتہائی محبت کے اظہار کے لیے ہے یعنی اولاد کی انتہائی محبت انسان کو بخیل و بزدل بن جانے پر مجبور کردیتی ہے۔یہ بات فطری ہے اگرچہ اللہ والوں میں اس کا ظہور کم ہوتا ہے مؤمن کو اللہ رسول بمقابلہ اولاد پیارے ہوتے ہیں لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ،الخ۔

	روایت ہے عطاء خراسانی سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا آپس میں مصافحہ کرو کینہ جاتا رہے گا اور آپس میں ہدیے تحفے دو محبت کرنے لگو گے اور دشمنی جاتی رہے گی ۲؎(مالک ارسالًا)

۱؎ آپ عطاء ابن عبداللہ ابی مسلم ہیں،بلخی ہیں،خراسانی ہیں،تابعی شام میں قیام رہا،۵۰ھ ہجری میں پیدائش ہے،۱۳۵ھ ایک سو پینتیس میں وفات پائی،آپ سے امام مالک،اوزاعی شعبہ وغیرہم نے روایات لی ہیں۔

۲؎ یہ دونوں عمل بہت ہی مجرب ہیں جس سے مصافحہ کرتے رہو اس سے دشمنی نہیں ہوتی،اگر اتفاقًا کبھی ہو بھی جائے تو اس کی برکت سے ٹھہرتی نہیں،یوں ہی ایک دوسرے کو ہدیہ دینے سے عداوتیں ختم ہوجاتی ہیں، یہ حدیث بہت اسنادوں سے مختلف طریقہ سے مروی ہے،دیکھو مرقات یہ ہی مقام۔

	روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں فرمایا

	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دوپہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھ لے ۱؎ تو گویا اس نے وہ شبِ قدر میں پڑھیں ۲؎ اور دو مسلمان جب آپس میں مصافحہ کریں تو ان کے درمیان کوئی گناہ باقی نہیں رہتا مگر جھڑ جاتا ہے ۳؎ (بیہقی ارسالا)

۱؎ یعنی نماز چاشت جس کا وقت شروع چہارم دن سے شروع ہوکر نصف دن یعنی دوپہر پر ختم ہوجاتا ہے اس کے بڑے فضائل ہیں۔

۲؎ کیونکہ ان کے پڑھنے میں مشقت و محنت زیادہ ہے کہ دوپہر کی گرمی اور بھوک کی حالت میں پڑھی جاتی ہے،نیز اس وقت کھانا کھاکر آرام کرنے کو دل چاہتا ہے اس لیے ان کا ثواب زیادہ ہے۔

۳؎ یعنی گناہ صغیرہ جھڑ جاتے ہیں خصوصًا وہ گناہ جو ہاتھوں سے کیے جاویں،گناہ کبیرہ توبہ سے اور حقوق العباد ادا کرنے سے معاف ہوسکتے ہیں۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ چوری ڈکیتی کر لی جاوے کسی کا مال مار لیا جاوے بعد میں کسی سے مصافحہ کرلیا جاوے سب معاف ہو۔**نعوذ باللہ!**

باب القیام

کھڑے ہونے کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] یہاں کھڑے ہونے سے مراد کسی کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا ہے تعظیمی قیام ممنوع بھی ہے جائز بھی۔ فاسق دنیا داروں کے لیے کھڑا ہونا ان کی خوشامد میں،یونہی جب مخدوم بیٹھا ہوا اور خدام سامنے دست بستہ کھڑے ہوں،یوں ہی جو اپنی تعظیم کرانا چاہے اس کے لیے کھڑا ہونا یہ سب ممنوع ہے اگر یہ تین چیزیں نہ ہوں تو قیام تعظیمی جائز ہے لہذا قیام کی ممانعت اور جواز کی احادیث درست ہیں ان میں تعارض نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ جب بنی قریظہ حضرت سعد کے حکم پر اترنے لگے[1] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلا بھیجا اور وہ حضور سے قریب ہی تھے چنانچہ وہ ایک گدھے پر سوار آئے[2] تو جب مسجد سے قریب ہوئے[3] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا کہ اٹھ کر جاؤ اپنے سردار کی طرف[4] (مسلم،بخاری)یہ دراز حدیث باب حکم اسراء میں گزرچکی۔

[1] غزوہ خندق جسے احزاب بھی کہتے ہیں اس میں یہود مدینہ یعنی بنی قریظہ اور بنی نضیر کا ہاتھ تھاانہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے غداری کرکے کفار مکہ سے مدینہ پر چڑھائی کرائی تھی،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ سے فارغ ہوکر پچیس دن بنی قریظہ کا محاصرہ رکھا یہ لوگ تنگ آکر بولے کہ ہم سعد ابن معاذ کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ہمارے متعلق جو فیصلہ کریں ہم کو منظور ہے یہ سن کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد ابن معاذ کو بلوایاتاکہ وہ اپنا فیصلہ دیں یہاں وہ واقعہ مذکور ہے۔

[2] حضرت سعد ابن معاذ اس غزوہ خندق میں زخمی ہوگئے تھے زخم سے خون جاری تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر خون قدرتی طور پر بند ہوگیا تھا۔(اشعہ)

[3] یہاں مسجد سے مراد مسجد نبوی شریف نہیں ہے بلکہ وہ جگہ ہے جہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس محاصرہ کے زمانہ میں نماز پڑھتے تھے کیونکہ اس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کے محلّہ کے اردگرد مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ ان کا محاصرہ کیے ہوئے تھے وہاں حضرت سعد بلائے گئے تھے۔(مرقات)

۴؎ اس فرمان عالی میں حضور انور نے تمام انصار کو دو حکم دیئے: ایک حضرت سعد کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا،دوسرے ان کے استقبال کے لیے کچھ آگے جانا ان کو لے کر آنا بزرگوں کی آمد پر یہ دونوں کام یعنی تعظیمی قیام اور استقبال جائز بلکہ سنت صحابہ ہیں بلکہ حضور کی سنت قولی بھی اس لیے الی سیدکم فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم حضرت سعد کی بیماری کی وجہ سے تھا تاکہ لوگ انہیں سواری سے اتار لاویں مگر یہ درست نہیں ورنہ صرف ایک دو آدمیوں کو کہا جاتا اور بجائے سیدکم کے مریضکم ارشاد ہوتا تمام انصار کو قیام کا حکم نہ ہوتا۔جمہور علماء نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا ہے بزرگوں کے لیے قیام تعظیمی مستحب ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عکرمہ ابن ابوجہل اور عدی ابن حاتم کی آمد پر ان کی عزت افزائی کے لیے قیام فرمایا،حضرت فاطمہ زہرا حضور انور کی تشریف آوری پر تعظیم قیام کرتی تھیں،صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیام تعظیمی بارہا کیا ہے،دیکھو۔(مرقات،اشعہ اور لمعات)ہم باب الاسراء میں اس پر بحث کرچکے ہیں اور ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں قیام تعظیمی کی مکمل بحث کردی گئی ہے وہاں مطالعہ کرو۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ کوئی شخص کسی شخص کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے کہ پھر وہاں بیٹھ جائے ۱؎ لیکن یہ کہہ دے کہ جگہ وسیع کرو اور جگہ دو ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ حکم عام ہے کہ کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود بیٹھ جانا ممنوع ہے،ہاں اگر وہ شخص ناجائز طور پر وہاں بیٹھا تھا تو اسے اٹھا دینا جائز ہے جیسے کوئی مسجد میں امام یا مؤذن کی مقررہ جگہ بیٹھ جاوے یا وہ کسی کی جگہ بیٹھ گیا تھا تو یہ لوگ آکر اٹھاسکتے ہیں کہ یہ جگہ خود ان کی اپنی ہے نہ کہ اس بیٹھے ہوئے کی۔

۲؎ یعنی اگر تھوڑے آدمی بہت سی جگہ گھیرے بیٹھے ہیں تو یہ عام خطاب سے کہے کہ بھائیو ذرا گنجائش کرو ذرا مل کر بیٹھو تاکہ میں بھی جگہ حاصل کرسکوں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی اپنی جگہ سے اٹھ جاوے پھر وہاں آئے تو اس جگہ کا وہ ہی حقدار ہے ۱؎ (مسلم)

۱؎ یہ اس صورت میں ہے کہ جانے والا اپنی جگہ کوئی نشانی رکھ گیا ہو جس سے پتہ لگے کہ وہ لوٹ کر آوے گا یا کوئی اور علامت ہو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ کوئی شخص

	صحابہ کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پیارا نہ تھا۱؎ یہ حضرات جب حضور کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ وہ حضور کی ناپسندیدگی کو جانتے تھے۲؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱؎ صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان مال،اولاد،ماں باپ سب سے زیادہ پیارے تھے یہ کمال ایمان کی علامت ہے۔

۲؎ یہ ہمیشہ کا عمل نہ تھا بلکہ اکثر قیام کرتے تھے کبھی نہ کرتے تھے یا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام حضور کو دور سے تشریف لاتا دیکھ کر پہلے سے ہی کھڑے نہ ہوجاتے اور کھڑے ہوکر حضور کا انتظار نہ کرتے تھے بلکہ جب آپ ہمارے پاس تشریف لے آتے تھے تب ہم کھڑے ہوتے تھے لہذا یہ حدیث اس آنے والی حدیث کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیام کرتے تھے۔

	روایت ہے حضرت معاویہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے یہ پسند ہو کہ لوگ اس کے لیے سروقد کھڑے رہیں۱؎ تو وہ اپنا ٹھکانہ آگ سے بنائے ۲؎ (ترمذی و ابوداؤد)

۱؎ اس حدیث نے ممانعت قیام کی تمام حدیثوں کی شرح کردی کہ جو کوئی اپنے لیے قیام تعظیمی کرانا چاہے اس کے لیے نہ کھڑے ہو یا اس طرح کھڑے ہونا ممنوع ہے کہ مخدوم بیٹھا ہوا ہو اور لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں دست بستہ اور یہ عمل تکبروغرور کے لیے ہو ضرورۃً نہ ہو تب سخت ممنوع ہے۔عالم دین کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا یوں ہی عادل حاکم کے روبرو کھڑا ہونا خصوصًا مقدمہ والوں کا یوں استاذ کے سامنے شاگردوں کا کھڑا ہونا مستحب ہے اگرچہ یہ حضرات بیٹھے ہوئے ہوں اور شاگردوں وغیرہ کھڑے ہوں۔(مرقات) ہاں مخدومین کا تکبرًا انہیں کھڑا کرنا خود بیٹھے رہنا یہ ممنوع ہے یہ ہی یہاں مراد ہے۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎ یعنی اس قسم کی تعظیم کو پسند کرنا یا لوگوں کو ایسی تعظیم کا اپنے لیے حکم دینا جہنمی ہونے کا سبب ہے اور تکبر جہنم کا راستہ ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاٹھی پر ٹیک لگائے تشریف لائے ۱؎ ہم کھڑے ہوگئے تو فرمایا ایسے نہ کھڑے ہو جیسے عجمی لوگ کھڑے ہوتے ہیں ان کے بعض بعض کی تعظیم کرتے ہیں ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ غالبًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے اس لیے عصا پر ٹیک لگائے تشریف لائے۔
۲؎ یعنی تمہارا یہ قیام تو ٹھیک ہے مگر عجمیوں کا سا قیام نہ کرنا کہ مخدوم بیٹھا ہو خدام سامنے دست بستہ سروقد کھڑے ہوئے ہوں اور مخدوم اس تعظیم کی خواہش بھی کرتا ہو کہ ایسا قیام ممنوع ہے یہ قیود خیال میں رہیں۔مرقات نے فرمایا کہ یہاں قیام سے مراد وقوف ہے یعنی کسی کے لیے تعظیمًا کھڑا رہنا۔

روایت ہے حضرت سعید ابن ابی الحسن سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک گواہی میں ابوبکرہ ۲؎ آئے تو ایک شخص ان کے لیے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا آپ نے وہاں بیٹھنے سے انکار فرمایا اور کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۳؎ اور نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی اپنے ہاتھ اس کے کپڑے سے پونچھے جسے یہ پہنے ہوئے نہیں ۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ سعید ابن ابی الحسن تابعی ہیں،خواجہ حسن بصری کے بھائی ہیں،آپ کے والد کا نام یسار ہے،کنیت ابوالحسن، یہ سعید اپنے بھائی حسن بصری سے ایک سال پہلے فوت ہوئے یعنی ۱۰۹ھ ایک سونو ہجری میں حضرت عبداللہ ابن عباس،ابوہریرہ وغیرہ سے آپ کی ملاقات ہے،آپ کے بھائی قتادہ نے آپ سے احادیث روایت کیں۔(مرقات و اشعہ)
۲؎ حضرت ابوبکرہ کا نام نفیع ابن حارث ہے،ثقفی ہیں،مشہور صحابی،آپ کے حالات و وفات پہلے بیان ہوچکے۔
۳؎ یہ آپ کی انتہائی تواضع ہے وہ شخص آپ کے لیے خود جگہ چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا تھاآپ کو وہاں بیٹھنا بالکل جائز تھا۔کسی کو اس کی جگہ سے بلاضرورت ہٹاکر خود بیٹھ جانا ممنوع ہے جب کہ وہ جگہ اس کی ہو اپنی نہ ہو،چونکہ یہاں اس کا یہ عمل اس ممنوع چیز کے مشابہ تھا لہذا آپ وہاں نہ بیٹھے یا شاید اس شخص کو کسی اور نے اٹھایا ہوگا تاکہ آپ وہاں بیٹھ جائیں اس لیے آپ نہ بیٹھے۔(مرقات)
۴؎ یعنی اپنے گیلے یا کھانے وغیرہ سے لتھڑے ہوئے ہاتھ دوسرے کے کپڑے سے بغیر اس کی اجازت نہ پونچھو جب کہ تم نے یہ کپڑا اسے نہ پہنایا ہو لہذا اپنے بیٹے اپنے غلام کے کپڑے سے ہاتھ پونچھنا جب کہ وہ کپڑا خود اس ہی نے پہنایا ہو جائز ہے،یوں اگر وہ شخص ہمارے اس عمل سے ناراض نہ ہو تو بھی جائز ہے۔(مرقات و اشعہ)

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے اور ہم آپ کے گرد بیٹھتے پھر کھڑے ہوتے واپس ہونا چاہتے تو آپ اپنا جوتا شریف یا بعض چیز جو آپ پر ہوتی اتار جاتے ۱؎ تو یہ آپ کے ساتھی پہچان جاتے تو وہ حضرات بیٹھے	

رہتے ۲ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی اگر حضور انور ہم لوگوں کے پاس سے اپنے گھر میں تشریف لے جاتے اور ابھی واپس آنے کا ارادہ ہوتا تو اپنا جوتہ شریف وہاں ہی چھوڑ جاتے ننگے پاؤں جاتے یا کوئی اور کپڑا وغیرہ چھوڑ دیتے تاکہ ہم سمجھ جاویں کہ حضور ابھی آتے ہیں۔

۲؎ اس انتظار میں کہ حضور ابھی آتے ہیں وہ اپنے اپنے گھروں کو نہ جاتے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ دو شخصوں کے درمیان علیحدگی کرے بغیر ان کی اجازت سے ۱؎ (ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ یعنی مجلس میں پہنچ کر دو آدمیوں کو جو ملے ہوئے بیٹھے ہوں ان کو چیر کر بیچ میں بیٹھ جانا ممنوع ہے۔ممکن ہے کہ ان دونوں کی آپس میں محبت ہو ان کی جدائی ناگوار ہو،یہ حکم ہر مجلس کے لیے ہے خواہ مسجد میں ہوں یا اور جگہ جب ان کی اجازت سے درمیان میں بیٹھے گا تو انہیں اس سے رنج نہ ہوگا جیساکہ ظاہر ہے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ دو شخصوں کے درمیان ان کی اجات کے بغیر نہ بیٹھو ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اس کی وجہ وہ ہی ہے جو ابھی عرض کی گئی۔خیال رہے کہ رجل فرمانا اس لیے ہے کہ عورتیں مردوں کے حکم میں ہیں ان پر احکام شرعیہ مردوں کی طرح جاری ہوتے ہیں،رب تعالٰی نے نماز روزے وغیرہ کے احکام مردوں کو ہی دیئے مگر عورتوں پر بھی یہ عبادات فرض ہیں لہٰذا حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مرد تو یہ حرکت نہ کریں عورتیں کرلیا کریں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ مسجد میں بیٹھتے ہم سے باتیں کرتے تھے پھر جب کھڑے ہوتے تو ہم سیدھے کھڑے ہوجاتے ۱؎ حتی کہ ہم دیکھ لیتے کہ حضور اپنی بعض بیویوں کے گھروں میں تشریف لے گئے ۲؎	

۱؎ حضور کی تعظیم کے لیے کیونکہ یہ بات بہت بری محسوس ہوتی ہے کہ مخدوم کھڑا ہواور خدام بیٹھے یا لیٹے ہوں۔اس سے معلوم ہوا کہ مخدوم کے جانے پر بھی قیام تعظیمی سنت ہے یہ وہ حدیث ہے جس سے قیام تعظیمی کا ثبوت ہے،ممانعت قیام کی احادیث کا مطلب ہم پہلے عرض کرچکے ہیں لہذا احادیث میں تعارض نہیں وہاں کا مطالعہ فرماؤ۔

۲؎ اس میں تعظیم کی انتہا ہے کہ جب تک حضور اپنے کسی گھر میں داخل نہ ہوجاتے وہ حضرات کھڑے ہی رہتے تاکہ ہم حضور کے سامنے جب کہ آپ کھڑے ہوں بیٹھے ہوئے نظر نہ آئیں،اللہ تعالٰی ایسا ادب نصیب کرے۔

روایت ہے واثلہ ابن خطاب سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا حالانکہ آپ مسجد میں بیٹھے تھے تو اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جنبش کی ۲؎ تو اس شخص نے عرض کیا یارسول اللہ جگہ میں کافی گنجائش ہے ۳؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کا حق ہے کہ جب اسے اس کا بھائی دیکھے تو اس کے لیے کچھ جنبش کرے ۴؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ آپ قرشی ہیں،عدوی ہیں،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبیلہ سے ہیں،صحابی ہیں مگر آپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے۔(اشعہ)

۲؎ اس طرح کہ پورے کھڑے تو نہ ہوئے مگر اپنی جگہ سے سرک کر ان کے لیے جگہ بنائی کچھ سکڑ کر بیٹھے۔

۳؎ یعنی جگہ بہت ہے میں بخوبی جہاں چاہوں بیٹھ سکتا ہوں حضور انور کو میرے لیے جگہ بنانے اور اپنی جگہ سے جنبش کرنے کی ضرورت نہیں پھر آپ نے یہ عمل شریف کیوں کیا۔

۴؎ یعنی ہمارا یہ حرکت فرمانا جگہ کی تنگی کے لیے نہیں بلکہ تمہارے آنے کی خوشی اور تمہارے احترام کے اظہار کے لیے ہے اس عمل سے تم کو خوشی ہوگی کہ حضور انور نے ہماری آمد پر اہتمام فرمایا۔غالبًا یہ آنے والے صاحب اپنی قوم کے سردار ہوں گے،فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم انزلوا الناس منازلھم لوگوں کو ان کے درجوں میں رکھو،یہ انتہائی اخلاق کی تعلیم ہے افسوس! کہ ہم یہ تعلیم قریبًا بھول گئے۔

باب الجلوس و النوم و المشی

بیٹھنے سونے اور چلنے کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ یہ ترتیب یہاں بہت ہی اچھی ہے انسان پہلے کھانے وغیرہ کے لیے بیٹھتا ہے پھر کھا کر سونے کے لیے لیٹتا ہے سوکر اٹھتا ہے تو مسجد وغیرہ کی طرف جاتا ہے لہذا بیٹھنا پہلے ہے،سونا بعد میں،چلنا اس کے بعد ہوتا ہے۔خیال رہے کہ جلوس ہر بیٹھنے کو کہتے ہیں خواہ کھڑے سے بیٹھے یا لیٹے سے بیٹھے،بعض شارحین نے فرمایا کہ کھڑے سے بیٹھنے کو قعود کہتے ہیں اور لیٹے سے بیٹھنے کو جلوس مگر پہلی بات قوی ہے،یہاں جلوس مصدر ہے بمعنی بیٹھنا،کبھی یہ جالس کی جمع بھی ہوتی ہے جیسے رقود جمع ہے راقد کی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"تَحۡسَبُهُمۡ اَيۡقَاظًا وَّ هُمۡ رُقُوۡدٌ"فلاں جگہ جلوس نکلا وہاں جلوس جمع جالس کی ہے،چونکہ یہ لوگ جگہ جگہ بیٹھتے ہوئے جاتے ہیں لہذا اس جماعت کو جلوس کہا جاتا ہے۔اس باب میں مستحب،جائز،مکروہ بیٹھکوں کا بھی ذکر ہوگا اور مستحب و مکروہ سونے کا بھی اور اچھے برے چلنے کا بھی۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کی صحن میں اکڑوں بیٹھے اپنے ہاتھوں پر ٹیک لگائے دیکھا ۱(بخاری)

۱ گھر کے سامنے کی کھلی جگہ جس پر چھت نہ ہو فنا کہلاتی ہے جسے اردو میں صحن یا آنگن کہتے ہیں۔احتباء یہ ہے کہ دونوں پنڈلیاں کھڑی ہوں،پاؤں کے تلوے زمین سے لگے ہوں،چوتڑ زمین پر ہوں اور دونوں ہاتھ پنڈلیوں پر رکھے ہوں،ان کا حلقہ کیے ہوئے یہ اکڑوں بیٹھنے کی ایک قسم ہے،اس بیٹھک میں اظہار جزو انکسار ہے یہ بیٹھک سنت ہے۔(مرقات)کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح بھی بیٹھے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عباد ابن تمیم سے وہ اپنے چچا سے راوی ۱ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں لیٹے ہوئے دیکھا کہ آپ اپنا ایک قدم دوسرے پر رکھے ہوئے تھے ۲(مسلم،بخاری)

۱ عباد ابن تمیم ابن زید ابن عاصم تابعی ہیں،انصاری مازنی ہیں،ان کے چچا کا نام عبداللہ ابن زید انصاری ہے وہ غزوہ حرہ میں ۶۳ھ ترسیٹھ میں شہید ہوئے۔

۲؎ قدم کا قدم پر رکھنا یہ ہے کہ دونوں پاؤں پورے پھیلے ہوئے ہیں اور قدم قدم پر رکھا ہو اس صورت میں ستر نہیں کھل سکتا۔پاؤں پر پاؤں رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ ایک پاؤں کھڑا ہو اور دوسرا پاؤں کھڑے ہوئے گھٹنے پر رکھا ہو۔پہلی صورت جائز یہ دوسری صورت ممنوع لہذا احادیث میں تعارض نہیں پاؤں پر پاؤں رکھنے میں ستر کھل جانے کا اندیشہ ہے خصوصًا جب کہ تہبند بندھا ہوا ہو،آئندہ حدیث میں پاؤں پر پاؤں رکھنے سے ممانعت آرہی ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں لیٹنا جائز ہے خصوصًا ضرورت کے وقت یا یہ بحالت اعتکاف۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنا ایک پاؤں دوسرے پر نہ رکھے جبکہ وہ اپنی پشت پر لیٹا ہو ۱؎(مسلم)	

۱؎ اس حدیث کے وہ ہی معنی ہیں جو ابھی اوپر بیان ہوئے کہ آدمی تہبند باندھے یا ڈھیلے پانچہ کا پاجامہ پہنے ہو اور پھر ایک پاؤں کھڑا کرے کھڑے ہوئے گھٹنے پر دوسرے پاؤں کی پنڈلی رکھے اس میں ستر کھل جانے کا سخت خطرہ ہوتا ہے اس لیے ممنوع ہے ویسے بھی اس طرح لیٹنا خلاف تہذیب معلوم ہوتا ہے خصوصًا لوگوں کے سامنے غرضکہ اس ممانعت میں بہت حکمتیں ہیں۔

روایت ہے انہیں سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے کوئی نہ لیٹے کہ پھر ایک پاؤں دوسرے پر رکھ لے ۱؎(مسلم)	

۱؎ اس ممانعت کی وہ ہی صورت ہے جو ابھی بیان ہوئی کہ ایک پاؤں کھڑا ہو دوسرا پاؤں گھٹنے پر رکھا ہو اور آدمی چت لیٹا ہو کہ اس صورت میں ستر کھلنے کا خطرہ ہے اگر ستر کھلنے کا خطرہ نہ ہو تو جائز ہے بہرحال احادیث میں تعارض نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک شخص دو چادروں میں اکڑ کر چل رہا تھا ۱؎ اسے اپنا نفس بڑا پسند آیا تھا اسے زمین میں دھنسا دیا گیا تو وہ اس میں قیامت تک دھنستا چلا جارہا ہے ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ شاید یہ شخص قارون تھا یا کوئی ملک فارس کا کافر،بعض نے فرمایا کہ یہ واقعہ قریب قیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی سے ہوگا اس صورت میں **یتبختر** بمعنی مستقبل ہوگا اور **اعجبت خسف** تمام افعال بمعنی مستقبل ہوں گے۔**واللہ اعلم**!اس سے معلوم ہوا کہ تکبر وغرور کی چال چلنا بھی ممنوع بلکہ باعث عذاب ہے،مسلمان کی چال میں بھی تواضع چاہیے،رب تعالٰی اپنے مقبول بندوں کی صفت یوں فرماتا ہے:"**الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ**

هَوْنًا"ہمارے بندے وہ ہیں جو تواضع سے چلتے ہیں۔آج کل بعض لوگ چشمہ لگائے ننگے سر ہاتھ میں بیت گھماتے چلتے ہیں یہ متکبرانہ چال ہے اس سے بچو۔

۲؎ یتجلجل بنا ہے جلجلة سے اس کے معنی ہیں وہ حرکت جس کی آوازہو۔مقصد یہ ہے کہ تکبر کا انجام ذلت و خواری ہے عجز کا انجام سرداری ہے۔شعر

عجز کار انبیاء و اولیاء است عاجزی محبوب درگاه خدا است

خاک میں عجز ہے آگ میں تکبر،تو باغ خاک میں ہی لگتے ہیں نہ کہ آگ میں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بائیں طرف تکیے پر ٹیک لگائے دیکھا ۱؎(ترمذی)	

۱؎معلوم ہوا کہ گاؤ تکیہ پر بائیں ہاتھ کی ٹیک لگاکر بیٹھنا سنت ہے بلکہ اگر سادہ تکیہ پر ٹیک لگائی جاوے تو وہ بھی اس میں داخل ہے۔اس حدیث کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ حضور انور تکیہ پر سر مبارک رکھے بائیں کروٹ پر لیٹے تھے۔(مرقات و اشعہ)حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکیہ بہت پسند تھا فرماتے ہیں کہ اگر کوئی تم کو تکیہ دے تو اسے رد نہ کرو۔(اشعہ)

روایت ہے کہ حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں بیٹھتے تو اپنے ہاتھوں سے احتباء فرماتے تھے۱؎ (رزین)	

۱؎احتباء کے معنی پہلے بیان ہوچکے کہ دونوں زانوں کھڑے ہوں سیرین زمین پر لگے ہوں اور دونوں ہاتھوں سے زانو پکڑے ہوئے کہ ہاتھوں کے حلقے میں انہیں لے لیا جاوے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے علاوہ اور وقت میں مسجد میں اس طرح بیٹھتے تھے وہ بھی کبھی کبھی۔

روایت ہے حضرت قیلہ بنت مخرمہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں دیکھا کہ آپ قرفصاء کی نشست بیٹھے تھے ۱؎فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عجزونیاز کرتے دیکھا تو میں خوف سے کانپ گئی ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎قرفصاء ایک خاص بیٹھک کا نام ہے۔اس کی صورت یہ ہے کہ اپنی پنڈلیاں زمین سے لگائے اور دونوں ران پنڈلیوں سے پیٹ رانوں سے ملا ہوا ہو اور دونوں ہاتھ پنڈلیوں پر ہوں یہ بیٹھک انتہائی عاجزی اور تواضع کی ہے،قرفصاء کی اور صورتیں بھی بیان کی گئیں ہیں۔(مرقات واشعہ)اشعہ نے فرمایا کہ یہ بیٹھک عرب کے چرواہوں اور غریب لوگوں کی ہے یا ان لوگوں کی جو کسی خاص اہم کام میں غوروفکر کررہے ہوں بہرحال اس بیٹھک میں عجزوانکسار یا فکر کا اظہار ہے۔

۲؎کیونکہ میں نے یہ خیال کیا کہ جب سید المرسلین امام الاولین والاخرین کی یہ نشست ہے اور آپ کے انکسار کا یہ حال ہے تو ہم لوگ کس شمار میں ہیں یہ خیال کرکے مجھ پرلرزہ طاری ہوگیا۔

پیش اوگیتی جبین فرسودہ است　　　خویشتن راعبدہ فرمودہ است

بوریا ممنوں خواب راحتش　　　تاج کسریٰ زیر پائے امتش

اپنی تواضع کا یہ حال ہے اور دنیا ان کے آستانہ کی خاک چاٹ رہی ہے ان کی چوکھٹ پر پیشانی رگڑ رہی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز پڑھ لیتے تو اپنی اسی جگہ میں چہار زانو بیٹھے رہتے حتی کہ سورج خوب چمک جاتا ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎حسناء ح اور سین کے فتح سے ہے بمعنی خوب اچھی طرح صاف و روشن یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھا کر مصلے شریف پر ہی چہار زانو بیٹھے رہتے جب آفتاب طلوع ہوکر بلند ہوجاتا تب اشراق وہاں ہی پڑھ کر اٹھتےسنت بھی یہ ہی ہے۔خیال رہے کہ آفتاب چمکنے کے بیس منٹ بعد نماز جائز ہوتی ہے اسی وقت سے نماز اشراق کا وقت شروع ہوتا ہے چہارم دن تک رہتا ہے،پھر چہارم دن سے وقت چاشت شروع ہوتا ہےجو نصف النہار تک رہتا ہے،نصف النہار پر نماز بلکہ سجدہ حرام ہوجاتا ہے،پھر زوال یعنی سورج ڈھلنے پر ظہر کا وقت ہوتا ہے،بعض نوافل کے لیے وقت مقرر ہیں ان میں سے نوافل اشراق بھی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں کہیں اترتے تو اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے ۱؎اور جب صبح سے کچھ پہلے اترتےتو اپنی کلائی کھڑی کرتے اور اپنی ہتھیلی پر اپنا سر رکھتے ۲؎ (شرح سنہ)	

۱؎یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کی حالت میں کسی جگہ اول رات یا آدھی رات میں اترتے آرام فرماتے تو سونے کی نیت سے لیٹتے تھےداہنی کروٹ پر داہنی ہتھیلی پر داہنا رخسارہ رکھ کر لیٹتے تھے لیٹنے میں سنت طریقہ یہ ہی ہے۔

۲؎یعنی اگر آخری شب میں جب صبح صادق ہونے والی ہوتی آپ آرام کے لیے اترتے تو اس طریقہ سے لیٹتے تاکہ نیند نہ آجاوے۔خیال رہے کہ عرب میں اکثر شب میں سفر کرتے ہیں دن میں کسی منزل پر آرام کے لیے ٹھہر جاتے ہیں۔

	روایت ہے ام سلمہ کے بعض گھروالوں سے ۱؎فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر اس ہی طرح تھا جیساکہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور مسجد آپ کے سر کے پاس تھی ۲؎(ابوداؤد)

۱؎مرقات نے فرمایا کہ آل ام سلمہ سے مراد حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی کوئی خاص خادمہ ہیں،آل خادم کو بھی کہا جاتا ہے،رب فرماتا ہے:"وَ اِذۡ اَنۡجَیۡنٰکُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ"۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ اس سے حضرت ام سلمہ کی بعض اولاد مراد ہے جو ابو سلمہ سے تھی جن میں سے بعض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھی جیسے عمرہ،زینب۔واللہ اعلم!

۲؎یعنی اب جو رخ حضور کی قبر انور کا ہے کہ قبلہ کے داہنے سرہانے اور بائیں طرف پائنتی وہ ہی رخ حضور کے بستر شریف کا ہوتا تھا بلکہ اس بستر کی جگہ قبر انور ہے اور جس کمبل شریف پر آپ سوتے تھے وہ ہی کمبل شریف قبر انور میں بچھادیا گیا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اپنے پیٹ پر لیٹا دیکھا تو فرمایا کہ یہ وہ لیٹنا ہے جسے اللہ پسند نہیں فرماتا ۱؎(ترمذی)

۱؎یعنی اوندھے لیٹنے کو اللہ تعالٰی پسند نہیں کرتا بلکہ اس سے ناراض ہے کہ اس طرح سونے سے غفلت پیدا ہوتی ہے،اس سونے میں سینہ اور چہرہ جو اشرف اعضاء ہیں زمین پر رگڑتا ہے سر تو سجدہ ہی میں زمین پر رکھا جاوے نہ کسی اور کے سامنے نہ سوتے ہیں۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ سونا چار قسم کا ہے: پشت پر سونا یعنی چت یہ سونا اہل عبرت کا ہے،داہنی کروٹ پر سونا یہ اہل عبادت کا سونا ہے،بائیں کروٹ پر سونا یہ اہل استراحت کا سونا ہے،پیٹ کے بل سونا یہ سونا اہل غفلت کا ہے۔(اشعہ)مرقات نے فرمایا کہ اوندھے سونا دوزخیوں کا ہوگا اور لوطی لوگ ایسے سوتے ہیں۔

	روایت ہے یعیش ابن طخفہ ابن قیس غفاری سے ۱؎وہ اپنے والد سے راوی اور وہ صفہ والوں میں سے تھے ۲؎ فرماتے ہیں اس حالت میں کہ میں درد کی وجہ سے اپنے پیٹ پر لیٹا ہوا تھا ۳؎ناگاہ کوئی صاحب مجھے اپنے پاؤں

	سے ہلانے لگے۴؎ پھر فرمایا کہ اس لیٹنے سے اللہ ناراض ہے ۵؎ میں نے دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۶؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ یعیش بروزن یزید تابعی ہیں،ان کے والد طخفہ ط،خ،ف،ہ یا طہفہ صحابی ہیں،ان کے والد قیس ابن ابی غزرہ غفاری کوفی ہیں۔

۲؎ یعنی طخفہ صحابی ہیں اور صفہ والوں میں سے ہیں وہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

۳؎ سحر سین کے پیش ح کے سکون سے یا سین کے اور ح دونوں کے فتحہ سے حلق اور سینہ کا درمیانی حصہ یعنی سینہ کے اوپری حصہ میں میرے درد تھا اس لیے میں پیٹ کے بل اوندھا لیٹا ہوا تھا کہ سینہ دبا رہے اور درد کو سکون ہو۔

۴؎ بڑا خوش نصیب ہے وہ جسم جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹھوکر لگ جاوے ہم نے عرض کیا ہے۔شعر

مرمٹ کے خوب لگتی مٹی مری ٹھکانے　　　گر انکی ٹھوکروں میں میرا مزار ہوتا

جس غلطی کی بنا پر حضور کی ٹھوکر نصیب ہوجاوے وہ غلطی بھی اللہ کی رحمت ہے۔

۵؎ چونکہ دوسری طرح لیٹنے سے بھی یہ تکلیف دفع ہوسکتی تھی اس لیے یہ درد اس کے لیے عذر نہ مانا گیا اور اس سے منع فرمادیا گیا لہٰذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ ضرورت کے وقت ممنوعات بھی درست ہوجاتے ہیں۔

۶؎ سبحان اللہ!آپ نے یہ عذر حضور سے عرض نہ کیا بلکہ فورًا کروٹ بدل لی یا اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔

	روایت ہے حضرت علی ابن شیبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو ایسے گھر کی چھت پر رات گزارے جس پر آڑ نہ ہو ایک روایت میں ہے کہ پتھر نہ ہو تو اس کی ذمہ داری ختم ہوگئی ۱؎(ابوداؤد)اور خطابی کی معالم سنن میں حجی ہے۔

۱؎ یعنی ایسی چھت پر نہ سوؤ جس کے کناروں پر دیوار کی آڑ نہ ہو جسے اردو میں منڈیر کہتے ہیں اگر سوؤ گے تو اللہ تعالٰی نے جو تمہاری حفاظت کا ذمہ لیا ہے کہ اس کے لیے فرشتے مقرر کیے ہیں وہ اٹھ جاوے گا اور تم ہلاک ہوجاؤ گے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص ایسی چھت پر نہ سوئے جس پر آڑ نہ ہو ۱؎(ترمذی)

۱؎ ایسی چھت پر سونے والے بہت دفعہ چھت سے گر کر مر گئے بلکہ بہتر ہے کہ چھت بغیر منڈیر رکھی ہی نہ جاوے پوری دیوار نہ ہو تو تھوڑی اونچی ہی بنادی جاوے تاکہ وہاں سے گرنے کا خطرہ نہ رہے اس فرمان میں بڑی حکمتیں ہیں۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر وہ لعنتی ہے ۱؎ جو حلقہ کے بیچ میں بیٹھے۔(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ جو کوئی کسی جلسہ میں آخر میں آوے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا بیچ میں پہنچے وہ لعنتی ہے چاہیے کہ اگر کنارہ پر جگہ ملے تو وہاں ہی بیٹھ جاوے۔دوسرے یہ کہ یہ شخص درمیان میں بیٹھا ہو اور لوگ اس کے اردگرد دست بستہ کھڑے ہوں یہ عمل متکبرین کا ہے بڑا آدمی بھی لوگوں کے ساتھ حلقہ میں بیٹھے۔(مرقات و اشعہ)بعض لوگ مذاق دل لگی کرنے کے لیے کسی کو درمیان حلقہ میں بٹھاکر اسے مذاق کا نشانہ بناتے ہیں وہ ہر طرف کے لوگوں سے مذاق کرتا ہے وہ بھی لعنتی ہے۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین محفل وہ ہے جو وسیع تر ہو ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی جب جلسہ مجلس وغیرہ کرو تو وسیع زمین میں کرو تاکہ لوگوں کو بیٹھنے میں تنگی نہ ہو آرام سے کھلے ہوئے بیٹھیں ایسی مجلس بہت مبارک ہے۔

روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں تشریف لائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالانکہ آپ کے صحابہ بیٹھے تھے ۱؎ تو فرمایا کیا ہے مجھے میں تم کو متفرق دیکھتا ہوں ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی مسجد نبوی شریف میں حضرات صحابہ متفرق بیٹھے تھے دو چار اس طرف اور چار چھ اس دوسری طرف۔
۲؎ یہ فرمان عالی اظہار ناراضی کے لیے ہے۔عزین بنا ہے عزۃ سے بمعنی علیحدگی اور متفرق ہونا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ"۔مقصد یہ ہے کہ مسجد یا مجلس میں مسلمان اکٹھے بیٹھا کریں الگ الگ ٹولیاں بنا کر نہ بیٹھیں کہ اس میں کفار سے مشابہت ہے،نیز قالب کا اثر قلب پر پڑتا ہے اگر مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے الگ تھلگ بیٹھیں گے تو ان کے دل بھی الگ ہوجائیں گے اگر مل کر بیٹھیں گے تو دل بھی مل جائیں گے۔خیال رہے کہ نماز کی انتظار میں مسجد میں مسلمان صف بستہ بیٹھیں کہ فرشتے بارگاہِ الٰہی میں صف بستہ ہی حاضر ہوتے ہیں اور ذکر کی مجلس میں حلقہ باندھ کر بیٹھے کہ جنت میں مسلمان حلقوں سے بیٹھا کریں گے،رب فرماتا ہے:"عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ"حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فرمان میں ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی سایہ میں ہو پھر اس سے سایہ ہٹ جاوے کہ اس کا بعض دھوپ میں اور	

بعض سایہ میں ہوجاوے تو اٹھ کھڑا ہو۱(ابوداؤد)	

۱ایا تو سایہ میں ہی چلا جاوے یا بالکل دھوپ میں ہوجاوے کیونکہ سایہ ٹھنڈا اور دھوپ گرم اور بیک وقت ایک جسم پر ٹھنڈک و گرمی لینا صحت کے لیے مضر ہے اس لیے ایسا نہ کرے،نیز یہ شیطانی نشست ہے جس سے شیطان خوش ہوتا ہے لہذا اس تشبیہ سے بچنا ضروری ہے۔

اور شرح سنہ میں انہیں سے ہے فرمایا جب تم میں سے کوئی سایہ میں ہو پھر اس سے سایہ ہٹ جاوے تو اٹھ کھڑا ہو کہ یہ شیطان کی بیٹھک ہے اسے معمر نے یوں ہی موقوفًا روایت کی۱	

۱یعنی معمر نے جو تابعی ہیں یہ حدیث حضرت ابوہریرہ سے موقوفًا روایت کی یہ کلام خود حضرت ابوہریرہ کا بیان فرمایا مگر ایسی موقوف حدیث جس میں قیاس کو دخل نہ ہو وہ مرفوع کے حکم میں ہے خصوصًا جب کہ دوسری اسناد سے مرفوع حدیث بھی آرہی ہو۔خیال رہے کہ ایسی بیٹھک کو شیطان کی بیٹھک فرمانے کے دو معنی ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ شیطان اس طرح بیٹھا کرتا ہے۔دوسرے یہ کہ وہ ملعون اس بیٹھک سے خوش ہوتا ہے۔حدیث شریف میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں بلکہ ظاہری معنی پر ایمان لانا چاہیے واقعی شیطان ایسے ہی بیٹھتا ہے حضور کی نظر ان چیزوں کو دیکھ لیتی ہے جو ہمارے خیالات سے بھی وراء ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوسعید انصاری سے۱انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا آپ مسجد سے نکل رہے تھے تو راستہ میں مرد عورتوں کے ساتھ خلط ملط ہوگئے۲تو عورتوں سے فرمایا تم پیچھے رہو تمہیں یہ حق نہیں کیونکہ تمہارے لیے بیچ راستہ میں چلنا مناسب نہیں۳تم راستہ کے کنارے اختیار کروپھر عورت دیواروں سے مل کر چلتی تھی حتی کہ اس کا کپڑا دیوار سے اولجھتا تھا۴(ابوداؤد،بیہقی شعب الایمان)	

۱آپ کا نام مالک ابن ربیعہ ہے،انصاری ہیں،صحابی ہیں،اصحابِ بدر میں سب سے آخر میں آپ کی وفات ہوئی۔

۲جماعت نماز یا جلسہ وعظ ختم ہونے پر حاضرین مسجد سے نکلے مجمع بہت تھا بھیڑ میں عورتیں مرد مخلوط ہوگئے تب حضور انور نے یہ فرمایا،اب بھی حج کے موسم میں جب نمازی مسجد نبوی سے نکلتے ہیں تو راستے بند ہوجاتے ہیں۔

۳تحققن بنا ہے حاق سے بمعنی درمیان اور وسط،تحققن بروزن تنصرن ہے نصر ینصر سے مضارع جمع مخاطب یعنی تم بیچ سڑک پر نہ چلا کرو وہ مردوں کے لیے چھوڑ دیا کرو بیچ راہ میں چلیں،راستہ کے کناروں پر تم چلا کرو تاکہ مردوں سے مخلوط نہ ہوجایا کرو۔

۴؎ یہ ہے حضرات صحابہ کرام کی اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ اس فرمان عالی کے بعد کوئی مسلمہ بی بی وسط راہ میں چلی ہی نہیں بلکہ اگر راستہ خالی ہوتاجب بھی وہ کنارے پر ہی چلتی تھی،اب بھی عورتوں کو اگر ضرورۃً راہ چلنا پڑ جاوے تو کنارہ پر ہی چلیں یہ ہی حکم سرکاری ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ مرد عورتوں کے درمیان چلے ا؎(ابوداؤد)	

ا؎ یعنی اگر دو عورتیں راہ میں جارہی ہیں تو کوئی اجنبی مرد ان کے درمیان سے نہ گزرے ایک طرف سے گزر جاوے یا ان کے درمیان نہ چلے الگ چلے کیونکہ حضور انور نے راستہ کے الگ الگ حصہ کردیئے ہیں درمیان راہ مردوں کے لیے کنارے عورتوں کے لیے بلکہ اپنی محرم عورتوں کے ساتھ بھی یوں ہی چلے تاکہ دوسرے لوگ اس سے سبق لیں۔

روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ ہم جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو ہم میں سے ہر ایک وہاں بیٹھتا جہاں مجلس ختم ہوتی ا؎ (ابوداؤد)اور عبداللہ ابن عمرو کی دو حدیثیں **باب القیام** میں ذکر ہوئیں اور ہم حضرت علی و ابوہریرہ کی حدیثیں **باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصفاتہ** میں بیان کریں گے ۲؎ **ان شاءاللہ تعالٰی**	

ا؎ یعنی کنارہ مجلس پر بیٹھتا تھا لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر درمیان پہنچنے کی کوشش نہ کرتا تھا یہ آداب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے تھے۔

۲؎ یعنی یہ چار حدیثیں مصابیح میں یہاں تھیں مگر ہم نے ان میں سے دو حدیثیں تو باب القیام میں ذکر کردیں اور دو حدیثیں باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ذکر کریں گے کیونکہ ہم کو یہ حدیثیں ان مقام سے زیادہ مناسب معلوم ہوئیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عمرو ابن شرید سے ا؎ اور وہ اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے جب کہ میں اس طرح بیٹھا تھا کہ میں نے اپنا بایاں ہاتھ اپنے پیٹھ کے پیچھے رکھا ہوا تھا اور میں نے	

	اپنے ہاتھ کی سیرین پر ٹیک لگائی ہوئی تھی ۲؎ تو فرمایا تم ان لوگوں کی بیٹھک بیٹھتے ہو جن پر غضب کیا گیا ۳؎(ابوداؤد)

۱؎ عمرو ابن شرید تابعی ہیں،ان کے والد شرید صحابی ہیں،عمرو طائف کے رہنے والے ہیں،ثقہ ہیں،ان کی ملاقات اپنے والد سے اور حضرت عبداللہ ابن عباس سے ہے ان دو بزرگوں کے علاوہ اور چند صحابہ سے بھی ہے۔(اشعہ)

۲؎ الیۃ سرین یعنی چوتڑ کو کہتے ہیں مگر یہاں اس سے مراد ہتھیلی کا وہ گوشت ہے جو انگوٹھے کی جڑ سے آخری کنارہ تک ہے۔

۳؎ یعنی اس طرح یہود بیٹھا کرتے ہیں اور یہود پر اللہ کا غضب ہے تو یہ بیٹھک اللہ تعالٰی کو ناپسند ہے تم مؤمن انعام والے بندے ہو تم ان سے تشبیہ کیوں کرتے ہو۔خیال رہے کہ ایک ہاتھ پیٹھ پر رکھنا دوسرے ہاتھ پر ٹیک لگانا مطلقًا ممنوع ہے خواہ داہنا ہاتھ پیٹھ پر بایاں زمین پر یا برعکس(اشعہ)بلکہ دونوں یا ایک ہاتھ کوکھ پر رکھنا یا پیٹھ سے لگانا ہی ممنوع ہے یوں ہی دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے کھڑے کرنا ان پر ٹیک لگانا ممنوع ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں مجھ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم گزرے جب کہ میں اپنے پیٹ پر لیٹا ہوا تھا ۱؎ تو مجھے اپنے پاؤں سے ٹھوکر ماری اور فرمایا اے جندب یہ آگ والوں کا لیٹنا ہے ۲؎(ابن ماجہ)

۱؎ اس طرح کہ میرا پیٹ زمین سے لگا ہوا تھا اور دونوں پاؤں پھیلے ہوئے تھے جسے کہتے ہیں اوندھا لیٹنا۔

۲؎ جندب حضرت ابوذرغفاری کا نام ہے،کنیت ابوذر ہے۔اس فرمان کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ جہنمی لوگ یعنی کفار دنیا میں ایسے لیٹتے ہیں تم ان سے مشابہت نہ کرو۔دوسرے یہ کہ دوزخ میں کفار ایسے لٹائے جایا کریں گے ان کی پیٹھ پر کوڑے مارنے کے لیے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد اپنے چھوٹوں کو پیار یا ناراضی میں ٹھوکر مارنا جائز ہے،حضرات صحابہ کرام تو حضور کی ٹھوکر کھانے پر فخر کرتے تھے آج ہم ان ٹھوکروں کے لیے ترستے ہیں۔شعر

شبلی تشنہ دیدار کو زندہ کرتے | بخت خوابیدہ کو ٹھوکر سے جگاتے جاتے

باب العطاس و التثاؤب

چھینک اور جمائی کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ عطاس مصدر ہے عطۃ کا عطه کے معنی ہیں چھینک تو عطاس کے معنی ہوئے چھینکنا اور تثاؤب مصدر ہے ثوباء کا ثوباء کے معنی ہیں سستی،تثاؤب کے معنی ہیں سستی کا طاری ہونا۔اصطلاح میں جمائی کو تثاؤب کہتے ہیں کہ اس میں سستی ظاہر ہوئی ہے،تثاؤب مہموزعین ہے نہ کہ اجوف یہ ہی قوی ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں اللہ تعالٰی چھینک کو پسند فرماتا ہے ۱؎ اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے ۲؎ تو جب تم میں سے کوئی چھینکے اور اللہ کی حمد کرے تو ہر سننے والے مسلمان پر حق ہے اس سے کہے یرحمک اللہ ۳؎ لیکن جمائی وہ تو شیطان کیطرف سے ہے ۴؎ تو جب تم میں سے کوئی جمائی لے تو جہاں تک ہوسکے اسے دفع کرے ۵؎ کیونکہ تم میں سے کوئی جب جمائی لیتا ہے تو اس سے شیطان ہنستا ہے ۶؎(بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ تم میں سے کوئی جب کہتا ہے ہاتو اس سے شیطان ہنستا ہے ۷؎	

۱؎ چھینک سے دماغ صاف ہوتا ہے،چھینک آنے سے دماغ ہلکا ہوجاتا ہے،طبیعت کھل جاتی ہے جس سے عبادات پر زیادہ قدرت ہوتی ہے۔اطباء کہتے ہیں کہ زکام آکر خیریت سے گزر جاوے تو بہت بیماریوں کا دفعیہ ہے۔

۲؎ جمائی سستی کی علامت ہے اس سے جسم میں جمود طاری ہوتا ہے،چھینک رب کو پسند ہے جمائی شیطان کو پسند اس لیے حضرات انبیاء کرام کو جمائی کبھی نہیں آتی۔

۳؎ بعض علماء فرماتے ہیں کہ چھینک کا جواب دینا فرض ہے وہ اس حدیث سے دلیل لیتے ہیں کہ فرمایا گیا **حقا**۔عام علماء اسے سنت کہتے ہیں،فرض والوں میں بعض لوگ اسے فرض عین کہتے ہیں،بعض فرض کفایہ۔اس سے معلوم ہوا کہ چھینکنے والا **الحمدللہ** بلند آواز سے کہے تاکہ لوگ سن سکیں اور صرف سننے والے پر جواب ہے نہ سننے والے پر کچھ نہیں۔جواب چھینک کے متعلق علماء کا بڑا اختلاف ہے حق یہ ہے کہ اس کا جواب سنت علی العین ہے کہ ہر

سننے والا جواب دے،یہاں حق بمعنی واجب یا لازم نہیں بلکہ بمعنی استحقاق ہے جیسے فرمایا گیا کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں مریض کی عیادت کرنا،جنازہ میں شرکت کرنا وغیرہ۔

۴؎ یعنی شیطان کے اثر سے جمائی آتی ہے وہ اس سے خوش ہوتا ہے ہاہ کرنے پر وہ ہنستا ہے اسی لیے حضرت انبیاءکرام کو جمائی کبھی نہیں آئی جیسے کہ انہیں احتلام نہیں ہوتا کہ یہ شیطانی چیزیں ہیں۔(مرقات)

۵؎ جمائی دفع کرنے کی تین تدبیر یں ہیں:جب جمائی آنے لگے تو ناک سے زور سے سانس نکا ل دے۔جب جمائی آنے لگے تو نیچا ہونٹ دانتوں میں دبالے۔جب جمائی آنے لگے تو یہ خیال کرے کہ حضرات انبیاء کرام کو جمائی نہیں آتی۔

۶؎ یعنی جب کوئی جمائی میں منہ پھیلاتا ہے اور ہاہ کہتا ہے تو شیطان خوب ٹھٹھہ مار کر ہنستا ہے کہ میں نے اسے پاگل بنادیا اپنا اثر اس پر کرلیا۔

۷؎ یہ حدیث بہت اسنادوں سے مختلف الفاظ سے مروی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ بعض آوازوں سے شیطان بھاگتاہے، بعض آوازوں سے وہ خوش ہوتا ہے،اللہ کے ذکر کی آواز سے اسے تکلیف ہوتی ہے جمائی کی آواز سے وہ ہنستا ہے گانے باجے کی آواز پر وہ خوشی سے ناچتا ہوگا لہذا بری آوازوں سے بچو۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی چھینکے تو کہے الحمدللہ اور اس کا بھائی اس کا ساتھی اس سے کہے یرحمک اللہ پھر جب کہے یرحمک اللہ تو یہ کہے یھدیکم اللہ و یصلح بالکم ۱؎(بخاری)	

۱؎ چونکہ چھینک اللہ تعالٰی کی نعمت ہے لہذا اس پر اللہ کی حمد کرنی چاہیے،چونکہ اس حمد سے اس نے اللہ کی نعمت کی قدر کی لہذا سننے والے نے اسے دعا دی یرحمک اللہ،چونکہ اس دعا دینے والے نے اس پر احسان کیا لہذا احسان کا بدلہ احسان سے کرتے ہوئے یہ پھر اسے دعا دے اور کہے یھدیکم اللہ غرضکہ ان ذکروں کے ایرپھیر میں عجیب حکمت ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو شخصوں نے چھینک لی تو حضور نے ایک کو جواب دیا۱؎ دوسرے کو جواب نہ دیا تو اس شخص نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے ان کو جواب دیا مجھے نہ دیا فرمایا اس نے اللہ کی حمد کی تم نے نہ کی ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ چھینک کے جواب کو **تشمیت** کہتے ہیں یہ بنا ہے **شمت** سے بمعنی آفت و مصیبت یا لوگوں کا طعنہ۔اس سے ہے **شماتت اعداء** باب تفعیل سلب کے لیے ہے لہذا اس کے معنی ہوئے ہوئے مصیبت دور کرنا یعنی دعا دینا دعاء خیر کو **تشمیت** اسے لیے کہا جاتا ہے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ چھینکنے والے کا جواب جب دیا جاوے جب وہ الحمدللہ کہے اور یہ سنے بھی ایک شخص نے دیوار کے پیچھے چھینک لی تو حضرت عمر نے فرمایا **یرحمك اللہ ان حمدت اللہ** اگر تو نے رب کی حمد کی ہو تو خدا تجھ پر رحم کرے اگر اکیلا آدمی چھینک لے اور الحمدللہ کہے کوئی جواب دینے والے نہ ہو تو خود ہی کہہ لے **یغفر اللہ لی ولکم** کیونکہ فرشتے اس کی چھینک کا جواب دیتے ہیں یہ ان کی نیت سے یہ دعاکرے جیسے نماز کے سلام میں فرشتوں کی نیت کرے اگر اکیلا ہو۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب تم میں سے کوئی چھینکے پھر خدا کی حمد کرے تو جواب دو اگر حمد نہ کرے تو اسے جواب نہ دو ۱؎ (مسلم)	

۱؎ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ نہی ممانعت کے لیے ہے لہذا ایسے شخص کو جواب دینا گناہ ہے،بعض فرماتے ہیں کہ نہی سنیت کی نفی کے لیے ہے یعنی ایسے کو جواب دینا سنت نہیں مگر گناہ بھی نہیں مگر یہ بات یقینی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کو جواب نہیں دیا لہذا جواب نہ دینا ہی سنت ہے۔(اشعہ)خیال رہے کہ عدم فعل سنت نہیں ہوتا بلکہ ترک فعل سنت ہوتا ہے عدم اور ترک میں بڑا فرق ہے۔عدم زنا پر ثواب نہیں بلکہ ترک گناہ پر ثواب ہے،جب کسی کام کا باعث موجود ہو پھر کام نہ کیا جاوے وہ ترک ہے اور مطلقًا کوئی کام نہ کرنا عدم فعل ہے۔

روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا اور آپ کے پاس ایک شخص نے چھینک لی تو اس سے فرمایا **یرحمك اللہ** اس نے پھر دوبارہ چھینک لی تو فرمایا کہ یہ شخص زکام والا ہے ۱؎ (مسلم) اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ حضور نے تیسری بار میں فرمایا کہ وہ زکام والا ہے ۲؎	

۱؎ معلوم ہوا کہ جو نزلہ زکام کا بیمار ہو اسے ہر چھینک پر جواب نہ دے کہ اس میں بہت حرج ہوگا کہ پھر تو وہ زکام والا کسی کو بات نہ کرنے دے گا وہ چھینکے جاوے تم جواب دیئے جاؤ جیسے اذان کا جواب دے مگر پہلی اذان کا پھر اذانیں سنتا رہے جواب دینا ضروری نہیں۔

۲؎ زیادہ روایات تین کی ہی ہیں کہ حضور انور نے تیسری چھینک پر فرمایا کہ تجھے زکام ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ زکام والے شخص کو بجائے جواب دینے کے کہے **شفاك اللہ** تجھے اللہ شفادے مگر یہ قول درست نہیں کیونکہ

دعاء صحت تو ویسے ہی کرنی چاہیے چھینک پر کیا موقوف ہے یہ وقت شفا کی دعا کا نہیں ہے،نیز زکام بیماری نہیں ہے بلکہ دماغی بیماریوں کا علاج اس سے بہت مرض دفع ہوجاتے ہیں۔(مرقات)زکام والے کو دیوانگی و جنون نہیں ہوتا جسے کبھی خارش ہواسے جذام و کوڑھ نہیں ہوتا،زکام و خارش میں رب تعالٰی کی بہت حکمتیں ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جمائی لینے لگے تو اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لے ۱؎ کیونکہ شیطان داخل ہوجاتا ہے ۲؎(مسلم)

۱؎ اس طرح کہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی یا انگلیوں کی پشت منہ پر رکھ لے کہ یہ ہی سنت ہے جیساکہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔

۲؎ یا تو خود شیطان ہی داخل ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ مردود ہمارے خون کے ساتھ گردش کرتا ہے مگر ہمارے منہ میں اس وقت گھستا ہے یا اس کے وسوسہ داخل ہوتے ہیں۔بہرحال جمائی کے وقت منہ پر ہاتھ ضرور رکھ لے کہ اس سے نہ شیطان داخل ہوگا نہ اس کے وسوسہ نہ ہوائی کیڑے مکوڑے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب چھینکتے تو اپنا چہرہ انور اپنے ہاتھ یا آستین سے ڈھانپ لیتے اور اس میں اپنی آواز پست کرتے ۱؎ (ترمذی،ابوداؤد)اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

۱؎ چھینک کے وقت اپنا پورا چہرہ یا پورا منہ کپڑے یا ہاتھ سے ڈھانپ لینا سنت ہے کہ اس سے رطوبت کی چھینٹیں نہ اوڑینگی اور اپنے یا دوسرے کے کپڑے خراب نہ ہوں گے اور چھینک کی آواز حتی الامکان پست کرنا بھی سنت ہے کہ یہ آواز بلند ہو تو بری معلوم ہوتی ہے لوگ اچھل پڑتے ہیں،چھینک کی آواز آہستہ نکلے الحمد کی آواز بلند ہو۔

	روایت ہے حضرت ابو ایوب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی چھینکے تو کہے ۱؎ اللہ تم پر رحم کرے اور یہ کہے اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہارا حال درست کرے ۲؎(ترمذی،دارمی)

۱؎ عمل جو کوئی چھینک پر کہے الحمدللہ علی کل حال اور اپنی زبان سارے دانتوں پر پھیر لیا کرے تو ان شاءاللہ دانتوں کی بیماریوں سے محفوظ رہے گا مجرب ہے۔حضرت علی فرماتے ہیں کہ جو کوئی چھینک پر کہے الحمدللہ رب العالمین علی کل حال تو ان شاءاللہ اسے کبھی ڈاڑھ اور کان کا درد نہ ہوگا۔امام عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔(ابن ابی شیبہ،مرقات)حق یہ ہے کہ تمام سننے والوں پر جواب دینا سنت ہے یعنی جواب چھینک سنت علی العین ہے۔

۲؎ کہ بال کے معنی دل،خیال،حال ہیں۔یہاں بمعنی حال ہے جب حال ہی ٹھیک ہوگیا تو دل و خیال بھی ٹھیک ہوجائیں گے اس لیے یہاں بال سے حال مراد لے تاکہ دعا جامع ہوجاوے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں کہ یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھینکا کرتے تھے ۱؎ امید یہ کرتے تھے کہ ان سے فرمادیں اللہ تم پر رحم کرے مگر آپ فرماتے اللہ تمہیں ہدایت دے تمہارا حال درست کرے ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ یعنی دیدہ و دانستہ چھینک لیا کرتے تھے ناک میں تنکے ڈال کر یا کسی اور طریقہ سے جیساکہ یتعاطسون بتارہا ہے۔

۲؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ یہود بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقبول الدعاء اللہ کا محبوب جانتے تھے اس لیے آپ کی دعا لینے کی کوشش کرتے تھے مگر ایمان نہ لاتے تھے حضور سے دعا لینے کی ترکیب ایمان لانا اور نیک اعمال کرنا ہے خصوصًا نماز تہجد کی پابندی کرنا۔دوسرے یہ کہ کفار کے لیے دعاء مغفرت دعاء رحمت کرنا ممنوع ہے انہیں دعاء سے ہدایت کرے،رحمت مغفرت صرف مسلمانوں کے لیے ہے ہدایت کفار کو بھی مل سکتی ہے کہ وہ ہدایت پاکر ایمان قبول کرلیں۔

روایت ہے حضرت ہلال ابن یساف سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم سالم ابن عبید کے پاس تھے ۲؎ تو قوم میں سے کسی شخص نے چھینکا تو بولا السلام علیکم ۳؎ تو اس سے سالم نے کہا تجھ پر اور تیری ماں پر ۴؎ تو شاید وہ شخص اپنے دل میں غصہ ہوا ۵؎ تو فرمایا میں نے وہ ہی کہا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھینک لی تھی تو بولا السلام علیکم تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ پر اور تیری ماں پر ۶؎ جب تم میں سے کوئی چھینکے تو کہے الحمدللہ رب العلمین	

	اور اس کو جواب دینے والا کہے یرحمك الله اور یہ کہے یغفر الله لی ولکم ۷؎ (ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ آپ تابعی ہیں،حضرت اشجع کے آزادکردہ غلام ہیں،حضرت علی اور حضرت ابو مسعود انصاری مسلم ابن قیس سے ملاقات ہے،۱۰۷ھ ایک سو ستتر میں وفات پائی آپ سے بہت لوگوں نے روایات لیں۔(مرقات واشعہ)

۲؎ یا تو منہ سے نکل گیا یا بجائے الحمدلله کے السلام علیکم عمدًا کہا یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ بھی اللہ کا ذکر ہی ہے یا مسئلہ معلوم نہ تھا۔

۳؎ یہ سلام تحیت کا نہیں ہے بلکہ اظہار ناراضی و بیزاری کا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر کے جواب میں فرمایا"قَالَ سَلٰمٌ عَلَیۡكَ"یعنی تجھے دور ہی سے سلام ہے اس سلام یعنی ناراضگی میں ماں کو اس لیے داخل فرمایا کہ ماں نے بچے کو دین نہ سکھایا یہ باتیں مائیں سکھاتی ہیں اس نے غفلت برتی یا بچے ایسی بدعتیں اکثر ماؤں سے سیکھتے ہیں۔ہمارے ہاں لوگ چاند دیکھ کر سلام کرتے ہیں اماں سلام،ابا سلام یہ بھی بوڑھی عورتوں کی رسم ہے،چونکہ ان رسوم بے موقعہ سلام کی موجد عورتیں ہوتی ہیں خصوصًا مائیں دادیاں اس لیے علی امك فرمایا۔اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ بے موقعہ سلام کرنے والے کو جواب نہ دیا جاوے،دیکھو حضور انور نے وعلیکم السلام نہ فرمایا،نیز چونکہ اس نے چھینک کر الحمدللہ نہ کہا لہذا اسے جواب بھی نہ دیا گیااس حدیث سے بہت مسائل مستنبط ہوسکتے ہیں۔

۵؎ یعنی اس نے منہ سے تو کچھ نہ کہا مگر اس کے چپ ہوجانے سے محسوس ہوا کہ اس کے دل کو اس جواب سے رنج ہوا۔

۶؎ سبحان الله!کیا حکیمانہ طریقہ اختیار فرمایا کہ اس کا رنج دور کرنے کو حدیث پیش فرمائی اور فرمایا کہ اس سارے ہی واقعہ میں میں متبع ہوں متبدع نہیں ہوں۔(مرقات)

۷؎ مقصد یہ ہے کہ یہ موقع سلام کا نہ تھا بلکہ حمد الٰہی کا تھا اگر تم حسب موقعہ الحمد کہتے تو جواب پاتے ہر مقام کے لیے ذکر اللہ علیحدہ ہے۔خوشی کی خبر پر انا لله نہ پڑھو غم کی خبر پر الحمدلله نہ کہو۔

	روایت ہے حضرت عبید ابن رفاعہ سے ۱؎ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا چھینکنے والے کو تین بار جواب دو پھر جو زیادہ کرے تو اگر چاہو جواب دو اگر چاہو نہ دو ۲؎(ابوداؤد،ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ عبید ابن رفاعہ تابعی ہیں،ان کے والد رفاعہ ابن رافع صحابی ہیں،ان کی کنیت ابو معاذ ہے،انصاری ہیں زرقی ہیں،بدر احد اور تمام غزوات نبوی میں شریک ہوئے، جنگ جمل میں حضرت علی کے ساتھ تھے،حضرت معاویہ کے زمانہ میں فوت ہوئے،ان کے دو بیٹے ہیں عبید اور معاذ ایک بھتیجہ یحیٰی ابن خلاد لہذا یہ حدیث مرسل ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی مسلمان کی تین چھینکوں کا جواب دینا سنت ہے مگر چوتھی چھینک کا جواب دینا سنت نہیں تمہاری مرضی پر ہے لیکن اگر جواب دیا تو ان شاءاللہ ثواب ملے گا کہ مسلمان کو دعا دینا عبادت ہے۔یہاں یہ ارشاد نہ ہوا کہ خود چھینکنے والا چوتھی چھینک پر الحمدللہ کہے یا نہ کہے ظاہر یہ ہے کہ کہے حمد الٰہی بہتر ہی ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرمایا اپنے بھائی کو تین بار جواب دو اگر زیادہ ہو تووہ زکام ہے ۱؎ (ابوداؤد) اور فرمایا کہ میں انہیں نہیں جانتا ہوں مگر انہوں نے حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کی ۲؎	

۱؎ اور زکام ایک بیماری ہے بیماری کی چھینک کا جواب سنت نہیں۔خیال رہے کہ سنت نہ ہونا اور ہے خلاف سنت ہونا کچھ اور خلاف سنت چیز بدعت ہوتی ہے جس کا کرنا ممنوع ہوتا ہےاور سنت نہ ہونا ممنوع ہونے کی دلیل نہیں،بخاری شریف پڑھنا سنت نہیں مگر خلاف سنت نہیں اس لیے ممنوع نہیں،خلاف سنت وہ ہے جو سنت کو مٹادے اس کا فرق کتاب راہِ جنت میں ملاحظہ فرماؤ آج لوگوں نے ان دونوں میں فرق نہیں کیا۔

۲؎ قال کا فاعل ابوداؤد نہیں بلکہ وہ راوی ہیں جنہوں نے حضرت ابوہریرہ سے یہ روایت کی یعنی سعید مقبری۔مطلب یہ ہے کہ سعید مقبری کہتے ہیں کہ مجھے خیال پڑتا ہے کہ یہ حدیث حضرت ابوہریرہ کا قول نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔(لمعات)اگر مرفوع نہ بھی ہو تب بھی مرفوع کے حکم میں ہوگی کہ صحابی کا وہ قول جو قیاس سے وراء ہو مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔(اشعہ)جیساکہ کتب اصول فقہ میں مذکور ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت نافع سے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر کی برابر میں چھینک لی تو بولا اللہ کا شکر ہے اور رسول اللہ پر سلام ۱؎ تو جناب ابن عمر نے کہا کہ میں بھی کہتا اللہ کا شکر ہے اور رسول اللہ پر سلام ۲؎ مگر ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح نہ سکھایا ہمیں یہ سکھایا کہ ہم کہیں اللہ کا شکر ہے ہر حال پر ۳؎ (ترمذی)	

۱؎ غالبًا وہ صاحب سمجھے کہ حضور انور کو سلام بھی ذکر خیر ہے اور الحمدللہ بھی ذکر خیر اور خیر کو خیر سے ملانا زیادتی خیر کا ذریعہ ہے،دیکھو خطبہ مسجد میں داخلہ کے وقت حمد وصلوۃ وسلام ملے ہوتے ہیں مگر یہ قیاس درست نہ تھا۔(مرقات)

۲؎ یعنی میں نہ تو حمد الٰہی کا انکار کرتا ہوں نہ حضور کو سلام کرنے کا نہ ان دونوں کو جمع کرنے کا میں خود بارہا ان دونوں کو ملا کر کہا کرتا ہوں۔

۳؎ یعنی چھینک کے موقعہ پر حمد الٰہی کو سلام رسول اللہ سے ملانا خلاف سنت ہے،ہم کو حضور نے اس موقعہ پر یہ سکھایا کہ حمد کے ساتھ علی کل حال ملائیں،نیز حمد کے ساتھ سلام کو ملانا اس سنت کے ترک کا باعث ہے لہذا بدعت ہے اور ممنوع۔بعض علماء نے چھینک کے وقت درود شریف کو سنت فرمایا ہے،دیکھو اشعۃ اللمعات۔ مگر وہ حضرات علی کل حال کے بعد درود شریف کو مستحب کہتے ہیں۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کسی نے چھینک کر کہا تھا السلام علیکم تو حضور انور نے اس پر کچھ سختی فرمائی تھی مگر حضرت ابن عمر نے اس شخص پر نہایت نرمی کی،وجہ یہ ہے کہ اس شخص نے الحمدللہ بالکل نہ کہا تھا صرف سلام کیا تھا لہذا اس پر سختی کی۔یہاں اس شخص نے حمد کے بعد سلام کہا یعنی حمد کو چھوڑا نہیں لہذا نرمی فرمائی یا شاید اس شخص نے بارہا یہ قصور کیا ہوگا اس لیے اس پر سختی کی یہاں اس شخص نے پہلی بار یہ قصور کیا ہے،مرقات میں اس دوسری توجیہ کا ذکر کیا۔

باب الضحك

ہنسنے کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] ضحك ض کے کسرہ ح کے سکون سے یا دونوں کے کسرہ سے یا ض کے فتحہ سے ح کے سکون سے ہے بمعنی ہنسنا یہاں ضحك سے مراد ہنسنا تبسم کرنا سب مراد ہے اس لیے مصنف اس باب میں تبسم کا ذکر بھی کریں گے۔فقہاء کے ہاں صرف دانت کھل جانا آواز نہ پیدا ہونا تبسم ہے،تھوڑی آواز بھی پیدا ہونا جو خود سن جائے دوسرا نہ سنے ضحك ہے،زیادہ آواز پیدا ہو کہ دوسرا بھی سنے اور منہ کھل جائے قہقہہ ہے یعنی ٹھٹھا۔نماز میں تبسم کرنے سے نہ نماز جائے نہ وضو،ہنسنے سے نماز جاتی رہے گی،ٹھٹھہ سے نمازوضو دونوں جاتے رہتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا ہنستے نہ دیکھا حتی کہ میں آپ کے انتہائی تالو دیکھ لیتی[1] آپ مسکرایا کرتے تھے[2] (بخاری)

[1] یہ تفسیر ہے مستجمعا کی یعنی اس طرح ہنستے نہ دیکھا کہ آپ کا منہ شریف کھل جاتا اور میں آپ کے تالو کا آخری حصہ دیکھ لیتی۔لھوات جمع ہے لھات کی،لھات وہ پارۂ گوشت جو تالو کی انتہا اور حلق سے متصل ہے حضور انور اس طرح ساری عمر کبھی نہ ہنسے۔

[2] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے کبھی نہ تھے مسکراتے بہت تھے،ہنسنا قلب میں غفلت پیدا کرتا ہے تبسم خوش اخلاقی ہے اس سے سامنے والے کو خوشی ہوتی ہے۔شعر

جس کی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑیں   اُس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

	روایت ہے حضرت جریر سے[1] فرماتے ہیں کہ جب سے مسلمان ہوا مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ نہ کیا[2] اور مجھے نہ دیکھا مگر تبسم فرمایا[3] (مسلم،بخاری)

[1] آپ جریر ابن عبداللہ ہیں،کنیت ابو عمرو ہے،حضور انور کی وفات سے چالیس دن پہلے اسلام لائے بعد میں کوفہ میں قیام رہا،[51]ھ اکیاون ہجری میں وفات پائی۔(اکمال)بڑے خوبصورت خوش خلق اپنی قوم کے سردار تھے۔

[2] یعنی جس موقعہ پر دوسروں کو اجازت لے کر آنا ہوتا تھا مجھے بغیر اجازت حاصل کیے حاضری کی اجازت تھی ایک بار حضور نے مجھے ایسی مجالس میں حاضری کی اجازت دے دی تھی گویا اپنا قرب و منزلت بیان فرمارہے ہیں۔خیال

رہے کہ حضور کی مجلس عامہ میں کسی کو اجازت لینے کی ضرورت نہ تھی جیسے نماز جمعہ عید اور عام مجالس وعظ میں دولت خانہ کے اندرکسی کو بغیر اجازت حاضر ہونے کی اجازت نہ تھی،رب تعالیٰ فرماتاہے:"لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتَ النَّبِیِّ"الخ مجالس خاصہ میں عام لوگ اجازت لے کر حاضر ہوتے تھے مگر کوئی خاص الخاص بغیر اجازت بھی یہاں اسی کا ذکر ہے۔

۳؎حضور کا یہ تبسم اظہار خوشی یا اظہار کرم کے لیے ہوتا تھا۔

	روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ اٹھتے تھے اپنے اس مصلے سے جس میں فجر کی نماز پڑھتے حتی کہ سورج طلوع ہوجاتا پھر جب سورج طلوع ہوجاتا تو اٹھتے اور لوگ باتیں کرتے تھے تو جاہلیت کے زمانہ کے کاموں کے ذکر میں مشغول ہوجاتے تو ہنستے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے تھے ۱؎(مسلم)اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ وہ حضرات اشعار پڑھتے تھے۔

۱؎اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ نماز فجر کے بعد اشراق تک مصلے پر بیٹھا رہنا سنت ہے۔دوسرے یہ کہ اس وقت تلاوت قرآن کرنا بہتر نہیں،جن اوقات میں سجدہ حرام ہے ان اوقات میں تلاوت قرآن افضل نہیں کہ اس وقت سجدۂ تلاوت نہ کرسکے گا۔تیسرے یہ کہ نفلی معتکف کو مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا جائز ہے یہ حضرات بہ نیت اعتکاف وہاں بیٹھتے تھے۔چوتھے یہ کہ مسجد میں جائز اشعار پڑھنا جائز بلکہ نعت شریف پڑھنا سنت صحابہ ہے۔پانچویں یہ کہ آخرت کی چیزیں کوئی اپنی عقل سے معلوم نہیں کرسکتا یہ صرف نبوت کے نور سے ہی معلوم ہوتی ہیں،دیکھو حضرات صحابہ کرام اب بعد اسلام اپنے زمانہ جاہلیت کی باتوں پر خود ہنستے تھے کہ ہم اس وقت کیسے ناسمجھ تھے اب حضور کے صدقہ سے سمجھ بوجھ میسر ہوئی۔چھٹے یہ کہ حضور انور بڑے ہی اخلاق کے مالک تھے کہ اپنے کو اپنے خدام کے ساتھ رکھتے تھے ان کے ہر کام میں شریک ہوجاتے تھے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حارث ابن جزء سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہ دیکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تبسم والا ہو ۲؎(ترمذی)

۱؎ آپ صحابی ہیں،زبیدی ہیں،زبید ایک قبیلہ ہے جو زبید نامی ایک شخص کی طرف منسوب ہے،آپ مصر میں سب سے آخری صحابی ہیں جو فوت ہوئے،اسی ۸۰ ہجری میں مصر میں وفات پائی۔
۲؎ تبسم میں ہزار ہا حکمتیں ہیں،حضور کی ہر ادا میں رب تعالٰی کی حکمتیں ہوتی ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت قتادہ سے کہ حضرت ابن عمر سے پوچھا گیا کہ کیا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہنستے تھے ۱؎ فرمایا ہاں حالانکہ ایمان ان کے دلوں میں پہاڑ سے بڑا تھا ۲؎ اور بلال ابن سعد نے کہا ۳؎ کہ میں نے صحابہ کو پایا کہ وہ نشانوں کے درمیان دوڑ لگاتے تھے اور ان کے بعض بعض سے ہنسی کرتے تھے جب رات ہوتی تو راہب(تارک الدنیا)بن جاتے تھے ۴؎(شرح سنہ)

۱؎ شاید سائل نے وہ حدیث سنی ہوگی کہ زیادہ ہنسنا دل مردہ کرتا ہے تو اس نے سوچا ہوگا کہ حضرات صحابہ کبھی نہ ہنستے ہوں گے وہ حضرات زندہ دل تھے پھر انہیں ہنسی سے کیا تعلق،جسے آج لوگ کہتے ہیں کہ ولی وہ جس کے گھر بار بیوی بچے کچھ نہ ہو جنگل میں تارک الدنیا ہو کر رہے۔مشہور ہے کہ وہ فقیر کیسا جو پاس رکھے پیسہ۔
۲؎ جواب کا مقصد یہ ہے کہ ہنسنا حرام نہیں حلال ہے،وہ حضرات وہ ہنسی نہ ہنستے تھے جو دل مردہ کردے یعنی ہر وقت ہنستا رہنا بلکہ وہ ہنسی ہنستے تھے جو دل کو شگفتہ رکھے اور سامنے والے کو بھی شگفتہ بنادے،ان حضرات کے دل ایمان سے بھرے ہوئے تھے ساتھ ہی وہ حضرات شگفتہ دل بھی تھے انکے پاس بیٹھنے والے بھی خوش ہوجاتے تھے۔
۳؎ آپ تابعی ہیں،بہترین واعظ عابد شب زندہ دار،دمشق میں قیام رہا آپ کو دمشق کا حسن بصری کہا جاتا تھا،آپ کی ملاقات اپنے والد،تمیم داری امیر معاویہ جابر سے ہے رضی اللہ عنہم، ۱۲۰ھ ایک سو بیس ہجری میں وفات ہوئی۔(اشعہ)
۴؎ یعنی وہ حضرات دن میں بھاگ دوڑ ہنسی مذاق سب کچھ کرتے تھے تیر اندازی ان کا بہترین مشغلہ تھا مگر جب رات ہوتی تو مصلی ہوتا اور یہ حضرات ہوتے۔اب دعوت،مناجات،عبادات میں مشغول ہوکر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوجاتے تھے۔خیال رہے کہ شب بیداری یعنی نماز تہجد کی قرآن کریم میں بہت ہی تعریف آئی ہے رب تعالٰی نصیب کرے،تو سمجھو کہ تمام نمازیں اطاعت کی ہیں یہ نماز محبت کی،تمام نمازیں مسلمانوں کے لیے آئیں مگر تہجد خاص حضور انور کے لیے،رب فرماتاہے:"وَ مِنَ الَّیۡلِ فَتَہَجَّدۡ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ"اب جو بھی تہجد پڑھتا ہے حضور کے صدقے پڑھتا ہے۔حضرات صحابہ ظاہرًا ہنستے تھے باطن کی آنکھ سے روتے تھے، اشباہ(صورتوں)میں فرشی تھے ارواح

میں عرشی تھے،بدن سے مخلوق میں تھے دل میں خالق کے ساتھ،یہ ظاہر سب کے ساتھ بہ باطن رب کے پاس،فقراء کے لباس میں بادشاہ تھے ان میں سے ہر صحابی ایسا تھا۔شعر

آفتابے در لباس ذرہ　　　　شیر نزدر پوشین برہ اے

بکرے کی کھال میں شیر ذرہ کے لباس میں سورج رضی اللہ عنہم۔

باب الاسامی

ناموں کا بیان[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1]اسامی الف کے فتح ی کی شد سے جمع اسم کی بروزن افاعیل،اسم سے مراد نام ہے خواہ عَلم ہو یا اور کچھ اس باب میں بتادیا جاوے گا کہ کیسا نام برا ہے کیسا اچھا۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں تھے کہ ایک آدمی نے کہا اے ابوالقاسم[1] تو اس کی طرف نبی صلی اللہ علیہ سلم نے توجہ فرمائی وہ بولا کہ میں نے تو اس کو بلایا ہے تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا نام تو رکھو میری کنیت نہ رکھو[2] (مسلم،بخاری)

[1]کسی شخص کا نام ابوالقاسم تھا اس نے اسے پکارا۔

[2]مقصد یہ ہے کہ اگر ہزاروں کے نام محمد ہوں تو دھوکہ نہ ہوگا کیونکہ حضور کو صرف نام سے پکارنا حرام ہے،اب جو حضور کو پکارے گا وہ یارسول اللہ کہے گا یا محمد نہ کہے گا،اگر یا محمد کہہ کر پکارے گا تو کسی اور محمد کو پکارے گا نہ کہ حضور کو، اللہ تعالٰی نے ہمارے حضور کو نام لے کر نہ پکارا یا ایھاالنبی یا ایھا الرسول سے پکارا لہذا نام کے اشتراک میں شبہ و دھوکہ نہ ہوگا کنیت کے اشتراک میں ضرور دھوکا ہوگا۔(مرقات)لہذا حدیث واضح ہے۔پس حضور انور کو یا ابا القاسم کہہ کر پکار سکتے ہیں کہ یہ حضور کا لقب ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی اللہ مگر یا محمد کہہ کر نہیں پکارسکتے کہ محمد حضور کا نام شریف ہے،دیکھو مرقات حضور انور کے بڑے صاحبزادے کا نام قاسم تھا اس نام سے آپ کی کنیت ابوالقاسم ہوئی۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ میرا نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو کیونکہ میں قاسم بنایا گیا ہوں کہ تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں[1](مسلم،بخاری)

[1]یعنی اللہ کی ہر نعمت تقسیم میرے ہاتھ سے ہوتی ہے دنیاوی نعمت ہو یا اخروی اس لیے حضرات صحابہ نے بارش،جنت،آنکھیں،دولت،اولاد حضور سے مانگی ہیں جب جنت ہی حضور سے مانگ لی تو دیگر چیزیں بدرجہ اولٰی حضور سے مانگی جاسکتی ہیں اس کے لیے کہ ہماری کتاب سلطنت مصطفٰی اور جاء الحق کا مطالعہ کرو۔ دوسری روایت میں ہے

اللہ المعطی وانا القاسم نہ اللہ کی عطا مقید ہے نہ حضور کی تقسیم رب فرماتاہے: "اَغۡنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ"۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ ممانعت حضور کی حیات شریف میں تھی بعد وفات ہر طرح اجازت ہے خواہ حضور انور کا نام رکھے یا آپ کی کنیت یا دونوں جمع کردے کہ نام رکھے محمد،کنیت رکھے ابو القاسم،اس کے متعلق اور بہت سے قول ہیں یہ ہی قول قوی ہےجو ہم نے عرض کیا کہ یہ حکم حیات شریف میں تھا۔(مرقات و اشعہ)حضرت علی نے حضور کے بعد اپنے بیٹے کا نام محمد کنیت ابوالقاسم رکھی جنہیں محمد ابن حنفیہ کہا جاتا ہے اور انہوں نے حضور سے پہلے پوچھا تھا کہ کیا میں آپ کے بعد اپنے کسی بیٹے کا نام محمد،کنیت ابو القاسم رکھ سکتا ہوں فرمایا تھا ہاں۔خیال رہے کہ اگر قاسم قوی ہو تقسیم بھی قوی ہوتی ہے،ڈول،چرسہ،رہٹ،ٹیوب ویل،دریا بادل سب ہی پانی تقسیم کرتے ہیں مگر ان کی تقسیموں میں جو فرق ہے وہ معلوم ہے۔سارے نبی اللہ کی نعمتیں تقسیم کرتے تھے حضور بھی تقسیم کرتے ہیں حضورکی تقسیم بہت قوی ہے،تمام امتوں میں وضو تھا مگر اعضاء کا چمکنا حضور کی امت کے وضو سے ہے،پانچ نمازوں کا ثواب پچاس ہے،کیوں،اس لیے کہ یہ حضور کی تقسیم سے ملی ہیں اب پڑھو اللہ المعطی وانا القاسم۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے ناموں میں رب تعالٰی کو بہت پسند نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہے[1](مسلم)	

[1]یہ نام اس لیے پیارے ہیں کہ ان میں اپنی عبدیت کو رب کی طرف نسبت کیا گیا ہے تو اس میں دونوں چیزوں کا اظہار ہے اپنی عبدیت،اللہ کی ربوبیت یعنی انبیاءکرام کے ناموں کے بعد یہ نام رب کو بہت پسند ہیں۔سب سے بہتر یہ ہے کہ کسی نبی کے نام پر نام رکھے،اس کے بعد یہ بہتر ہے کہ یہ نام رکھے۔یہاں عبداللہ اور عبدالرحمٰن بطور تمثیل فرمائے گئے اسماء الٰہیہ میں سے کسی کی طرف عبدیت کی طرف نسبت کرے بہتر ہے۔خیال رہے کہ ملائکہ کے نام پر نام رکھنا ممنوع ہے لہذا کسی چیز کا جبریل یا میکائیل نام نہ رکھو جیساکہ حدیث میں ہے۔(مرقات)چنانچہ بخاری نے اپنی تاریخ میں ایک حدیث نقل کی کہ نبیوں کے نام پر نام رکھو فرشتوں کے نام پر نام نہ رکھو۔

روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے غلام کا نام نہ یسار رکھو[1]نہ رباح نہ نجیح اور نہ افلح[2]کیونکہ تم کہو گے کہ کیا یہاں وہ ہے ہوگا نہیں تو کہے گا نہیں[3](مسلم)اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اپنے غلام کا نام نہ رباح رکھو نہ یسار نہ افلح نہ نافع[4]	

۱؎ غلام سے مراد مطلقًا لڑکا ہے خواہ بیٹا ہو یا غلام یا کوئی اور،وہ جس کا نام رکھنا ہمارے قبضہ میں ہو۔نہی تنزیہہ کی ہے یعنی یہ نام بہتر نہیں۔

۲؎ یسار کے معنی ہیں فراخی،عسر کا مقابل،رباح کے معنی ہیں نفع خسارہ کا مقابل،نجیح کے معنی ہیں کامیاب ظفریاب،افلح کے معنی ہیں نجات والا یہ ممانعت صرف ان ناموں میں محدود نہیں بلکہ ان جیسے اور نام جن کی معنی میں خوبی و عمدگی ہو جیسے ظفر،برکت وغیرہ۔(اشعہ)یہ نام نہ رکھنا بہتر ہےاس کی وجہ خود بیان فرمارہے ہیں۔

۳؎ تو اس صورت میں تمہارے گھر سے نفع،فتح،نجات کی نفی ہوجاوے گی نام رکھے تھے نیک فالی کے لیے مگر جب ان کی نفی کی گئی تو بدفالی ہوگی۔

۴؎ اس روایت میں نافع نہ تھایہاں نافع بھی ہے۔خیال رہے کہ سب سے اعلیٰ و افضل نام محمد اور احمد ہے کہ رب کے محبوب کے نام ہیں پھر ابراہیم،اسماعیل وغیرہ کہ حضرات انبیاء کے نام ہیں،پھر عبداللہ عبدالرحمٰن عبدالستار وغیرہ کہ ان میں اپنی عبدیت اور اللہ کی ربوبیت کا اعلان ہے،بے معنی یا برے معنی والے نام ممنوع ہیں جیسے،بدھو،تلویا جیسے نسیم،ریاض،جاوید،اختر وغیرہ۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ یعلیٰ،برکت،افلح،یسار،نافع اور ان کی مثل نام رکھنے سے منع فرمادیں میں نے پھر آپ کو دیکھا کہ بعد میں اس سے خاموش رہے پھر وفات پاگئے ۱؎ اور اس سے منع نہ فرمایا۔(مسلم)	

۱؎ یعنی مجھے علامات سے معلوم ہوتا تھا کہ حضور انور ان ناموں سے ممانعت فرمادیں گے مگر کی نہیں یا تو حضرت جابر کو ممانعت کی خبر نہ ہوئی،پچھلی روایت میں ممانعت گزرچکی اور نفی کی روایت پر ثبوت کی روایت مقدم ہوتی ہے یا یہاں مراد حرمت کی نہی ہے یعنی یہ نام رکھنا حرام نہ فرمایااور پچھلی روایات میں تنزیہی کراہت کی نہی تھی لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔یہاں مرقات میں ناموں کی بہت تفصیل ہے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب،ولید،رباح،حکم،کلب کلیب وغیرہ ناموں سے منع فرمایا وہ ہی کراہت تنزیہی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین نام کا وہ شخص ہے جس کا نام ملک الاملاک رکھاجاوے ۱؎(بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرمایا اللہ کا سخت غضب ناک قیامت کے دن اور خبیث ترین وہ شخص ہے جس کا نام ملک الاملاک رکھا جاوے خدا کے سوا کوئی بادشاہ نہیں ۲؎	

۱؎ اس لیے کہ ان ناموں میں فخر و تکبر کا اظہار ہے نہ ذلت کے نام رکھو نہ فخر و تکبر کے۔خیال رہے کہ ناموں کا اور حکم ہے القاب و خطابات کا دوسرا حکم۔کسی کو ملک العلماء کا خطاب دینا ممنوع نہیں نام رکھنا ممنوع ہے، ملک الاملاک کا ترجمہ ہے بادشاہوں کا بادشاہ یعنی شہنشاہ اورظاہر ہے کہ اس نام میں تکبر ہے۔اس عبارت میں رجل سے پہلے نام محذوف ہے اور یہ اخنی الاسماء کی خبر ہے۔(اشعہ)

۲؎ یعنی حقیقی اور دائمی بادشاہ اللہ تعالٰی ہے بندوں کی بادشاہت و ملکیت عارضی ہے ایسے نام رکھنے والا گویا رب تعالٰی کا مقابلہ کرتا ہے۔خیال رہے کہ املاک جمع ہے ملک کی لام کے کسرہ سے اور ممالک جمع ہے ملک کی لام کے ضمہ سے ملوک جمع ہے ملک بمعنی بادشاہ کی مالک الملوک،مالک الاملاک اور مالک ممالک تمام نام ممنوع ہیں۔خیال رہے کہ یہ ناراضی جب ہے جب کہ وہ شخص اس نام سے راضی ہو اگر راضی نہیں تو وبال اس کے ماں باپ پر ہے جنہوں نے اس کا نام یہ رکھا اسے چاہیے کہ اپنا نام تبدیل کرے۔

	روایت ہے حضرت زینب بنت ابی سلمہ سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ میرا نام برہ رکھا گیا ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خود اپنی صفائیاں نہ دو تم میں سے بھلائی والے کو اللہ جانتا ہے ۳؎ اس کا نام زینب رکھو ۴؎ (مسلم)

۱؎ یہ زینب حضور انور کی سوتیلی بیٹی ہیں جو اپنی والدہ جناب ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور اقدس کے گھر میں آئیں اور حضور انور کی پرورش میں رہیں اور زینب بنت خدیجۃ الکبرٰی حضور کی سگی بیٹی ہیں جو ابوالعاص کے نکاح میں رہیں۔

۲؎ یعنی میری والدہ ام سلمہ نے یا میرے والد ابو سلمہ نے میرا نام برہ رکھا،برہ کے معنی ہیں نہایت نیک صالح بچی۔

۳؎ اس فرمان عالی میں اشارہ اس آیات کریمہ کی طرف ہے"فَلَا تُزَکُّوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ"،"بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیۡ مَنۡ یَّشَآءُ"۔

۴؎ زینب کے بہت معنی ہیں زنب بمعنی موٹاپا تندرستی زینب موٹی و تندرست عورت یا زنب وہ درخت جو خوبصورت خوشبودار ہو یا یہ لفظ بنا ہے زین اور اب سے یعنی اچھے باپ کی بیٹی،یہ تیسرے معنی نہایت موزوں ہیں۔(مرقات)واقعی ان سے بڑھ کر اچھے باپ والی بیٹی کون ہوگی رضی اللہ عنہا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ جویریہ کا نام برہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام جویریہ سے تبدیل کردیا ۱؎ اور یہ ناپسند کرتے تھے کہ کہا جاوے برہ کے پاس سے گئے ۲؎ (مسلم)

۱؎ جویریہ تصغیر ہے جاریۃ کی جاریہ کے معنی ہیں لڑکی،جویریہ چھوٹی لڑکی،آپ جویریہ بنت الحارث ہیں،غزوہ مریسیع جسے غزوہ نبی مصطلق بھی کہتے ہیں جو ۵ھ؁ میں ہوا اس میں قید ہوکر آئیں،ثابت ابن قیس کے حصہ میں آئیں انہیں نے آپ کو مکاتبہ کردیا حضور انور نے آپ کامال کتابت ادا کردیا اور آپ سے نکاح کرلیا،آپ کی وفات ربیع الاول ۵۶ھ؁ چھپن میں ہوئی،٦۵ سال عمر پائی رضی اللہ عنہا۔(اکمال)

۲؎ یعنی حضور انور نے برہ نام اس لیے بدل دیا کہ اگر آپ اپنی ان بیوی صاحبہ کے پاس سے تشریف لائیں تو نہ کہا جاوے کہ آپ برہ یعنی نیک کے یا نیکی کے پاس سے آئے کہ اس کا مطلب یہ بن جاتا ہے کہ نیکی سے نکل کر آئے تو نعوذ باللہ برائی میں آئے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ حضرت عمر کی بیٹی کا نام عاصیہ تھا ۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام جمیلہ رکھا ۲؎(مسلم)	

۱؎ عاصیہ عاصی بمعنی گنہگار کا مؤنث نہیں وہ تو عصیان سے بنتا ہے بلکہ عاص یا عیص کا مؤنث،عرب میں عیص گنجان درخت کو کہتے ہیں۔چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بھائی کا نام عیص ابن اسحاق تھا ایک صحابی کا نام ابوالعاص ہے ان ناموں کا ماخذ یہ ہی عیص ہے۔(مرقات)

۲؎ چونکہ عاصیہ کے ایک معنی گنہگار عورت بھی ہے اس لیے حضور انور نے یہ نام بدل دیا،اہل جاہلیت اس نام کے معنی کرتے تھے برائیوں سے انکار کرنے والی بی بی۔خیال رہے کہ برہ اور جمیلہ میں فرق یہ ہے کہ برہ بذات خود نیک اور جمیلہ اللہ تعالٰی کے فضل سے نیک بی بی جس سے نیک اعمال ہی سرزد ہوں۔جمیلہ بنا ہے جمال بمعنی حسن سے،عاصیہ کا مقابل مطیعہ ہے مگر جو جمیل ہو وہ مطیع بھی ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں کہ منذر ابن ابی اسید کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لایا گیا ۱؎ جب کہ وہ پیدا ہوئے تو اسے حضور نے اپنی ران پر رکھا فرمایا اس کا نام کیا ہے عرض کیا فلاں فرمایا نہیں لیکن اس کا نام منذر ہے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ سہل ابن سعد ساعدی مشہور صحابی ہیں،مدینہ کے آخری صحابی آپ ہی ہیں کہ آپ کی وفات سے مدینہ صحابہ سے خالی ہوا،منذر تابعی ہیں،ثقہ ہیں ابو اسید کا نام مالک ابن اسعد ہے۔(اشعہ)

۲؎ پتہ نہ چلا کہ ان کا پہلا نام کیا تھا۔حضور انور نے منذر نام رکھا منذر کے معنی عالم فقیہ بھی ہوسکتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لِیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ"تو اس نام میں اچھی فال بھی ہے کہ یہ بڑے ہوکر عالم فقیہ بنیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول	

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی نہ کہے کہ میرا عبد میری امۃ تم سب اللہ کے عبد ہو اور تمہاری تمام عورتیں اللہ کی لونڈیاں ہیں ۱ لیکن کہے کہ میرا غلام اورمیری لونڈی اور میرا فتا اور میری فتات ۲ اور غلام نہ کہے کہ میرا رب لیکن کہے میرا سید اور ایک روایت میں ہے کہ کہے میرا سید میرا مولا ۳ اور ایک روایت میں ہے کہ غلام اپنے آقا کو مولا نہ کہے کیونکہ تمہارا مولیٰ اللہ ہے ۴ (مسلم)	

۱ عبد بمعنی عابد بھی ہے اور بمعنی خادم بھی بمعنی عابد ہو تو صرف رب تعالٰی کی طرف نسبت ہوگا جیسے عبداللہ یا عباداللہ بمعنی خادم بندوں کی طرف مضاف ہوجاتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَ اِمَآئِكُمۡ"چونکہ اس میں عابد کے معنی کا بھی احتمال ہے لہذا عبدی کہنا مناسب نہیں،یوں ہی امہ کے معنی ہیں مملوک،حقیقی مالک رب تعالٰی ہی ہے اور حقیقی مملوک ہم سب اس کے ہیں لہذا بہتر یہ ہی ہے کہ امۃ کواپنی طرف نسبت نہ کرو۔

۲ خیال رہے کہ یہ حکم استحبابی ہے نہ کہ لازمی حکم لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ"مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَ اِمَآئِكُمۡ"اہل عرب دن رات کہتے ہیں عبدی فقہاء ہمیشہ فرماتے ہیں عبدی حر لہذا نہ اہل عرب گنہگار ہیں نہ فقہاء۔

۳ رب بمعنی مربی،بندہ کو کہنا جائز ہے یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے نوکر سے کہا تھا"ارۡجِعۡ اِلٰی رَبِّكَ"قرآن کریم میں ہے "رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیۡ صَغِیۡرًا"۔

۴ یہاں بھی یہ ہی ہے کہ مولیٰ کہنا بالکل جائز ہے حضور انور نے خود فرمایا مولی القوم منھم مگر چونکہ مولیٰ کے چند معنی ہیں: ایک معنی وہ ہیں جو صرف رب تعالٰی کی صفت ہے اس لیے اگر یہ لفظ بندے کے لیے نہ بولے تو بہتر ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ حدیثیں منسوخ ہوں ان کی ناسخ وہ احادیث و آیات ہوں جن میں بندوں کے لیے مولیٰ،عبد،سید وغیرہ کہا گیا ہے لہذا عبدالنبی،عبدالرسول وغیرہ نام جائز ہیں،صاحب درمختار کے شیخ کا نام عبدالنبی تھا دیکھو درمختار کا مقدمہ،اس کی مکمل بحث ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔

روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کرم نہ کہو کیونکہ کرم مؤمن کا دل ہے ۱ (مسلم)	

۱ اہلِ عرب انگور کو اس لیے کرم کہتے تھے کہ اس سے شراب بنتی ہے شراب پی کر انسان نشہ میں بہت سخی بن جاتا ہے کہ اپنا مال جائز ناجائز جگہ خوب اڑاتا ہے،وہ سمجھتے تھے کہ انگور شراب کی اصل ہے اور شراب کرم و

سخاوت کی اصل لہٰذا انگور گویا سراپا کرم و سخاوت ہے جب شراب حرام کی گئی تو انگور کو کرم کہنے سے بھی منع کردیا گیا اور فرمایا گیا کہ کرم تو مؤمن کا قلب یا خود مؤمن تم ایسا اچھا نام ایسی خبیث چیز کو کیوں دیتے ہو۔عربی میں اچھی زمین،انگور،حج،جہاد سب کو کرم کہتے ہیں،یہ حدیث اس کی طرف اشارہ کررہی ہے،رب فرماتاہے:"اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ"۔(مرقات)بہرحال یہ ممانعت یا محض تنزیہی ہے یا منسوخ ہے اس حدیث کی اور بہت توجیہیں ہیں جو اشعہ نے بیان کیں۔

اور مسلم کی ایک روایت میں وائل ابن حجر سے ہے فرمایا نہ کہو کرم لیکن کہو عنب اور حبلہ ۱	

۱یہاں عنب سے مراد درخت انگور ہے نہ کہ انگور کا پھل،حبلہ درخت انگور کی جڑ کو کہتے ہیں اورعنب انگور کے پھل کو بھی کہتے ہیں اور درخت انگور کو بھی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انگور کا نام کرم نہ رکھو اور نہ کہو ہائے محرومی زمانہ کی ۱کیونکہ اللہ ہی زمانہ ہے ۲(بخاری)	

۱اہل عرب ہر مصیبت کو زمانہ کی طرف سے سمجھتے تھے اس لیے مصیبت پڑنے پر زمانہ کی شکایات کرتے بلکہ زمانہ کو گالیاں دیتے تھے انکے محاورہ کے الفاظ میں اسے یہ لفظ بھی یاخیبۃ الدھر ہائے زمانہ کی محرومی اور زمانہ کا نقصان و خسارہ ہم کو اس سے منع فرمایا گیا۔

۲اس جملہ کی شرح کتاب الایمان میں گزرگئی اس جملہ کے معنی ہیں کہ اللہ تعالٰی ہی زمانہ کو پھیرنے والا ہے۔زمانہ کو برا کہنا درپردہ رب تعالٰی کی شان میں گستاخی کرنا ہے،ہمارے ہاں بھی یہ بیماری ہے عوام کاذکر کیا بعض پڑھے لکھے لوگ زمانہ کو برا کہتے ہیں۔چنانچہ مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی نے اپنے بزرگ رشید احمد صاحب گنگوہی کا مرثیہ لکھاتو اس میں زمانہ کو بڑی جلی کٹی سنائیں وہ مرثیہ گنگوہی دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ کیسے ہیں اپنے بزرگوں کو نبیوں سے بڑھادیتے ہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے کہ تم میں سے کوئی زمانہ کو گالی نہ دے کیونکہ اللہ ہی زمانہ ہے ۱(مسلم)	

۱اسلام میں زمانہ کو مؤثر نہیں مانا گیا مؤثر اور متصرف اللہ تعالٰی ہے،بعض لوگ سردی گرمی کو رات و دن کو گالیاں دے دیتے ہیں وہ بھی گنہگار ہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی نہ کہے کہ میرا	

نفس خبیث ہوگیا لیکن کہے کہ میرا نفس پریشان ہوگیا ۱؎(مسلم،بخاری)اور ابوہریرہ کی حدیث کہ مجھے ابن آدم نے ستایا باب الایمان میں ذکر کی گئی ۲؎	

۱؎ عربی میں خبث اور نفس ہم معنی ہیں بمعنی پریشان برائی مگر خبث فساد عقیدہ پر بھی بولا جاتا ہے کفر بیدینی خباثت ہے لہذا اپنے لیے یہ لفظ مشترک استعمال نہ کرو کہ اس میں ایک معنی سے اپنے کفر یا بے دینی کا اقرار ہے بلکہ بجائے خبیث کی **لقست** کہو گویا جس کے لفظ کے دو معنی ہوں اچھے وبرے ایسے لفظ کو اپنے لیے نہ بولو۔وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ جو صبح کو پڑا سوتا رہتا ہےوہ خبیث النفس کسلان اٹھتا ہے وہاں اپنے کو یا کسی خاص شخص کو خبیث نہیں کہا گیابلکہ ایک قاعدہ کلیہ بیان ہوا،کسی معین مسلمان پرلعنت کرنا حرام ہے مگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ جھوٹے پر لعنت۔

۲؎ یعنی مصابیح میں وہ حدیث یہاں تھی ہم نے مناسبت کے لحاظ سے کتاب الایمان میں بیان کردی ہے وہاں دیکھو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے شریح ابن ہانی سے ۱؎وہ اپنے والد سے راوی کہ جب وہ اپنی قوم کے ساتھ وفد بن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۲؎تو حضور نے لوگوں کو سنا کہ وہ انہیں ابوالحکم کنیت کرتے ہیں ۳؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا پھر فرمایا کہ اللہ ہی حکم ہے اور اسکی طرف فیصلے ہیں تمہاری کنیت ابوالحکم کیوں ہے ۴؎انہوں نے عرض کیا کہ میری قوم جب کسی بات میں جھگڑتی ہے تو میرے پاس آجاتی ہے میں ان کے درمیان فیصلہ کردیتا ہوں تو دونوں فریق میرے فیصلہ سے راضی ہوجاتے ہیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیا ہی اچھا ہے ۵؎تو کیا تمہارے کوئی لڑکا ہے بولے میرے شریح اور مسلم اور عبد اللہ ہیں فرمایاان میں بڑا کون ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کہ شریح فرمایاتوتم ابوشریح ہو ۶؎(ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ شریح ابن ہانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں پیدا ہوئے حتی کہ حضور انور نے ہانی کی کنیت انہی کی وجہ سے ابو شریح رکھی مگر حضور اقدس کی زیارت نہ کرسکے اس لیے آپ تابعی ہیں،بڑے عابد زاہد تھے،حضرت علی مرتضٰی کے خاص خدام سے تھے،آپ کے والد ہانی ابن یزید صحابی ہیں جیساکہ اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے۔

۲؎ جو لوگ اپنی ساری قوم کے نمائندے بن کر حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوتے سب کی طرف سے اسلام قبول کرتے تھے انہیں وفد کہتے تھے حضور انور ان کی بڑی خاطر فرماتے تھے۔

۳؎ خیال رہے کہ کنیت میں ابو آتا ہے اس کے معنی ہر جگہ والد نہیں ہوتے ہیں بلکہ اکثر جگہ اس کے معنی ہوتے ہیں والا جیسے ابوجہل جہالت والا،ابوہریرہ بلیوں والے ایسے ہی ابوالحکم فیصلہ کرنے والا،ابوبکر کے معنی ہیں اولیت والے۔

۴؎ یعنی کنیت اچھی نہیں کہ اس کے ایک معنی بہت ہی برے ہیں دو معنی والا نام نہ رکھو جس کے ایک معنی معیوب ہوں۔مودودی صاحب کا نام ہے ابوالاعلیٰ حالانکہ اعلیٰ رب تعالیٰ کا نام اور اس کی صفت ہے اس حدیث کی رو سے یہ نام ناجائز ہے۔

۵؎ یعنی تمہارا یہ کام تو بہت ہی اچھا قوم کے جھگڑے چکا دینا ان کی عداوتیں ختم کردینا بہت ہی اچھا کام ہے مگر اس کے باوجود اپنی کنیت ابوالحکم رکھنا اچھا نہیں کہ حکم اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے چنانچہ اگلا سوال حضور نے فرمایا اور ہوسکتا ہے کہ ما نافیہ ہو اور معنی یہ ہوں کہ یہ کنیت اچھی نہیں کہ حکم رب تعالیٰ کا نام ہے اور وہ باپ بیٹا ہونے سے پاک ہے اگرچہ تمہاری نیت بری نہیں مگر اس لفظ میں برے معنی کا احتمال تو ہے۔

۶؎ اس سے معلوم ہوا کہ کنیت بڑے بیٹے کے نام سے کی جاوے اگر بڑا بیٹا نہ ہو تو بڑی بیٹی کے نام سے یہ حکم انکا ہے۔(مرقات)جیسے ابو سلمہ اور ام سلمہ،حضرت ابو شریح حضور کے کرم سے جلیل القدر صحابی اور صحابہ کے زمانہ میں ہی مفتی ہوئے،حضرت علی نے انہیں قاضی القضاۃ بنایا حتی کہ آپ نے حضرت علی کے حق میں امام حسن کی گواہی قبول نہ کی حالانکہ حضرت علی بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں درست مانتے تھے،یہ واقعہ ایک ذرہ کے مقدمہ میں پیش آیا جب حضرت علی مدعی اوریہودی مدعی علیہ تھا۔(مرقات)

روایت ہے مسروق سے ۱؎ فرماتے ہیں میں حضرت عمر سے ملا تو فرمایا تم کون ہو میں بولا مسروق ابن اجدع جناب عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اجدع شیطان ہے ۲؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ آپ کوفی ہمدانی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے اسلام لائے،اکابر صحابہ سے ملاقات کی،ایک بار چرائے گئے تھے پھر والدین کی تلاش پر ملے اس لیے آپ کا نام مسروق ہوا یعنی چورائے ہوئے یا اغواء کیے ہوئے ایک بار آپ بہت غریب ہوگئے تو خالد ابن عبداللہ حاکم بصرہ نے آپ کو تیس ہزار درہم دینے کی کوشش کی مگر آپ نے رد فرمادیئے توکل کا یہ عالم تھا۔(مرقات)

۲؎ یعنی شیطان کی ایک قسم کا نام اجدع ہے یعنی ہر چیز سے کٹا ہوا اب ناک کان کٹے کو اجدع کہا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر تمہارے والد زندہ ہیں تو ان سے کہہ کر نام بدلو اور تاکہ تم کو ابن الاجدع نہ کہا جاوے اور اپنی اولاد میں کسی کا نام اجدع نہ رکھو تاکہ تم کو ابوالاجدع نہ کہا جاوے۔

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے باپوں کے نام سے بلائے جاؤ گے تو اپنے نام اچھے رکھو ۱؎ (احمد،ابوداؤد)	

۱؎ بعض روایات میں ہے کہ انسانوں کو ان کی ماں کے نام سے پکارا جائے گا۔غالبًا اس میں حکمت یہ ہوگی کہ حرامی لوگ رسوا نہ ہوں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اظہار شرافت کے لیے یا حضرت حسن و حسین کی عظمت کے اظہار کے لیے کہ حضرت فاطمہ زہرا کی طرف نسبت سے ان کو حضور اقدس سے نسبت کا شرف حاصل ہوجاوے۔(اشعہ)مگر ان روایات میں تعارض نہیں قیامت کے اول وقت ماؤں کے نام سے پکارا جاوے گا بعد میں باپوں کے نام سے یا سب کے سامنے ماں کے نام سے پکاراجاوے گا تنہائی میں باپ کی نسبت سے یا۔یہاں اباء سے مراد امہات ہے بہت دفعہ ماں باپ کو ایک دوسرے کے نام سے یاد کردیتے ہیں۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی حضور کا نام اور آپ کی کنیت جمع کرے اور محمد ابوالقاسم نام رکھے ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے جس میں حضور انور نے اپنی کنیت رکھنے سے منع فرمایا اس حدیث نے شرح کردی کہ حضور انور کا نام اور کنیت دونوں جمع کرنا منع ہے وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات شریف میں بعد وفات یہ اجتماع بھی جائز ہے۔چنانچہ حضرت علی نے اپنے ایک بیٹے کا نام محمد اور اس کی کنیت ابوالقاسم رکھی جنہیں محمد ابن حَنفیہ کہا جاتا ہے ان کی ماں کا نام خولہ بنت جعفر تھا،قبیلہ بنی حَنفیہ سے تھی،جنگ یمامہ میں گرفتار ہو کر آئیں،حضرت صدیق اکبر نے حضرت علی کو ہبہ کردیں آپ نے ان سے نکاح کرلیا۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میرا نام رکھو تو میری کنیت نہ رکھو ۱؎ (ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ فرمایا جو میرا نام رکھے تو میری کنیت نہ رکھے ۲؎ جو میری کنیت رکھے وہ میرا نام نہ رکھے۔	

۱؎ اس حدیث کی شرح وہ ہی ہے جو ابھی کی گئی کہ حضور انور کے زمانہ حیات شریف میں آپ کے نام اور کنیت کو جمع کرنا ممنوع تھا اس میں اسی کا ذکر ہے۔

۲؎اسطرح کہ اپنا نام محمد ابوالقاسم نہ کرے کہ محمد نام ہو اور ابوالقاسم کنیت ابھی عرض کیا گیا کہ یہ ممانعت زمانہ حیات شریف میں تھی۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ میں نے ایک لڑکا جنا ہے تو میں نے اس کا نام محمد رکھا ہے اور کنیت ابوالقاسم رکھی ہے ۱؎تو مجھ سے ذکر کیا گیا کہ آپ اسے ناپسند کرتے ہیں تو فرمایا وہ کیا ہے جس نے میرا نام حلال کیا اور میری کنیت حرام کی یا کس نے میری کنیت حرام کی اور میرا نام حلال کیا ۲؎(ابوداؤد) محی السنہ نے کہا کہ یہ غریب ہے۔

۱؎معلوم ہواکہ لڑکپن میں بچہ کی کنیت ابو سے جائز ہے یہاں ابو کے معنی ہوتے ہیں والا نہ کہ والد یعنی باپ۔

۲؎یہ حدیث صحیح نہیں اگر صحیح ہو بھی تب بھی اس کے معنی یہ ہیں کہ میرا نام اور میری کنیت جمع فرمانا حرام نہیں۔ہم نے جو ممانعت فرمائی ہے وہ کراہت تنزیہی کے لیے ہے لہذا یہ حدیث گزشتہ ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں اس اجتماع کی ممانعت ہے۔(اشعہ،مرقات)یا یہ مطلب ہے کہ اس اجتماع کی ممانعت دائمی نہیں ہماری حیات شریف میں ہے۔

	روایت ہے محمد ابن حنفیہ سے ۱؎وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ فرمائیے تو اگر آپ کے بعد میرے بیٹا پیدا ہو تو کیا میں اس کا نام آپ کے نام پر اور اس کی کنیت آپ کی کنیت پر رکھ دوں فرمایا ہاں ۲؎(ابوداؤد)

۱؎آپ محمد ابن علی ابن ابی طالب ہیں،کنیت ابوالقاسم ہے،آپ کی والدہ خولہ بنت جعفر حنفیہ ہیں یعنی بنی حنفیہ قبیلہ کی ہیں،خلافت صدیقی میں گرفتار ہوکر جنگ یمامہ سے آئیں،۸۱ھ اکیاسی ہجری میں آپ کی وفات ہوئی،چھپن سال عمر پائی،مدینہ منورہ میں دفن ہوئے،خود تابعی ہیں اور آپ کے بیٹے ابراہیم تبع تابعی انہی نے آپ سے کچھ احادیث روایت کیں۔

۲؎یعنی حضرت علی مرتضٰی نے حضور انور سے پوچھا کہ اگر آپ کی وفات کے بعد فاطمہ زہرا یا کسی اور بیوی سے میرا لڑکا پیدا ہو تو کیا اس کا نام محمد،کنیت ابو القاسم رکھ دوں فرمایا رکھ دو۔اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضور کی وفات کے بعد دونوں کا اجتماع جائز ہے۔بعض لوگوں نے کہا کہ یہ حضرت علی کی خصوصیت ہے مگر یہ درست نہیں اگر خصوصیت ہوتی تو حضور کی حیات شریف میں بھی آپ اس پر عمل فرما لیتے حضرت حسن و حسین میں دونوں کا اجتماع فرمادیتے امام حسن کی کنیت ابو محمد ہے اور حضرت حسین کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے میری کنیت اس سبزی سے رکھی جسے میں چنا کرتا تھا ۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث وہ ہے جسے صرف اسی وجہ سے ہم پہچانتے ہیں اور مصابیح میں سے صحیح کہا۲؎	

۱؎اس گھاس کا نام حمزہ تھا جیسے فارسی میں ترہ تیزک کہتے ہیں اردو میں ترہ تیزی،اس کے پتے میتھی کے ساگ کی طرح ہوتے ہیں مزہ ترش کچھ تیزی کے ساتھ میتھی کے ساگ میں اکثر یہ بھی آجاتی ہے،بچے اسے بڑے شوق سے کھاتے ہیں یعنی میں یہ گھاس(حمزہ)چن کر لاتا خود کھاتا اوروں کو کھلاتا تھا اس لیے حضور نے میری کنیت ابو حمزہ رکھی یعنی حمزہ والے۔

۲؎یہ حدیث ایک اسناد میں غریب ہے دوسری اسناد میں صحیح،ایک ہی حدیث صحیح بھی ہوسکتی ہے اور ضعیف بھی،حسن بھی،غریب بھی مختلف اسنادوں سے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم برے ناموں کو بدل دیا کرتے تھے ۱؎ (ترمذی)	

۱؎یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کے جانوروں کے بلکہ شہروں بستیوں کے برے نام بدل کر اچھے نام رکھ دیتے تھے۔چنانچہ ایک شخص کا نام تھا اسود حضور انور نے اس کا نام ابیض رکھا،مدینہ منورہ کا نام یثرب تھا حضور انور نے اس کا نام مدینہ طیبہ،ابطح،بطحا وغیرہ رکھے،کفار کے لیے برعکس عمل تھاچنانچہ ابوالحکم کا نام حضور نے ابوجہل رکھا۔

روایت ہے بشیر ابن میمون سے وہ اپنے چچا اسامہ ابن اخدری سے ۱؎راوی کہ ایک شخص کو اصرم کہا جاتا تھا ۲؎ وہ اس جماعت میں تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا نام کیا ہے وہ بولے اصرم فرمایا بلکہ تم زرعہ ہو۳؎(ابوداؤد)اور کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عاص عزیز عتلہ شیطان حکم عراب حباب شہاب نام تبدیل فرمائے۴؎اور کہا کہ میں نے ان کی اسنادیں مختصر کرنے کے لیے چھوڑ دیں ۵؎	

۱؎بشیر ابن میمون تابعی ہیں،ثقہ ہیں،ان کے چچا اسامہ صحابی ہیں،ان سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے،تمیمی ہیں،بصری ہیں۔(اشعہ،مرقات)

۲؎اصرم بنا ہے صرم سے بمعنی ٹوٹ جانا،کٹ جانا،اصرم کے معنی ہوئے ٹوٹا ہوا،کٹا ہوا۔

۳؎کیونکہ زرعہ بنا ہے زرع سے بمعنی کھیتی،ظاہر ہے کہ کھیتی سے دانہ بڑھتا ہے اس لیے کھیتی مبارک ہے اور یہ نام مبارک ہے،اصرم کے معنی فاسد ہیں۔اس لیے اپنا نام بدل دو۔

۴؎ کیونکہ عاص مخفف ہے عاصی کا جس کے معنی ہیں گنہگار،اطاعت الٰہی سے علیحدہ یہ مؤمن کی شان نہیں مؤمن اطاعت شعار ہوتا ہے۔عتلہ بنا ہے عتل سے بمعنی سختی شدت،رب تعالٰی فرماتاہے:"عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیۡمٍ"اب ایک مضبوط اوزار کو عتلہ کہتے ہیں جس سے دیوار وغیرہ کھودی جاوے مسلمان سخت نہیں ہوتا،نیز عزیز اسماء الٰہیہ میں سے ہے،عزت سے بنا ہے مسلمان میں فروتنی عجز و نیاز چاہیے۔شیطان لقب ہے ابلیس کا بنا ہے شیط سے بمعنی جلنا ہلاک ہونا یا شطن سے بمعنی بھلائی سے دوری،حکم صفت مشبہ حکومت یا حکم کا بمعنی دائمی حکومت والا یہ رب تعالٰی کی صفت ہے۔غراب بنا ہے غرب سے بمعنی دوری یہ نام ہے کوے کا کہ وہ بہت دور نکل جاتا ہے،حباب شیطان کا نام بھی ہے اور ایک قسم کے سانپ کو بھی کہتے ہیں لہذا یہ نام بھی منحوس ہے اور شہاب آگ کے شعلہ کو بھی کہتے ہیں اور ٹوٹے ہوئے تارے کو بھی جس سے شیاطین کو بھی مارا جاتا ہے مگر یہاں مرقات نے فرمایا کہ اگر شہاب کو دین کی طرف مضاف کردیا جاوے اور نام ہو شہاب الدین توکراہت قطعًا نہیں بلاکراہت جائز ہے کہ اب یہ فاسد معنی نکل گئے چمکدار لہذا کراہت نہ رہی۔

۵؎ یعنی ابوداؤد کہتے ہیں کہ ان تمام ناموں کی تبدیلی کی احادیث مع اسنادوں کے میرے پاس موجود ہیں مگر چونکہ وہ حدیثیں احکام شرعیہ سے متعلق نہیں ہیں اس لیے میں نے اصل حدیث تو بیان کردی اسنادیں چھوڑ دیں کیونکہ ان پر جرح قدح کی ضرورت نہیں۔

روایت ہے حضرت ابو مسعود انصاری سے کہ انہوں نے ابو عبداللہ سے کہا یا ابوعبداللہ نے ابو مسعود سے کہا۱؎ کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زعموا کے متعلق کیا فرماتے سنا ۲؎ فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ یہ انسان کی بری سواری ہے ۳؎(ابوداؤد)اور فرمایا کہ ابو عبداللہ حذیفہ ہیں۔	

۱؎ یہ شک اس حدیث کے راویوں میں سے کسی راوی کو ہے کہ ان دونوں بزرگوں میں سے کسی نہ کسی سے پوچھا ابو مسعود انصاری کے حالات تو بارہا بیان ہوچکے ہیں اور ابو عبداللہ کنیت ہے حضرت حذیفہ ابن یمان کی محدثین جب ابو عبداللہ بولتے ہیں تو آپ مراد ہوتے ہیں۔(مرقات و اشعہ)

۲؎ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر بات کے متعلق کہتے ہیں کہ لوگ یہ کہتے ہیں بات بات میں یہ لفظ بولنے کے عادی ہوتے ہیں فرمایئے تو خصلت اچھی ہے یا بری اگر بری ہے تو کس درجہ کی اور آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق کچھ فرماتے سنا ہے یا نہیں۔

۳؎ مطیہ وہ اونٹنی جس پر سوار ہو کر کسی منزل پر پہنچا جاوے،اس لفظ زعموا کو حضور انور نے سواری قرار دیا اور سواری بھی بری جو منزل مقصود پر نہ پہنچائے اس لیے کہ اس لفظ کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ خبر دینے والا خود تو اس پر یقین رکھتا نہیں اور خبر دینے والے کا پتہ بھی صحیح نہیں بتاتا کہ فلاں نے کہا بلکہ یوں بولتا ہے کہ لوگ کہتے

ہیں۔مقصد یہ ہے کہ اگر یہ خبر جھوٹی ہو تو میں اس کا ذمہ دار نہیں نہ مجھے اس کے ذمہ دار کی خبر ہے،غیر ذمہ داری کی باتیں کرنا برا ہے جو بات کہو ذمہ داری سے کہو احتیاط سے بولو زبان پر قفل لگاؤ منہ کو لگام دو اس ایک کلمہ میں بہت نصیحتیں ہیں۔

	روایت ہے حضرت حذیفہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا یہ نہ کہو کہ اللہ نے چاہا اور فلاں نے چاہا لیکن کہو کہ اللہ نے چاہا پھر فلاں نے چاہا۱؎ (احمد،ابوداؤد)

۱؎یعنی جب کسی وعدہ یا آئندہ خبر کو تم اللہ تعالٰی کی مشیت پر موقوف کرو اور ساتھ ہی کسی اور کے ارادہ کا بھی ذکر کرو تو رب ومربوب خالق و مخلوق کے نام واؤ سے نہ ملاکہ اس میں مساوات یا بے ادبی کا احتمال ہے بلکہ ثم کہو تاکہ ثم کی تراخی سے ربوبیت و عبدیت کا فرق معلوم ہوجاوے رب کا ذکر پہلے بندے کا بعد میں اور بیچ میں ثم ہو کہ اللہ تعالٰی کی مشیت وارادہ دائمی قدیم ہے اور ذاتی ہے بندہ کی مشیت حادث ہے اور رب کی مشیت کے تابع،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ مَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللہُ رَبُّ الْعٰلَمِیۡنَ"غرضیکہ یہ فرمان بہت اعلٰی ہے۔

	اور ایک منقطع روایت میں ہے فرمایا نہ کہو کہ چاہا اللہ نے اور چاہا محمد نے(صلی اللہ علیہ وسلم)اور کہو کہ صرف ماشاءاللہ ۱؎(شرح السنہ)

۱؎یہ فرمان عالی انتہائی انکساروتواضع سے ہے کہ ہماری مشیت کا ذکر اللہ کی مشیت کے ساتھ ثم سے بھی نہ کروصرف ماشاءاللہ کہو۔خیال رہے کہ قرآن کریم میں بہت جگہ حضور کا نام شریف رب کے نام سے ملایا گیا ہے دیکھو"اَنْ اَغْنٰہُمُ اللہُ وَرَسُوۡلُہٗ مِنۡ فَضْلِہٖ،وَاللہُ وَرَسُوۡلُہٗۤ اَحَقُّ اَنۡ یُّرْضُوۡہُ"لہذا یہ حدیث یا ضعیف ہے یا ان آیات سے منسوخ ہے استحباب کے بیان کے لیے ہے یا اظہار تواضع و انکسار کے لیے ہے بہرحال اس ملانے میں شرعًا گناہ نہیں۔

	روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا منافق کو سردار نہ کہو۱؎ کہ اگر وہ سید ہوا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کردیا ۲؎(ابوداؤد)

۱؎اس حکم میں کافر،فاسق،منافق سب ہی داخل ہیں بلا ضرورت خوشامد کے لیے ان لوگوں کو ایسے الفاظ کہنے سخت جرم ہیں،رب تعالٰی نے عزیز مصر کو حضرت یوسف علیہ السلام کا سید نہ کہا بلکہ زلیخا کا سید یعنی خاوند کہا"اَلْفَیَا سَیِّدَہَا لَدَا الْبَابِ"۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ بے دین کو نہ تو صرف سید کہو نہ سید القوم کہو بے دین تو ذلیل ہے سید عزت والا ہوتا ہے،یوں ہی اسے سردار،سرور،حضور وغیرہ کہنا حرام ہے کہ تعظیمی الفاظ کفار کے لیے استعمال کرنا رب تعالٰی کی ناراضی کا باعث ہیں ضرورت دین یا ضرورت دنیاوی کی وجہ سے یہ کہنا معاف ہے یوں ہی بیدینوں کو مولانا تعظیمًا کہنا جائز نہیں کہ مولٰی تو سید سے بھی زیادہ تعظیم کا لفظ ہے اللہ تعالٰی کے لیے مولانا فرمایا گیا سیدنا نہیں کہا گیا انت مولانا،ہاں اگر مولٰی بمعنی غلام مراد لے کر اسے مولانا کہا جاوے تو جائز۔ رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَاِخْوٰنُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ مَوٰلِیْكُمْ" بہرحال توریہ جائز ہے تعظیم ناجائز،اس کی پوری تحقیق یہاں ہی مرقات میں دیکھو۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے عبدالحمید ابن جبیر ابن شیبہ سے فرماتے ہیں کہ میں سعید ابن جبیر کے پاس بیٹھا تھا۱؎ تو انہوں نے مجھے خبر دی کہ ان کے دادا حزن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا تمہارا نام کیا ہے عرض کیا میرا نام حزن ہے فرمایا بلکہ تم سہل ہو ۲؎ عرض کیا میں وہ نام نہ بدلوں گا جو میرے باپ نے رکھا ہے۳؎ ابن مسیب نے کہا کہ پھر ہم میں ہمیشہ رنج و غم رہا ۴؎(بخاری)

۱؎ عبدالحمید بھی تابعی ہیں اور سعید ابن مسیب بھی،ابن مسیب بڑے مشہور عالم فقیہ تابعی ہیں،حضرت عمر کی خلافت میں آپ پیدا ہوئے،بہت صحابہ سے ملاقات کی مکحول کہتے ہیں کہ میں نے روئے زمین میں سعید ابن مسیب سے بڑا عالم نہ دیکھا،چالیس حج کیے،۹۳ھ میں وفات پائی۔

۲؎ حزن ح کے فتحہ سے سخت زمین اور سخت دل انسان،حزن ح کے پیش سے رنج و غم،سہل سین کے فتحہ ہ کے سکون سے نرم زمین اورنرم دل انسان،آسانی و نرمی کو بھی سہل کہتے ہیں،چونکہ حزن کے معنی اچھے نہیں اس لیے آپ نے تبدیلی نام کا مشورہ دیا۔

۳؎ ان کا مقصد یہ تھا کہ سہل یعنی نرم زمین ہمیشہ پاؤں کے نیچے روندی جاتی ہے اس پر غلاظت ڈالی جاتی ہے اس لیے ایسا نام رکھنا میری ذلت ہے،نیز اپنے باپ کی یادگار کا مٹانا ہے اس لیے میں وہ نام رکھوں گا اسے بدلوں گا نہیں۔خیال رہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ تھا امر نہ تھا اس لیے حضور نے کچھ ارشاد نہ فرمایا حضور کا مشورہ قبول مستحب ہے واجب نہیں لہذا اس عرض پر اعتراض نہیں۔خیال رہے کہ حزن ابن وہب ابن عمرو ابن عایذ مخزومی قرشی ہیں،اشراف قریش سے ہیں، بعد اسلام مہاجر ہوئے،بیعت الرضوان میں شریک ہوئے،شاید یہ واقعہ ان

کی ہجرت کی ابتداء میں تھا جب کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب سے واقف نہ تھے نہ آپ کے مشوروں کی قدرومنزلت جانتے تھے۔(اشعہ)

۴؎ یعنی حضرت حزن نے جو حضور انور کا مشورہ قبول نہ کیا اس کا اثر یہ ہوا کہ ہمارے خاندان بلکہ ہماری پشتوں میں رنج و غم رہا۔حزن کے بیٹے مسیب ہیں اور مسیب کے بیٹے سعید ابن مسیب ہیں،سعید کہتے ہیں کہ دادا کا اثر ہم پوتوں تک باقی رہا۔اس سے معلوم ہوا کہ برے ناموں کا برا اثر ہوتا ہے اور کبھی ایک شخص کی غلطی سے پورے خاندان پر برا اثر ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو وہب جشمی سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نبیوں کے نام پر نام رکھو ۱؎ اور اللہ تعالٰی کو زیادہ پسند نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں ۲؎ اور بہت سچے نام حارث،ہمام ہیں ۳؎ اور بہت برے نام حرب اور مرہ ہیں ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ حضرات انبیاءکرام کے نام پر نام رکھو فرشتوں کے نام پر نام نہ رکھو کسی کا نام جبریل یا عزرائیل نہ رکھو یوں ہی جاہلیت کے نام ممنوع ہیں جیسے کلب،حمار،عبدالشمس وغیرہ کہ یہ نام ممنوع ہیں ان کا اثر بھی برا ہوتا ہے۔(مرقات)

۲؎ یوں ہی عبدالکریم عبدالرحیم وغیرہ۔خیال رہے کہ ان ناموں کی محبوبیت انبیاءکرام کے ناموں کے مقابلہ میں نہیں بلکہ بے معنی ناموں کے مقابل ہے۔

۳؎ کیونکہ حارث کے معنی ہیں کماؤ،حرث کہتے ہیں کمائی کو۔**ھمام** کے معنی ہیں قصد وارادہ کرنے والا،**ھم** کہتے ہیں ارادہ کو۔کوئی شخص کمائی یا ارادہ سے خالی نہیں ہوتا لہذا یہ نام بہت سچے ہیں نام مطابق کام کے ہیں۔

۴؎ کیونکہ حرب کے معنی ہیں جنگ و خونریزی،مرہ کے معنی ہیں جھگڑالو یا کڑوی طبیعت کا آدمی،مرہ شیطان کا نام بھی ہے۔

باب البیان و الشعر

وعظ و شعر کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱بیان سے مراد ہے فصیح وبلیغ کلام جو دل کی بات ظاہر کرے،یہ بناہے بیین سے بمعنی جدائی و فاصلہ یا بمعنی ظہور،شعر کے معنی ہیں دانائی و عقل مندی اس سے ہے شعور۔اصطلاح میں قافیہ وزن والے کلام کو شعر کہتے ہیں کہ یہ شاعر کی دانائی بتاتا ہے،نیز جھوٹے اور دلچسپ کلام کو بھی شعر کہا جاتاہے جیسے ناول رب فرماتاہے:"وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ"وہاں یہ ہی ناول گوئی مراد ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں دو شخص مشرق سے آئے۱انہوں نے وعظ کیا ان کی تقریر پر لوگوں نے تعجب کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض بیان جادو ہیں ۲(بخاری)	

۱ان دونوں کا نام زبرقان ابن بدر اور عمرو ابن اہشم تھا،یہ دونوں مدینہ منورہ کے مشرقی علاقہ سے آئے تھے،زبرقان نے اپنے فضائل میں بہت فصیح و بلیغ بیان دیا،پھر عمرو ابن اہشم نے زبرقان کی برائی و ہجو میں بہت فصیح کلام کیا جیساکہ زمانہ جاہلیت کے فصحاء اور خطباء کا طریقہ تھا۔
۲یعنی بعض کلام لوگوں کے دل اپنی طرف مائل کرنے میں،لوگوں کو حیران کردینے میں جادو کا سا اثر رکھتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ بعض کلام جادو کی طرح حرام و باطل ہیں گناہ ہیں کہ ان میں جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ بناکر دکھایا جاتا ہے غرضیکہ یہ فرمان یا بیان کی تعریف کے لیے ہے یا اس کی برائی کے لیے۔

روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بعض شعر حکمت ہیں ۱(بخاری)	

۱یہاں غالبًا **شعر** سے مراد کلام منظوم ہے یعنی ہر شعر برا نہیں بعض شعر میں علم و حکمت حمد و نعت و منقبت بھی ہوتی ہے اب تو بعض علوم اشعار میں بھر دیئے گئے ہیں،صرف و نحو،فقہ،حدیث کی اصطلاحیں اشعار میں لکھ دی گئی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا	

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہلاک ہوگئے گہری باتیں کرنے والے یہ تین بار کہا ۱؎(مسلم)	

۱؎ تنطع بنا ہے نطع سے بمعنی حلق یا منہ کا غار،اس کے لفظی معنی ہیں حلق سے نیچے سے بات نکالنے والے اور مراد ہے نہایت فصیح و بلیغ اور مبالغہ آمیز مگر بے فائدہ بلکہ نقصان دہ کلام کرنے والے جیساکہ خوشامدی(جھولی چک)لوگ امیروں کی تعریف میں عمومًا کرتے ہیں۔کلام وہ ہے کہ سادہ ہو تھوڑا ہو مگر دل کی گہرائیوں سے نکلے اس کا دوسرے پر اثر ہوتا ہے قرآن و حدیث کی فصاحت بناوٹی نہیں نہ بیکار ہے بلکہ اس سے بے شمار فائدے ہیں کلام کی شیرینی اللہ کی رحمت ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت ہی سچی بات جو شاعر کہے وہ لبید کی بات ہے ۱؎ کہ یقینًا اللہ کے سواء ہر چیز فانی ہے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہاں کلمہ سے مراد شعر ہے،لبید ابن ربیعہ عامری عرب کے مشہور شاعر ہیں،یہ اپنی قوم بنی جعفر ابن کلاب کے وفد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے،حضور کے بعد کوفہ میں رہے ۴۱ھ؁ اکتالیس ہجری میں وفات پائی ایک سو چالیس یا ایک سو پچھتر سال عمر ہوئی،کوفہ میں ہی مزار ہے،اسلام لاکر کوئی شعر نہ کہا،فرماتے تھے کہ اب مجھے قرآن کریم کی فصاحت کافی ہے یہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جن کے اشعار بارگاہ رسالت میں شرف قبول پا گئے تو خود بھی مقبول ہوگئے رضی اللہ عنہ۔(مرقات)

۲؎ یہاں باطل بمعنی فانی ہے اور آیتِ کریمہ "رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا" میں باطل بمعنی بیکار ہے یہ کلام قرآن کریم کے خلاف نہیں لبید کے اشعار یہ ہیں۔

الا کل شئی ما خلا اللہ باطل | وکل نعیم لا محالۃ زائل

نعیمك فی الدنیا غرور وحسرۃ | وعبثك فی الدنیا محل و باطل

سوی الجنۃ الفردوس ان نعیمھا | یبقٰی وان الموت لا بد نازل

چونکہ لبید نے یہ کلام زمانہ جاہلیت میں کہا تھا پھر قرآن کریم کی آیت کے مطابق ہوا "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ" یا فرمان "كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ" اس وجہ سے بارگاہِ نبوت میں بہت قبول ہوا۔

روایت ہے عمرو ابن شرید سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دن ردیف بنا ۲؎ تو فرمایا کیا تمہیں امیہ ابن ابی الصلت کے کچھ شعر یاد ہیں ۳؎ میں نے عرض کیا ہاں فرمایا لاؤ میں	

نے ایک شعر پڑھا فرمایا اورلاؤ ۴ حتی کہ میں نے آپ کو سو شعر سنائے ۵ (مسلم)٦	

۱ عمرو ابن شرید کی کنیت ابو الولید ہے،تابعی ہیں،ثقفی ہیں،طائف کے رہنے والے انکے والد شرید صحابی ہیں۔

۲ اس طرح کہ ایک گھوڑے اونٹ پر آگے حضور انور سوار تھے حضور کے پیچھے میں تھا،حضور کی پشت انور سے میرا سینہ مس کرتا تھا بطور شکریہ اس نعمت کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ اپنا قرب بیان کریں اور یہ بات میں نے حضور سے بہت قریب سے سنی ہے مجھے اس میں تردد شک نہیں۔

۳ امیہ ابن الصلت قبیلہ بنی ثقیف کا ایک شاعر تھا جس نے اسلام کا شروع زمانہ اور حضور کی ابتدائی تبلیغ پائی مگر نہ ایمان لایا نہ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا،اپنے دین تارک الدنیا اور توحیدی تھا،اس کے اشعار توحید والے حضور انور نے سنے فرمایا کہ یہ ایمان کے قریب تھا۔بعض روایات میں ہے کہ اس کے دل میں کفر تھا مگر زبان پر ایمان تھا۔(مرقات)

۴ **ہیہ** اصل میں **ایہ** تھا الف ھ سے بدل دیا گیا اس کے معنی ہیں لاؤ یا اور لاؤ،پہلا **ھیہ** بمعنی لاؤ ہے بعد کے **ھیہ** بمعنی اور بھی لاؤ سناؤ۔

۵ یہ اشعار حمد الٰہی،دنیا کی بے وفائی،آخرت کے ثواب و عذاب کے تھے حضور انور نے پسند فرمائے اور بہت سے اشعار سنے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اچھے مضمون کے شعر اچھے ہیں جن احادیث میں اشعار کی برائی آئی ہے وہاں برے مضمون کے اشعار مراد ہیں۔دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شعر جانتے تھے اس کی بھلائی برائی سے واقف تھے،آیت کریمہ "**وَمَا عَلَّمۡنٰهُ الشِّعۡرَ**"میں یا تو **شعر** سے مراد ہے جھوٹا کلام یعنی ناول یا **علمنا** سے مراد ہے ملکہ شعر گوئی یا لہجہ سے شعر پڑھنا کہ حضور انور اس سے پاک تھے۔تیسرے یہ کہ دوسروں سے شعر پڑھوا کر سننا سنت سے ثابت ہے۔چوتھے یہ کفار وفساق شاعروں کے اچھے شعر سننا جائز ہیں جب کہ مضمون شعر اچھا ہو۔

٦ یہاں اشعہ میں ہے کہ امیہ ابن صلت اہلِ کتاب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات سنتا رہتا تھااور کہتا تھا کہ کاش مجھے ان کی زیارت خدمت نصیب ہو جب حضور انور قریش میں نمودار ہوئے تو جل گیابولا اگر وہ بنی ثقیف سے ہوتے تو میں ایمان لے آتا اسی حسد میں حضور کی خدمت میں حاضر نہ ہوا،خط میں سب سے پہلے **باسمك اللهم** لکھنے والا یہ ہی شخص تھااس سے سیکھ کر قریش یہ لکھنے لگے تھے۔

روایت ہے حضرت جندب سے ۱ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد میں تھے اور آپ کی انگلی شریف خوناخون ہوگئی ۲ تو فرمایا کہ نہیں ہے تو مگر وہ انگلی جو خونیں ہوگئی اور اللہ کی راہ میں تونے یہ مشقت پائی ۳ (مسلم،بخاری)	

۱ آپ جندب ابن عبداللہ ابن ابوسفیان بجلی صحابی ہیں،زمانہ ابن زبیر میں وفات پائی۔

۲؎ غالبًا غزوہ احد تھا اس غزوہ میں آپ کسی نماز کے لیے تشریف لے گئے تب انگلی میں چوٹ لگ گئی لہذا یہ حدیث نماز کے جانے کی حدیث کے خلاف نہیں۔

۳؎ اے انگلی تو صبر کر صرف تیرا خون ہی نکلا ہے جو معمولی تکلیف ہے جو کچھ تجھے تکلیف پہنچی وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ما لقیت کا ما موصولہ ہے یہ شعر یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ہے جو بلا قصد شعر گوئی آپ کے منہ سے صادر ہوگیا جیسے قرآن مجید کی بعض آیات شعر بن جاتی ہیں جیسے "اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ" یا جیسے "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا" یا یہ شعر عبداللہ ابن رواحہ کا ہے آپ نے وہ پڑھا لہذا حضور انور کا شعر پڑھنا ثابت ہوا مگر لہجہ سے یا گاکر نہیں بقیہ اشعار یہ ہیں۔شعر

وما بنفس الی لا تقتلی تموت ۔۔۔ ھذہ حیاض الموت قد صبیت

وما تمیت فقد لقبت ۔۔۔ ان تفعل فعلھما ھدیت (مرقات)

روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ کے دن جناب حسان ابن ثابت سے فرمایا ۱؎ کہ مشرکین کی ہجو کرو کہ جبریل تمہارے ساتھ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسان سے فرماتے تھے کہ میری طرف سے جواب دو الہٰی روح القدس سے ان کی مدد فرما ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ حسان ابن ثابت ابن منذر ابن حرام انصاری مدنی ہیں،ان چاروں کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی،حضرت حسان نے آٹھ سال کفر میں گزارے،ساٹھ سال اسلام میں خاص شاعر اسلام ہیں،خلافت حیدری میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی غزوہ خندق کے بعد جب حضور انور نے بنی قریظہ یہود و مدینہ کا محاصرہ فرمایا تب تو حضرت حسان سے یہ کہا کہ کفار کی ہجو کرو جبریل تمہارے ساتھ معاون ہیں،ویسے عام موقعوں پر یہ فرمایا کرتے تھے کہ الہٰی میرے حسان کی جبریل سے مدد کر۔معلوم ہوا کہ مقبولوں کی تعریف کرنا نیکی ہے اور مردودوں کی ہجو کرنا نیکی ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش کی ہجو کرو کہ یہ ان پر تیر کے مارنے سے زیادہ سخت ہے ۱؎ (مسلم)

۱؎ یہاں قریش سے مراد ان کے کفار حربی ہیں جو نہ ذمی تھے نہ مستامن جن پر جہاد جائز تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ ہجو زبانی جہاد ہے جس سے دشمن کے دل زخمی ہوتے ہیں انکی ہمت ٹوٹتی ہے،جس پر تلوار کا جہاد جائز ہے اس کی ہجو بھی جائز ہے لہذا ذمی اور مستامن اور جن کفار سے ہماری صلح ہوچکی ہو انکی ہجو نہ کی جاوے،رب تعالٰی

فرماتا ہے:"جٰهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ"یہ ہجو شدت و غلظت میں داخل ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ مسلمان جوابًا ہجو کریں ابتداءً نہ کریں۔(مرقات)

	روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حسان سے فرماتے سنا کہ روح القدس تمہاری تائید کرتے رہتے ہیں جب تک کہ تم اللہ رسول کی طرف سے دفاع کرتے ہو ۱؎اور فرماتی ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ حسان نے ان کفار کی ہجو کی تو شفا دی اور شفا پائی۲؎(مسلم)

۱؎اس طرح کہ کفار اسلام مسلمانوں بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بکواس کرتے تھے تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ جوابًا کفار ان کے دین ان کے بتوں کی ہجو اشعار میں کرتے تھے،حضور اس کے متعلق حضرت حسان کو بشارت دے رہے ہیں کہ جب تم ہجو کے اشعار لکھنے لگتے ہو تو جناب جبریل تمہارے دل میں اچھے مضمون ڈالتے ہیں تمہاری زبان پر اچھے الفاظ جمع فرماتے ہیں اور تم کو دعائیں دیتے تمہارا احترام کرتے ہیں یہ ہے حضرت جبریل کی مدد۔معلوم ہوا کہ دشمنان دین کی ہجو اعلٰی درجہ کی عبادت ہے،بعض وقت قصیدے جہاد میں بڑی مدد دیتے ہیں۔ستمبر ۱۹۶۵ء کے جہاد پاکستان میں اسے خوب اچھی طرح آزمایا ہے ریڈیو پاکستان نے اس قسم کے قصیدوں کے ذریعہ غازیوں بلکہ سارے پاکستانیوں کو گرمادیا جس کا نتیجہ بہت ہی اچھا رہا۔

۲؎یعنی پہلے کفار قریش نے مسلمانوں کی ہجو کی جس سے مسلمانوں کے دل زخمی ہوگئے،حضرت حسان نے ان سے بدلہ لیتے ہوئے کفار کی ہجو کی مسلمانوں کے زخموں پر گویا مرہم رکھ دیا ان کے اشعار مرہم زخم دل ہیں۔

	روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کے دن مٹی ہٹا رہے تھے حتی کہ آپ کا پیٹ غبار آلود ہوگیا ۱؎فرماتے تھے رب کی قسم اگر اللہ نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۲؎نہ صدقہ کرتے نہ نماز پڑھتے۳؎تو ہم پرسکون اتار اور اگر ہم دشمن سے مڈھ بھیڑ کریں تو ہم کو ثابت قدم رکھ۴؎یقینًا ان کفار نے ہم پر زیادتی کی ۵؎جب انہوں نے فتنہ کا ارادہ کیا تو ہم نے انکار کردیا ۶؎اس پر اپنی آواز بلند فرماتے تھے ابینا۔(مسلم،بخاری)

۱؎جب کفار عرب نے مل کر مدینہ طیبہ پر یلغار کرنی چاہی تو حضور انور نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا اور خود بھی اس کام میں شرکت فرمائی اور سرکار عالی مٹی ڈھوتے جاتے تھےاور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔

۲؎ یعنی ہماری ہدایت ایمان اور ہدایت اعمال محض تیرے فضل و کرم سے ہے۔لولا الله کے معنی ہیں لولا فضل الله اگر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا۔اس میں اشارہ ہے اس آیت کریمہ کیطرف"وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ"۔

۳؎ چونکہ نماز و صدقہ دیگر نیکیوں سے افضل ہیں اس لیے ان کا ذکر خصوصیت سے فرمایا،اهتدینا میں یہ دونوں آگئے تھے۔

۴؎ اس دعا میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے"وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ"۔یعنی اے مولیٰ اگر کفار سے ہماری جنگ ہوجاوے تو ہم کو جہاد میں ثابت قدم رکھ کہ ہمارے پاؤں ان کے مقابلہ میں اکھڑ نہ جائیں۔

۵؎ الاولی مخفف ہے اولئك کا یا اولاء کا اسم اشارہ ہے۔اس سے اشارہ ہے کفار عرب کی طرف اور ان کے ظلم کی جانب خصوصًا ان کفار کی طرف جو اس وقت ساری قوتیں جمع کرکے مدینہ منورہ پر ٹوٹ پڑنا چاہتے تھے۔

۶؎ یہاں فتنہ سے مراد اسلام سے پھیر دینا،کفر،قتل و غارت میں مشغول کردینا یعنی ان کفار نے چاہا کہ ہم اسلام کے بعد پھر کفر،قتل،ڈکیتی وغیرہ کریں۔اس فرمان میں اس آیتِ کریمہ کی طرف اشارہ ہے"وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ"۔غالب یہ ہے کہ اشعار خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں جو بے ساختہ منہ مبارک سے نکل رہے ہیں بغیر قصدوارادے کے۔

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ مہاجرین و انصاری خندق کھودنے لگے اور مٹی ہٹانے لگے اور وہ یہ کہتے جاتے تھے کہ ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد پر بیعت کرلی جب تک کہ ہم باقی رہیں ہمیشہ کے لیے ۱؎ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جواب دیتے ہوئے فرماتے تھے الٰہی نہیں ہے عیش مگر آخرت کا ۲؎ تو تو انصارومہاجرین کو بخش دے ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ سبحان الله! کیا نظارہ ہوگا کہ مؤمنین اپنے ایمان کے ساتھ خندق کھود رہے ہیں اور یہ گیت گاتے جارہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں یہ دعائیں ارشاد فرمارہے ہیں۔

۲؎ اس فرمان عالی میں حضرات صحابہ کو تسکین دینا ہے کہ یہاں کی مشقت پر نہ گھبراؤ اگلی زندگی میں دائمی عیش پاؤ گے۔

۳؎ یعنی ان تمام کو ابھی ابھی بخش دے ان کے سارے گناہوں کی اگلے ہوں یا پچھلے اسی گھڑی بخشش فرمادے۔(مرقات)یہ ہے کرم کریمانہ۔ظاہر یہ ہے کہ انصارومہاجرین سے مراد سارے انصارومہاجرین ہیں اس کام میں شریک ہوئے ہوں یا کسی اورکام میں مصروف ہوں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھرا ہو جو اسے گندہ کردے ۱؎ اس سے اچھا ہے کہ شعر سے بھرا ہو ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ بعض روایات میں بجائے قیحا کے بخشا ہے،یری ی کے فتحہ رے کے کسرہ دوسری ی کے سکون سے یہ بنا ہے دری سے،دری پیٹ کا وہ زخم جو پیٹ کو بگاڑے لاعلاج بنادے اس سے مراد ہے بگاڑ دے اسے خراب کردے۔

۲؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد برے اشعار ہیں،بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد کوئی خاص شخص ہے ورنہ اچھے اشعار عام مسلمانوں کے لیے برے نہیں مگر قوی یہ ہے کہ اس سے ہر اچھے برے شعر مراد ہیں۔مطلب یہ ہے کہ اشعار میں بہت مشغولیت کہ ہر وقت ایں ایں کرتا رہے نہ نماز کا خیال ہو نہ کسی اور عبادت کا بہرحال برا ہے خواہ اچھے اشعار ہوں ایسی مشغولیت ہو یا برے اشعار ہیں۔(مرقات)دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ ہر وقت ہی روں روں کرتے رہتے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے گاتے رہتے ہیں یہ برا ہے،حدیث اپنے عموم پر ہے کسی قید یا تاویل کی ضرورت نہیں بلاوجہ احادیث و قرآن میں تاویلیں یا قیدیں لگانا سخت جرم ہے جیسے مرزائی کرتے ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے ۱؎ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ تعالٰی نے شعر کے بارے میں جو آیات نازل کیں وہ کیں ۲؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن اپنی تلوار اپنی زبان سے جہاد کرتا ہے ۳؎ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اسی شعر سے ان کفار کو تیر کے مارنے کی طرح مارتے ہو ۴؎(شرح سنہ)اور استیعاب عبدالبر میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ حضور شعر کے متعلق کیا فرماتے ہیں تو فرمایا کہ مؤمن اپنی تلوار اور زبان سے جہاد کرتا ہے ۵؎

۱؎آپ مشہور صحابی ہیں جن کے متلق سورۂ توبہ کی آیات توبہ نازل ہوئیں،شعراء اسلام میں بڑے پایہ کے شاعر ہیں۔حضور انور کے تین شاعر تھے:حسان ابن ثابت،عبداللّٰہ ابن رواحہ،کعب ابن مالک،حضرت حسان کفار پر لعن طعن کے اشعار لکھتے تھے،عبداللّٰہ ابن رواحہ ان کے کفر و شرک کی برائیاں بیان کرتے تھے اور حضرت کعب ابن مالک کفار کو جنگ سے ڈراتے تھے۔(اشعہ،مرقات)حضرت کعب انصاری خزرجی ہیں،۵۰ھ میں وفات پائی،آپ کی عمر پچھتّر سال ہوئی۔

۲؎یعنی اللّٰہ تعالٰی نے شعروشعراء کی بہت برائیاں قرآن کریم میں بیان فرمائی ہیں اور میں حضور کا شاعر ہوں تو کیا میں اور میرے اشعار بھی اس کی زد میں آجاتے ہیں اور کیا میں آئندہ شعر گوئی سے توبہ کرلوں اس سوال میں آیت کریمہ "الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ"کی طرف اشارہ ہے۔

۳؎یعنی تمہارے اشعار اس آیت کی زد میں نہیں آتے وہاں برے شعر کہنے والے شعراء مراد ہیں تم تو مجاہد ہو تمہاری شعر گوئی جہاد ہے اور تمہارے اشعار کفار کو مارتے تیرو تلواراس لیے رب تعالٰی نے وہاں اس آیت کے متصل ہی فرمایا"اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا"زمانہ جاہلیت میں فحش گوئی شراب و حسین عورتوں کی تعریف میں شعر گوئی کا عام رواج تھااسے قرآن کریم نے برا کہا۔

۴؎ سبحان اللّٰہ!کیا پیارا جواب ہے یعنی مجاہد مسلمان تلوار سے بھی جہادکرتا ہے اور اشعار سے بھی،تلوار کفار ناہنجار کے اجسام نابکار کو زخمی کرتی ہے اور تمہارے اشعار ان کے دلوں کو چھلنی کرتے ہیں تم ان اشعار میں ثواب پاتے ہو اب بھی جہاد کے موقعہ پر قصیدے مجاہدوں کو گرما دیتے ہیں۔

۵؎یہ حدیث صحیح ہے مسلم،بخاری کی شرط پر ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے وہ نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ و سلم سے راوی ہیں فرمایا کہ حیاء اور خاموشی ایمان کی دو شاخیں ہیں ۱؎اور فحش گوئی زیادہ بولنا نفاق کی دو شاخیں ہیں ۲؎(ترمذی)	

۱؎عی کے معنی ہیں حیران اور کلام سے عاجزی یہاں مراد ہے کم گوئی یعنی زیادہ خاموشی اور کم گوئی مؤمن کی نشانی ہے کم گو آدمی اپنے باطن کی اصلاح زیادہ کرتا ہے۔

۲؎یعنی ہر بات بے دھڑک منہ سے نکال دینا منافق کی پہچان ہے،زیادہ بولنے والا گناہ بھی زیادہ کرتا ہے یعنی اسی فی صدی گناہ زبان سے ہوتے ہیں۔

روایت ہے ابو ثعلبہ خشنی سے ۱؎کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے مجھے سب سے پیارا اور قیامت کے دن مجھ سے بہت قریب تم میں سے اچھے اخلاق والا ہے ۲؎اور تم میں سے مجھ کو بہت ناپسند اور	

	مجھ سے بہت دور برے اخلاق والے ہیں۳ جو زیادہ بولنے والے منہ پھٹ فراخ گو متکبر ۴(بیہقی شعب الایمان)

۱آپ کا نام جرہم ابن ناشب ہے،قبیلہ خشن سے ہیں،اس قبیلہ کے مورث کا نام خشن ابن نمر تھا،جرہم اپنی کنیت میں زیادہ مشہور ہے یعنی ابو ثعلبہ،آپ بیعت الرضوان میں شریک تھے،حضور انور نے آپ کو خیبر کی غنیمت سے حصہ دیا،آپ کی تبلیغ پر آپ کی قوم ایمان لائی،۷۵ھ میں وفات پائی،بعض نے فرمایا کہ امیر معاویہ کے زمانہ میں فوت ہوئے۔(اشعہ)

۲کیونکہ خوش خلق آدمی اکثر نیک اعمال زیادہ کرتا ہے گناہ اس سے کم سرزد ہوتے ہیں۔اخلاق سے مراد اخلاق محمدی ہیں کفار پر سخت،مؤمنوں پر بہت ہی نرم،دیانتداری،وعدہ پورا کرنا،معاملات کا درست ہونا سب ہی خوش خلقی میں داخل ہیں۔خیال رہے کہ خوش خلقی،خوشامد میں فرق ہے،یوں بدخلقی اور استغناء میں فرق ہے۔

۳کیونکہ بدخلق اکثر بدعمل ہوتے ہیں بدخلقی خود بھی بدعملی ہے اور بہت سے بدعملیوں کا ذریعہ۔جھوٹ، خیانت،وعدہ خلافی،بدمعاملگی سب ہی بداخلاقی کی شاخیں ہیں۔

۴ **ثرثارون** بنا ہے **ثرثرۃ** سے بمعنی کثرت کلام یا ایک بات کو بار بار کہنا۔**متشدقون** بنا ہے **شدق** سے بمعنی منہ کا جبڑا۔**متشدق** وہ ہے جو منہ بھر کر باتیں کرے یا جس کے جبڑے باتوں کے لیے کھلے رہیں اور **متفیھقون** بنا ہے **فھق** سے بمعنی وسعت و فراخی یعنی بہت ہی کلام کرنے والا جسے اردو میں کہتے ہیں ککّی،فارسی میں کہتے ہیں بسیار گو۔ایک شاعر کہتا ہے

گفتہ گفتہ من شدم بسیار گو   از شمایک مونہ شد اسرار جو

	اور ترمذی نے اس کی مثل حضرت جابر سے روایت کی اور ایک روایت میں ہے کہ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم ثرثارون اور متشدقون کو تو جانتے ہیں مگر **متفیھقون** کیا چیز ہے فرمایا تکبر والے۱

۱یعنی **متفیھقون** سے ہماری مراد وہ لوگ ہیں جو تکبرًا بہت بولیں اپنی مجلس میں کسی کو بولنے نہ دیں جو آئے ان کی سنے اپنی کچھ نہ کہہ سکے۔

	روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت نہ قائم ہوگی حتی کہ ایسی قوم نکلے گی جو اپنی زبانوں سے اسے کھائیں گے ۱جیسے گائیں اپنی زبانوں سے کھاتی ہیں ۲(احمد)

۱؎ یعنی ان کا ذریعہ معاش یہ ہی ہوگا کہ کسی کی خوشامدانہ جھوٹی تعریف میں قصیدہ کہہ دیا اور انعام حاصل کرلیا،کسی کے دشمن کی برائی میں نظم کہہ ڈالی اور کچھ وصول کرلیا،لوگوں کو فصیح وبلیغ جھوٹے کلام سنائے چندہ کرلیا یعنی صرف زبان سے کمائی کریں گے جیساکہ جاہلیت کے شعراء کا دستور تھا وہ ہی پھر ہوجاوے گا۔نعت خواں،نعت گو،علماء واعظین اس میں داخل نہیں بشرطیکہ باعمل ہوں حلال و حرام آمدنی میں فرق کریں اسی لیے آگے بیان ہورہا ہے۔

۲؎ گائے میدان میں کھاتے وقت ہری سوکھی گھاس نہیں دیکھتی جو سامنے آجائے اسے کھالیتی ہے حتی کہ کبھی دودھک بوٹی بھی کھا جاتی ہے جس سے بیمار بلکہ ہلاک ہوجاتی ہے یہ ہی اس شخص کا حال ہے جو حلا ل و حرام نہ دیکھے جو ملے کھائے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی لوگوں میں اس بلیغ آدمی کو ناپسند کرتا ہے ۱؎ جو اپنی زبان کو پھیرتا ہے جیسے گائے اپنی زبان کو پھیرا دیتی ہے ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ بلیغ یا تو بلاغت سے ہے یا مبالغہ سے اگر بلاغت سے ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ جو کوئی صرف کلام کی خوبیوں میں کوشش کرے سچ جھوٹ کی پرواہ نہ کرے،اگر مبالغہ سے ہے تو مطلب ظاہر ہے کہ وہ شخص لوگوں کی تعریف یا ہجو میں مبالغہ کرے جھوٹی سچی بات کی پرواہ نہ کرے۔

۲؎ **یتخلل** بنا ہے **خلل** سے بمعنی درمیان یا بیچ اس سے ہے خلال وہ تنکا جو دانتوں کے بیچ میں جائے۔ **یتخلل** کے معنی ہوئے اپنی زبان کو منہ کے بیچ میں گھمائے یعنی بہت بولے بے احتیاطی سے بولے اس کے ذریعہ روزی کمائے بے احتیاطی سے کھائے جیسے گائے باہر زبان نکال کر گھماکر چارا پکڑتی منہ میں لے جاتی ہے اچھی بری چیز میں فرق نہیں کرتی۔(مرقات،اشعہ)**بقر،بقرہ،باقر،باقرہ** سب کے معنی ہیں بیل،گائے۔**بقر** کے معنی ہیں چیرنا،چونکہ گائے بیل کے ذریعہ زمین ہل چلا کر چیرتی جاتی ہے اس لیے اسے باقرہ کہتے ہیں یعنی زمین کو چیرنے والے۔بڑے عالم کو باقر العلوم کہتے ہیں گویا اس نے علم کو چیر کر اس پر قبضہ کرلیا ہے اس لیے ایک امام کا نام باقر ہے،اس میں وہ واعظین بھی داخل ہیں جو محض پیشہ ور واعظ ہیں صرف روزی کمانے کے لیے تقریریں کرتے ہیں سوا لوگوں کو خوش کرنے کے اور کوئی غرض نہیں رکھتے۔یہاں مرقات نے بروایت حکم حضرت ابوہریرہ سے مرفوعًا حدیث نقل فرمائی کہ اللہ تعالٰی دنیا کے عالم،آخرت کے جاہل کو ناپسند فرماتا ہے وعظ تبلیغ دین کے لیے چاہیے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس رات ہم کو سیر کرائی گئی(معراج)ہم ایسی قوم پر گزرے جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے ۱؎ تو ہم نے کہا کہ	

جبریل یہ کون لوگ ہیں فرمایا یہ آپ کی امت کے واعظین ہیں۲؎ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں ۳؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ یعنی لوہے کی قینچی آگ سے گرم کی ہوئی۔آگ بھی دوزخ کی تو ان کا تپنا گرم ہونا بھی نہایت ہی سخت ہوگا۔

۲؎ مرقات نے فرمایا کہ خطباء میں بے عمل عالم واعظ شاعر سب ہی داخل ہیں۔خیال رہے کہ بے عمل عالم سے بدعمل عالم زیادہ برا بھی ہے خطرناک بھی۔

۳؎ فی زمانہ واعظین عمل کا وعظ ہی نہیں کرتے شعر خوانی خوش الحانی قصے کہانی میں وقت پورا کرتے ہیں عام جلسے گویا حلال سینما ہیں کہ سننے والے بھی تماشائی ذہن عیاش ہوتے ہیں،ہم نے وہ زمانہ دیکھا ہے جب مسلمان علماء کے وعظ سن کر بعد میں یاد کرتے تھے کہ مولوی صاحب نے آج فلاں فلاں مسئلہ بیان کیا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات کا ہیر پھیر سیکھے ۱؎ تاکہ اس سے مردوں یا لوگوں کے دل پھانس لے تو اللہ تعالٰی قیامت کے دن اس کے نہ فرائض قبول فرمائے گا نہ نوافل ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ صرف کے چند معنی ہیں: ایک مضمون کو مختلف عبارتوں سے بیان کرنا،اچھی عبارت بولنا،جھوٹی بات سچی کرکے دکھانا یعنی جو عالم لچھے دار گفتگو زناٹے کی تقریریں کرنا اس لیے سیکھے کہ لوگ اس کے جال میں پھنس جائیں لوگ اس کے معتقد ہو جاویں۔

۲؎ صرف وعدل کے بہت معنی ہیں: صرف فرض،عدل نفل،صرف توبہ،عدل فدیہ،صرف عبادات عدل درستی معاملات یعنی ایسے ریاکار کے اعمال بارگاہِ الٰہی میں قابلِ قبول نہیں۔وجہ ظاہر ہے کہ اس نے علم دین و دنیا کے لیے حاصل کیا اللہ کی اعلیٰ نعمت کی بے قدری کی۔

روایت ہے حضرت عمرو بن عاص سے کہ انہوں نے ایک دن فرمایا حالانکہ ایک آدمی کھڑا ہوا تو بہت باتیں کیں ۱؎ تب حضرت عمرو نے فرمایا کہ اگر یہ اپنے کلام میں اختصار کرتا تو اچھا ہوتا ۲؎ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ میں مناسب سمجھتا ہوں یا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ کلام میں اختصار کیا کروں ۳؎ کیونکہ مختصر کرنا میں بہتر ہے ۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی بہت لمبی تقریر کی نہایت فصیح و بلیغ تاکہ لوگ اس کے کمال کے قائل ہوجاویں لوگ اس کی دراز تقریر سے گھبرا گئے اکتاگئے۔

۲؎ کہ زیادہ باتیں لوگ بھول جاتے ہیں دلوں پر اثر نہیں ہوتا بہتر یہ ہے کہ کلام تھوڑا ہو مگر دلنشیں اور مؤثر ہو۔
۳؎ ہر کلام میں خصوصًا وعظ و نصیحت میں اختصار مفید اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے **خیر الکلام ماقل و دل** لوگوں کو یاد خوب رہتا ہے۔
۴؎ اس حدیث کی اسناد میں محمد ابن اسماعیل ابن عباس راوی ہے اسے محدثین نے ضعیف فرمایا ہے۔

روایت ہے حضرت صخر بن عبداللہ ابن بریدہ سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بعض بیان جادو ہیں اور بعض علم جہالت ہے ۲؎ اور بعض شعر حکمت ہیں ۳؎ اور بعض کلام وبال ہیں ۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ بریدہ اسلمی مشہور صحابی ہیں،انکے فرزند عبداللہ ابن بریدہ تابعی ہیں،مرو کے قاضی رہے،ان کے بھائی سلیمان ابن بریدہ ان سے زیادہ عالم و متقی تھے،صخر ابن عبداللہ بھی تابعی ہیں،ان کا لقب مروزی ہے،انہوں نے اپنے دادا حضرت بریدہ سے ملاقات کی ہے،حضرت بریدہ غزوہ بدر سے پہلے ایمان لائے مگر اس غزوہ میں شریک نہ ہوئے،بیعۃ الرضوان میں حاضر تھے،مدینہ کے رہنے والے تھے پھر بصرہ پھر خراسان میں رہے،یزید ابن معاویہ کے زمانہ میں مقام مرو میں وفات پائی ۶۲ھ باسٹھ میں اور مرو میں ہی دفن ہوئے،آپ سے بہت لوگوں نے احادیث روایت کیں۔
۲؎ غیر ضروری چیزیں سیکھنا ضروری چیزیں نہ سیکھنا جہالت ہے،بعض لوگ بجائے علم دین کے فلسفہ منطق ریاضی میں عمر صرف کردیتے ہیں یہ جہالت ہے،یوں ہی جو علم رب تک نہ پہنچائے وہ جہالت ہے،یوں ہی علم بے عمل جہالت ہے یا علم کا دعویٰ ہو مگر علم نہ ہو یہ جہالت مرکبہ ہے جس علم کے ساتھ عقل یا معرفت نہ ہو وہ جہالت ہے۔
۳؎ بعض علماء نے بہت سے علوم اشعار میں بیان کردیئے ہیں۔ایک بزرگ نے سارے قرآن مجید کی تفسیر پنجابی اشعار میں لکھی،تفسیر سورۂ یوسف نظم میں تو بہت لوگوں نے لکھیں یہ اشعار حکمت ہیں ان سے علم کی اشاعت بہت ہوتی ہے۔
۴؎ یا کہنے والے پر وبال کہ اپنے کلام سے پکڑا جاوے یا سننے والے پر وبال کہ وہ اکتا جاوے مگر یہ ختم ہی نہ کرے یا وہ سمجھے نہیں اور یہ کہے جاوے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جناب حسان کے لیے مسجد میں منبر رکھتے تھے جس پر وہ سیدھے کھڑے ہوں ۱؎ رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فخر کرتے تھے یا دفع فرماتے تھے ۲؎ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ بذریعہ جبریل حضرت حسان کی مدد فرماتا ہے جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فخر کرتے ہیں یا دفع کرتے رہتے ہیں ۳؎ (بخاری)

۱؎ حضور کی نعت شریف پڑھنے کے لیے یا مشرکین عرب کی ہجو کرنے کے لیے۔سبحان اللہ! کیا تقدیر ہے حضرت حسان کی کہ حضور انور کی مجلس مبارک میں مسجد نبوی شریف میں آپ کو منبر عطا ہورہا ہے نعت خوانی نعت گوئی اللہ کی رحمت ہے بشرطیکہ مقبول ہو۔

۲؎ یعنی حضور کی تشریف آوری اور خود اپنے کو حضور کی اتباع نصیب ہونے پر فخر کرتے تھے۔شعر

انسانیت کو فخر ہے تیری ذات سے　　　بے نور تھا خرد کا ستارہ تیرے بغیر

یا مشرکین سے حضور کا بدلہ لیتے تھے کہ ان کی ہجو کرتے تھے حضور انور کے فضائل بیان فرماتے تھے،آپ خود سنتے اور لوگوں کو سننے کا حکم دیتے تھے حضرت حسان کو دعائیں دیتے تھے۔

۳؎ یعنی میں دیکھتا ہوں کہ جب تک جناب حسان ہماری نعت خوانی کفار کی ہجو کرتے ہیں ان کے سر پر حضرت جبریل علیہ السلام کا ہاتھ ہوتا ہے اس ہاتھ کے اثر سے انکے دل میں اچھے مضامین پیدا ہوتے ہیں اچھے الفاظ سمجھ میں آتے ہیں اچھی طرح اخلاص کے ساتھ ادا ہوتے ہیں یہ سب کچھ حضرت جبریل کی مدد کا نتیجہ ہے۔خیال رہے کہ دوست چند نوعیتوں کے ہوتے ہیں: اپنا دوست وہ دوست،اپنے دوست کا دوست وہ دوست،دشمن کا دشمن وہ دوست۔یوں ہی دشمن چند قسم کے ہیں: اپنا دشمن،اپنے دشمن کا دوست،اپنے دشمن کا دشمن۔حضرت حسان حضور کے دوست حضور کے دوستوں کے دوست اور حضور کے دشمنوں کے دشمن تھے لہذا آپ تینوں قسم کے دوست تھے اس لیے آپ کا یہ درجہ ہوا،چونکہ حضرت جبریل انبیاء کرام پر وحی لاتے رہے اور وحی روح ہے لہذا آپ کا نام روح ہوا،قدس رب تعالیٰ کا نام شریف ہے تو معنی ہوئے کہ رب تعالیٰ کی روح یعنی اس کی پسندیدہ روح۔

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حدی خواں تھا ۱؎ جسے انجشہ کہا جاتا تھا اور وہ تھا خوش آواز ۲؎ تو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انجشہ چھوڑ دو کچی شیشیاں نہ توڑو،قتادہ فرماتے ہیں یعنی کمزور دل عورتیں ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ حدی یا حدا وہ گانا ہے جس سے اونٹ کو مستی دلا کر چلایا جاوے اونٹ گانے کا عاشق ہے جیسے سانپ خوش آواز کا،جب اونٹ تھک جاتا ہے تو خوش آوازی سے اسے گانا سنایا جاتا ہے جس سے مست ہوکر خوب تیز دوڑتا ہے اس گانے کو حدی اور گانے والے کو حاد کہتے ہیں۔حضرت انجشہ بڑے خوش آواز تھے اس لیے حدی خواں آپ ہوتے تھے۔حدی کی ابتداء کیسے ہوئی اس کے متعلق یہاں مرقات نے عجیب واقعات بیان کیے۔ایک بدوی نے اپنے

غلام کو مارا اس کا ہاتھ کاٹ کھایا غلام خوش آواز تھاوہ گھبراہٹ میں بولا دی دی دی بجائے یدی یدی کے دی دی کہا اونٹ کو اس پر وجد آگیا تب سے حدی کا دستور قائم ہوا،بعض خوش الحان بدوی کے حدی پر انسانوں کو وجد آجاتا ہے۔

۲؎ انجشہ کی کنیت ابوماریہ تھی،حبشی تھے،حضور کے آزادکردہ غلام۔

۳؎ یعنی میرے ساتھ سفر میں عورتیں بھی ہیں جنکے دل کچی شیشی کی طرح کمزور ہیں خوش آوازی ان میں بہت جلد اثر کرتی ہے اور وہ لوگوں کے گانے سے گناہ کیطرف مائل ہوسکتی ہیں اس لیے اپنا گانا بند کردو۔یہ فرمان عالی تاقیامت عورتوں کے متعلق ہے ورنہ صحابیات کے متعلق فسق وفجور کا وہم بھی نہیں کیا جاسکتا۔مقصد یہ ہے کہ مرد عورتوں کو گانا نہ سنائے اس طرح عورتیں مردوں کو گانا نہ سنائیں کہ اس سے عشق و بدمعاشی پیدا ہوتی ہے۔شعر

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بساکیں دولت از گفتار خیزد

بہت مرد ریڈیو پر عورتوں کے گانے سن کر ان کے عاشق ہوگئے یوں ہی عورتیں مردوں کا گانا سن کر اغوا ہوگئیں حضور کا ہر فرمان حق ہے عورت کا دل کچی شیشی کی طرح کمزور اور جلد اثر لینے والا ہوتا ہے اس لیے اسلام نے گانا بجانا حرام کیا۔بعض شارحین نے اس کے معنی کیے کہ تمہارے گانے سے اونٹ تیز دوڑیں گے جس سے عورتوں کو تکلیف ہوگی مگر یہ درست نہیں کہ تیز دوڑنے کی تکلیف مردوں کو بھی ہوسکتی ہے پھر صرف عورتوں کا ذکر کیوں ہوا پہلی توجیہ قوی ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شعر کا ذکر کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ایک کلام ہے اچھا شعر اچھا ہے اور برا شعر برا ا؎ (دارقطنی)	

ا؎ یعنی شعر کی اچھائی برائی اس کے مضمون سے ہے،بعض شعر پڑھنا عبادت ہے،بعض کفر،بعض ثواب جیسا مضمون ویسا حکم۔

اور شافعی نے عروہ سے ارسالًا روایت کی۔	

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں اس حال میں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام عرج میں چل رہے تھے ا؎ کہ ایک شاعر شعر پڑھتا سامنے آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پکڑ لو شیطان کو یا روک لو شیطان کو ۲؎ کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھرا ہوا اس کے لیے اس سے اچھا ہے کہ شعروں	

	سے بھرا ہو ۳؎(مسلم)

۱؎عرج یمن کا ایک شہر بھی ہے،علاقہ ہذیل میں ایک میدان بھی،مکہ معظّمہ کے راستہ میں ایک منزل بھی، مدینہ منورہ سے ۷۸ اٹھتر میل پر،یہاں یہ تیسرے معنی مراد ہیں۔
۲؎یعنی یہ شاعر انسان شیطان ہے اسے شعر پڑھنے سے روک دو۔شاید اس کی اشعار گندے واہیات تھے جن میں زنا،شراب،عورتوں کی تعریفیں تھیں جیساکہ جاہلیت کے شعراء کے کلام میں دیکھاجاتا ہے اس لیے روک دیا گیا۔
۳؎اس کی شرح پہلے عرض کی گئی کہ یا برے اشعار مراد ہیں یا اشعار کا طبیعت پر غلبہ کہ اسے گانے کے سواء کچھ سوجھے ہی نہیں اس لیے ارشاد ہو ان یمتلی۔

	روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گانا دل میں نفاق ایسا اگاتا ہے جیسے پانی کھیتی کو ۱؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎یعنی مرد کا گانا خود گانے والے اور سننے والے کے دل میں منافقت پیداکرتا ہے لہذا عورت کا گاناسننا یا عورت و مرد کا مل کر گانایا باجہ پر گانا اس سے بدتر ہے۔عرب کہتے ہیں الغناء رقیۃ الزنا یعنی گانا زنا کا منتر ہے،مراد گانے سے وہ ہی ہے جو اوپر عرض کیا۔خوش الحانی سے نعت شریف حضرت حسان پڑھتے تھے،حضور کی تشریف آوری کے موقعہ پر مدینہ منورہ کی بنی نجار کی بچیوں نے گیت گئے ہیں،شادی عید کے موقع پر بچیوں کو حضور نے اچھے گیت گانے کی اجازت دی،اجنبی عورتوں سے مرد نعت بھی نہ سنیں کہ آواز میں دلکشی ہوتی ہے اسی لیے عورتوں کو اذان دینا،تکبیر کہنا،خوش الحانی سے اجنبیوں کے سامنے تلاوت قرآن کرنا سب ممنوع ہے عورت کی آواز بھی ستر ہے۔

	روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر کے ساتھ ایک راستہ میں تھا کہ آپ نے باجہ کی آواز سنی ۱؎تو اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں لگالیں اور راستہ سے دور ہٹ گئے دوسری طرف پھر دور جا چکنے کے بعد مجھ سے فرمایا کہ اے نافع کیا تم کچھ سن رہے ہو میں نے کہا نہیں تب آپ نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں سے نکالیں ۲؎فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو حضور نے بانسی کی آواز سنی ۳؎تو یونہی کیا جو میں نے کیا،نافع فرماتے ہیں کہ اس وقت میں چھوٹا تھا ۴؎(احمد،ابوداؤد)

۱؎یعنی صرف باجہ کی آواز سنی بغیر گانے کی آواز کے غالبًا گانا بھی ہورہا ہوگا اس کی آوا زیہاں نہیں آرہی ہوگی، ڈھول کی آواز دور تک جاتی ہے گانے والے کی آواز تھوڑی دور ہی پہنچتی ہے۔

۲؎ یہ آپ کا انتہائی تقویٰ ہے جس پر عمل آج کل قریبًا ناممکن ہے آج ریڈیو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ بستی کے گوشہ گوشہ میں گانے باجوں کی تیز آوازیں پہنچتی ہیں کبھی تو لوگوں کو سونے نہیں دیتیں۔

۳؎ یراع ی اور ر کے فتحہ سے بمعنی الغوزہ یا بانسلی بانس کے ٹکڑے میں چند سوراخ کرکے اسے منہ سے بجاتے ہیں۔

۴؎ یہ ایک شبہ کا جواب ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر نے خود تو کانوں میں انگلیاں دے لیں تاکہ گانے باجے کی آواز نہ سنیں مگر اپنے غلام حضرت نافع کو اس کا حکم نہ دیا اس کی وجہ کیا ہے،جواب یہ دیا کہ میں اس وقت نابالغ بچہ تھا مجھ پر احکام شرعیہ خصوصًا ورع و تقویٰ کے احکام جاری نہ تھے ورنہ مجھے بھی آپ اس کا حکم دیتے۔غالبًا حضرت عبداللہ ابن عمر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واقعہ پر نابالغ ہوں گے۔خیال رہے کہ ان دونوں موقعوں پر گانے باجہ والا آدمی کوئی غیر مسلم ذمی ہوگا اس لیے آپ نے اسے گانے سے نہ روکا خود کانوں میں انگلی دے لی کہ کفار کو ان جیسے کاموں سے مسلمان نہیں روکتے۔(مرقات)لہذا حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ حضرات صحابہ کے گھروں سے گانے باجوں کی آوازیں آتی تھیں نہ یہ کہ حضرت ابن عمر نے گانے والوں کو منع کیوں نہ فرمایا۔

باب حفظ اللسان و الغيبة و الشتم

زبان کی حفاظت اور غیبت اور گالی کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں من الغيبة والشتم ہے تو معنی ظاہر ہیں یعنی اپنی زبان کو غیبت اور گالی سے محفوظ رکھنا،عام نسخوں میں واؤ سے ہے تب معنی یہ ہوں گے کہ اپنی زبان کو ہر بری چیز خصوصًا غیبت و گالی سے محفوظ رکھنا۔خیال رہے کہ کسی مسلمان کے غیر مشہور عیب اس کے پس پشت بلا ضرورۃ بیان کرنا غیبت ہے خواہ وہ شخص زندہ ہو یا مردہ موجود ہو یا غائب۔غیبت حرام ہے اور ہر فحش کلام شتم ہے،سبّ عام ہے شتم خاص۔غیبت کی یہ تعریف اور تعریف کی یہ قیود خیال میں رکھنی چاہیے۔لغوی غیبت کبھی حرام ہے،کبھی کفر،کبھی جائز،کبھی واجب،فرض۔مسلمان کی غیبت بلاوجہ حرام ہے،انبیاء واولیاء کی غیبت جو جنت کی بشارت یافتہ ہیں کفر ہیں جیسے روافض کا تبرا اور راویان حدیث کی غیبت واجب تاکہ احادیث صحیح وغیر صحیح مخلوط نہ ہوجاویں،کسی کے شر سے مسلمان کو بچانے کے لیے غیبت کرنا واجب ہے۔

روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی مجھے اپنے دو جبڑوں اور دو پاؤں کے درمیان کی چیزوں کی ضمانت دے میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں ۱؎ (بخاری)	

۱؎ دو جبڑوں کے درمیان کی چیز زبان و تالو وغیرہ ہے اور دوپاؤں کے بیچ کی چیز شرمگاہ ہے یعنی اپنی زبان کو جھوٹ غیبت ناجائز باتیں کرنے سے بچائے،اپنے منہ کو حرام غذا سے محفوظ رکھے،اپنی شرمگاہ کو زنا کے قریب نہ جانے دے ظاہر بات ہے کہ ایسا مسلمان مؤمن متقی ہوگا۔خیال رہے کہ قریبًا اسی ۸۰ فی صدی گناہ زبان سے ہوتے ہیں جو اپنی زبان کی پابندی کرے وہ تو چوری ڈکیتی قتل بھی نہیں کرتا،انسان جرم جب ہی کرتا ہے جب کہ جھوٹ بولنے پر آمادہ ہوجائے کہ اگر پکڑا گیا تو میں انکار کردوں گا،جھوٹ تمام گناہوں کی جڑ ہے۔خیال رہے کہ حضور کی یہ ضمانت تاقیامت انسانوں کے لیے ہے اور حضور کی ضمانت خدا کی ضمانت ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ رضاء الٰہی کا کوئی کلمہ بول دیتا ہے جس کی پرواہ بھی نہیں کرتا اللہ تعالٰی اس کی وجہ سے اس کے درجے بڑھا دیتا ہے ۱؎ اور	

	بندہ اللہ کی ناراضی کی کوئی بات کردیتا ہے جس کی پرواہ بھی نہیں کرتا اس کی وجہ سے دوزخ میں گر جاتا ہے۲(بخاری)اور مسلم،بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ اس سے آگ میں گرجاتا ہے مشرق و مغرب کے فاصلے کے برابر۳

۱یعنی بعض باتیں انسان کے نزدیک معمولی ہوتی ہیں اللہ تعالٰی کے نزدیک عظیم الشان کہ بولنے والے کو عظیم الشان بنادیتی ہیں۔

۲یعنی بعض باتیں انسان کی نگاہ میں نہایت معمولی ہوتی ہیں رب تعالٰی کے نزدیک بدترین جرم کہ انسان کو دوزخی بنا دیتی ہیں لہذا زبان کی بہت ہی حفاظت چاہیے۔

۳دوزخ میں جس قدر نیچائی زیادہ اسی قدر عذاب سخت،جنت میں جس قدر اونچائی زیادہ اسی قدر ثواب اعلٰی، دوزخ کا طبقہ ہاویہ سب سے نیچا ہے۔مطلب یہ ہے کہ بدعملی کی وجہ سے انسان دوزخ کے اونچے طبقے میں جاوے گا جہاں عذاب ہلکا ہے مگر برے کلام کی وجہ سے نیچے طبقہ میں جاوے گا جہاں عذاب سخت تر ہے۔رب تعالٰی نے انسان کو ارکان(اعضاء)جنان(دل)لسان(زبان)عطا فرمائے ہیں ارکان و جنان کے گناہوں سے لسان یعنی زبان کا جرم بدترین ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے ۱(مسلم،بخاری)

۱کفر یا بمعنی کفران نعمت یعنی ناشکری ہے،ایمان کا مقابل یعنی بلاقصور مسلمان کو برا کہنا اور بلاقصور اس سے لڑنا بھڑنا ناشکری ہے یا کفار کا سا کام ہے یا اسے مسلمان ہونے کی وجہ سے مارنا پیٹنا یا ناجائز جنگ کو حلال سمجھ کر کرنا کفر و بے ایمانی ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان اپنے بھائی مسلمان کو کافر کہے تو اس کے کفر کو لے کر ان دونوں میں سے ایک لوٹے گا۱(مسلم، بخاری)

۱یعنی جو مسلمان دوسرے مسلمان کو کافر کہے اگر وہ مسلمان واقعی کوئی کفریہ کام یا کفریہ کلام کرچکا ہے تب تو یہ کفر اس پر پڑے گا لیکن اگر اس میں کوئی کفر نہ ہو تو یہ کہنے والا کافر ہوجاوے گا جب کہ کسی قطعی ایمان والے کو کافر کہے جیسے صحابہ کرام کو خصوصًا مبشرین الجنتہ کو کافر کہنے والا یقینًا کافر ہے کہ قرآن حدیث تو انہیں مؤمن کہہ رہے ہیں اور یہ انہیں کافر کہتا ہے تو قرآن و حدیث کا منکر ہے یا کسی عقیدہ اسلامیہ کی بنا پر کافر کہتا ہے تو بھی یہ کہنے والا کافر ہے،اس سے وہ شخص مراد نہیں جو کسی کو گالی کے طور پر کافر کہے یا کافر کے معنی ناشکرا یا چھپانے والا کرے لہذا حدیث واضح ہے حضرت خسرو فرماتے ہیں

کافر عشقم مسلمانی مرا درکار نیست   ہر رگ من تارگشتہ حاجت نار نیست

یہاں کافر عشق سے مراد ہے عشق کا چھپانے والا اسے دل میں رکھنے والا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَمَنۡ یَّكۡفُرۡ بِالطّٰغُوۡتِ وَیُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ"جو کوئی بتوں کو انکار کرے اللہ پر ایمان لائے۔یہاں کفر بمعنی انکار ہے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بہت مشکل ہے،فقیر نے جو توجیہ کی ہے ان شاءاللہ اس سے اشکال نہ رہا۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص کسی شخص کو فسق کی اور کفر کی تہمت نہیں لگاتا مگر وہ اسی پر لوٹتا ہے اگر اس کا صاحب ایسا نہ ہو۱(بخاری)	

۱مقصد یہ ہے کہ کسی مسلمان کو کافر یا فاسق نہ کہو کیونکہ اگر وہ واقعی کافر یا فاسق ہوا تب تو یہ لفظ اس پر صادق آوے گا ورنہ کہنے والے پر کہ یہ کہنے والا یا کافر و فاسق ہوجاوے گا یا کافر و فاسق کہنے کا وبال اس پر پڑے گا۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کسی شخص کے کافر ہونے کا دعویٰ کرے یا کہے اللہ کا دشمن اور وہ ایسا ہو نہیں مگر وہ اس پر لوٹتا ہے۱(مسلم،بخاری)	

۱اس کا مطلب ابھی عرض کیا گیا کہ مسلمان کو کسی عقیدہ اسلامیہ کی وجہ سے کافر کہنے والا یا ایسے مسلمان کو جس کا اسلام یقینی قطعی ہو کہنے والا خود کافر ہے بطور گالی کافر کہنے کا سخت گنہگار ہے جیسے کسی کو حرامی کہا تو اسے قذف لگ سکتی ہے۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گالی گلوچ کرنے والے جو کچھ کہیں اس کا وبال ابتداءکرنے والے پر ہے جب تک کہ مظلوم زیادتی نہ کرے۱(مسلم)	

۱یعنی دونوں کی برائیوں کا وبال ابتداءکرنے والے پر ہوگا جب کہ دوسرا زیادتی نہ کرجاوے صرف اگلے کو جواب دے۔خیال رہے کہ گالی کے بدلے میں گالی نہ دینا چاہیے کہ گالی فحش ہے جس سے زبان اپنی ہی خراب ہوتی ہے۔سبّ کے معنی ہیں برا کہنا نہ کہ گالی دینا،گالی دینے والے سے بدلہ اور طرح لو اسے گالی نہ دو اگر کتا کاٹ لے تو تم اسے کاٹو مت بلکہ لکڑی سے مار دو لہذا حدیث واضح اس میں گالیاں بکنے کی اجازت نہ دی گئی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ	

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدیق کے لیے یہ لائق نہیں ۱؎ کہ لعن و طعن کرنے والا ہو ۲؎(مسلم)	

۱؎صدیق کے لغوی معنی ہیں بہت سچا یہ صدیق کا مبالغہ ہے۔صادق وہ جو جھوٹ نہ بولے،صدیق وہ جو جھوٹ نہ بول سکے،صادق وہ جو ایک آدھ بار سچ بولے،صدیق وہ جو ہمیشہ سچ بولا کرے،صادق وہ جو کلام کا سچا ہو،صدیق وہ جو کام کلام ہر وصف کا سچا ہو،صادق وہ جو وہ کہے جو واقعہ ہو،صدیق وہ کہ جو کہہ دے واقعہ ایسا ہی ہوجاوے۔صوفیاء کے نزدیک صدیق ایک درجہ والا جس کا مقام نبی کے بعد بغیر واسطہ بغیر فاصلہ کے ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ"اسلام میں پہلے صدیق حضرت ابوبکر صدیق اکبر ہیں۔

۲؎یعنی جسے اللہ تعالٰی صدیق بنائے وہ لوگوں پر لعنت کرنے کا عادی نہیں ہوتا کیونکہ صدیقیت کو نبوت سے بہت ہی قرب ہے کہ نبی کے بعد صدیق کا درجہ ہے،حضرات انبیاء رحمت والے ہوتے ہیں نہ کہ لعنت بھیجنے والے اور نہ عذاب کی دعائیں کرنے والے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جن کے مذہب میں تبراولعنت بہترین عبادت ہے۔نعوذ باللہ! الحمدللہ کہ اہل سنت نے لعنت کو نہ عبادت سمجھی نہ عادت ڈالی حتی کہ جو لوگ لعنت کے مستحق بھی ہیں ان پر بھی لعنت کرنا اپنا شیوہ نہیں بناتے،ہمارے ہاں ابلیس یا ابوجہل یا فرعون پر لعنت کرتے رہنا عبادت نہیں بلکہ عبث کام ہے۔خیال رہے کہ لعنت دو قسم کی ہے: ایک تو اللہ تعالٰی کی رحمت عامہ سے دوری یہ صرف کفار کے لیے،دوسری رحمت خاصہ یعنی بلندی درجات سے محرومی یہ گنہگار مسلمان کو بھی ہوسکتی ہے،جن کفار کا کفر پر مرنا دلیل شرعی سے ثابت ہو ان پر نام لے کر لعنت کرنا درست ہے۔دوسروں کو وصف سے لعنت کرسکتے ہیں نام لے کر نہیں کرسکتے یہ کہہ سکتے ہیں کہ جھوٹوں پر یا ظالموں پر خدا کی لعنت،یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں پر جو جھوٹا ہے لعنت،یہ بھی خیال رہے کہ اللہ کی لعنت کے معنی ہیں رحمت سے دورکرنا،بندوں کی لعنت کے معنی ہیں اس دوری کی بددعا کرنا۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بہت لعن طعن کرنے والے قیامت کے دن نہ گواہ ہوں گے نہ شفیع ۱؎(مسلم)	

۱؎یعنی امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روز قیامت گزشتہ انبیاءکرام کی گواہ بھی ہوگی کہ انہوں نے اپنی امتوں کو تبلیغ فرمادی اور گنہگاروں کی شفیع بھی مگر جو مسلمان لعن و طعن کا عادی ہوگا وہ ان دونوں نعمتوں سے محروم رہے گا لہذا دنیا میں لعن طعن کے عادی نہ بنو۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی شخص کہے کہ لوگ ہلاک ہوگئے تو اس نے انہیں ہلاک کردیا	

	۲؎(مسلم)

۱؎اھلکھم کی دو قراءتیں ہیں کاف کے ضمہ سے یعنی صیغہ اسم تفضیل ہو اور کاف کے فتحہ سے ماضی۔یعنی جو مسلمانوں کے متعلق یہ کہتارہے کہ سارے مسلمان ہلاک ہوگئے،رحمت خدا سے دور ہوگئے،بے دینی ہوگئےتو ان سب میں زیادہ ہلاک ہونے والا یہ ہوگا کہ وہ مسلمانوں کو رحمت الٰہی سے دور سمجھ رہا ہے یا جو لوگوں کو رحمت الٰہی سے مایوس کرے اورکہے کہ لوگ برباد ہوگئے،کافر ہوگئے،فاسق ہوگئے تو ان لوگوں کو رب تعالٰی نے ہلاک نہ کیا بلکہ اس نے ہلاک کیا اگر لوگ مایوس ہوکر گنہگار بن جاویں تو مجرم یہ ہوگا۔مسلمان کہتے ہیں گنہگار ہوں مگر ان شاءاللہ رحمت الٰہی ان کی دستگیری کرے گی انہیں سے کام لے گی کوئی انہیں ابھارنے والا ہو۔ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔شعر

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

رحمت اللعالمین کی امت غافل ہوجاتی ہے اسے جگاتے رہو کام لیتے رہو یہ جاگ اٹھے تو بہت کام کرتی ہے کیوں نہ ہو کہ حضور کی ان پر رحمت ہے۔شعر

عرب کے واسطے رحمت عجم کے واسطے رحمت وہ آئے لیکن آئے رحمۃ اللعالمین ہوکر

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم قیامت کے دن بدترین لوگوں میں دو منہ والے کو پاؤ گے جو ان کے پاس اور منہ سے جاوے اور ان کے پاس اور منہ سے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی بدترین بندہ منافق یا چغل خور ہے جو لوگوں میں لڑائی کرنے کے لیے ایک جماعت کے پاس اس کا خیر خواہ بن کر جاوے اور دوسری جماعت سے انہیں بھڑکاوے،دوسری جماعت کے پاس ان کا خیرخواہ بن جاوے انہیں بھڑکاوے لڑائی کراوے۔خدا کی پناہ! یہ عیب فی زمانہ عورت میں بہت زیادہ ہے اس سے توبہ چاہیے اس کا انجام دو طرفہ شرمندگی ہے۔شیخ سعدی نے ان کا انجام یوں فرمایاشعر

کنند ایں وآں خوش ذگر بارہ دل وے اندر میاں کو رنجت و خجل

وہ دونوں مل جاویں گے یہ دوطرفہ روسیاہ ہوگا۔

	روایت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جنت میں چغل خور نہ جاوے گا۱؎(مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں چغلخور ہے۔

۱؎قتات وہ شخص ہے جو دو مخالفوں کی باتیں چھپ کر سنے اور پھر انہیں زیادہ لڑانے کے لیے ایک کی بات دوسرے تک پہنچائے اگر یہ شخص ایمان پر مرا تو جنت میں اولًا نہ جائے گا بعد میں جائے تو جائے،اگر کفر پر مرا تو

کبھی وہاں نہ جاوے گا۔خیال رہے کہ جو دو طرفہ جھوٹی باتیں لگا کر صلح کرادے وہ نمام نہیں مصلح ہے،نمام وہ ہے جو لڑائی و فساد کے لیے یہ حرکات کرے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سچ کو لازم کرلو کیونکہ سچ نیکی کی طرف ہدایت دیتا ہے[1] اور نیکی جنت کی طرف ہادی ہے اور انسان سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کی تلاش کرتا رہتا ہے حتی کہ اللہ کے نزدیک سچا لکھ دیا جاتا ہے[2] اور جھوٹ سے بچو کہ جھوٹ بدکاری کی طرف رہبری کرتا ہے اور یہ بدکاری آگ کی طرف ہادی ہے[3] اور انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کی تلاش کرتا رہتا ہے حتی کہ اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھ دیا جاتاہے[4] (مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرمایا سچائی بھلائی ہے اور بھلائی جنت کی طرف رہبری کرتی ہے اور جھوٹ بدکاری ہے اور بدکاری آگ کی طرف رہبری کرتی ہے[5]

[1] یعنی جو شخص سچ بولنے کا عادی ہوجاوے اللہ تعالٰی اسے نیک کار بنادے گا اس کی عادت اچھے کام کرنے کی ہوجاوے گی،اس کی برکت سے وہ مرتے وقت تک نیک رہے گا،برائیوں سے بچے گا۔

[2] اور جو اللہ کے نزدیک صدیق ہوجاوے اس کا خاتمہ اچھا ہوتا ہے اور وہ ہر قسم کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے ہر قسم کا ثواب پاتا ہے اور دنیا بھی اسے سچا کہنے اچھا سمجھنے لگتی ہے،اس کی عزت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جاتی ہے۔

[3] یعنی جھوٹا آدمی آگے چل کر پکا فاسق و فاجر بن جاتا ہے جھوٹ ہزار ہا گناہوں تک پہنچادیتا ہے،تجربہ بھی اسی پر شاہد ہے۔سب سے پہلے جھوٹ شیطان نے بولا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں پہلا تقیہ پہلا جھوٹ شیطان کا کام تھا۔

[4] جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر یہ شخص ہر قسم کے گناہوں میں پھنس جاتا ہے اور قدرتی طور پر لوگوں کو اس کا اعتبار نہیں رہتا لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔

[5] یہ حدیث بہت طریقوں سے مروی ہے جنہیں مسلم،بخاری،جامع صغیر وغیرہ نے روایت فرمایا وہ تمام الفاظ یہاں مرقات نے جمع فرمائے۔

	روایت ہے حضرت ام کلثوم سے فرماتی ہیں[1] فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جھوٹا وہ نہیں جو لوگوں کے

	درمیان صلح کرادے اور کہے خیر بات اور پہنچائے خیر بات ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہ ام کلثوم بنت رسول اللہ نہیں بلکہ ام کلثوم بنت عقبہ ابن ابو معیط ہیں،مکہ معظّمہ میں اسلام لائیں اور وہاں سے پیدل مدینہ منورہ پہنچیں،حضرت زید ابن حارثہ کے نکاح میں آئیں،جب غزوہ موتہ میں جناب زید شہید ہوگئے تو ان سے زبیر ابن عوام نے نکاح کرلیا انہوں نے طلاق دے دی تو ان سے عبدالرحمٰن ابن عوف نے نکاح کرلیا،ان سے دو بیٹے ہوئے ابراہیم اور حمید پھر عبدالرحمٰن کی وفات کے بعد عمرو ابن عاص کے نکاح میں آئیں اور اس نکاح سے ایک ماہ بعد وفات پاگئی،حضرت عثمان غنی کی اخیافی بہن ہیں،آپ سے آپ کے صاحبزادہ حمید نے احادیث روایت کیں۔(مرقات)

۲؎یعنی جو مسلمان دو لڑے ہوئے مسلمانوں کے درمیان جھوٹی خبریں پہنچا کر ان میں صلح کرادے تو وہ گنہگار نہیں اور یہ جھوٹ گناہ نہیں مثلًا زیدو عمرو لڑے ہوئے ہیں یہ زید سے کہے کہ عمرو نے آپ کو سلام کہا ہے اور وہ آپ کی بہت تعریف کرتے ہیں،عمرو کے متعلق بھی یہی کہے حتی کہ ان کی صلح ہوجائے تو یہ شخص ثواب پائے گا۔خیال رہے کہ چندصورتوں میں جھوٹ جائز ہے ان میں سے ایک تو یہ۔دوسرے کسی کا جان ومال محفوظ کرنے دشمن سے بچانے کے لیے جھوٹ بولنا بلکہ بعض جگہ جھوٹ عبادت ہے جیسے کسی متقی پرہیزگار کا اپنے کو گنہگار کہنا عبادت ہے اور بعض سچ کفر ہوجاتا ہے شیطان نے کہا تھا"رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ"سچ کہا تھا ہدایت و گمراہی اللہ ہی کی طرف سے ہے مگر شیطان ہوگیا کافر۔

	روایت ہے حضرت مقداد ابن اسود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم منہ پر تعریف کرنے والوں کو دیکھو۱؎ تو ان کے منہ میں مٹی ڈال دو ۲؎(مسلم)

۱؎یہاں مداحین سے مراد وہ جھولی چک ہیں جو خوشامد کے لیے لوگوں کے منہ پر تعریفیں کرتے ہیں بلکہ اس سے اپنے پیٹ پالتے ہیں،جھوٹی تعریفیں کرکے سامنے والے کو خوش کرتے ہیں جو کسی نیک شخص کی سچی تعریف کرے جس سے اس کو اور زیادہ نیکی کی رغبت ہو وہ اس میں داخل نہیں اس لیے مداحین صیغہ مبالغہ ارشاد ہوا یعنی تعریفیں کرنے کا عادی اس کا پیشہ ور۔

۲؎بعض شارحین نے حدیث کو بالکل ظاہری معنی پر رکھا کہ واقعی ان پر مٹی ڈال دو تاکہ آئندہ وہ اس کام کی جرأت نہ کریں دو چار جگہ منہ پر خاک پڑ جانے سے اس عمل سے توبہ کرلیں۔بعض نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس پر خاک ڈالو ادھر توبہ نہ کرو یہ نہ سمجھو کہ واقعی تم بڑے اچھے آدمی ہو یا یہ مطلب ہے کہ اسے کچھ دے دو تھوڑا مال بھی گویا خاک ہے تاکہ وہ تمہاری ہجو نہ کرے کہ ایسے لوگ کچھ نہ ملنے پر گالیاں دیتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ انہیں بہت تھوڑا مال دو جو خاک برابر ہو زیادہ مال نہ دو اور بھی بہت معنی کیے گئے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی کی تعریف کی ۱؎ تو فرمایا تیری خرابی تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی تین بار فرمایا ۲؎ تم میں سے جو کسی کی ضرور تعریف ہی کرے تو ہے کہ میں فلاں کو ایسا سمجھتا ہوں اللہ تعالٰی اس پر مطلع ہے بشرطیہ وہ اسے ایسا ہی جانتا ہو ۳؎ اللہ پر کسی کی صفائی بیان نہ کرے ۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی بہت زیادہ تعریف کی بہت مبالغہ سے،غالبًا وہ شخص وہاں موجود ہوگا جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے دیکھو مرقات۔

۲؎ یعنی وہ شخص ایسی طبیعت کا ہے کہ تیری تعریف سن کر مغرور و متکبر ہوجاوے گا ایسے شخص کی منہ پر تعریف اسے نقصان دیتی ہے۔خیال رہے کہ بعض لوگ اپنی تعریف سن کر اور زیادہ نیکیاں کرنے لگتے ہیں اور بعض لوگ غرور میں آجاتے ہیں پہلے قسم کے لوگوں کے منہ پر تعریف کرنا مفید ہے،دوسرے لوگوں کے لیے نقصان دہ یہاں دوسری صورت کا ذکر ہے۔

۳؎ یعنی کسی کی تعریف کرنے کی دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ یقین کے ساتھ تعریف نہ کرے کہ وہ ایسا ہی ہے بلکہ اپنے خیال کا اظہار کرے۔دوسرے یہ کہ جو سمجھتا ہو وہ ہی کہے اگر واقعی اسے اچھا سمجھتا ہے تو اچھا کہے دل میں برا جاننا منہ سے اچھا کہنا جھوٹ بھی ہے اور خوشامد بھی۔

۴؎ یعنی واقعہ کی گواہی نہ دے کہ واللہ وہ بہت ہی اچھا ہے مگر یہ تمام شرائط اس کے متعلق ہیں جس کی برائی بھلائی نص سے ثابت نہ ہو۔حضرات انبیاء خصوصًا حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آل و اصحاب کی تعریفیں کامل یقین سے کرے اور خوب کرے مثلًا میں کہہ سکتا ہوں کہ قسم رب تعالٰی کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ اللہ کے پیارے بندے ہیں،یوں ہی وہ حضرات جنہیں مخلوق ولی اللہ کہتی ہے انہیں ہم یقین سے ولی کہہ سکتے ہیں کہ مخلوق کی زبان خالق کا قلم ہے لہذا یہ حدیث نہ تو آیت قرآنیہ کے خلاف ہے نہ دوسری احادیث کے،حضور فرماتے ہیں انتم شھداء اللہ فی الارض۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا جانتے ہو غیبت کیا ہے ۱؎ سب نے عرض کیا اللہ رسول ہی خوب جانیں فرمایا تمہارا اپنے بھائی کا ناپسندیدہ ذکر کرنا ۲؎ عرض کیا گیا فرمایئے تو اگر میرے بھائی میں وہ عیب ہو جو میں کہتا ہوں ۳؎ فرمایا اگر اس میں وہ ہو جو کہتا ہے تو تو نے اس	

	کی غیبت کی اور اگر اس میں وہ نہ ہو جو تو کہتا ہے تو تو نے اسے بہتان لگایا ۴؎(مسلم)اور ایک روایت میں ہے ۵؎ کہ جب تو اپنے بھائی کا وہ عیب بیان کرے جو اس میں ہے تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر تو وہ کہے جو اس نے نہ کیا ہو تو تو نے اسے بہتان لگایا ۶؎

۱؎یعنی قرآن مجید میں ہے"لَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا"یعنی بعض مسلمان بعض کی غیبت نہ کریں،کیا جانتے ہو غیبت کیا ہے اور اس کی تفسیر کیا ہے۔

۲؎یعنی کسی کے خفیہ عیب اس کے پس پشت بیان کرنا عیب خواہ جسمانی ہوں یا نفسانی دنیاوی یا دینی یا اس کی اولاد کے یا بیوی کے یا گھر کے خواہ زبان سے بیان کرو یا قلم سے یا اشارے سے،غرض کسی طرح سے لوگوں کو سمجھادو حتی کہ کسی لنگڑے یا ہکلے کی پس پشت نقل کرنا،لنگڑاکرچلنا یا ہکلاکربولنا سب کچھ غیبت ہے یہ فرمان بہت وسیع ہے۔(مرقات)

۳؎سائل غیبت اور بہتان میں فرق نہ کرسکے وہ سمجھے کہ کسی کو جھوٹا بہتان لگانا غیبت ہے اس لیے انہوں نے یہ سوال کیا،وہ مایکرہ کے لفظ سے دھوکہ کھاگئے۔

۴؎ سبحان اللہ!کیا نفیس جواب ہے کہ غیبت سچے عیب بیان کرنے کو کہتے ہیں اور بہتان جھوٹے عیب بیان کرنے کو۔غیبت ہوتا ہے سچ مگر ہے حرام،اکثر گالیاں سچی ہوتی ہیں مگر ہیں بے حیائی و حرام ہر سچ حلال نہیں ہوتا،خلاصہ یہ ہے کہ غیبت ایک گناہ ہے بہتان دو گناہ۔

۵؎یہ روایت مسلم میں نہیں بلکہ امام بغوی نے شرح سنہ میں نقل فرمائی مگر مؤلف کے فی روایۃ کہنے سے دھوکا پڑتا ہے کہ یہ بھی مسلم ہی کی روایت ہے۔(مرقات)

۶؎غیبت و بہتان کا یہ فرق ضرور خیال رہے بہتان بہرحال برا ہے غیبت کبھی بری کبھی بری نہیں جیساکہ ہم شروع باب میں عرض کرچکے کہ غیبت کے حرام ہونے کی چند شرطیں ہیں:کسی خاص کی ہوں وہ خاص شخص مسلمان ہو،وہ عیب بھی اس کا خفیہ ہو اور بیان بھی کرے بلا ضرورت۔رہا بہتان وہ بہرحال حرام ہے خواہ کسی کو لگائے کسی طرح لگائے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضری کی اجازت مانگی فرمایا کہ اجازت دے دو یہ اس قبیلہ کا بُرا آدمی ہے ۱؎پھر جب وہ بیٹھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے خندہ پیشانی کی اور کشادہ روئی فرمائی ۲؎پھر جب وہ شخص چلا گیا تو جناب عائشہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے اس

	کے متعلق ایسا ایسا فرمایا پھر اس کے اوپر خنداں پیشانی اور کشادہ روئی فرمائی ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے مجھے فحش گو کب پایا ۴؎ اللہ کے نزدیک بدترین درجہ والا قیامت کے دن وہ ہے جسے لوگ چھوڑ دیں اس کی شر سے ڈر کر اور ایک روایت میں ہے اس کے فحش سے خوف کرکے ۵؎(مسلم،بخاری)

۱؎ حضور انور نے یہ بات اس وقت فرمائی جب کہ وہ ابھی حضور کے پاس پہنچا نہ تھا دروازہ پر ہی تھایعنی اس کے پس پشت بیان فرمایا جو لغۃً غیبت ہے اس لیے صاحب مشکوۃ یہ حدیث یہاں اس باب میں لائے۔اس شخص کا نام عیینہ ابن حصن تھا۔مؤلفۃ القلوب سے تھا،اپنی قوم کا سردار بہت سخت طبیعت تھا،حضور کے پردہ فرمانے کے بعد مرتد ہوگیا،پھر حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر دوبارہ مسلمان ہوا مگر اس کا خاتمہ اسلام پر ہوا اس کا بھتیجا حرب ابن قیس پختہ مسلمان صاحب علم،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خاص مقرب تھا،اس کا واقعہ وہ ہے جو بخاری شریف کتاب التفسیر میں ہے کہ یہ شخص اپنے اس بھتیجے کی معرفت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور آپ سے کہا کہ آپ انصاف نہیں کرتے ہم کو ہمارا حق نہیں دیتے،آپ ناراض ہوئے سزا دینی چاہی،حرب ابن قیس نے عرض کیا"خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ"۔حضور یہ جاہل ہے آپ اس سے درگزر کریں۔(مرقات،اشعہ)

۲؎ یعنی حضور مطابق عادت کریمہ کے بہت اخلاق سے پیش آئے کرم کریمانہ سے کلام فرمایا۔

۳؎ یہ کلام تو حضرت عروہ کا ہے اس لیے قلت نہ کہا بلکہ فقالت عائشه فرمایایا حضرت عائشہ کا ہی ہے مگر خود اپنے عمل کی حکایت اپنے نام سے کی۔مقصد یہ ہے کہ حضور کا یہ عمل شریف غیبت میں تو داخل نہیں ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں اسے برا فرمایااور سامنے اخلاق سے گفتگو فرمائی۔

۴؎ یعنی ہم دوست دشمن نیک و بد سب سے اخلاق ہی برتتے ہیں کسی سے کج خلقی سے پیش نہیں آتے تم کو ہمارا تجربہ ہے۔

۵؎ یعنی بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ لوگ ان سے نالاں ہوتے ہیں مگر اس سے ڈرکر اس کا احترام کرتے ہیں یہ انہیں میں سے ہے اگر میں اس کے سامنے وہ ہی کہتا جو اس کے پس پشت کہا تھا تو یہ میرے پاس آنا چھوڑ دیتااور اس کی اصلاح نہ ہوسکتی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کا مشہور عیب پس پشت بیان کرنا غیبت نہیں،نیز لوگوں کو اس کی شر سے بچانے کے لیے اس کی شر پر مطلع کردینا غیبت نہیں،نیز کسی کی اصلاح کے لیے اس کو برا نہ کہنا اس سے اخلاق سے پیش آنا سنت رسول اللہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ہر شخص کی اصلاح کے طریقے جدا گانہ ہیں حضور حکیم مطلق ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری ساری امت کو عافیت دی جاوے گی ۱؎ سوا اعلانیہ گناہ کرنے والوں کے ۲؎ اور اعلانیہ سے یہ بھی ہے ۳؎ کہ کوئی شخص رات میں کوئی کام کرے پھر صبح پائے کہ اللہ نے اس کا پردہ رکھ لیا مگر وہ کہے اے فلاں میں نے آج رات ایسا ایسا کیا ۴؎ حالانکہ رات میں اس کے رب نے اسے چھپا لیا وہ صبح کو اللہ کا پردہ خود ہی کھولنے لگا ۵؎ (مسلم،بخاری)اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث(جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو) دعوت کے باب میں ذکر کردی گئی ۶؎	

۱؎ معافی کے دو معنی ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ عفو سے یعنی رب تعالیٰ کی طرف سے معافی دی جاوے گی۔دوسرے یہ کہ عافیت سے ہو یعنی اسے عافیت دی ہوئی ہے اس کی غیبت حرام ہے۔

۲؎ یعنی علانیہ گناہ کرنے والوں کی نہ آخرت میں پردہ پوشی کی جاوے گی نہ دنیا میں،ان کی غیبت حرام ہوگی ان کی غیبت جائز ہے کہ وہ خود ہی اپنے پردہ دار نہیں۔

۳؎ مجانہ کے معنی اعلان بھی ہیں اور بے پرواہ بھی یہاں دونوں معنی درست ہیں۔

۴؎ یعنی اپنے چھپے گناہ خود ہی لوگوں پر ظاہر کرے اللہ تعالیٰ کی ستاری سے فائدہ اٹھاکر خفیہ توبہ نہ کرے۔

۵؎ اس بناء پر فقہاء فرماتے ہیں کہ چھپے گناہ کی چھپ کر توبہ کرے توبہ کے اعلان نہ کرے توبہ کے اعلان میں گناہ کا بھی اعلان ہوگا۔یہ حکم حقوق عباد اور بعض شرعی سزاؤں کے علاوہ دیگر جرموں کے لیے ہے۔اگر کسی کا حق ہم نے مار لیا اسے خبر نہ ہوئی تو ضرور اسے خبر دے اور حق ادا کرے،اگر خفیہ زنا کرایا ہے تو قاضی کے پاس اقرار کرکے سزا لے جیسے حضرت ماعز نے کہا تھا لہذا حدیث واضح ہے۔

۶؎ یعنی وہ حدیث کہ جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو وہ یا اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے مصابیح میں اس جگہ تھی ہم نے مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے دعوت کے باب میں ذکر فرمادی،صاحب مشکوۃ نے ردوبدل بہت جگہ کیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جو جھوٹ چھوڑ دے جو کہ باطل چیز ہے ۱؎ تو اس کے لیے جنت کے کنارہ میں گھر بنایا جائے گا ۲؎ اور جو لڑائی جھگڑے چھوڑ	

دے حالانکہ حق پر ہو اس کیلئے بیچ جنت میں گھر بنایا جاوے گا۳؎اور جس کے اخلاق اچھے ہوں تو اس کے لیے جنت کے اوپری حصہ میں گھر بنایا جاوے گا ۴؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے یونہی شرح سنہ میں ہے مصابیح میں فرمایا غریب ہے ۵؎	

۱؎ وھو باطل یا تو جملہ معترضہ ہے جو جھوٹ سے نفرت دلانے کے لیے ارشاد ہوا یعنی جھوٹ ہے ہی باطل چیز اسے چھوڑنا ہی چاہیے یا یہ جملہ حالیہ ہے تو معنی یہ ہوں گے جو جھوٹ باطل ہے وہ چھوڑ دے اور جو جھوٹ مفید ہے اس کے چھوڑنے کی ضرورت نہیں جیسے دو لڑے مسلمانوں میں صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا یا نیک بندے کا اپنے کو گنہگار کہنا توبہ کرنا وغیرہ جیساکہ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں۔(ازمرقات واشعہ)

۲؎ یعنی جنت کا ادنی درجہ کیونکہ کنارہ ادنی ہوتا ہے درمیان اعلیٰ مگر کنارہ سے مراد جنت کا اندرونی کنارہ ہے نہ کہ بیرونی جنت۔

۳؎ یعنی جو کوئی لڑائی جھگڑا سے بچنے کے لیے اپنا حق بھی ظاہر نہ کرے یعنی حق پر ہو مگر اس پر لڑے نہیں اس کا گھر جنت یعنی جنت کے اعلیٰ درجہ میں ہوگا۔یہاں حق سے مراد دنیاوی حقوق ہیں نہ کہ دینی حقوق اگر کسی مسلمان نے کسی کی زمین یا قرض مار لیایہ لڑائی سے بچنے کے لیے پیچھے نہ پڑاصبر کرکے بیٹھ گیا بڑے درجے والا ہے مگر جو دین حق کو بربادکرنا چاہے اس کا مقابلہ بقدر طاقت زبان قلم تلوار سے ضرور کرے۔

۴؎ سبحان اللہ!خوش خلقی کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے کہ اس سے جنت الفردوس نصیب ہوتی ہے مگر حسن خلق کے لیے کوشش بھی کرے رب سے دعا بھی۔

۵؎ لغوی حسن غریب کے خلاف نہیں لہذا یہ حدیث حسن بھی ہے غریب بھی۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا تم جانتے ہو کہ کون سی چیز زیادہ لوگوں کو جنت میں داخل کرتی ہے اللہ سے ڈر اور اچھی عادت ۱؎کیا جانتے ہو کہ لوگوں کو آگ میں کون چیز زیادہ لے جاتی ہےدو خالی چیزیں منہ اور شرمگاہ ۲؎(ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ تقویٰ کا ادنی درجہ کفر و بدعقیدگی سے بچنا ہے اور درمیانی درجہ گناہوں سے بچنا،اعلیٰ درجہ میں غافل کرنے والی چیز سے بچنا ہے۔یوں ہی خوش خلقی کا ادنی درجہ یہ ہے کہ کسی کو جانی مالی عزت کی ایذا نہ دے،اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے کرے یہ بہت اعلیٰ چیز ہے جسے خدا تعالیٰ نصیب کرے۔

۲؎یعنی انسان منہ سے کفر بولتا ہے غیبتیں چغلیاں کرتا ہے،نوے فی صدی گناہ منہ سے ہی ہوتے ہیں،شرمگاہ سے گناہ کرتا ہے جو بدترین گناہ ہے عقل کو مغلوب کرنے والی دین برباد کرنے والی چیز شہوت ہے جس کی جگہ شرمگاہ ہے۔

	روایت ہے حضرت بلال ابن حارث سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص اچھی بات بول دیتا ہے اس کی انتہا نہیں جانتا۲؎اس کی وجہ سے اس کے لیے اللہ کی رضا اس دن تک کے لیے لکھی جاتی ہے ۳؎جب وہ اس سے ملے گا اور ایک آدمی بری بات بول دیتا ہے جس کی انتہا نہیں جانتا اللہ اس کی وجہ سے اپنی ناراضی اس دن تک لکھ دیتا ہے جب وہ اس سے ملے گا ۴؎(شرح سنہ)اور مالک،ترمذی،ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کی۔

۱؎یہ وہ بلال نہیں جو حضور انور کے مؤذن تھے وہ تو بلال ابن ابی رباح حبشی ہیں یہ بلال ابن حارث مزنی ہیں، ان کی کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے، ۵ھ پانچ ہجری میں وفد مزینہ میں حضور کی خدمت میں آئے،حضور انور نے آپ کو فرع کے علاقہ کا حاکم مقرر فرمایا،فرع مدینہ منورہ سے پانچ دن کے راستہ پر ہے،فتح مکہ کے دن مزینہ کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا،اسی ۸۰ سال آپ کی عمر ہوئی،۶۰ھ ساٹھ ہجری میں وفات پائی۔

۲؎یعنی اسے خبر نہیں ہوتی کہ یہ بات جو میں بول رہا ہوں اللہ کے نزدیک کیسی عظیم الشان ہے یوں ہی بول دیتا ہے۔

۳؎ یہاں الی انتہاء کا نہیں اور حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ قیامت تک تو رب اس سے راضی رہے گا بعد میں ناراض ہوجاوے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس رضا کا ظہور دنیا میں ہی نہیں بلکہ روز قیامت تک رہے گا جیسے رب نے شیطان سے فرمایا"اِنَّ عَلَیۡکَ لَعۡنَتِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ"۔غرضکہ رحمت کے آثار کا ظہور ابدالاباد تک ہے اور عطا رب غفور بعد قیامت ہوگی۔(اشعہ)غرضکہ اس فرمان سے مراد ابدالاباد ہے جیسے کہا جاتا ہے میں تجھ سے قیامت تک نہ بولوں گا یا تجھ سے قیامت تک خوش رہوں گا یعنی کبھی نہ بولوں گا یا ہمیشہ خوش رہوں گا۔

۴؎یعنی کوئی بات ایسی بری بول دیتا ہے جس سے رب تعالٰی ہمیشہ کے لیے ناراض ہوجاتا ہے لہذا انسان کو چاہیے کہ بہت سوچ سمجھ کر بات کیا کرے۔حضرت علقمہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے بہت سی باتوں سے بلال ابن حارث کی حدیث روک دیتی ہے۔(مرقات)یعنی میں کچھ بولنا چاہتا ہوں کہ یہ حدیث سامنے آجاتی ہے اور میں خاموش ہوجاتا ہوں۔

	روایت ہے بہز بن حکیم سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرابی ہے اس

کے لئے جو بات کرے تو جھوٹ بولے تاکہ اس سے قوم کو ہنسائے ۲؎ اس کے لئے خرابی ہے اس کے لئے خرابی ہے ۳؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد،دارمی)	

۱؎ بہزابن حکیم ابن معاویہ ابن حیدہ قشیری بصری تابعی ہیں،ثقہ ہیں،ان کے والد حکیم ابن معاویہ کی صحابیت میں اختلاف ہے،معاویہ ابن حیدہ صحابی ہیں مگر صاحب مشکوۃ نے اپنی کتاب اکمال میں ان کا ذکر نہ فرمایا۔(مرقات)

۲؎ لوگوں کو ہنسانے کے لیے تو جھوٹ بولنا ہمیشہ ہی جرم بلکہ ڈبل جرم مگر لوگوں کو منانے کے لیے سچی بات کہنا اگر کبھی کبھی ہو تو جرم نہیں۔خوش طبعی اچھی چیز ہے مگر اس کا عادی بن جانا گناہ ہے،کسی پریشان یا مغموم کو ہنسا دینے کے لیے اچھی و سچی دل لگی کی بات کہہ دینا ثواب ہے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسا دینے کے لیے اپنا گھریلو واقعہ بیان فرمایا جب کہ حضور نے اپنی ازواج پاک سے ایلاء کیا تھا یہ سنت فاروقی ہے۔بہرحال ایسے جائز کاموں میں بھی اعتدال چاہیے ان کا عادی بن جانا اچھا نہیں۔امام غزالی فرماتے ہیں کہ خوش طبعی کرنا ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سی خوش طبعی کرے جو بالکل حق ہوتی تھی۔(مرقات)

۳؎ ویل کے معنی ہیں خرابی،افسوس،دوزخ کے ایک طبقہ کا نام بھی ویل ہے۔یہاں بمعنی خرابی۔تین بار ویل فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ ایسے شخص کیلئے دنیا میں بھی خرابی ہے،برزخ میں بھی،آخرت میں بھی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ کوئی بات کرتا ہے نہیں کہتا مگر اس لیے کہ اس سے لوگوں کو ہنسائے اس کی وجہ سے وہ آسمان و زمین کے فاصلہ سے زیادہ نیچا گر جاتا ہے ۱؎ وہ اپنی زبان سے پھسلتا ہے اس سے سخت پھسلنی جو اپنے قدم سے پھسلتا ہے ۲؎(بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ اس فرمان عالی سے آج کل کے ڈوم مراثی مسخرے،بھانڈ بھنڈیلے عبرت پکڑیں جو لوگوں کو ہنسا کر گزارہ کرتے ہیں جن کی کمائی صرف لوگوں کی ہنسائی ہے،نیز اس سے وہ واعظین بھی عبرت پکڑیں جو منبر رسول پر وعظ کرتے ہیں صرف ہنسانے کے لیے ان کے وعظ کی کامیابی لوگوں کے قہقہہ سے ہوتی ہے۔پناہ بخدا ان کے وعظ میں پتہ نہیں چلتا کہ دین کا وعظ ہورہا ہے یا سینما کا کوئی دل لگی شو۔

۲؎ یعنی پاؤں کی پھسلن سے زبان کی لغزش زیادہ خطرناک ہے کہ پاؤں کی لغزش سے بدن چوٹ کھاتا ہے مگر زبان کی لغزش سے دل،جان،ایمان زخمی ہوتا ہے۔زبان کی لغزش سے ہی قتل و خون ہوتے ہیں،زبان ہی کی لغزش سے انسان کا فرو بے دین ہوجاتا ہے ابلیس اپنی زبان کی لغزش کی سزا اب تک پارہا ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خاموش رہا نجات پاگیا	

	۱؎(احمد،ترمذی،دارمی،بیہقی شعب الایمان)

۱؎ اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ جو میری بات سے خاموش رہا وہ دنیا و دین کی آفات سے نجات پا گیا۔دوسرے یہ کہ جس نے خاموشی اختیار کی وہ دونوں جہاں کی بلاؤں سے محفوظ رہا۔امام غزالی فرماتے ہیں کہ کلام چارقسم کے ہیں:خالص مضر،خالص مفید،مضر بھی مفید بھی،نہ مضر نہ مفید۔خالص مضر سے ہمیشہ پرہیز ضروری ہے،خالص مفید کلام ضرور کرے،جو کلام مضر بھی ہو مفید بھی اس کے بولنے میں احتیاط کرے۔بہتر ہے کہ نہ بولے اور چوتھی قسم کے کلام میں وقت ضائع کرنا ہے ان کلاموں میں امتیاز کرنا مشکل ہے لہٰذا خاموشی بہتر ہے۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تو میں نے عرض کیا کہ نجات کا ذریعہ کیا ہے ۲؎ فرمایا اپنی زبان کو قابو میں رکھو ۳؎ اور تم کو تمہارا گھر کافی رہے ۴؎ اور اپنی خطاؤں پر رو ۵؎(احمد،ترمذی)

۱؎ آپ قبیلہ جہینہ سے ہیں،امیر معاویہ کی طرف سے مصر کے حاکم رہے پھر معزول کردیئے گئے،مصر میں ہی میں آپ کی وفات ہوئی ۵۸ھ میں۔(اکمال)

۲؎ یعنی ہم دین و دنیا کی مصیبتوں سے کیسے بچیں دنیا میں آفتیں تو گردوغبار کی طرح پھیلتی ہیں ان سے بچاؤ کی تدبیر کیا ہے۔

۳؎ **املك** الف کے کسرہ سے باب ضرب کا امر ہے **ملك** بمعنی قبضہ قابو ہے یعنی اپنی زبان کو قبضہ میں رکھو اس کی حفاظت کرو،بری بات بولنے سے روکو۔

۴؎ یعنی بلا ضرورت گھر سے باہر نہ جاؤ لوگوں کے پاس بلاوجہ نہ جاؤ گھر سے نہ گھبراؤ اپنے گھر کی خلوت کو غنیمت جانو کہ اس میں صدہا آفتوں سے امان ہے۔بزرگ فرماتے ہیں کہ سکوت،لزوم بیوت اور قناعت بالقوت الی ان یموت امان کی چابی ہے یعنی خاموشی،گھر میں رہنا،رب کی عطا پر قناعت،موت تک اس پر قائم رہنا۔

۵؎ یعنی اپنے گزشتہ گناہوں پر نادم ہوکر رونا اختیار کرو دوسروں کی عیب جوئی کی بجائے اپنی عیب جوئی کرو۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید سے اسے مرفوع فرمایا ۱؎ کہ فرمایا جب انسان سویرا پاتا ہے تو سارے اعضاء زبان کی خوشامد کرتے ہیں ۲؎ کہتے ہیں ہمارے بارے میں اللہ تعالٰی سے ڈر کہ ہم تیرے ساتھ ہیں تو اگرسیدھی رہے گی ہم سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگی تو ہم ٹیڑھے ہوں گے ۳؎(ترمذی)

۱؎ چونکہ راوی کو یہ یاد نہ رہا کہ حضرت ابو سعید خدری نے کن الفاظ سے حدیث کو مرفوع کیا سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہا یا خالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے **رفعه** کہہ دیا۔(مرقات)

۲؎ تکفر بنا ہے کفر سے بمعنی ذلت و عاجزی و خواری،کہا جاتا ہے کفرالیھودی یعنی یہودی ذلیل ہوگیا اپنے صاحب کے آگے جھک گیا۔

۳؎ یعنی نفع نقصان راحت و آرام تکالیف و آلام میں ہم تیرے ساتھ وابستہ ہیں اگر تو خراب ہوگی ہماری شامت آجاوے گی تو درست ہوگی ہماری عزت ہوگی۔خیال رہے کہ زبان دل کی ترجمان ہے اس کی اچھائی برائی دل کی اچھائی برائی کا پتہ دیتی ہے ۔عرب کہتے ہیں:لسان الانسان اله البیان للکفر والایمان لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ دل کے درست ہوجانے سے تمام جسم درست ہوجاتا ہے کہ دل و زبان کا حال یکساں ہے،بارہا منافقین کی زبان ان کے دل کا نشان دے دیتی تھی،دل دیگ ہے زبان اس کا چمچہ ہے۔

	روایت ہے حضرت علی ابن حسین سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے کہ انسان کے اسلام کی خوبیوں میں سے ایک چھوڑ دینا ہے اس کا جو اسے نفع نہ دے ۲؎ (مالک،احمد)اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ سے اور ترمذی و بیہقی نے شعب الایمان میں ان دونوں سے روایت کی۔

۱؎ علی ابن حسین ابن علی یعنی امام زین العابدین آپ کے فضائل و مناقب بارہا ہم اسی کتاب میں عرض کرچکے ہیں۔

۲؎ یعنی کامل مسلمان وہ ہے جو ایسے کلام ایسے کام ایسی حرکات و سکنات سے بچے جو اس کے لیے دین یا دنیا میں مفید نہ ہوں،وہ کام یا کلام کرے جو اسے یا دنیا میں مفید ہو یا آخرت میں۔سبحان اللّٰہ!ان دو کلموں میں دونوں جہان کی بھلائی وابستہ ہے۔ایک بزرگ کسی محل پر گزرے مالک سے پوچھا کہ تو نے یہ مکان کب بنایا ہے فورًا بولے کہ میں نے یہ کلام بے فائدہ کیا اس کے کفارہ میں ایک سال روزے رکھے۔اپنے نفس کا حساب کرو تاکہ قیامت کا حساب آسان ہو۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت انس رضی اللّٰہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ ایک صحابی نے وفات پائی تو کسی نے کہا کہ مبارک ہے جنت کی ۱؎ تو رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ شاید غیر مفید خبر میں گفتگو کی یا نہ گھٹنے والی چیز میں بخل کیا ہو ۲؎ (ترمذی)

۱؎ یعنی میری طرف سے جنت کی مبارک باد قبول کر کہ تو مؤمن متقی صحابی ہو کر دنیا سے گیا اس سے بڑھ کر کیا درجہ ہوسکتا ہے،یہ خطاب اس میت سے ہے۔

۲؎ مطلب یہ ہے کہ فوری جنتی ہونے کا فیصلہ کسی کے لیے نہیں کیا جاسکتا۔ممکن ہے کہ اس شخص نے بے کار بات کرلی ہو یا مال یا علم میں بخل کیا ہو اس کے حساب میں گرفتار ہو جنت کا داخلہ اس کے حساب سے فراغت کے بعد میسر ہو۔

روایت ہے حضرت سفیان ابن عبداللہ ثقفی سے[1]فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ جن چیزوں کا آپ مجھ پر خوف کرتے ہیں ان میں زیادہ خطرناک کیا چیز ہے [2]فرمایا کہ آپ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا یہ[3]ترمذی اور اسے صحیح کہا۔	

[1]آپ کا نام سفیان ابن عبداللہ ابن ربیعہ ہے،کنیت ابو عمرو،قبیلہ بنی ثقیف سے ہیں،طائف کے رہنے والے تھے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں طائف کے حاکم رہے۔

[2]یعنی میرے اعضاء سارے ہی خطرناک ہیں مگر ان سب میں زیادہ خطرناک کون سا عضو ہے جو مجھے بہت زیادہ نقصان پہنچاسکتا ہے۔

[3]حضور انور نے خود سائل کی زبان نہ پکڑی اس لیے کہ اس میں تکلف ہوتا اور یہ احتمال ہوتا کہ شاید صرف ان کی زبان ہی خطرناک ہوگی دوسروں کی نہیں اپنی زبان شریف پکڑنے میں یہ دونوں باتیں نہیں،نیز اشارہ کیا نام نہ لے دیا کہ اشارہ فرمانے میں زیادہ اہتمام ہے،چونکہ کفر و شرک اور اکثر بڑے گناہ زبان سے ہوتے ہیں،نیز زیادہ گناہ اور ہر وقت گناہ زبان سے ہوتے ہیں اس لیے اسی کو زیادہ خطرناک قرار دیا دیگر اعضاء کے گناہوں میں بھی زبان کا دخل ہوتا ہے چوری،زنا،شراب خوری،قتل وغیرہ تمام جرموں میں پہلے زبان کام کرتی ہے پھر باقی اعضاء کہ ان کاموں کے مشورے زبان سے ہی ہوتے ہیں،میدان زبان بناتی ہے پھراس پر چلتے ہیں باقی اعضاء،یہ ہی حال نیکیوں کا ہے کہ زیادہ نیکیاں زبان سے ہوتی ہے اورباقی اعضاء کی نیکیوں میں بھی زبان کا حصہ ضرور ہوتا ہے دوسرے اعضاء کی نیکیاں خاص وقتوں میں ہوتی ہیں مگر زبان کی نیکیاں ہر وقت ہوتی رہتی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس سے ایک میل دور ہوجاتا ہے[1]اس بدبو کی وجہ سے جو آتی ہے[2](ترمذی)	

[1]فرشتے سے مراد یا تو نیکیاں لکھنے والا فرشتہ ہے یا حفاظت کرنے والا فرشتہ یا کوئی خاص رحمت کا فرشتہ،گناہ لکھنے والا فرشتہ دور نہیں ہوتا فرشتوں کے مزاج مختلف ہیں۔میل سے مراد یا تو یہ ہی شرعی میل ہے یعنی فرسخ کا تہائی حصہ یا مراد ہے تاحد نظر زمین۔

[2]اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھی بری باتوں نیک و بداعمال میں خوشبو اور بدبو ہے بلکہ ان میں اچھی بری لذتیں بھی ہیں مگر یہ صاف دماغ والوں کو صاف طبیعت والوں کو ہی محسوس ہوتی ہیں اللہ رسول کے نام میں وہ لذت ہے جو کسی چیز ہی میں نہیں مولانا محمد بشیر صاحب فرماتے ہیں شہد سے میٹھا محمد نام،میم سے ہیں محبوب وہ رب کے،ح سے حاکم عجم و عرب کے،دوسری میم سے مالک سب کے،دال سے داتا دونوں جہان کے

فیض ہے ان کا عام　　　　شہد سے میٹھا محمد نام

میم مے توحید پلائے اور ح حق سے جاکے ملائے،دوسری میم مراد لائے۔

دال سے دل آرام　　　　شہد سے میٹھا محمد نام

روایت ہے حضرت سفیان ابن اسد حضرمی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بری خیانت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی سے کوئی بات کرے جس میں وہ تجھے سچا سمجھتا ہو اور تو اس میں جھوٹا ہو ا۔(ابوداؤد)	

ا۔یعنی جھوٹ بہرحال برا ہے مگر اس شخص سے جھوٹ بولنا جو تمہیں سچا سمجھتا ہو تم پر اعتماد کرتا ہو یہ بہت ہی برا ہے کہ اس میں جھوٹ بھی ہے اور دھوکا فریب بھی،یوں ہی اللہ رسول سے جھوٹ بولنا بڑا ہی جرم ہے کہ یہ جھوٹ بھی ہے،بے حیائی بے غیرتی،بے شرمی بھی۔اللہ تعالٰی اپنا خوف اپنے حبیب کی شرم نصیب کرے کہ یہ دو چیزیں ہی گناہوں سے بچاتی ہیں۔

روایت ہے حضرت عمار سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دنیا میں دو منہ والا ہوگا ا۔ قیامت کے دن اس کی زبان آگ کی ہوگی۲۔(دارمی)	

ا۔دو منہ والا وہ شخص ہے جو سامنے تعریف کرے پیچھے برائی یا سامنے دوستی ظاہر کرے پیچھے دشمنی یا دو لڑے ہوئے آدمیوں کے پاس جاوے اس سے ملے تو اس کی سی کہے دوسرے سے ملے تو اس کی سی کہے ہر ایک کا ظاہری دوست بنے۔

۲۔حدیث شریف بالکل ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں جو رب دنیا میں مٹی کی زبان دے سکتا ہے وہ قیامت کے بعد آگ کی بھی زبان دے سکتا ہے اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں اس زبان میں جو سوزش اور جلن ہوگی وہ ظاہر ہے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن نہ تو طعنہ باز ہوتا ہے اور نہ لعنت باز نہ فحش گو نہ بے حیا ا۔ (ترمذی،بیہقی شعب الایمان)اور بیہقی کی دوسری روایت میں ہے کہ نہ فحش گو بے حیا اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

ا۔یعنی یہ عیوب سچے مسلمان میں نہیں ہوتے اپنے عیب نہ دیکھنا دوسرے مسلمانوں کے عیب ڈھونڈھنا ہر ایک کو لعن طعن کرنا اسلامی شان کے خلاف ہے یہ حدیث بہت جامع ہے۔بعض لوگ جانوروں کو،ہوا کو،گالیاں دیتے

ہیں،بعض کے ہاں حضرات صحابہ کو گالیاں دینا عبادت ہے **نعوذباللہ** بعض لوگ گالی پہلے دیتے ہیں بات پیچھے کرتے ہیں سب لوگ اس سے عبرت پکڑیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان لعنت کرنے والا نہیں ہوتا اور ایک روایت میں ہے کہ مؤمن کو لائق نہیں کہ بہت لعن طعن کرنے والا ہو[1] (ترمذی)	

[1] یعنی کامل مسلمان لعن طعن کرنے کا عادی نہیں ہوتا کہ بات بات پر لعنت کرتا رہے اتفاقیہ کبھی منہ سے نکل جانا اس کے خلاف نہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ نہ تو اللہ کی لعنت سے لعنت کرو[1] اور نہ اللہ کے غضب سے نہ دوزخ سے اور ایک روایت میں ہے کہ نہ آگ سے [2] (ترمذی،ابوداؤد)	

[1] یعنی یہ نہ کہو کہ تجھ پر خدا کی لعنت اللہ کی پھٹکار،نہ یہ کہو کہ تجھ پر اللہ کا غضب اللہ کا قہر وغیرہ،لعنت وغضب کی بددعا نہ کرو نہ یہ کہو کہ تو جہنم میں جائے یا تیرا ٹھکانہ دوزخ ہو یا تجھے خدا دوزخ میں یا آگ میں ڈالے۔

[2] خیال رہے کہ یہ لعنت و پھٹکار اور یہ بددعائیں کسی معین مسلمان کو منع ہیں غیر معین کو اس کے وصف سے لعنت کرنا بالکل جائز ہے جیسے "لَعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ" رہے مشرکین و کفار اگر ان کا کفر پر مرنا یقین سے معلوم ہو تو انہیں نام لے کر لعنت کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔بہرحال لعنت بددعائیں کوئی خاص عبادت نہیں کہ اس کی عادت نہ ڈالے۔

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کوئی بندہ جب کسی چیز پر لعنت کرتا ہے تو لعنت آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے[1] تو اس کے سامنے آسمان کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں پھر وہ زمین کی طرف لوٹتی ہے اور اس کے سامنے زمین کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں [2] پھر وہ داہنے بائیں پھرتی ہے[3] پھر جب جگہ نہیں پاتی تو اس کی طرف لوٹتی ہے جس پر لعنت کی گئی تو اگر وہ اس کا اہل ہو تو فبہا ورنہ کہنے والے کی طرف لوٹ	

	جاتی ہے۴؎(ابوداؤد)

۱؎جیسے غبار دھواں وغیرہ بذاتِ خود اوپر چڑھتے ہیں ایسے ہی لعنت و پھٹکار بھی اوپر چڑھتی ہے مگر اسے آسمان میں داخلہ کی اجازت نہیں ہوتی کہ وہاں اس کا مستحق کوئی نہیں۔

۲؎لہذا وہ لعنت زمین میں نہیں دھنس سکتی کہ وہاں بھی اس کا مستحق کوئی نہیں۔خیال رہے کہ ابلیس اور اس کی ذریت نہ تو آسمان میں رہتے ہیں نہ زمین کے اندر بلکہ اوپر اوپر ہی مارے مارے پھرتے ہیں لہذا اس فرمان پر کوئی غبار نہیں۔

۳؎یعنی لعنت اس حیران پریشان چیز کی طرح دوڑتی گھومتی ہے جسے اپنا ٹھکانہ معلوم نہ ہو اور تلاش ٹھکانہ کے لیے حیران پریشان گھومے یا بطور تمثیل ارشاد ہوا ہے یا واقعہ ایسے ہی ہوتا ہے کیونکہ ہمارے تمام قول و فعل ایک شکل و حال رکھتے ہیں۔

۴؎بہرحال لعنت یا تو ملعون پر پڑتی ہے اگر وہ اسکا اہل ہو ورنہ خود لاعن پر لہذا لعنت کرنا چاہیے ہی نہیں۔ سوچو کہ ان کا حال کیا ہوگا جو دن رات حضرات صحابہ پر تبرا اور لعن طعن کرتے رہتے ہیں،اسی طرح جو لوگ جانوروں کو،دھوپ کو،ہوا کو لعنت کردیتے ہیں،بیماریوں کو کوستے پیٹتے ہیں اس سب کا وبال خود ان پر ہی پڑتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ ایک شخص کی چادر ہوا نے اس پر سے اڑادی اس نے ہوا پر لعنت کی ۱؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کرو کہ یہ تو زیر فرمان ہے ۲؎اور یقینًا جو کسی ایسی چیز پر لعنت کرے جو اس کی اہل نہ ہو تو لعنت اس پر ہی لوٹتی ہے ۳؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎جیسے آج بعض لوگ بیماریوں وغیرہ پر لعنت کردیتے ہیں یہ سخت برا ہے۔

۲؎ہوا کا نرم و سخت چلنا تیری چادر کا اڑا دینا سب کچھ اللہ تعالٰی کے حکم سے ہے ان میں اس کا کوئی قصور نہیں پھر اس پر لعنت کیسی۔

۳؎یعنی لعنت کرنے کا گناہ اس پر پڑے گا یا خود لعنت پھٹکار رحمت سے دوری خود اس کو ملے گی۔معلوم ہوا کہ لعنت اور رحمت اپنے مستحق کو جانتی پہچانتی ہیں ان کے ٹھکانوں کو بھی جانتی ہیں حدیث اپنے ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے کوئی صحابی کسی کی طرف سے کوئی بات نہ پہنچائے ۱؎میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس صاف سینہ آیا کروں ۲؎(ابوداؤد)

۱؎یعنی اگر کوئی مجھے میرے پیچھے برا کہے تو تم اس کی بات مجھ سے نہ کہو۔خیال رہے کہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے اپنا نام لیا مگر ہم کو قانون بتایا کہ کوئی کسی کی غیبت اس تک نہ پہنچائے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو دلوں کی گہرائیوں کی بات گھروں کے اندرونی حالات سے خبردار ہیں ان سے کوئی چیز مخفی نہیں،نیز کوئی صحابی حضور انور کی شان میں گستاخی نہیں کرتے تھے نہ سامنے نہ پیچھے حضور کی گستاخی کفر ہے۔رہے منافقین حضور انور ان سے ناراض تھے خواہ کوئی انکی بات پہونچاتا یا نہ پہونچاتا۔بہرحال حدیث بالکل واضح ہے اس پر نہ وہابی اعتراض کرسکتے ہیں نہ شیعہ۔

۲؎کہ کسی کی عداوت کسی سے نفرت دل میں نہ ہوا کرے یہ بھی ہم لوگوں کے لیے بیان قانون ہے کہ اپنے سینے صاف رکھو تاکہ ان میں مدینہ کے انوار دیکھو ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ رحمت نور کرامت کا گنجینہ ہے وہاں کدورت کی پہنچ نہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے فرماتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کو صفیہ رضی اللہ عنھا سے یہ ہے کہ وہ ایسی ایسی ہیں یعنی پستہ قد۱؎تو فرمایا تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اس کو دریا میں ملادیا جائے تو اسے رنگین کردے ۲؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎اس طرح کہ جناب عائشہ نے بالشت دکھا کر فرمایا کہ صفیہ اتنی بڑی ہیں یعنی میرے بالشت کی برابر یہ عرض و معروض حضرت صفیہ بنت حیی کے پس پشت ہوئی اس لیے اسے غیبت کہا گیا۔معلوم ہوا کہ غیبت اشارہ سے بھی ہوجاتی ہے۔

۲؎یعنی بظاہر یہ بات چھوٹی سی معلوم ہوتی ہے مگر اتنی بڑی ہے کہ اگر اس رنگت کو پوڑیا کی شکل دے دی جاوے اوراسے سمندر میں گھول دیا جاوے تو سارے سمندر کو رنگین کردے تو یہ تمہارے دل کو یقینا گدلا کردے گی تمہارے نیک اعمال کا رنگ بھی بگاڑ دے گی،اس سے توبہ کرو اور آئندہ کبھی کسی کی غیبت نہ کرو۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضرات صحابہ کرام گناہوں سے معصوم نہیں،معصوم یا فرشتے ہیں یا حضرات انبیاءکرام،یہ حضرات عادل ہیں کہ گناہ پر جمتے نہیں توبہ کرلیتے ہیں۔دوسرے یہ کہ غیبت حق العبد جب ہے جب کہ اس کی خبر اس کو پہنچ جاوے جس کی غیبت کی گئی ورنہ حق اللہ ہے کہ توبہ سے معاف ہوجاتی ہے،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ کو جناب صفیہ سے معافی مانگنے کا حکم نہ دیا کیونکہ حضرت صفیہ کو اس کی خبر نہ ہوئی لہذا یہ حق اللہ رہی۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ہوتی بے حیائی کسی چیز میں مگر اسے عیب ناک کردیتی ہے اور نہیں	

ہوتی شرم کسی چیز میں مگر اسے زینت دے دیتی ہے ا(ترمذی)	

ایعنی اگر بے حیائی اور حیا و شرم انسان کے علاوہ اور مخلوق میں بھی ہوں تو اسے بھی بے حیائی خراب کردے اور حیا اچھا کردے تو انسان کا کیا پوچھنا حیا ایمان کی زینت،انسانیت کا زیور ہے،بے حیائی انسانیت کے دامن پر بدنما دھبہ ہے۔

روایت ہے حضرت خالد ابن معدان سے اوہ حضرت معاذ سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ جو اپنے بھائی کو کسی گناہ کی عار دلائے ۲تو وہ نہ مرے گا حتی کہ خود بھی کرے گا۳یعنی وہ گناہ جس سے وہ توبہ کرچکا ہے۴(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد متصل نہیں کیونکہ خالد نے معاذ ابن جبل کو نہیں پایا ۵	

اآپ جلیل القدر عظیم الشان تابعی ہیں،آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،ملک شام میں مقام حمص کے رہنے والے ہیں،قبیلہ کلاع سے ہیں،ستر۷۰ صحابہ سے ملاقات کی،۱۰۴ھ ایک سوچار ہجری میں مقام طرطوس میں آپ کی وفات ہوئی وہاں ہی قبر شریف ہے۔

۲گناہ سے وہ گناہ مراد ہے جس سے وہ توبہ کرچکا ہے یا وہ پرانا گناہ جسے لوگ بھول چکے یا خفیہ گناہ جس پر لوگ مطلع نہ ہوں اور عاردلانا توبہ کرانے کے لیے نہ ہوں محض غصہ اور جوش غضب سے ہو یہ قیود خیال میں رہیں۔

۳یعنی اپنی موت سے پہلے یہ گناہ خود کرے گااور اس میں بدنام ہوگا مظلوم کا بدلہ ظالم سے خود رب تعالٰی لیتا ہے۔

۴یہ تفسیر حضرت امام احمد ابن حنبل کی ہے کہ یہاں گناہ سے مراد وہ گناہ ہے جس سے گنہگار توبہ کرچکا ہے ایسے گناہ کا ذکر بھی نہیں چاہیے جس گناہ میں بندہ گرفتار ہے،اس سے عار دلانا تاکہ توبہ کرے یہ تو تبلیغ ہے اس پر ثواب ہے۔

۵یعنی خالد ابن معدان نے معاذ ابن جبل کا زمانہ نہ پایا کیونکہ حضرت معاذ کی وفات ۱۸ھ اٹھارہ میں ہوئی اور خالد کی پیدائش ۱۸ھ کے بعد ہوئی۔خیال رہے کہ اتصال کے لیے راوی کا اپنے شیخ سے ملاقات کرنا ضروری نہیں صرف ہم زمانہ ہونا کافی ہے،تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے ہاں امام بخاری کے ہاں ملاقات ضروری ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت واثلہ سے افرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بھائی پر لعن طعن ظاہر نہ کرو ۲ورنہ اللہ اس پر رحم کردے گا اور تجھے مبتلا کردے گا ۳(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۔	

۱؎ واثلہ ابن اسقع لیثی صحابی ہیں،جب حضور انور غزوہ تبوک کے لیے جارہے تھے تو آپ ایمان لائے،تین سال حضور کی خدمت میں رہے،اصحاب صفہ سے تھے ایک سو برس عمر پائی بیت المقدس میں وفات ہوئی۔(مرقات)آپ مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی کسی مسلمان کو دینی یا دنیاوی آفت میں مبتلا دیکھ کر اس پر خوشی میں طعن نہ کرو بعض دفعہ خوشی میں بھی کسی پر لاحول پڑھی جاتی ہے۔شیخ سعدی فرماتے ہیں۔شعر

مگواندوہ خویش پیش کساں   کہ لاحول گویند شادی کناں

اگر ملامت کرنا اس کی فہمائش کے لیے ہو تب جائز ہے جب کہ اس طریقہ سے اس کی اصلاح ہوسکے غرضکہ ملامت کی مختلف صورتیں ہیں۔

۳؎ یہ ہے مسلمان کی آفت پر خوشی منانے کا انجام کہ خوشی منانے والا خود گرفتار ہوجاتا ہے بارہا کا آزمودہ ہے ہمیشہ خدا سے خوف کرنا چاہیے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں پسند نہیں کرتا کہ کسی کی نقل کروں اگرچہ مجھے اتنا اتنا ملے ۱؎ (ترمذی)اور اس کو صحیح فرمایا۔	

۱؎ یعنی اگر مجھے کوئی دنیا کی بڑی سے بڑی دولت نعمت دے اس کے عوض میں کہ میں کسی مسلمان کی کوئی حرکت بطورِ غیبت نقل کروں تو میں وہ دولت قبول نہ کروں گا اور اس کی نقل نہ اتاروں گا۔یہاں حضور انور نے اپنا عمل شریف بیان فرماکر تاقیامت مسلمانوں کو تعلیم دی کہ تم کو کوئی کتنی ہی دولت دے کر کسی مسلمان کی قولی یا عملی غیبت کرائے اس کی نقل اتروائے تو ہرگز قبول نہ کرو،یہاں بھی حکایت سے مراد بطور غیبت ممنوع نقل کرنا ہے۔

روایت ہے حضرت جندب سے فرماتے ہیں کہ ایک بدوی آیا اس نے اپنا اونٹ بٹھادیا ۱؎ پھر اسے باندھ دیا پھر مسجد میں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی پھر جب سلام پھیرا تو اپنی سواری کے پاس گیا اسے کھولا اس پر سوار ہواپھر پکار الٰہی مجھ پر اور محمد پر رحم فرما اور ہماری رحمت میں کسی اور کو شریک نہ کر ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا کہتے ہو یہ زیادہ بے وقوف ہے یا اس کا اونٹ ۳؎ کہ کیا تم نے نہ سنا جو اس نے کہا لوگ بولے ہاں ۴؎ (ابوداؤد)اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کفی بالمرء کذبا ہم نے باب الاعتصام کی پہلی فصل میں ذکر کردی۔	

۱؎اعرابی یعنی بدوی حضرات اپنے گاؤں میں عموماً رہتے تھے اتفاقاً کبھی شہر میں کسی کام کے لیے آجاتے تھے وہ آداب سے کم واقف ہوتے تھے۔
۲؎وہ اپنی غلطی سے اس دعا کو بہت اچھا سمجھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لیے یہ کہا اس لیے آواز سے کہا کہ حضور انور سن لیں اور خوش ہوجاویں یعنی مجھ پر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی خاص رحمت کر جوکسی پر نہ ہو۔
۳؎یہاں ضلات سے مراد گمراہی یا بدعقیدگی نہیں بلکہ بے وقوفی و جہالت ہے کیونکہ اس نے وسیع رحمت کو تنگ کرنے کی دعا کی یا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت خاصہ میں اپنے کو شریک کیا اس میں بے ادبی ہے اور بظاہر دعویٰ مساوات ہے۔(لمعات)
۴؎اس سے معلوم ہوا کہ دعا صرف اپنے واسطے نہیں کرنا چاہیے بلکہ عام صیغوں سے کی جاوے خصوصًا یہ کہنا کہ اور کسی پر رحم نہ کر یہ تو بہت ہی برا ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کا ظاہر ظہور عیب اس کی پس پشت بیان کرنا غیبت نہیں کہ حضور انور نے اس کی جہالت صحابہ سے بیان فرمائی جب کہ وہ سن نہ رہا تھا اس لیے یہ حدیث اس باب میں لائی گئی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو رب تعالٰی ناراض ہوتا ہے۱؎اور اس سے عرش ہل جاتا ہے ۲؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎یعنی گنہگار بدکار لوگوں کی تعریف کرنا خوشامد کے لیے یا ان سے کچھ دنیاوی نفع حاصل کرنے کے ممنوع ہے،رب تعالٰی کی ناراضی کا باعث،ظالم کو عادل کہنا فقہاء کے نزدیک کفر ہے کہ اس میں نص قرآنی کا انکار ہے۔
۲؎عرش الٰہی کا ہلنا رب تعالٰی کے غضب کے اظہار کے لیے ہے کہ یہ اس کی تعریف کررہا ہے جس سے رب تعالٰی ناراض ہے اگر اسے حلال جان کر اچھا کہا ہے تو کافر ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن تمام خصلتوں پر پیدا کیا جاسکتا ہے سواء خیانت اور جھوٹ کے ۱؎(احمد)

۱؎ خلال سے مراد بری عادتیں ہیں اس فرمان عالی سے یا نفی مقصود ہے یا نہیں،پہلی صورت میں معنی یہ ہیں کہ جھوٹ اور خیانت ایسی بری عادتیں ہیں کہ کسی مؤمن میں یہ دونوں چیزیں اصلی پیدائشی نہیں ہوسکتیں،اگر کوئی مؤمن جھوٹا یا خائن ہوگا تو عارضی طورپر ہوگا کہ جھوٹوں خائنوں کی صحبت میں رہ کر یہ جھوٹا یا خائن بن جاوے گا

اس کے علاوہ اور عیوب مؤمن میں پیدائشی ہوسکتے ہیں،دوسری صورت میں یہ معنی ہیں کہ مؤمن کو چاہیے کہ جھوٹا و خائن عادۃً نہ بنے ان عیبوں کی عادت نہ ڈالے یہ دونوں اس کی شان ایمان کے خلاف ہیں،رب فرماتاہے:"اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللہِ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰذِبُوۡنَ"۔(مرقات،لمعات)

(احمد،بیہقی شعب الایمان،بروایت سعد ابن ابی وقاص)	

روایت ہے حضرت صفوان ابن سلیم سے ۱؎کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کیا مؤمن بزدل ہو سکتا ہے فرمایا ہاں پھر عرض کیا گیا مؤمن کنجوس ہوسکتا ہے فرما ہاں ۲؎پھر عرض کیا گیا مؤمن جھوٹا ہوسکتا ہے فرمایا نہیں ۳؎(مالک،بیہقی شعب الایمان ارسالًا)۴؎	

۱؎آپ تابعین میں سے ہیں،نہایت متقی پرہیزگار تھے،چالیس سال زمین سے پیٹھ نہ لگائی بیٹھے بیٹھے جان نکلی سجدے کرتے کرتے پیشانی میں غار ہوگیا،۱۰۲ھ ایک سو دو ہجری میں وفات ہوئی۔(اشعہ و مرقات)لہذا یہ حدیث مرسل ہے کہ صحابی کا ذکر اس میں نہیں ہے۔

۲؎یعنی مسلمان میں بزدلی یا کنجوسی فطری طور پر ہوسکتی ہے کہ یہ عیوب ایمان کے خلاف نہیں لہذا مؤمن میں ہوسکتی ہیں۔

۳؎کذاب فرماکر اس طرف اشارہ ہے کہ مؤمن گاہے بہ گاہے جھوٹ بول لے تو ہوسکتا ہے مگر بڑا جھوٹا ہمیشہ کا جھوٹا ہونا جھوٹ کا عادی ہونا مؤمن ہونے کی شان کے خلاف ہے،یہاں بھی وہ ہی مراد جو ابھی پہلی حدیث میں عرض کیا گیایا مؤمن سے مراد کامل الایمان لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بہت مسلمان جھوٹے ہوتے ہیں۔

۴؎ارسال کی وجہ ابھی عرض کی گئی کہ صفوان ابن سلیم تابعی ہیں صحابی نہیں اور تابعی کا کسی حدیث کو حضور سے روایت کرنا ارسال ہے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ شیطان انسانی شکل میں بنتا ہے پھر کسی قوم کے پاس پہنچتا ہے انہیں کسی جھوٹی بات کی خبر دیتا ہے ۱؎لوگ پھیل جاتے ہیں تو ان میں سے کوئی کہتا ہے کہ میں نے ایک شخص کو سنا جس کی صورت پہچانتا ہوں یہ نہیں جانتا کہ اس کا نام کیا ہےوہ یہ کہتا تھا ۲؎(مسلم)	

۱؎کسی واقعہ کی خبر یا کسی مسلمان پر بہتان یا فساد و شرارت کی خبر جس کی اصل کچھ نہ ہو،الکذب بہت عام ہے۔

۲؎حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں یہ بارہا کا تجربہ ہے۔ماہ رمضان کی ستائیسویں تاریخ جمعہ کے دن یعنی ۱۴ اگست ۴۷ء کو پاکستان بنا عیدالفطر کے دن نماز عید کے وقت تمام شہروں بلکہ دیہاتوں میں خبر اڑ گئی کہ سکھ مسلح ہوکر اس بستی پر حملہ آور ہورہے ہیں قریب ہی آچکے ہیں ہر گھر ہر محلّہ میں شور مچ گیا لوگ تیاریاں کرکے نکل آئے حالانکہ بات غلط تھی،ہر جگہ لوگوں نے کہا کہ ابھی ایک آدمی کہہ گیا ہے خبر نہیں کون تھا پھر جو فساد شروع ہوا وہ سب نے دیکھ لیا خدا کی پناہ! اس کا ظہور ہوتا رہتا ہے شیطان چھپ کر بھی دلوں میں وسوسہ ڈالتا رہتا ہے اور ظاہر ہوکر شکل انسانی میں نمودار ہوکر بھی لہذا ہر خبر بغیر تحقیق نہیں پھیلانا چاہیے۔اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کبھی شیطان عالم آدمی کی شکل میں آکر جھوٹی حدیثیں بیان کرجاتا ہے لوگوں میں وہ جھوٹی حدیثیں پھیل جاتی ہیں اس لیے حدیث کو کتاب میں دیکھ کر اسناد وغیرہ معلوم کرکے بیان کرنا چاہیے اگرچہ یہ فرمان حضرت ابن مسعود کا ہے مگر مرفوع حدیث کے حکم میں ہے کہ ایسی بات صحابی اپنے خیال یا رائے سے بیان نہیں فرماسکتے حضور سے سن کر ہی کہہ رہے ہیں۔

روایت ہے حضرت عمران ابن حطان سے فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوذر کے پاس گیا تو میں نے انہیں ایک کالے کمبل میں اکیلے ٹیک لگائے بیٹھے پایا۱؎میں نے کہا اے ابوذر یہ گوشہ نشینی کیسی تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تنہائی بہتر ہے ہر ساتھی سے اور اچھا ساتھی بہتر ہے تنہائی سے ۲؎اور اچھی بات بولنا خاموشی سے بہتر ہے اور خاموشی بہتر ہے بری بات بولنے سے۳؎	

۱؎اس طرح کہ اکڑوں بیٹھے تھے اور اپنے ارد گرد کمبل لپیٹا ہوا تھا ہاتھوں کے حلقہ میں پنڈلیاں لیے ہوئے تھے یہ انتہائی تواضع کی بیٹھک ہے۔

۲؎یعنی چونکہ مجھے اس وقت کوئی نیک صالح ساتھی نہ ملا اس لیے تنہائی کو غنیمت سمجھ کر اکیلا بیٹھ گیا،غالبًا کسی اجنبی جگہ میں ہوں گے مسجد سے مراد مسجد نبوی شریف نہیں کوئی اور مسجد مراد ہے ورنہ اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں نیک ساتھی کی کیا کمی تھی خیرالقرون تھا۔

۳؎یعنی تنہائی میں انسان خاموش بیٹھے گا اور خاموشی اچھی ہے بری بات سے،برے یار کے پاس بیٹھ کر بری باتیں کرنا پڑتی ہیں اس لیے تنہائی بہتر ہے۔

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کا خاموشی سے ثابت رہنا۱؎ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے ۲؎	

۱؎ یہاں یا تو ساعۃً پوشیدہ ہے یا زمانًا،بعض روایات میں ہے فی الصف فی سبیل اللہ یعنی ایک ساعت یا کچھ دیر یاجہاد کی صف میں خاموش رہنادنیاوی باتیں نہ کرنا۔

۲؎ یعنی اگر کوئی شخص ساٹھ سال عبادت کرے مگر زیادہ باتیں بھی کرے اچھی بری بات میں تمیز نہ کرے اس سے یہ بہتر ہے کہ تھوڑی دیر خاموش رہے کیونکہ خاموشی میں فکر بھی ہوئی،اصلاح نفس بھی،معارف و حقائق میں استغراق بھی،ذکر خفی کے سمندر میں غوطہ لگانا بھی،مراقبہ بھی یہ نعمتیں اگرچہ ایک ساعت کی ہوں ساٹھ سال کی خشک عبادت سے افضل ہیں اس لیے حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایک ساعت کی فکر ہزار سال کے خاص ذکر سے افضل ہے،خیال رہے کہ ان جیسے مقامات پر ساٹھ سال یا ستر سال سے مراد دراز زمانہ ہوتا ہے نہ کہ صرف یہ مدت۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا دراز حدیث بیان کی ۱؎ یہاں تک کہ فرمایا میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے وصیت کیجئے ۲؎ فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ یہ تمہارے تمام کاموں کی زینت ہے ۳؎ میں نے عرض کیا کہ کچھ زیادہ کیجئے فرمایا قرآن کی تلاوت اور اللہ کا ذکر اختیار کرو ۴؎ کہ یہ تمہارے چرچے کا باعث ہے آسمان میں اور تمہارے لیے نور ہے زمین میں ۵؎ میں نے عرض کیا کچھ زیادہ فرمایئے فرمایا تم دراز خاموشی اختیار کرو ۶؎ کہ یہ شیطان کو بھگانے والا ہے اور تمہارے دینی کام پر تمہارا مدد گار ہے ۷؎ میں نے عرض کیا کہ مجھے زیادہ دیجئے فرمایا زیادہ ہنسنے سے بچو کہ یہ دل کو مردہ کردیتا ہے اور چہرے کا نور زائل کردیتا ہے ۸؎ میں نے عرض کیا زیادہ کیجئے فرمایا حق بات کہو اگرچہ کڑوی ہو ۹؎ میں نے عرض کیا اور زیادہ دیجئے فرمایا اللہ کی راہ میں ملامت والے کی ملامت سے نہ ڈرو ۱۰؎ میں نے عرض کیا زیادہ کیجئے فرمایا کہ تم کو لوگوں سے وہ بات منع کرے جو تم اپنے میں جانتے ہو ۱۱؎	

۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض و معروض بہت دراز ہوئی جس کا ذکر دوسری جگہ ہے یہاں نہیں۔

۲؎ مجھے کوئی خاص تاکیدی حکم دیجئے اعلیٰ نصیحت فرمایئے۔اہلِ عرب بہت تاکیدی حکم یا اہم نصیحت کو وصیت کہتے ہیں کیونکہ انکے نزدیک وصیت ضرور پوری کی جاتی تھی،رب فرماتاہے:"یُوۡصِیۡکُمُ اللہُ"۔

۳؎ یعنی دین و دنیا کی تمام اچھی چیزوں کی زینت خوف خدا ہے۔خوفِ خدا کے ساتھ عقائد عبادات معاملات جو بھی کیے جاویں کامل ہوں گے،قران کریم میں ہے"وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ" تقویٰ دل کا غسل ہے،نیک عقائد دل کا لباس،نیک اعمال دل کا زیور سب چیزیں تقویٰ کے بعد ہیں۔

۴؎ کیونکہ تلاوت قرآن اور ذکر اللہ تقویٰ حاصل ہونے کا ذریعہ ہے اس سے دل نرم پڑتا ہے نرمی دل اللہ کی بڑی نعمت ہے،ہر چیز نرم ہو کر ہی کچھ بنتی ہے لوہا نرم ہوکر اوزار بنتا ہے،زمین میں نرمی کے بعد دانہ و تخم بوئے جاتے ہیں،آٹا پانی سے نرم ہوکر اعلی درجہ کی غذائیں بنتا ہے،دل نرم ہوکر ولی اللہ بن جاتا ہے۔

۵؎ اس فرمان عالی میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے"فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ"تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا،اللہ کے ذاکر کا فرشتے چرچا کرتے ہیں،اس سے چہرے پر نور دل میں سرور ہوتا ہے،لوگوں میں عزت نصیب ہوتی ہے آزمائش کرلو۔شعر

گر تو خواہی زیستین با آبرو — ذکر اوکن ذکر اوکن ذکر او

ہر گدارا ذکر او سلطان کند — ذکر مرزیور ایمان بود

ہر کہ دیوانہ بود در ذکر حق — زیر پائش عرش و کرسی نہ فلک

۶؎ یعنی دنیاوی کلام سے خاموشی اختیارکرو ذکر اللہ سے خاموشی مراد نہیں۔

۷؎ کیونکہ قریبًا اسّی فی صدی گناہ زبان سے ہوتے ہیں،زبان بند رکھو گناہ کم کرو گے تم پر شیطان کا داؤ کم چلے گا،خاموشی میں ذکروفکر کا زیادہ موقعہ ملے گا۔

۸؎ کیونکہ زیادہ ہنسی دل غافل کر دیتی ہے دل کی غفلت اس کی موت ہے قلب بیدار،زبان ذاکر،جسم صابر اللہ تعالٰی کی نعمتیں ہیں۔

۹؎ یعنی اگر حق بات لوگوں کو بری معلوم ہو تم پر اس کی وجہ سے کچھ تکلیف بھی آجائے مگر کہو ہمیشہ حق بات،اس حق بات سے مراد لوگوں کو اچھی نصیحتیں کرنا ہے۔

۱۰؎ لوگوں کے ڈر سے اچھے کلام اچھے کام نہ چھوڑدو دین پر سختی سے قائم رہو لوگ خواہ زندہ باد کہیں یا مردہ باد۔

۱۱؎ یعنی لوگوں کو ان عیوب پر ملامت نہ کرو جو تم میں خود موجود ہیں پہلے اپنی اصلاح کرو پھر دوسروں کی۔خیال رہے کہ اچھی باتیں بتانا اور چیز ہے اور عیب جوئی کچھ اور اپنے کو سب سے ناقص جانو۔شعر

غافل ازایں خلق از خود اے پسر — لاجرم گویند عیب یک دگر

	روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا اے ابو ذر کیا میں تم کو ایسی دو خصلتوں پر رہبری نہ کروں جو پیٹھ پر ہلکی ہیں ۱؎ ترازو میں بھاری ہیں ۲؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا ہاں تو فرمایا دراز

	خاموشی اور اچھی عادت۳؎اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مخلوق نے ان دو جیسے کام نہ کیے ہوں گے۴؎

۱؎یعنی ان پر عمل کرنا آسان ہے کچھ مشکل نہیں،چونکہ عمل میں پیٹھ کو بھی دخل ہوتا ہے اس لیے عمل کے لیے پیٹھ کا لفظ استعمال فرمایا جاتا ہے،نیز بوجھ پیٹھ پر ہی اٹھائے جاتے ہیں پیٹھ ہی ہلکا بھاری بوجھ محسوس کرتی ہے بہرحال کلام بڑا فصیح ہے یا مراد ہے زبان کی پیٹھ۔

۲؎یعنی کل قیامت میں یہ خصلتیں جب گناہوں سے تولی جائیں گی تو یہ بھاری ہوں گی گناہ ہلکے ہوجائیں گے، قیامت میں ہمارے کام و کلام کی شکل و صورتیں بھی ہوں گی ان میں وزن بھی ہوں گے وہاں نیکیوں کا وزن اخلاص سے ہوگا۔

۳؎خاموشی سے مراد دنیاوی باتوں سے خاموشی جس کے ساتھ فکر بھی ہے اللہ کے ذکر سے خاموشی اچھی نہیں۔اچھے اخلاق سے مراد ہے خلق و خالق کے حقوق اداکرنا،نرم وگرم حالات میں شاکر و صابر رہنا،چونکہ خاموشی اور صبروشکر میں کوئی خاص محنت نہیں پڑتی بلکہ ان کے ترک میں محنت ہوتی ہے اس لیے انہیں ہلکا فرمایا گیا۔

۴؎کیونکہ انکے فائدے دین و دنیا دونوں جگہ دیکھے جائیں گے۔واقعی ان دو کاموں سے بڑھ کر معاملات کا کوئی کام نہیں،یہاں معاملات کے مقابلہ میں عظمت بیان فرمائی گئی ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جناب ابوبکر پر گزرے حالانکہ آپ اپنے کسی غلام کو برا بھلا کہہ رہے تھے۱؎تو ان کی طرف توجہ فرما کر فرمایا کہ برا کہنے والے بھی اور صدیق بھی قسم ربِ کعبہ کی ہرگز نہیں۲؎تو اس دن جناب ابوبکر نے کچھ غلام آزاد کیے۳؎پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا اب کبھی نہ کروں گا۴؎یہ پانچوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی۔

۱؎یہاں **لعنت** سے لغوی لعنت مراد ہے برا بھلا کہنا یا بددعاکرنا شرعی لعنت جو کفار سے خاص ہے مراد نہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لعنت سے توبہ کراتے۔

۲؎یعنی تم تو خالق و مخلوق کے نزدیک صدیق ہو پھر تم کسی کو برا بھلا کیسے کہتے ہو یہ دو صفتیں ایک شخص میں جمع نہیں ہوتیں صدیق کے لیے صبر ضروری ہے۔مطلب یہ ہے کہ تم میں یہ عیب نہیں ہونا چاہیے نہایت ہی نفیس نصیحت ہے۔

۳؎یہ غلام آزاد کرنا اس غلطی کے کفارہ کے لیے تھا جو بلا شعور آپ سے سرزد ہوگئی،یہ ہے انتہائی تقویٰ بھلائیاں برائیوں کو مٹاتی ہیں۔

۴؎ چنانچہ اس کے بعد آپ نے کبھی کسی کو برا بھلا نہ کہااپنی فطرت کو نبوت کے سانچہ میں ڈھال لیا۔

روایت ہے حضرت اسلم سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک دن جناب عمر حضرت ابوبکر صدیق کے پاس آئے وہ اپنی زبان کھینچ رہے تھے۲؎ تو حضرت عمر نے ان سے عرض کیا ٹھہریئے اللہ آپ کو بخشے تو ان سے جناب ابوبکر نے فرمایا کہ اس نے مجھے ہلاکت کی جگہوں میں لا ڈالا ۳؎ (مالک)	

۱؎ آپ تابعی ہیں،آپ کی کنیت ابو خالد ہے،حبشی تھے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزادکردہ غلام تھے جنہیں حضرت فاروق نے مکہ معظّمہ میں ۱۱ھ میں خریدا،آپ کی عمر ایک سو چودہ سال ہوئی،مروان کے زمانہ میں وفات پائی ۸۰ھ اسّی ہجری میں۔

۲؎ اپنی زبان شریف کو کھینچ کر مروڑ رہے تھے یا اسے باہر نکال ڈالنے کی کوشش فرمارہے تھے گویا اپنی زبان کو سزا دے رہے تھے۔

۳؎ یہ انتہائی خوفِ خدا کی دلیل ہے حضرت صدیق کی زبان صدق کے سواء کیا بولے گی مگر پھر بھی اپنے کو قصور وار کہتے ہیں جیسے حضرات انبیاءکرام نے اپنے کو ظالم خاسر وغیرہ فرمایا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے رب انی ظلمت نفسی ظلماکثیرا۔شعر

زاہداں از گناہ توبہ کنند　　عارفاں از اطاعت استغفار

روایت ہے حضرت عبادہ بن صامت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے نفس کی طرف سے میرے لیے چھ چیزوں کے ضامن بن جاؤ میں تمہارے لیے جنت کا ضامن ہوں ۱؎ جب بات کرو سچ کہو،جب وعدہ کرو تو پورا کرو۲؎ جب امین بنائے جاؤ تو اداکرو۳؎ اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو۴؎ اپنی نگاہیں نیچے رکھو ۵؎ اپنے ہاتھ روکو۶؎	

۱؎ یعنی تم چھ عادتیں ڈال لو ان کے خلاف نہ کرو تو میں تمہارے جنتی ہونے کا ضامن ہوتا ہوں تم ضرور جنتی ہو گے بلکہ وہاں کا اعلیٰ درجہ پاؤ گے۔

۲؎ وعدہ سے مراد جائز وعدہ ہے وعدہ کا پورا کرنا ضروری ہے مسلمان سے وعدہ کرو یا کافر سے عزیز سے وعدہ کرو یا غیر سے استاذ،شیخ،نبی،اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے تمام وعدے پورے کرو،ہاں اگر کسی حرام کام کا وعدہ کیا ہے اسے ہرگز پورا نہ کرے حتی کہ حرام کام کی نذر پوری کرنا حرام ہے۔

۳؎امانت مال کی ہو یا بات کی یا کسی اور چیز کی ضرور اداکرے مسلمان کی امانت ہو یا کافر کی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی رات حضرت علی سے فرمایا کہ ان خونخوار کفار کی امانتیں میرے پاس ہیں وہ تم ادا کردینا۔امانت اور غنیمت میں بڑا فرق ہے۔

۴؎نہ اس سے حرام کاری کرو نہ خاوند بیوی کے سوا کسی پر ظاہر ہونے دو۔**فروج** سے مراد مردوعورت کی ستر غلیظ ہے۔

۵؎چلو پھرو تو نیچی نگاہ سے،بیٹھو تو نیچی نگاہ سے تاکہ غیر محرم کے دیکھنے سے بچو یہ حکم مردوعورت دونوں کو ہے،جہاں اوپر دیکھناضروری ہے یا جائز ہے وہاں ضرور دیکھو،عالم،ماں باپ کا چہرہ،چاند وغیرہ ضرور دیکھو یہاں شرم حیاء کا ذکر ہے۔

۶؎کہ اپنے ہاتھ سے کسی پر ظلم نہ کرو اس سے ناجائز چیز نہ چھوؤ۔

	روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن غنم اور اسماء بنت یزید سے ۱؎کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں کہ جب دیکھے جائیں تو اللہ یاد آجائے۲؎اور اللہ کے بدترین بندے وہ ہیں جو چغلی سے چلیں،دوستوں کے درمیان جدائی ڈالنے والے۳؎پاک لوگوں میں عیب ڈھونڈنے والے۴؎(احمد،بیہقی شعب الایمان)

۱؎عبدالرحمٰن غنم اشعری شامی ہیں،جلیل القدر تابعی ہیں،آپ نے حضور انور کا زمانہ پایا مگر زیارت نہ کرسکے، حضرت معاذ ابن جبل کے ساتھ رہے،اسماء بنت یزید ابن سکن صحابیہ ہیں اسی لیے شارحین فرماتے ہیں کہ بہتر یہ تھا کہ حضرت اسماء کا نام شریف پہلے ذکر کیا جاتا۔

۲؎یعنی ان کے چہروں پر انوار و آثار عبادت ایسے ہوں کہ انہیں دیکھتے ہی رب یاد آجاوے ان کے چہرے آئینہ خدا نما ہوں۔حضور فرماتے ہیں کہ علی کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے آپ کو جو دیکھتا تھا کہتا تھا لا الہ الا اللہ کیسا کریم بہادر حلیم جوان ہے۔(مرقات)بعض لوگوں کے پاس بیٹھنے سے قلب جاری ہوجاتا ہے،حضور داتا صاحب کے مزار مقدس پر پہنچ کر دل کی دنیا بدل جاتی ہے،مصری عورتوں نے جمال یوسفی دیکھتے ہی کہا تھا حاشاللہ،یہ ہے اللہ کی یاد آجانا۔یہاں حضرت شیخ عبدالحق نے فرمایاکہ میں ایک بار مکہ معظّمہ کے بازار میں سر نیچا کیے جارہا تھاکہ اچانک ایک شخص پر نظر پڑی میرے منہ سے فورًا **لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ لہ الملك ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر**۔(اشعہ)

۳؎معلوم ہوا کہ فسادونفاق کے لیے چغلی کھانا ممنوع ہے،صلح کرانے کے لیے ایک دوسرے کو اچھی باتیں پہنچانا عبادت ہے۔

۴؎ باغون جمع باغی کی جس کا مادہ بغی ہے بمعنی چاہنا ڈھونڈھنا۔براء جمع ہے بری کی بمعنی دور یعنی جو عیب سے دور ہوں ان میں عیب جوئی کرنے والے۔اپنے عیب ڈھونڈھنا عبادت ہے دوسروں کے عیب ڈھونڈھنا برا ہے۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی کے مقبول بندوں میں عیب جوئی کفر ہے،بعض بدنصیبوں کو نبیوں ولیوں میں عیب جوئی کی عادت ہوتی ہے۔

	روایت ہے ابن عباس سے کہ دو شخصوں نے نماز ظہر یا عصر پڑھی اور وہ دونوں تھے روزہ دار ۱؎ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری فرمائی تو فرمایا کہ اپنے وضو اپنی نمازیں لوٹاؤ اور اپنے روزوں میں گزر جاؤ (پورے کرلو)اور دوسرے دن ان کی قضا کرو ۲؎ وہ بولے یارسول اللہ کیوں فرمایا تم نے فلاں کی غیبت کی۔

۱؎ یعنی یہ دونوں روزہ دار بھی تھے مدینہ منورہ کی سرزمین میں بھی مسجد نبوی شریف میں بھی اور حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے پیچھے انہوں نے نماز بھی پڑھی اتنی خوبیوں کے ساتھ انہوں نے کسی مسلمان کی غیبت بھی کرلی۔

۲؎ قرآن کریم نے غیبت کو مردہ بھائی کا گوشت کھانا قرار دیا ہے"اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡہِ مَیۡتًا"۔اور ظاہر ہے گوشت کھانے خون پینے سے روزہ بھی ٹوٹ جاتا ہے نماز بھی۔خلاصہ یہ ہے کہ گناہ نیکیوں کا کمال دور کردیتے ہیں جیسے نیکیاں اصل گناہوں کا زوال کردیتی ہیں،نیز غیبت کی وجہ سے غیبت کرنے والے کی نیکیاں مغتاب کو دے دی جاتی ہیں اس کا روزہ نماز مغتاب کو دے دیا گیا یہ بغیر روزہ نماز رہ گیا لہذا اسے دوبار ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔سیدنا عبداللہ فرماتے ہیں کہ غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے نماز پڑھی ہوئی بے کار ہوجاتی ہے ان کی دلیل یہ ہی حدیث ہے۔(مرقات)باقی حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے روزہ نماز کا کمال ٹوٹ جاتا ہے بہرحال یہ حکم عالی تنبیہ فرمانے کے لیے ہے۔

	روایت ہے ابوسعید و جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غیبت زنا سے زیادہ سخت ہے ۱؎ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ غیبت زنا سے سخت کیسے ہے فرمایا کہ کوئی شخص زنا کرتا ہے تو توبہ کرلیتا ہے اللہ اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ اسے بخش دیتا ہے اور غیبت والے کی بخشش نہیں ہوتی حتی کہ اس کا صاحب وہ معاف کرے ۲؎

۱؎یعنی غیبت ہے تو گناہ صغیرہ اور زنا ہے گناہ کبیرہ مگر شدت اور نتیجہ میں غیبت زنا سے بدتر ہے،یہ نرمی کی وجہ آگے بیان ہورہی ہے۔

۲؎خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ زنا گناہ ہے اس کی شرعی سزا بھی بہت سخت ہے مگر ہے حق اللہ جو توبہ سے معاف ہوسکتا ہے،غیبت حق العبد ہے کہ توبہ سے معاف نہیں ہوسکتا جب تک کہ صاحبِ حق معاف نہ کرے، اگر وہ مرگیا تو اس کی معافی کی کوئی صورت ہی نہیں۔حق اللہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ بندے کے معاف کرنے سے معاف نہ ہو،حق العبد کی پہچان یہ ہے کہ بندے کے معاف کرنے سے معاف ہوجاوے۔زنا حق اللہ،قتل حق العبداس لیے قتل کا قصاص ولی مقتول کے معاف کرنے سے معاف ہوجاتا ہے،زنا اگر زانی مزنیہ کے سارے عزیز معاف کردیں اس کی سزا معاف نہیں ہوتی۔

	اور حضرت انس کی روایت ہے کہ فرمایا زنا والا توبہ کرسکتا ہے اور غیبت والے کی توبہ نہیں ۱؎ان تینوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

۱؎اس فرمان عالی کے دو معنی ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ غیبت کا گناہ توبہ کرلینے سے معاف نہیں ہوتااس کی معافی کے لیے مغتاب کا معافی دینا ضروری ہے۔دوسرے یہ کہ لوگ زنا کو سخت گناہ سمجھتے ہیں اس لیے توبہ کرلیتے ہیں مگر غیبت کو معمولی چیز سمجھ کر اس سے توبہ نہیں کرتے حالانکہ یہ سخت گناہ ہے اس لیے زنا کبھی کوئی کرتا ہے مگر غیبت سب ہمیشہ کرلیتے ہیں الاماشاءاللہ۔یہ وبا عام ہے اس کو لوگ برا بھی نہیں سمجھتے اس سے بچو۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کے کفارہ میں سے یہ ہے کہ تو اس کے لیے دعاءِ مغفرت کرے جس کی تو نے غیبت کی ہے،کہے کہ الٰہی ہم کو اور اس کو بخش دے ۱؎(بیہقی دعوات کبیر)اور بیہقی نے فرمایا کہ اس حدیث کی اسناد میں ضعف ہے۔

۱؎اس فرمان عالی کے بہت معنی کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ اگر غیبت کی خبر غیبت والے کو پہنچ گئی تب تو وہ حق العبد بن گئی اس سے جاکر معافی مانگے اور اگر اس کی خبر غیبت والے کو نہ پہنچی تو حق اللہ سے توبہ کرے مگر اس توبہ میں غیبت والے کو بھی شامل کرے۔دوسرے یہ کہ اگر غیبت والا زندہ ہے تو اس سے معافی مانگے اور اگر مرچکا ہے تو اس کے لیے دعائے مغفرت کرے۔تیسرے یہ کہ غیبت والے سے معافی مانگے اگر وہ معاف کردے تو خیر اگر معاف نہ کرے تو اس کے لیے دعاءِ مغفرت کرے۔مولانا علی قاری نے فرمایا کہ اگر غیبت کی خبر غیبت والے کو پہنچ جاوے تو حق العبد ہوجاتی ہے اگر خبر نہ پہنچے تو حق اللہ رہتی ہے مگر میرے مرشد برحق صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی قدس سرہٗ نے فرمایاکہ غیبت بہرحال حق العبد ہے خواہ اسے خبر پہنچے یا نہ پہنچے جیسے کسی کا مال مار لینا بہرحال حق العبد ہے خواہ مال والے کو خبر پہنچے یا نہ پہنچے کیونکہ غیبت سے غیبت

والے کی آبرو ریزی ہوتی ہے اور آبرو بھی مال کی طرح حق العبد ہے اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ مردے کی غیبت زندہ کی غیبت سے سخت تر ہے کہ مردے سے معافی نہیں مانگی جاسکتی۔اس میں اختلاف ہے کہ غیبت والے سے معافی مانگے تو اجمالًا مانگے یا تفصیلًا یعنی یہ بتاکر معافی مانگے کہ میں نے تجھے یہ کہا تھا یا صرف یہ کہہ دے کہ میں نے تیری غیبت کی تھی مجھے معاف کردے۔

باب الوعد

وعدے کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ لغت میں اچھی چیز کی امید دلانے یا بری چیز سے ڈرانے ان دونوں کو وعدہ کہا جاتا ہے۔اصطلاح میں کسی چیز کی امید دلانے کو وعدہ کہتے ہیں، بری چیز سے ڈرانے کو وعید۔میں تم کو کچھ دوں گا وعدہ ہے، تم کو سزا دوں گا وعید ہے۔یہاں وعدہ اصطلاحی مراد ہے خلاف وعدہ کرنا جھوٹ ہے خلاف وعید کرنا معافی، وعدہ خلافی بری چیز ہے معافی اچھی چیز ہے۔

	روایت ہے جابر سے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے وفات پائی اور حضرت ابو بکر کے پاس علاء بن حضرمی کے پاس سے مال آیا ۱ تو جناب ابو بکر نے اعلان فرمایا کہ جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ قرض ہو یا اس سے حضور کا کوئی وعدہ ہو تو ہمارے پاس آئے ۲ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا کہ مجھے اتنا اور اتنا اور اتنا دیں گے ۳ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے تھے ۴ حضرت جابر کہتے ہیں کہ جناب صدیق نے مجھے ایک لپ بھر دیا ۵ میں نے گنا تو وہ پانچ سو تھے فرمایا اس کے دوگنے اور لے لو ۶ (مسلم، بخاری)

۱ علاء ابن حضرمی صحابی ہیں، حضر موت کے رہنے والے ان کا نام عبداللہ ہے، حضور انور نے انہیں یمن کا حاکم مقرر فرمایا عہد صدیقی وفاروقی میں بھی اسی عہدے پر رہے حتی کہ ۱۴ھ چودہ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی، یہاں یمن سے مال آنے کا ذکر ہے۔(مرقات)

۲ اور ہم سے حضور کا قرض وصول کرے حضور کا وعدہ پورا کرائے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ وعدہ مثل قرض کے ہے۔دوسرے یہ کہ مرحوم کی طرف سے اس کے قرض ادا کر دینا اس کے وعدے پورے کرنا سنت ہے خواہ کوئی میت کا عزیز کرے یا کوئی اور اس وجہ سے حضرت صدیق باغ فدک کی آمدنی حضور کے اہل پر خرچ کرتے تھے۔(مرقات)

۳ یعنی تم کو تین لپ بھر کر درہم دینار عطافرمائیں گے یہ وعدہ عطیہ خسروانہ عنایت شاہانہ کے طور پر تھا۔

۴ یعنی حضور انور نے اپنے لپ بھر کر عطا کا وعدہ فرمایا تھا نہ کہ میرے لپ بھر کر۔

۵ معلوم ہوا کہ حضور کے بعد حضرت ابو بکر صدیق کا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ کرم تھا کہ حضور انور نے اپنے لپ بھر دینے کا وعدہ فرمایا تھا حضرت صدیق اکبر نے اپنا ہاتھ بھر کر انکی جھولی میں ڈالا تھا۔

۶؎ آپ نے خود تین لپ بھر کر نہ دیئے تاکہ اصل اور نائب کے لپ میں فرق رہے۔خیال رہے کہ آپ نے حضرت جابر سے اس وعدہ پر گواہی نہیں مانگی نہ قسم لی کیونکہ معاملات میں گواہی منکر کے مقابل ہوتی ہے یہاں کوئی منکر تھا نہیں اور حضرات صحابہ ثقہ عادل ہیں ان کے قول بغیر قسم قبول ہیں،وہ حضرات حضور سے احادیث روایت کرتے ہیں تو ان پر نہ جرح ہوتی ہے نہ ان سے قسم لی جاوے۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کی تقسیم نہیں ورنہ حضرت جابر جناب فاطمہ زہراہ حضرت عباس سے یہ وعدہ پورا کراتے۔دوسرے یہ کہ جو ذاتِ کریم ایسی دیانتدار ہو وہ خلافت جیسی اہم چیز کبھی غصب نہیں کرسکتی حضرت صدیق اکبر خلیفہ برحق ہیں،دیانتدار ہیں،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشین اسلام کے پہلے تاجدار ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوجحیفہ سے۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید رنگت والا دیکھا کہ بڑھاپا آگیا تھا۲؎ اور حضرت حسن بن علی آپ کی ہم شکل تھے۳؎ اور ہمارے لیے تیرہ اونٹنیوں کا حکم جاری فرمایا ہم قبضہ کرنے گئے تو ہم کو آپکی وفات کی خبر پہنچ گئی۴؎ لوگوں نے ہم کو کچھ نہ دیا۵؎ پھر جب حضرت ابوبکر قائم مقام ہوئے تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جس کا کوئی وعدہ ہو وہ آئے۶؎ میں آپ کے طرف گیا میں نے آپ کو یہ خبر دی تو آپ نے ہمارے لیے ان کا حکم دیا ۷؎(ترمذی)	

۱؎ آپ کا نام وہب ابن عبداللہ ہے،کنیت ابوجحیفہ،لڑکپن میں حضور سے ملاقات کی،کوفہ میں قیام رہا،حضرت علی نے آپ کو وزیر خزانہ بنایا،آپ کے ساتھ تمام جنگلوں میں شامل رہے،کوفہ میں ۷۴ھ چوہتر میں وفات پائی وہاں ہی مزار ہے۔

۲؎ سفید مائل بہ سرخی خالص چٹا نہیں سر مبارک اور ڈاڑھی شریف میں بیس بال شریف سفید ہوئے جیسا کہ دوسری احادیث سے ثابت ہے۔

۳؎ سر سے ناف تک حضرت حسن حضور کے ہم شکل تھے،ناف سے قدم تک حضرت حسین حضور کے ہم شکل تھے اور از سر تا پا جناب فاطمہ زہرا ہم شکل مصطفیٰ تھیں اس لیے حضرت معاویہ امام حسن کو اپنے تخت پر بٹھاتے تھے اور آپ کا نہایت درجہ احترام فرماتے تھے،کہتے تھے کہ یہ ہم شکل رسول آل رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہم۔

۴؎ یعنی ہماری قوم کے لیے حضور انور سے تیرہ اونٹنیاں لے لینے کا حکم جاری فرمایا مدینہ منورہ سے کچھ دور جہاں حضور انور کی وفات کی خبر شائع ہوگئی۔

۵؎ یعنی جو اصطبل کے منتظم تھے انہوں نے ہم کو یہ اونٹنیاں نہ دیں کیونکہ حضور انور کی طرف سے ہبہ تو ہوگیا تھا مگر ابھی قبضہ نہیں ہوا تھا اور ہبہ بغیر قبضہ مکمل نہیں ہوتا اس لیے ان لوگوں کو اونٹنیاں دینے قبضہ کرانے کا حق نہ تھا۔

۶؎ جب خلافت کا معاملہ مکمل ہوگیا اور حالات پرسکون ہوگئے تب آپ نے یہ اعلان فرمایا اس لیے **فلما قام** فرمایا۔(مرقات)

ے یعنی ان اونٹنیوں پر قبضہ کر لینے کا حکم جاری فرمایا۔ خیال رہے کہ بہت سے وعدے اکیلے میں کیے جاتے ہیں جن پر گواہ نہیں ہوتے اگر جناب صدیق گواہی کی قید لگاتے تو حضور انور کے بہت سے وعدے پورے نہ ہوسکتے اس لیے انہوں نے بغیر گواہ وعدے جاری فرمائے، نیز حضرات صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں وہاں جھوٹ کا احتمال نہیں دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی الحسماء سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ظہور سے پہلے حضور سے خرید وفروخت کی ۲؎ اور آپ کا کچھ بقایا رہ گیا میں نے وعدہ کیا کہ میں اسی جگہ وہ چیز لاتا ہوں پھر میں بھول گیا تین دن کے بعد مجھے یاد آیا تو حضور انور اس جگہ تھے ۳؎ فرمایا کہ تم نے مجھ پر مشقت ڈال دی میں تین دن سے یہاں ہی تمہارا انتظار دیکھ رہا ہوں ۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ حق یہ ہے کہ آپ کا نام عبداللہ ابن الحمساء ہے یعنی میم سین سے پہلے ہے مصابیح میں حسماء لکھا گیا ہے،آپ عامری ہیں، مکی ہیں مگر بصریٰ میں قیام رہا۔ (اشعہ)

۲؎ یہ بیع معاوضہ تھی یعنی سامان کے عوض سامان کی اس لیے بایعت باب مفاعلت سے فرمایا۔ (مرقات) یہ واقعہ ظہور نبوت سے پہلے کا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و دیانت کس شان کی تھی اور نبوت کے ظہور سے پہلے کیسے سچے تھے۔

۳؎ عبداللہ نے حضور سے عرض کیا تھا کہ آپ کا بقایا اسی جگہ لاتا ہوں حضور مجھے یہاں ہی ملیں حضور انور نے قبول فرمالیا تھا کہ تم کو یہاں ہی ملوں گا یہ ملنے کا وعدہ حضور کی طرف سے ہوا تھا لہذا حدیث واضح ہے اس پر اعتراض نہیں کہ حضور نے تو کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔

۴؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہاں ٹھہرنا اپنا مال لینے کے لیے نہ تھا اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے تھا مال تو ان کے گھر جا کر بھی وصول کیا جاسکتا تھا۔ سچ اور وعدہ پورا کرنا تمام نبیوں کی سنت ہے،اللہ تعالٰی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے فرماتا ہے: "وَ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤى"اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے فرماتا ہے: "اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ"۔

روایت ہے حضرت زید ابن ارقم سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی جب کوئی شخص اپنے بھائی سے وعدہ کرے اور اس کی نیت پورا کرنے کی ہو پھر پورا نہ کرسکے وعدہ پر نہ آسکے تو اس پر گناہ نہیں ۱؎ (ابوداؤد،ترمذی)	

۱؎ جائز وعدہ پورا کرنا عام علماء کے نزدیک مستحب ہے وعدہ خلافی مکروہ، بعض علماء کے نزدیک ایفاء وعدہ واجب ہے وعدہ خلافی حرام ہے یہ حدیث ان ہی حضرات کی دلیل ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر وعدہ کرنے والا پورا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو مگر کسی عذر یا مجبوری کی وجہ سے پورا نہ کرسکے تو وہ گنہگار نہیں،یوں ہی اگر کسی کی نیت وعدہ خلافی کی ہو مگر اتفاقًا پورا کردے تو گنہگار ہے اس بدنیتی کی وجہ سے ہر وعدہ میں نیت کو بڑا دخل ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ بن عامر سے ۱؎ فرماتے ہیں مجھے میری	

	ماں نے ایک دن بلایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ہمارے گھر تشریف فرماتے تھے وہ بولیں آ تجھے دوں گی۲؎ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم انہیں کیا دینا چاہتی ہو۳؎ بولیں میں نے اسے کھجوریں دینے کا ارادہ کیا تب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہو اگر تم اسے کچھ نہ دیتیں تو تم پر جھوٹ لکھا جاتا ۴؎(ابوداؤد، بیہقی شعب الایمان)

۱؎ آپ عبداللہ ابن عامر ابن کریز ابن حبیب ابن عبد شمس ابن عبد مناف ہیں،قرشی ہیں،جناب حضرت عثمان غنی کے ماموں ہیں،تیرہ برس کی عمر شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے،خلافت عثمانی میں بصرہ خراسان کے حاکم رہے،امیر معاویہ نے آپ کو اس عہد پر قائم رکھا،خراسان کے فاتح آپ ہی ہیں فارس،اصفہان،کرمان،حلوان وغیرہ آپ نے ہی فتح کیے،بصرہ کی نہر آپ نے ہی کھدوائی،بڑے عالم سخی عابد تھے ۵۹ھ انسٹھ میں وفات پائی۔(مرقات واشعہ)

۲؎ چھوٹے بچے ضد کرکے گھر سے بھاگ جاتے ہیں جب ماں کچھ دینے کا بہانہ کرکے بلاتی ہے تب آتے ہیں یہ ہی واقعہ یہاں ہوا تھا۔

۳؎ یعنی تم نے جو کہا کہ تجھے کچھ دوں گی یہ جملہ خبریہ ہے جس میں سچ کا بھی احتمال ہے جھوٹ کا بھی بتاؤ تم اس بچہ کو کچھ دو گی یا نہیں اگر دینا نہیں ہے تو یہ کلام جھوٹا ہوا۔

۴؎ یہ فرمان عالی بہت ہی سبق آموز ہے کہ ماں چھوٹے بچوں کو جھوٹے بہانے سے نہ بلائے غلط خبر نہ دیں کہ یہ بھی جھوٹ ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت زید ابن ارقم سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا جو کسی شخص سے وعدہ کرے پھر ان میں سے ایک نماز کے وقت تک نہ آئے۱؎ اور جانے والا نماز کے لیے چلا جاوے تو اس پر گناہ نہیں۲؎(رزین)

۱؎ یعنی دو مسلمانوں نے آپس میں وعدہ کیا کہ ہم فلاں وقت فلاں جگہ ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے وہاں آجانا۔

۲؎ یعنی ان دونوں سے ایک آدمی تو وقت پر پہنچ گیا دوسرا نہ پہنچا کہ وقت نماز آگیا یہ پہنچ جانے والا نماز کو چلا گیا پھر اس کے پیچھے دوسرا آیا تو وہ نماز کو چلا جانے والا گنہگار نہیں ہوا وہ اپنے وعدہ پر پہنچ گیا تھا۔خیال رہے کہ وہ جو حدیث شریف میں گزرا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وعدے کے موقعہ پر تین دن ایک ہی جگہ قیام فرمایا وہ واقعہ فرضیت نماز بلکہ ظہور نبوت سے پہلے کا ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ وعدہ پورا کرنا مستحب ہے،نماز فرض ہے،جماعت مستحب کے لیے فرض یا واجب نہیں چھوڑا جاسکتا۔

باب المزاح

خوش طبعی کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱مزاح میم کے پیش سے بھی آتا ہے میم کے کسرہ سے بھی،میم کے پیش سے ہو تو خوش دلی کی بات مراد ہوتی ہے،میم کے کسرہ سے دل خوش بات کرنا۔ایسی بات جس سے اپنا اور سننے والے کا دل خوش ہوجاوے مزاح ہے اور جس سے دوسرے کو تکلیف پہنچے جیسے کسی کا مذاق اڑانا سخریہ ہے۔مزاح اچھی چیز ہے سخریہ بری بات ہے۔جن احادیث میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاح سے منع فرمایا وہاں سخریہ مراد ہے یا ہمیشہ دل لگی کرتے رہنا ہنستے ہنساتے رہنا کہ اس سے دل مردہ ہوتا ہے غفلت طاری ہوجاتی ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کبھی خوش طبعی کرنا ثابت ہے جیساکہ اس باب میں آوے گا اسی لیے علماء کرام فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی خوش طبعی کرنا سنت مستحبہ ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں گھلے ملے رہتے تھے۱حتی کہ میرے بھائی سے کہتے تھے۲کہ ابو عمیر چڑیا کیا ہوئی ۳اون کی ایک چڑیا تھی جس سے وہ کھیلتے تھے وہ مر گئی ۴(مسلم،بخاری)	

۱بعض روایات میں ہے لیخاطبنا یعنی ہم سے کلام فرماتے تھے۔

۲ابو عمیر حضرت انس کے چھوٹے بھائی تھے اخیافی،ان کے باپ کا نام زید ابن سہیل تھا،کنیت ابو طلحہ،ابو عمیر کا نام کبشہ تھا۔(مرقات)

۳بعض شارحین نے فرمایا کہ نغیر بلبل کا نام ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ کوئی اور چڑیا ہے جس کی چونچ سرخ ہوتی ہے حضور کا یہ فرمان حضرت ابو عمیر کو تسکین دینے یا ان کا دل بہلانے کے لیے تھا۔

۴اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ چڑیا پالنا اسے پنجرے میں رکھنا اس سے بچوں کا کھیلنا جائز ہے بشرطیکہ اس کے دانہ پانی آرام کا خیال رکھے۔دوسرے یہ کہ حرم مدینہ میں شکار کرنا درست ہے ورنہ چڑیا کا پنجرہ میں رکھنا بھی حرام ہوتا جیساکہ حرم مکہ کا حال ہے کہ وہاں نہ تو شکار کرنا درست ہے نہ شکار کو پنجرے وغیرہ میں رکھنا درست۔تیسرے یہ کہ معلوم بات کا پوچھنا کسی اچھے مقصد کے لیے درست ہے۔حضور کو خبر تھی کہ چڑیا مرگئی پھر بھی پوچھ رہے کہ چڑیا کیا ہوئی۔چوتھے یہ کہ بچوں سے خوش طبعی کرنا ان کا دل بہلانے کے لیے جائز

ہے،پانچویں یہ کہ ہم وزن نام بولنا درست ہے جیسے حضور انور نے فرمایا ابو عمیر،نغیر۔خیال رہے کہ کبوتر پالنا درست ہے کبوتر بازی حرام ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے ابوہریرہ سے فرماتے ہیں صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ ہم سے خوش طبعی فرماتے ہیں ا؎ فرمایا ہم نہیں کہتے مگر سچی بات ۲؎(ترمذی)

ا؎ یعنی آقا حضور دونوں جہاں کے والی ہیں ہم لوگ نوکر چاکر حضور کے خدام ہیں،ہم جیسوں سے حضور انور کا خوش طبعی فرمانا حیرت در حیرت ہے یا مطلب یہ ہے کہ وہ حضرت خوش طبعی کو ناجائز سمجھتے تھے تب یہ عرض کیا۔

۲؎ یعنی وہ دل لگی و مذاق حرام ہے جس میں جھوٹ بولا جاوے یا کسی کو ذلیل کیا جاوے ہماری خوش طبعی میں یہ دونوں باتیں نہیں ہوتی لہذا یہ جائز ہے۔خیال رہے کہ ہر وقت دل لگی و مذاق ہیبت دور کردیتا ہے اس لیے کبھی کبھی شاذونادر ہی چاہیے۔

	روایت ہے حضرت انس سے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری مانگی تو فرمایا کہ ہم تم کو اونٹنی کے بچہ پر سوار کریں گے ا؎ وہ بولا میں اونٹنی کے بچہ کا کیا کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اونٹ کو اونٹنی ہی جنتی ہے ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)

ا؎ اصطلاح میں اونٹنی کا بچہ چھوٹے اونٹ کو کہتے ہیں جو سواری کے لائق نہ ہو۔یہ ہوئی خوش طبعی وہ صاحب بھی یہ ہی سمجھے کہ حضور انور مجھے چھوٹا سا اونٹنی کا بچہ عطا فرمائیں گے اس پر انہوں نے وہ عرض و معروض کی جو آگے آرہی ہے۔

۲؎ یعنی اونٹ بڑا ہوکر بھی اونٹنی کا ہی بچہ رہتا ہے کسی اور جانور کا بچہ نہیں بن جاتا۔معلوم ہوا کہ خوش طبعی میں کسی لفظ کے بعید معنی مراد لینا جائز ہے۔

	روایت ہے انہیں سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے دو کانوں والے ا؎(ابوداؤد،ترمذی)

ا؎ حضرت انس کے دونوں کان کسی قدر بڑے تھے اس لیے انہیں دوکان والے فرمایا جیسے خرباق ابن ساریہ کو ذوالیدین فرمایا کرتے تھے یا حضرت انس کی قوت سماعت بہت قوی تھی یا آپ بہت ذکی و ذہین تھے۔بہرحال اس فرمان عالی میں حضرت انس کی تعریف بھی ہے اور خوش طبعی بھی،یہ ہے اس سید الصادقین کی خوش طبعی۔(مرقات)

روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے ایک بوڑھی سے فرمایا۱؎ کہ جنت میں بوڑھی نہ جائے گی وہ بولی ان کا کیا بنے گا ؟ ۲؎ وہ قرآن پڑھتی تھی ۳؎ فرمایا کیا تم قرآن میں نہیں پڑھتی کہ ہم انہیں پیدا کریں گے دوبارہ پیدائش تو انہیں کنواریاں بنادیں گے ۴؎ (رزین) اور شرح سنہ میں مصابیح کے لفظ سے ہے۔	

۱؎ ان بی بی صاحبہ نے حضور انور سے جنت کی دعا کرائی تب یہ فرمایا یہ بی بی صاحبہ غالبًا حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب ہیں حضور انور کی پھوپھی حضرت زبیر ابن عوام کی والدہ یہ واقعہ دوبار ہوا ہے: ایک بار حضرت صفیہ سے یہ فرمایا تھا،دوسری بار کسی اور بی بی صاحبہ سے رضی اللہ عنہما۔ نہ معلوم یہ کس واقعہ کا ذکر ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی بوڑھی عورتیں مؤمنہ صالحہ ہوتی ہیں پھر بھی اگر وہ جنت میں نہ جائیں تو کہاں جائیں گی انہوں نے بہت مایوسی و تعجب سے یہ سوال کیا۔

۳؎ یعنی وہ بی بی صاحبہ قرآن مجید کی عالمہ،نہایت ذکیہ،صاحب فہم تھیں تب ہی انہوں نے حضور انور سے یہ سوال کیا تھا۔

۴؎ یعنی جب وہ بوڑھی عورتیں جنت میں جانے لگیں تو بوڑھی نہ رہیں گی بلکہ نوجوان بنا دی جاویں گی ہمیشہ کنواریاں رہیں گی لہذا ہم ذات کی نفی کرتے نہیں صفت بڑھاپے کی نفی فرماتے ہیں۔جنتی عورتوں کی عمر تیس یا تینتیس سال ہوگی یہ ہی عمر ہمیشہ رہے گی۔بعض مفسرین نے "اِنَّاۤ اَنۡشَاۡنٰهُنَّ" کی ضمیر حوروں کی طرف راجع کی ہے مگر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کی ساری عورتیں خواہ حوریں ہوں یا دنیا کی بیویاں سب کی طرف لوٹ رہی ہے سب کی عمر یہ ہی ہے۔

روایت ہے انہی سے کہ ایک شخص دیہاتیوں میں سے ان کا نام زاہر ابن حرام تھا۱؎ وہ گاؤں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہدیہ لاتے تھے ۲؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سامان دیتے تھے جب وہ جانا چاہتے ۳؎ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زاہر ہمارے دیہاتی بھائی ہیں اور ہم زاہر کے شہری ہیں ۴؎ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت کرتے تھے وہ خوبصورت نہ تھے ۵؎ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے زاہر اپنا سامان بیچ رہے تھے حضور نے ان کو پیچھے سے گود میں لے لیا ۶؎ وہ حضور کو نہ دیکھتے تھے بولے یہ کون ہیں مجھے چھوڑ دو انہوں نے التفات کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا	

	۷؎ تو انہوں نے کمی نہیں کی اپنی پیٹھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ سے رگڑنے لگے جب کہ حضور کو پہچان لیا ۸؎ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے اس غلام کو کون خریدتا ہے ۹؎ وہ بولے تب تو رب کی قسم آپ مجھے بے قیمت پائیں گے ۱۰؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن تم اللہ کے نزدیک بے قیمت نہیں ہو ۱۱؎ (شرح سنہ)

۱؎ ان خوش نصیب صحابی کے حالات معلوم نہ ہوسکے حتی کہ صاحب مشکوۃ نے اپنی کتاب اکمال میں بھی بیان نہیں کیے کیونکہ یہ صحابی کسی حدیث کے راوی نہیں۔

۲؎ یعنی دیہاتی چیزیں پھل پھلاری، کھیت کی پیداوار وغیرہ حضور انور کے لیے تحفہ ہی لایا کرتے تھے۔

۳؎ یعنی جب زاہر مدینہ منورہ سے واپس جانے لگتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہری چیزیں بطور ہدیہ و سوغات ان کو دیتے کہ وہ اپنے بچوں کے لیے گھر لے جائیں۔

۴؎ یعنی زاہر ہماری دیہاتی ضرورتیں پوری کرتے رہتے ہیں اور ہم زاہر کی شہری ضروریات پوری کرتے رہتے ہیں گویا زاہر ہمارا گاؤں ہیں اور ہم زاہر کا شہر یہ اخلاق کریمانہ ہیں کہ اپنے غلاموں نیاز مندوں کو ان القاب سے نوازتے ہیں۔

۵؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت ہی محبت فرماتے تھے اگرچہ وہ ویسے ہی تھے جیسے حبشی لوگ خصوصًا دیہاتی ہوتے ہیں شکل و لباس دیہات کا سا۔ **دمیم** کے معنی ہوتے ہیں بدشکل۔(مرقات) مگر اس کی شکل پر ہزاروں خوبصورت قربان جسے پیا چاہے وہ سہاگن

۶؎ اس طرح کہ حضور انور ان کے پیچھے بیٹھے انہیں پیچھے سے اپنی گود میں لے لیا ان کی بغلوں میں سے ہاتھ ڈال کر اپنا ہاتھ شریف زاہر کی آنکھوں پر رکھ لیا یعنی پہچانو ہم کون ہیں۔ کاش! میں اس وقت زاہر کے پاس ہوتا تو اس کے قدم سے اپنی آنکھیں ملتا۔ رضی اللہ تعالٰی عنہ یہ واقعہ بیچ بازار میں ہورہا ہے۔

۷؎ حضرت زاہر پہچان تو پہلے ہی گئے ہوں گے بھلا حضور کی خوشبو مہک کسی اور میں کہا۔ مقصد یہ ہے کہ جب انہوں نے حضور کو آنکھوں دیکھ لیا بذریعہ کنکھیوں کے لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر میں ایسی خوشبو تھی کہ جس گلی سے گزرتے وہاں کے گھروں میں بیٹھے ہوئے لوگ پہچان جاتے تھے کہ حضور گزرے۔ شعر

آمدی از پس ببازی چشم پوشیدی مرا   اے نگاہ دست رنگین دست بکشا کیتی

۸؎ حضرت زاہر نے یہ موقعہ غنیمت جانا کہ خود حضور انور نے مجھے اپنی گود میں لے لیا ہے اور اپنا سینہ میری پشت سے متصل کردیا ہے ایسے موقعہ بار بار ہاتھ نہیں آتے اس لیے اپنی پشت کو حضور کے سینہ انور سے خوب مس کیا برکت حاصل کرنے کے لیے۔ معلوم ہوا کہ اپنے خدام سے خوش طبعی کرنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور برکت کے لیے بزرگوں کا جسم ان کے کپڑے چھونے سنت صحابہ ہے۔

۹؎ یہ کلام بالکل حق ہے۔عبد سے مراد ہے عبداللہ،خریدنے سے مراد ہے اس کے عوض دوسرا لانا یعنی کون ہے جو اس جیسا اللہ کا بندہ مجھے دکھائے یا اشتراء میں تجرید ہے لہذا بمعنی یاخذ ہے یعنی اس اللہ کے بندے کو کون لیتا ہے مجھ سے۔(مرقات)

۱۰؎ یعنی مجھ میں نہ شکل نہ عقل نہ رنگ نہ ڈھنگ مجھے کون قبول کرے گا ایسوں کو کون لیتا ہے میں آپ کا کیسے ہو سکتا ہوں۔

۱۱؎ جو حضور کا ہوجاوے وہ بے قیمت کیسے ہوسکتا ہےانکی قیمت سارا جہان نہیں ہوسکتا۔مدینہ منورہ میں ایک صاحب تھے بازار میں جو نئی چیز دیکھتے حضور انور کی خدمت میں ہدیہ لے آتے تھے جب چیز کا مالک قیمت مانگتا ہے تو اسے بھی حضور کے پاس لے آتے،عرض کرتے حضور فلاں دن جو حضور کے پاس فلاں چیز میں نے حاضر کی تھی اس کی قیمت حضور اسے دے دیں یہ تقاضا کررہا ہے،حضور تبسم فرماکر فرماتے کہ تم نے تو وہ چیز ہم کو ہدیۃً دی تھی،عرض کرتے حضور میری پاس اس کی قیمت کہاں سے آئی حضور قیمت ادا فرماتے مگر ان سے کچھ نہ کہتے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عوف ابن مالک اشجعی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غزوہ تبوک میں حاضر ہوا آپ چمڑے کے خیمے میں تھے میں نے سلام کیا آپ نے مجھے جواب دیا اور فرمایا اندر آجاؤ میں نے کہا پورا یا رسول اللہ نے فرمایا تم پورے ہی آجاؤ ۲؎ میں حاضر ہوگیا عثمان ابن عاتکہ فرماتے ہیں ۳؎ کہ انہوں نے خیمہ کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے عرض کیا کہ کیا پورا آجاؤں۔(ابوداؤد)

۱؎ صحابی ہیں،غزوہ خیبر میں حاضر ہوئے،فتح مکہ کے دن قبیلہ اشجع کا جھنڈا آپ کے ہاتھ تھا،شام میں رہے،۷۳ھ تہتر میں وفات پائی۔

۲؎ سبحان اللہ! کیسا پیارا کلام ہے۔مقصد یہ ہے کہ خیمہ چھوٹا ہے اس میں گنجائش ہے نہیں میں کل پورا کا پورا آجاؤں یا میرا کچھ حصہ آئے ظاہر معنی مراد ہیں۔

۳؎ یہ عثمان تابعی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کل آٹھ سال سات ماہ کے تھے۔

	روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے ۱؎ فرماتے ہیں اجازت مانگی حضرت ابوبکر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو حضرت عائشہ کی آواز سنی بلند ۲؎ تو جب آئے تو انہیں پکڑا تاکہ طمانچہ مار دیں اور فرمایا میں تم کو نہ دیکھوں کہ تم اپنی آواز نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اونچی کرتی

	ہو۳؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو روکنے لگے۴؎ اور حضرت ابوبکر ناراض ہوکر چلے گئے ۵؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کہ ابوبکر صدیق چلے گئے بولو تم نے مجھے کیسا دیکھا میں نے تم کو ان صاحب سے بچالیا ۶؎ راوی کہتے ہیں کہ پھر کچھ دن حضرت ابوبکر ٹھہرے پھر اجازت مانگی ۷؎ تو ان دونوں حضرات کو صلح محبت میں پایا ان سے عرض کیا کہ مجھے اپنی صلح صفائی میں داخل کرلو ۸؎ جیسے تم نے مجھے اپنی لڑائی میں داخل کیا تھا ۹؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نے کرلیا ہم نے کرلیا ۱۰؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ کے حالات زندگی بارہا بیان ہوچکے کہ آپ اسلام میں پہلے فرزند ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے،حضور انور کی وفات کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال سات ماہ کی تھی،آپ کے والدین صحابی ہیں،بقیہ حالات بیان کیے جاچکے ہیں۔

۲؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بات کا جواب بلند آواز سے دے رہی تھیں یا بے پرواہی میں یا غصہ میں محبوب کا غصہ بھی پیارا ہوتا ہے اسی لیے اس پر قرآن کریم میں عتاب نہیں آیا ورنہ قرآن کریم فرماتا ہے:"لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوٰتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ"۔

۳؎ اس جملہ کی روایت تین طرح ہے: لا اراك میں تم کو دیکھ رہا ہوں،لا اراك میں تم کو آئندہ نہ دیکھوں،لا اراك کیا میں تم کو نہیں دیکھتادوسری روایت قوی تر ہے کہ یہ کلمہ نہیں ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ نے گزشتہ پر سزا دینے کے لیے طمانچہ مارنا چاہا اور آئندہ کے لیے منع فرمایا یہ طمانچہ اس تادیب میں سے ہے جو والدین اپنی اولاد کو کیا کرتے ہیں۔مرقات نے فرمایا کہ یہ کلمہ دعا ہے یعنی خدا کرے میں تم کو حضور کے سامنے اونچی آواز کرتے نہ دیکھوں۔

۴؎ یا اس طرح کہ حضور انور نے حضرت صدیق کو پکڑ لیا کہ وہ نہ ماریں یا اس طرح کہ حضور انور دونوں کے درمیان آڑ ہوگئے کہ حضرت صدیق و صدیقہ کے درمیان کھڑے ہوگئے۔

۵؎ حضرت عائشہ صدیقہ پر ناراض ہوکر گھر سے باہر چلے گئے یہ ناراضگی بھی عبادت ہے۔

۶؎ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں من ایک نہ فرمایا الرجل فرمایا یعنی بہادر مرد جسے اللہ رسول کے لیے تم پر غصہ آیا یہ غصہ ان کی بہادری کی علامت ہے۔(مرقات)

۷؎ یعنی کچھ روز حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر نہ آئے یا اتفاقًا یا حضرت صدیقہ پر ناراضگی کی وجہ سے،پہلا احتمال قوی ہے پھر حاضر ہوئے شاید تین روز کے بعد حاضر ہوئے۔

۸؎ صلح سے مراد پیارومحبت ہے اور حرب سے مراد وہ ناراضگی جو زوجین کی آپس میں ہو جاتی ہے یہ ناراضگی بھی زیادہ محبت کی بنا پر ہوتی ہے۔
۹؎ ادخال کی نسبت حضور کی طرف سبب کی بنا پر ہے یعنی آپ دونوں کی شکر رنجی میرے اس معاملہ میں دخل دینے کا باعث بنی۔
۱۰؎ حضور انور نے **فعلنا** دوبار فرمایا ایک بار اپنی طرف سے دوسری بار جناب عائشہ صدیقہ کی طرف سے یعنی میں نے اور تمہاری لخت جگر نورنظر عائشہ صدیقہ نے بھی اپنی صلح میں داخل کرلیا اس طرح کہ تم ہمیشہ کے لیے ہمارے ہر کام میں دخیل ہوگئے ہمارے گھر کے تم کار مختار ہوگئے رضی اللہ تعالٰی عنہ۔اس حدیث کو **باب المزاح** میں صرف ایک جملہ کی وجہ سے لایا گیا کہ عائشہ دیکھا ہم نے تم کو کیسا بچایا۔

روایت ہے حضرت عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اپنے بھائی سے نہ جھگڑا کرو نہ اس کا مذاق اڑاؤ۱؎ نہ اس سے کوئی وعدہ کرو جو خلاف کرو ۲؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ آپس کا مذاق جس سے ہر ایک کا دل خوش ہو یہ چند شرطوں سے جائز ہے جیساکہ عرض کیا جاچکا ہے مگر کسی کا مذاق اڑانا جس سے سامنے والے کو تکلیف پہنچے بہرحال حرام ہے وہ ہی یہاں مراد ہے کیونکہ مسلمان کو ایذاء دینا حرام ہے۔
۲؎ یہاں وعدے سے وہ وعدہ مراد ہے جو جائز ہو،بعض فقہاء کے نزدیک ایساوعدہ پوراکرنا واجب ہے،اکثر کے ہاں مستحب ہے اگر وعدہ کے وقت ان شاءاللہ کہہ دیاجاوے تو سب کے نزدیک اس کا پوراکرنا مستحب ہے۔

باب المفاخرة و المعصبية

فخر اور تعصب کا بیان۱

الفصل الاول

۱ ایک دوسرے پر ذاتی بڑائی ظاہر کرنا کہ میں تجھ سے اونچا ہوں یہ ہے تفاخر،یہ کفار کے مقابل یا ضرورت کے وقت مسلمان سے بھی کرسکتے ہیں جبکہ اس میں دینی مصلحت ہو۔نفسانی فخر حرام ہے کہ یہ تکبر ہے اور تکبر حرام۔**تعصب** بنا ہے **عصب** سے بمعنی قوت۔ اصطلاح میں جماعت میں کنبہ و قوم کو عصب کہا جاتا ہے۔قرآن کریم میں ہے "**وَ نَحۡنُ عُصۡبَةٌ**"۔**تعصب** کے معنی ہیں اپنے کنبہ،اپنی قوم،اپنے دھڑے کی حمایت کرنا اگر حق حمایت ہے تو جائز ہے ناحق ہے تو حرام ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں کون زیادہ عزت والا ہے ۱فرمایا سب میں عزت والا اللہ کے نزدیک ان میں بڑا پرہیزگار ہے ۲بولے اس کے متعلق ہم نہیں پوچھتے فرمایا تو لوگوں میں بڑے اشرف یوسف ہیں اللہ کے نبی اور نبی اللہ کے بیٹے وہ خلیل اللہ کے بیٹے۳ وہ بولے ہم اس کے متعلق آپ سے نہیں پوچھتے فرمایا تو کیا عرب کے قبیلوں کے متعلق تم مجھ سے پوچھتے ہو۴ بولے ہاں فرمایا تم میں سے جو جاہلیت میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہترین ہیں جب کہ عالم ہوجاویں ۵(مسلم،بخاری)

۱اللہ کے نزدیک یا دنیا و آخرت میں کون محترم ہے۔

۲چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے:"**اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللہِ اَتۡقٰکُمۡ**"۔خیال رہے کہ انسان کیلئے تقویٰ ذاتی شرافت وعزت ہے اسے حسب کہتے ہیں اور عالی خاندان عارضی عزت ہے اسے نسب کہتے ہیں مبارک ہے وہ جو حسب و نسب دونوں میں اعلیٰ ہو۔

۳یعنی یوسف علیہ السلام حسب و نسب دونوں میں بہت اعلیٰ ہیں کہ خود بھی نبی ہیں یہ ان کی حسبی عظمت ہے ان کے تین پشت میں نبوت ہے کہ والد نبی دادا پردادا نبی یہ ان کی نسبی شرافت ہے یہ ان کی خصوصیت ہے جیسے حضرات صحابہ میں ابوبکر صدیق کہ حسبی اشرف بھی ہیں کہ صدیق ہیں نسبی اشرف بھی کہ آپ کی چار پشتوں میں

صحابیت ہے خود صحابی ماں باپ اولاد صحابی پوتے نواسے صحابی یہ آپ کی خصوصیت ہے۔حضرت یوسف علیہ السلام میں نبوت،علم،عالی نسبی جودو سخا،عدل دین دنیا کی ریاست جمع ہیں۔

۴؎ **معادن** جمع ہے **معدن** کی بمعنی کان،قبیلہ کو معدن کہتے ہیں کہ وہ ایک جماعت کی کان ہوتا ہے یعنی کیا تم مجھ سے عرب کے قبائل کے متعلق پوچھتے ہو کہ کونسا قبیلہ اشرف ہے۔

۵؎ یعنی اسلام لانے سے اعلیٰ خاندانی آدمی کی شرافت گھٹ نہیں جاتی بلکہ بڑھ جاتی ہے اور اگر وہ عالم باعمل بھی ہوجاوے تو صرف خاندانی مسلمان سے افضل ہوگا۔خلاصہ یہ ہے کہ جو زمانہ کفر میں اپنی قوم میں اعلیٰ و افضل ہو وہ مسلمان ہوکر بھی اعلیٰ و افضل ہی رہے گا اسے نو مسلم یا دیندار سمجھ کر ذلیل نہ سمجھا جاوے گا۔اگر وہ عالم باعمل بھی ہوجاوے تو اس کی شرافت کو اور چار چاند لگ جاویں گے مثلًا آج کوئی بڑا عزت والا پادری یا پنڈت مسلمان ہوجاوے تو اسے نو مسلم یا دیندار کہہ کر حقیر نہ جانو اس کی عزت و احترام باقی رکھو اور اگر وہ عالم ہوجاوے تو اس کا بہت احترام کرو یہاں فقہ سے مراد عالم باعمل ہے،پھر بھی مطلب وہ ہی ہوا کہ شرافت علم و تقویٰ پر ہے غرضکہ حسب ونسب دونوں کی شرافت کا اجتماع رب کی رحمت ہے۔

روایت ہے ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شریف بیٹے شریف کے بیٹے شریف کے بیٹے شریف کے حضرت یوسف بیٹے یعقوب کے وہ بیٹے اسحاق کے وہ بیٹے ابراہیم کے ۱؎ (بخاری)	

۱؎ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام میں حسبی شرافت تو یہ ہے کہ وہ خودکریم یعنی نبی اور تقویٰ و طہارت کے معلم ہیں۔نسبی شرافت یہ ہے کہ وہ تین پشت میں نبی زادے ہیں۔خیال رہے کہ پہلا **الکریم** الف سے پڑھا جاوے گا باقی دو بغیر الف،یوں ہی نبیوں میں ابن بغیر الف پڑھے جاویں گے کہ جب ابن دو صفتوں کے درمیان آوے تو بغیر الف پڑھا جاتا ہے۔(اشعہ،مرقات)

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے وہ حنین کے متعلق فرماتے ہیں ۱؎ کہ ابو سفیان ابن حارث آپ کے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے ۲؎ تو جب مشرکین نے آپ کو گھیر لیا تو آپ اترے کہنے لگے میں جھوٹا نبی نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں ۳؎ فرماتے ہیں اس دن حضور سے زیادہ کوئی بہادر نہیں دیکھا گیا ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ حنین مکہ معظّمہ اور طائف کے درمیان ایک وسیع پتھریلا علاقہ ہے،اس فقیر نے اس میدان کی زیارت کی ہے،فتح مکہ کے بعد یہ غزوہ واقع ہوا قبیلہ ہوازن سے یہ جنگ ہوئی۔

۲؎ یہ ابوسفیان ابن حارث ابن عبدالمطلب ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور حضور کے اخیافی بھائی کہ حلیمہ دائی بنت ذویب سعدیہ کا دودھ انہوں نے بھی پیا ہے،بڑے شاعر تھے،زمانہ کفر میں حضور انور کے خلاف انہوں نے بہت اشعار لکھے تھے جن کے جواب حضرت حسان نے دیئے تھے،پھر اللہ نے اسلام کی توفیق دی تو بعد اسلام کبھی حضور کے سامنے سر نہ اٹھایا شرم کی وجہ سے،فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے،حضرت علی مرتضٰی نے ان سے کہا تھا کہ حضور کے سامنے جا کھڑا ہوؤاور یہ آیت پڑھو"تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ"چنانچہ انہوں نے یہ ہی کہا،حضور انور نے فرمایا:"لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ"۲۰ھ میں وصال ہوا،عقیل ابن ابی طالب کے گھر میں دفن ہوئے حضرت عمر فاروق نے نماز پڑھائی یہ ابوسفیان وہ نہیں جو امیر معاویہ کے والد ہیں وہ تو ابوسفیان ابن حرب ابن صخراموی ہیں۔(مرقات)

۳؎ غزوہ حنین میں اولًا مسلمانوں کو ہزیمت ہوگئی تھی قبیلہ ہوازن و غطفان نے حضور انور کے خچر کو گھیر کر حضور پر حملہ کرنا چاہا تب آپ خچر سے اترے اور تلوار سونت کر یہ فرمایا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور کے دادا حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ مؤمن بھی ہیں بہادر بھی آپ کی اولاد بہادری میں مشہور بھی ہے،حضور انور نے ان کے اولاد ہونے پر فخر فرمایا،یہ فخر کفار کے مقابلہ میں اظہار شجاعت کے لیے تھالہٰذا بالکل درست تھا۔مشرک باپ داداؤں پر فخر جائز نہیں اگر عبدالمطلب کافر مشرک ہوتے تو حضور ان کی اولاد ہونے پر فخر نہ فرماتے،از آدم علیہ السلام تا حضرت عبداللہ حضور کے تمام آباؤ اجداد کفر اور زنا سے محفوظ رہے۔

۴؎ یعنی حضور کی شجاعت کے جوہر آج دیکھے گئے کہ ایسے نازک موقعہ پر بجائے بھاگنے کے سواری سے اتر کر پیدل ہولیے تلوار سونت کر ان ہزاروں کے مقابلہ میں اکیلے آگئے۔شعر

وہ موقعہ جب فضاءآسمان بھی تھرتھراتی تھی   محمد تھے کہ ان کے پاؤں میں لغزش نہ آتی تھی

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا بولا اے خلقت سے بہتر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ابراہیم ہیں ۱؎(مسلم)

۱؎ یعنی لفظ خیرالبریہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سجتا ہے کہ وہ اللہ کے خلیل بھی ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے والد بھی،کعبہ بنانے والے بھی،مکہ بسانے والے بھی،میری اصل بھی۔حضور انور کا یہ فرمان عالی تواضعًا ہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کے لیے خیرالبریہ ہیں،حضرت خلیل اپنے زمانہ میں خیرالبریہ تھے لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں انا سید ولد ادم ادم ومن سواہ تحت لوائی وغیرہ کہ ان احادیث میں واقعہ کاذکر ہے اور یہاں تواضع و انکسار کا اظہار جیسے کوئی بڑا آدمی اپنے سے ماتحت کا احترام کرے اور کرائے۔

	روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم مجھے ایسا نہ بڑھاؤ جیسا

	عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کو بڑھایا۱؎میں اس کا بندہ ہی ہوں تو کہو اللہ کے بندے اللہ کے رسول ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎لا تطرو بنا ہے اطراء سے بمعنی مبالغہ کرنا،جھوٹی تعریف کرنا،حد سے بڑھانایعنی مجھے خدایا خدا کا بیٹا یا خدا تعالیٰ کا رشتہ دار عزیزنہ کہو کہ یہ چیزیں ہم جنسوں میں ہوتی ہیں رب تعالیٰ جنس سے پاک ہے،یہاں خاص مبالغہ کی ممانعت ہے یعنی جس قسم کا مبالغہ عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا تم میرے بارے میں وہ نہ کرو۔

۲؎اس کے معنی یہ نہیں کہ تم مجھے عبداللہ ورسولہ کے سوا اور کچھ نہ کہو نہ شفیع المذنبین کہو نہ رحمۃ اللعالمین کہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ میری وہ صفات بیان کرو جو عبدیت کے ماتحت ہوں الوہیت والی صفات مت بیان کرو لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں انا سید ولد ادم یا جیسے انا خطیبھم اذا صمتوا یہ حدیث قرآن کریم کی آیات نعت کے خلاف ہے،رب فرماتاہے:"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شٰهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا"۔حق یہ ہے کہ سواء ابن اللہ وغیرہ کے جو تعریف کرسکتے ہو کرو امام بوصیری فرماتے ہیں۔

دع ما ادعتہ النصاری فی نبیھم ۔۔۔ واحکم بماشئت من شرف ومن عظم

فان فضل رسول اللہ لیس لہ ۔۔۔ حد فیعرب عنہ ناطق بفم

نبی کریم کوابن اللہ وغیرہ نہ کہو باقی جو کہہ سکتے ہو کہو کہ ہمارے الفاظ محدود ہیں حضور انور کے صفات غیر محدود،ساری دنیاساری عمر حضور کے صفات بیان کرے سمندر کا قطرہ بیان نہیں ہو سکتا کہ غیر محدود کو محدود کیسے بیان کرے،ہمارے الفاظ محدود ہیں ۲۸ حرفوں میں حضور کی صفات لامحدود ہیں۔سبحان اللہ!فیصلہ کردیا۔

	روایت ہے حضرت عیاض ابن حمار مجاشعی سے۱؎کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے وحی فرمائی کہ انکسار کروحتی کہ انکساری کروحتی کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر ظلم کرے ۲؎(مسلم)

۱؎آپ صحابی ہیں،بصری ہیں،حضور انور کو بڑے پیارے تھے،خواجہ حسن بصری وغیرہم نے آپ سے احادیث کی روایت کی۔

۲؎اس حدیث میں حتی بمعنی کے ہےیعنی عجز و انکسار اختیارکرو تاکہ کوئی مسلمان کسی مسلمان پر تکبر نہ کرے نہ مال میں نہ نسب و خاندان میں نہ عزت یا جتھہ میں اور کوئی مسلمان کسی بندے پر ظلم نہ کرے نہ مؤمن پر نہ کافر پر ظلم سب پر حرام ہےمگر کبر و فخر مسلمان پر حرام ہے کفار پر فخر کرنا عبادت ہے کہ یہ نعمت ایمان کا شکر ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا قومیں اپنے مرے ہوئے باپ داداؤں پر فخر کرنے سے باز آجائیں جو باپ دادے دوزخ کے کوئلے ہیں ۱؎ ورنہ وہ اللہ پر اس گندگی کے کیڑے سے زیادہ ذلیل ہوجائیں گے جو اپنی ناک میں گندگی لگاتا ہے ۲؎ یقینًا اللہ نے تم سے جاہلیت کا تکبر دور فرمایااور باپ داداؤں پر فخر دور فرمادیا ۳؎ انسان یا مؤمن متقی ہے یا کافر بدنصیب ہے ۴؎ سارے لوگ حضرت آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے ہیں ۵؎ (ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ یعنی اگر تمہارے باپ دادے کافر تھے تو وہ یقینی دوزخ کے کوئلے ہیں اگر مؤمن تھے تو ممکن ہے کہ ان کا خاتمہ خراب ہوا ہو اور وہ دوزخ کے کوئلے بن چکے ہوں ان کے خاندان پر فخر کرنا بڑی ہی حماقت ہے اگر فخر کرو تو حضور کے امتی ہونے پر کہ اللہ تعالٰی نے ہم گنہگاروں کو ان کا دامن نصیب فرمایا۔

بریں نازمہ کہ ہستم امت تو   گنہگار مہ ولیکن خوش نصیمہ

۲؎ جعل ج کے پیش ع کے فتحہ سے گندگی کا کیڑا جسے عرب خنفساء کہتے ہیں اردو والے گبریلہ۔یدھدہ بنا ہے دبدھۃ سے بمعنی لوٹنا،خراء پاخانہ یعنی جیسے گبریلہ کیڑا گندگی میں لوٹتا اسے اپنی منہ ناک پر ملتا ہے اور خوش ہوتا ہے مگر دنیا اس سے گھن کرتی ہے یہ ہی تمہارا حال ہوجاوے گا کہ تم اکڑ میں رہو گے دنیا تمہیں ذلیل سمجھے گی۔

۳؎ یعنی زمانہ جاہلیت میں لوگ باپ داداؤں پر فخر کرتے تھے اللہ تعالٰی نے تمہیں اسلام کی توفیق دے کر تم سے یہ عیب دور فرمادیا۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ انسان دو ہی قسم کے ہیں یا مؤمن یا کافر درمیان میں درجہ کوئی نہیں جو نہ مؤمن ہو نہ کافر۔

۵؎ سبحان اللہ!کس پاکیزہ طریقہ سے سمجھایا کہ کسی کی پیدائش سونے چاندی سے نہیں ہے سب مٹی سے پیدا ہوئے ہیں پھر فخر کیسااور تکبر کس چیز پر ہاں اعمال اچھے کرو اچھے ہوجاؤ گے۔

روایت ہے حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخیر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں بنی عامر کے وفد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ۲؎ تو ہم نے کہا کہ آپ	

ہمارے سید ہیں فرمایا سید تو اللہ ہے ۳؎ ہم نے عرض کیا کہ آپ ہم سب میں بڑی بزرگی والے اور بڑے عطا والے ہیں ۴؎ تو فرمایا کہ اپنی یہ بات یا بعض بات کہو اور تم کو شیطان بے باک نہ کردے ۵؎ (احمد،ابوداؤد)	

۱؎ مطرف تابعی بصری ہیں،بڑے متقی پرہیزگار تھے ۸۷ھ ستاسی میں آپ کی وفات ہوئی،آپ کے والد عبداللہ ابن شخیر صحابی ہیں۔

۲؎ وفد وہ جماعت کہلاتی تھی جو اپنی ساری قوم کی طرف سے نمائندہ بن کر حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوتی تھی اور ایمان قبول کرتی اس کا ایمان ساری قوم کا ایمان ہوتا،حضرت مطرف قبیلہ بنی عامر کے وفد میں حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔

۳؎ سید بہت معنی میں آتا ہے:سردار،مالک،مولیٰ،خاوند،قرآن کریم فرماتاہے:"وَاَلْفَیَا سَیِّدَھَا لَدَا الْبَابِ"وہاں سید بمعنی خاوند ہے ان لوگوں نے حضور انور کو سید بمعنی سردار کہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالٰی کو سید بمعنی مالک و خالق فرمایا یہ خصوصی ارشاد ہے لہذا ہم لوگ اللہ تعالٰی کو عمومًا سید نہیں کہہ سکتے۔خیال رہے کہ ان حضرات نے حضور انور کو سید کہا لفظ سید ہر سردار پیشوا کو کہا جاتا ہے انہیں چاہیے تھا کہ حضور کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی اللہ کہتے یہ خطاب کسی سردار کے لیے نہیں ہوتا اس لیے انہیں نہایت اخلاق کے ساتھ اس سے روک دیا گیا یہ ممانعت اس عارضہ کی وجہ سے ہے لہذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور کو سید المرسلین وغیرہ نہ کہاجاوے۔نہ یہ حدیث اس حدیث کے خلاف ہے کہ انا سید ولدادم(ازاشعۃ اللمعات)لہذا خدا تعالٰی کو سید کہنا ہمارے لیے ہر گز جائز نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سید المرسلین وغیرہ کہنا جائز ہے۔

۴؎ طول کے بہت معنی ہیں: دوستوں پر عطا،دشمنوں پر غالب،سنت و عبادت میں زیادتی یہاں بمعنی عطا و غلبہ ہے۔(مرقات و اشعہ)یعنی آپ تمام مخلوق میں زیادہ جواد اور سخی ہیں کفار پر غالب۔

۵؎ لایستجرمنکم میں بہت احتمال ہیں قوی یہ ہے کہ یہ بنا ہے جرأت سے بمعنی دلیری اور بے باکی۔ استجار کے معنی ہیں دلیر بیباک کردینا یعنی شیطان تم کو میری تعریف میں دلیر نہ کردے کہ تم میری وہ تعریف کرو جو کفر یا شرک ہے جیسے تم مجھے خدا کا بیٹا یا خدا کہنے لگ جاؤ،میری تعریف عبدیت کے دائرے میں کرنا لہذا اس حدیث کے معنی یہ نہیں کہ میرے فضائل ہی بیان نہ کرو حضور کی نعت گوئی ثناء خوانی حضرات صحابہ کرتے تھے حضور سنتے تھے خوش ہوتے تھے ان نعتیہ قصیدوں میں حضور کی ایسی تعریفیں ہوتی تھیں کہ سبحان اللہ!اس جملہ کی یہ ہی شرح مرقات و اشعہ نے کی ہے لہذا اس حدیث سے کوئی دھوکہ نہ کھائے،دن رات حضور کی نعت پڑھے حمد باری سنت رسول اللہ سنیت الٰہیہ ہے،رب تعالٰی نے قرآن مجید میں حضور کی بہت نعت فرمائی ہے۔اعلٰی حضرت نے فرمایا۔

حی و باقی جس کی کرتا ہے ثنا　　　مرتے دم تک اسکی مدحت کیجئے

جس کا حسن اللہ کو بھی بھاگیا　　　اس پیارے سے محبت کیجئے

	روایت ہے حسن سے وہ حضرت سمرہ سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب مال ہے اور کرم پرہیزگاری ہے ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎یعنی دنیاوی عزت مال ہے کہ مالدار شریف مانا جاتا ہے لیکن آخرت کی عزت نیک اعمال سے ہے تم کو چاہیے کہ آخرت کی عزت اختیار کروکہ فانی عزت بے کار ہے باقی عزت مفید ہے۔سبحان اللہ!کیا پاکیزہ فرمان ہےدین و دنیا ترازو کے دو پلڑوں کی طرح ہیں کہ ایک کا وزنی ہونا دوسرے کا ہلکا ہونا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو جاہلیت کی نسبتوں سے اپنے کو منسوب کرے تو اس کے منہ میں اس کے باپ کی شرمگاہ دیدو اور کنایہ نہ کرو ۱؎(شرح سنہ)

۱؎یعنی جو مسلمان اپنے کافر باپ داداؤں کی نسبت پر فخر کرے کہ فلاں کی اولاد سے ہوں،فلاں خاندان سے ہوں تو اس سے صاف صاف کہہ دو کہ اپنے باپ کا ذکر چوس یا یہ مطلب ہے کہ تم کفار کے عیوب بت پرستی کی برائیاں بیان کروکہ تمہارے باپ دادا کے عقیدے اعمال ایسے گندے تھے تم ان کی نسبت پر فخر کیوں کرتے ہو۔

	روایت ہے عبدالرحمٰن ابن عقبہ سے وہ حضرت ابی عقبہ سے راوی ۱؎اور وہ فارسی غلام سے تھےفرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احد میں حاضر ہواتو میں نے مشرکین میں سے ایک شخص کو مارا تو میں نے کہا لے لے مجھ سے میں فارسی غلام ہوں ۲؎تو میری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا فرمایا تم نے کیوں نہ کہا کہ مجھ سے یہ لے اور میں انصاری غلام ہوں ۳؎(ابوداؤد)

۱؎یہ عبدالرحمٰن تابعی ہیں،ان کے والد ابوعقبہ صحابی ہیں یہ اہل فارس سے تھے،جبیر ابن عتیق انصاری کے آزاد کردہ غلام تھے لہذا نسبًا فارسی تھے مگر موالات کے لحاظ سے انصاری تھے،ان کا نام رشد ہے کنیت ابو عقبہ۔

۲؎یعنی میں نے اپنے فارسی النسل ہونے پر فخر کرتے ہوئے کافر پر حملہ کیا۔

۳؎یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فارسی ہونے کے فخر کرنے پر ناراضی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ اپنے کو مسلمانوں کی طرف نسبت کرو اس پر فخر کرو اور اس زمانہ میں اہلِ فارس کفار تھے اب وہاں اسلام عام شائع ہےاور عام لوگ

مسلمان ہیں چونکہ قوم کا مولا انہیں میں سے ہوتا ہے اس لیے انہیں غلام انصاری فرمایا گیا لہٰذا اس کا مطلب واضح ہے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے وہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جو اپنی قوم کی ناحق پر مدد کرے تو وہ اس اونٹ کی طرح ہے جو گڑھے میں گر گیا تو اسے اس کی دم سے اوپر کھینچا جاوے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎یعنی جو اپنی ظالم قوم کی بیجا حمایت کرکے انکی عزت و عظمت قائم کرنا چاہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی کنویں میں گرے ہوئے اونٹ کو اس کی دم سے کھینچ کر نکالنے کی کوشش کرے۔اس فرمان عالی میں فاسق قوم کو گرے اونٹ سے تشبیہ دی گئی ان کے فسق و کفر کو کنویں سے جس میں وہ گرے ہیں اس شخص کا اس قوم کی حمایت کرنا گویا اسے دم پکڑ کر نکالنا ہے جیسے کنویں میں گرا اونٹ دم کے ذریعہ نہیں نکل سکتا ویسے ہی فاسق و بدکار ذلیل قوم ایسی تعریفوں سے عزت نہیں پاتی اگر تم انہیں عزت دینا چاہتے ہو تو ان کو گناہوں سے روکو راہ راست پر لگاؤ۔

روایت ہے حضرت واثلہ ابن اسقع سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعصب کیا چیز ہے فرمایا یہ ہے کہ تم اپنی قوم کی ظلم پر مدد کرو ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎اس حدیث کی شرح اگلی حدیث میں آرہی ہے یعنی اپنی قوم سے محبت کرنا،ان کی مدد کرنا،لوگوں کے طعنہ دفع کرنا تعصب نہیں بلکہ برائی پر ان کی مدد کرنا یہ ہے تعصب یہ ہی ممنوع ہے کیونکہ اس میں گناہ پر مدد ہے اور گناہ پر مدد کرنا بھی گناہ ہے۔

روایت ہے حضرت سراقہ ابن مالک ابن جعشم سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تو فرمایا کہ تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے کنبہ سے دفاع کرے جب تک کہ گناہ نہ کرے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎یہ وہی سراقہ ہیں رضی اللہ عنہ جو ہجرت کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں گئے تھے،انہیں کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا تھا،یہ کنانی ہیں،بڑے شاعر تھے،دل سے تو وہاں ہی ایمان لے آئے تھے مگر اپنا ایمان فتح مکہ کے دن ظاہر کیا اس لیے آپ کو فتح کے دن کا مؤمن کہا جاتا ہے،مقام قدید میں رہتے تھے،پھر مدنی بن گئے تھے، ۲۴ھ چوبیس میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی اپنی قوم کو ظالموں سے بچانے والا،ان سے لوگوں کے ناجائز طعنے دفع کرنے والا،انکی مدد کرنے والا نہ متعصب ہے نہ گنہگار بلکہ ثواب کا مستحق ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ"ہاں گناہ پر ان کی مدد کرنے والا گنہگار بھی ہے متعصب بھی،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوٰنِ"۔

روایت ہے حضرت جبیر ابن مطعم سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں جو تعصب کی طرف دعوت دے ۱؎ اور وہ ہم میں سے نہیں ہے جو تعصب میں لڑے ۲؎ اور وہ ہم میں سے نہیں ہے جو تعصب پر(قوم پرستی پر)مرے ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اس طرح کہ اپنی ظالم قوم کی حمایت کے لیے لوگوں کو جمع کرے تاکہ وہ سب اس ظلم پر اسی قوم کی مدد کریں ایسا شخص ہماری جماعت ہماری سنت سے خارج ہے،یہ مطلب نہیں کہ ہمارے دین ہماری ملت سے خارج ہے کہ گناہ سے کوئی کافر نہیں ہوتا۔

۲؎ یعنی اپنی ظالم قوم کی حمایت میں ظلم پر مدد کرے اسے چاہیے تھا کہ اپنی قوم کو ظلم سے روکتا یہ الٹی ان کی حمایت کرتا ہے۔

۳؎ یعنی اپنی ظالم قوم کی حمایت و محبت و ہمدردی کرتا کرتا مرے غرضکہ ظلم پر مدد ظلم کی حمایت ظلم سے محبت سب ہی برابر ہے۔

روایت ہے ابودرداء سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کسی چیز سے تیری محبت اندھا بہرا کردیتی ہے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ سبحان اللہ! کیسا پیارا اور درست فرمان ہے۔مطلب یہ ہے کہ جب تجھے کسی سے محبت ہوگی تو تجھے اس کے عیب نظر نہیں آئیں گے تو اس کے خلاف بات نہ سن سکے گا لہذا تو بروں سے محبت نہ کرتاکہ تو اندھا بہرا نہ بن جائے یا یہ مطلب ہے کہ محب کو پیارے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا پیارے کی باتوں کے سوا اور کسی کی بات پسند نہیں آتی لہذا اچھوں سے محبت کرو تاکہ تمہاری آنکھوں میں ان کا ہی جمال رہے ان ہی کی سنو،یہ ہی اصل ایمان ہے۔شعر

تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا حقیقت معرفت اہلِ طریقت اس کو کہتے ہیں
ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا تصور میں تیرے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

عربی شاعر کہتا ہے۔

وعین الرضا عن کل عیب کلیلة ولکن عین السخط تبدی مساویا
ویفتح من سواك الفعل عندی فتفعله فیحسن منك ذاك

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عبادہ ابن کثیر شامی سے[1] جو فلسطین والوں سے ہیں وہ ان کی ایک عورت سے راوی جسے فسیلہ کہا جاتا ہے[2] انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے فرماتے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا یہ بھی تعصب سے ہے کہ کوئی شخص اپنی قوم سے محبت رکھے[3] فرمایا نہیں لیکن تعصب سے یہ ہے کہ کوئی شخص ظلم پر اپنی قوم کی مدد کرے[4] (احمد،ابن ماجہ)	

۱؎ حاشیہ اشعۃ اللمعات میں ہے کہ ان کا نام عباد ابن کثیر شامی ہے بادہ نام نہیں ہے۔واللہ اعلم! فلسطین مشہور ملک ہے جس میں بیت المقدس واقع ہے یہ علاقہ شام اور اردن سے ملا ہوا ہے اور فلسطین عراق کے ایک شہر کا نام بھی ہے ان راوی کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔

۲؎ فسیلہ ف کے پیش اور سین کے فتح سے،اس کے لغوی معنی ہیں کھجور کا چھوٹا درخت یہ بی بی تابعیہ ہیں، ان کا نام جمیلہ بنت واثلہ ابن اسقع ہے،حضرت واثلہ صحابی ہیں(تقریب حاشیہ اشعہ)فسیلہ کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔

۳؎ یعنی فسیلہ کے والد حضرت واثلہ ابن اسقع نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا اپنی قوم سے محبت کرنا گناہ ہے یہ بھی تعصب کی ایک قسم ہے۔

۴؎ یعنی اپنی قوم کی ناحق بات کو حق کہنا اگر وہ دوسری قوم کے آدمی پر ظلم کرے تو اس ظالم کی حمایت کرنا صرف اس لیے کہ وہ اپنی قوم کا آدمی ہے یہ ہے تعصب یہ ہی حرام ہے یہ بیماری آج مسلمانوں میں بہت ہی ہے قومی تعصب،صوبائی تعصب بہت ہے اس لیے اس نے مسلمان قوم کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے،سارے مسلمان ایک قوم ہیں خواہ کسی نسب کے ہوں یا کسی ملک کے۔

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے یہ نسب کسی پر گالی کا سبب نہیں ہیں[1] تم سب آدم کی اولاد ہو جیسے صاع کی چیز صاع سے ہے جسے اس نے بھرا نہ ہو[2] کسی کو کسی پر بزرگی نہیں مگر دین اور تقویٰ سے انسان کے لیے یہ شرم و عار کافی ہے کہ وہ بد زبان فحش گو کنجوس ہو[3] (احمد،بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ یعنی کوئی شخص کسی کو نسب کی گالی نہ دے نسب گالی و عار نہیں جیسے کہا جاتا ہے اوجولائے،اونائی وغیرہ یہ حرام ہے نسب کو گالی نہ بناؤ یہ مرض بھی مسلمانوں میں بہت ہے۔

۲؎ طف ط کے فتحہ سے ف کے شد سے بمعنی کم ہونا کم کرنا اسی سے ہے **تطفیف** بمعنی کم تولنا،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ"۔اصطلاح میں طف وہ چیز ہے جو صاع وغیرہ پیمانہ میں بھری جاوے مگر اسے پُر نہ کرے کچھ خالی رہے۔مطلب یہ ہے کہ ہر انسان پور ا کامل انسان نہیں اس میں کچھ کمی و نقصان ضرور ہے جیسے صاع پیمانہ کا طف کہ اس میں کمی ہوتی ہے۔

۳؎ یعنی یہ خصلتیں شرم و عار کی چیزیں ہیں نہ کہ محض نسب لہٰذا ان عیوب سے بچنے کی کوشش کرو نسب پر طعن کیسا۔

باب البر و الصلۃ

نیکی اور صلہ رحمی کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ بر ب کے کسرہ ر کے شد بمعنی نیکی و بھلائی،یہاں اس سے مراد ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا ہے جس کا مقابل ہے عقوق(نافرمانی)۔صلۃ بنا ہے وصل سے بمعنی ملنا ملانا یہاں اس سے مراد رحمی قرابت داروں پر احسان اور ان سے سلوک کرنا کہ اس سے عزیزوں کے دل مل جاتے تھے۔بر کا اسم فاعل بار ہے جمع بررہ،صلہ کا ا سم فاعل واصل ہے جمع وصلہ اور واصلین۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ میرے اچھے برتاوے کا زیادہ حقدار کون ہے ۱؎ فرمایا تمہاری ماں عرض کیا پھر کون فرمایا تمہاری ماں عرض کیا پھر کون فرمایا تمہاری ماں عرض کیا پھر کون فرمایا تمہارا باپ ۲؎ اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا تمہاری ماں پھر تمہاری ماں پھر تمہاری ماں پھر تمہار اباپ پھر تمہارا قریبی پھر قریبی ۳؎

۱؎ صحابۃ صاد کے کسرہ سے بمعنی مدد یا برتاوا،خدمت اسی سے ہے صحبت و ہمراہی جو الفت خدمت و مدد کے ساتھ ہواس لیے جن کفار نے حضور انور کے ساتھ مجلس کی انہیں صحابی نہیں کہا جاتا کہ وہ ہمراہی الفت و خدمت کے ساتھ نہ تھی یعنی میرے رشتہ دار قریبی دور کے بہت ہی ہیں اچھا برتاوا کس سے کروں اس کا کون مستحق ہے۔

۲؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ ماں کا حق باپ سے تین گنا زیادہ ہے کیونکہ ماں بچہ پر تین احسان کرتی ہے باپ ایک احسان۔پیٹ میں رکھنا،جننا،پرورش کرنا باپ صرف پرورش ہی کرتا ہے۔بیٹا ماں باپ دونوں کی خدمت کرے مگر مقابلہ کی صورت میں ادب و احترام باپ کا زیادہ کرے خدمت و انعام ماں کی زیادہ۔(اشعہ)ماں باپ کے ساتھ سلوک یہ ہے کہ ان سے نرم اور نیچی آواز سے کلام کرے،مالی و بدنی خدمت کرے یعنی اپنے نوکروں سے ہی ان کا کام نہ کرائے بلکہ خود کرے،ان کا ہر جائز حکم مانے،انہیں نام لے کر نہ پکارے،اگر وہ غلطی پر ہوں تو نرمی سے ان کی اصلاح کرے،اگر قبول نہ کریں تو ان پر ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے،ان کی سختی پر تحمل کرے،یہ آداب قرآن مجید میں اور حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے عمل شریف میں مذکور ہیں اس کے متعلق ہماری تفسیر نعیمی کا مطالعہ فرماؤ۔

۳؎ یعنی ماں باپ کے ساتھ ان کے عزیزوں کے حق بھی ادا کرے کہ چچا ماموں،دادا نانا،بہن بھائی وغیرہم کے حقوق ادا کرے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس کی ناک رگڑ جاوے۱؎ اس کی ناک رگڑ جاوے عرض کیا گیا یارسول اللہ کس کی فرمایا اس کی جو اپنے ماں باپ کو پائے ۲؎ کہ ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے میں ہوں پھر جنت میں نہ چلا جاوے ۳؎(مسلم)	

۱؎ یعنی وہ ذلیل ہوجاوے وہ ذلیل ہوجاوے وہ ذلیل ہوجاوے۔ناک رگڑنے سے مراد ذلت و خواری ہے ناک رگڑنے سے مراد ذلت و خواری ہوتی ہے۔

۲؎ احدھما اور کلاھما یہ دونوں عندالکبر کا فاعل ہیں لہذا مرفوع ہیں یعنی انہیں اس حال میں پائے کہ وہ دونوں یا ایک۔بڑھاپے کی قید اس لیے لگائی کہ اس وقت ہی خدمت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہےاور بارگاہِ الٰہی میں بوڑھے کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے،وہ کریم سفید داڑھی بالوں والے بندے کے پھیلے ہوئے ہاتھ خالی نہیں پھیرتا،اولاد کو چاہیے کہ ایسے وقت اور ایسے وقت کی خدمت کو غنیمت جانیں۔

۳؎ یا اس طرح کہ ان کی نافرمانی کرے یا اس طرح کہ انکی خدمت میں کمی کرے یا اس طرح کہ انہیں سخت جواب دے۔خیال رہے کہ بڑھاپے میں طبیعت چڑچڑی ہوجاتی ہے،غصہ بڑھ جاتا ہے اس وقت ان کی سخت بات برداشت کرے ان کی سختی کی پرواہ نہ کرے،سمجھے انکی مت کٹ گئی ہے ان شاءاللہ دونوں جہان میں آرام پائے گا،قرآن کریم فرماتاہے:"اِمَّا یَبۡلُغَنَّ عِنۡدَکَ الۡکِبَرَ اَحَدُہُمَاۤ اَوۡ کِلٰہُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّہُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنۡہَرۡہُمَا وَ قُلۡ لَّہُمَا قَوۡلًا کَرِیۡمًا"بڑھاپے کا ذکر اس لیے بارہا ہوتا ہے کہ وہ وقت تو سنبھالنے کا ہےجس نے وہ وقت سنبھال لیا اس نے کمائی کرلی،ایسے آڑے وقت میں ان پر دل کھول کر خرچ بھی کرے،ان کی خدمت بھی کرے،انکے لیے دعا بھی کرے۔بچپن میں یہ مجبور تھاتو ماں باپ نے اسے سنبھالا اور وہ مجبور ہیں تو یہ انہیں سنبھالے اللہ کی رحمت اسے سنبھالے گی۔(مرقات)

روایت ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر سے فرماتی ہیں کہ میری ماں آئیں جب کہ وہ قریش میں مشرکہ تھیں ۱؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ میری ماں میرے پاس آئی ہیں وہ دین سے دور ہیں ۲؎ کیا میں ان سے صلہ رحمی کروں فرمایا ہاں کرو ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ صلح حدیبیہ کے بعد کفار مدینہ منورہ آنے جانے لگے تھے اس دوران میں حضرت ابوبکر صدیق کی پہلی بیوی حضرت اسماء کی والدہ آئیں۔

۲؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں راغمة ہے میم سے مگر اکثر نسخوں میں راغبة ب سے ہے،راغمة میم سے بمعنی عاجز،ذلیل،خوار،مسکین و غریب یعنی وہ میرے پاس عاجز و محتاج ہوکر آئی ہے میرے مال کی حاجت مند ہے۔راغبة ب سے ہو تو اس میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ بمعنی رغبت خواہش ہو یعنی وہ میرے مال میری خدمت کی خواہش مند ہے،دوسرے یہ کہ بمعنی بے رغبتی و روگردانی ہو یعنی وہ اسلام سے بے رغبت ہے اسے اسلام کی طرف رغبت و میلان نہیں،اگر رغبت کے بعد فی ہو تو بمعنی میلان ہوتی ہے اگر عن ہو تو بمعنی بے رغبتی۔

۳؎ معلوم ہوا کہ کافرومشرک ماں باپ کی بھی خدمت اولاد پر لازم ہے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ مشرک باپ کو بت خانہ لے نہ جائے مگر جب وہاں پہنچ چکا ہو تو وہاں سے گھر لے آئے کہ لے جانے میں بت پرستی پر مدد ہے اور لے آنے میں خدمت ہے،دوسرے عزیز و قرابت دار بھی اگر مشرک و کافر ہو مگر محتاج ہوں تو ان کی مالی خدمت کرے۔(از اشعہ)

روایت ہے حضرت عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا کہ فلاں قبیلہ میرے دوست نہیں ۱؎ میرے دوست اللہ تعالٰی اور نیک کار مسلمان ہیں ۲؎ لیکن ان کا رشتہ رحمی ہے جس کی تری سے میں تر کروں گا ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور نے ان کا نام لیا تھا مگر راوی نے نام نہ لیا کیونکہ وہ لوگ اس وقت برسر اقتدار تھے ان سے خطرہ تھا۔بہرحال اس سے مراد یا ابولہب کی اولاد ہے یا ابوسفیان کی اولاد یا حکم ابن عاص کی اولاد مگر قوی یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے قریشی ہاشمی تمام قوموں کو شامل ہے۔(مرقات)جو بھی اسلام سے یا حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے طریقہ سے ہٹ جاوے وہ حضور کا دوست نہیں۔

۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ متقی مسلمان خواہ کسی خاندان کا ہو مجھے پیارا ہے کافر و بے ایمان اگرچہ ہماری نسل سے ہو مردود ہے،قرآن حکیم فرماتا ہے:"اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ"۔

۳؎ خیال رہے صلہ رحمی کرنے،رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کو بلل یعنی تری کہتے ہیں کیونکہ تری سے چیز جڑتی ہے خشکی سے ٹوٹ جاتی ہے،یوں ہی سلوک کرنے سے دل جڑتے ہیں بدسلوکی سے دل ٹوٹ کر الگ الگ ہوجاتے ہیں۔

روایت ہے مغیرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے حرام فرمایا ۱؎ ماؤں کی نافرمانی اور بچیوں کا زندہ دفن اور روک رکھنا لاؤ کرنا اور ناپسندیدہ کیا زیادہ قیل و قال بہت سوال ۲؎ بربادی مال	

	کو ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ چونکہ بمقابلہ باپ ماں کا حق زیادہ ہے،نیز ماں کمزور دل ہے بہت جلد رنجیدہ ہوجاتی ہے یا اکثر اولاد وہاں سے ہی ضد کرتی ہے اس کا حکم نہیں مانتی اس لیے صرف ماں کا ذکر فرمایا ورنہ باپ کی نافرمانی بھی ممنوع ہے،اہلِ عرب زندہ بچیوں کو دفن کر دیتے تھے۔**وھات** کے معنی یہ ہیں کہ ہمیشہ لیتے رہنا کبھی کسی کو دینا نہیں۔چاہیے یہ کہ لینا سیکھے تو دینا بھی سیکھے،بعض نے فرمایا کہ اس کے معنی ہیں واجب حقوق ادا نہ کرنا حرام کمائی سے پرہیز نہ کرنا۔

۲؎ یعنی ہر حکم کی وجہ پوچھنا عمل نہ کرنا یا زیادہ بولنا لوگوں سے مانگتے رہنا۔

۳؎ حرام رسموں میں مال خرچ کرنا فضول خرچی ہے،مال اڑانا مال کی بربادی ہے،اچھا کھانا پینا جب کہ اس میں اسراف اور تکبر نہ ہو بالکل جائز ہے یہ فرمان عالی جامع کلمات میں سے ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ بلاتکلف ہم وزن الفاظ بولنا ممنوع نہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گناہ کبیرہ سے ہے کسی شخص کا اپنے ماں باپ کو گالی دینا ۱؎ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دیتا ہے فرمایا ہاں ۲؎ یہ کسی کے باپ کو گالی دے تو وہ اس کے باپ کو گالی دے اور یہ کسی کی ماں کی گالی دے تو وہ اس کی ماں کو گالی دے ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ بمعنی اپنے ماں باپ کو یا ان میں سے ایک کو گالی دیتا ہے۔

۲؎ فرمایا ہاں یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ کوئی بیٹا اپنے ماں باپ کو گالی دے سبحان اللہ!وہ زمانہ قدوسیوں کا تھا کہ یہ جرم ان کی عقل میں نہ آتا تھا اب تو کھلم کھلا نالائق لوگ اپنے ماں باپ کو گالیاں دیتے ہیں ذرا شرم نہیں کرتے۔

۳؎ خیال رہے کہ سبّ ہر قسم کے برا کہنے کو کہتے ہیں گالی ہو یا اور کچھ مگر **شتم** گالی کو کہا جاتا ہے،کبھی سب بمعنی **شتم** آتا ہے اور **شتم** بمعنی سب،کسی سے کہا تیرا باپ احمق ہے یہ ہے سب،کسی سے کہا تیرا باپ زانی ہے حرامی ہے یہ ہے **شتم**۔مطلب یہ ہے کہ کسی کے بزرگوں کو تم برا نہ کہو تاکہ وہ تمہارے بزرگوں کو برا نہ کہے،یہ ہی حکم اولاد و عزیزوں کے متعلق ہے تم کسی کی بیٹی بہن بھانجی کو گالی نہ دو تاکہ وہ تمہاری بیٹی بہن بھانجی کو گالی نہ دے جیسے کہو گے ویسی سنو گے بہت اعلیٰ اخلاق کی تعلیم ہے کسی نے کیا خوب کہا۔شعر

گر ما درخویش دوست داری ‌‌ ‌ دشنام مکن بہ مادر من

ابن ابی الدنیا میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعًا ہے کہ کسی مسلمان کی آبرو ریزی کرنا اسے بہتان لگانا گناہ کبیرہ میں سے ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین بھلائیوں میں سے کسی شخص کا اپنے باپ کے غائب ہونے کے بعد اس کے محبت والوں سے سلوک کرنا ہے ۱؎(مسلم)

۱؎یولی عام ہے جس میں سفر موت دونوں داخل ہیں یعنی جب ماں باپ سفر میں گئے ہوں یا وفات پاچکے ہوں تو ان کے دوستوں کو اپنا باپ سمجھنا ان سے سلوک کرنا اس لیے کہ یہ ہمارے والدین کے دوست ہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو چاہے کہ اس کے رزق میں وسعت دی جاوے اور اس کی موت میں دیر کی جاوے ۱؎تو وہ صلہ رحمی کرے۔(مسلم،بخاری)

۱؎نساء کہتے ہیں دیر لگانے کو اس لیے ادھار کو **نسیہ** کہا جاتا ہے کہ وہاں مال دیر سے ملتا ہے۔**اثر** کہتے ہیں نشان قدم کو،مرنے سے نشان قدم جاتے رہتے ہیں کہ پھر انسان چلتا پھرتا نہیں،پھر زندگی کو **اثر** کہنے لگے کہ زندگی میں نشان قدم زمین میں پڑتے ہیں۔موت میں دیر لگانے سے مراد ہے عمر دراز دینا یعنی جو رزق میں برکت عمر میں درازی چاہے وہ رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرے۔خیال رہے کہ تقدیر تین قسم کی ہے:مبرم،معلق،مشابہ مبرم،تقدیر مبرم میں کمی و بیشی ناممکن ہے مگر باقی دو تقدیروں میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔دعا نیک اعمال سے عمر بڑھ جانے اور بددعا بدعمل سے عمر گھٹ جانے کا یہ ہی مقصد ہے کہ آخری دو قسم کی عمریں گھٹ بڑھ جاتی ہیں۔ہم یہ مسئلہ **باب القدر** میں بیان کرچکے ہیں اور تفسیر نعیمی کے پہلے پارہ میں بھی عرض کرچکے ہیں۔دیکھو حضرت آدم علیہ السلام کی دعا سے حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر بجائے ساٹھ سال کے سو ۱۰۰ برس ہوگئی،حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے وفات یافتہ لوگ جی جاتے تھے اور زندہ رہتے تھے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے مخلوق پیدا فرمائی ۱؎جب اس سے فارغ ہوا تو رحم اٹھ کھڑا ہوا پھر اس نے رحمان کا دامن کرم پکڑلیا ۲؎رب نے فرمایا کیا ہے ۳؎ عرض کیا یہ جگہ ہے اس کی جو توڑے جانے سے تیری پناہ لے ۴؎فرمایا کیا تو اس سے راضی نہیں کہ جو تجھے جوڑے میں اسے جوڑوں اور جو تجھے توڑے اسے توڑ دوں ۵؎بولا ہاں اے رب فرمایا تو ایسا ہی ہے۔(مسلم،بخاری)

۱؎ یہاں خلق سے مراد یا تو پیدائش کا فیصلہ فرمانا ہے یا اندازہ لگانا لہذا حدیث واضح ہے۔

۲؎ حقو کہتے ہیں کمر کو جہاں کمر بندیا تہبند باندھا جاتا ہے۔عرب والے جب کسی کی پناہ لیتے یا اس سے کچھ ضروری عرض معروض کرنا چاہتے تھے تو اس کی کمر سے لپٹ جاتے تھے یہاں وہ ہی استعارہ استعمال فرمایا گیا ہے۔رحم سے مراد رحمی رشتہ داری ہے اس عالم میں ہر چیز کی شکل ہے لہذا یہ رشتہ داری ایک خاص شکل میں تھی اور اس نے صاف صاف یہ عرض کیا قیامت میں ہمارے اعمال،قرآن،رمضان کی خاص شکلیں ہوں گی وہ کلام کریں گے لہذا حدیث واضح ہے،بعض شارحین نے کہا کہ یہ حدیث متشابہات سے ہے کہ اسے بغیر سمجھے ہی مان لو۔

۳؎ مہ مخفف ہے ماھذا کا یا اسم فعل ہے یا اصل میں لفظ ماتھاہ وقف کی ہے مطلب یہ ہی ہے کہ تو کیا کہتا ہے۔

۴؎ رحم توڑے جانے سے مراد ہے حقوق قرابت ادا نہ کرنا یعنی اس بات سے تیری پناہ لیتا ہوں کہ کوئی میرے حق ادا نہ کرے۔

۵؎ یعنی جو شخص اپنے اہل قرابت کے حق بالکل ادا نہ کرے اور دوسری عبادتیں کرے گا وہ مجھ تک نہ پہنچ سکے گا اور جو حقوق ادا کرے گا اگرچہ گنہگار ہوگا وہ میری رحمت میں داخل ہوگا بلکہ اسے دنیا ہی میں اور خیر کاموں کی توفیق بھی مل جاوے گی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رشتہ داری کے حقوق ادا کرنا واجب ہے قطع رحمی گناہ کبیرہ ہے،صلہ رحمی کے بہت درجے ہیں جتنا رشتہ قوی اتنے ہی حقوق زیادہ یہ ضرور خیال رہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رحم بنا ہوا ہے رحمٰن سے۱؎ رب نے فرمایا ہے کہ جو تجھے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا۲؎ اور جو تجھے توڑے گا میں اسے توڑوں گا ۳؎ (بخاری)

۱؎ یعنی رحمان رحمٌ سے بنا ہے لہذا رحم کا رحمٰن سے بہت گہرا تعلق ہے۔شجنۃ درخت کی رگیں جو ایک دوسرے میں گھتی ہوئی ہوں۔مطلب یہ ہے کہ رحمٰن اور رحم کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔(مرقات)جو رحم کے حقوق سے الگ ہوا وہ خدا تعالٰی سے الگ ہوا۔

۲؎ یعنی جو رشتہ داروں سے الگ رہے گا مجھ سے الگ رہے گا۔

۳؎ رحم توڑنے سے مراد ہے رشتہ داری کے حقوق ادا نہ کرنا رب تعالٰی کے اس کو توڑنے سے مراد ہے اپنی رحمت سے دور کردینا یعنی جو رشتہ داروں کے حقوق ادا نہ کرے گا وہ اللہ کی رحمت سے دور رہے گا۔

	روایت ہے حضرت جبیر ابن مطعم سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رشتے توڑنے والا جنت میں نہ جائے گا ۱؎ (بخاری،مسلم)

۱؎ عرش سے مراد یا تو عرش اعظم ہی ہے یا بلند مقام،پہلا احتمال قوی ہے یعنی رشتہ داروں کا حق قرابت کا تعلق دور رہے گا۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رحم عرش سے لٹکا ہوا ہے۱ کہہ رہا ہے کہ جو مجھے جوڑے اللہ اسے جوڑے اور جو مجھے توڑے اللہ اسے توڑ دے گا ۲(مسلم،بخاری)

۱اس عبارت کے معنی پہلے بیان ہوچکے کہ جو رشتہ داروں کا حق ادا کرے گا اللہ سے قرب پائے گا اور جو ادا نہ کرے گا یا ان پر ظلم کرے گا وہ اللہ کی رحمت سے دور ہوجاوے گا۔اس میں گفتگو ہے کہ رشتہ داروں کی حد کہاں تک ہے جس کے حقوق ادا کرنا ضروری ہیں۔بعض علماء نے فرمایا کہ جن سے نکاح حرام ہے وہ ذی رحم ہیں لہذا چچا زاد خالہ زاد ذی رحم نہیں،بعض نے فرمایا کہ جن دو کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے وہ ذی رحم ہے،بعض کے نزدیک جن کو میراث پہنچ سکے وہ ذی رحم ہے لہذا والدین،اولاد،بھائی،بہن چچا ماموں ان کی اولاد سب ذی رحم ہیں یہ ہی قول قوی ہے۔(مرقات)رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلٰی بِبَعۡضٍ"۔یہ گفتگو ذی رحم کے متعلق ہے ان کے علاوہ دوسرے قرابت دار جیسے ساس،سالا،رضاعی ماں رضاعی بھائی یعنی ان کے ساتھ بھی سلوک کرے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّہٗ"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حلیمہ اور جناب ثویبہ کے عزیزوں سے سلوک کئے۔
۲ قاطع سے مراد یا تو ڈاکو ہے یعنی قاطع طریق(راہ مار)یا قاطع رحم یعنی رحم یعنی حقوق ادا نہ کرنے والا دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں اس لیے یہ حدیث اس باب میں لائی گئی یعنی یہ لوگ اولًا جنت میں نہ جائیں گے پہلے سزا پائیں گے پھر جائیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رشتہ جوڑنے والا وہ نہیں جو یہ بدلہ چکائے لیکن جوڑنے والا وہ ہے کہ جب اس سے رشتہ توڑا جائے تو وہ اسے جوڑ دے۱ (بخاری)

۱یعنی جو شخص اپنے عزیزوں سے سلوک کرے مگر بدلہ میں کہ وہ کچھ کریں تو اس کی عوض یہ بھی کرے وہ ناقص ہے،کامل رشتے جوڑنے والا وہ ہے جو اپنے عزیزوں کی برائی کا بدلہ بھلائی سے کرے کہ وہ اس پر زیادتی کریں تو یہ سلوک کرے،اس کی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف ہے۔یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے ظلم سہہ کر ان کی پرورش فرمائی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ"۔غرضیکہ یہ حدیث کمال اخلاق کی تعلیم دے رہی ہے۔

	روایت ہے ابوہریرہ سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے قرابت دار ہیں۱ میں ان سے جوڑتا ہوں اوروہ مجھ سے توڑتے ہیں،ان سے بھلائی کرتا ہوں وہ مجھ سے برائی کرتے ہیں،میں ان سے بردباری سے

	برتتا ہوں ۲؎ وہ مجھ پر جہالت کرتے ہیں تو فرمایا کہ اگر ویسا ہی ہے جیسے کہہ رہا ہے تو تو ان کے منہ میں بھوبل ڈال رہا ہے۳؎ اور تیرے ساتھ اللہ کی طرف سے ان پر مددگار رہے گا جب تک تو اس حال پر رہے ۴؎(مسلم)

۱؎ یہاں قرابت سے مراد ذی قرابت یعنی رشتہ دار ہیں یہ صاحب ان کی شکایت بارگاہِ رسالت میں کررہے ہیں۔

۲؎ غرضکہ ہر طرح ان کی برائیوں کا بدلہ بھلائی سے دیتاہوں۔یہ دوسروں کی غیبت یا اپنی شیخی مارنا نہیں بلکہ مسئلہ دریافت کرنا ہے۔

۳؎ سف کے معنی ہیں ان کے منہ میں بھرتا ہے،مل میم کے فتح لام کے شد سے بمعنی گرم راکھ جسے اردو میں بھوبل کہتے ہیں اس جملہ کے بہت معنی ہیں: ایک یہ کہ اس حالت میں ان لوگوں کو تیرا مال حرام ہے اور پھر وہ کھارہے ہیں تو گویا اپنے منہ میں بھوبل بھررہے ہیں،دوسرے یہ کہ ان کو ان حالات میں ایسی شرمندگی چاہیے کہ ان کے منہ جھلس جاویں جیسے بھوبل پڑ جانے سے منہ جھلس جاتا ہے،تیسرے یہ کہ ان کی برائیوں کی عوض تیرا ان سے سلوک کرنا گویا ان کے منہ بھوبل سے بھرنا ہے تو انہیں ذلیل کررہا ہے تیری عزت بڑھ رہی ہے،ان کی شرمندگی وذلت،خیرات سے مال بڑھتا ہے عفو کرم سے عزت بڑھتی ہے۔

۴؎ یعنی جب تک تیرا یہ حلم اور برائی کی عوض بھلائی ہے تب تک اللہ تعالٰی کی طرف سے تجھے مدد پہنچتی رہے گی یا تجھ پر رب کی طرف سے فرشتہ مقرر رہے گا جو تجھے ان کی شر سے بچائے گا اور تیرے عزت و مال میں برکت دے گا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ثوبان سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تقدیر کو نہیں ردکرتی مگر دعا ۲؎ اور عمر میں نہیں زیادتی کرتا مگر اچھا سلوک ۳؎ اور یقینًا انسان رزق سے محروم ہوجاتا ہے اس گناہ سے جو اسے پہنچے ۴؎(ابن ماجہ)

۱؎ آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے کہ آپ ثوبان ابن بجدد ہیں،کنیت ابو عبداللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں،سفروحضر میں حضور کے ساتھ رہے،حضور کی وفات کے بعد شام چلے گئے،پہلے رملہ میں پھر حمص میں قیام رہا وہاں ہی ۵۴ ؁ھ میں وفات پائی۔

۲؎ تقدیر معلق ہے اور دعا سے مراد دعائے مقبول ہے خواہ اپنی دعا ہو یا کسی بزرگ کی،تقدیر مبرم کسی طرح بھی نہیں بدل سکتی۔(مرقات واشعہ)تقدیر معلق کہتے ہیں اسے ہی جو شرائط و قیود پر موقوف رکھی گئی کہ فرشتوں سے فرمایا گیا ہو کہ فلاں شخص اگر یہ کرے گا تو اس کا یہ یہ ہوگا علم الٰہی میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

۳؎ یعنی اپنے ماں باپ اور قرابت دار عزیزوں سے اچھا سلوک کرنا عمر بڑھادیتا ہے اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو ابھی تقدیر بدلنے کے متعلق عرض کیا گیا کہ انسان کی عمر دو قسم کی ہے: عمر مبرم یعنی علم الٰہی اور اس کا قطعی فیصلہ اس میں زیادتی کمی ناممکن ہے،دوسری عمر معلق جہاں فرشتوں اولیاءاللہ کو اطلاع یوں دی گئی ہو کہ اگر یہ فلاں نیکی کرے تو اس کی عمر اتنی ہوگی اگر گناہ کرے تو اس سے کم جب یہ بندہ نیکی کرلیتا ہے تو اسے وہ ہی زیادہ عمر مل جاتی ہے جو نیکی پر معلق تھی۔

۴؎ اس فرمان کے چند معنی ہیں:ایک یہ کہ گناہوں سے رزق آخرت یعنی ثواب اعمال گھٹ جاتا ہے۔دوسرے یہ کہ مؤمن کا گناہوں کی وجہ سے رزق روحانی یعنی اخلاص،اطمینان قلب،دل کا چین و سکون،رغبت الی اللہ گھٹ جاتی ہے۔تیسرے یہ کہ مؤمن اپنے گناہوں کی وجہ سے تنگی رزق،یا بلاؤں میں گرفتار ہوجاتا ہے تاکہ ان کی وجہ سے گناہوں سے توبہ کرکے پاک و صاف ہوکر دنیا سے جائے لہذا اس فرمان پر یہ اعتراض نہیں کہ اکثر متقی پرہیزگار لوگ مفلوک الحال ہوتے ہیں اور فاسق و بدکار بڑے مالدار۔(مرقات،اشعہ)

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں جنت میں گیا تو میں نے اس میں تلاوت سنی ۱؎ میں نے کہا یہ کون ہے بولے یہ حارثہ ابن نعمان ہیں ۲؎ بھلائی ایسی ہوتی ہے بھلائی ایسی ہوتی ہے ۳؎ اور وہ اپنی ماں کے ساتھ سب سے زیادہ نیکوکار تھے ۴؎ شرح سنہ بیہقی شعب الایمان اور ان کی روایت میں ہے فرمایا میں سویا تو میں نے اپنے کو جنت میں دیکھا ۵؎ بجائے **دخلت الجنۃ** کے۔	

۱؎ یعنی ایک بار خواب میں ہم نے جنت دیکھی تو کسی کو خوش الحانی سے قرآن مجید تلاوت کرتے پایا **قراءۃ** کی تنوین مضاف الیہ کے عوض ہے یعنی **قراءۃ القرآن**۔

۲؎ آپ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں،غزوہ بدر واحد میں شریک ہوئے،ایک بار حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور کے پاس کوئی شخص بیٹھا تھا آپ نے سلام کیا اس شخص نے بھی جواب دیا،جب دوبارہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا وہ صاحب جنہوں نے تم کو سلام کا جواب دیا حضرت جبریل تھے۔غالبًا حارثہ اس وقت وفات پاچکے تھے ہوسکتا ہے کہ اس وقت زندہ ہوں،پہلا احتمال قوی ہے۔

۳؎ یہ جملہ یا تو حضور انور کا فرمان ہے جو صحابہ سے فرمایا یا فرشتوں کی عرض و معروض ہے جو انہوں نے حضور سے کی تو **ذلکم** کی جمع تعظیم کے لیے ہے۔

۴؎ یہ قول راوی ہے کہ وہ اپنی زندگی میں اپنی والدہ کی بہت ہی خدمت کرتے تھے اس کی وجہ سے انہیں یہ عظمت ملی۔

۵؎ اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ یہ واقعہ خواب کی معراج کا ہے نہ کہ بیداری کی معراج کا جیساکہ ابھی عرض کیا گیا۔

روایت ہے عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رب کی رضا باپ کی رضا مندی میں ہے اور رب کی ناراضی باپ کی ناراضی میں ہے ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ غالبًا اس وقت باپ کی خدمت ہی کا ذکر ہوگا اس لیے صرف باپ کا ذکر فرمایا ورنہ ماں کا بھی یہ ہی حکم ہے بلکہ بطریق اولیٰ اس کی مستحق ہے،ممکن ہے کہ والد سے مراد جنس ہو یعنی ولادت والا خواہ مرد ہو یا عورت یعنی ماں ہو یا باپ۔طبرانی نے حضرت ابن عمر سے مرفوعًا روایت کیا فی رضا الوالدین اور فی سخطھا۔وہ حدیث اس کی شرح ہے کہ والد سے مراد والدین ہیں۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ حضور کا یہ فرمان خود عبداللہ ابن عمرو سے تھا کہ وہ خود عابد زاہد تہجد گزار شب بیدار تھے مگر ان کے والد عمرو ابن عاص نے حضور سے شکایت کی کہ میں اپنے بیٹے سے ناراض ہوں تب آپ نے یہ ان سے فرمایا۔

روایت ہے حضرت ابی الدرداء سے کہ ایک شخص انکے پاس آیا بولا میری بیوی ہے اور میری ماں اسے طلاق دے دینے کا مجھے حکم دیتی ہے ۱؎ تو ان سے ابوالدرداء نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ والدین جنت کے دروازوں میں بیچ کا درازہ ہیں تو اگر تم چاہو تو دروازہ سنبھال لو یا اسے ڈھا دو ۲؎ (ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی فرمایئے میں کیا کروں اسے طلاق دوں یا نہ دوں کہ طلاق تمام مباح چیزوں میں بہت ہی ناپسندیدہ چیز ہے۔

۲؎ مقصد یہ ہے کہ یا تو اپنی بیوی سے اپنی ماں کو راضی کردو ساس بہو کی صلح کرا دو یا طلاق دے دو صراحۃً طلاق کا حکم نہ دیا کہ ایسی صورت میں طلاق دینا واجب نہیں بہتر ہے اور اگر ماں باپ بیوی پر ظلم کرنے کا حکم دیں کہ اسے خرچہ نہ دے اسے میکے میں چھوڑ دے تو ہرگز نہ کرے کہ ظلم حرام ہے ماں باپ کی اطاعت حکم شرع کے خلاف میں نہیں۔

روایت ہے بہز ابن حکیم سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں کس سے سلوک کروں فرمایا اپنی ماں سے میں	

نے عرض کیا پھر کس سے فرمایا پھر اپنی ماں سے میں نے عرض کیا پھر کس سے فرمایا اپنی ماں سے میں نے عرض کیا پھر کس سے فرمایا اپنے باپ سے ۲؎ پھر درجہ بدرجہ قرابت داروں سے ۳؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے کہ آپ بہزابن حکیم ابن معاویہ ابن حیدہ قشیری ہیں،بصری ہیں،یہاں جدہ میں ہ ضمیر بہز کی طرف لوٹتی ہے لہذا معاویہ ابن حیدہ سے یہ روایت ہے۔

۲؎ اس کی شرح پہلے ہوچکی کہ حق الخدمت ماں کا تین گنا ہے باپ کا ایک گنا کہ ماں نے بچہ کو اولًا پیٹ میں رکھا،پھر جنا،پھر دودھ پلایا،اس کے بعد کی پروش میں ماں باپ دونوں شریک رہے۔خیال رہے کہ حق خدمت ماں کا زیادہ ہے۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ قرابت داروں سے مراد نسبی قرابت دار ہیں ان میں جتنا قرب زیادہ اتنا حق زیادہ۔چنانچہ پہلے بھائی بہن پھر ماموں چچا وغیرہ اور ہوسکتا ہے کہ قرابت دار عام مراد ہوں جن میں ساس،سالا رضاعی ماں وغیرہ سب شامل ہوں۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تبارک و تعالٰی فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں ۱؎ اور میں رحمان ہوں میں نے رحم کو پیدا فرمایا ۲؎ اور اس کے لیے اپنے نام سے نام مشتق کیا ۳؎ تو جو اسے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا اور جو اسے توڑے گا میں اسے توڑوں گا ۴؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی معبود حقیقی ہوں،سب سے غنی ہوں،سب کا داتا ہوں۔

۲؎ رحم سے مراد یا تو رحمی رشتے اور قرابت داریاں ہیں یا خاص رحم ہے یعنی بچہ دانی جو عورت کے پیٹ میں ہے کہ یہ تمام نسبی رشتوں کا ذریعہ ہے۔

۳؎ یعنی اپنے نام سے اس کا نام بنایا یہاں اشتقاق صرفی مراد نہیں کہ اس قاعدہ سے تو لفظ رحمن بنا ہے رحم سے۔

۴؎ یعنی جو رشتہ داروں کے حقوق ادا کرے گا میں اسے اپنے سے ملالوں گا اور اپنی رحمت تک پہنچادوں گا اور جو ان کے حقوق ادانہ کرے گا یا ان پر ظلم کرے گا میں اسے اپنی رحمت سے دور کروں گا جو مجھ سے ملنا چاہے وہ اپنے عزیزوں کے حق ادا کرے گا یا ان پر ظلم کرے گا میں اسے اپنی رحمت سے دور کروں گا جو مجھ سے ملنا چاہے وہ اپنے عزیزوں کے حق ادا کرے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی سے فرماتے ہیں	

	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس قوم پر رحمت نہیں اترتی جن میں قرابت توڑنے والا ہو ۱؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎یعنی جس قوم میں ایک شخص اپنے عزیزوں کی حق تلفی کرتا ہو اور دوسرے لوگ اس کے اسی گناہ پر مدد کرتے ہوں یا باوجود قدرت کے اسے اس ظلم سے نہ روکتے ہوں تو وہ سب لوگ رحمت سے محروم ہیں گناہ کرنا بھی گناہ ہے باوجود قدرت کے گناہ سے نہ روکنا بھی گناہ ہے یا یہ مطلب ہے کہ اس ایک کی شامت سے یہ سب لوگ رب کی رحمت سے محروم ہوجاتے ہیں لہذا مطلب واضح ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوبکر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی گناہ اس لائق نہیں کہ اس کے مرتکب پر سزا اللہ دنیا میں بھی بھیجے مع آخرت میں ذخیرہ کرنے کے بمقابلہ بغاوت اور رشتہ توڑنے کے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎یعنی تمام گناہوں کی سزا آخرت میں ملے گی کیونکہ دنیا دارالعمل ہے آخرت دارالجزاء مگر دوگناہ ایسے ہیں جن کی سزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے اور آخرت میں بھی ملے گی: ایک بغی،دوسرا رشتہ داروں کا حق ادا نہ کرنا ان کی حق تلفی۔بغی کے معنی ظلم بھی ہیں،بادشاہ اسلام پر بغاوت کرنا بھی،تکبروغرور کرنا بھی یہاں تینوں معنی کا احتمال ہے۔(مرقات)دیکھا گیا ہے کہ ماں باپ کو ستانے والا دنیا میں بھی چین سے نہیں رہتا در بدر پھٹکارا پھرتا ہے،ماں باپ کا خدمتگار دنیا میں عیش،چین،عزت پاتا ہے یہ میرا خود اپنا تجربہ ہے۔طبرانی کی روایت میں ہے کہ عزیزوں کی حق تلفی خیانت اور جھوٹ اس لائق ہیں کہ ان کی سزا دونوں جہان میں ملے،رشتے داروں کی خدمت میں وہ نیکی ہے جس کی جزا دونوں جہان میں ملتی ہے حتی کہ بعض لوگ فاسق فاجر ہوتے ہیں مگر رشتہ داروں سے سلوک کی وجہ سے ان کی مال واولاد میں برکت ہوتی ہے۔(مرقات)یہ بھی تجربہ ہے بعض فساق ماں باپ کی خدمت کی برکت سے بہت پھلتے پھولتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں نہ جائے گا احسان جتانے والا اور نہ نافرمان اور ہمیشہ کا شراب خوار ۱؎ (نسائی،دارمی)

۱؎ منان بنا ہے من سے من کے چند معنی ہیں: کسی پر منت رکھنا یعنی کچھ دے کر اسے طعنے دینا،ایذا رسانی کرنا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِکُمۡ بِالۡمَنِّ وَ الۡاَذٰی"کاٹنا ختم کرنا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ لَکَ لَاَجۡرًا غَیۡرَ مَمۡنُوۡنٍ"خواہ قطع رحمی ہو یا قطع طریق یعنی ڈکیتی یہاں سارے معنی بن سکتے

ہیں۔(لمعات،مرقات)عاق ماں باپ کا نافرمان،مدمن خمر وہ جو شراب خوری کا عادی ہو اس سے توبہ نہ کرے یعنی یہ لوگ اولًا جنت میں جانے کے مستحق نہ ہوں گے۔خیال رہے کہ گناہ صغیرہ ہمیشہ کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے شراب خواری خود ہی سخت جرم ہے پھر اس پر ہیشگی ڈبل جرم۔

روایت ہے ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اپنے نسب یاد رکھوجس سے اپنے رشتے جوڑو ۱؎ کیونکہ رشتے جوڑنا گھر والوں میں محبت ہے،مال میں برکت ہے ۲؎ عمر میں درازی ہے ۳؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ یعنی اپنے ددھیال ننھیال کے رشتہ یاد رکھو اور یہ بھی دھیان میں رکھو کہ کسی سے ہمارا کیا رشتہ ہے تاکہ بقدر رشتہ ان کے حق ادا کرتے رہو،اگر تم کو رشتہ داروں کی خبر ہی نہ ہوگی تو ان سے سلوک کیسے کرو گے۔

۲؎ مثراۃ بناہے ثریٰ سے بمعنی کثرت اسی سے ہے ثروت،مثرات کے معنی ہیں زیادتی مال اور برکت کا ذریعہ ہے۔

۳؎منساۃ بنا ہے نساء سے بمعنی تاخیر یادیر اس لیے ادھار کونسیہ کہتے ہیں کہ اس کی وصولی میں دیر ہوتی ہے۔اجل بمعنی موت یعنی اس کی برکت سے موت دیر سے آتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عمر بڑھتی ہے اس کا بہت لوگوں سے تجربہ کیا ہے بالکل درست پایا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہواتو عرض کیا یارسول اللہ میں نے بہت بڑا گناہ کرلیا ہے تو کیا میری توبہ ہوسکتی ہے ۱؎ فرمایا کیا تیری ماں ہے عرض کیا نہیں فرمایا کیا تیری کوئی خالہ ہے عرض کیا کہ ہاں فرمایا اس سے اچھا سلوک کرو ۲؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی میں نے قولی یا عملی بدترین گناہ کرلیا ہے ایسے بدترین گناہ کی بھی توبہ ہوسکتی ہے یا نہیں۔خیال رہے کہ یہاں سوال گناہ کے متعلق ہے کسی بندے کے حق کے متعلق نہیں کہ حق العبد بغیر ادا کیے یا بغیر اس صاحب حق کے معاف کیے معاف نہیں ہوتا۔

۲؎ یہ ہے حضور کی شان پردہ پوشی کہ اس سے پوچھانہیں کہ تو نے گناہ کیا کیا ہے تاکہ وہ لوگوں کے سامنے بیان کرکے رسوا نہ ہو۔حضور کو معلوم تھا کہ اس نے گناہ کیا ہے جو صلہ رحمی کی وجہ سے معاف ہوسکتا ہے کسی کا حق نہیں مارا ہے جس کی معافی صلہ رحمی وغیرہ نیک عمل سے نہ ہوسکے۔اس فرمان عالی سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ صلہ رحمی سے گناہ معاف ہوتے ہیں کہ صلہ رحمی بھی نیکی ہے اور نیکیوں سے گناہوں کی معافی ہوتی

ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ"۔دوسرے یہ کہ چھپے گناہ کی توبہ بھی چھپ کر ہی کرے،ہاں علانیہ گناہ کی توبہ علانیہ کرے التوبة علی قدر الحوبة توبہ گناہ کے حد کی ہو اس سے نبی کریم کے علم غیب کا بھی ثبوت ہوا۔

روایت ہے حضرت ابواسید ساعدی سے فرماتے ہیں جب کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ بنی سلمہ کا ایک آدمی آیا عرض کیا یارسول اللہ کیا میرے والدین کی بھلائیوں میں سے کوئی بھلائی باقی ہے جو میں ان کی موت کے بعد ان سے کروں ۱؎ فرمایا ہاں ان کے لیے دعا رحمت ان کی بخشش کی دعا ان کے بعد ان کے وعدے پورے کرنا اور ان رشتوں کو جوڑنا جو ان ہی کی وجہ سے ہی جوڑے جائیں ۲؎ اور ان کے دوستوں کا احترام کرنا ۳؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،انصاری ہیں،تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے،آپ سے بہت محدثین نے روایات کیں آخر میں نابینا ہوگئے تھے،۷۸ اٹھتر سال عمر پائی، ۶۰ھ ساٹھ میں وفات ہوئی،آپ سارے بدری صحابہ میں آخری صحابی تھے کہ آپ کی وفات سے بدری صحابہ کا سلسلہ ختم ہوا،بڑی عظمتوں برکتوں والے تھے رضی اللہ عنہ۔یعنی میرے ماں باپ کا انتقال ہوچکا ہے اب میں ان سے کوئی سلوک کیسے کروں دل چاہتا ہے کہ سلوک کا سلسلہ قائم رہے۔

۲؎ یعنی اب تم ان کے ساتھ چار قسم کے سلوک کرسکتے ہو: ایک تو ان کے لیے دعاء خیر اور ان کے گناہوں کی معافی کی رب سے درخواست،دعا میں نماز جنازہ بھی داخل ہے۔(مرقات)ہر نماز کے آخر میں رب اغفرلی ولوالدی پڑھنا بھی،ان کے نام پر صدقات و خیرات کرنا بھی،ان کی طرف سے حج بدل کرنا یا کرانا بھی،ان کا تیجہ،دسواں،چالیسواں،برسی وغیرہ کرنا بھی غرضکہ یہ ایک لفظ بہت جامع ہے یعنی ان کی وصیت پوری کرنا اس کے علاوہ انہوں نے اپنی زندگی میں کسی سے جو وعدہ کیا ہو اور بغیر پورا کیے مر گئے ہوں وہ پورا کرنا اس میں ادائے قرض بھی داخل ہے۔بعض لوگ اپنے والدین کی اچھی رسمیں باقی رکھتے ہیں یہ بھی اسی میں داخل ہے،اگر ماں باپ کسی تاریخ میں خیرات کرتے تھے یا میلاد شریف گیارھویں کرتے تھے تو وہ ہمیشہ نبھاتے ہیں،جس مسجد میں نماز پڑھتے تھے اس مسجد کی آبادی کی کوشش کرتے ہیں،جس خانقاہ سے انہیں عقیدت تھی اس خانقاہ سے وابستہ رہتے ہیں یہ صورتیں اسی حدیث میں داخل ہیں۔

۳؎ اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ جن عزیزوں سے رشتہ صرف ماں یا باپ کی وجہ سے ہو دوسری وجہ سے نہ ہو ان سے سلوک کرنا کہ یہ میرے والدین کی خوشنودی کا ذریعہ ہے اس میں بھائی بہن،چچا ماموں،پھوپھی خالہ سب ہی داخل ہیں۔دوسرے یہ کہ خالص رضاء والدین کے لیے ان سے سلوک کرنا اپنی ناموری

یا شہرت وغیرہ کو دخل نہ دے۔اس سے معلوم ہوا کہ بندوں کی رضا کے لیے کام کرنا بھی بعض صورتوں میں ثواب کا باعث ہے لہذا حضور کی رضا کے لیے نیک اعمال کرنا بالکل جائز ہے شرک یا گناہ نہیں نبی کریم کا حق ماں باپ سے زیادہ ہے،مرقات و اشعہ نے اسی دوسرے احتمال کو اختیار کیا۔غرضکہ ان عزیزوں کی والدین کی رضا کے لیے خدمت کرے اور والدین کی رضا اللہ رسول کی رضا کے لیے چاہیے۔احترام میں تعظیم و اکرام بھی داخل ہے اور ان کی خدمت ان پر مال خرچ کرنا بھی شامل ہے،بیٹا باپ کے دوستوں ماں کی سہیلیوں سے سلوک کرے۔

روایت ہے حضرت ابو طفیل سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام جعرانہ میں گوشت تقسیم فرماتے دیکھا ۲؎ کہ ایک بی بی صاحبہ آئیں حتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہوگئیں تو حضور نے ان کے لیے اپنی چادر بچھادی وہ اس پر بیٹھ گئیں ۳؎ میں نے کہا یہ کون ہیں لوگوں نے کہا یہ حضور کی وہ ماں ہیں جنہوں نے حضور کو دودھ پلایا ہے ۴؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ کا نام عامر ابن واثلہ ہے،امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے خاص ہمراہیوں میں سے ہیں،آخری صحابی جن کی وفات ہوئی آپ ہی ہیں،آپ کی وفات سے دور صحابہ ختم ہوا۔

۲؎ جعرانہ مکہ معظّمہ سے ایک منزل فاصلہ پر ہے طائف کے راستہ میں میدان حنین سے متصل ہے غزوہ حنین کے بعد حضور انور نے یہاں سولہ دن قیام فرمایا یہاں ہی حنین کی غنیمتیں تقسیم فرمائیں۔

۳؎ اللہ اکبر بادشاہوں کے ایلچی آئیں تو جوتوں پر بیٹھیں جبریل امین آئیں تو التحیات کی طرح حضور کے سامنے دو زانو بیٹھیں مگر یہ خوش نصیب بی بی حاضر ہوں تو ان کے لیے چادر بچھائی جس پر وہ بیٹھیں یہ ہے دودھ کی ماں کی عزت و احترام ۔

۴؎ یہ والدہ حضرت حلیمہ بنت ابی ذویب ہیں جو قبیلہ ہوازن کی ایک بی بی ہیں حضور کی شیر خوارگی کی مدت آپ نے پوری کرائی،غزوہ حنین کے موقعہ پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں،آپ ان کے لیے کھڑے ہوگئے اور اپنی چادر مبارک بچھادی۔حق یہ ہے کہ ثویبہ اور حلیمہ اسی طرح حلیمہ کے خاوند مسلمان ہوگئے۔بی بی خدیجہ سے جب حضور انور نے نکاح کرلیا تو ثویبہ حضور کے پاس آیا کرتی تھیں حضور ان کا بہت احترام فرماتے تھے اور مدینہ منورہ سے ثویبہ کے لیے کپڑے وغیرہ ہدایا بھیجا کرتے تھے،بی بی ثویبہ کی وفات فتح خیبر کے بعد ہے۔دیکھو(مرقات،اشعہ)

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جب کہ تین آدمی چل رہے تھے	

کہ انہیں بارش نے آ لیا تو وہ پہاڑ میں ایک غار کی طرف چلے گئے تو ان کے غار کے منہ پر پہاڑ کی ایک چٹان آ گری تو ان کو ڈھک لیا تب ان میں سے بعض نے بعض سے کہا کہ ان نیک اعمال کو سوچو جو تم نے اللہ کے لیے کیے ہوں اس کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کرو۱ کہ اللہ اسے کھول دے تو ان میں سے ایک بولا الٰہی میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میرے بچے چھوٹے تھے ۲ میں ان کے لیے جانور چراتا تھا جب میں شام کو ان کے پاس آتا دوہتا تو اپنے ماں باپ سے ابتداء کرتا کہ انہیں اپنے بچوں سے پہلے پلاتا۳ مجھے ایک درخت دور لے گیا ۴ تو میں نہ لوٹا حتی کہ شام ہوگئی پھر میں نے ان دونوں کو پایا کہ سو گئے تھے ۵ میں نے دودھ دوہا جیسے دوہا کرتا تھا پھر میں دودھ لایا تو ان کے سر کے پاس کھڑا ہوگیا میں ان کو جگانا پسند نہ کرتا تھا اور یہ بھی نہ چاہتا تھا کہ ان سے پہلے بچوں سے ابتداء کروں ۶ اور بچے میرے قدموں کے پاس بھوک سے رو رہے تھے میری ان کی حالت یہ ہی رہی حتی کہ صبح طلوع ہوگئی ۷ تو اگر تو جانتا ہو کہ میں نے یہ تیری رضا کی تلاش کے لیے کیا ہے ۸ تو اتنی کشادگی کردے جس سے ہم آسمان دیکھ لیں ۹ چنانچہ اللہ نے ان کے لیے اتنا کھول دیا کہ وہ آسمان دیکھنے لگے ۱۰ دوسرا بولا الٰہی میری چچا زاد تھی جس سے میں بہت ہی محبت کرتا تھا۱۱ جیسی مرد عورتوں سے کرتے ہیں میں نے اس کی طرف اس کے نفس کے مطالبہ کے لیے بھیجا۱۲ اس نے انکار کیا حتی کہ میں اس کو سو دینار دوں۱۳ چنانچہ میں نے محنت کی حتی کہ سو دینار جمع کرلیے پھر میں اس کے پاس وہ لایا جب میں اس کے دونوں پاؤں کے بیچ میں بیٹھا ۱۴ تو وہ بولی اے اللہ کے بندے اللہ سے ڈر، مہر نہ کھول ۱۵ میں اس کے سامنے اٹھ کھڑا ہوگیا ۱۶ الٰہی تو اگر تو جانتا ہو کہ میں	

	نے یہ تیری رضا کی تلاش کے لیے کیا تو اس میں اور زیادہ کشادگی کردے تو اللہ نے اور کشادگی فرمادی ۱۷؎ تیسرا بولا الٰہی میں نے مزدور رکھا تھا چاول کے ایک پیانہ کے عوض ۱۸؎ تو جب اس نے اپنا کام پورا کرلیا تو کہا مجھے میرا حق دے دو میں نے اس پر اس کا حق پیش کیا وہ اسے چھوڑ گیا ۱۹؎ اس سے بے رغبتی کی میں اس چاول کو بوتا رہا حتی کہ میں نے اس سے بیل اور چرواہے جمع کرلیے ۲۰؎ پھر وہ میرے پاس آیا بولا اللہ سے ڈر اور مجھ پر ظلم نہ کر مجھے میرا حق دے دے میں نے کہا ان بیلوں اور چرواہوں کی طرف جا وہ بولا اللہ سے ڈر مجھ سے دل لگی نہ کر ۲۱؎ میں نے کہا کہ میں تجھ سے دل لگی نہیں کرتا تو یہ بیل اور چرواہے لے لے اس نے قبضہ کرلیا اور لے گیا ۲۲؎ تو اگر تو جانتا ہو کہ میں نے یہ تیری رضا کی تلاش کے لیے کیا تو باقی ماندہ بھی کھول دے رب نے پھر ان سے کھول دیا ۲۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ معلوم ہوا کہ اپنے نیک اعمال کے توسل سے دعا کرنا چاہیے کہ یہ بھی ذریعہ قبولیت ہے اور جس کے پاس اپنی نیکیاں نہ ہوں جیسے ہم گنہگار تو وہ مقبول بندوں کی نیکیوں کی توسل سے دعا کریں جیسے ہم کہیں کہ خدایا حضور محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبول سجدوں کا توسل، حضرت حسین کی پیاری شہادت کا صدقہ، حضور غوث پاک کی اطاعتوں کے طفیل ہم کو اچھا خاتمہ اور تقویٰ توفیق دے انکے نیک اعمال یقینًا مقبول ہیں۔

۲؎ یعنی ماں باپ بوڑھے تھے بچے چھوٹے دونوں کمزور تھے میری خدمت کے حاجت مند ان سب کا میں ہی کفیل تھا۔

۳؎ معلوم ہوا کہ بوڑھے ماں باپ کو اپنی چھوٹی اولاد پر ترجیح دینا بھی نیکی ہے کہ پہلے ان کی خدمت کرے بعد میں بچوں کو سنبھالے۔

۴؎ یعنی اپنی بکریاں چرانے کے لیے مجھے دور جانا پڑا قریب میں مجھے کوئی درخت نہ ملا جس کے پتے جھاڑ کر بکریاں چراؤں اس لیے گھر دیر میں لوٹا۔

۵؎ یعنی میں جنگل سے رات گئے واپس ہوا پھر دودھ دوہتے ہوئے دیر ہوئی دودھ گرم کرنے میں اور وقت لگا حتی کہ جب میں والدین کے پاس لایا تو وہ سوچکے تھے یا یہ مطلب ہے کہ میرے آتے وقت ہی وہ سوچکے تھے اگر جاگتے ہوتے تو انہیں جلدی دھو کرپلا دیتا۔حلاب کے معنی ہیں دودھ یا دودھ کا برتن جس میں دودھ دوہا جاتا ہے۔

۶؎ خیال رہے کہ یہ بچوں پر ظلم نہیں بلکہ ماں باپ کا احترام ہے بوڑھے ماں باپ بھی بچوں کی طرح ہی ہوجاتے ہیں،جو انہیں تکلیف دے تو اس کی اولاد اس کے بڑھاپے میں اس کو ایذا دے گی یہ خدمت یا ایذا رسانی نقد سودا ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔(مرقات)

۷؎ صبح کو وہ اٹھے تو میں نے پہلے انہیں دودھ پلایا پھر بچوں کو دیا۔ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص رات بھر کھڑا رہا بچے کچھ دیر چیخ چلا کر سو گئے ہوسکتا ہے کہ بچے بار بار سوتے جاگتے رہے ہوں والدین سوتے رہے ہوں یہ کھڑا رہا ہو۔

۸؎ اس عرض و معروض میں رب کے علم میں تردد نہیں بلکہ اپنے اخلاص میں شک اور تردد ہے یعنی اگر میرے دل میں اخلاص ہوگا تب تو جانتا ہی ہوگا۔

۹؎ کیونکہ اس بند غار میں ہمارا دل گھٹ رہا ہے اس بے کسی بے دردی میں تو ہی ہمارا والی وارث ہے۔

۱۰؎ اس طرح کہ پتھر میں قوی جنبش پیدا ہوئی اور وہ خود بخود سرک گیا یا کسی فرشتے نے کام کیا بہرحال رب تعالٰی نے ان کی دستگیری کی۔

۱۱؎ یعنی یہ محبت چچازاد بہن ہونے کی نہ تھی بلکہ میں اس کا عاشق ہوگیا تھا عشق بھی شہوت کا تھا نہ وہ عشق مجازی جو عشق حقیقی کا ذریعہ ہے۔مصرع! این فساد خوردن گندم بو

۱۲؎ یہاں طلب ہی ارسال کے معنی ہیں اسی لیے بعد میں ایسا ارشاد ہوا یعنی میں نے اسے کہلا بھیجا کہ تو اپنی ذات میرے حوالے کردے زنا کے لیے۔(مرقات)

۱۳؎ یعنی اس نے زنا کرانے کی اجرت سو اشرفیاں مانگیں اسی اجرت کو خرچی کہتے ہیں۔

۱۴؎ اس طرح کہ میں نے اسے سو اشرفیاں کما کر دے دیں اس نے اپنا نفس مجھے حوالہ کردیا اور ہم دونوں تنہائی میں جمع ہوگئے اور زنا کے لیے بالکل تیار ہوگئے۔

۱۵؎ یعنی میں کنواری بھی ہوں پارسا بھی ابھی تک نہ خاوند کے پاس گئی نہ کسی اجنبی کے پاس۔**مہر** سے مراد پردہ بکارت ہے جو پہلی صحبت پر ٹوٹتا ہے یعنی مجھ سے زنا نہ کر رب یہاں بھی دیکھ رہا ہے۔

۱۶؎ گناہ نہ کرنا بھی کمال ہے مگر نازک حالات میں گناہ سے ہٹ جانا بڑا کمال،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ**"اور فرماتا ہے:"**اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى**"میں نے اپنی دی ہوئی نقدی بھی واپس نہ لی بطورِ صدقہ اس کو دے دی یہ اشرفیاں عورت کے لیے ابھی حرام تھیں اب حلال ہوگئیں یہ ہے انقلاب حقیقت۔

۱۷؎ چنانچہ اب اتنی کشادگی ہوگئی کہ دھوپ بھی غار میں آنے لگی مگر ابھی اتنی کشادگی نہیں ہوئی کہ یہ لوگ نکل سکتے اس لیے تیسرا بولا۔

۱۸؎ فرق اس پیمانے کا نام ہے جس میں سولہ رطل یعنی قریبًا آٹھ سیر دانہ سماتا ہے یعنی میں نے اسے آٹھ سیر دھان(منجی)کے عوض مزدور رکھا۔

۱۹؎ یعنی مزدور نے اپنی مزدوری مانگی میں نے پیش کردی مگر کسی وجہ سے اس نے اس مزدوری دھان پر قبضہ نہ کیا اور غائب ہوگیا۔

۲۰؎ اس طرح کہ وہ کئی سال تک نہ آیا میں اس زمانہ میں اس کے دھان بوتا کاٹتا رہا ہر سال وہ بڑھتے رہے حتی کہ چند سالوں میں اس کا مال بہت بڑھ گیا،بیل اور غلام بھی اس آمدن سے خریدلیے گئے۔اس سے معلوم ہوا کہ کسی کے مال کو فضول آدمی اگر تجارت میں لگا کر بڑھا دے تو جائز ہے اس میں گناہ نہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو ایک دینار بکری خریدنے کے لیے دیا انہوں نے ایک بکری خرید کر دو دینار میں فروخت کردی پھر ایک دینار میں دوسری بکردی خریدی پھر دینار اور بکری حضور کی بارگاہ میں لائے سرکار نے اس عمل پر ناراضی نہ فرمائی بلکہ ان کے لیے دعاء برکت کی۔(مرقات)اس سے بہت مسائل فقیہہ مستنبط ہوسکتے ہیں:(۱) مسجد،یتیم اور غائب آدمی کا متولی ان کے مال کو تجارت میں لگاسکتا ہے(۲)اس صورت میں سارا نفع مالک ہی کا ہوگا کام کرنے والے کو اس سے کچھ نہ ملے گا(۳)اس صورت میں یہ متولی اجرت نہ پائے گا کیونکہ مالک نے اسے اس کام کا حکم نہ دیا تھا(۴)ماں باپ کی خدمت،پاک دامنی اور خدمت خلق اعلیٰ درجہ کی نیکیاں ہیں(۵)فی زمانہ حکومتیں اپنے ملازمین کی تنخواہ سے کچھ فنڈ کاٹتی ہیں ملازمت سے الگ ہونے پر یہ جمع شدہ رقم مع زیادتی دیتی ہیں یہ سود نہیں ملازم کے لیے حلال ہے کیونکہ ملازم قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے اس فنڈ کی رقم کا مالک قابض نہ بنا لہذا وہ رقم دین نہیں یہ نفع سود نہیں،حکومت اس فنڈ سے تجارت کرتی ہے اس تجارتی نفع سے اس ملازم کو دیتی ہے اس عمل کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۲۱؎ وہ سمجھا کہ میری مزدوری چند سیر دھان تھے یہ اتنی زیادہ دولت پیش کررہا ہے مجھ سے دل لگی کررہا ہے۔

۲۲؎ بعض روایات میں ہے کہ اسے دس ہزار درہم دیئے یا تو یہ مال اس قیمت کا تھا یا یہ نقدی بھی اس تمام مال کے ساتھ تھی نیک نیتی کی برکت سے یہ کثرت ہوئی۔

۲۳؎ اس حدیث سے جہاں اور مسائل معلوم ہوئے وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ کرامات اولیاء حق ہے اور حضرات اولیاء مقبول الدعاء ہوتے ہیں یہ تینوں اس زمانہ کے اولیاء تھے۔(مرقات)حدیث شریف میں ہے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو اگرچہ کافر ہی ہو کہ مظلوم کی بددعا رائیگاں نہیں جاتی،اس کی نفیس تحقیق یہاں مرقات میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت معاویہ بن جاہمہ سے کہ جاہمہ ۱؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی یارسول اللہ میں جہاد کرنا چاہتا ہوں اور آپ سے مشورہ لینے حاضر ہوا ہوں ۲؎ تو فرمایا کیا تیری ماں ہے عرض کیا ہاں فرمایا اسے مضبوط پکڑو ۳؎ کیونکہ جنت اس کے پاس ہے ۴؎(احمد،نسائی،بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یہ معاویہ بھی صحابی ہیں،ان کے والد جاہمہ ابن عباس ابن مرداس سلمی بھی صحابی یہ اہلِ حجاز سے ہیں۔

۲؎ غالبًا اس وقت کفار کا دباؤ زیادہ نہ تھا بعض تھوڑے مسلمان بھی ان کے مقابلہ کے لیے کافی تھے۔غرضکہ اس وقت غزوہ فرض عین نہ تھا فرض کفایہ تھا۔
۳؎ یعنی اپنی ماں کے پاس رہو اس کی خدمت کرو تمہارے لیے اس وقت جہاد سے بہتر ماں کی خدمت ہے کہ ماں کو تمہاری خدمت کی ضرورت ہے۔
۴؎ پاؤں کا ذکر فرماکر اشارۃً بتایا کہ ماں کی خدمت اور اس کے سامنے عاجزی دونوں ہی ضروری ہیں۔خدمت کے ساتھ اکڑ نہ کرے اس کے پاؤں سے لگارہے تب جنت پائے گا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میرے پاس بیوی تھی جس سے میں محبت کرتا تھا اور حضرت عمر اسے ناپسند کرتے تھے انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اسے طلاق دے دو ۱؎ میں نے انکار کیا تو حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس واقعہ کا حضور سے ذکر کیا تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے طلاق دے دو ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ شاید اس بی بی میں کوئی دینی خرابی ہوگی محض دنیاوی وجہ پر طلاق کا حکم نہ دیا ہوگا۔
۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ امر وجوب کا ہے اور حضرت عبداللہ ابن عمر پر اس حکم کی بنا پر طلاق دینا واجب ہوگیا۔مرقات نے فرمایا کہ امر استحباب کے لیے ہے یعنی بہتر یہ ہے کہ طلاق دے دو تاکہ تمہارے والد تم پر ناراض نہ ہوں۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ماں باپ کا اپنی اولاد پر کیا حق ہے فرمایا وہ دونوں تیری جنت اور آگ ہیں ۱؎ (ابن ماجہ)

۱؎ یعنی تیرے ماں باپ تیرے لیے جنت دوزخ میں داخلہ کا سبب ہیں کہ انہیں خوش رکھ کر تو جنتی بنے گا انہیں ناراض کرکے دوزخی،یہ فرمان عالی وعدہ وعید دونوں کا مجموعہ ہے اگرچہ یہاں خطاب بظاہر خاص ہے مگر حکم تا قیامت عام ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی بندہ جس کے ماں باپ یا ان میں سے ایک فوت ہوجاوے اور وہ ان کا نافرمان ہو ۱؎ پھر وہ ان کے لیے دعا کرتا رہے بخشش مانگتا رہے حتی کہ اللہ اسے نیک کار لکھ دیتا ہے ۲؎

۱؎ ماں باپ کی نافرمانی میں حق اللہ کی تلفی بھی ہے اور حق العباد کی بربادی بھی لہذا یہ اسلامی گناہ بھی ہے اور ماں باپ کا حق مارنا بھی اور گناہ بھی ہے کبیرہ۔

۲؎ یعنی یہ نافرمان والدین کی وفات کے بعد اولًا نافرمانی سے توبہ کرے پھر مرتے دم تک ان کے لیے گناہوں کی بخشش کی دعا اور ایصال ثواب کرتا رہے تو رب تعالٰی بزرخ میں اس کے ماں باپ کو اس سے راضی کردے گا اور اس کا گناہ کبیرہ تھا بغیر توبہ معاف نہیں ہوتا۔(مرقات)آپ ماں باپ کے بعد ان کا تیجہ،چالیسواں،برسی وغیرہ اور وقتًا فوقتًا ان کے نام پر خیرات جو کیا کرتے ہیں ان سب کی اصل یہ حدیث ہےبلکہ ہر نمازی نماز ختم ہوتے وقت ماں باپ کو دعائیں دے کر سلام پھیرتا ہے رب اغفرلی ولوالدی۔

	روایت ہے ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ کے لیے اپنے ماں باپ کے بارے میں مطیع ہو۱؎ تو اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھل جاتے ہیں۲؎ اگر ان میں سے ایک ہو تو ایک دروازہ اور جو اپنے والدین کے متعلق اللہ کا نافرمان ہو اس کے لیے آگ کے دو دروازے کھل جاتے ہیں۳؎ اگر ایک ہو تو ایک دروازہ ایک شخص نے عرض کیا اگرچہ وہ ظلم کریں فرمایا اگرچہ اس پر ظلم کریں اگرچہ ظلم کریں اگرچہ ظلم کریں ۴؎

۱؎ یہاں للہ فرماکر دو مسئلے بتائے: ایک یہ کہ ماں باپ کی اطاعت اپنی ناموری یا رزق میں برکت کے لیے نہ کرے بلکہ محض اس لیے کرے کہ اللہ تعالٰی کا حکم ہےرب تعالٰی اس سے راضی رہے۔دوسرے یہ کہ ان کی فرمانبرداری ناجائز باتوں میں نہ کرے اگر وہ نماز روزے سے روکیں تو نہ مانے۔

۲؎ کہ اگر اس حال میں مرجاوے تو مرتے ہی ان میں داخل ہوجاوے۔دو دروازے کھولنا اس کی عزت افزائی کے لیے ہے ورنہ جنت میں داخلہ کے لیے ایک دروازہ کھلنا ہی کافی ہے۔حضرت ابوبکر صدیق کے لیے جنت کے ہر دروازہ پر پکار پڑے گی کہ ابوبکر ادھر سے آیئے۔خلاصہ یہ ہے کہ ماں کی خدمت کا دروازہ علیحدہ ہے باپ کی خدمت کا دروازہ علیحدہ ممکن ہے کہ ان دونوں دروازوں میں فرق ہو ماں کی خدمت کا دروازہ عظیم الشان ہو کہ ماں کی خدمت اعلٰی ہے۔واللہ اعلم!

۳؎ اس کا مطلب ابھی عرض کیا گیا کہ ماں باپ کی نافرمانی دوزخ کے دروازہ کھلنے کا ذریعہ ہے کہ نافرمان مرا اور دوزخ میں گیا اگرچہ بعد قیامت اس کی دوسری نیکیاں دوزخ سے اسے نکال دیں مگر فی الحال تو دوزخ میں جائے گا،ماں باپ کی بددعا بڑے سے بڑے متقی کو آفت میں ڈال دیتی ہے۔تم کو معلوم ہے کہ جریج اسرائیلی نے نماز کی وجہ سے ماں کی پکار کا جواب نہ دیاتو مصیبت میں پھنس گیا کہ اسے زنا کی تہمت لگی لوگوں نے مارا اگرچہ پھر اپنی نیکیوں کی وجہ سے نجات پاگیا کہ شیرخوار بچے نے اس کی پاکدامنی کی گواہی دی جس سے اس کی گئی ہوئی عزت واپس آئی مگر ماں کی ناخوشی نے اپنا رنگ دکھا دیا ماں باپ کی نافرمانی ان کی بددعا سے رب کی پناہ۔

۴؎ظلم سے مراد دنیاوی ناانصافی ہے دینی گناہ مراد نہیں مثلًا ایک باپ اپنے بیٹوں میں سے ایک سے محبت کم کرتا ہے دوسری اولاد کو اس پر ترجیح دیتا ہے یا اسے کسی حق سے محروم کردیتا ہے مگر یہ مظلوم لڑکا ان کی خدمت ضرور کرے اس کی عوض اللہ تعالٰی اسے مالا مال کردے گا آزما کر دیکھ لو ماں باپ کی خدمت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی اپنے ماں باپ سے بھلائی کرنے والا لڑکا جو اپنے والدین کو ایک نظر رحمت سے دیکھے ۱؎ مگر اللہ اس کے لیے ہر نظر کی عوض مقبول حج لکھتا ہے عرض کیا کہ اگرچہ ہر دن سو بار دیکھے ۲؎ فرمایا ہاں اللہ بہت بڑا اور بہت پاک ہے ۳؎	

۱؎ خلاصہ یہ ہے کہ اطاعت شعار لڑکے کو ان کی فرمانبرداری کا ثواب تو ملے گا ہی پیار و محبت سے انہیں دیکھنے کا ثواب بھی ملے گا۔غور کرو کہ جب ماں باپ کے دیکھنے کا اتنا ثواب ہے توجو مؤمن ان آنکھوں سے حضور کا چہرہ انور محبت سے دیکھے اس کو ثواب کتنا ملے گا،فقیر تو کہتا ہے کہ ان کے نام کو محبت سے دیکھنا چومنا بھی ثواب ہے۔شعر

خوشا وہ وقت کہ طیبہ مقام تھا ان کا خوشا وہ وقت کے دیدار عام تھاان کا

۲؎سائل نے سمجھا ہوگا کہ دن بھر کی نگاہیں ایک بار میں شمار ہوں گی اس لیے یہ سوال کرکے مسئلہ حل کرلیا۔

۳؎یعنی اے پوچھنے والے اللہ کریم کی دین پر تعجب نہ کر اگر تو دن بھر میں ہزار بار ماں باپ کو پیار سے دیکھ لے تو تجھے ہزار حج مقبول کا ثواب ملے گا۔خیال رہے کہ یہ تو اپنے ماں باپ کی محبت کا ثواب ہے جنہوں نے ہم کو جنا،جس ماں نے حضور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو بخشا اس ماں یعنی آمنہ خاتون حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما سے محبت کا ثواب کتنا ہوگا یہ وہ ماں ہے جس کے قدم پاک پر سارے جہان کی مائیں قربان و نثار ہوں ہماری جیسی سینکڑوں جانیں ان کے نام پر نچھاور ہوں۔

روایت ہے ابی بکرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام گناہوں میں سے اللہ جو چاہے بخش دے گا ۱؎ سوا ماں باپ کی نافرمانی کے کہ اس شخص کے لیے موت سے پہلے زندگی میں ہی سزا دیتا ہے ۲؎	

۱؎یعنی اللہ تعالٰی ہر قسم کے گناہ صغیرہ و کبیرہ اگر چاہے گا تو معاف فرمادے گا اس قاعدے سے شرک و کفر اور حق العباد خارج ہیں کہ شرک و کفر تو زندگی میں ایمان لائے بغیر معاف نہیں ہوتے اور حقوق العباد ادا کیے بغیر معاف نہیں ہوتے،نیز تمام گناہوں کی سزا آخرت میں ملے گی جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے جو کہ آگے آرہا ہے۔

۲؎صاحبہ میں ہ ضمیر عقوق کی طرف ہے اور الممات میں الف لام مضاف الیہ کی عوض ہے اس سے مراد یا تو خود یہ نافرمان بیٹا ہے یا ماں باپ۔خیال رہے کہ یہ فرمان عالی سخت ناراضی کے اظہار کے لیے ہے لازمی قانون

کے لیے نہیں لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ"۔(مرقات) یا اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ جس گناہ پر دنیا میں بھی عذاب آجاتا ہے وہ ماں باپ کو ستانا ہے،شرک و کفر پر دنیا میں عذاب آنا لازم نہیں،ماں باپ کو ستانے والا دنیا میں چین نہیں پاتا۔

	روایت ہے حضرت سعید ابن العاص سے۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ چھوٹے بھائی پر بڑے بھائی کا حق ایسا ہے جیسے باپ کا حق اولاد پر ۲؎ ان پانچ حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا۔

۱؎ آپ حضرت عمرو ابن عاص کے بھائی ہیں،ہجرت کے سال پیدا ہوئے،قریش کے سرداروں میں سے تھے،حضرت عثمان غنی کے زمانہ میں قرآن مجید جمع کرنے والوں میں آپ بھی تھے،حضرت عثمان نے آپ کو کوفہ کا حاکم مقرر فرمایا تھا،طبرستان کے فاتح آپ ہی ہیں، ۵۹ھ انسٹھ میں وفات ہوئی،ایک سعید ابن عاص ابن امیہ بھی ہیں وہ یہاں مراد نہیں۔

۲؎ یعنی بڑے بھائی کا حق اس قسم کا ہے جس قسم کا حق باپ کا اپنی اولاد پر ہے،یہاں تشبیہ نوعیت میں ہے مقدار حق مراد نہیں۔

باب الشفقة و الرحمة على الخلق

مخلوق پر شفقت و رحمت کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎**شفقت** بنا ہے **شفق** سے بمعنی ڈرو خوف،پھر اصطلاح میں شفقت اس مہربانی کو کہتے ہیں جو ڈر کے ساتھ ہو یعنی کسی پر مہربانی کرنا اس ڈر سے کہ ان پر مہربانی نہ کرنا اللہ تعالٰی کے ناراضی کا باعث ہے۔رحمت کسی پر بلا استحقاق مہربانی کرنا، رحمت دو قسم کی ہوتی ہے: رحمت عامہ اور رحمت خاصہ یہاں دونوں رحمتیں مراد ہیں۔

روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا ۱(مسلم،بخاری)	

۱؎یہ فرمان عالی یا بطور بددعا ہے یا بطور خبر یعنی خدا اس پر رحم نہ کرے یا رحم نہ کرے گا،لوگوں پر رحمت اللہ تعالٰی کا خاص کرم ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ایک بدوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا کیا آپ لوگ بچوں کو چومتے ہیں ہم تو نہیں چومتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تیرے لیے اس کا مالک ہوں کہ اللہ نے تیرے دل سے رحم نکال لیا ۱(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی تم لوگوں کااپنے بچوں کو نہ چومنا اس لیے ہے کہ رب تعالٰی نے تمہارے دلوں سے رحم وکرم نکال دیا ہے ،جن کے دلوں سے اللہ رحم نکال دے اس کے دل میں ہم رحمت و کرم کس طرح ڈالیں ہم تو اللہ کی رحمتوں کے دروازہ ہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی جس کے ساتھ اس کی دولڑکیاں تھیں مجھ سے کچھ مانگتی تھیں۱ تو اس نے میرے پاس ایک چھوہارے کے سوا کچھ نہ پایا میں نے اسے وہ ہی دے دیا۲ اس نے وہ اپنی لڑکیوں میں بانٹ دیا اس میں سے خود نہ کھایا ۳	

	پھر اٹھی اور چلی گئی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے حضور کو یہ خبر دی تو فرمایا جو کوئی بیٹیوں میں مبتلا کردیا جاوے ۴؎ پھر ان سے اچھا سلوک کرے تو وہ اس کے لیے آگ سے آڑ ہوجائیں گی ۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ مرآت کی دوسری جلد باب السوال میں گزر گیا کہ بعض مجبوریوں میں مانگنا جائز ہے،یہ بی بی صاحبہ انہیں مجبوریوں میں پھنسی ہوں گی اس لیے اسے سوال درست تھا۔

۲؎ یعنی میرے پاس سواء ایک کھجور کے اور کچھ نہ تھا میں نے وہ اسے دے دی۔معلوم ہوا کہ جہاں تک ہوسکے فقیر کو کچھ دے دو تھوڑے بہت کا خیال نہ کرے،فقیر بھی تھوڑے کی شکایت نہ کرے تھوڑی چیز قبول ہو جاوے تو بہت ہے اگر بہت سی چیز قبول نہ ہو تو وہ کچھ بھی نہیں۔

۳؎ یعنی وہ خود بھی بھوکی تھی اس کی دونوں بچیاں بھی بھوکی تھیں مگر اس نے بچیوں کو کھلادیا خود کچھ نہ کھایا یہ ناممکن ہے کہ خود سیر ہو اور بچیاں بھوکی ہوں۔

۴؎ معلوم ہوا کہ بیٹیاں ملنا بھی رب کی طرف سے آزمائش ہے اکثر لوگ اس سے گھبرا جاتے ہیں اس پر صبر کرنا چاہیے کہ بے صبری سے اجر بھی جاتا رہتا ہے۔

۵؎ یعنی یہ بیٹیاں اس کے لیے دوزخ سے نجات کا ذریعہ ہوں گی کہ وہ دوزخ میں جائے گا ہی نہیں یا اگر گیا تو وہاں دوزخ کی آگ اس تک نہ پہنچ سکے گی،یہ بیٹیاں پردہ بن کر اسے محفوظ رکھیں گی مگر شرط یہ ہی ہے کہ ان پر گھبرائے نہیں،ان سے اچھا سلوک کرے۔اس اجر کی وجہ یہ ہے کہ لڑکوں سے لوگوں کو بہت امید یں وابستہ ہیں کہ جوان ہوکر ہماری خدمت کریں گے لڑکیوں پرخرچ ہی کرنا ہوتا ہے وہ بھی بغیر کسی امید کے مگر دیکھا گیا ہے کہ آج کل بمقابلہ لڑکوں کے لڑکیاں ماں باپ کی خدمت بھی زیادہ کرتی ہیں اور انکے مرے بعد ختم فاتحہ زیادہ لڑکیاں ہی کرتی ہیں کوئی خوش نصیب ہی لڑکوں سے آرام پاتے ہیں اکثر لڑکے بدنام اور بربادی کرتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دو لڑکیوں کو پائے حتی کہ وہ جوان ہو جاویں تو میں اوروہ قیامت کے دن ایسے آئیں گے اور اپنی انگلیوں کو ملایا ۱؎ (مسلم)

۱؎ یعنی خوش دلی سے دو لڑکیوں کو پال دینا خواہ اپنی بیٹیاں ہوں یا بہنیں ہو یا یتیمہ بچیاں قیامت میں مجھ سے قرب کا ذریعہ ہے اور جسے اس دن حضور کا قرب نصیب ہوجاوے اسے سب کچھ مل جاوے۔شعر

گر محمد کا ساتھ ہوجائے   پھر تو سمجھو نجات ہوجائے

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بے شوہر والی اور مسکینوں پر

	خرچ کرنے والا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کی طرح ہے۱؎ مجھے خیال ہے کہ فرمایا اس کی طرح جو تھکے نہیں اور اس روزے دار کی طرح جو افطار نہ کرے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ارامل جمع ہے ارمل کی جس کا مادہ رمل(ریگستان)چونکہ ریگستان باغات و سبزہ سے خالی ہوتا ہے اس لیے بے شوہر عورت کو ارملہ اور بے بی بی والے مرد کو ارمل کہتے ہیں خواہ کنوارے ہوں یا بیوہ یا خاوند نے طلاق دے دی ہو یا خاوند نے اسے معلقہ کر رکھا ہو اگر یہ فقیر ہے تو اس پر خرچ بھی کرے اور اس کا کام کاج بھی،اگر غنی ہے تو کام کاج کرے اس کا سودا سلف وغیرہ لادیا کرے،لفظ ساعی ان دونوں کو شامل ہے۔(مرقات واشعہ)ایسے شخص کا ثواب تو مجاہد و غازی فی سبیل اللہ کی طرح یا اس کے برابر ہے یہ خدمت بھی ایک قسم کا جہاد ہے۔

۲؎یعنی جس قسم کا یا جتنا ثواب اس انتھک عابد کو ملتا ہے جو صائم الدہر قائم اللیل ہو اس قسم کا یا اتنا ثواب اس خدمت کرنے والے کو ملتا ہے۔احسب فرمانے والے حضرت ابوہریرہ ہیں قال کا فاعل حضور۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں اور یتیم کا پالنے والا۱؎خواہ اپنا ہو یا غیر کا ۲؎جنت میں اسی طرح ہوں گے اور کلمہ کی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ کیا ان کے درمیان کچھ کشادگی فرمائی ۳؎(بخاری)

۱؎یتیم وہ نابالغ انسان ہے جس کا والد فوت ہوچکا ہو خواہ لڑکا ہو یا لڑکی لفظ یتیم ان دونوں کو شامل ہے۔
(مرقات)جانوروں میں یتیم وہ چھوٹا بچہ جس کی ماں مرگئی ہو اور موتی وہ یتیم کہلاتا ہے جو اپنی سیپ میں اکیلا ہو یہاں انسان یتیم مراد ہے لڑکا یا لڑکی۔

۲؎یعنی وہ یتیم خواہ اپنا پوتا نواسا بھتیجا بھانجا ہو یا کوئی غیر کا بچہ جس سے یہ رشتہ داریاں نہ ہوں۔

۳؎یعنی جیسے ان دونوں انگلیوں میں کوئی فاصلہ نہیں ایسے ہی قیامت میں مجھ میں اور اس میں کوئی فاصلہ اور دوری نہ ہوگی اس کو مجھ سے بہت ہی قرب نصیب ہوگا۔

	روایت ہے حضرت نعمان بن بشیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم مسلمانوں کو آپس کی رحمت آپس کی محبت آپس کی مہربانی میں ایک جسم کی طرح دیکھو گے ۱؎کہ جب ایک عضو بیمار ہوجائے تو سارے جسم کے اعضاء بے خوابی اور بخار کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی کامل مسلمان ایمان اسلامی رشتہ کی وجہ سے ایسے ہیں جیسے ایک جسم کے اعضاء جن کے نام بھی مختلف ہیں کام اور شکل و صورت بھی جداگانہ مگر چونکہ ان سب کی روح ایک ہے اس لیے ایک عضو کی تکلیف تمام اعضاء کو بے قرار کردیتی ہے،یوں ہی مختلف ممالک کے مسلمانوں کے نام،کام،زبان،غذا،دنیاوی رہن سہن مختلف ہیں مگر ان سب کا نبی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہیں لہذا ایک کی تکلیف سارے مسلمانوں کو بے قرار کردیتی ہے مگر یہ کیفیت زندہ مسلمانوں کی ہے جو مردہ یا بے حس ہوگئے وہ مردہ جسم یا سوکھے ہوئے اعضاء کی طرح ہیں کہ ایک کو چوٹ لگاؤ دوسرے کو خبر نہ ہو۔

۲؎ یعنی ایک عضو کو بیماری ہو تو سارے اعضاء بے قرار ہوکر اس کی تکلیف دفع کرنے کی کوشش کرتے ہیں جب تک اسے آرام نہ ہوجاوے یہ چین سے نہیں رہتے،یوں ہی ایک مسلمان کی تکلیف کو ساری قوم مل کر دفع کرتی ہے اس کے بغیر چین سے نہیں بیٹھتی۔اللہ تعالٰی ہم سب کو اپنے محبوب سے وابستگی نصیب کرے اور ہمارے قوم کا یہ ہی حال ہوجاوے اب تو یہ حال ہے۔مصرع! سوئی ہوئی قومیں جھاگ اٹھیں بیدار مسلمان سوتا ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان ایک شخص کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ دکھے تو سارا جسم بیمار ہوجاوے اور اگر اس کا سردرد کرے تو سارا جسم بیمار ہوجاوے ۱؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی قوم مسلم گویا ایک جسم ہے،افراد مسلم گویا اس جسم کے اعضاء،ایمان مسلم گویا اس جسم کی جان ہے۔حرارت و غیرت ایمانی کو گویا ایمان سے تعلق ہے اس تعلق کا نتیجہ ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کی تکلیف سارے افراد کی تکلیف ہے۔خیال رہے کہ غدار مسلمانوں کو قوم سے نکالنا ایسا ہے جیسے گلے سڑے عضو کو جسم سے کاٹ دینا تاکہ اس کا فساد دوسرے اعضاء میں نہ پہنچے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا مسلمان مسلمان کے لیے دیوار کی طرح ہے کہ اسکا بعض سے بعض مضبوط ہوتا ہے ۱؎ اور اپنی انگلیوں کو گتھا دیا ۲؎	

۱؎ یعنی مؤمنوں کے دنیاوی اور دینی کام ایک دوسرے سے مل جل کر مکمل ہوتے جیسے مکان کی دیوار میں ایک دوسرے سے مل کر مکان مکمل کرتی ہے۔

۲؎ اس طرح کہ ایک ہاتھ شریف کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں داخل کردیں یعنی گتھادیں یہ سمجھانے کے لیے کہ جیسے یہ انگلیاں ایک دوسرے میں داخل ہوگئیں ایسے ہی مسلمان ایک دوسرے میں گتھے ہوئے ہیں کہ یہ کبھی بے تعلق نہیں ہوسکتے گتھانے والے یا حضرت ابو موسیٰ اشعری ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ مثال یہ بتانے کے لیے ہے کہ مسلمانوں کے بعض کے بعض پر حقوق ہیں۔

روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی	

کہ جب حضور کے پاس سوالی یا حاجت مند آتا تو فرماتے اے صحابہ سفارش کرو ثواب دیئے جاؤ گے ۱؎ اور اللہ اپنے رسول کی زبان پر جو چاہے فیصلہ فرمائے ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی اس سائل یاحاجت مند کی حاجت روائی کے لیے ہم سے سفارش کرو تم کو سفارش کرنے کا ثواب ملے گا۔ معلوم ہوا کہ حاکم سے حق اور اہل حق کی سفارش کرنا ثواب ہے کہ نیکی کرنا،نیکی کرانا،نیکی کا مشورہ دینا سب ہی ثواب ہے باطل کی سفارش گناہ ہے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ شرعی حدود میں سفارش حرام ہے اور تعزیرات میں سفارش جائز۔(اشعہ)

۲؎ یعنی اگر ہم تمہاری سفارش کے مطابق فیصلہ کریں تو تمہاری سفارش کی وجہ سے نہ کریں گے بلکہ بہ حکم الٰہی اور اگر سفارش قبول نہ کریں اس کے خلاف فیصلہ کریں تو بھی تمہاری سفارش کی مخالفت سے نہیں بلکہ یہ دونوں عمل بہ حکم الٰہی ہوں گے کیونکہ ہماری زبان پر رب تعالٰی کلام فرماتا ہے ہمارے کام رب کے کام ہیں،ہاں تم کو بہرحال ثواب مل جاوے گا خواہ سفارش قبول ہو یا نہ ہو لہذا تم سفارش قبول نہ ہونے پر ملول نہ ہو اور آئندہ سفارش چھوڑ نہ دو۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم ایک شخص نے عرض کیا رسول اللہ ۱؎ اس کی مظلومیت میں تو مدد کروں گا ظالم ہونے پر اس کی مدد کیسے کروں فرمایا اسے ظلم سے روک دو یہ ہے تمہاری اسے امداد ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی اپنے بھائی مسلمان کی بہرحال مدد کرو خواہ تمہاری مدد اس کو خوش کرے یا مغموم کرے۔

۲؎ یعنی ظالم کو ظلم سے روک دینا ہی اس کی بڑی مدد ہے کہ اسے مظلوم کی بددعاؤں سے اللہ کے عذاب سے بچالینا ہے۔ایک شاعر کہتا ہے یعنی قدرت پا کر کسی پر ظلم نہ کرو کہ ظلم کا انجام ندامت ہے تم تو رات کو سوجاؤ گے مگر مظلوم نہ سوئے گا،تم پر رات میں بددعا کرے گا اللہ کی آنکھ سوتی نہیں وہ اس وقت اس کو دیکھتی ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان کا بھائی ہے ۱؎ نہ تو اس پر ظلم کرے نہ اسے رسوا کرے ۲؎ اور جو اپنے بھائی کی حاجت روائی میں رہے گا اللہ اس کی حاجت میں رہے گا اور جو مسلمان سے کوئی تکلیف دور کرے گا اللہ اس سے قیامت کے دن کی تکالیف دور کرے گا ۳؎ اور جو مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا قیامت کے دن اللہ اس کی پردہ پوشی	

کرے گا۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی مسلمان مسلمان کا دینی و اسلامی بھائی ہے یا مسلمان مسلمان کے لیے سگے بھائی کیطرح ہے بلکہ اس سے بھی اہم کہ نسبی بھائی کو ماں باپ نے بھائی بنایا ہے اور مسلمان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی بنایا،حضور سے رشتہ غلامی قوی ہے ماں باپ سے رشتہ نسبی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور مسلمانوں کے بھائی نہیں حضور تو مثل والد کے ہیں اس لیے حضور کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں بھاوج نہیں،یہ بھی معلوم ہوا کہ مؤمن و مسلم ہم معنی ہیں کہ قرآن کریم نے مؤمنوں کو بھائی قرار دیا"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ"اور حضور نے یہاں مسلمون کو۔(ازمرقات)خیال رہے کہ یہاں بھائی ہونا رحمت و شفقت کے لحاظ سے ہے نہ کہ احکام کے اعتبار سے۔

۲؎ یسلم بنا ہے اسلام سے جس کا مادہ سلم بمعنی سلامتی ہے ہمزہ سلب کا تو معنی ہوئے سلامت نہ رکھنا یعنی اسے ہلاک کردینا یا مدد کی ضرورت پر اسے بے یارو مددگار چھوڑ دینا۔

۳؎ سبحان اللہ! کیسا پیارا وعدہ ہے مسلمان بھائی کی تم مدد کرو اللہ تمہاری مدد کرے گا،مسلمان کی حاجت روائی تم کرو اللہ تمہاری حاجت روائی کرے گا۔معلوم ہوا کہ بندہ بندہ کی حاجت روائی کر سکتا ہے یہ شرک نہیں بندہ بندہ کا حاجت روا مشکل کشا ہے۔

۴؎ یعنی اگر کوئی حیا دار آدمی ناشائستہ حرکت خفیہ کر بیٹھے پھر پچھتائے تو تم اسے خفیہ سمجھا دو کہ اس کی اصلاح ہوجائے اسے بدنام نہ کرواگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تعالٰی قیامت میں تمہارے گناہوں کا حساب خفیہ ہی لے لے گاتمہیں رسوانہ کرے گا،ہاں جو کسی کی ایذا کی خفیہ تدبیریں کررہا ہو یا خفیہ حرکتوں کا عادی ہوچکا ہو اس کا اظہار ضرور کردو تاکہ وہ شخص ایذاسے بچ جاوے یا یہ توبہ کرے یہ قیدیں ضرور خیال میں رہیں۔غرضکہ صرف بدنامی سے کسی کو بچانا اچھا ہے مگر اس کے خفیہ ظلم سے دوسرے کو بچانا یا اس کی اصلاح کرنا بھی اچھا ہے یہ فرق خیال میں رہے۔یہاں مرقات نے فرمایاکہ جو مسلمان کی ایک عیب پوشی کرے رب تعالٰی اس کی سات سو عیب پوشیاں کرے گالہٰذا کربۃ کی تنوین تعظیمی ہےاور ستره اللہ میں ستر مطلق بمعنی کامل ہے رب تعالٰی کی عطائیں ہمارے خیالات سے وراء ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے نہ اسے حقیر جانے ۱؎ تقویٰ یہاں ہے اور اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرماتے تھے تین بار۲؎ انسان کے لیے یہ شر کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے مسلمان پر مسلمان کی ہر چیز حرام ہے اس کا خون اس کا مال اس کی آبرو ۳؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی مسلمان کو نہ تو دل میں حقیر جانو نہ اسے حقارت کے الفاظ سے پکارو یا برے لقب سے یاد کرو نہ اس کا مذاق بناؤ آج ہم میں یہ عیب بہت ہے۔پیشوں،نسبوں،یا غربت و افلاس کی وجہ سے مسلمان بھائی کو حقیر جانتے ہیں

حتی کہ صوبجاتی تعصب ہم میں بہت ہوگیا کہ وہ پنجابی ہے،وہ بنگالی، وہ سندھی،وہ سرحدی،اسلام نے یہ سارے فرق مٹادیئے۔شہد کی مکھی مختلف پھولوں کے رس چوس لیتی ہے تو ان کا نام شہد ہوجاتا ہے،مختلف لکڑیوں کو آگ جلادے تو اس کا نام راکھ ہوجاتا ہے،آم،جامن،ببول کا فرق مٹ جاتا ہے یوں ہی جب حضور کا دامن پکڑ لیا تو سب مسلمان ایک ہوگئے حبشی ہو یا رومی۔مولانا جامی فرماتے ہیں شعر

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

۲؎ یعنی اسلام میں عزت تقویٰ و پرہیزگاری سے ہے اور تقویٰ کا اصلی ٹھکانہ دل ہے۔تمہیں کیا خبر کہ جس مسکین مسلمان کو تم حقیر سمجھتے ہو اس کا دل تقویٰ کی شمع سے روشن ہو اور وہ اللہ کا پیارا ہو تم سے اچھا ہو شعر۔

خاکساران جہاں رابحقارت منگر توچہ دانی کہ دریں راہ سوارے باشد

صوفیاء کرام اس جملہ کے معنی یہ کرتے ہیں کہ حضور نے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ تقویٰ و پرہیزگاری یہاں ہے یعنی تقویٰ کی کان پرہیزگاری کا مرکز میرا سینہ ہے،میرے سینہ سے تمام اولیاء و علماء کے دلوں کی طرف تقویٰ کے دریا بہتے ہیں ان سینوں سے عوام کے سینوں کی طرف تقویٰ کی نہریں نکلیں۔(مرقات)حضور کا سینہ کشف غیوب کا آئینہ ہے کونین میں حضور کی عطائیں بہتی ہیں۔(مرقات)

۳؎ یعنی کوئی مسلمان کسی مسلمان کا مال بغیر اس کی اجازت نہ لے،کسی کی آبروریزی نہ کرے،کسی مسلمان کو ناحق اور ظلمًا قتل نہ کرے کہ یہ سب سخت جرم ہیں۔

	روایت ہے حضرت عیاض ابن حمار سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے جنتی لوگ تین ہیں ۱؎ وہ حاکم جو عدل والا صدقہ والا توفیق والا ۲؎ اور وہ شخص جو رحم اور نرم دل ہو ہر قرابت والے پر ۳؎ اور وہ مسلمان جو پاک دامن سوال کرنے سے بچنے والا عیال دار ہو ۴؎ آگ والے پانچ ہیں وہ کمزور جس کی خود اپنی کوئی رائے نہ ۵؎ جو کہ تم میں رہیں تمہارے تابع ہو کہ نہ گھر بار چاہتے ہیں نہ مال ۶؎ اور وہ خیانت والا جس کی ہوس ڈھکی چھپی نہیں رہتی اگرچہ معمولی چیز ہو مگر خیانت کرلیتا ہو ۷؎ اور وہ شخص جو نہیں صبح کرتا نہیں شام کرتا مگر وہ تم کو دھوکہ دیتا رہتا ہے تمہارے گھر بار اور تمہارے مال میں ۸؎ اور حضور نے کنجوسی اور جھوٹ کا بھی ذکر فرمایا ۹؎ اور بدخلق اور فحش گو ۱۰؎ (مسلم)

۱؎ یعنی میری امت میں تین قسم کے لوگ یقینًا جنتی ہیں۔

۲؎ یعنی جسے اللہ حکومت بھی دے تو وہ لوگوں کے ساتھ بھلائی اور سلوک کرے اسے خیر کرنے خیر کرانے کی توفیق ملے کہ حاکم درست ہوجانے سے رعایا خود درست ہوجاتی ہے۔
۳؎ یعنی عوام مسلمانوں پر عموماً اور اپنے عزیز قرابت داروں پر خصوصًا مہربان ہو۔
۴؎ یعنی وہ مسلمان جو باوجود عیالدار ہونے کے کسی سے بھیک نہ مانگے گناہ کے قریب نہ جاوے۔
۵؎ یعنی اس میں اتنی عقل نہ ہو جو اسے برائیوں سے بچائے کبھی آخرت کے نفع نقصان کو سوچتا ہی نہ ہو جانوروں کی طرح صرف کھانے عیش کرنے کی فکر میں لگا رہے۔
۶؎ یعنی حلال بیوی رکھتے نہیں حلال روزی کماتے نہیں محنت سے جی چراتے ہیں،غیر عورتوں پر نظر حرام رکھتے ہیں،غیروں کا مال ناجائز طور پر کھانے کے درپے رہتے ہیں یہ لوگ نرے دوزخی ہیں۔
۷؎ یعنی اسے خیانت کرنے کی عادت ہوگئی معمولی چیز حقیر سی امانت میں خیانت کرنے سے باز نہیں رہتا یعنی وہ گنہگار بھی ہو ذلیل طبیعت والا بھی یہ بھی دوزخی ہے یہ عادات خالص دوزخیوں کے ہیں۔
۸؎ صبح شام سے مراد ہمیشہ ہے یعنی وہ دھوکہ دینے کا عادی ہوچکا ہوتم سے جب بھی کلام یا کوئی معاملہ کرے دھوکہ ہی دے یہ بھی دوزخی ہے۔
۹؎ چونکہ راوی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ الفاظ طیبہ یاد نہ رہے جو حضور نے بخل اور جھوٹ کے متعلق فرمائے اس لیے راوی نے اس طرح بیان کیا،اگر اسے الفاظ طیبہ یاد ہوتے تو باقاعدہ بطریق روایت ارشاد کرتے۔
۱۰؎ **شنظیر فحاش** بخل وکذب کا معطوف ہے تو نصبی حالت میں ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شنظیر اور فحاش کا بھی ذکر فرمایا کہ وہ بھی دوزخی ہیں۔**شنظیر** بروزن **خنزیر** بمعنی بدخلق سخت طبیعت اور ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں مبتداء ہوں اوران کی خبر **من اھل النار** پوشیدہ ہو تو یہ دونوں مرفوع ہوں گے،مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں **والفحاش** ہے یعنی **فحاش** معطوف ہے **الشنظیر** پر تب تو معنی بالکل ظاہر ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ کوئی بندہ مؤمن نہیں ہوتا حتی کہ اپنے بھائی کے لیے وہ ہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ فرمان عالی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع کلمات سے ہے ان چند لفظوں میں دونوں جہان کی خوبیاں جمع ہیں یعنی کوئی شخص مؤمن کامل اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے بھائی مسلمان کے لیے دینی و دنیاوی وہ چیز نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے اسی کا ترجمہ ہے کہ آنچہ بر خود نہ پسندی بہ دیگراں پسند۔خیال رہے کہ یہاں خیر مراد ہے ہر مسلمان کے لیے دنیاو آخرت کی خیر چاہو جو اپنے لیے چاہتے ہو۔اس خیر کا ظہور مختلف طریقوں سے ہوتاہے کسی کے لیے دولت مندی خیر ہے،کسی کے لیے فقیری خیر،کسی کے لیے خلوت خیر ہے،کسی کے لیے جلوت خیر لہٰذا اگر خلوت نشین مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے جلوت چاہے جسے جلوت بہتر ہو تو اس فرمان کے

خلاف نہیں۔تمام مسلمانوں میں پاور ایک ہی ہے مگر پاور کے اثرات مختلف ہیں جیسے پاور ہیٹر میں پہنچے تو گرمی دیتا ہے فریج میں پہنچے تو ٹھنڈک۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی قسم نہیں مؤمن ہوتا اللہ کی قسم مؤمن نہیں ہوتا اللہ کی قسم مؤمن نہیں ہوتا ۱؎ عرض کیا گیا کون یارسول اللہ فرمایا وہ جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے امن میں نہ ہو ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ تین بار فرمانا تاکید کے لیے ہے،لا یؤمن میں کمال ایمان کی نفی ہے یعنی مؤمن کامل نہیں ہوسکتا نہیں ہوسکتا نہیں ہوسکتا۔

۲؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت پہلے ہی نہ فرمادی بلکہ سائل کے پوچھنے پر بتایا تاکہ سننے والوں کے دل میں یہ بات بیٹھ جاوے جو بات انتظار اورپوچھ گچھ کے بعد معلوم ہو وہ بہت دلنشین ہوتی ہے اگرچہ ہر مسلمان کو اپنی شر سے بچانا ضروری ہے مگر پڑوسی کو بچانا نہایت ہی ضروری کہ اس سے ہر وقت کام رہتا ہے وہ ہمارے اچھے اخلاق کا زیادہ مستحق ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ"۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا ۱؎ جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے امن میں نہ ہو ۲؎ (مسلم)

۱؎ یعنی صالحین اور نجات پانے والوں کے ساتھ وہ جنت میں نہ جاوے گا اگرچہ سزا پاکر بہت عرصہ کے بعد وہاں پہنچ جاوے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ "من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة"۔

۲؎ افسوس کہ یہ سبق آج بہت سے مسلمان بھول گئے اب تو ان کے تیر کا پہلا شکار ان کا پڑوسی ہی ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ اور ابن عمر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ مجھے جناب جبریل پڑوسی کے متعلق مجھے حکم الٰہی پہنچاتے رہے ۱؎ حتی کہ میں نے گمان کیا کہ وہ پڑوسی کو وارث بنادیں گے ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہاں وصیت سے مراد اصطلاحی وصیت نہیں بلکہ تاکیدی حکم مراد ہے اور حکم کس کا احکم الحاکمین کا نہ کہ حضرت جبریل کا،کہ حضرت جبریل حضور کے حاکم نہیں حضور کے خادم ہیں رب کی طرف سے فرمان رساں فیضان رساں ہیں۔یوصینی سے مراد ہیں حضور کو حکم پہنچاتے رہے کہ آپ اپنی امت کو یہ حکم پہنچادو۔

۲؎ یعنی مجھے یہ خیال ہوا کہ اللہ تعالٰی مسلمانوں کو پڑوسی کی مالی میراث میں شریک کردیں گے کہ قرابت کی طرح یہ وصیت بھی میراث پانے کا ذریعہ ہوجاوے گی حضور کی میراث مراد نہیں کہ حضرات انبیاءکرام کی مالی میراث کسی کو نہیں ملتی۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم تین ہو ۱؎ تو تیسرے کو چھوڑ کر سرگوشی نہ کرو حتی کہ تم لوگوں سے خلط ملط ہو جاؤ اس لیے کہ یہ بات اسے غمگیں کرے گی ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ خواہ کسی مجلس میں تین مسلمان ہوں یا کسی راستہ پر جاتے ہوئے تین شخص ہمراہ ہوں یہاں ہمراہی اور مصاحبت مراد ہے لہذا حدیث صاف ہے۔

۲؎ یعنی اگر تین ساتھیوں میں سے دو خفیہ سرگوشی کریں گے تو تیسرے کواندیشہ ہوگا کہ کوئی بات میرے خلاف طے کی جاوے گی میرے خلاف مشورہ کررہے ہیں،جب تین سے زیادہ آدمی ہوں تو باقی کسی کو یہ خطرہ نہ ہوگا کہ میرے خلاف سازش ہورہی ہے۔خیال رہے کہ یہ ممانعت وہاں ہے جہاں تیسرے کو اپنے متعلق یہ شبہ ہوسکتا ہو اگر یہ شبہ نہ ہو سکے تو بلاکراہت یہ عمل جائز ہے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تشریف فرما تھے کہ فاطمہ زہرا حاضر ہوئیں حضور نے انہیں مرحبا کہا اور ان سے کچھ سرگوشی فرمائی۔

	روایت ہے حضرت تمیم داری سے ۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین خیر خواہی ہے ۲؎ تین بار فرمایا ہم نے عرض کیا کہ کس کی فرمایا اللہ کی ۳؎ اس کی کتاب کی ۴؎ اور اس کے رسول کی ۵؎ اور مسلمانوں کے اماموں کی ۶؎ اور عوام کی ۷؎(مسلم)

۱؎ آپ کا نام تمیم ابن اوس ابن دار ہے،آپ عیسائی تھے ۹ھ ہجری میں ایمان لائے،آپ سے کل اٹھارہ احادیث مروی ہیں جن میں سے صرف یہ ایک حدیث صحیحین میں ہے،آپ شب کو نوافل میں ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کرتے تھے اور کبھی ایک آیت صبح تک بار بار پڑھتے اورروتے رہتے تھے،اولًا مدینہ منورہ میں رہے،حضرت عثمان کی شہادت کے بعد شام چلے گئے وہاں ہی وفات پائی،مسجد نبوی میں سب سے پہلے چراغ آپ نے ہی روشن کیے۔(مرقات)چراغ کیا۔

۲؎ نصیحة بنا ہے نصح سے بمعنی خالص ہونا عرب کہتے ہیں نصحت العسل عن الشمع میں نے شہد کو موم سے خالص کرلیا۔اصطلاح میں کسی کی خالص خیر خواہی کرنا جس میں بدخواہی کا شائبہ نہ ہو یا خلوص دل سے کسی کا بھلا چاہنا نصیحت ہے،یہ بھی جامع کلمات میں سے ہے کہ اس ایک لفظ میں لاکھوں چیزیں شامل ہیں حتی کہ اعتقاد کو

کفر سے خالص کرنا،عبادات کو ریا سے پاک و صاف کرنا،معاملات کو خرابیوں سے بچانا سب ہی نصیحت میں داخل ہیں۔

۳؎ اللہ کے لیے نصیحت یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کی ذات و صفات کے متعلق خالص اسلامی عقیدہ رکھنا،خلوص دل سے اس کی عبادت کرنا،اس کے محبوبوں سے محبت دشمنوں سے عداوت رکھنا،اس کے متعلق اپنے عقیدے خالص رکھنا اس کی شرح بہت وسیع ہے۔(مرقات)

۴؎ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کی نصیحت یہ ہے کہ اس کے کتاب اللہ ہونے پر ایمان رکھنا اس کی تلاوت کرنا،اس میں بقدر طاقت غورکرنا،اس پر صحیح عمل کرنا،اس پر سے مخالفین کے اعتراضات دفع کرنا غلط تاویلوں تحریفوں کی تردید کرنا۔

۵؎ اللہ کے رسول یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت یہ ہے کہ انہیں تمام نبیوں کا سردار ماننا ان کے تمام صفات کا اعتراف کرنا جان و مال و اولاد سے زیادہ انہیں پیارا رکھنا انکی اطاعت و فرمانبرداری کرنا ان کا ذکر بلند کرنا۔

۶؎ اماموں سے مراد یا تو اسلامی بادشاہ اسلامی حکام ہیں یا علماء دین مجتہدین کاملین اولیاء واصلین ہیں۔ان کی نصیحت یہ ہے کہ انکے ہر جائز حکم کی بقدر طاقت تعمیل کرنا،لوگوں کو ان کی اطاعت جائزہ کی طرف رغبت دینا،آئمہ مجتہدین کی تقلید کرنا،ان کے ساتھ اچھا گمان رکھنا۔(مرقات)علماء کا ادب کرنا۔

۷؎ عام مسلمانوں کی نصیحت یہ ہے کہ بقدر طاقت ان کی خدمت کرنا،ان سے دینی و دنیا مصیبتیں دورکرنا،ان سے محبت کرنا،ان میں علم دین پھیلانا،اعمال نیک کی رغبت دینا،جو چیز اپنے لیے پسند نہ کرے ان کے لیے پسند نہ کرنا یہ حدیث بہت ہی جامع ہے۔

روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز قائم کرنے زکوۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے ایمان تقویٰ پر بھی بیعت لیتے تھے اور نیک اعمال پر بھی یعنی میری معرفت رب تعالٰی سے یہ وعدہ کرو کہ ہم نیک اعمال کریں گے گناہوں سے بچیں گے۔بیعت کی بہت قسمیں ہیں یہاں بیعت اعمال مراد ہے۔بیعت کی اقسام ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمٰن کے ضمیمہ میں ملاحظہ کرو۔ایک بار حضرت جریر نے ایک شخص سے گھوڑا تین سو درہم میں خریدا سودا طے ہوجانے پر فرمایا کہ تیرا گھوڑا زیادہ قیمت کا ہے اچھا چارسودوں گاپھر کہا نہیں پانچ سو دوں گا حتی کہ آٹھ سو درہم تک بڑھا کر خرید لیابائع حیران ہوکر بولا حضرت یہ کیافرمایا میں نے حضور سے بیعت کی ہے ہر مسلمان کی خیر خواہی پر۔یہ اس پر عمل ہے۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے سچے اور سچے کیے ہوئے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ رحمت نہیں نکالی گئی مگر بدبخت سے ۱؎(احمد،ترمذی)	

۱؎ یہاں بھی رحمت میں بڑی گنجائش ہے اپنے پر رحم کرنا کہ گناہوں سے بچنا مسلمانوں پر رحم کرنا بلکہ کفار پر رحم کرنا کہ انہیں دعوتِ اسلام دینا بلکہ جانوروں پر رحم کرنا کہ ان کے دانہ پانی کا خیال رکھنا۔مقصد یہ ہے کہ بدبخت کی علامت یہ ہے کہ اس کا دل سخت ہوتا ہے اسے کسی پر رحم نہیں آتا لہذا نیک بخت کی علامت یہ ہے کہ وہ نرم دل ہوتا ہے سب پر رحم کرتا ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے ۱؎ تم ان پر رحم کرو جو زمین میں ہیں تم پر وہ رحم کرے گا جو آسمان میں ہے ۲؎(ابوداؤد،ترمذی)	

۱؎ کیونکہ رحم وکرم والے بندے اللہ تعالٰی کی صفت و رحمت کے مظہر ہیں اللہ کے اخلاق سے موصوف ہیں،رحمت سے مراد عام رحمت ہے۔

۲؎ یعنی تم اللہ کی زمینی مخلوق پر رحم کرو انسانوں پر جانوروں پر تم پر وہ رحم کرے گا جس کی رحمت خاصہ جس کی سلطنت آسمانوں میں بھی ہے یعنی رب تعالٰی یا اس سے مراد فرشتے ہیں یعنی فرشتے تمہاری حفاظت کریں گے تمہارے لیے دعاء مغفرت کریں گے۔(مرقات)

روایت ہے ابن عباس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں ۱؎ جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے ۲؎ اور اچھی باتوں کا حکم نہ کرے اور بری باتوں سے منع نہ کرے ۳؎ ترمذی اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ یعنی ہماری جماعت سے یا ہمارے طریقہ والوں سے یا ہمارے پیاروں سے نہیں یا ہم اس سے بیزار ہیں وہ ہمارے مقبول لوگوں میں سے نہیں،یہ مطلب نہیں کہ وہ ہماری امت یا ہماری ملت سے نہیں کیونکہ گناہ سے انسان کافر نہیں ہوتا ہاں جو حضرات انبیاء کرام کی توہین کرے وہ اسلام سے خارج ہے۔

۲؎ یعنی اپنے سے چھوٹوں پر رحم نہ کرے،اپنے سے بڑوں کا ادب نہ کرے،چھوٹائی بڑائی خواہ عمر کی ہو خواہ علم کی خواہ درجہ کی یہ فرمان بہت عام ہے۔خیال رہے کہ **صغیرنا** اور **کبیرنا** فرماکر یہ بتایا کہ چھوٹے بڑے مسلمانوں کا ادب ان پر رحم چاہیے یہ قید بھی زیادتی اہتمام کے لیے ہےورنہ کافر ماں باپ کا بھی مادری ادب کافر چھوٹے بھائی پر بھی قرابت داری کا رحم چاہیے جیساکہ فقہاء کے فرامین اور دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے یوں ہی ان کے حقوق قرابت ادا کرے۔(اشعہ)

۳؎ ہر شخص اپنی طاقت اور اپنے علم کے مطابق دینی احکام لوگوں میں جاری کرے یہ صرف علماء کا ہی فرض نہیں سب پر لازم ہے۔حاکم ہاتھ سے برائیاں روکے،عالم عام زبانی تبلیغ سے یہ فرض انجام دے فی زمانہ اس سے بہت غفلت ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی جوان کسی بوڑھے کا اس کی عمر کی وجہ سے احترام نہیں کرتا مگر اللہ اس کے بڑھاپے پر اسے مقرر کرے گا جو اس کا احترام کرے ۱؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی جو شخص بوڑھے مسلمان کا صرف اس لیے احترام کرے کہ اس کی عمر زیادہ ہے،اس کی عبادات مجھ سے زیادہ ہیں،یہ مجھ سے پرانے اسلام والا ہے تو ان شاءاللہ دنیا میں وہ دیکھ لے گا کہ اس کے بڑھاپے کے وقت لوگ اس کا احترام کریں گے۔اس وعدے میں فرمایا گیا کہ ایسا آدمی دراز عمر بھی پائے گا دنیا میں مال،عیش،عزت بھی اسے ملے گی آخرت کا اجر اس کے علاوہ ہے۔خود اس حدیث کے راوی حضرت انس نے حضور کی دس سال خدمت کی دیکھ لو کہ ان کی عمر ایک سو تین سال ہوئی ان کی زندگی میں ان کی اولاد کی تعداد ایک سو ہوئی یعنی اولاد اور اولاد کی اولاد ایک مخلوق نے ان سے احادیث روایت کیں،جہاں پہنچ جاتے تھے لوگ ان کی زیارت کے لیے جمع ہوجاتے تھے۔(مرقات)یہ ہے اس حدیث کا ظہور اور اس وعدہ نبوی کی جیتی جاگتی تصویر و تفسیر۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کی تعظیم میں سے ہے بوڑھے مسلمان اور حامل قرآن کا احترام ۱؎ جو حامل قرآن نہ تو اس میں زیادتی کرے نہ اس سے دور رہے ۲؎ اور عادل بادشاہ کا احترام کرنا ہے ۳؎ (ابوداؤد،بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ سفید ڈاڑھی والے مسلمان کا احترام،خود رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب وہ دعا کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے تو وہ کریم اس سے شرم فرماتا ہے کہ ان ہاتھوں کو خالی پھیرے تو بندہ اس کا احترام کیوں نہ کرے۔حامل قرآن میں حافظ،عالم دین، قاری، مفسر،ہمیشہ تلاوت کرنے والا سب ہی داخل ہیں سب کا احترام چاہیے۔(مرقات)

۲؎ یعنی وہ حامل قرآن وہ عالم و حافظ قابلِ تعظیم ہیں جو بدمذہب بیدین نہ ہو جو قرآن کو لوگوں کے گمراہ کرنے کا ذریعہ بنائیں اس کی غلط تاویلیں کریں،اس میں خیانتیں کریں،اس کے ذریعہ مسلمانوں میں فتنہ فساد پھیلائیں ان پر تو خدا تعالیٰ کی بھی پھٹکار ہے بندوں کی بھی۔(مرقات)شعر

حافظا میخوردرندی کن و خوش باش وے | دام تزدیر مکن چوں دگراں قرآن را

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر | تاویل سے کرسکتے ہیں قرآن پاژند

۳؎ منصف حاکم عدل والا بادشاہ اللہ کی رحمت ہے جس کے سایہ میں اللہ کی مخلوق آرام پاتی ہے وہ رعایا کے لیے مثل مہربان والد کے ہے اس لیے اس کا احترام ضروری ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں بہترین گھر وہ گھر ہے جس میں یتیم ہو جس سے اچھا سلوک کیا جاتا ہو ۱؎ اور مسلمانوں میں بدترین گھر وہ گھر ہے جس میں یتیم ہو جس سے برا سلوک کیا جاتا ہو ۲؎ (ابن ماجہ)

۱؎ یتیم سے سلوک کی بہت صورتیں ہیں: اس کی پرورش،اس کے کھانے پینے کا انتظام،اس کی تعلیم و تربیت، اسے دین دار نمازی بنانا سب ہی اس میں داخل ہے۔غرضکہ جو سلوک اپنے بچے سے کیا جاتا ہے وہ یتیم سے کیا جاوے یہ کلمہ بہت ہی جامع ہے۔

۲؎ برے سلوک میں مذکورہ چیزوں کی مقابل تمام چیزیں داخل ہیں،یتیم بچہ کو تعلیم تربیت کے لیے طمانچہ وغیرہ مارنا ظلم نہیں بلکہ اس کی اصلاح ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے ۱؎ نہیں پھیرتا مگر اللہ کے لئے ہر بال کے عوض جس پر اس کا ہاتھ پھرے نیکیاں ہوں گی ۲؎ اور جو اپنے پاس رہنے والے یتیم یا یتیمہ سے بھلائی کرے جنت میں میں اور وہ ان کی طرح ہوں گے اور اپنی دو انگلیاں ملائیں ۳؎ (احمد،ترمذی)اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ ہاتھ پھیرنا محبت کے ساتھ ہو یا اس سے مراد ہے مطلقًا معمولی سی مہربانی حقیر سی محبت مگر پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں،یتیم کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرنا بھی عبادت ہے۔

۲؎حدیث بالکل ظاہر معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں واقعی جو شخص اپنے عزیز یا اجنبی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے محبت و شفقت کا یہ محبت صرف اللہ رسول کی رضا کے لیے ہو تو ہر بال کے عوض اسے نیکی ملے گی۔یہ ثواب تو خالی ہاتھ پھیرنے کا ہے جو اس پر مال خرچ کرے،اس کی خدمت کرے،اسے تعلیم و تربیت دے سوچ لو کہ اس کا ثواب کتنا ہوگا۔

۳؎یعنی وہ جنت میں میرا ساتھی یا پڑوسی ہوگا جیسے بادشاہ کے خدام بادشاہ کی کوٹھی میں ہی رہتے ہیں مگر خادم ہوکر ایسے ہی وہ بھی میرے ساتھ رہے گا مگر میرا امتی غلام ہوکر۔یہاں بھی احسن مطلق ہے یتیم بچہ سے کسی قسم کا سلوک ہو ثواب کا باعث ہے۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود یتیم تھے اس لیے یتیم کی خدمت بڑی ہی اعلیٰ ہے۔مصرع! یتیم ہو کے یتیموں کو پالنے والے۔دو انگلیوں سے مراد کلمہ کی اور بیچ کی انگلی مراد ہے جن میں فاصلہ بالکل نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کسی یتیم کو اپنے کھانے پینے میں شامل کرے ۱؎تو اللہ اس کے لیے جنت یقینی طور پر لازم فرمادیتا ہے مگر یہ کہ کوئی ایسا گناہ کرے جو ناقابلِ بخشش ہو ۲؎اور جو تین بیٹیاں یا ان کی مثل بہنوں کی پرورش کرے کہ انہیں ادب سکھائے ان پر مہربانی کرے حتی کہ اللہ انہیں بے نیاز کردے تو اللہ اس کے لیے جنت واجب کردیتا ہے ۳؎تو ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ اور دو کو فرمایا دو کو حتی کہ اگر لوگ کہتے یا ایک کو تو حضور فرمادیتے ایک کو ۴؎اور اللہ جس کی پیاری دو چیزیں دور کردے اس کے لیے جنت واجب ہوگئی عرض کیا یارسول اللہ دو پیاری چیزیں کیا ہیں فرمایا اس کی دونوں آنکھیں ۵؎(شرح السنہ)

۱؎کھانے پانی میں شامل کرنا عام ہے خواہ اسے اپنے ساتھ کھلائے پلائے یا اسے اپنے گھر میں رکھ کر اس کی پرورش کرے یا یتیم خانہ بنا کر ان پر خرچ کرے۔اب تو یتیم خانہ والے یتیموں سے بھیک منگواتے ہیں مسلمانوں میں بھکاریوں کی تعداد بڑھاتے ہیں۔

۲؎یعنی شرک و کفر کہ یہ گناہ قابل بخشش نہیں،رب فرماتا ہے:"اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ "اسی طرح حقوق العباد بھی کسی نیک عمل سے معاف نہیں ہوتے وہ تو ادا کرنا ہی پڑیں گے یا حق والے سے معاف کرانا ہوں گے۔(مرقات)

۳؎ عموماً بیٹوں سے دنیاوی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں کہ یہ جوان ہوکر ہماری خدمت کریں گے ہمیں کما کر کھلائیں گے لڑکیوں سے یہ امید نہیں ہوتی اس لیے لڑکیوں کا پالنا ان پر صبر کرنا ثواب ہے۔لڑکیاں خواہ بیٹیاں ہوں خواہ بہنیں انہیں سکھانے سے مراد ہے علم دین سکھانا،سینا،پرونا اور جن ہنروں کی انہیں ضرورت ہے وہ سکھانا جس سے وہ کسی محتاج نہ رہیں۔

۴؎ اس جواب سے معلوم ہورہا ہے کہ اللہ کی رحمتیں اور اس کی بخشش حضور کے قبضہ میں دی گئی ہیں جس نعمت کو چاہیں عام فرمادیں(مرقات)دیکھو جو وعدہ تین لڑکیوں کے پالنے پر کیا گیا تھا ایک امتی کے سوال پر وہ ہی وعدہ دو بیٹیوں کے پالنے پر ہوگیا یہ ہے حضور کا مختار من اللہ ہونا۔حضور کے مختار کل ہونے کے دلائل ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں ملاحظہ کرو۔

۵؎ آنکھوں سے مراد آنکھوں کی روشنی ہے اگرچہ تمام اعضاء اللہ کی نعمت ہیں اور ہم کو پیاری مگر آنکھیں وہ نعمت ہیں جن کی مدد سے سارے اعضاء کام کرتے ہیں،آنکھوں کے بغیر انسان محض دیوار بن کر رہ جاتا ہے اس پر صبر کرنا بہت ہی ثواب ہے،اللہ تعالٰی اپنے فضل و کرم سے حضور کے صدقہ سے ہماری آنکھیں بھی رکھے اور ثواب بھی عطا فرمائے وہ تو بڑا کریم ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص اپنے بچے کو ادب کی تعلیم دے اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع خیرات کرے ۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور ناصح راوی محدثین کے نزدیک قوی نہیں ۲؎

۱؎ یعنی اپنی اولاد کو ایک اچھی بات سکھانا خیرات کرنے سے افضل ہے کہ ایک صاع(ٹوپہ)ایک دن میں کھا کر ختم کیا جائے مگر ایک نیک بات کا فائدہ بچے کو عمر بھر پہنچے گا،اپنی لڑکیوں کو مال جہیز دینے سے بہتر یہ ہے کہ اعمال جہیز دیا جاوے،انہیں ایسی تعلیم و تربیت دو کہ وہ اپنی سسرال اپنی اولاد کو سنبھال لیں ہم نے ایسی لڑکیاں دیکھی ہیں جنھوں نے سسرال پہنچ کر سسرال کی کایا پلٹ دی سب کو ٹھیک کردیا۔

۲؎ یعنی یہ حدیث صرف ایک ہی اسناد سے مروی ہے اور اس اسناد میں ایک راوی ناصح بھی ہے جو حافظہ کا کمزور تھا اس لیے یہ حدیث ضعیف ہے مگر چونکہ یہ حدیث فضائل اعمال کی ہے لہذا قبول ہے کہ فضائل میں حدیث ضعیف قبول ہوتی ہے اس حدیث کی تائید احادیث صحیحہ اور آیات قرآنیہ سے ہے۔طبرانی نے باسناد حسن مرفوعًا روایت کی کہ اللہ تعالٰی تمہارے ذریعہ ایک کو ہدایت دیدے تو تمہارے لیے ساری دنیا سے افضل ہے اسی طرح آیات قرآنیہ میں اس کی تائید ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ایوب ابن موسیٰ سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

	سلم نے فرمایا کہ کسی باپ نے اپنے بچے کو ایسا عطیہ نہیں دیا جو اچھے ادب سے بہتر ہو ۲؎(ترمذی،بیہقی شعب الایمان)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث مرسل ہے ۳؎

۱؎ایوب ابن موسیٰ ابن اشدق عمرو ابن سعید ابن عاص ابن امیہ تابعی ہیں،فقہاء میں سے ہیں،عطاء اور مکحول سے روایت کرتے ہیں،یہاں دادا سے مراد عمرو ابن سعید یا سعید ابن عاص ہیں،سعید ابن عاص ہجرت کے سال پیدا ہوئے،عثمان غنی کے زمانہ میں قرآن جمع کرنے والوں میں آپ بھی تھے،عہد عثمانی میں کوفہ کے گورنر رہے،طبرستان کے فاتح آپ ہی ہیں، ۵۹ھ انسٹھ میں وفات ہوئی۔(مرقات واشعہ)

۲؎اچھے ادب سے مراد بچے کو دیندار متقی پرہیزگار بنانا ہے اولاد کے لیے اس سے اچھا عطیہ کیا ہوسکتا ہے کہ یہ چیزیں دین و دنیا میں کام آتی ہیں۔ولد میں لڑکیاں لڑکے دونوں ہی داخل ہیں،ماں باپ کو چاہیے کہ اولاد کو صرف مالدار بنا کر دنیا سے نہ جائیں انہیں دیندار بناکر جائیں جو خود انہیں بھی قبر میں کام آوے کہ زندہ اولاد کی نیکیوں کا ثواب مردہ کو قبر میں ملتا ہے۔

۳؎ عن جدہ میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ اس سے ایوب کے دادا مراد ہوں یعنی عمرو ابن سعید تب تو یہ حدیث مرسل ہے کہ عمرو بھی صحابی نہیں تابعی ہیں۔دوسرے یہ کہ ایوب کے والد کے دادا سعید ابن عاص مراد ہیں تو حدیث متصل ہے کہ سعید ابن عاص صحابی ہیں،امام ترمذی نے جدہ سے مراد ایوب کے دادا عمرو ابن سعید لیے اس لیے مرسل کہا۔

	روایت ہے حضرت عوف ابن مالک اشجعی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں اور سیاہ رخسار والی عورت ۱؎ان دو کی طرح ہوں گے قیامت کے دن اور یزید ابن زریع نے بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا ۲؎وہ عورت جو اپنے خاوند سے الگ ہوگئی عزت والی جمال والی جس نے اپنے کو اپنے یتیموں پر روک رکھا حتی کہ وہ جدا ہوگئے یا مر گئے ۳؎(ابوداؤد)

۱؎یعنی وہ بچوں والی عورت جسے اپنے بچوں کو پرورش میں اپنے تن بدن کا ہوش نہ ہو کپڑے میلے چہرے کالا دھوئیں وغیرہ سے رہتا ہو خواہ بیوہ ہو یا خاوند والی مگر اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے کہ یہاں بیوہ مراد ہے۔

۲؎یعنی وہ مجھ سے جنت میں بالکل قریب ہوگی کیونکہ وہ یتیموں کی پالنے والی ہے اور یتیموں کا پالنے والا حضور سے قریب ہوگا۔

۳؎یعنی اس نے خیال کیا کہ اگر میں نے دوسرا نکاح کرلیا تو میرے یتیم بچوں کو تکلیف ہوگی اس لیے نکاح نہ کیا حتی کہ وہ بچے بالغ ہوشیار ہوکر اس سے بے نیاز ہو گئے یا مر گئے پھر نکاح کیا۔مرقات نے فرمایا کہ اس بشارت

میں طلاق والی عورت بھی داخل ہے۔فقیر کہتا ہے جس کا خاوند گم ہوگیا یا دیوانہ ہوگیا غرضکہ کسی طرح خاوند کی سر پرستی سے محروم ہوگئی ان سب عورتوں کا یہ ہی درجہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص کی بیٹی ہو پھر نہ تو اسے برائی دی نہ زندہ دفن کیا اور نہ اس پر اپنے مذکر کو ترجیح دی ۱؎ تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ جیساکہ عرب میں رواج تھا کہ اپنی بیٹی کو یا تو زندہ دفن کردیتے تھے یا اسے زندہ رکھتے تو نہایت ذلیل کرکے،اپنے بیٹوں کو بہت پیار کرتے بیٹیوں کو ذلیل خوار کرتے تھے،اب بھی بعض جاہل مسلمان یہ ہی حرکت کرتے ہیں۔

۲؎ یعنی ایسا آدمی اولین زمرہ میں جنت میں جاوے گا۔

روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جس کے پاس اس کے مسلمان بھائی کی غیبت کی جاوے ۱؎ اور وہ اس کی مدد پر قادر ہو پھر وہ اس کی مدد کرے ۲؎ تو اللہ اس کی دنیا و آخرت میں مدد کرے گا ۳؎ لیکن اگر مدد پر قادر ہوتے اس کی مدد نہ کرے تو اللہ اس جرم پر اسے دنیا و آخرت میں پکڑے گا ۴؎ (شرح سنہ)	

۱؎ یعنی اس کے سامنے کسی مسلمان کی غیبت کی جاوے خواہ وہ اس کا عزیز ہو یا اجنبی۔

۲؎ یا اس طرح کہ غیبت کرنے والوں کو غیبت سے روک دے یا اس طرح کہ ان کی غیبت کا جواب دے دے یا اس طرح کہ اس غائب شخص کے اوصاف بیان کردے اسے بدنامی سے بچاکر نیک نام کردے،آج کل لوگ غیبت سنتے رہتے ہیں پھر اس غائب شخص کو آکر بتاتے ہیں کہ تجھے فلاں شخص نے یہ کہا تھا یہ ممنوع ہے کہ اس صورت میں اس کے دل کو تکلیف اس نے پہنچائی غیبت کرنے والوں نے تیر چلایا اس نے وہ تیر اس تک پہنچایا اس کے جسم میں چبھویا۔

۳؎ کیونکہ اس نے اللہ کے بندے کی پس پشت مدد کی محض اللہ کے لیے اور رب تعالٰی اپنے بندے کا بدلہ خود دیتا ہے دنیاوی آفات اخروی مصیبتوں سے بچانا اللہ کی بڑی ہی مہربانی ہے۔

۴؎ یعنی جو کوئی مسلمان بھائی کی عزت و آبرو نہ بچائے بلکہ ذلیل کرنے والوں کے ساتھ شریک ہوجاوے تو اللہ تعالٰی اس بندے کا بدلہ خود لے گا کہ اسے دنیاو آخرت میں ذلیل کرے گا جب اس پر کوئی آفت بنے گی تو اسے دفع نہ کرے گا۔

	روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے ۱؎ فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ نے کہ جو اپنے بھائی کے گوشت سے اس کی پیٹھ پیچھے دفع کرے ۲؎ تو اللہ کے ذمہ کرم پر ہے کہ اسے آگ سے آزاد کردے ۳؎ (بیہقی شعب الایمان)

۱؎ اسماء بنت یزید ابن سکن مشہور صحابیہ ہیں،انصاریہ ہیں،بڑی عاقلہ بڑی عابدہ تھیں،آپ سے بہت احادیث مروی ہیں۔

۲؎ بھائی کے گوشت سے مراد ہے مسلمان بھائی کی غیبت،دفع کرنے سے مراد ہے غیبت نہ ہونے دینا یا اس کا جواب دے دینا۔

۳؎ جب ایک گنہگار مسلمان کی پس پشت حمایت کرنے کا یہ ثواب ہے تو جو کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدگویوں دشمنوں کو جوابات دے،ان کی عزت پر حملہ کرنے والوں کے وار اپنے پرلے،ان کے صفات عالیہ کے گیت گائے سوچ لو کہ اس کا درجہ کیا ہوگا۔اللہ تعالٰی نصیب کرے حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شعر

فان ابی و والدتی و عرضی لعرض محمد منکم وقاء

میرے ماں باپ میری عزت و آبرو محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو وعزت کے لیے تمہارے مقابلہ میں ڈھال ہیں۔

	روایت ہے ابوالدرداء سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے کہ نہیں ہے کوئی مسلمان جو اپنے بھائی کی آبرو سے دفعیہ کرے مگر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے کہ اس سے قیامت کے دن دوزخ کی آگ دفع فرمادے ۱؎ پھر حضور نے یہ آیت تلاوت کی کہ ہم پر حق ہے مسلمانوں کی مدد فرمانا ۲؎ (شرح سنہ)

۱؎ یہ فرمان عالی بہت ہی عام ہے جو کوئی کسی مسلمان کی آبرو کسی طرح بچائے خواہ اس کے سامنے یا اس کے پس پشت اللہ اسے دوزخ کی آگ سے بچائے گا مسلمان کی عزت اللہ کو بڑی پیاری ہے۔

۲؎ یہ آیت کریمہ یا تو خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کی اپنے فرمان مبارک کی تائید میں یا حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے تلاوت کی اسی حدیث کی تائید میں۔دوستو! آج حضرات صحابہ پر بہت طعن ہورہے ہیں اٹھو ان کی عظمتوں کے ڈنکے بجاؤ دیکھو پھر رب تعالٰی اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانوں سے کیسے انعام ملتے ہیں،ان حضرات کی حمایت میں کتابیں چھاپنا،تقریریں کرنا،ان کے فضائل کی آیت و احادیث شائع کرنا سب ہی قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔فقیر نے ایک رسالہ لکھا ہے حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر جس میں حضرات صحابہ خصوصًا جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل کی احادیث و آیات جمع کرکے ان کے فضائل بیان کیے اور ان حضرات سے مخالفین کے اعتراضات دفع کیے خدا کرے یہ حقیر سی خدمت اس فرمان عالی کی برکت سے قبول ہوجاوے اور رب تعالٰی میری سیاہ کاریاں معاف فرمادے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی مسلمان آدمی جو کسی مسلمان آدمی کو ایسی جگہ رسوا کرے جہاں اس کی بے عزتی کی جارہی ہے ۱؎ اور اس کی آبروریزی کی جارہی ہے مگر اللہ تعالٰی اسے ایسی جگہ میں ذلیل کرے گا جہاں وہ اپنی مدد چاہتا ہوگا ۲؎ اور نہیں ہے مسلمان آدمی جو کسی مسلمان کی ایسی جگہ مدد کرے جہاں اس کی عزت گھٹائی جارہی ہو اور جس میں اس کی آبرو ریزی کی جارہی ہو مگر اللہ اس کی ایسی جگہ مدد کرے گا جس میں اس کی مدد اسے محبوب ہو ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ اس طرح کہ جب کچھ لوگ کسی مسلمان کی آبروریزی کررہے ہوں تو یہ بھی انکے ساتھ شریک ہوکر ان کی مدد کرے ان کی ہاں میں ہاں ملائے۔

۲؎ یعنی اللہ تعالٰی اس جرم کی سزا میں اسے ایسی جگہ ذلیل کرے گا جہاں اسے عزت کی خواہش ہوگی۔خیال رہے کہ یہ احکام مسلمان کے لیے ہیں۔کفار،مرتدین،بے دین لوگوں کی اللہ تعالٰی کے ہاں کوئی عزت نہیں ان کی بے دینی ظاہر کرنا عبادت ہے۔

۳؎ غرضکہ کماتدین تدان جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔کرونی خویش آمدنی پیش۔مسلمان بھائی کی عزت کرو اپنی عزت کرالو،،اسے ذلیل کرو اپنے کو ذلیل کرالو۔جگہ عام ہے دنیا میں ہو یا آخرت جہاں بھی اسے مدد کی ضرورت ہوگی رب تعالٰی اس کی مدد فرمائے گا صرف ایک بار نہیں بلکہ ہمیشہ۔

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی کا خفیہ عیب ۱؎ دیکھے پھر اسے چھپالے ۲؎ تو اس شخص کی طرح ہوگا جو زندہ درگور بچی کو زندہ کرے ۳؎ (احمد،ترمذی)ترمذی نے اسے صحیح فرمایا۔

۱؎ وہ عیب جو کسی مسلمان کے حق سے متعلق نہ ہو اور یہ شخص اسے لوگوں سے چھپانا چاہتا ہو،بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد مسلمان مرد یا عورت کا ستر ہے یعنی کسی کو ننگا دیکھے تو اسے کپڑا پہنادے ہوسکتا ہے کہ دونوں ہی مراد ہوں۔

۲؎ اس طرح کہ خود اس سے کہہ دے کہ دیکھ آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا ورنہ پھر تیری خیر نہ ہوگی اور لوگوں سے چھپالے تاکہ تبلیغ بھی ہوجائے اور مسلمان کی پردہ پوشی بھی لیکن اگر یہ شخص کسی قتل یا نقصان کی خفیہ سازش کررہا ہے تو ضرور اس کی اطلاع اس کو کر دے تاکہ وہ نقصان سے بچ جاوے یا اگر یہ شخص عادی مجرم بن چکا

ہے تو اس کا اعلان کردے لہٰذا اس فرمان عالی کا یہ مقصد نہیں کہ خفیہ چور قاتل کے جرم چھپاؤ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا فرمان نہایت ہی جامع ہوتا ہے۔

۳؎ یعنی اس پردہ پوشی کا ثواب ایسا ہے جیسے کسی زندہ دفن شد بچی کو قبر سے نکال کر ان کی جان بچالینا کیونکہ مسلمان کی آبرو اس کی جان کی طرح قابل احترام ہے۔بہرحال مسلمان کی جاتی ہوئی عزت بچانا بڑا ہی ثواب ہے مگر وہ قیود خیال میں رہیں جو ہم نے عرض کیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے ۱؎ کہ اگر اس میں برائی دیکھے تو اس سے دفع کردے ۲؎ (ترمذی)اور اسے ضعیف کہا اور اس کی ایک روایت میں ہے کہ مؤمن مؤمن کا آئینہ ہے،مؤمن مؤمن کا بھائی ہے کہ اس سے اس کی ہلاکت دفع کرتا ہے اور اس کے پیچھے اس کی حفاظت کرتا ہے ۳؎	

۱؎ جیسے آئینہ چہرے کے سارے عیب و خوبیاں ظاہر کردیتا ہے ایسے ہی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے عیب پر اسے مطلع کرتا رہے تاکہ وہ اپنی اصلاح کرے۔غرضکہ رسوائی کرنا ممنوع ہے اصلاح کرنا ثواب،پچھلی حدیث میں رسوائی کی ممانعت تھی اسی حدیث میں اصلاح کا حکم ہے۔

۲؎ اسے خبر دے کر یا اس کے لیے دعا خیر کرکے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اللہ اس پر رحم کرے جو مجھے میرے عیوب پر مطلع کرے عیوب فرماکر بتایا کہ ہمارا نفس عیبوں کا سرچشمہ ہے یا یہ مطلب ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ ان مؤمنوں کے پاس بیٹھا کریں جن کے ذریعہ انہیں اپنے عیوب پر اطلاع ہو۔آئینہ اس لیے دیکھتے ہیں کہ اپنے چہرے کے چھوٹے بڑے داغ دھبہ نظر آجاویں۔طبیب کے پاس اسی لیے جاتے ہیں کہ وہاں علاج ہوجاوے ایسے مؤمنوں کی صحبت اکسیر ہے۔اس لیے صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہمیشہ اپنے مریدوں اپنے شاگردوں کے پاس نہ بیٹھو جو ہر وقت تمہاری تعریفیں ہی کرتے ہیں بلکہ کبھی کبھی اپنے مرشدوں اپنے استادوں اپنے بزرگوں کے پاس بھی بیٹھو جہاں تمہیں اپنی کمتری نظر آوے۔ہاتھی پہاڑ کو دیکھ کر اپنی حقیقت کو پہنچانتا ہے،ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں میں غور کیا کرو تاکہ اپنی گنہگاری اپنی کمتری محسوس ہوتی رہے۔محققین صوفیاء اس حدیث کے یہ معنی کرتے ہیں کہ مؤمن جب کسی مسلمان میں عیب دیکھے تو سمجھے کہ یہ عیب مجھ میں ہے جو اس کے اندر مجھے نظر آرہا ہے جیسے آئینہ میں اپنے جو داغ دھبے نظر آتے ہیں وہ اپنے چہرے کے ہوتے ہیں نہ کہ آئینہ کے یہ معنی نہایت عارفانہ ہیں۔(اشعۃ اللمعات)اس لیے اگر خواب میں حضور انور کی زیارت ہو مگر شکل مبارک یا لباس خوشنما نہ ہو تو سمجھ لو کہ ہمارا اپنے دل کا حال خراب ہے اصلاح کرو۔اس صورت میں **فلیمط عنہ** کے معنی یہ ہوئے کہ مؤمن کے ذریعہ اپنے عیب معلوم کرکے اپنے عیوب دفع کرو۔

۳؎ یعنی مؤمن کی شان یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی پس پشت خیرخواہی کرے حتی کہ اگر کوئی اس کی غیبت کرے تو یا اسے غیبت سے روک دے یا اس کا جواب دے کر مؤمن کی عزت بچالے یا اسے سمجھا بجھاکر اس کی اصلاح کرے یا اس کے لیے اصلاح کی دعا کرے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت معاذ ابن انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی مسلمان کو کسی منافق سے محفوظ رکھے ۱؎ تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجے گا جو اس کے گوشت کی دوزخ کی آگ سے حفاظت کرے گا ۲؎ اور جو کسی مسلمان کو کسی چیز کی تہمت لگائے اس کی بے عزتی کا ارادہ کرتا ہو ۳؎ تو اللہ اسے دوزخ کے پل پر روکے گا حتی کہ وہ اپنی اس بات سے باہر آجاوے ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ یہاں منافق سے مراد غیبت کرنے والے کو اپنے عیب نہیں سوجھتے دوسرے کے نظر آتے ہیں یہ ہی منافق کا حال ہے یعنی غیبت کرنے والے سے اس مسلمان کی عزت بچائے۔

۲؎ اس طرح کہ وہ فرشتہ پل صراط پر اسے اپنے پروں میں ڈھانپ کر گزارے گا تاکہ اسے آگ کی تپش نہ پہنچنے پائے۔

۳؎ بے عزتی کے ارادہ کی قید اس لیے لگائی تاکہ معلوم ہو کہ کسی کی اصلاح کے لیے یا اس سے اپنا حق حاصل کرنے کے لیے اس کی غیبت درست ہے کہ وہ غیبت نہیں۔

۴؎ یعنی جتنی دیر تک اس نے غیبت میں اپنا وقت صرف کیا اتنی دیر تک پل صراط پر روکا جاوے گا۔حضرت شیخ نے فرمایا کہ جب تک اس سے معافی نہ مانگے تب تک وہ غیبت ہی میں مشغول ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے نزدیک بہترین ساتھی وہ ہیں جو اپنے ہمراہیوں کے لیے بہتر ہوں اور اللہ کے نزدیک بہترین ساتھی پڑوسی وہ ہیں جو اپنے پڑوسی کے لیے اچھے ہوں ۲؎ (ترمذی،دارمی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎ یہاں ساتھی سے مراد عام ساتھی ہیں مدرسہ کے ساتھی،سفر کے ساتھی،گھر کے ساتھی۔غرضکہ مسلمان کو چاہیے کہ ہر ساتھی کے ساتھ اچھا سلوک کرے،ان کی خیر خواہی کرے،ان سے اچھا برتاوا کرنا،انہیں بری باتوں سے روکنا،اچھی راہ دکھانا سب ہی اس میں داخل ہے۔

۲؎ عبادات کی درستی سے بھی زیادہ اہم ہے معاملات کی درستی،پڑوسی سے ہر وقت معاملہ رہتا ہے اس لیے اس سے اچھا برتاوا کرنا بہت ضروری ہے،اس کے بچوں کو اپنی اولاد سمجھے،اس کی عزت و ذلت کو اپنی عزت و ذلت سمجھے،پڑوسی اگر کافر بھی ہو تب بھی پڑوسی کے حقوق ادا کرے۔حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہودی پڑوسی سفر میں گیا اس کے بال بچے گھر رہ گئے رات کو یہودی کا بچہ روتا تھا آپ نے پوچھا کہ بچہ کیوں روتا ہے یہودن بولی گھر میں چراغ نہیں ہے بچہ اندھیرے میں گھبراتا ہے اس دن سے آپ روزانہ چراغ میں خوب تیل بھر کر روشن کرکے یہودی کے گھر بھیج دیا کرتے تھے،جب یہودی لوٹا اس کی بیوی نے یہ واقعہ سنایا یہودی بولا کہ جس گھر میں بایزید کا چراغ آگیا وہاں اندھیرا کیوں رہے وہ سب مسلمان ہوگئے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ میں کیسے جانوں جب کہ میں بھلائی کروں یا جب کہ میں برائی کروں ۱؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اپنے پڑوسیوں کو یہ کہتے سنو کہ تم نے بھلائی کی تو واقعی تم نے بھلائی کی اور جب تم انہیں کہتے سنو کہ تم نے برائی کی تو واقعی تم نے برائی کی ۲؎ (ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی مجھے تو اپنے سارے کام ہی اچھے معلوم ہوتے ہیں مگر واقعہ میں اچھے کام اور برے کام کی علامت کیا ہے، یہاں کام سے مراد معاملات ہیں۔عقائد،عبادات میں کسی سے اچھا برا کہنے کا اعتبار نہیں۔

۲؎ یعنی معاملات میں اچھائی برائی کی علامت یہ ہے کہ تمہارے سارے پڑوسی قدرتی طور پر تم کو اچھا کہیں یا برا کہیں قدرتی بات ہے کہ بعض بندوں کے لیے خود بخود منہ سے اچھائی نکلتی ہے حضور فرماتے ہیں **انتم شھداء اللہ فی الارض**۔مسلمانوں کی زبان رب کا قلم ہے پڑوسی چونکہ ڈھکے حالات سے خبردار ہوتے ہیں اس لیے یہاں پڑوسیوں کی قید لگائی گئی ورنہ اپنے متعلق خود فیصلہ نہ کرو کہ ہم اچھے ہیں یا برے،مخلوق کی زبان سے وہی نکلتا ہے جو رب نکلواتا ہے۔آج بعض قبر والوں کو لوگ ولی اللہ کہہ رہے ہیں ان کے مزارات پر میلے لگے ہوتے ہیں حالانکہ کسی نے ان کو دیکھا بھی نہیں یہ ہے خلق کی زبان۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو ان کے درجوں میں اتارو ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی تمہارے پاس جس حیثیت کا آدمی آوے اس کی تواضع خاطر،اعزاز و اکرام اس کی حیثیت کے لائق کرو، حضرت عائشہ صدیقہ کھانا کھارہی تھیں ایک اجنبی سائل دروازے سے گزرا آپ نے اسے روٹی کا ٹکڑا بھیج دیا، ایک اجنبی گھوڑا سوار گزرا تو آپ نے اس سے کہلا کر بھیجا کہ اگر آپ کو کھانے کی خواہش ہو تو کھانا حاضر ہے،کسی نے ام ا لمؤمنین سے اسی فرق کی وجہ سے پوچھی تو آپ نے یہ ہی حدیث پڑھی معاملات عقائد بلکہ عبادات میں فرق مراتب کرنا ضروری ہے۔مصرع گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

یہ واقعہ اشعۃ اللمعات نے بحوالہ احیاء العلوم نقل فرمایا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قراد سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن وضو کیا تو حضور کے صحابہ آپ کے بقیہ وضو کو اپنے پر ملنے لگے ا؎ تو ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو اس پر کیا چیز ابھارتی ہے ۲؎ وہ بولے اللہ اور رسول کی محبت ۳؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے یہ پسند ہو کہ اللہ رسول سے محبت کرے یا اس سے اللہ رسول محبت کریں ۴؎ تو وہ جب بات کرے تو سچی کرے،جب امین بنایا جاوے تو امانت ادا کرے اور اپنے پڑوسی کا پڑوس اچھا نبھائے ۵؎

ا؎ تبرک کے لیے کیونکہ حضرات صحابہ کرام ہمیشہ حضور کے وضو کا پانی برکت کے لیے اپنے ہاتھوں اور منہ پر ملتے تھے کہ یہ غسالہ جسم اطہر سے مس ہوا ہے۔حضرت جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کی ٹاپ کی خاک نے سونے کے بچھڑے میں زندگی پھونک دی تو جو پانی حضور کے عضو شریف سے مس ہوجائے اس کی تاثیر کا کیا پوچھنا۔ظاہر یہ ہے کہ اس پانی سے وہ پانی مراد ہے جو اعضاء شریف سے گرتا تھا غسالہ شریف اور ہوسکتا ہے کہ اس سے وضو کا بقیہ پانی مراد ہو پہلا احتمال قوی ہے دیکھو اشعہ۔ہمارے وضو وغسل کا غسالہ استعمال کے لائق نہیں،حضور کا غسالہ طیب طاہر بلکہ پاک کرنے والا ہے کہ ہمارا غسالہ ہمارے گناہ دھوکر نکلتا ہے حضور کا غسالہ نور لے کر گرتا ہے۔

۲؎ حضور انور کا یہ سوال اگلے مضمون کی تمہید ہے ورنہ حضور انور کو تو ہر ایک دل کا ہر حال معلوم ہے۔شعر

اے فروعنت صبح آثار و دھور چشم تو بینندہ ما فی الصدور

۳؎ یعنی حضور ہمارے محبوب ہمارے دلوں کے چین ہیں جو پانی حضور کے عضو سے مس ہو وہ ہی ہم کو پیارا ہے اس لیے اسے چومتے ہیں۔

۴؎ یعنی ہمارے غسالہ کو تبرگًا استعمال کرنا ممنوع یا بے کار نہیں بیشک اس سے برکت حاصل ہوتی ہے مگر اللہ رسول کی محبت کے لیے صرف یہ عمل کافی نہیں کہ یہ کام نفس پر گراں و بھاری نہیں یہ کام تو منافقین بھی کرلیتے ہیں اللہ رسول کی محبت کے لیے ان کی اطاعت و فرمانبرداری بھی ضروری ہے کہ وہ ہی نفس پر گراں ہے۔

۵؎ چونکہ یہ تین کام درستی معاملات کی جڑ ہیں اس لیے ان کا ذکر فرمایا۔جو مسلمان معاملات درست کرلے گا اسے عبادات درست کرنا آسان ہوگا اور معاملات میں زبان سچی ہر قسم کی امانت کی ادائیگی اپنے پڑوسیوں سے اچھا سلوک بڑی ہی اہم چیزیں ہیں۔کسی کو صرف اس کی عبادات اور کثرت نوافل سے نہ آزماؤ بلکہ معاملات سے آزماؤ،معاملات

درست ہیں تو واقعی کامل ہے،آج بہت سے مسلمان ان ہی تین باتوں میں فیل ہوجاتے ہیں،نمازی حاجی بہت ہیں مگر سچے امتی تھوڑے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے ہی صادق الوعدامین کے لقب سے پکارے جاتے تھے کفارعرب ان القاب سے حضور کو یاد کرتے تھے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے کہ مؤمن وہ نہیں جو خود سیر ہوجاوے اور اس کے برابر میں اس کا پڑوسی بھوکا ہو[1] (بیہقی شعب الایمان)

[1] اگر اسے اپنے پڑوسی کی بھوک و محتاجی کی خبر ہو تب تو یہ بہت بے مروت ہے اور اگر خبر نہیں تو بہت لاپرواہ ہے۔مؤمن کو چاہیے کہ اپنے عزیزوں قرابت داروں،پڑوسیوں محلّہ والوں کے حالات کی خبر رکھے،اگر کسی کی حاجت مندی کا پتہ چلے تو ان کی حاجت روائی کو غنیمت جان کر کرے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ فلاں بی بی اس کی نماز روزے صدقات کی فراوانی کا چرچا ہے بجز اس کے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ستاتی ہے[1] فرمایا کہ وہ آگ میں ہے[2] عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ فلاں عورت اس کی نماز روزے صدقات کی کمی کا ذکر ہوتا ہے[3] وہ تو پنیر کے کچھ ٹکڑے ہی خیرات کرتی ہے[4] اور وہ اپنی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی فرمایا وہ جنتی ہے[5] (احمد،بیہقی شعب الایمان)

[1] شاید کہنے والے نے اس بی بی کا نام لیا ہوگا مگر راوی کو یاد نہ رہایا عمدًا نام نہ لیا تاکہ اس مؤمنہ کی رسوائی ہو۔زبان کا ذکر اس لیے کیا اکثر لوگ دوسروں کو زبانی تکلیف دیتے ہیں لڑنا بھڑنا غیبت چغلی کرنا وغیرہ زبان کا زخم سنان یعنی بھالے کے زخم سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے کہ یہ مرہم سے بھرجاتا ہے مگر وہ نہیں بھرتا۔حضرت علی فرماتے ہیں

جراحات السنان لها التيام ولا يلتام ما جرح اللسان

کسی اردو شاعر نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے

چھری کا تیر کا تلوار کا تو گھاؤ بھرا لگا جو زخم زبان کا رہا ہمیشہ ہرا

[2] یعنی یہ کام دوزخیوں کے ہیں اگر یہ عبادت گزار بی بی اپنی تیز زبان سے توبہ نہ کرے گی تو اولًا دوزخ میں جاوے گی،نوافل سے لوگوں کے حق معاف نہیں ہوتے،پھر سزا بھگت کر جنت میں جاوے گی لہذا یہ حدیث اس

قانون کے خلاف نہیں کہ صحابہ تمام ہی عادل ہیں کوئی فاسق نہیں،بعض حضرات صحابہ سے گناہ ہوئے مگر وہ قائم نہ رہے توبہ کرکے دنیا سے گئے۔
۳؎یعنی وہ نفلی نماز نفلی صدقے کم کرتی ہے فرضی نماز میں کمی مراد نہیں کہ یہ تو فسق ہے صحابہ کرام فسق سے محفوظ ہیں۔
۴؎مطلب یہ ہے کہ وہ بی بی صاحبہ مسکین غریب ہیں معمولی چیز یعنی کچھ پنیر ہی خیرات کرسکتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ نفلی عبادات کی کمی مراد ہے کہ پنیر کے ٹکڑے قطرے زکوۃ وغیرہ میں خیرات نہیں کیے جاتے صرف نفلی صدقات میں دیئے جاتے ہیں۔
۵؎اس فرمان عالی سے ہم لوگوں کے کان کھل جانے چاہئیں ہم میں سے بہت لوگ اصول چھوڑکر فضول میں کوشش کرتے ہیں فرائض کی پرواہ نہیں نوافل پر زور،معاملات خراب وظیفوں چلوں کا اہتمام،دوا کے ساتھ پرہیز ضروری ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں رسول اللہ کچھ بیٹھے ہوئے لوگوں کے سامنے کھڑے ہوئے فرمایا کہ کیا میں تمہیں اچھوں بروں کی خبر نہ دوں ۱؎راوی نے کہا کہ حاضرین خاموشی رہے ۲؎تو یہ تین بار فرمایا۳؎تو ایک شخص نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ہم کو ہمارے برے بھلوں کی خبر دیجئے ۴؎تو فرمایا کہ تمہارا بھلا وہ شخص ہے جس کی خیر کی ۵؎امید کی جاوے اور اس کے شر سے اطمینان کیا جاوے اور تمہارا برا وہ شخص ہے جس کی خیر کی امید نہ کی جاوے اور اس کے شر سے امن نہ ہو ۶؎(ترمذی،بیہقی شعب الایمان)اور ترمذی نےفرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے ۷؎	

۱؎یعنی حضور انور ایک مجلس صحابہ میں گزرے تو وہاں کھڑے ہوگئے پھر ٹھہر گئے اور پہلے لوگوں سے یہ سوال فرمایا تاکہ ترغیب بعد تعلیم ہو اور دلوں میں جم جاوے۔
۲؎یہ حضرات سمجھے کہ حضور انور ہمارے نام لے کر فرمائیں گے کہ فلاں اچھا ہے فلاں برا جس سے ہمارے پردہ فاش ہوجائیں گے اس لیے خاموشی بہتر ہے تاکہ ہمارے پردے رہیں۔
۳؎حضور انور کا منشا یہ تھا یہ حضرات خود اشتیاق ظاہر کریں تو ہم بتائیں تاکہ یہ حضرات اشتیاق کا ثواب پائیں اور ہمارا کلام بغور سنیں اس لیے بار بار سوال فرمایا اور خود ہی بیان نہ فرمادیا حضور وہ سخی ہیں جو تقاضے کرکر کے فقیروں کو بھیک دیتے ہیں۔

۴؎ ان صاحب نے محسوس فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فرمان عالی کی رغبت ہے اور حضور فرمانا چاہتے ہیں اس رغبت میں رب تعالٰی کی حکمت ہے لہذا عرض کیا کہ حضور ضرور فرمائیں حضور کی اس خواہش میں ہمارا بھلا ہی ہوگا۔

۵؎ یعنی قدرتی طور پر لوگوں کے دلوں میں اس کی طرف سے اطمینان ہو کہ یہ شخص کسی کو تکلیف نہیں دیتا ہوسکتا ہے تو خیر ہی کرتا ہے۔

۶؎ یعنی قدرتی طور پر لوگ اس سے ڈرتے ہوں کہ یہ شخص خطرناک ہے اس سے بچو اس سے خیر نہ پہنچے گی شر ہی پہنچے گی۔معلوم ہوا کہ لوگوں کے دل ان کی زبان رب کا قلم ہیں لہذا جسے عام طور پر لوگ ولی کہیں وہ عنداللہ ولی ہی ہے۔

۷؎ اس حدیث کو مختلف عبارتوں سے ابویعلی،احمد،ترمذی،ابن حبان،ابن عساکر وغیرہم نے مختلف صحابہ کرام سے روایت کیا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بے شک اللہ تعالٰی نے تمہارے درمیان تمہارے اخلاق تقسیم فرمادیئے ۱؎ جیسے کہ تمہارے درمیان تمہاری روزی بانٹ دی اور اللہ تعالٰی دنیا تو اسے بھی دیتا ہے جس سے محبت کرتا ہے اور اسے بھی جسے ناپسند فرماتا ہے ۲؎ مگر دین اس کو دیتا ہے جس سے محبت کرتا ہے ۳؎ تو جسے اللہ دین عطا فرمادے تو اس سے محبت کرتا ہے ۴؎ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ بندہ مسلمان نہیں ہوتا حتی کہ اس کا دل و زبان سلامت رہے ۵؎ اور مؤمن نہیں ہوتا حتی کہ اس کا پڑوسی اس کے شر سے امن میں ہو ۶؎

۱؎ یعنی ظاہر روزیاں جسمانی غذائیں ہیں اور اخلاق و عادات روحانی غذائیں جیسے رب تعالٰی نے جسمانی روزی میں فرق رکھا ہے کہ بعض کی روزی حلال بعض کی حرام بعض کی فراخ بعض کی تنگ،یوں ہی بعض کے اخلاق اعلیٰ بعض کے خراب،اعمال احوال کا بھی یہ ہی حال ہے۔

۲؎ چنانچہ حضرت سلیمان وعثمان بڑے غنی ہیں یوں ہی فرعون،ہامان شداد بڑے مال دار ہیں دنیا ہر جگہ پہنچ سکتی ہے یہ تو حضور کے نام کی نچھاور ہے۔دولہا کی نچھاور دوست دشمن سب لوٹ لیتے ہیں،دنیا مل جانا محبوبیت کی علامت نہیں۔

۳؎ کیونکہ بارات کا کھانا،جوڑے انعام وغیرہ صرف دولہا کے دوستوں اور تعلق والوں ہی کو ملتے ہیں دین کائنات کے دولہا نبی کریم کے تعلق والے ہی پائیں گے۔دین اللہ تعالٰی کی بڑی نعمت ہے اس میں اختلاف ہے کہ غنی شاکر افضل ہے یا فقیر صابر۔

۴؎ یعنی کسی کو اچھے عقیدے اچھے اعمال کی توفیق ملنا اس کی علامت ہے کہ رب تعالٰی اس سے محبت کرتا ہے اپنی خاص نعمت خاص غلاموں کو دی جاتی ہے۔

۵؎ یعنی مؤمن کامل وہ ہی ہوگا جس کا دل بدعقیدگیوں،حسد،کینہ سے پاک و صاف ہو،سینہ کینہ سے پاک رکھو تاکہ اس میں انوار مدینہ جلوہ گر ہوں۔بہرحال عبادت سے زیادہ اہم معاملات ہیں اللہ تعالٰی ہمارے معاملات درست کرے۔

۶؎ چونکہ پڑوسی سے ہر وقت معاملہ رہتا ہے اس لیے زیادہ تعلق اسی سے ہوتا ہے جب پڑوسی ہی راضی ہو تو دوسرے لوگ بدرجہ اولٰی راضی ہوں گے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن الفت والا ہوتا ہے ۱؎ اور اس میں خیر نہیں جو نہ الفت کرے نہ اس سے الفت والا ہوتا ہے ۱؎ اور اس میں خیر نہیں جو نہ الفت کرے نہ اس سے الفت کی جاوے ۲؎ (احمد،بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ مألف مصدر میمی ہے بمعنی اسم فاعل یعنی الفت والا کہ اسے اللہ تعالٰی اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کی امت سے الفت ہوتی ہے اور امت کو اسی سے الفت ہوتی ہے اس کی طرف دل خودبخود کھنچتے ہیں۔ہوسکتا ہے کہ مألف اسم ظرف ہو یعنی مؤمن الفت کی جگہ ہوتا ہے اس میں لوگوں کی الفتیں جمع ہوتی ہیں۔

۲؎ یعنی مسلمانوں سے وہ متنفر ہو اور مسلمان اس سے متنفر ہوں ایسا شخص نورِ ایمانی سے محروم ہے۔خیال رہے کہ مسلمانوں سے الفت رکھنا کچھ اور ہے لوگوں کی شر سے بچنے کے لیے علیحدہ رہنا کچھ اور ہے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا کہ اپنا گھر واپس پکڑو۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو میری کسی امتی کی حاجت پوری کرے اس سے اس کی خوشی چاہتا ہو ۱؎ تو اس نے مجھے خوش کیا ۲؎ اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا ۳؎ اور جس نے اللہ کو خوش کیا اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا ۴؎	

۱؎ یعنی اس حاجت روائی سے اس بندہ مؤمن کو خوش کرنا چاہتا ہو محض ایمانی رشتہ کی بنا پر کسی اور وجہ سے نہیں۔

۲؎یعنی اس امتی بندے کی خوشی سے مجھے خوشی ہوگی۔اس سے معلوم ہوا کہ تاقیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ہر شخص کے ہر ظاہر باطن جسمانی دلی حالات کی خبر ہے اگر حضور بے خبر ہوں اور مؤمن کی خوشی کا حضور کو علم نہ ہو تو آپ کو خوشی کیسے ہو۔

۳؎اس فرمان عالی سے دو مسئلہ معلوم ہوئے: ایک یہ کہ نیک عمل سے مؤمن کو راضی کرنے اور مؤمن کی رضا کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کی نیت کرنا شرک نہیں ریا نہیں بالکل جائز ہے۔جب کہ اپنی نامود اور ناموری مقصود نہ ہو۔دوسرے یہ کہ خدا تعالٰی کی رضا صرف حضور کی رضا میں ہے بڑی سے بڑی نیکی جس سے حضور راضی نہ ہوں اس سے خدا تعالٰی ہرگز راضی نہ ہوگا لہذا ہر عبادت میں حضور کو راضی کرنے کی نیت کرنی چاہیے کہ یہ ذریعہ ہے رب کی رضا کا۔

۴؎اس سے معلوم ہوا کہ جنت خدا تعالٰی کی خوش نودی سے ملے گی محض اپنے عمل سے نہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی غمگیں کی مدد کرے اس کے لیے اللہ تعالٰی تہتر بخششیں لکھتا ہے ۱؎جن میں سے ایک تو اس کے لیے تمام کاموں کی درستی ہے اور بہترین مغفرتیں اس کے قیامت کے دن درجے ہیں ۲؎	

۱؎ملھوف کے معنی ہیں غمگیں،حیران پریشان،اس میں پانچ حروف ہیں پہلے دو حرف میم اور لام ہیں جن کے عدد ہیں ستر ۷۰ اس کے بعد تین حرف ہیں ہ وف،پہلے دو حرفوں کے عدد اور آخری تین حرفوں کی شمار کل ۷۳ ہوئی اس حساب سے اسے تہتر رحمتیں عطا ہوتی ہیں۔

۲؎ سبحان اللہ!جب ایک مغفرت سے سارے گناہ معاف ہوگئے تو باقی بہتر مغفرتوں سے کیسی بنے گی رب تعالٰی نصیب فرمادے۔

روایت ہے انہیں سے وہ جناب عبداللہ سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خلقت اللہ کی پرورده ہے ۱؎تو مخلوق میں اللہ کو بہت پیارا وہ ہے جو اللہ کے پروردوں سے اچھا سلوک کرے ۲؎ان تینوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔	

۱؎عیال کے معنی پرورده بہت مناسب ہیں۔بال بچوں کو عیال اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ صاحب خانہ کے پرورده ہوتے ہیں،قرآن کریم فرماتاہے:"وَ وَجَدَكَ عَآىٕلًا فَاَغْنٰى"رب تعالٰی نے تم کو بڑا ہی عیال والا پایا تو تم کو اتنا غنی کردیا کہ تم سارے جہان کو پال لو۔عائلًا کے یہ ہی معنی حضرت ابن عباس نے کیے،دیکھو بخاری شریف کتاب التفسیر یہ ہی آیت۔اللہ تعالٰی سب کا رازق ہے مخلوق اس کی مرزوق ہے لہذا اس کی عیال ہے یعنی پرورده۔

۲؎ یعنی جیسے تم اس شخص سے بہت خوش ہوتے ہو وہ تمہارے غلاموں لونڈیوں بال بچوں سے اچھا سلوک کرے کیونکہ وہ تمہارے پرورده ہیں ایسے ہی جو کوئی اللہ کی مخلوق سے بھلائی کرے اللہ اس سے خوش ہوتا ہے،دیکھو جو کوئی تمہارے بچوں نوکروں غلاموں کو کچھ دے تو تم پر قرض ہوجاتا ہے تم انتظار کرتے ہو کہ مجھے موقعہ ملے تو اس کے نوکروں کو خوش کروں،کسی بچے کی شادی میں تم نیوتا دو تووہ تمہارا قرض ہوتا ہے رب کے بندوں کو دو تو وہ رب تعالٰی پر قرض ہوتا ہے،فرماتاہے:"مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا"۔

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پہلے دو جھگڑے والے قیامت کے دن دو پڑوسی ہوں گے ۱؎ (احمد)

۱؎ یعنی قیامت کے دن سب سے پہلے پڑوسیوں کے جھگڑے چکائے جائیں گے پہلے ان کے فیصلے ہوں گے پھر دوسروں کے یہ اولیت اضافی ہے حقیقی نہیں،یعنی دوسرے جھگڑوں کے مقابلہ میں پڑوسیوں کے جھگڑے پہلے بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوں گے۔خیال رہے کہ عبادات میں پہلے حساب نماز کا ہوگا،معاملات میں پہلے حساب خون ناحق کا ہوگا،اداءِ حقوق میں پہلے حساب پڑوسیوں کا ہوگا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے سختی دل کی شکایت کی فرمایا یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو اور مسکین کو کھانا کھلاؤ ۱؎ (احمد)

۱؎ سبحان اللہ! عجیب علاج ہے یتیموں مسکینوں پر مہربانی اللہ تعالٰی کی رحمت کا ذریعہ ہے اور اللہ کی رحمت سے دل نرم ہوتا ہے،رب فرماتاہے:"اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِیۡ یَوۡمٍ ذِیۡ مَسۡغَبَۃٍ یَّتِیۡمًا ذَا مَقۡرَبَۃٍ اَوۡ مِسۡکِیۡنًا ذَا مَتۡرَبَۃٍ"۔نرمی قلب اللہ کی بڑی رحمت ہے علاج بالضد ہوتا ہے تکبر کا علاج تواضع سے،بخل کا علاج سخاوت سے ہوتا ہے ایسے ہی سختی دل کا علاج غریبوں یتیموں پر رحم سے ہے۔

	روایت ہے حضرت سراقہ ابن مالک سے ۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم کو بہترین صدقہ پر رہبری نہ کروں ۲؎ تمہاری وہ بیٹی جو تم تک لوٹا دی جاوے تمہارے سواء اس کا کوئی کمانے والا نہ ہو ۳؎ (ابن ماجہ)

۱؎ آپ سراقہ ابن مالک ابن جعشم ہیں،قبیلہ بنی مدلج سے،آپ کے حالات بیان کیے جاچکے ہیں۔

۲؎ یہاں صدقہ سے مراد شرعی صدقہ واجبہ نہیں وہ تو اپنی اولاد کو جائز نہیں بلکہ مراد نیکی اور کار ثواب ہے۔ اس کا بہترین نیکی ہونا اس لیے ہے کہ اس میں حق قرابۃ کا ادا کرنا بھی ہےاور بے کس کی پرورش بھی ایک عصمت والی بی بی کی حفاظت بھی۔

۳؎ یعنی تمہاری وہ بیٹی جس کا خاوند فوت ہوگیایا پاگل دیوانہ ہوگیا یا گم ہوگیا یا اس نے طلاق دے دی مگر لڑکی کسی مجبوری کی وجہ سے دوسرا نکاح نہیں کرسکتی یا اسے اچھا رشتہ ملتا نہیں اس لیے مجبورًا وہ میکے میں آگئی اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا،اس کی پرورش کرنا بہترین صدقہ ہے کہ وہ اب بے آس ہوکر تمہارے سہارے پر تمہارے پاس آئی،بعض لوگ خود لڑکیوں کو اپنے گھر بٹھالیتے ہیں اسے بلاوجہ بسنے نہیں دیتے وہ یہاں مراد نہیں ایسے لوگ تو بڑے مجرم ہیں اس لیے **مردودۃ** ارشاد ہوا۔

باب الحب فی اللہ و من اللہ

اللہ کی راہ میں محبت اور اللہ کی محبت کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎فی اللہ کا فی یا تو اپنے ہی معنی پر ہے تو سبیل پوشیدہ ہے یا بمعنی لام ہے جیسے رب فرماتاہے:"وَالَّذِیۡنَ جٰهَدُوۡا فِیۡنَا"یعنی اللہ کی راہ میں محبت یعنی کسی بندے سے صرف اس لیے محبت کرے کہ رب تعالٰی اس سے راضی ہوجاوے،اس میں دنیاوی غرض ریا نہ ہو اس محبت میں ماں باپ،اولاد اہل قرابت مسلمانوں سے محبت سب ہی داخل ہیں جب کہ رضا الٰہی کے لیے ہوں۔حضرات اولیاء انبیاء سے محبت سبحان اللہ!یہ تو حب فی اللہ کااعلٰی درجہ ہے خدا نصیب کرے۔

۲؎ محبت من اللہ سے مراد وہ محبت ہے جو رب بندے سے محبت فرماوے اور اس کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دے جیساکہ بعض بزرگوں کو دیکھا گیا ہے کہ ان کی آستانوں پر لوگوں کے میلے لگے رہتے ہیں لہٰذا ان دونوں عبارتوں میں تکرار نہیں دونوں مستقل مضمون ہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ روحیں مخلوط لشکر ہیں۱؎تو ان میں سے جو جو جان پہچان رکھتی ہیں وہ الفت کرتی ہیں اور جو اجنبی رہ چکی ہیں وہ الگ رہتی ہیں۔(بخاری)	
اور مسلم نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا۔	

۱؎یعنی انسانی روحیں بدنوں میں آنے سے پہلے آپس میں مخلوط تھیں اس طرح کہ سعید روحیں ایک گروہ تھیں اور شقی روحیں دوسرا گروہ مگر سعید آپس میں مخلوط مخلوط تھیں اور شقی آپس میں مخلوط۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے۱؎تو حضرت جبریل کو بلاتا ہے پھر فرماتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں ۲؎تم اس سے محبت کرو چنانچہ جبریل اس سے محبت کرتے ہیں۳؎آسمان میں اعلان کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی فلاں سے	

محبت کرتا ہے۴؎ تم لوگ اس سے محبت کرو ۵؎ تو اس سے آسمان والے محبت کرتے ہیں۶؎ پھر اس کے لیے زمین میں قبولیت رکھ دی جاتی ہے ۷؎ اور جب رب تعالیٰ کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے تو فرماتا ہے کہ میں فلاں سے ناراض ہوں تو تم بھی اس سے ناراض ہوجاؤ فرمایا کہ جبرئیل اس سے ناراض ہوجاتے ہیں پھر آسمان والوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے ناراض ہے تم لوگ بھی اس سے ناراض ہوجاؤ ۸؎ فرمایا پھر وہ لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں پھر زمین میں اس کے لیے نفرت رکھ دی جاتی ہے ۹؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی جب یہ روحیں بدنوں میں آگئی تو ہر روح کو اس روح سے الفت ہوگی جس کے ساتھ پہلے خلط ملط رہ چکی ہے اگرچہ دنیا میں مختلف زمانوں مختلف زمینوں میں رہیں۔

۲؎ یعنی جو روحیں وہاں عالم ارواح میں الگ الگ تھیں کہ یہ روح ایک زمرہ کی تھی وہ روح دوسرے زمرہ کی وہ بدن میں آنے کے بعد اگرچہ ایک جگہ رہیں مگر ان میں الفت نہ ہوگی نفرت ہوگی۔

ناریاں مر ناریاں را طالب اند　　　　نوریاں مر نوریاں راجاذب اند

کنعان حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا ہوکر الگ رہا،بلقیس یمن میں رہتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچ گئی،ابوجہل مکہ میں رہتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رہا،اویس قرنی دور رہتے ہوئے حضور سے قریب ہورہے بعد دار اورقرب مزار کچھ نہیں۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ بندہ سے مراد مؤمن انسان ہے،محبت سے مراد یا تو اس کی بھلائی کا ارادہ فرمانا ہے تو یہ محبت رب کی ذاتی صفت ہے یا اس بندہ پر کرم و احسان فرمانا ہے تو یہ صفت فعل ہے لہذا حدیث ظاہر ہے اس پر علم کلام کا کوئی اعتراض نہیں۔

۴؎ چونکہ حضرت جبریل تمام فرشتوں سے افضل ہیں،نیز جبریل علیہ السلام ہی خالق و مخلوق کے درمیان سفیر ہیں اور حضرات انبیاءکرام پر وحی لانے والے اس لیے ان سے ہی یہ فرمایا جاتا ہے۔بلانے سے مراد انہیں مطلع فرمانے کے لیے ندا فرمانا ہے۔رب تعالیٰ کی محبت کا سبب یا اس بندے کے نیک اعمال ہوتے ہیں یا کسی محبوب بندے کا محبوب ہونا۔

۵؎ یعنی اے آسمان کے فرشتو صرف اس لیے اس بندے سے محبت کرو کہ وہ اللہ کا پیارا ہے تاکہ تم اس سے محبت کرکے اللہ کے اور زیادہ محبوب بن جاؤ،یہ ہے **محبت فی اللہ** اور **محبت من اللہ**۔

۶؎ یعنی اس اعلان پر سارے آسمان والے اس بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں اس کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔

ے زمین سے مراد زمینی باشندے انسان ہیں یا جن و انس دونوں مگر وہ جن و انس جو اہل محبت سے ہوں جو بہ شکل انسان جانور ہیں وہ محبت نہ کریں تو نہ کریں۔چنانچہ حضرات انبیاء اولیاء،حضرات صحابہ و اہل بیت کے بہت لوگ دشمن ہیں،یہ لوگ اہل محبت اور دل والے نہیں لباس آدمی میں شیر بھیڑیئے ہیں۔(مرقات)اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے دل اس بندے کی طرف کھنچنے لگتے ہیں وہ دلوں کا مقناطیس بن جاتا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا"یہ حدیث اس آیت کی شرح ہے۔

۸؎ یعنی اے آسمان والو فلاں بدنصیب انسان سے اللہ تعالٰی ناراض ہے اس پر غضب کرنا چاہتا ہے تم اس سے نفرت کرواس کے لیے بددعائیں کرو۔

۹؎ یعنی ایسے شخص سے فرشتے نفرت کرتے ہیں اسے بددعائیں دیتے ہیں اور دل والے محبت والے انسانوں کے دلوں میں قدرتی طور پر اس سے نفرت ہوجاتی ہے اگر کچھ برے لوگ اس کی طرف مائل ہوں تو اس کا اعتبار نہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی قیامت کے دن فرمائے گا کہ کہاں ہیں میری عظمت کے لیے آپس میں محبت کرنے والے ۱؎ آج میں انہیں اپنے سایہ میں جگہ دوں گا جب کہ میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ۲؎(مسلم)	

۱؎ یعنی وہ مسلمان ہماری بارگاہ میں حاضر ہوں جو کسی دنیاوی وجہ سے نہیں بلکہ صرف میری رضا میری خوشنودی کی وجہ سے آپس میں محبت کرتے تھے کہ میری عظمت ان کے دلوں میں تھی اس لیے مجھے راضی کرنا چاہتے تھے میرے بندوں کو راضی کرکے۔

۲؎ ظل کے معنی ہیں سایہ مگر کبھی اس سے مراد ہوتی ہے پناہ،امان جیسے کہا جاتا ہے کہ عادل بادشاہ ظل اللہ ہے یا بزرگوں کو لکھتے ہیں دام ظلھم،اگر یہاں سایہ کے معنی میں ہیں تو مراد ہے عرش اعظم کا سایہ کہ سایہ جسم کا ہوتا ہے رب تعالٰی جسم سے پاک ہے اور اگر مراد ہے پناہ تو ظاہر ہے۔

روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ ایک شخص نے اپنے بھائی سے دوسری بستی میں ملاقات کی ۱؎ اللہ تعالٰی نے اس کے اوپر ایک فرشتہ مقرر کردیا ۲؎ وہ بولا کہاں جاتا ہے ۳؎ اس نے کہا کہ اس بستی میں اپنے ایک بھائی کا ارادہ کرتا ہوں وہ بولا تیرا اس پر احسان ہے جسے تو حاصل کرنا چاہتا ہے ۴؎ بولا نہیں بجز اس کے کہ میں اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں	

۵؎فرشتہ نے کہا کہ میں تیری طرف اللہ کا قاصد ہوں کہ اللہ تجھ سے محبت کرتا ہے جیسے تو نے اس سے محبت کی ۶؎(مسلم)	

۱؎یہاں ملاقات کرنے سے مراد ہےملاقات کے لیے جانا ملاقات کا ارادہ کرنا،بھائی سے مراد ایمانی اسلامی بھائی ہے جس کو اللہ کے لیے بھائی بنایا ہو خواہ نسبی بھائی بھی ہو یا نہیں۔

۲؎عربی میں مدارج راستہ کو بھی کہتے ہیں سیڑھی کو بھی یعنی چلنے کی جگہ یا چڑھنے کی،یہاں بمعنی راستہ ہے۔ممکن ہے کہ اس کی بستی یہاں سے کچھ بلندی میں ہو فرشتہ یا حضرت جبریل علیہ السلام تھے یا کوئی اور دوسرا فرشتہ جو پہلے سے وہاں مقرر کردیا گیا۔(ازمرقات)

۳؎یہ سوال بے علمی کی بناء پر نہیں بلکہ اس سے وہ جواب حاصل کرنے کے لیے ہے جو یہاں مذکور ہے اور اسے بشارت دینے کے لیے ہےتاکہ لوگ یہ دونوں باتیں سنیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسے بیان فرمانا اسی مقصد کے لیے ہے۔

۴؎یعنی تو کبھی اس پر احسان کرچکا ہے جس کا عوض حاصل کرنے کے لیے جاتا ہے یا اس کا تجھ پر کچھ احسان ہے جس کا عوض دینے تو جارہا ہے۔ترب بناہے رب سے بمعنی پرورش کرنا،حاصل کرنا،اصلاح کرنا۔(اشعۃ اللمعات)

۵؎یعنی اس سے میری محبت اس لیے ہے کہ وہ اللہ کا نیک بندہ ہےاور نیک بندوں کی محبت سے اللہ تعالٰی راضی ہوجاتا ہے بخشے ہوؤں کی ملاقات کرو کہ تم بھی بخشے جاؤ۔

اُٹھ جاگ فرید استیاتوں خلقت ویکھن جا مت کوئی بخشیا مل پوے توں بھی بخشیا جا

۶؎یعنی تیرا یہ عمل بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوگیا اور تیرا مقصد حاصل ہوگیا۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اللہ کے واسطے کسی سے محبت کرنا بہترین نیکی ہے۔دوسرے یہ کہ ایسی محبت اللہ تعالٰی کی محبت کا ذریعہ ہے۔تیسرے یہ کہ صالحین کی ملاقات ان کی زیارت کے لیے جانا بہت افضل ہے۔چوتھے یہ کہ عام انسان فرشتہ کو شکل انسانی میں دیکھ سکتے ہیں۔پانچویں یہ کہ اللہ تعالٰی کبھی حضرات اولیاءاللہ کے پاس فرشتہ کے ذریعہ پیغام بھیجتا ہے یہ درجہ الہام سے اوپر ہے۔(مرقات)مگر یہ پیغام وحی نہیں کہ وحی حضرات انبیاء کے سواء کسی کو نہیں ہوتی۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرمایا کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی قوم سے محبت کرے اور ان سے ملا نہ ہو ۱؎ تو فرمایا کہ انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎نہ تو کبھی ان سے ملاقات کی ہو نہ ان کے لیے نیک اعمال کیے ہوں مگر ان سے دلی محبت رکھتا ہو جیسے آج ہم گندے کمینے بدکار سیاہ کار حضور سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب اخیار سے محبت کریں۔

۲؎ یعنی یہ شخص قیامت میں ان محبوب نیکوں کے ساتھ ہوگا،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ"۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ بروں سے محبت کرنے کا انجام بھی یہ ہی ہے۔خیال رہے کہ ہر نسبت جنسیت چاہتی ہے،عشق و محبت نہ جنسیت دیکھے نہ برابری،بندہ کو اللہ سے،امتی کو رسول اللہ سے عشق ہوسکتا ہےاللہ تعالٰی نصیب کرے،خوف خدا،عشق جناب مصطفے اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ قیامت کب ہے فرمایا افسوس تجھ پر تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے ۱؎ وہ بولا میں نے اس کی تیاری کوئی نہیں کی بجز اس کے کہ میں اللہاور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں ۲؎ فرمایا تو اسکے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہو،حضرت انس نے فرمایا کہ میں نے مسلمانوں کو اسلام کے بعد کسی چیز پر ایسا خوش ہوتے نہ دیکھا جیسا کہ وہ اس سے خوش ہوئے ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ افسوس غضب کے لیے نہیں کرم کے لیے ہے جیسے حضرت ابوذر غفاری سے فرمایا علی رغم انف ابی ذر اس کلمہ کا مزہ وہ جانے جسے دل سے لگی ہو یا مقصد یہ ہے کہ تو اعمال تو کرتا نہیں صرف قیامت کے متعلق پوچھتا ہے۔

۲؎ یہ صاحب بڑے متقی پرہیزگار عبادت گزار تھے مگر انہوں نے اپنے اعمال کو قیامت کی تیاری قرار نہ دیا کہ یہ سب نیکیاں تو اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ہے جو مجھے دنیا میں مل چکیں اور مل رہی ہیں آخرت کی تیاری صرف یہ ہے کہ مجھے اس برأت کے دولہا سے محبت ہے،دولہا سے تعلق اس سے محبت برأت کے کھانے والے جوڑے انعام کا مستحق بنادیتے ہیں۔مرقات نے فرمایا کہ اللہ رسول سے محبت سائرین اور طائرین کے مقامات میں سے اعلٰی مقام ہے،ساری عبادات محبت کی فروغ ہیں مگر محبت کے ساتھ اطاعت بلکہ متابعت ضروری ہے۔برات کا کھانا صرف عمدہ لباس سے نہیں ملتا بلکہ دولہا کے تعلق سے ملتا ہے اگر رب تعالٰی سے کچھ لینا ہے تو حضور سے تعلق پیدا کرو۔

۳؎ یعنی حضرات صحابہ کرام کو سب سے بڑی خوشی تواپنے اسلام لانے پر ہوئی تھی کہ اللہ تعالی نے انہیں مؤمن صحابی بننے کی توفیق بخشی اس کے بعد آج یہ فرمان عالی سن کر بڑی خوشی ہوئی۔اس خوشی کی وجہ یہ ہے کہ حضرات صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دل و جان سے فدا تھے،ان میں سے بعض تو حضور کے بغیر چین نہ پاتے تھے،انہیں کھٹکا تھا کہ مدینہ منورہ میں تو ہم کو حضور کی ہمراہی نصیب ہے کہ یار نے مدینہ میں اپنا کاشانہ بنایا ہے مگر جنت میں کیا بنے گا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اعلٰی علیین سے بھی اعلٰی ہوگا ہم کسی اور درجہ میں ہوں گے،آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ اٹھادیا تمام کو تسلی دے دی فرمادیا کہ جس کو مجھ سے صحیح محبت ہوگی اسے مجھ سے فراق نہ ہوگا میرے

ساتھ ہی رہے گا۔خیال رہے کہ یہاں درجہ کی ہمراہی یا برابری مراد نہیں بلکہ ایسی ہمراہی مراد ہے جیسے سلطان کے خاص خدام سلطان کے ساتھ اس کے بنگلہ میں رہتے ہیں۔سب سے بڑا خوش نصیب وہ ہے جسے کل حضور کا قرب نصیب ہوجاوے۔اس قرب کا ذریعہ حضور سے محبت ہے اور حضور کی محبت کا ذریعہ اتباع سنت،کثرت سے درود شریف کی تلاوت،حضور کے حالات طیبہ کا مطالعہ اور محبت والوں کی صحبت ہے یہ صحبت اکسیر اعظم ہے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اچھے برے ساتھی کی مثال مشک کے اٹھانے اور بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے ۱؎ مشک بردار یا تمہیں کچھ دے دے گا یا تم اس سے خرید لو گے اور یا تم اس سے اچھی خوشبو پالو گے ۲؎ اور بھٹی دھونکنے والا یا تمہارے کپڑے جلادے گا اور یا تم اس سے بدبو پاؤ گے ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ سبحان اللہ!کیسی پاکیزہ مثال ہے جس کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے کہ بروں کی صحبت فائدہ اور اچھوں کی صحبت نقصان کبھی نہیں دے سکتی،بھٹی والے سے مشک نہیں ملے گا گرمی اور دھواں ہی ملے گا،مشک والے سے نہ گرمی ملے نہ دھواں مشک یا خوشبو ہی ملے گی۔

۲؎ یہ ادنی نفع کا ذکر ہے مشک خرید لینا یا اس کا مفت ہی دے دینا اعلیٰ نفع ہے جس سے ہمیشہ فائدہ پہنچتا رہے گا اور صرف خوشبو پالینا ادنی نفع ہے۔خیال رہے کہ ابوجہل وغیرہ دشمنان رسول حضور کے پاس حاضر ہوئے ہی نہیں وہاں حاضری محبت سے حاصل ہوتی ہے۔

۳؎ اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ حتی الامکان بری صحبت سے بچو کہ یہ دین و دنیا برباد کردیتی ہے اور اچھی صحبت اختیار کرو کہ اس سے دین و دنیا سنبھل جاتے ہیں۔سانپ کی صحبت جان لیتی ہے،برے یار کی صحبت ایمان برباد کردیتی ہے۔

مار بد تنہا ہمیں برجاں زند　　یار بد بر دین و بر ایمان زند

صوفیاء کرام کے نزدیک ساری عبادات سے افضل صحبت نیک ہے آج مسلمان نمازی،غازی،حاجی،قاضی بنتے رہتے ہیں مگر صحابی نہیں بنتے کہ صحابی صحبت نبی سے بنتے تھے وہ صحبت اب کہاں نصیب۔حضور سب کچھ دے گئے مگر صحبت ساتھ ہی لے گئے صلی اللہ علیہ وسلم۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں میں	

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا میری محبت میرے بارے میں محبت کرنے والوں اور میرے بارے میں بیٹھنے والوں ملاقات کرنے والوں اور میری راہ خرچ کرنے والوں کے لیے لازم ہوگئی ۱؎ ترمذی کی روایت میں ہے فرمایا کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ میری راہ میں محبت کرنے والے ان کے لیے نور کے منبر ہیں ان پر نبی اور شہداء رشک کریں گے ۲؎	

۱؎ یعنی یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص ان تین کاموں میں سے کوئی کام کرے اور اللہ تعالٰی اس سے محبت نہ کرے،اللہ کی راہ میں اس کے بندے سے محبت کی جائے اور خدا تعالٰی اس سے محبت نہ کرے،خدا کو سجدہ کرنا ہو تو کعبہ کی طرف سجدہ کرو،اگر رب تعالٰی سے محبت کرنا ہو تو اس کے بندوں سے محبت کرو یہ بندے محبت الٰہی حاصل کرنے کے لیے گویا کعبہ ہیں۔

۲؎ یا تو یہاں غبطہ سے مراد ہے خوش ہونا تب تو حدیث واضح ہے کہ حضرات انبیاءکرام ان لوگوں کو اس مقام پر دیکھ کر بہت خوش ہوں گے اور ان لوگوں کی تعریف کریں گے۔(مرقات)اور اگر غبطہ بمعنی رشک ہی ہو تو مطلب یہ ہے کہ اگر حضرات انبیاء و شہداء کسی پر رشک کرتے تو ان پر کرتے تو یہ فرضی صورت کا ذکر ہے۔(اشعۃ اللمعات)یا یہ رشک اپنی موت کی بنا پر ہوگا کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ لوگ ایسے درجے میں ہیں کہ ہماری امت میں نہیں یا یہ مقصد ہے کہ وہ حضرات اپنی امت کا حساب کرا رہے ہوں گے اور یہ لوگ آرام سے ان منبروں پر بے فکری سے آرام کررہے ہوں گے تو حضرات انبیاءکرام ان لوگوں کی بے فکری پر رشک کریں گے کہ ہم مشغول ہیں یہ فارغ البال۔بہرحال اس حدیث سے یہ لازم نہیں کہ یہ حضرات انبیاء کرام سے افضل ہوں گے۔(مرقات واشعہ وغیرہ)

روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کے بعض بندے وہ ہیں ۱؎ جو نہ تو نبی ہیں نہ شہید ان پر حضرات انبیاء شہداء قیامت کے دن رشک کریں گے ان کے قربِ الٰہی کی وجہ سے ۲؎ لوگ بولے یارسول اللہ ہمیں خبر دیں کہ وہ کون لوگ ہیں فرمایا وہ وہ قوم ہے جو اللہ کے قرآن کی وجہ سے ۳؎ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں بغیر آپس کی قرابت داری کے اور بغیر آپس کی مالی لین دین کے ۴؎ تو اللہ کی قسم ان کے چہرے نور ہوں گے اور وہ نور پر ہوں گے ۵؎ جب لوگ ڈریں گے یہ نہ ڈریں گے اور جب لوگ	

	غمگین ہوں گے تو یہ غمگین نہ ہوں گے ۶؎اور یہ آیت تلاوت فرمائی خبردار رہو بے شک اللہ کے ولی نہ ان پر ڈر ہے نہ وہ غمگین ہوں گے(ابوداؤد)

۱؎ اناس جمع فرماکر یہ بتایا کہ یہ حضرات انسان ہیں اور وہ ایک دو نہیں بلکہ پوری جماعت ہے یہ اولیاء اللہ ہیں اور ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے۔

۲؎اس فرمان عالی کا مطلب ابھی عرض کردیا گیا کہ ان حضرات کے قربِ الٰہی کی انبیاء کرام شہداء عظام تعریف کریں گے یا ان کی بے غمی بےفکری پر رشک کریں گے۔قیامت میں گنہگاروں کو اپنی حضرات انبیاء کرام کو اپنی امت کی فکر بھی ہوگی غم بھی مگر یہ حضرات اپنے اور دوسروں کے غم و فکر سے آزاد ہوں گے اس آزادی پر حضرات انبیاء رشک کریں گے لہٰذا اس سے یہ لازم نہیں کہ یہ لوگ انبیاءکرام سے افضل ہوں، رب تعالٰی فرماتاہے:"اَلَآ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ" یہاں اولیاءاللہ فرمایا گیا انبیاء نہ ارشاد ہوا۔

۳؎قوی یہ ہے کہ روح الدر کے ضمہ سے ہے بمعنی زندگی بخش چیزاور اس سے مراد قرآن کریم ہے کہ یہ بھی مسلمانوں کو جاودانی زندگی بخشا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا"اس کی اور بھی شرحیں کی گئی ہیں یعنی قرآن مجید کی اتباع اس کے احکام کی پابندی کی وجہ سے محبت کرتے ہیں کہ یہ لوگ پکے مسلمان ہیں۔

۴؎یعنی ان کی اس محبت کی وجہ آپس کی قرابتداری اور مالی لین دین نہیں ہوتی،صرف اس لیے محبت کرتے ہیں کہ وہ اللہ کا مقبول بندہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع فرمان ہے خواہ اپنا عزیز ہو یا اجنبی لہٰذا حدیث واضح ہے،اس کا یہ مطلب نہیں کہ للہ فی اللہ محبت صرف اجنبی سے ہی چاہیے اپنے عزیز و قرابت داروں سے نہ چاہیے اگرچہ وہ کیسا ہی نیک و صالح ہو،چونکہ دنیاوی محبتیں اکثر نسب اور مالی تعلق کی بنا پر ہوتی ہیں اس لیے ان ہی دو چیزوں کا ذکر فرمایا گیا طمع لالچ مال کی زیادتی ہوتی ہے۔

۵؎یعنی ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور وہ نور کے ممبروں پر ہوں گے جیسے دنیا کی مجلسوں میں معزز آدمی کو عزت کی جگہ بٹھایا جاتا ہے ایسے انہیں رب تعالٰی قیامت میں عزت کی جگہ عطا فرمائے گا تاکہ اہلِ محشر پر ان کی عظمت ظاہر ہو۔

۶؎اس ارشاد عالی نے حضرات انبیاء کے رشک کی وجہ بیان فرمادی کہ یہ لوگ اس دن اپنی اور دوسروں کی فکروں سے آزاد ہوں گے اس بے فکری اور آزادی پر رشک کیا جاوے گا انہیں نہ اپنے بخشے جانے کی فکر کہ وہ بخش دیئے گئے نہ دوسروں کو بخشوانے کی فکر کہ وہ کسی کے ذمہ دار نہیں لہٰذا حدیث بالکل واضح ہوگئی۔

ے یا تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اپنے فرمان عالی کی تائید کے لیے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلاوت کی حدیث کی تقویت کے لیے۔خیال رہے کہ ضعیف سے ضعیف حدیث بھی اگر قرآنی آیت سے قوت پائے تو صحیح ہوجاتی ہے یعنی ان لوگوں کو نہ عذاب کا خوف ہوگا نہ ثواب جاتے رہنے کا غم۔

اور اسے شرح سنہ میں حضرت ابو مالک سے روایت کیا ۱ مصابیح کے الفاظ میں مع زیادہ کے یوں ہی شعب الایمان میں ہے۔	

۱ آپ کا نام کعب ابن عاصم ہے،کنیت ابو مالک ہے،اشعری ہیں،صحابی ہیں،آپ سے بہت حضرات نے روایات نقل کیں،عہدِ فاروقی میں وصال ہوا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابوذر سے فرمایا اے ابوذر ایمان کی گرہوں میں سے کون سی گرہ ۱ مضبوط ہے عرض کیا اللہ رسول ہی خوب جانیں فرمایا اللہ کی راہ میں دوستی اللہ کی راہ میں محبت اور اللہ کی راہ میں عداوت ۲ (بیہقی شعب الایمان)	

۱ عری جمع ہے عروۃ کی،عروہ رسی کا وہ کنارہ جو ڈول سے بندھا ہوتا ہے اور ڈول اس سے وابستہ ہوتا ہے پھر ہر اس چیز کو عروہ کہا جانے لگا جس سے کوئی چیز پکڑی جاوے جیسے کوزہ کا دستہ وغیرہ لہذا عروہ کے معنی گرہ بہت مناسب ہے یہاں اس سے مراد ایمان کے ارکان اور مؤمنوں کے اعمال ہیں یعنی ایمان کا کون سا رکن اور مؤمن کا کون سا عمل زیادہ لائق بھروسہ ہے۔

۲ دو طرفہ دوستی موالات ہے اور یک طرفہ دوستی حب،یوں ہی دوطرفہ عداوت معادات ہے یک طرفہ دشمنی بغض۔(مرقات)یعنی لڑائی اللہ کے لیے ہے ملاپ اللہ کے لیے یعنی جو اللہ کا مقبول ہو وہ ہمارا پیارا ہوجائے اگرچہ اجنبی ہو اور جو اللہ کا مردود ہو وہ ہمارا دشمن ہوا اگرچہ قرابت دار ہو۔حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد   فداء یک تن بیگانہ کاشنا باشد

رام نام کشے بھلے کہ ٹپ ٹپ ٹپکے چام   واردی کنچن دیہہ کو کہ جس کا نا ہیں رام

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذر سے فرمایا اے ابو ذر ایمان کی کون سی گرہ زیادہ مضبوط ہے ۱ عرض کیا اللہ رسول اللہ ہی خوب جانتے ہیں، فرمایا اللہ کی راہ میں دوستی کرنا اور اللہ کی راہ میں محبت کرنا ۲ اور اللہ کی راہ میں بغض عداوت کرنا ۳ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎یعنی اعمال ایمانی میں کون سا عمل زیادہ قابل اعتماد ہے،یہ سوال اس لیے کیا گیا کہ سننے والوں کے دل میں شوق پیدا ہوا پھر انہیں بتایا جاوے تو انہیں اچھی طرح یاد رہے کہ شوق کے بعد جو بات معلوم ہوتی ہے وہ بہت دل نشین ہوتی ہے۔

۲؎موالات اور محبت کا فرق ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ دو طرفہ محبت موالاۃ کہلاتی ہے اور یکطرفہ محبت حب، جن بزرگوں کو ہم نے دیکھا نہیں مگر ہم کو ان سے اللہ کے لیے محبت ہے ان شاءاللہ یہ محبت بہت کام آوے گی۔(مرقات)

۳؎اس فرمان عالی کی تائید اس آیتِ کریمہ سے ہوتی ہے"لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ"الخ یعنی سچے مؤمن اللہ کے دشمنوں سے محبت نہیں کرتے اگرچہ وہ ان کے باپ دادے یا اولاد ہوں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی بیمار پرسی یا ملاقات کرتا ہے ۱؎تو رب تعالٰی فرماتا ہے کہ تو اچھا تیرا چلنا اچھا اور تو نے جنت میں منزل یعنی گھر بنالیا ۲؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ اوزارہ بھی حضور کا فرمان عالی ہے یعنی اس سے بیماری میں ملاقات کرے یا تندرستی میں ملے دونوں کا درجہ یہی ہے،عیادت اور زیارت میں یہ ہی فرق ہے اور ہوسکتا ہے کہ راوی کو شک ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عاد فرمایا یا زار مگر پہلی بات قوی ہے۔

۲؎جنت کی بعض زمین سفیدہ بھی ہے جس میں مؤمنوں کے اعمال کے بعد باغ یا مکانات تیار ہوتے ہیں اور بعض زمین میں تمام چیزیں پہلے ہی موجود ہیں جہاں کسی جنت میں گھر بنانے یا مکان بنانے کا ذکر ہوتا ہے وہاں اس زمین میں بنانا مراد ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت مقدام ابن معدیکرب سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی سے محبت کرے تو اسے خبر دیدے کہ وہ اسی سے محبت کرتا ہے ۱؎(ابوداؤد،ترمذی)	

۱؎یہ خبر دینا خوشامد کے لیے یا جھوٹ بولنے کے طریقہ سے نہ ہو بلکہ اس حدیث پر عمل کرنے کے لیے ہو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان شاءاللہ اسے بھی اس سے محبت ہوجاوے گی اور پھر یہ دو طرفہ محبت بہت پختہ ہوگی یا وہ اس کے لیے دعا کرے گا یہ عمل بہت ہی مجرب ہے۔محبت کی خبر دینے سے محبت پیدا ہوتی ہے۔جب کہ اخلاص سے ہو اور محض اللہ کے لیے ہو دنیاوی لالچ سے نہ ہو۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرا حضور انور کے پاس کچھ لوگ تھے تو آپ کے پاس والوں میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ میں اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں ا؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے اسے بتادیا ہے عرض کیا نہیں فرمایا اس کے پاس جاؤ اسے بتادو ۲؎ چنانچہ وہ شخص اسکے پاس گیا اسے یہ خبر دی۳؎ وہ بولا کہ تجھ سے وہ محبت کرے جس کی راہ میں تو نے مجھ سے محبت کی ہے ۴؎ راوی فرماتے ہیں کہ پھر واپس ہوا تو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۵؎ تو اس نے حضور کو خبر دی جو اس نے کہا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرے ۶؎ اور تیرے لیے وہ ہے جو تم نے طلب اجر کیا ۷؎ (بیہقی شعب الایمان) اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرے اور اس کے لیے وہ ہے جو کمائے ۸؎	

ا؎ اپنے اعمال صالحہ کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دینا سنت صحابہ ہے اس سے اعمال زیادہ قبول ہوتے ہیں۔

۲؎ کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں اور محبت بھی خالصًا لوجہ اللہ ہے تاکہ اس کے دل پر تمہاری اسی محبت کا اثر ہو اور وہ بھی تم سے محبت کرنے لگے اور محبت موالاۃ بن جاوے ظاہر ہے کہ موالات محبت سے قوی تر ہے۔

۳؎ یعنی اس پہلے شخص نے اس دوسرے شخص کو خبر دی حضور کے حکم پر عمل کرتے ہوئے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم وجوبی نہیں استحبابی ہے کہ محبت کی خبر دینا واجب نہیں ہوسکتا ہے کہ اس کے لیے وجوبی ہو۔

۴؎ سبحان اللہ!اس خبر دینے کا یہ نتیجہ ہوا یقین ہے کہ اس کے دل میں بھی اس سے محبت پیدا ہوگئی ہوگی غالبًا اس شخص نے اس دوسرے شخص کا تقویٰ عبادات اسلام پر پختگی وغیرہ دیکھ کر اس سے محبت کی تھی لہذا یہ محبت فی اللہ تھی۔

۵؎ یہ پوچھا کہ تم نے ان صاحب سے کیا کہا اور انہوں نے تم کو کیا جواب دیا،یہ پوچھنا ایسا ہی ہے جیسے رب تعالٰی فرشتوں سے اپنے بندوں کے اعمال کے متعلق پوچھتا ہے حالانکہ علیم ہے خبیر ہے حضور انور کو سب کچھ خبر ہے مگر اس پوچھنے میں لاکھوں حکمتیں ہیں۔

۶؎ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے صاحب بڑے پایہ کے بزرگ تھے جن کی ہمراہی ان اول صاحب کے لیے باعث برکت و رحمت تھی اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ بشارت یہ فرمایا۔

۷؎ ہمراہ سے مراد دین و دنیا حتی کہ جنت میں ہمراہی ہے۔

۸؎ یعنی تم نے اس شخص سے محض اللہ واسطے محبت کی ہے اس محبت میں کوئی دنیاوی لالچ نہیں اس لیے تمہاری یہ محبت بھی عبادت ہے۔احتساب بنا ہے حسب سے جیسے اعتداد عدد سے حسب کے لفظی معنی ہیں حساب لگانا یا گمان کرنا احتساب کے معنی ہیں اجر طلب کرنا اللہ کی رضا چاہنا۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہ ساتھ رہو مگر مؤمن کے ۱؎ اور تمہارا کھانا نہ کھائے مگر پرہیزگار ۲؎ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی) ۳؎	

۱؎ یعنی اگرچہ محب کے اعمال محبوب جیسے نہ ہوں مگر محبت کی بنا پر اللہ تعالٰی اسے محبوب سے جدا نہ کرے گا، پھول کے ساتھ گھاس بندھ جاوے تو گلدستہ میں اس کی بھی عزت ہوجاتی ہے،اگر کسی گنہگار کو حضور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نصیب ہوجاوے تو ان شاءاللہ حضور ہی کے ساتھ ہوا۔

۲؎ یعنی کفار و منافقین کی ہمراہی اختیار نہ کرو،مخلص مؤمنوں کی خصوصًا ان کی جو تم کواپنی صحبت میں کامل مکمل کردے،تم کو اللہ رسول کے رنگ میں رنگ دے ان کی ہمراہی ان کے ساتھ رہنا ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اختیار کرو۔

۳؎ یہ فرمان بہت جامع ہے یعنی روزی حلال کماؤ تاکہ نیک لوگوں کے لائق بنو اور کوشش کرو کہ تمہاری روزی کفار و فساق منافقین نہ کھائیں اللہ کے مقبول بندے کھائیں،جو کھا کر نماز پڑھیں عبادات کریں اور انکے ثواب میں تمہارا بھی حصہ ہو تم کو دعائیں دیں تو تمہارا بھلا ہوجائے،اس کا کھانا دانہ کی وجہ سے انہیں تم سے محبت،الفت ہوجاوے،یہ الفت خدا رسی کا ذریعہ بنے کھانے میں کپڑا اور دوسرے خرچ بھی داخل ہیں۔اس حدیث کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے"وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا"اب تو مسلمانوں کی کمائی میراثی،بھانڈ،قوال کھاتے ہیں یا پھر حاکم حکیم وکیلوں کے ہاتھ لگتی ہے اللہ تعالٰی نیک توفیق دے،اس حدیث کو ہمارے لیے مشعل راہ بنائے،ہماری کمائی میں علماء صالحین طلباء کا حصہ ہو، حج و زیارت میں خرچ ہو،ایسی جگہ خرچ ہو جہاں خرچ سے اللہ رسول خوش ہوجاویں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان اپنے دوست کے طریقہ پر ہوتا ہے ۱؎ تو ہر ایک سوچ لے کہ کس سے محبت کرتا ہے ۲؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد، بیہقی شعب الایمان)اور ترمذی	

	نے فرمایا حدیث حسن غریب ہے،نووی نے کہا کہ اس کی اسناد صحیح ہے ۳؎

۱؎دین سے مراد یا تو ملت و مذہب ہے یا سیرت و اخلاق،دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں یعنی عموماً انسان اپنے دوست کی سیرت و اخلاق اختیار کرلیتا ہے کبھی اس کا مذہب بھی اختیار کرلیتا ہے لہذا اچھوں سے دوستی رکھو تاکہ تم بھی اچھے بن جاؤ۔صوفیاء فرماتے ہیں لاتصاحب الا مطیعا ولا تخالل الا تقیا نہ ساتھ رہو مگر اللہ رسول کی فرمانبرداری کرنے والے کے نہ دوستی کرو مگر متقی سے۔

۲؎یعنی کسی سے دوستانہ کرنے سے پہلے اسے جانچ لو کہ اللہ رسول کا مطیع ہے یا نہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:

"وَکُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ"۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسانی طبیعت میں اخذ یعنی لے لینے کی خاصیت ہے،حریص کی صحبت سے حرص،زاہد کی صحبت سے زہد و تقویٰ ملے گا۔خیال رہے کہ خلت دلی دوستی کو کہتے ہیں جس سے محبت دل میں داخل ہوجاوے۔یہ ذکر دوستی و محبت کا ہے کسی فاسق و فاجر کو اپنے پاس بٹھا کر متقی بنا دینا تبلیغ ہے،حضور انور نے گنہگاروں کو اپنے پاس بلاکر متقیوں کا سردار بنادیا۔

۳؎اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو اس حدیث کو موضوع کہتے ہیں جیسے حافظ سراج الدین قزوینی، حافظ ابن حجر نے قزوینی کا بہت رد کیا اور حدیث کا صحیح ہونا ثابت کیا۔(مرقات واشعہ)

	روایت ہے حضرت یزید ابن نعامہ سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی شخص کسی سے بھائی چارہ کرے ۲؎تو اس سے اس کا نام اس کے باپ کا نام پوچھ لے اور یہ کہ وہ کس قبیلہ سے ہے کہ یہ تحقیقات دوستی کو مضبوطی دینے والی ہے ۳؎(ترمذی)

۱؎یہ جنگ حنین میں مشرکوں کے ساتھ تھے بعد میں اسلام لائے ان کی صحابیت میں اختلاف ہے ۔جامع اصول میں انہیں صحابی کہا،ابو حاتم نے کہا کہ بصری ہیں اور تابعی ہیں۔(اشعہ)ممکن ہے انہوں نے یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ و سلم سے بحالت کفر سنی ہواور مسلمان ہوجانے کے بعد روایت کی ہو کہ ایسی روایت معتبر ہے۔(مرقات)اور اگر تابعی ہو تو تابعی کی مرسل حدیث صحیح ہے جب کہ وہ ثقہ ہوں۔

۲؎یعنی اسے دینی بھائی بنائے اس سے میل جول پیدا کرنا چاہیے۔

۳؎بارہا ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو عالی خاندان سمجھ کر اس سے محبت کی بعد میں اس کے خلاف ظاہر ہوا تو نفرت ہوگئی اس لیے پہلے سے ہی سارے انتظامات کرے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ۱؎ فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ کون سا عمل اللہ تعالٰی کو زیادہ پسند ہے ۲؎ کسی کہنے والے نے کہا کہ نماز اور زکوۃ اور کسی کہنے والے نے کہا جہاد ۳؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی کو بہت پیارا عمل اللہ کی راہ میں محبت اور اللہ کی راہ میں عداوت ہے ۴؎(احمد)اور ابوداؤد نے آخری حصہ روایت کیا ۵؎	

۱؎ اس طرح کہ ہم لوگ مسجد مبارک میں تھے حضور انور حجرہ مقدسہ میں،اچانک حجرہ اقدس سے مسجد میں ہمارے پاس تشریف لائے۔(مرقات)غالبًا یہ تشریف آوری نماز کے لیے نہ تھی بلکہ ان حضرات کو شرف ملاقات بخشنے کے لیے اس لیے **علینا** فرمایا۔

۲؎ احب فرمایا **افضل** نہ فرمایا اس لیے کہ افضلیت لازم نہیں،دیکھو حضرت علی مرتضی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ترین ہیں مگر حضرات شیخین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔(مرقات)اس بنا پر حدیث شریف بالکل واضح ہے۔

۳؎ ان حضرات نے افضلیت اور احبیت میں فرق نہ فرمایا،چونکہ نماز یا زکوۃ یا جہاد افضل اعمال ہیں اس لیے ان لوگوں نے یہ جواب دیا یہاں واؤ بمعنی او ہے۔خیال رہے کہ عمومًا نماز تمام اعمال سے افضل ہے بعض ہنگامی حالات میں جہاد نماز سے افضل ہوتا ہے۔

۴؎ حقیقت یہ ہے کہ نماز،زکوۃ،جہاد بھی **الحب فی اللہ** کی شاخیں ہیں کہ مسلمان ان اعمال سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہے اور تمام گناہوں سے نفرت **البغض فی اللہ** کی شاخیں ہیں کہ مؤمن تمام گناہوں سے اللہ تعالٰی کے لیے نفرت کرتا ہے،یوں ہی نمازیوں عابدوں سے محبت اللہ کے لیے ہے کفار اور فساق سے نفرت اللہ کے لیے،نیز کل قیامت میں جس عمل پر حضرات انبیاء و شہداء غبطہ کریں گے وہ یہ ہی اللہ کے لیے محبت اللہ کے لیے عداوت ہے لہٰذا اس عمل کا محبوب ترین ہونا بالکل درست دوسری عبادات اگرچہ افضل ہوں مگر یہ عمل ان عبادات کا ذریعہ ہے لہٰذا یہ رب تعالٰی کو بڑا پیارا ہے۔

۵؎ یعنی انہوں نے حضور انور کا تشریف لانا یہ سوال فرمانا حضرات صحابہ کا مذکورہ جواب دینا اس کا ذکر نہ کیا احب الاعمال سے روایت فرمائی۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی بندہ کسی بندے سے اللہ کے لیے نہیں محبت کرتا مگر وہ اپنے رب عزوجل کا احترام کرتا ہے ۱؎(احمد)

۱؎سبحان اللہ! بہت ایمان افروز فرمان ہے اللہ تعالٰی کے مقبولوں سے محبت ان کی تعظیم رضا الٰہی کے لیے ہو تو وہ رب تعالٰی کی تعظیم و احترام ہے براہ راست اللہ تعالٰی سے محبت بہت مشکل ہے،اس کریم سے محبت کرنا ہو تو اس کے مقبولوں سے محبت کرو جیسے براہ راست اللہ تعالٰی کو سجدہ ناممکن ہے اللہ کو سجدہ کرنا ہو تو کعبہ معظّمہ کی طرف کرو یہ حضرات محبت الٰہی کا کعبہ ہیں۔اعلٰی حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا

حی وباقی جس کی کرتا ہے ثناء — مرتے دم تک اس کی مدحت کیجئے
جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا — اس پیارے سے محبت کیجئے

	روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کیا میں تمہیں بہترین مسلمان کی خبر نہ دوں ۱؎صحابہ نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ فرمایا تم میں بہترین وہ ہیں کہ جو جب دیکھے جائیں تو خدا یاد آجائے ۲؎(ابن ماجہ)

۱؎ سبحان اللہ! یہ حضور کی سخا کے جلوے ہیں کبھی فقیر داتا سے سوال کرتے ہیں اور کبھی داتا خود فقیر سے اس کی حاجت پوچھ پوچھ کر حاجت روائی فرماتے ہیں۔اس فرمان عالی کی ضرورت تو لوگوں کو ہے مگر وہ ہماری ضرورتوں سے بھی خبردار ہیں۔خیار جمع ہے خیر کی بمعنی افضل و بہترین اور رب تعالٰی کو زیادہ پیارے۔

۲؎اس فرمان عالی کی شرح باب حفظ اللسان کی تیسری فصل کے آخر میں کردی گئی بعض لوگوں کے چہروں پر انوار ربانی تجلیات رحمانی ظاہر ہوتی ہیں ان کے اعمال و افعال سنت کے مطابق ہوتے ہیں انہیں دیکھ کر مؤمنوں کے ایمان تازہ ہوجاتے ہیں،فقیر کے دادا پیر حضور اشرفی میاں جیلانی قدس سرہ بالکل ہم شکل حضور غوث الثقلین تھے جہاں بیٹھ جاتے تھے مسلم وغیر مسلم زائرین کا ہجوم لگ جاتا تھا،بہت لوگ انہیں دیکھ کر ہی مسلمان ہوگئے،یہ ہے اس حدیث کی جیتی جاگتی تفسیر،بعض بزرگوں کے پاس بیٹھ کر قلب جاری ہوجاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر دو شخص اللہ عزجل کی راہ میں محبت کریں اور ان میں سے ایک مشرق میں ہو دوسرا مغرب میں تو اللہ تعالٰی انہیں قیامت کے دن جمع فرمادے گا فرمائے گا ۱؎یہ وہ ہے جس سے تو میری راہ میں محبت کرتا تھا ۲؎

۱؎ہم مہجورین مشرق میں ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مغرب میں اللہ تعالٰی حضور کا عشق دے تو ان شاءاللہ جنت بلکہ قیامت میں بھی حضور کا قرب نصیب ہوگا،آخرت کا قرب و بعد دنیا کے قلبی قرب وبعد کا نتیجہ ہوگا دعا ہے کہ مولٰی۔شعر

زمانہ کی خوبی زمانہ کو دے مجھے تیرے پیارے کا در چاہیے

بعض بدنصیب مدینہ میں رہ کر حضور سے دور ہیں بعض خوش نصیب مدینہ سے دور رہ کر بھی در حضور میں ہیں۔

۲؎یہ ان محب و محبوبین کو قیامت اور جنت میں جمع فرمادینا اتفاقًا نہ ہوگا بلکہ یہ بتاکر جتاکر ہوگا کہ یہ قرب تیری اس محبت کا نتیجہ ہے۔معلوم ہوا کہ سارے اعمال سے زیادہ پیارا عمل محبوبوں سے محبت ہے کہ یہ ان کے قرب کا ذریعہ ہے۔خیال رہے کہ حضور سے محبت کی علامت یہ ہے کہ ان کے احکام،ان کے اعمال،ان کی سنتوں سے،ان کے قرآن،ان کے فرمان،ان کے مدینہ کی خاک سے محبت ہو،بے نماز بے روزہ بھنگی چرسی دعوٰی عشق رسول کریں جھوٹے ہیں محبت کی علامت اطاعت ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو رزین سے ۱؎ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہیں اس چیز کی اصل پر رہبری نہ کروں ۲؎جس سے تم دنیا و آخرت کی بھلائی پالو تم ذکر والوں کی مجلس اختیار کرو ۳؎اور جب تم تنہائی میں ہو تو جہاں تک کرسکو اپنی زبان اللہ کے ذکر میں ہلاتے رہو۴؎اور اللہ کی راہ میں محبت کرو اور اللہ کی راہ میں عداوت کرو ۵؎اے ابورزین کیا تمہیں خبر ہے کہ کوئی شخص اپنے گھر سے اپنی بھائی کی ملاقات کے لیے نکلتا ہے تو اسے ستر ہزار فرشتے پہنچاتے ہیں ۶؎وہ تمام اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ الٰہی اس نے تیری راہ میں جوڑا ہے تو اسے جوڑ دے ۷؎تو اگر کرسکو کہ اپنے جسم کو اس میں مشغول کرو تو ضرور کرو ۸؎

۱؎آپ کا نام لقلیط ابن عامر ابن صبرہ ہے،عقیلی ہیں،طائف کے رہنے والے تھے،مشہور صحابی ہیں،آپ سے حضرت عبداللہ ابن عمر وغیرہ حضرات نے روایات لیں۔(مرقات،اکمال)

۲؎ملاک میم کے کسرہ سے وہ چیز جس پر کوئی چیز قائم ہو جیسے دل کہ اس پر جسم قائم ہے،اس کا ترجمہ اصل بہت مناسب ہے۔ھذا الامر سے مراد دین ہے یا دین و دنیا کی تمام خوبیاں دوسرے معنی یہاں زیادہ ظاہر ہیں جیساکہ الذی تصیب بہ الخ سے معلوم ہورہا ہے یعنی اے صحابہ! کیا ہم تم کو دین دنیا کی تمام خوبیوں کی اصل سب کی جڑ نہ بتادیں۔

۳؎اس سے مراد علماء دین اولیاء کاملین صالحین و اصلین کی مجلسیں ہیں کیونکہ یہ مجلسیں جنت کے باغات ہیں جیساکہ دوسری حدیث شریف میں ہے یہ مجلسیں خواہ مدرسے ہوں یا درس قرآن و حدیث کی مجلسیں یا حضرات صوفیاء کرام کی ذکر کی محفلیں یہ فرمان بہت جامع ہے جس مجلس میں اللّٰہ کا خوف حضور کا عشق اور اطاعت رسول کا شوق پیدا ہو وہ مجلس اکسیر ہے۔

۴؎ سبحان اللّٰہ!انسان کی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں: خلوت،جلوت اس فرمان عالی میں دونوں کی اصلاح فرمادی گئی۔جلوت ہو تو اللّٰہ والوں کی صحبت میں،خلوت ہو تو اللّٰہ تعالٰی کے ذکر میں۔بعض مشائخ نے اس فرمان عالی سے دلیل پکڑی کہ ذکر خفی افضل ہے ذکر جلی سے،بعض نے فرمایا کہ ذکر لسانی افضل ہے ذکر جنانی یا پاس انفاس سے کیوں کہ یہاں زبان ہلانے کا حکم دیا مگر انسان بھی مختلف ہیں حالات بھی مختلف،بعض حالات میں ذکر جلی افضل بعض وقت ذکر خفی افضل کون کہہ سکتا ہے کہ اذان اور حج کا تلبیہ،نماز جہر کی قراءت آہستہ کہی جائیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ نماز تہجد اور نماز خفی میں قراءت جہر سے کی جاوے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ذکر وہ بہتر ہے کہ ذاکر ذکر میں فنا ہو اور مذکور سے باقی ہو "وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ"سب کچھ بھول کر اپنے سے بھی غافل ہوکر رب کو یاد کرو۔ذکر جہری و خفی کی بحث ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو،یہاں مرقات کا مطالعہ کرو۔

۵؎جو تمہیں اللّٰہ کے ذکر پر مدد دے اس سے اللّٰہ کے لیے محبت کرو اگرچہ وہ اجنبی ہو اور جو تمہیں اللّٰہ کے ذکر سے غافل کردے اس سے اللّٰہ کے لیے نفرت کرو اگرچہ تمہارا عزیز ہو۔

۶؎یعنی اسے اس شخص کے گھر تک پہنچاتے ہیں یہ پہنچانا عزت افزائی کے لیے ہوتا ہے اور یہ پہنچانا دعا خیر کے ساتھ ہوتا ہے کہ اسے دعائیں دیتے جاتے اور ساتھ چلتے جاتے ہیں۔سبحان اللّٰہ! ممکن ہے کہ اس میں صالحین کی قبور کی زیارت بھی داخل ہو کہ وہ بھی محض اللّٰہ کے لیے کی جاتی ہے۔

۷؎یعنی اس شخص نے تیری راہ میں اس سے رشتہ محبت جوڑا ہے تو اس کا اپنے رشتہ بندگی رشتہ اطاعت جوڑ لے کہ اسے اپنا خاص بندہ بنالے۔

۸؎یعنی یہ عمل تھوڑا ہے مگر اس کے فائدے بہت لہذا اسے ہمیشہ کیا کرو۔بعض حضرات جب کسی مقبول بندے سے ملاقات کے لیے جاتے ہیں تو باوضو اور ذکر الٰہی کرتے جاتے ہیں،یہاں مرقات نے بروایت ابویعلی حضرت عائشہ سے مرفوعًا روایت کی کہ ایسا خفی ذکر جلی ذکر سے ستر درجہ افضل ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں یاقوت کے کچھ ستون ہیں جن پر زبرجد کے بالا خانہ ہیں۱؎ان کے دروازے کھلے ہوئے ہیں ایسے چمکتے ہیں جیسے روشن تارہ چمکتا ہے،صحابہ نے عرض کیا یارسول اللّٰہ (صلی اللّٰہ علیہ وسلم)ان

	میں کون رہے گا فرمایا اللہ کی راہ میں محبت کرنے والے ۲؎ اللہ کی راہ میں مل بیٹھنے والے،اللہ کی راہ میں ملاقاتیں کرنے والے۳؎ یہ تینوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں۔

۱؎ سبحان اللہ!ستون یاقوت کے اور بالا خانے زبرجد کے بہت ہی شاندار ہوئے۔**غرف** جمع ہے **غرفه** کی بمعنی بالاخانہ کھڑکی کو غرفہ کہنا مجازًا ہے کہ اکثر وہ بھی بالاخانہ میں ہوتی ہے۔

۲؎ یہ جگہ تو صرف محبت فی سبیل اللہ کی جزا ہے اس محبت فی سبیل اللہ سے جو اچھے نتیجے نکلتے ہیں ان کے ثواب علیحدہ ہیں۔

۳؎ یعنی ان تینوں کاموں میں سے ایک کام کرنے والے یا تینوں کام کرنے والے۔

باب ما ینھی عنہ من التھاجر و التقاطع و اتباع العورات

اس کا بیان کہ مسلمانوں کو چھوڑے رکھنا ان کا بائیکاٹ کرنا۱ چھپے عیوب کی تلاش ممنوع ہے۲

الفصل الاول

پہلی فصل

۱تھاجر بنا ہے ھجر سے بمعنی چھوڑ دینا،تقاطع بنا ہے قطع سے بمعنی کاٹ دینا،اگر تھاجر کاٹ دینے کے معنی میں ہے تو والتقاطع کا عطف تفسیری ہے اور اگر الگ معنی میں ہے تو تھاجر خاص ہے اور تقاطع عام یعنی مسلمان بھائی سے تعلق چھوڑ دینا اور رشتہ داروں سے رشتہ کاٹ دینا۔

۲اتباع کے معنی ہیں پیچھے پڑ جانا یہاں مرادہے تلاش میں لگے رہنا،عورت وہ چیز جس کا اظہار ناپسند ہو۔یہاں مراد ہے لوگوں کے چھپے عیوب یعنی مسلمانوں کے چھپے عیوب کی تلاش کرنا تاکہ انہیں ظاہر کرکے بدنام کیا جاوے یہ حرام ہے،چونکہ اس عیب جوئی سے بھی لوگوں میں عداوتیں پیدا ہوتی ہیں رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اس لیے ان دونوں کو ایک باب میں بیان کیا۔

	روایت ہے حضرت ابو ایوب انصاری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی شخص کو یہ حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین شب سے زیادہ چھوڑے رہے کہ جب دونوں ملیں تو یہ اس سے وہ اس سے منہ پھیرلے۱ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے ۲(مسلم،بخاری)

۱یہاں چھوڑنے سے مراد دنیاوی رنجشوں کی وجہ سے ترک تعلق کرنا ہے،چونکہ تین دن کے عرصہ میں نفس کا جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اس لیے تین دن کی قید لگائی گئی۔بدمذہب بے دین سے دائمی بائیکاٹ کرنا یا تعلیم و تربیت کے لیے ترک تعلق کرنا زیادہ کا بھی جائز ہے۔حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب ابن مالک،بلال ابن امیہ،مرارہ ابن لوی رضی اللہ عنہم اجمعین کا پچاس دن رکھا،یہ بائیکاٹ ہجران نہ تھا بلکہ تعلیم تھی لہذا یہ حدیث حضرت کعب کی حدیث کے خلاف نہیں۔

۲یعنی اگر دنیاوی معاملات میں دو مسلمان لڑ پڑیں پھر ملیں تو بہتر وہ ہوگا جو اس کی ابتداءکرے۔یہاں کشیدگی دورکردینے کی ہدایت ہے کسی خطرناک آدمی سے محتاط رہنا اس کے خلاف نہیں۔تہاجر اور چیز ہے احتیاط دوسری چیز۔ابتداء بالسلام کرنے والے کواس لیے خیر فرمایا کہ وہ تواضع کرتا ہے اللہ کے لیے وہ ہی ہجران دور کرتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے کو بدگمانی سے بچاؤ ۱؎ کہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے ۲؎ اور نہ تو عیب جوئی کرو نہ کسی کی باتیں خفیہ سنو ۳؎ اور نہ بخش کرو اور نہ ایک دوسرے سے حسد و بغض کرو ۴؎ نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو اور اے اللہ کے بندو بھائی بھائی ہوجاؤ ۵؎ اور ایک روایت میں ہے اور نہ نفسانیت کرو ۶؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہاں ظن سے مراد مجتہدین علماء کا قیاس نہیں بلکہ بلا دلیل بلا ثبوت مسلمان بھائی کے متعلق بدگمانی کرلینا ہے کہ خواہ مخواہ کسی کو اپنا دشمن سمجھ لینا،اس کے ہر قول ہر کام کو اپنی دشمنی قرار دے دینا یہ برا ہے کہ یہ لڑائی فساد کی جڑ ہے،بعض عورتوں کو بلاوجہ شبہ ہوتا ہے کہ فلاں نے مجھ پر جادو کرایا ہے اگرگھر میں کسی کو اتفاقًا بخار آگیا یا جانور نے دودھ کم دیا تو اپنے پڑوسیوں پر جادو تعویذ گنڈے کی بدگمانی کرکے دل میں گرہ رکھ لی یہ ممنوع ہے۔

۲؎ کیونکہ ایسی بدگمانیاں شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں اور شیطان بڑا جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ بھی بڑے ہی ہوتے ہیں،قرآن کریم فرماتاہے:"اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ"وہ آیت کریمہ اس حدیث پاک کی تاکیدکرتی ہے۔

۳؎ **تحس** ح سے کسی کی باتیں خفیہ طور پر سننا کہ اسے خبر نہ ہو۔**تجسّس** جیم سے کسی کے خفیہ عیب کی تلاش میں رہنا حس اور جس میں اور بھی چند طرح فرق کیا گیا ہے۔غرضکہ کسی کی ہر بات پر کان لگائے رہنا،کسی کے ہر کام کی تلاش میں رہنا کہ کوئی برائی ملے تو میں اسے بدنام کردوں دونوں حرام ہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ مبارک ہو کہ جسے اپنے عیبوں کی تلاش دوسروں کی عیب جوئی سے باز رکھے۔(مرقات)یعنی وہ اپنے عیب ڈھونڈنے میں ان سے توبہ کرنے میں ایسا مشغول ہو کہ اسے دوسروں کے عیب ڈھونڈنے کا وقت ہی نہ ملے۔

نہ تھی اپنے جو عیبوں کی ہم کو خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

۴؎ **تناجش** بنا ہے **نجش** سے،**نجش** کے چند معنی ہیں: دوسروں پر اپنی بڑائی چاہنا،دھوکا دینا،نیلام میں قیمت بڑھا دینا خریدنے کی نیت نہ ہو یہ سب حرام ہے۔حسد کے معنی ہیں دوسرے کی نعمت کا زوال اپنے لیے اس کا حصول چاہنا کہ اس کے پاس نہ رہے میرے پاس آجائے یہ حرام ہے،شیطان کو حسد نے ہی مارا بغض دل میں کینہ رکھنا۔

۵؎ یعنی بدگمانی،حسد،بغض وغیرہ وہ چیزیں ہیں جن سے محبت ٹوٹتی ہے اور اسلامی بھائی چارہ محبت چاہتا ہے لہذا یہ عیوب چھوڑو تاکہ بھائی بھائی بن جاؤ۔

۶؎ **تنافس** کے بہت معنی ہیں: رغبت کرنا،لالچ کرنا،نفسانیت سے فساد پھیلانا یہاں بمعنی نفسانیت و فساد ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعرات کے دن جنت کے دروازے

کھولے جاتے ہیں ۱؎ تو ہر اس بندے کی بخشش کردی جاتی ہے جو کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ جانے سواء اس شخص کے جس کے اور اس کے بھائی کے درمیان عداوت ہو ۲؎ تو کہا جاتا ہے کہ انہیں مہلت دو حتی کہ آپس میں صلح کرلیں ۳؎ (مسلم)۴؎	

۱؎ چونکہ جنت کے طبقے بہت ہیں ہر طبقہ کا علیٰحدہ دروازہ ہے اس لیے ابواب جمع فرمایا گیا یا خود جنت ہی کے بہت دروازے ہیں جیساکہ دوسری روایت میں ہے۔جنت کے بعض دروازے وہ ہیں جو سال بھر تک ہر دو شنبہ و جمعہ کو کھلتے ہیں،بعض دروازے وہ ہیں جو ماہ رمضان میں کھلتے ہیں لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ ہر رمضان میں دو دروازے کھلتے ہیں یہ دروازے کھلنا عام رحمت و مغفرت کے لیے ہیں۔

۲؎ لایشرك باللہ سے مراد ہے مؤمن ہونا ورنہ جو مشرک نہ ہو مگر ہو کافر وہ بھی نہ بخشا جاوے گا،عداوت سے مراد دنیاوی دشمنی ہے۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں شخصوں کی مغفرت صلح پر موقوف ہے جب کہ ان میں سے کسی نے صلح کی کوشش نہ کی لیکن اگر ایک نے تو صلح کی کوشش کی مگر دوسرا راضی نہ ہوا ہو تو اس دوسرے کو نہ بخشا جاوے گا اس میں تمام وہ قیود یاد رکھو جو ابھی پہلے عرض کی جاچکی ہیں۔

۴؎ یہ حدیث بخاری نے اپنی کتاب ادب المفرد میں اور ابوداؤد ترمذی نے بھی ان ہی سے روایت فرمائی۔(مرقات)

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں کے اعمال ہر ہفتہ میں دوبار پیش کیے جاتے ہیں ۱؎ پیر کے دن اور جمعرات کے دن تو ہر بندہ مؤمن کی بخشش کردی جاتی ہے سواء اس بندے کے جس کے اور اس کے بھائی کے درمیان عداوت ہو کہا جاتا ہے کہ انہیں چھوڑو حتی کہ رجوع کرلیں ۲؎ (مسلم)	

۱؎ ناس سے مراد مسلمان ہیں اور جمعہ سے مراد ہفتہ ہے۔مرتین فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ ایک دن میں دوبار پیشی نہیں ہوتی بلکہ ہر دن میں ایک بار یہ پیشی بارگاہِ الٰہی میں ہوتی ہے یا اس فرشتے کے سامنے جو لوگوں کے اعمال کا محافظ بنایا گیا ہے،پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کیونکہ دوسری روایت میں اس کی تصریح ہے کہ بارگاہ الٰہی میں پیشی ہوتی ہے۔(مرقات)

۲؎ یفیئا بنا ہے فیئٌ سے بمعنی لوٹنا رجوع کرنا،رب تعالٰی فرماتاہے:"تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمْرِ اللہِ"۔یہ ضرب کا مضارع تثنیہ ہے۔خیال رہے کہ لوگوں کے اعمال جمعہ کے دن حضرات انبیاءکرام بلکہ ماں باپ پر بھی پیش کیے جاتے

ہیں،وہ حضرات ہماری نیکیاں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں گناہ دیکھ کر رنجیدہ اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ گناہ کرکے اپنے مرے ہوئے ماں باپ کو نہ ستاؤ،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ نہ دو اس کا یہ مطلب ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ام کلثوم بنت عقبہ ابن ابی معیط سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جھوٹا وہ نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرادے ۲؎ بات بھلی کہے اور بھلی بات پہنچائے ۳؎(مسلم،بخاری)مسلم نے یہ زیادتی کی کہ فرماتی ہیں میں نے انہیں یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں سنا کہ آپ لوگ جو جھوٹ بولتے ہیں ان میں سے کسی چیز کی اجازت دیتے ہوں سوا تین جھوٹ کے ۴؎ جنگ ۵؎ لوگوں کے درمیان صلح اور مرد کی اپنی بیوی سے بات اور بیوی کی اپنی خاوند سے بات ۶؎	

۱؎ ام کلثوم صحابیہ ہیں،انہوں نے ہجرت سے پہلے کسی سے نکاح نہیں کیا بعد ہجرت عبدالرحمٰن ابن عوف سے اور ان کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا،ان کا باپ عقبہ ابن ابی معیط مشہور کافر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت تر دشمن تھا۔(اشعہ)ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہیں جو حضرت عثمان کی زوجہ ہیں اور ام کلثوم بنت علی جو حضرت فاطمہ زہرا کے شکم سے ہیں اور یہ حضرت عمر کے نکاح میں تھیں۔

۲؎ یعنی جن مسلمانوں میں آپس میں لڑائی ہو ان میں جھوٹ بول کر صلح کرادے کہ ہر ایک تک دوسرے کی دل خوش کن بات گھڑ کر سنادے کہ وہ تمہاری بڑی تعریف کرتا تھا تم سے مل جانے کا خواہش مند ہے وغیرہ وغیرہ۔

۳؎ پہلی بات سے مراد دل خوش کن اور دل پسند بات ہے۔بھلی فرما کر اشارۃً بتایا کہ جھوٹ ہے مگر برا نہیں بلکہ اچھا ہے اس پر ثواب ہے۔خیال رہے کہ بعض سچ کفر ہوجاتے ہیں اور بعض جھوٹ ایمان وعرفان کا رکن بن جاتے ہیں بے گناہ کا اپنے آپ کو گنہگار کہنا ہے تو جھوٹ مگر رب کو مقبول ہے پسند ہے،شیطان نے سچ ہی کہا تھا کہ "خَلَقْتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ" مگر اس سچ پر ہی مردود ہوا۔بہرحال یہ حدیث بہت ہی جامع ہے،جھوٹ سے مراد ہے خلاف واقعہ۔

۴؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین موقعہ پر خلاف واقعہ بات کہہ دینے کی اجازت دی کہ ان کا انجام بہت اچھا ہے۔

۵؎ یعنی جہاد میں اگر مسلمان کمزور ہوں کفار قوی پھر مسلمان کہیں کہ ہم بڑے طاقتور ہیں تم کو فنا کردیں گے ہمارے پاس سامان جنگ بہت ہے جس سے کفار کا حوصلہ پست ہو بالکل جائز ہے کہ یہ اگرچہ ہے تو جھوٹ مگر ہے جنگی تدبیر۔

٦؎ اس طرح کہ زوجین میں سے کوئی دوسرے سے اپنی بہت محبت ظاہر کرے حالانکہ اسے اتنی محبت نہ ہو یا اپنی بیوی سے زیور کا وعدہ کرے مگر بنوا نہ سکے یہ سب اگرچہ ہے جھوٹ مگر ہے جائز کہ اس میں معاشرے کی اصلاح ہے۔

حضرت جابر کی حدیث کہ شیطان مایوس ہوچکا باب الوسوسہ میں ذکر کردی گئی ا؎	

ا؎ یعنی مصابیح میں وہ حدیث یہاں تھی ہم نے مناسبت کا خیال کرتے ہوئے اس جگہ بیان کردی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین مقامات کے سواء کہیں جھوٹ جائز نہیں خاوند کا اپنی بیوی سے جھوٹ بولنا تاکہ اسے راضی کرے اور جھوٹ بولنا جنگ میں ا؎ اور جھوٹ بولنا تاکہ لوگوں کے درمیان صلح کرائے ٢؎ (احمد،ترمذی)	

ا؎ یعنی کفار سے جنگ کرتے ہوئے،مسلمان سے تو جنگ کرنا ہی حرام ہے چہ جائیکہ اس سے جھوٹ بولنا۔دوسری حدیث میں ہے **الحرب خدعة** جنگ تدبیر اور چال کا نام ہے۔

٢؎ اس طرح کہ مسلمانوں میں مالی جائیدادی وغیرہ جھگڑے دور کردے اگرچہ جھوٹ کے ذریعہ سے کرے یہ جھوٹ درحقیقت جھوٹ نہیں بلکہ اصلاح ہے۔معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں صلح کرانا ایسا ضروری ہے کہ اس کے لیے جھوٹ کی اجازت دی گئی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ کسی مسلمان کو تین دن سے زیادہ چھوڑے ا؎ تو جب اس سے ملے تو اسے تین بار سلام کرے ٢؎ ہر بار میں وہ دوسرا اسے جواب نہ دے تو وہ اس کا گناہ لے کر لوٹا ٣؎ (ابوداؤد)	

ا؎ یعنی بہتر تو یہ ہے کہ تین دن کے لیے بھی نہ چھوڑے لیکن تین دن کے بعد چھوڑے رکھنا تو گناہ ہے اس کی وہ تمام قیدیں خیال میں رہیں جو پہلے بیان ہوئیں۔

۲؎ اگر پہلی بار میں جواب نہ دے تو دوبارہ کرے،اگر دوبار میں بھی جواب نہ دے تو تیسری بار کرے،اگر تیسری بار میں بھی جواب نہ دے تو چوتھی بار نہ کرے کہ تین بار اس سلام کی حد ہے۔یہ سلام مصالحت ہے نہ کہ سلام ملاقات کیونکہ ملاقات کا سلام ایک بار ہوتا ہے،سلام بہت قسم کا ہے اور اس کے الگ الگ احکام۔

۳؎ **باثمه** کی ضمیر میں دو احتمال ہیں یا تو یہ سلام کرنے والے کی طرف لوٹ رہی ہے یا اسے رد نہ کرنے والے کی طرف یعنی اگر تین سلاموں کا جواب نہ دیا تو تین دن تک غصہ رہنے کا گناہ جو دونوں کو ہونا تھا اب دوسرے کا گناہ بھی اس پر پڑے گا یا اس چھوڑے رہنے کا گناہ اب صرف اس پر ہوگا وہ سلام کرنے والا گناہ سے بری ہوگیا یا جواب نہ دینے کا گناہ اس پر ہوگا کیونکہ سلام کرنا سنت ہے اور سلام کا جواب دینا فرض ہے۔خیال رہے کہ ہر سلام کا جواب دینا فرض نہیں بلکہ مسلمان کے سلام تحیت کا جواب دینا فرض ہے،تحیت کے علاوہ دوسرے سلاموں کا جواب دینا فرض نہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"**وَ اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا**"۔اس آیت میں **سلام علیکم** نہ فرمایابلکہ **حییتم** ارشاد ہوا اسی حکمت کی بنا پر۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلم کو یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے تو جو تین دن سے زیادہ چھوڑے ۱؎ پھر مرجاوے تو آگ میں داخل ہوگا ۲؎ (احمد،ابوداؤد)	

۱؎ زیادہ سے مراد یا تو ایک ساعت کی زیادتی ہے یا چوتھے دن کی زیادتی یعنی اگر چار دن چھوڑے رہا یا تین سے ایک ساعت زیادہ چھوڑا۔(مرقات)

۲؎ یعنی ہجران کی سزا کا مستحق ہوگا،مسلمان بھائی سے عداوت دنیاوی آگ،حسد،بغض کینہ یہ سب مختلف قسم کی آگ ہیں اور آخرت میں اس کی سزا وہ بھی آگ ہی ہے رب چاہے تو بخش دے چاہے تو سزا دے دے۔

روایت ہے حضرت ابو خراش سلمی سے ۱؎ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اپنے بھائی کو ایک سال چھوڑے رہے وہ اس کے خون بہانے کی طرح ہے ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ ان کا نام حدرد ابن حدرد سلمی ہے،قبیلہ بنی سلیم سے ہیں،آپ صحابی ہیں،آپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے،کنیت ابو خراش ہے،آپ کے حالات معلوم نہ ہوسکے،صحابیت میں بڑی فضیلت ہے حالات معلوم ہوں یا نہ ہوں۔

۲؎ یعنی جیسے مسلمان کا ناحق قتل بڑا گناہ ہے ایسے ہی اسے ناحق سال بھر تک چھوڑے رہنا بڑا گناہ۔خون بہانے میں جسم کو تکلیف پہنچتی ہے اتنی دراز مدت تک چھوڑے رہنے سے اس کے دل کو ایذاء پہنچتی ہے۔سال کا ذکر اس لیے فرمایا کہ سال دراز مدت ہے جس میں اکثر مسافر اپنے گھر لوٹ آتے ہیں،اس میں ہر موسم ہوتا ہے،سردی

گرمی بہار خزاں جن میں مختلف لوگوں کے مزاج پر اثر ہوتا ہے ایسا سخت دل ہے کہ کسی موسم میں اس کا دل نرم اور غصہ ٹھنڈا نہ ہوا،جو دل سال بھر تک صاف نہ ہو آئندہ اس کے صاف ہونے کی امید نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی مسلمان کو یہ حلال نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رہے ۱؎ تو اگر اس پر تین دن گزر جاویں تو یہ اس سے ملے اسے سلام کرے پھر اگر وہ اسے سلام کا جواب دے دے تو دونوں ثواب میں شریک ہوگئے ۲؎ اور اگر جواب نہ دے تو وہ گناہ کے ساتھ لوٹا سلام کرنے والا چھوڑنے سے نکل گیا ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ اس کی شرح اور وجہ پہلے عرض کی جاچکی۔

۲؎ اصل ثواب میں برابر ہوگئے اگرچہ سلام کی ابتداء کرنے والا اور دوسرے سے ملنے کے لیے جانے والا بڑے ثواب کا مستحق ہے لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں صلح کی ابتداء کرنے والے کا درجہ بڑا فرمایا گیا۔

۳؎ یعنی تین دن تک جو جدائی رہی اس کے گنہگار دونوں تھے اب اس عمل سے یہ صلح میں پیش قدمی کرنے والا تو گناہ سے نکل گیا مگر دوسرا منہ موڑنے والا گناہ میں گرفتار رہا بلکہ یہ دوسرا گناہ اس پر ہوا صلح سے منہ پھیرنا۔

	روایت ہے حضرت ابو الدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا میں تمہیں روزے صدقہ اور نماز سے بڑھ کر درجہ والی چیز نہ بتاؤں ۱؎ فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا آپس کے معاملہ کی درستی ۲؎ اور آپس کے معاملہ کا بگاڑ وہ ہی مونڈ دینے والی ہے ۳؎ (ابوداؤد اور ترمذی) اور ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

۱؎ یعنی وہ چیز درجہ میں یا ثواب میں ان مذکورہ عبادات سے بڑھ کر ہو۔خیال رہے یہاں عطف اعلیٰ کا ادنی پر ہے اس لیے نماز کا ذکر بعد میں فرمایا ورنہ نماز روزہ صدقہ سے افضل ہے یا واؤ جمع کے لیے ہے یعنی وہ کام ان تینوں کے مجموعہ سے افضل ہے،یہاں نفلی روزے نفلی صدقہ نفلی نماز مراد ہے نہ کہ فرضی۔(مرقات)

۲؎ ذات کے معنی والی ذو کا مؤنث،بین بمعنی درمیانی(یعنی آپس)ذات بین کے معنی ہوئے آپس والی چیز معاملات یا محبت والے تعلقات،بعض شارحین نے فرمایا کہ ذات بین سے مراد ہے آپس کی دشمنی و عداوت اور ترک

تعلقات،اصلاح سے مراد ہے ان کو دور کردینا،رب تعالیٰ فرماتاہے:"وَ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ"وہ آیت اس حدیث کی تائید کرتی ہے۔

۳؎یعنی مسلمانوں کے آپس کے تعلقات خراب کردینا،ان میں دشمنی ڈال دینا بھلائیوں ثوابوں کو فنا کردینے والی چیز ہے اس کی نحوست سے انسان روزہ نماز کی لذت بلکہ خود روزے نماز وغیرہ دیگر عبادات سے محروم ہوجاتا ہے۔سبحان اللہ!کیسی پیاری تشبیہ ہے جیسے استرہ سر کے بالوں کو جڑ سے ختم کردیتا ہے ایسے ہی یہ حرکت نیکیوں کو جڑ سے اڑا دیتی ہے۔

مولانا فرماتے ہیں۔شعر

تاتوانی پامن اندر فراق　　　ابغض الاشیاء عندی الطلاق

یہ حدیث مختلف الفاظ مختلف اسنادوں سے مروی ہے۔چنانچہ طبرانی اور بزاز نے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں میں صلح کراؤ،اس صلح کرانے میں جو کچھ تم بولو گے اس کے ہر حرف کے عوض غلام آزاد کرنے کا ثواب پاؤ گے اور اللہ تعالٰی تمہاری اصلاح فرمائے گا،تمہارے سارے گناہ بخش دے گا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت زبیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں پچھلی امتوں کی بیماری سرایت کر گئی ۱؎ حسد اور بغض ۲؎ یہ مونڈ دینے والی ہے میں نہیں کہتا کہ بال مونڈتی ہے لیکن یہ دین کو مونڈ دیتی ہے ۳؎ (احمد،ترمذی)

۱؎ دب بنا ہے دب سے بمعنی آہستہ آہستہ چلنا اس سے ہے دبیب اس سے ہے دابة بمعنی جانور،سرایت کر جانے کو دب اس لیے کہتے ہیں کہ وہ محسوس نہیں ہوتی اوردل میں اتر جاتی ہے یہاں بمعنی سرایت ہے۔

۲؎ حسد سے مراد ہے دلی خفیہ دشمنی،بغض سے مراد ہے علانیہ دشمنی یا حسد کسی سے جلنا اس کی نعمت کا زوال چاہنا،بغض دشمنی دل میں رکھنا۔

۳؎ اس طرح کہ دین و ایمان کو جڑ سے ختم کردیتی ہے کبھی انسان بغض و حسد میں اسلام ہی چھوڑ دیتا ہے، شیطان بھی انہیں دو بیماریوں کا مارا ہوا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا حسد سے بچو کہ حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتی ہے جیسے آگ لکڑی کو ۱؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی حسدوبغض ذریعہ بن جاتا نیکیوں کی بربادی کا یعنی حاسد ایسے کام کر بیٹھتا ہے جس سے نیکیاں ضبط ہو جاویں،حاسد و بغض والے کی نیکیاں محسود کو دے دی جائیں گی یہ خالی ہاتھ رہ جاوے گا۔خیال رہے کہ کفرو ارتداد کے سواء کوئی گناہ مؤمن کی نیکیاں برباد نہیں کرتا،ہاں نیکیوں سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں،رب فرماتاہے:"اِنَّ

الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ"۔(اشعہ)اس حدیث کی بناء پر معتزلہ نے کہا ہے کہ بعض گناہوں سے نیکیاں بھی مٹ جاتی ہیں مگر غلط کہا کیونکہ اس حدیث کا وہ مطلب ہے جو ہم نے عرض کیا اس حدیث کی اور بہت توجیہیں کی گئی ہیں۔(دیکھو مرقات)

	روایت ہے ان ہی سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا آپس کے فساد سے بچو۱؎کیونکہ یہ مونڈ دینے والی چیز ہے ۲؎(ترمذی)

۱؎ذات بین کے معنی آپس والی چیز،سوء کے معنی برائی یعنی آپس والی چیز کی برائی سے بچو نہ تو تم خود آپس میں رنجش رکھو نہ دو شخصوں میں رنجش ڈالو غیبت وغیرہ کرکے کہ یہ بدترین جرم ہے بلکہ بہت سے جرموں کی جڑ ہے۔

۲؎اس کی شرح ابھی ہوچکی کہ یا تو اس مجرم کی نیکیاں برباد ہوجانے کا سبب ہے یا جس مظلوم کے ساتھ یہ برتاوا کیا گیا اس کے گناہ معاف ہوجانے کا سبب،اس کے نامہ اعمال کو گناہوں سے ایسا صاف کردیتی ہے جیسے استرہ سر کو۔

	روایت ہے حضرت ابو صرمہ سے۱؎کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نقصان پہنچائے گا اسے اللہ نقصان دے گا ۲؎اور جو کسی سے مخالفت کرے گا اللہ اس سے مخالفت کرے گا ۳؎(ابن ماجہ،ترمذی)اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎آپ کا نام مالک ابن قیس مازنی ہے،بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک رہے،آپ کی کنیت ابو صرمہ ہے،آپ زمانہ جاہلیت میں بھی ملتِ ابراہیمی پر عبادت الٰہی کرتے تھے،بہت بڑی عمر میں اسلام لائے،آپ سے حضرت ابن عباس نے روایات لیں۔(مرقات واشعہ)

۲؎یعنی جو کسی مسلمان کو ابتداءً نقصان پہنچائے جانی یا مالی۔ابتداءً کی قید اس لیے لگائی کہ نقصان کے عوض نقصان پہنچانا سزا کے طور پر جائز ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا"۔

۳؎یعنی جو کسی مسلمان سے دشمنی کرے گا رب تعالٰی اسے مردود کرے گا۔دشمنی سے وہ ہی مراد کہ بلاوجہ شرعی مسلمان سے عداوت رکھنا۔شاق بنا ہےشق سے بمعنی کروٹ یا چہرہ کی مخالفت کومشاقۃ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں ہر شخص دوسرے سے منہ پھیر لیتا ہے اس سے آنکھیں نہیں ملاتا۔

	روایت ہے حضرت ابوبکر صدیق سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لعنتی ہے وہ جو کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے یا اسے فریب دے ۱؎

(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۲؎	

۱؎یہاں ضرر سے مراد ہے ظاہر ظہور نقصان پہنچانا اور مکر سے مراد ہے خفیہ سازش کرکے نقصان دینا جیسا کہ آج کل عام رواج ہے۔

۲؎اس حدیث کے غریب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک راوی ابو مسلمہ کندی ہے جو فرقد سنجی سے راوی ہے ابو سلمہ کی فرقد سے ملاقات ثابت نہیں ابو سلمہ کو یحیی ابن معین نے متقی اور ثقہ کہا دوسروں نے اسے ضعیف کہا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے پھر بلند آواز سے ندا کی فرمایا اے ان لوگوں کے ٹولو جو اپنی زبان سے ایمان لائے ہو اور ان کے دل تک ایمان نہ پہنچا۱؎ مسلمانوں کو نہ تو ایذا دو نہ انہیں عار دلاؤ نہ ان کے خفیہ عیوب ڈھونڈھو۲؎ کیونکہ جو اپنے مسلمان بھائی کے خفیہ عیوب کی تلاش کرے گا تو اللہ اس کے عیب ظاہر کردے گا اگرچہ اسکے گھر میں ہوں۳؎ اور اسے رسوا کردے گا اگرچہ وہ اپنی منزل میں کرے۔(ترمذی)	

۱؎یعنی اے منافقو یہاں منافق سے مراد منافق اعتقادی ہے ممکن ہے کہ منافق عملی یا دونوں مراد ہوں۔مرقات نے فرمایا کہ اس میں یہاں فاسق بھی داخل ہے کیونکہ آگے جس عمل کا ذکر ہے وہ فساق ہی کرتے تھے۔

۲؎یہ تینوں حرکتیں منافقین کرتے تھے جس سے مسلمانوں کو تکلیف ہو وہ کام کرنا حتی کہ راستہ میں کانٹا پتھر ڈال دینا کہ مسلمانوں کو لگے ان سے سخت کلامی کرنا،مسلمانوں کے وہ گناہ بیان کرنا جن سے وہ توبہ کرچکے ہوں بلکہ ان کی توبہ کا قرآن کریم میں اعلان ہوچکا ہے،مسلمانوں کے خفیہ عیوب کی تلاش میں رہنا بلکہ ان بے عیب صحابہ کرام کو عیب لگانا جن کی بے عیبی پر قرآن مجید گواہ ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کو ستانا منافقوں کا کام ہے اس سے موجودہ روافض عبرت حاصل کریں بلکہ تاقیامت مسلمانوں کے ساتھ یہ برتاوے عملی منافقت ہے،بہتر ہے کہ اپنے عیوب کی تحقیق کرکے ان سے توبہ کرے۔

۳؎یہ قانون قدرت ہے کہ جوکسی کو بلاوجہ بدنام کرے گا قدرت اسے بدنام کردے گی مگر یہ حکم اس کے لیے ہے جو مسلمانوں کو بدنام کرنے کا عادی ہو۔کسی خفیہ سازشیں کرنے والے اور خفیہ بدمعاشی کے اڈے بتانے والے،خفیہ زنا،شراب خوری کے اکھاڑے بنانے والوں کی تحقیق کرکے انکو گرفتار کرانا بہت بڑا ثواب ہے کہ یہ عیوب جوئی نہیں بلکہ لوگوں کو برائی سے روکنا ہے۔کسی شاعر نے عیب جوئی کے متعلق خوب کہا شعر

لا تلتمس من مساوی الناس ما ستروا　　فیھتك اللہ سترا عن مساویکا

واذکر محاسن ما فیھم اذا ذکروا　　ولا تعب احدا منھم بما فیکا

روایت ہے حضرت سعید ابن زید سے۱؎ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ بدترین سود مسلمان کی	

	آبرو میں ناحق دست درازی ہے ۲؎ (ابوداؤد،بیہقی شعب الایمان)

۱؎آپ عدوی ہیں،عشرہ مبشرہ سے ہیں،بڑے پرانے مسلمان ہیں،حضرت عمر کی بہن فاطمہ بنت خطاب آپ کی زوجہ ہیں،حضرت عمرآپ ہی سے قرآن مجید سن کر اسلام لائے،آپ کا انتقال مقام عقیق میں ہوا اور مدینہ منورہ کے قبرستان بقیع میں دفن کیے گئے۵۱ھ؁ اکیاون میں وفات ہوئی،ستر سال سے کچھ زیادہ عمر پائی،آپ سواء غزوہ بدر کے تمام غزوات میں شریک ہوئے،غزوہ بدر میں آپ حضرت طلحہ کے ساتھ قریشی قافلہ کی تلاش میں بھیجے گئے تھے،آپ کو حضور نے بدر کی غنیمت سے حصہ دیا۔(اکمال،مرقات)

۲؎یعنی سود خواری بدترین گناہ ہے جیسے ماں کے ساتھ کعبہ معظّمہ میں زنا کرنا۔(حدیث)سود خوار کو اللہ رسول سے جنگ کرنے کا الٹی میٹم دیا گیا ہے یہ تو مالی سود کا حال ہے مسلمان کی آبرو،چونکہ مال سے زیادہ عزیز اور قیمتی ہے اس لیے مسلمان کی آبروریزی اسے ذلیل کرنا بدترین سود قرار دیا گیا۔دیکھو مسلمان عفیفہ عورت کو تہمت لگانے پر اسی۸۰ کوڑے اور ہمیشہ کے لیے مردود الشہادۃ ہونے کی سزا مقرر ہے،کیوں؟اس لیے کہ اس نے مسلمان پاک دامن بے قصور کی عزت پر ہاتھ ڈالالہذا یہ فرمان بالکل درست ہے۔ناحق کی قید اس لیے ہے کہ حق آبرو ریزی جائز بلکہ کبھی ضروری ہوتی ہے جیسے غیبت اکثر حرام ہے مگر کبھی مباح بلکہ کبھی واجب ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھے میرے رب نے معراج دی ۱؎تو میں اس قوم پر گزرا جن کے تانبے کے ناخن تھے کہ وہ اپنے چہرے اور سینے کھرچ رہے تھے ۲؎تو میں نے پوچھا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں عرض کیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے ہیں اور ان کی آبروؤں میں مشغول ہوتے ہیں۳؎(ابوداؤد)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں معراج سے مراد جسمانی بیداری کی معراج مراد ہے جو نبوت کے گیارہویں سال ستائیسویں رجب سوموار کی رات ہوئی۔منامی یعنی خواب کی معراجیں حضور کو قریبًا تیس ہوئی ہیں،نماز کی فرضیت اس جسمانی معراج میں ہوئی۔

۲؎اس طرح کہ ان پر خارش کا عذاب مسلط کردیا گیا تھا اور ناخن تانبے کے دہاردار اور نوکیلے تھے ان سے سینہ چہرہ کھجلاتے تھے اور زخمی ہوتے تھے۔خدا کی پناہ! یہ عذاب سخت عذاب ہے یہ واقعہ بعد قیامت ہوگا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھوں سے دیکھا۔

۳؎یعنی یہ لوگ مسلمانوں کی غیبت کرتے تھے ان کی آبروریزی کرتے تھے،یہ کام عورتیں زیادہ کرتی ہیں انہیں اس سے عبرت لینی چاہیے۔

	روایت ہے حضرت مستورد سے ۱؎وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

سے راوی فرمایا جو کسی مسلمان آدمی مشغول ہو کر کچھ لقمے کھائے ۲؎ تو اﷲ اسے اس کی مثل دوزخ میں کھلائے گا ۳؎ اور جو کسی مسلمان آدمی کی وجہ سے کپڑا پہنایا جاوے تو اﷲ اسے اس کی مثل دوزخ سے پہنائے گا ۴؎ اور جو کسی شخص کی وجہ سے سنانے اور دکھانے کی جگہ میں کھڑا ہو تو اﷲ اسے قیامت کے دن سنانے اور دکھانے کی جگہ کھڑا کرے گا ۵؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ کا نام مستورد ابن شداد ہے،کوفی ہیں،آخر میں مصر میں رہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کمسن تھے،صحابی ہیں،آپ سے بہت صحابہ نے احادیث نقل کیں۔

۲؎ اس طرح کہ دو لڑے ہوئے مسلمانوں میں سے ایک کے پاس جاوے اور اسے خوش کرنے کے لیے دوسرے کی غیبت کرے،اسے برا کہے،اسے نقصان پہنچانے کی تدبیریں بتائے تاکہ اس ذریعہ یہ شخص اسے کچھ دیدے یا کھلاوے ایسے خوشامدی لوگ آج کل بہت ہیں۔

۳؎ یہ دوزخ کی آگ کے انگارے ان لقموں کی عوض میں جس قدر یہاں لقمے کھائے اتنے ہی وہاں انگارے کھائے گا۔

۴؎ اس کا مطلب گزشتہ مضمون سے واضح ہے کہ جو کسی کو خوش کرنے کے لیے مسلمان بھائی کی غیبت کرے یا اسے ستائے اس غیبت وغیرہ کی عوض کپڑوں کا جوڑا پائے تو اسے قیامت میں اس جوڑے کی عوض آگ کا جوڑا پہنایا جائے گا۔

۵؎ اس فرمان عالی کے بہت معنی ہیں: ایک یہ کہ جو شخص کسی مشہور شریف آدمی کی پگڑی اچھالے اس کا مقابلہ کرے تاکہ اس مقابلہ سے میری شہرت ہو،دوسرے یہ کہ جوکسی شخص کو دنیا میں جھوٹے طریقہ سے اچھالے تاکہ اس کے ذریعہ مجھے عزت و روزی ملے جیسے آج کل بعض جھوٹے پیروں کے مرید اس کی جھوٹی کرامتیں بیان کرتے پھرتے ہیں تاکہ ہم کو بھی اس کے ذریعہ عزت ملے کہ ہم اس کے بالکے ہیں۔(اشعہ) تیسرے یہ کہ جو شخص دنیا میں نام و نمود چاہے نیکیاں کرے مگر ناموری کے لیے یا جو شخص کسی کے ذریعہ سے اپنے کو مشہور و نامور کرے قیامت میں ایسے شخصوں کو عام رسوا کیا جاوے گا کہ فرشتہ اسے اونچی جگہ کھڑا کرکے اعلان کرے گا کہ لوگو یہ بڑا جھوٹا مکار فریبی تھا۔(مرقات ولمعات وغیرہ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اچھا گمان ۱؎ اچھی عبادت سے ہے ۲؎ (احمد،ابوداؤد)	

۱؎ لوگوں کے متعلق نیک گمان کرنا بدگمانی نہ کرنا یا اللہ تعالٰی کے متعلق اچھا گمان کرنا اس کی معافی کی امید رکھنا یہ دونوں احتمال درست ہیں۔

۲؎ اس فرمان عالی کے کئی مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ اللہ کے ساتھ اچھا گمان اس سے امید وابستہ کرنا بھی عبادت میں سے ایک اچھی عبادت ہے۔دوسرے یہ کہ اللہ سے امید اچھی عبادت سے حاصل ہوتی ہے جو عبادت کرے گا اسے یہ امید نصیب ہوگی۔تیسرے یہ کہ عبادت کے ذریعہ اللہ سے اچھی امید رکھو،عبادت سے غافل رہ کر امیدیں باندھنا حماقت ہے جیسے کوئی جو بو کر گندم کاٹنے کی امید کرے۔چوتھے یہ کہ اللہ کے بندوں یعنی مسلمانوں سے اچھا گمان کرنا ان پر بدگمانی نہ کرنا یہ بھی اچھی عبادات میں سے ایک عبادت ہے اس فرمان کے اور بھی معنی ہوسکتے ہیں مثلًا یہ کہ مسلمانوں پر اچھا گمان اچھی عبادات سے حاصل ہوتا ہے جو عابد ہوگا وہ ہی نیک گمان ہوگا جو خود برا ہوگا دوسروں کو بھی برا ہی سمجھے گا۔

روایت ہے حضرت جناب عائشہ رضی اللہ عنھا سے فرماتی ہیں کہ حضرت صفیہ ۱؎ کا اونٹ بیمار ہوگیا اور حضرت زینب ۲؎ کے پاس بچی ہوئی سواری تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب سے کہا کہ یہ اونٹ انہیں دے دو ۳؎ وہ بولیں میں اس یہودیہ کو دوں ۴؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے تو انہیں بقر عید محرم اور صفر کا کچھ حصہ چھوڑے رکھا ۵؎ (ابوداؤد) اور حضرت معاذ ابن انس کی حدیث میں من حمی مؤمنا الخ شفقت و رحمت کے باب میں ذکر کردی گئی ۶؎	

۱؎ آپ کا نام صفیہ بنت حیی ابن اخطب ہے،حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے ہیں،پہلے کنانہ بنت ابی الحقیق کے نکاح میں تھیں ان کا خاوند محرم ۷ھ ہجری میں غزوہ خیبر میں مارا گیا،آپ قید ہوکر مسلمانوں کے قبضہ میں آگئیں،آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کرکے خود اپنے نکاح سے شرف بخشا لہذا آپ ام المؤمنین ہیں، ۵۰ھ پچاس میں وفات پائی،جنت بقیع میں دفن ہوئیں۔

۲؎ آپ زینب بنت جحش ہیں،آپ کی والدہ امیہ بنت عبدالمطلب ہیں،حضور انور کی پھوپھی،آپ پہلے حضرت زید ابن حارثہ کے نکاح میں تھیں ان کے طلاق دے دینے کے بعد حضور کے نکاح میں آئیں،حضور انور سے نکاح ۵ھ ہجری میں ہوا۔

۳؎ غالبًا یہ واقعہ کسی سفر کا ہے جب کہ حضرت صفیہ کو اونٹ کی ضرورت تھی سواری کے لیے اور حضرت زینب کے پاس ایک اونٹ زائد تھا۔

۴؎ عمومًا سوکنوں کو آپس میں غیظ و غضب ہوتا ہے اس بنا پر یہ عرض کیا۔یہودیہ سے مراد قوم یہود ہے نہ کہ مذہب یہود کیونکہ صفیہ اب تو مسلمان ہوچکی تھیں اور جناب زینب سرداران قریش کی بیٹی تھیں یعنی میں یہودی قوم والی بی بی کو نہ دوں گی۔

۵؎ یعنی قریبًا ڈھائی مہینہ ان سے کلام سلام بند فرمادیا مگر یہ ترک کلام عداوت کے لیے نہیں بلکہ تعلیم و تربیت کے لیے ہے۔جن احادیث میں تین دن سے زیادہ ترک کلام کی ممانعت ہے وہاں دشمنی کا ترک کلام مراد ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ بیوی کو بجائے مارنے پیٹنے کے ترک کلام سے تعلیم و تربیت دے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ"۔

٦؎ یعنی یہ حدیث مصابیح میں یہاں ہی مذکور تھی ہم نے مناسبت کا خیال رکھتے ہوئے وہاں نقل کی یہ حدیث بہت دراز ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حضرت عیسٰی ابن مریم نے ایک شخص کو چوری کرتے دیکھا تو اس سے فرمایا تو نے چوری کی ۱؎ وہ بولا ہرگز نہیں اس کی قسم جس کے سواء کوئی معبود نہیں تو حضرت عیسٰی نے فرمایا میں اللہ پر ایمان لایا اور میں نے اپنے کو جھٹلایا ۲؎ (مسلم)	

۱؎ یہ فرمان یا تو خبر کے لئے ہے یا پوچھنے کے لئے یعنی کیا تو نے چوری کی۔

۲؎ یعنی اس قسم کی وجہ سے تجھے سچا سمجھتا ہوں کہ مؤمن بندہ اللہ کی جھوٹی قسم نہیں کھاسکتا اس کے دل میں اللہ کے نام کی تعظیم ہوتی ہے اپنے متعلق غلط فہمی کا خیال کرلیتا ہوں کہ میری آنکھوں نے دیکھنے میں غلطی کی،یہ ہے شان نبوت کہ وہ حتی الامکان دوسرے پر اعتماد فرماتے ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیری قریب ہے کہ کفر ہو جاوے ۱؎ اور حسد قریب ہے کہ تقدیر پر غالب آجاوے ۲؎	

۱؎ فقیر آدمی کبھی اللہ تعالٰی پر اعتراض کردیتا ہے کہ تو نے مجھ پر ظلم کیا کہ فقیر کردیا،کبھی لوگوں سے اللہ کی شکایت کرتا ہے،کبھی مال حاصل کرنے کے لیے اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے اسلام چھوڑکر دوسرے مذہب میں داخل ہوجاتا ہے اپنے دین کو فروخت کر ڈالتا ہے،کبھی رضا بالقضاء سے منہ موڑ لیتا ہے یہ سب کفر یا سبب کفر ہیں،امیری کے فتنوں سے غریبی کے فتنے زیادہ ہیں۔خیال رہے کہ فقر مع صبر اللہ کی رحمت ہے جس کے متعلق ارشاد ہوا **الفقر فخری** اور فقر مع کفر(ناشکری)اللہ کا عذاب ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں،فقیر صابر کو غنی شاکر سے افضل مانا گیا ہے۔

۲؎ یعنی قریب ہے کہ حسد تقدیر کو بدل دے کیونکہ حاسد خود محسود کی تقدیر بدلنا چاہتا ہے،اس کی نعمت کا زوال چاہتا ہے اس کا کچھ نہیں بگڑتاحاسد کی نعمتیں زائل ہوجاتی ہیں،چونکہ کبھی حسد بھی کفر تک پہنچادیتا ہےاس لیے حسد کو فقیر کے ساتھ بیان فرمایا شیطان حسد کا کافر ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرماتے ہیں جو اپنے بھائی سے معذرت کرے ا؎ وہ اس کی معذرت نہ مانے ۲؎ یا اس کا عذر قبول نہ کرے تو اس پر ٹیکس والے کا سا گناہ ہوگا ۳؎ ان دونوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا اور فرمایا **مکاس** ٹیکس لینے والا ہے ۴؎

ا؎ یعنی جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو ناراض کرے پھر عذر خواہی کے لیے اس کے پاس آئے اس سے معافی چاہے یا قصور کا بدلہ کرنا چاہے۔

۲؎ یعنی بغیر عذر اسے معافی نہ دے اس سے دل صاف نہ کرے۔

۳؎ جیسے ٹیکس لگانے والے اور ٹیکس وصول کرنے والے اکثر ظالم ہوتے ہیں انہیں سخت سزا ملے گی ایسے ہی اس شخص کو سخت سزا ملے گی۔

۴؎ ٹیکس مقرر کرنے والا کسی تاجر وغیرہ کا عذر نہیں قبول کرتا بہرحال اپنی مرضی کے مطابق لگادیتا ہے یہ شخص بھی عذر قبول نہیں کرتا اس لیے یہ تشبیہ بالکل درست ہے۔عشار وہ حکام ہیں جو زمین اور کسانوں کی پیداوار پر عشر(دسواں حصہ)لگائے یا وصول کرنے پر مقرر ہوں۔

باب الحذر و التأنی فی الامور

احتیاط کرنے اور کاموں میں اطمینان کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱حذر ح اور ذال کے فتح سے بمعنی پرہیز کرنا احتیاط برتنا اور حذر ذال کے کسرہ سے بمعنی محتاط آدمی،احتیاط کرنے والا شخص۔حذر کے معنی ہیں وہ نقصان دہ شخصوں سے پرہیز کرنا۔تأنی کے معنی ہیں اطمینان سے کام کرنا،اس کا مقابل ہے **تعجیل** یعنی جلد بازی۔خیال رہے کہ ہر کام میں تاخیر و احتیاط سے کام کرے مگر اخروی کاموں میں جلدی کرنا بہتر کہ موت کی خبر نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں کاٹا جاتا۱ (مسلم،بخاری)	

۱اس حدیث کا شان نزول یہ ہے کہ ایک کافر شاعر جس کا نام ابوعزہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مخالفت میں سخت توہین آمیز اشعار کہا کرتا تھا،جنگ بدر میں گرفتار ہوگیا اس نے حضور انور سے گزشتہ کی معافی مانگی آئندہ اس حرکت سے باز رہنے کا عہد کیا حضور انور نے اسے چھوڑ دیا،وہ چھوڑ کر پھر اس حرکت میں مشغول ہوگیا،پھر جنگ احد میں گرفتار ہوا پھر اس نے معذرت کی اور صحابہ کرام نے اس کی رہائی کی سفارش کی تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ مؤمن ایک سوراخ سے دوبار نہیں کاٹا جاتا اور اسے رہائی نہ بخشی یعنی جس سوراخ سے ایک بار بچھو نے کاٹ لیا ہو اس سوراخ میں دوبارہ انگلی مت ڈالو، جس شخص سے ایک بار دھوکا کھالیا ہو دوبارہ اس کے دھوکے میں نہ آؤ اس شاعر کو قتل کردیا گیا۔(مرقات واشعہ)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے عبدالقیس کے سردار سے فرمایا۱کہ تجھ میں دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ پسند فرماتا ہے بردباری اور وقار ۲(مسلم)	

۱عبدالقیس ایک قبیلہ کا نام ہے،اشج بمعنی رئیس و سردار اس سردار کا نام منذر ابن عائذ تھا،یہ لوگ اپنی قوم کے نمائندہ بن کر اسلام لانے آئے تھے،دوسرے لوگ تو آتے ہی بھاگے ہوئے،حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر اس سردار نے اولًا غسل کیا،پھر عمدہ لباس تبدیل کیا،پھر نہایت وقار و سکون سے مسجد نبوی شریف میں حاضر

ہوا،دو نفل پڑھے،پھر دعا مانگی،پھر حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا حضور انور کو اس کی یہ ادا بہت پسند آئی تب یہ فرمایا۔(اشعہ)

۲؎ جب حضور انور نے اسے یہ بشارت دی تو وہ بولا کہ یارسول اللہ میری صفتیں کسبی ہیں یارب تعالٰی کی عطا کی ہوئی،فرمایا کہ رب تعالٰی کی عطاتب اس نے سجدۂ شکر کیا،بولا کہ اگر میری کسبی ہوتیں تو قابل زوال ہوتیں رب کی عطا زائل نہیں ہوتی خدا کا شکر ہے جس نے مجھے وہ خصلتیں بخشیں ہیں جس سے وہ اور اس کے رسول راضی ہیں۔(مرقات و اشعہ)

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد ساعدی سے ۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اطمینان اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے ۲؎(ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے اور بعض محدثین نے عبدالمهيمن ابن عباس کے متعلق اس کے حافظہ کے بارے میں کچھ کلام کیا ہے ۳؎

۱؎ حضرت سہل بھی صحابی ہیں،آپ کے والد سعد بھی صحابی ہیں،مدینہ منورہ میں سب سے آخری صحابی آپ ہی فوت ہوئے۔

۲؎ یعنی دنیاوی یا دینی کاموں کو اطمینان سے کرنا اللہ تعالٰی کے الہام سے ہےاور ان میں جلد بازی سے کام لینا شیطانی وسوسہ ہے۔اس ترجمہ اور شرح سے معلوم ہوگیا کہ یہ حدیث اس آیت کریمہ کے خلاف نہیں"سَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ"اور نہ اس آیت کے خلاف ہے"یُسٰرِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ"کہ وہاں سرعت یعنی دینی کام میں دیر نہ لگانے جلد ادا کرلینے کی تعریف ہےاور یہاں خود کام میں جلد بازی کرنا کہ کام بگڑ جائے اس سے ممانعت ہے،بعض لوگ دو منٹ میں چار رکعتیں پڑھ لیتے ہیں یہ ہے عجلت نفس،عبادت میں جلدی بری ہے۔

۳؎ یعنی مہیمن ابن عباس ہیں تو متقی پرہیزگار مؤمن کامل مگر ان کا حافظہ کمزور تھا۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ہے بردبار مگر لغزش والا ۱؎ اور نہیں ہے حکمت والا مگر تجربہ کار ۲؎(احمد،ترمذی)اور کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎ یعنی عمومًا انسان لغزشیں کرکے ٹھوکریں کھا کر بردبار و حلیم بنتا ہے کہ لوگ اس کی لغزشوں پر اسے اس کی غلطیوں پر مطلع کرتے ہیں،اسے شرمندہ کرتے ہیں تب کہیں جاکر وہ حلیم بنتا ہے،ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں جو دوسروں کی لغزش سے سبق لے لیں۔

۲؎ یعنی عمومًا لوگ تجربہ کرکے حکیم بنتے ہیں۔یہاں عام لوگوں کا ذکر ہے اللہ تعالٰی ہمیشہ سے علیم و حکیم ہے،یوں ہی حضرات انبیاء و اولیاء اول سے ہی علیم و حکیم ہوتے ہیں لہذا حدیث واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمایئے ۱؎ تو فرمایا کام تدبیر سے اختیار کرو ۲؎ پھر اگر اس کے انجام میں بھلائی دیکھو تو کر گزرو اور اگر گمراہی کا خوف کرو تو باز رہو ۳؎(شرح سنہ)

۱؎ کہ جب میں کسی کام میں حیران ہوجاؤں تو کیا کروں جیساکہ جواب سے ظاہر ہے۔حضرات صحابہ ہر دینی و دنیاوی کام میں حضور انور سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

۲؎ تدبیر بنا ہے دبر سے بمعنی پیچھے یا انجام،تدبیر کے معنی ہیں انجام سوچنا یعنی جو کام کرنا ہو پہلے اس کا انجام سوچو پھر کام شروع کرو۔

۳؎ یعنی اگر تم کو کسی کام کے انجام میں دینی یا دنیاوی خرابی نظر آئے تو کام شروع ہی نہ کرو اور اگر شروع کرچکے ہو تو باز رہ جاؤ اسے پورا نہ کرو۔

	روایت ہے حضرت مصعب ابن سعد سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی اعمش ۲؎ کہتے ہیں کہ میں نہیں سمجھتا مگر یہ کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ۳؎ فرمایا اطمینان سے کرنا ہر چیز میں اچھا ہے سواء آخرت کے کام کے ۴؎(ابوداؤد)

۱؎ یہ مصعب خود تابعی ہیں مگر ان کے والد حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صحابی اور عشرہ مبشرہ سے ہیں،حضرت مصعب نے اپنے والد سعد سے اور حضرت علی،ابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین سے ملاقات کی ہے،بڑے مقدس بزرگ ہیں ۱۰۳ھ ایک سو تین میں وفات پائی۔

۲؎ اعمش بھی مشہور جلیل القدر تابعی ہیں،آپ کا نام سلیمان ابن مہران ہے،اسدی ہیں کاہلی ہیں،۶۰ھ ہجری میں مقام ری میں پیدا ہوئے،کوفہ لائے گئے، ۱۴۸ھ ایک سو اڑتالیس میں وفات ہوئی۔

۳؎ یعنی غالب یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے ممکن ہے کہ حدیث موقوف ہو کہ حضرت سعد ابن وقاص کا اپنا قول ہو۔

۴؎ یعنی دنیاوی کام میں دیر لگانا اچھا ہے کہ ممکن ہے وہ کام خراب ہو اور دیر لگانے میں اس کی خرابی معلوم ہوجائے اور ہم اس سے باز رہیں مگر آخرت کا کام تو لا محالہ اچھا ہی ہے اسے موقعہ ملتے ہی کرلو کہ دیر لگانے میں شاید موقعہ جاتا رہے۔بہت دیکھا گیا کہ بعض حاجیوں کو موقعہ ملا نہ کیا پھر نہ کرسکے،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَاسْتَبِقُوا

الْخَيْرٰتِ" بھلائیوں میں جلدی کرو شیطان کار خیر میں دیر لگواکر آخر اس سے روک دیتا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ"۔کار خیر میں خرچ کرنے پر فقیری کا اندیشہ دلاتا ہے اور حرام کاموں میں خرچ کرنے پر نام کی امید دلاتا ہے کہ تمہارانام ہوگا۔

روایت ہے حضرت عبداللّٰہ ابن سرجس سے کہ نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھے اخلاق اور اطمینان اور میانہ روی ۱؎ نبوت کا چوبیسواں حصہ ہے ۲؎(ترمذی)	

۱؎ سمت سین کے فتحہ میم کے سکون سے بمعنی دائمی عادت۔اقتصاد وہ کام جو افراط و تفریط کے درمیان ہو جیسے جود یعنی سخاوت درمیان ہے فضول خرچی اور بخل کے یا شجاعت درمیانی حالت ہے ظلم اور بزدلی کے۔میانہ روی بعض اچھی ہے بعض بری یہاں اچھی میانہ روی مراد ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ"اور فرماتاہے:"اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا"۔بعض عارفین فرماتے ہیں کہ علم اچھا ہے جب کہ درمیانی ہوکہ عمل سے نہ روکے،عمل اچھا ہے جب کہ درمیانی ہو کہ علم سے نہ روکے۔(مرقات)

۲؎ یعنی حضرات انبیاء کرام بہت سی صفات سے موصوف ہوتے ہیں ان سے درمیانہ روی بھی ہے جسے یہ نصیب ہوئی اسے نبوت کی خصلت نصیب ہوئی۔چوبیسواں حصہ فرمانا یہ علوم نبوت سے ہے رب تعالٰی جانے اس سے کیا مراد ہے۔(مرقات)اس کے متعلق کچھ عرض کیا گیا ہے تعبیر خواب کے بیان میں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ اللّٰہ کے نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا طریقہ اور اچھی عادت ۱؎ اور میانہ روی نبوت کا پچیسواں حصہ ہے ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یہاں ھدی سے مراد اندرونی حالات ہیں اور سمت سے مرادظاہری حالات ہیں جیسے ایمان باطنی عقیدوں کا نام ہے اور اسلام ظاہری ارکان کا نام۔(مرقات)

۲؎ میانہ روی ہر چیز میں اچھی ہے کمانے میں،خرچ کرنے میں،کھانے پہننے میں حتی کہ نوافل عبادات میں اور زندگی کے ہر شعبہ میں کہ نہ تو بہت کمی کرے نہ بہت زیادتی،یہ عمل بھی حضرات انبیاء کرام خصوصًا حضور صلی اللّٰہ علیہ و سلم کا ہے۔اسے پچیسواں حصہ فرمانا اسرار الٰہیہ میں سے ہے جو مطلب ہے وہ حق ہے۔میانہ چال چلنے والا ہمیشہ کام کرسکتا ہے اور نیکی وہ ہی اچھی جو ہمیشہ کی جاوے گی اگرچہ بہت زیادہ نہ ہو۔

روایت ہے حضرت جابر ابن عبداللّٰہ سے وہ نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جب آدمی کوئی بات کرے پھر ادھر ادھر دیکھے تو وہ بات امانت ہے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ یعنی اگر کوئی شخص تم سے اکیلے میں کوئی بات کہے اور بات کے دوران یا بات کے درمیان میں ادھر ادھر دیکھے کہ کوئی سن نہ لے تو وہ اگرچہ منہ سے نہ کہے کہ یہ کسی سے نہ کہنا مگر اس کی یہ حرکت بتاتی ہے کہ وہ راز کی ہے لہذا اسے امانت سمجھو اس کا راز ظاہر نہ کرو کسی سے یہ بات نہ کہو۔سبحان اللہ! کیسی پاکیزہ تعلیم ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالہیثم ابن تیہان سے فرمایا ۱؎ کہ کیا تمہارے پاس خدمت گار ہے انہوں نے کہا نہیں تو فرمایا کہ جب ہمارے پاس قیدی آویں تو آنا ۲؎ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو شخص لائے گئے تو ان کی خدمت میں ابوالہیثم آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے ایک چن لو عرض کیا یا نبی اللہ آپ ہی چن دیں ۳؎ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس سے مشورہ لیا جاوے وہ امین ہے ۴؎ تم اسے لو کیونکہ میں نے اسے نماز پڑھتے دیکھا ہے ۵؎ اور اس کے متعلق بھلائی کی وصیت قبول کرو ۶؎ (ترمذی)	

۱؎ یہ واقعہ مشکوۃ شریف باب ضیافت میں گزر چکا ہے۔یہ ابوالہیثم وہ ہی خوش نصیب صحابی ہیں جن کے باغ میں ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہم بھوک کی حالت میں مہمان ہوئے تھے اور انہوں نے حضور کی شاندار مہمانی کی وہاں ہی آپ کے حالات بیان ہوچکے۔

۲؎ وہاں ادھار نہیں ہوتا کوئی معمولی نذر عقیدت پیش کرے وہاں سے مالا مال کردیا جاتا ہے،کھانا کھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ ہم تم کو غلام عطا کریں گے۔

۳؎ یعنی آپ کا چناؤ میرے چناؤ سے بہتر ہوگا کہ حضور مجھ پر مجھ سے زیادہ مہربان ہیں۔حضور مصطفی مختار ہیں،حضور کے اختیار پر دار و مدار ہے۔(مرقات)جو حضور کے چناؤ میں آگیا وہ رب تعالٰی کے چناؤ میں آگیا۔

۴؎ قیامت تک کے لیے یہ قاعدہ مقرر فرمادیا کہ اگر تم سے کوئی شخص مشورہ کرے تو تم پر لازم ہے کہ خلاف مصلحت اسے مشورہ نہ دو اگر ایسا کیا تو تم خائن ہوگے،مشورہ لینے والا اگرچہ دشمن ہو مگر مشورہ اچھا دو۔

۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ نمازی مسلمان کو اپنے کام کاج کے لیے ملازم رکھو،بیوی اولاد،خدام،دوست احباب،رشتہ دار وہ ہی اچھے جو نمازی ہوں،نمازی آدمی ان شاءاللہ متقی پرہیزگار خیرخواہ ہوتا ہے جو خدا سے نہ ڈرے وہ بندے سے اور اس کا حق مارنے سے کیا ڈرے گا۔

۶؎ اس فرمان عالی کے دو معنی ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ اس خادم کو ہمیشہ اچھی باتوں کی نصیحت وصیت کرتے رہنا اس کی اصلاح بھی تمہارے ذمہ ہے۔دوسرے یہ کہ تم اس کے متعلق میری وصیت قبول کرو کہ اس سے بھلائی کے ساتھ پیش آنا وہ حضرت یہ دوسرے معنی میں سمجھے اور انہوں نے گھر لے جا کر اسے آزاد کردیا۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجلسیں امانت والی ہوتی ہیں ۱؎ سواء تین مجلسوں کے حرام خون بہانے کی یا حرام شرم گاہ کی یا ناحق مال مارنے کی مجلسیں ۲؎ (ابوداؤد)اور ابو سعید کی حدیث ان اعظم الامانہ،الخ مباشرۃ کے باب کی پہلی فصل میں ذکر کردی گئی ۳؎	

۱؎ یعنی جب کوئی خاص مجلس یا میٹنگ کی جاوے وہاں جو کچھ طے ہواسے مشتہر نہ کرو بلکہ صیغہ راز میں رکھو کہ وہاں جو کچھ پاس ہوا وہ امانت ہے۔

۲؎ یعنی اگر کسی مجلس خصوصی میں کسی گناہ کا،کسی کی حق تلفی کا،کسی پر ظلم کرنے کا مشورہ کیا گیا تو اسے نہ چھپائے بلکہ مظلوم کو فورًا خبر دیدے کہ تو بچے رہنا تیرے متعلق یہ مشورہ ہورہا ہے اگر چھپائے گا تو گنہگار ہوگا۔

۳؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں اس جگہ تھی مگر ہم نے مناسبت کے لحاظ سے اس جگہ روایت کردی وہاں مطالعہ کرو۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جب اللہ نے عقل کو پیدا فرمایا تو اس سے فرمایا کہ کھڑی ہو وہ کھڑی ہوئی ۱؎ پھر اس سے فرمایا پھر وہ پھری پھر فرمایا آگے آ،آگئی پھر اس سے فرمایا بیٹھ جا وہ بیٹھ گئی ۲؎ پھر اس سے فرمایا کہ میں نے ایسی مخلوق کو نہیں پیدا کیا ۳؎ جو تجھ سے بہتر تجھ سے افضل تجھ سے اچھی ہو ۴؎ تیرے ذریعہ میں پکڑوں گا تیرے ذریعہ دوں گا ۵؎ تیرے ہی ذریعہ میں پہچانا جاؤں گا ۶؎ تیرے ذریعہ عتاب کروں گا تجھ سے ثواب ہے اور تجھ پر ہی عذاب ۷؎ اس حدیث میں بعض علماء نے گفتگو کی ہے ۸؎	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ اس وقت عقل مجسم تھی جس سے کھڑا ہونا بیٹھنا آگے پیچھے پھرنا ممکن تھاجیسے بعد قیامت موت دنبہ کی شکل میں لٹاکر ذبح کردی جاوے گی۔ظاہر یہ ہے کہ کھڑے ہونے بیٹھنے آنے جانے سے ظاہری معنی ہی مراد ہیں،ہر طرح گھماکر نظر کرم فرمانا عقل کی عزت افزائی کے لیے ہے کہ یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

۲؎ مقصد یہ ہے کہ رب العالمین نے عقل کو ہر طرح دیکھا اس کا اگلا حصہ پچھلا حصہ اسے اٹھا کر بٹھا کر وغیرہ۔
۳؎ یہاں مخلوق سے مراد صفات انسانی ہیں یعنی صفات انسانی میں سب سے بہتر واعلیٰ و افضل صفت تو ہی ہے کہ تیرے ذریعہ سے انسان مجھے جانتا مانتا ہے،میرے نبیوں کی اطاعت کرتا ہے،ایمان و عرفان حاصل کرتا ہے لہٰذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ عقل افضل ہو حضرات انبیاء کرام یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے،ہاں عقل رسول دوسرے کی عقل سے افضل مگر خود رسول سے افضل نہیں کہ وہ حضرات افضل الخلق ہیں اور عقل بھی خلق ہے۔
۴؎ خیر سے مراد بذات خود اچھی جس کی ضرورت ہر شخص کو ہے،افضل سے مراد یہ ہے کہ وہ فضائل حاصل کرنے کا ذریعہ ہے،احسن سے مراد یہ ہے کہ اس عقل کے ذریعہ معاملات وغیرہ اچھے کیے جاتے ہیں۔
۵؎ اس طرح کہ اگر کوئی بے عقل بے عقلی میں گناہ کرے تو اسے نہ پکڑوں گا جیسے دیوانہ یا نا سمجھ بچے عاقل ہوکر گناہ کرے گا تو اسے پکڑوں گا،یوں ہی جو کوئی عقل و ہوش سے نیکی کرے گا اسے ثواب دوں گا،جو بے عقلی سے نیکی کرے گا اسے ثواب نہ دوں گا،دیکھ لو کفار کی نیکیوں کا ثواب کچھ نہیں کہ وہ بے عقلی سے کرتے ہیں اگر عقل سے کرتے تو مؤمن ہوکر نیکی کرتے،کٹے ہوئے درخت کو پانی دینے والا بے وقوف ہے پہلے جڑ قائم کرو پھر پانی دو۔
۶؎ بعض صوفیاء فرماتے ہیں جانوروں بلکہ نباتات و جمادات میں بھی عقل ہے کیونکہ یہ تمام مخلوق اللہ تعالٰی کو پہچانتی ہے اس کی تسبیح کرتی ہے "وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ"اور معرفت الٰہی تو عقل سے ہوتی ہے یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے،منطقیوں کا کہنا کہ عقل صرف انسان میں ہے غلط ہے۔عقل کا وہ درجہ جس سے ثواب وعذاب ہو وہ صرف بعض انسانوں میں ہے،بے ہوش،دیوانے،ناسمجھ بچوں میں نہیں اگرچہ وہ مؤمن ہیں بلکہ بعض جانوروں کنکر پتھروں سے زیادہ نادان ہیں،دیکھو جانوروں لکڑیوں چاند سورج تاروں نے حضور انور کو پہچانا مگر نہ پہچانا ابوجہل وغیرہ کفار نے اس لیے قرآن کریم نے فرمایا:"اُولٰٓئِکَ کَالۡاَنۡعٰمِ بَلۡ ھُمۡ اَضَلُّ"۔
۷؎ یعنی عقل کی بنا پر احکام شرعیہ کی تکلیف ہے اور تیری ہی بنا پر آخرت میں لوگوں کو آخرت کا ثواب و عذاب ہے۔اس عقل سے مراد عقل انسانی ہیں،معرفت الٰہی کے لیے عقل کا اور درجہ درکار ہے ثواب و عذاب کے لیے دوسرا درجہ۔
۸؎ چنانچہ تقی الدین یعنی ابن تیمیہ وغیرہ نے اسے ضعیف بلکہ موضوع بتایا یوں ہی ابوجعفر عقیلی ابو حاتم لیثی،ابو الحسن دار قطنی ابن جوزی نے اسے صحیح نہیں مانا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک شخص نماز روزے زکوۃ حج وغیرہ والوں میں سے ہوتا ہے حتی کہ حضور نے نیکی کے سارے اقسام بیان فرمائے ۱؎ مگر قیامت میں اپنی عقل کے مطابق ہی بدلہ دیا جاوے گا۲؎	

۱؎ یعنی جہاد، تبلیغ،لیثی،تعمیر مساجد وغیرہ تمام نیکیوں کا نام لیا کہ بعض لوگ یہ سب کچھ کرتے ہیں مگر ثواب کم پاتے ہیں۔

۲؎ چنانچہ بے وقوفوں کو ان نیکیوں کا ثواب کم ملتا ہے عقل مندوں کو زیادہ،جہاں مسجد کی ضرورت نہ ہو وہاں دس بیس مسجدیں بنوا دینے کا ثواب کم بلکہ بالکل ہی نہ ملے گا اور اگر وہاں پانی کی کمی ہو وہاں ایک کنواں کھدوا دینے کا ثواب ان مسجدوں سے زیادہ ہوگا۔

لطیفہ: پٹنہ کے ایک بزرگ ہر پانچ قدم پر دو رکعتیں پڑھتے ہوئے حج کو پیدل جارہے تھے دس سال میں وہ گجرات پہنچے ہم نے کہا کہ اگر وہ ہوائی جہاز سے مکہ مکرمہ پہنچ جاتے اور اتنے روز وہاں رہ کر نوافل پڑھتے تو فی رکعت ایک لاکھ کا ثواب پاتے۔

	روایت ہے حضرت ابو ذر سے فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر تدبیر جیسی کوئی عقل نہیں ۱؎ اور بچنے جیسا کوئی تقوی نہیں ۲؎ اور اچھے اخلاق جیسا کوئی نسب نہیں ۳؎

۱؎ عقل دو قسم کی ہے: عقل مطبوع اور عقل مسموع۔تدبیر سے مراد عقل مسموع ہے کہ اس کے بغیر عقل مطبوع بے کار ہے،ہاں عقل مسموع کبھی عقل مطبوع کے بغیر مفید ہوجاتی ہے۔عقل مطبوع وہ ہے جو فطری طور پر یا تجربہ یا عقل کے ذریعہ حاصل ہو۔عقل مسموع وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے حاصل ہو۔عقل مطبوع دنیاوی انجام کو معلوم کرتی ہے،عقل مسموع اخروی انجام کا پتہ چلاتی ہے،عقل مطبوع کے ساتھ جب عقل مسموع شامل ہو تو مفید ہے۔(مرقات)

۲؎ تقوی کے دو رکن ہیں: اچھے کام کرنا،برے کاموں سے بچنا مگر اس کا رکن اعلیٰ برے کاموں سے بچنا ہے۔ عبادات آسان ہیں مگر محرمات سے پرہیز،برے معاملات سے بچنا بہت ہی مشکل ہے۔بعض کے نزدیک ورع اور تقویٰ ایک ہی چیز ہے،بعض کے نزدیک محرمات سے بچنا تقویٰ ہے اور شبہ کی چیز سے بچنا ورع یا فرائض پر عمل تقویٰ ہے،سنت و مستحب پر عمل ورع۔خیال رہے نیکیاں گویا روحانی دوائیں ہیں گناہوں سے بچنا گویا روحانی پرہیز،دوا بغیر پرہیز مفید نہیں ہوتی۔(اشعہ)

۳؎ لغت میں حسب بمعنی نسب ہے یا باپ کی طرف سے نسب ماں کی طرف سے حسب مگر یہاں اس سے مراد شرافت ہے یعنی شرافت صرف نسب سے نہیں بلکہ اچھے اخلاق اچھے اعمال سے ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ"اچھی عادت،عبادات معاملات بلکہ ایمان و عرفان سب ہی داخل ہیں،کتنی ہی تواضع کرے خوش اخلاق نہیں جس نے اللہ رسول سے بگاڑلی،جو انہیں راضی نہ کرسکا وہ خوش اخلاق کہاں سے آیا ہے یہ بات خوب یاد رکھو۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرچ میں میانہ روی آدھی زندگی ہے ۱؎ اور لوگوں سے محبت کرنا آدھی عقل ہے ۲؎ اور اچھا سوال آدھا علم ہے ۳؎ ان چاروں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ۴؎

۱؎ سبحان اللہ! عجیب فرمان عالی ہے۔خوش حالی کا دارومدار دو چیزوں پر ہے: کمانا،خرچ کرنا مگر ان دونوں میں خرچ کرنا بہت ہی کمال ہے،کمانا سب جانتے ہیں خرچ کرنا کوئی کوئی جانتا ہے،جسے خرچ کرنے کا سلیقہ آگیا وہ ان شاءاللہ ہمیشہ خوش رہے گا یہاں **معیشة** مصدر ہے بمعنی عیش کی زندگانی۔

۲؎ یعنی عقل کے سارے کام ایک طرف ہیں اور لوگوں سے محبت کرکے انہیں اپنا بنالینا ایک طرف لوگوں کی محبت سے دینی دنیاوی ہزاروں کام نکلتے ہیں،لوگوں کے دلوں میں اپنی محبت پیدا کرلو پھر انہیں نمازی حاجی غازی بنادو مگر خیال رہے کہ لوگوں کی محبت حاصل کرنے کے لیے اللہ رسول کو ناراض نہ کرلو بلکہ لوگوں سے محبت اللہ رسول کی رضا کے لیے ہونی چاہیے۔

۳؎ یعنی علم و تعلیم میں دو چیزیں ہوتی ہیں: شاگرد کا سوال،استاد کا جواب ان دونوں سے مل کر علم کی تکمیل ہوتی ہے،اگر شاگرد سوال اچھے کرے گا جواب بھی اچھے پائے گا۔ایک استاد اپنے شاگردوں سے کہتے تھے کہ میں تم مل کر علم کا نصاب ہیں،حافظ قرآن تم ہو مفسر قرآن میں،سائل تم ہو مجیب میں۔(مرقات)ذہین طالب علم اچھے سوال کرکے علم کی باریکیاں حاصل کر لیتا ہے۔

۴؎ آخری حدیث طبرانی نے مکارم اخلاق میں حضرت ابن عمر سے اور خطیب نے حضرت انس سے بھی مرفوعًا روایت کی،احمد نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی **ماعال من اقصد** جو خرچ میں میانہ روی کرے گا وہ غریب نہ ہوگا۔(مرقات)

باب الرفق و الحیاء و حسن الخلق

نرمی و شرم وغیرت اور اچھی عادت کا بیان[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] رفق کے معنی ہیں نرمی،یہ بنا ہے رفاقت سے اس سے ہے رفیق،اپنے رفقاء کی خاطر مدارات کرنا بھی رفق ہے۔حیاء(شرم) اس دلی رکاوٹ کو کہتے ہیں جس کے ساتھ ہیبت بھی ہو،گزشتہ خطا پر ہیبت آئندہ کے لیے وحشت ہو اپنے اور غیر کے معاملہ میں انصاف کرنا اچھا خلق ہے،حضور کا خلق قرآن مجید ہے،حضور کا خلق وہ عادت کریمہ ہے جس سے خلق بھی خوش خالق بھی راضی ہے۔

اولو البرو الاحسان والصرو النقی　　حلالھم بھاجاء القرآن مفضلا

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نرمی فرمانے والا ہے نرمی کو پسند کرتا ہے[1] اور نرمی پر وہ عطا فرماتا ہے جو سختی پر عطا نہیں کرتا[2] اور وہ جو اس کے ماسواء پر نہیں دیتا(مسلم)اور ان کی ایک روایت ہے کہ حضور نے حضرت عائشہ سے فرمایا تم نرمی اختیارکرو اور سختی اور بدگمانی سے بچو[3] کسی چیزمیں نرمی نہیں ہوتی مگر اسے اچھا کردیتی ہے اورکسی چیز سے یہ نہیں نکالی جاتی مگر اسے عیب ناک کردیتی ہے[4]	

[1] اللہ تعالٰی رفیق یعنی کریم و رحیم ہے کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ حکم نہیں دیتا گناہ بخشتا ہے،وہ چاہتا ہے کہ میرے بندے بھی اپنے ماتحتوں اپنے ساتھیوں پر رحیم وکریم ہوں۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی کو عام محاورہ میں رفیق کہنا جائز نہیں یہ لفظ اسماء الٰہیہ سے نہیں ہے،یہاں لغوی معنی سے استعمال ہوا۔

[2] یعنی دنیاوآخرت کے نرمی سے وہ کام بن جاتے ہیں جو سختی سے نہیں بنتے،اکثر سختی سے دوست دشمن بن جاتے ہیں بنتے ہوئے کام بگڑ جاتے ہیں،نرمی سے دشمن دوست ہوجاتے ہیں اور بگڑتے ہوئے کام بن جاتے ہیں۔کسی شاعر نے کیا خوب کہا

یاطالب الرزق الھینی بقوۃ　　ھیہات انت بباطل مشغوف

اکل العقاب بقوۃ جیف القلا　　　　درعی الذباب الشھد وھو ضعیف

یعنی سختی سے روزی نہ کماؤ نرمی سے کماؤ،عقاب سختی کی وجہ سے مردار ہی کھاتا ہے،شہد کی مکھی نرمی کی وجہ سے پھول چوستی ہے۔(مرقات)

۳؎ بدگوئی نتیجہ ہے سختی کا اولًا دل میں سختی آتی ہے،پھر بدگوئی،زبان درازی،پھر ہاتھا پائی یعنی مار پیٹ،پھر قتل و خون خدا محفوظ رکھے،شیطان پر سخت رہو بھائی مسلمان پر نرم۔

۴؎ یعنی اگر حقیر آدمی کے دل میں نرمی ہو تو وہ عزیز بن جاوے گا،عظیم الشان آدمی کے دل میں سختی ہو تو وہ حقیر ہوجاوے گا۔مولانا فرماتے ہیں شعر

دربہاراں کے شود سرسبز سنگ　　　　خاک شوتا گل بروید رنگ رنگ

لوہانرم ہوکر اوزار بنتاہے،سونانرم ہوکرزیور،زمین نرم ہوکر قابل کاشت ہوتی ہے،انسان نرم ہوکر ولی بن جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت جریر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جو نرمی سے محروم رکھا گیا وہ بھلائی سے محروم کردیا گیا۱؎ (مسلم)	

۱؎ جس پر رب مہربان ہوتا ہے اسے نرم دل بنادیتا ہے،جس پر رب کا قہر ہوتا ہے اسے سخت دل کردیتا ہے،سخت دل میں کسی کا وعظ اثر نہیں کرتا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری شخص پر گزرے جو اپنے بھائی کو شرم و حیاء کے متعلق نصیحت کررہا تھا۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے چھوڑو ۲؎ کیونکہ حیاء ایمان سے ہے ۳؎ (مسلم و بخاری)	

۱؎ اس سے کہہ رہا تھا کہ تو بہت شرمیلا ہے اتنی شرم نہ کیا کر کیونکہ بہت شرمیلا آدمی دنیا کما نہیں سکتا،یہاں وعظ سے مراد ڈراکر نصیحت کرنا ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی اسے حیاءوغیرت سے نہ روکو اسے شرمیلا رہنے دو۔

۳؎ خیال رہے کہ جو حیا گناہوں سے روک دے وہ تقویٰ کی اصل ہے اور جو غیرت و حیاء اللہ کے مقبول بندوں کی ہیبت دل میں پیدا کردے وہ ایمان کا رکن اعلیٰ ہےاور جو حیاء نیک اعمال سے روک دے وہ بری ہے،بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو نماز پڑھنے سے شرم لگتی ہے یہ حیاء نہیں بے وقوفی ہے،یہاں پہلے یا دوسرے درجہ کی حیاء مراد ہے۔اللہ تعالٰی ہمارے دلوں میں اپنا خوف اپنے حبیب کی غیرت نصیب کرے۔اعلٰی حضرت اقدس سرہ فرماتے ہیں

دن لہو میں کھونا تجھے شب نیند بھر سونا تجھے　　شرمِ نبی خوفِ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں	

	فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حیاء بھلائی ہی لاتی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ حیاء ساری خیر ہے۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ شرعی حیاء کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ کی نعمتوں اور اپنی کوتاہیوں میں غورکر کے شرمندہ و نادم ہو،اس شرمندگی کی بنا پر آئندہ گناہوں سے بچنے،نیکیاں کرنے کی کوشش کرے،جو غیرت نیکیوں سے روک دے وہ عجز ہے حیاء نہیں۔اس معنی سے یہ حدیث پاک بالکل واضح ہوگئی واقعی یہ حیا تو گویا ایمان ہی ہے خیر ہی ہے۔ (مرقات و اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پچھلی نبوت کا جو کلام لوگوں نے پایا ان میں سے یہ ہے کہ جب تو حیاء نہ کرے تو جو چاہے کر۱؎(بخاری)

۱؎یہ کلام بمعنی چیز ہے یعنی گزشتہ انبیاءکرام نے اپنی امتوں سے جو حکیمانہ کلام فرمائے ان میں سے ایک یہ کلام شریف بھی ہے کہ جب تیرے دل میں اللہ رسول کی اپنے بزرگوں کی شرم و حیاء نہ ہوگی تو برے سے برے کام کر گزرے گا کیونکہ برائیوں سے روکنے والی چیز تو غیرت ہے جب وہ نہ رہی تو برائی سے کون روکے،بہت لوگ اپنی بدنامی کے خوف سے برائیاں نہیں کرتے مگر جنہیں نیک نامی بدنامی کی پرواہ نہ ہو وہ ہر گناہ کر گزرتے ہیں۔ایک شاعر کہتا ہے

اذا لم تخش عاقبة اللیالی ولم تستحی فاصنع ماتشاء

فلا و اللہ ما فی العیش خیر وفی الدنیا اذا ذھب اللیالی

	روایت ہے حضرت نواس ابن سمعان۱؎سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے متعلق پوچھا۲؎تو فرمایا نیکی اچھی عادت ہے۳؎اور گناہ وہ ہے جو تیرے سینہ میں چبھے اور تو یہ ناپسند کرے کہ اس پر لوگ خبردار ہوں۴؎(مسلم)

۱؎آپ صحابی ہیں،قبیلہ بنی کلب سے ہیں،بعض نے فرمایا کہ آپ انصاری ہیں،آخر میں شام میں قیام فرمایا۔مرقات نے فرمایا کہ آپ اصحاب صفہ سے ہیں،اشعہ نے فرمایا کہ آپ کی والدہ کلابیہ سے حضور نے نکاح کیا اور طلاق دے دی اور کلابیہ عورت آپ کی والدہ ہی تھیں۔(اشعہ)

۲؎یعنی نیکی اور گناہ کی پہچان کیا ہے مجھے کیسے پتہ لگے کہ یہ کام نیکی ہے اور یہ کام گناہ ہے مجھے ارشاد فرمائیں۔

۳؎اچھی عادت عام ہے مخلوق کے ساتھ برتاؤاور خالق سے معاملات سب ہی کو شامل ہے نماز روزہ کی پابندی اچھی عادت ہے گناہوں سے بچنا اچھی عادت ہے وغیرہ۔

۴؎یہ فرمان کامل مسلمانوں کے لیے ہے جیسے ہم کو مکھی ہضم نہیں ہوتی فورًا قے ہو جاتی ہے یوں ہی صالحین کو گناہ ہضم نہیں ہوتا فورًا انہیں دلی قبض روحانی تکلیف محسوس ہوتی ہے عام لوگوں کا یہ حال نہیں۔بعض تو گناہ پر خوش ہوکر اعلان کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکیم مطلق ہیں ہر شخص کو اس کے مطابق دواء عطا فرماتے ہیں،یوں ہی النآس سے مراد مقبول بندے ہیں۔امام نووی نے حضرت وابعہ ابن معید اسدی سے روایت کی کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ نیکی اور گناہ کیا ہوتے ہیں فرمایا اپنے دل سے فتویٰ لیا کرو جسے تمہارا دل نیکی کہے وہ نیکی ہے جسے تمہارا دل گناہ کہے وہ گناہ ہے۔(اربعین للنووی و مرقات)یعنی تمہارا دل جس پر ہمارا ہاتھ ہے ہر دل کا یہ حال نہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرا بڑا پیارا تم میں سے ا؎اچھی عادت والا ہے ۲؎(بخاری)

ا؎یعنی سارے مسلمانوں میں مجھے بڑا پیارا مسلمان وہ معلوم ہوتا ہے مجھے اس سے بڑی محبت ہے جس کے اخلاق پاکیزہ خصلت اچھی ہے۔اگر حضور کا پیارا بننا ہے تو خوش خلقی اختیار کرو۔

۲؎اچھی عادت والا بندہ اللہ تعالٰی کو پیارا ہے،اس کے حبیب کو پیارا،مخلوق کو پیارا،دنیاوی معاملات میں نہایت نرمی دین میں نہایت پختگی و سختی،یہ ہے خلق محمدی اسی کی یہاں تعلیم ہے۔افسوس! کہ آج ہم رفع یدین،آمین بالجہر،قراءت خلف الامام کے مسائل پر سر پھوڑے جاتے ہیں اگر یہ اعمال سنت ہیں تو کیا اخلاق محمدی سنت نہیں ان پر بھی ہم کو توجہ دینا چاہیے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے بہترین لوگ وہ ہیں جو تم میں اچھے اخلاق والے ہوں ا؎(مسلم،بخاری)

ا؎مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں **احسانکم اخلاقًا** ہے مگر صحیح تر یہ ہی ہے کہ **احسنکم اخلاقًا** ہے یعنی مسلمانوں میں اچھا وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اخلاق کے معنی ابھی عرض کیے جاچکے ہیں۔اخلاق،مداہت فی الدین،اپنے کو ذلیل کرلینا ان تینوں میں فرق ہے۔اسلامی اخلاق اچھے ہیں،دین میں پلپلا پن اور اپنے کو ذلیل کرلینا برا ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے نرمی میں سے اس کا حصہ دیا گیا اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی میں سے حصہ دیا گیا ا؎اور

جو نرمی کے حصہ سے محروم رہا وہ دنیا و آخرت کی بھلائی کے حصے سے محروم رہا ۲؎(شرح سنہ)	

۱؎اللہ تعالٰی نے جیسے دنیاوی جسمانی روزیوں میں بندوں کے مختلف حصے رکھے ہیں اسی لیے کوئی امیر ہوتا ہے،کوئی فقیر،کوئی دبلا،کوئی بیمار،کوئی موٹا طاقتور اور تندرست،اسی طرح اس کریم نے روحانی ایمانی روزیاں پیدا فرمائیں اور ان میں اپنے بندوں کے مختلف حصے رکھے۔یہاں ارشاد ہوا کہ جس کو لطف و کرم نرمی طبیعت سے زیادہ حصہ ملا اسے دوسری نعمتوں سے بھی کافی حصہ ملے گا۔

۲؎یہ بات تجربہ سے بھی معلوم ہوگئی ہے کہ بدخلق سخت طبیعت آدمی اپنے کنبہ محلے میں بھی ذلیل رہتا ہے اور مسجد کی حاضری سے بھی محروم ہوجاتا ہے،محلے والے اس کا مسجد میں آنا پسند نہیں کرتے کہ وہ امام اور نمازیوں سے لڑتا ہی رہتا ہے،مسجد بھی اس سے پناہ مانگتی ہے،یہ ہے دنیا و آخرت کے حصوں سے محرومی۔سختی دل سے اللہ بچائے!

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شرم و حیاء ایمان سے ہے اور ایمان جنت میں ہے ۱؎اور فحش گوئی سخت دلی سے ہے اور سخت دلی آگ میں ہے ۲؎ (احمد،ترمذی)	

۱؎یعنی شرم و حیاء ایمان کا رکن اعلٰی ہے۔دنیا والوں سے حیاء دنیاوی برائیوں سے روک دیتی ہے،دین والوں سے حیاء دینی برائیوں سے روک دیتی ہے،اللہ رسول سے شرم و حیاء تمام بدعقیدگیوں بدعملیوں سے بچالیتی ہے،ایمان کی عمارت اسی شرم و حیاء پر قائم ہے،درخت ایمان کی جڑ مؤمن کے دل میں رہتی ہے اس کی شاخیں جنت میں ہیں۔

۲؎یعنی جو شخص زبان کا بے باک ہو کہ ہر بری بھلی بات بے دھڑک منہ سے نکال دے تو سمجھ لو کہ اس کا دل سخت ہے اور اس میں حیاء نہیں۔سختی وہ درخت ہے جس کی جڑ انسان کے دل میں ہے اور اس کی شاخ دوزخ میں،ایسے بے دھڑک انسان کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ رسول کی بارگاہ میں بھی بے ادب ہوکر کافر ہوجاتا ہے لہذا یہ فرمان عالی بالکل ہی صحیح ہے۔حضور حکیم مطلق ہیں ہماری بیماریوں ازاریوں پر ہم سے زیادہ خبردار ہیں۔

روایت ہے مزینہ کے ایک شخص سے ۱؎فرماتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ انسان کو بہترین چیز کون سی دی گئی ہے فرمایا اچھی عادت ۱؎(بیہقی شعب الایمان)	
اور شرح السنہ میں حضرت اسامہ ابن شریک ہے۔	

۱؎ مزینہ ایک قبیلہ کا نام ہے،یہ صحابی اس قبیلہ سے ہیں،چونکہ صحابی تمام کے تمام عادل ہیں کوئی فاسق نہیں لہذا اگر صحابی کا نام معلوم نہ ہو تو حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا حتی کہ صحابی کا ارسال بھی صحیح ہے یعنی اگر کوئی صحابی کہہ دیں کہ میں نے کسی اور صاحب سے سنا انہوں نے حضور سے سنا تب بھی حدیث قوی اور صحیح ہے۔(مرقات)

۲؎ اچھی عادت سے مراد وہ ہے جو ابھی عرض کیا گیا جس سے دنیا اور دین دونوں درست ہوجاویں۔

روایت ہے حضرت حارثہ ابن وہب سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں نہ تو جواظ داخل ہوگا اور نہ جعظری فرمایا اور جواظ سخت دل سخت زبان ہے ۲؎ ابوداؤد نے اپنی سنن میں اور بیہقی شعب الایمان میں اور جامع اصول والے نے اس میں حضرت حارثہ سے ایسے ہی شرح سنہ میں ہے انہیں حارثہ سے اور اس کے لفظ یہ ہیں کہ جنت میں جواظ جعظری داخل نہ ہوگا کہا جاتا ہے کہ جعظری سخت دل سخت زبان ہے ۳؎ اور مصابیح کے نسخوں میں حضرت عکرمہ ابن وہب سے ہے،اس کے لفظ ہیں کہ فرمایا جواظ وہ ہے جو جمع کرے اور منع کرے ۴؎ اور جعظری سخت دل سخت زبان ہے۔	

۱؎ آپ صحابی ہیں،خزاعی ہیں،حضرت عمر فاروق کے سوتیلے بیٹے اور حضرت عبداللہ ابن عمر کے اخیافی بھائی ہیں،آخر میں کوفہ میں رہے۔

۲؎ غلیظ کے معنی ہیں سخت دل اور فظ کے معنی ہیں سخت زبان کہ ہر ایک سے سخت کلامی کرے۔

۳؎ مقصد یہ ہے کہ **جواظ** اور **جعظری** کے ایک معنی ہیں سخت دل سخت زبان،بعض نے فرمایا کہ جعظری بڑے پیٹ والا موٹے جسم والا جو بہت کھائے کسی کو اپنے کھانے میں سے نہ کھلائے،زیادہ بولنے والا کہ ہر وقت بکے ہی جائے۔خطیب نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے مرفوعًا روایت کی کہ ہر شخص توبہ کرسکتا ہے سواء بدخلق کے کہ وہ ایک گناہ سے توبہ کرتا ہے تو اس سے بدتر گناہ میں گرفتار ہوجاتا ہے۔(مرقات)

۴؎ یعنی ناجائز مال جمع کرے اور جہاں خرچ کرنا چاہیے وہاں خرچ نہ کرے۔زکوۃ،صدقہ فطر،قربانی،بچوں کو خرچہ نہ دے یا وہ جو ہر وقت مال جمع کرنے کی فکر میں لگا رہے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فکر کبھی نہ کرے۔جائز مال جمع کرنا برا نہیں مگر ہر وقت جمع کی فکر میں لگا رہنا منع ہے۔خیال رکھو کہ جاری پانی پاک رہتا ہے،یوں ہی جس کنویں سے پانی نکلتا رہے وہ صاف رہتا ہے اگر نکالنا چھوڑ دیا جاوے تو گندا ہوجاتا ہے،اللہ کی راہ میں مال نکالتے رہو پاک صاف رہے گا۔شیخ سعدی فرماتے ہیں شعر

زکوۃ مال بدر کن کہ دفتر زرا　　　چو باغبان بدر و بیشتر وہد انگور

زکوۃ نکالے جاؤ،انگور کی بیل کاٹتے رہنے سے زیادہ انگور دیتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ بڑی بھاری چیز جو قیامت کے دن مؤمن کی ترازو میں رکھی جاوے گی وہ اچھی عادت ہے ۱؎	

اور اللہ تعالٰی ناراض ہوتا ہے فحش گو بدخلق سے۲؎ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے،ابوداؤد نے پہلے حصہ کی روایت کی۔	

۱؎ یا تو بعینہٖ اچھی عادت نیکیوں کے پلے میں رکھی جاوے گی کیونکہ قیامت میں ہر چیز کی شکل بھی ہوگی اس میں وزن وغیرہ بھی ہوگا،اچھی عادت کا ثواب،چونکہ اچھی عادت رب تعالٰی کو بہت پسند ہے اس لیے اس میں وزن زیادہ ہے،وہاں وزن رضاء الٰہی سے ہوگا اخلاص کی عبادات وزنی ہوں گی ریا کی عبادات ہلکی کہ ریا کی عبادت سے رب ناراض ہے،اخلاص کی عبادت سے رب راضی،کافر کی عبادات میں کوئی وزن نہ ہوگا،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَلَا نُقِیۡمُ لَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَزۡنًا"گناہوں میں وزن رب تعالٰی کی ناراضی سے ہوگاجس قدر رب تعالٰی کی ناراضی زیادہ اس قدر گناہ میں وزن زیادہ اللہ محفوظ رکھے۔

۲؎ چونکہ رب تعالٰی بدخلقی بدزبانی سے ناراض ہے لہذا وہ گناہوں کے پلے میں ہوں گے اور اس گناہ میں بہت بوجھ ہوگا۔خیال رہے کہ حضور کے نیک اعمال میں اتنا وزن ہے کہ اسے کوئی ترازو تول سکتی ہی نہیں اسی لیے حضور کی نیکیاں تولی نہ جائیں گی جیسے ہماری ترازو سمندر کا پانی ہوا نہیں تول سکتی ایسے ہی قیامت کی ترازو حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی نیکیاں نہ تول سکے گی،جب ان کے نام میں اتنا وزن ہے کہ ہم جیسے گنہگاروں کے کروڑوں من کے گناہ ایک کلمہ محمدی سے ہلکے ہوجاویں گے کہ ہمارے کام ہلکے ہیں حضور کا نام بھاری ہے تو ان کے اعمال کیسے ہوں گے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔شعر

دل عبث خوف سے پتہ سا اڑا جاتا ہے پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مؤمن۱؎ اچھی عادت سے رات میں کھڑے رہنے والے اور دن میں روزہ رکھنے والے کا درجہ پالیتا ہے ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ مؤمن سے مراد مؤمن کامل عالم و عامل ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی خوش خلق مسلمان کو خوش خلقی کی وجہ سے نفلی روزوں اور نفلی تہجد کا ثواب مل جاتا ہے کہ وہ علانیہ اور خفیہ اللہ کی مخلوق کو خوش رکھتا ہے،نفلی روزہ نماز کا فائدہ صرف اپنے کو ہوتا ہے مگر خوش خلقی کا فائدہ مخلوق اٹھاتی ہے لازم سے متعدی اچھی ہے۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۱؎ جہاں ہوؤ اللہ سے ڈرو۲؎ اور برائی کے پیچھے بھلائی کرو جو برائی مٹادے۳؎ اور لوگوں سے اچھے اخلاق سے برتاوا کرو ۴؎ (احمد،ترمذی،دارمی)	

۱؎ نووی نے اپنی کتاب اربعین میں فرمایا کہ حضرت ابوذرغفاری اور معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہما چہارم مسلمین ہیں۔(مرقات)حضرت ابوذر غفاری سے خصوصیت سے یہ ارشاد فرمایا گیا اگرچہ اور لوگ بھی سنتے تھے۔

۲؎ اس طرح کہ سارے واجبات ادا کرو اور سارے حراموں سے بچو۔تقویٰ دین کی جڑ اور یقین کی بنیاد ہے۔تقویٰ کے بہت درجے ہیں جو ہم نے اپنی تفسیرنعیمی میں ھدی للمتقین کی تفسیر میں عرض کیے۔پہلا درجہ بدعقیدگی سے بچنا ہے،دوسرا درجہ بد عملی سے بچنا ہے،تیسرا درجہ مکروہ بلکہ مشتبہ چیزوں سے بچنا،چوتھا درجہ بیکار چیزوں سے بچنا،پانچواں درجہ جو بارے حجاب ہو اس سے بچنا۔غرضکہ ہر طرح کی آڑ پھاڑ کر یارتک پہنچنا ہے اللہ اس قال کو حال بنادے۔جہاں کہیں ہونے سے مراد ہے علانیہ خفیہ ہر طرح ہر جگہ خدا سے ڈرنا۔

۳؎ یعنی گناہوں کے بعد توبہ کرلو اور بداعمالی کے بعد نیک اعمال کرلو جن سے یہ برائیاں مٹ جاویں۔گانا سن لیا ہے تو قرآن مجید سن لو،بری جگہ بیٹھے ہو تو وعظ و نصیحت کی مجلس میں بیٹھو،اگر حرام جگہ خرچ کردیا ہے تو صدقہ و خیرات کرو غرضکہ ہر مرض کا علاج اس کی ضد سے کرو،حب دنیا کو حب آخرت سے دھولو،سیاہی دل کو آنکھوں کے آنسو سے دور کرلو غرض کہ سیاہی کو سفیدی سے دور کرو،دنیاوی خوشی کے بعد آخرت کا غم کرلو،اللہ تعالٰی ان نیکیوں کے ذریعہ ان برائیوں کو مٹا دے گا،رب فرماتاہے:"اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ"۔

۴؎ اس طرح کہ لوگوں کی تکالیف برداشت کرو،ان پر اپنا مال خرچ کرو،ان سے خندہ پیشانی سے ملو،ان کی مصیبتوں میں کام آؤ۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا میں تمہیں اس چیز کی خبر نہ دوں جو آگ پر اور آگ اس پر حرام ہوتی ہے ۱؎ ہر نرم طبیعت نرم زبان لوگوں سے قریب درگزر کرنے والا ۲؎(احمد،ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔	

۱؎ دونوں لازم و ملزوم ہیں کہ دوزخ کی آگ پر وہ حرام ہوجاوے اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہوجاوے کہ نہ آگ اس تک پہنچے نہ آگ تک وہ پہنچے اور اگر وہ کسی وقت دوزخیوں کو نکالنے کے لیے دوزخ میں جاوے تو اس کو آگ کی گرمی نہ پہنچے۔

۲؎ ھین اور لین ی کی شد سے بھی آتا ہے اور ی کے سکون سے بھی دونوں کے معنی ہیں نرم مگر جب یہ دونوں جمع ہوجاویں تو ایک سے مراد نرم طبیعت ہوتا ہے دوسرے سے مراد نرم زبان۔سھل کے معنی ہیں سمح یعنی لوگوں کی زیادتیوں سے درگزر کر جانے والا،قریب کے معنی ہیں لوگوں سے نزدیک رہنے والا کہ جب اس کی ضرورت پڑے تو حاضر ہوجاوے اگر لوگ اس سے مستغنی ہوں تو یہ بھی بے نیاز رہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم	

سے راوی فرمایا مؤمن سیدھا کرم والا ہوتا ہے ۱؎ فاجر چالاک بدخلق ہوتا ہے ۲؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ غر بنا ہے غرور سے بمعنی دھوکا یہاں مراد ہے دیدہ دانستہ مسلمانوں سے دھوکا کھالینے والا لہذا یہ اس کی مہربانی ہے نہ کہ بے وقوفی۔ہم نے ایسے نیک لوگ دیکھے ہیں جو دیدہ دانستہ طور پر لوگوں سے دھوکا کھا کر ان کا بھلا کردیتے ہیں۔مشہور ہے کہ مولانا احمد جیون سے لوگوں نے دہلی پہنچ کر کہا کہ حضور آپ کے شہر جونپور کا دریا وہاں کے لوگوں کو ڈبو دے رہا ہے حضور پانچ سو روپیہ دیں تو دریا کو دے کر اسے اس حرکت سے باز رکھیں آپ نے دے دیئے کچھ عرصہ بعد وہ لوگ آکر بولے کہ حضور بڑی مشکل سے دریا کو پانچ سو روپیہ میں راضی کرکے شہر سے دفع کیا تو انہیں دعائیں اور انعام دیئے،عالمگیر بادشاہ نے کہا حضور یہ کیا فرمایا مسلمان جھوٹ نہیں بولتے یہ لوگ مسلمان ہیں سچ کہتے ہوں گے حضرت آدم علیہ السلام نے شیطان سے دھوکا کھایا شیطان چالاک نے دھوکہ دیا یہ ہے کریم اور لئیم میں فرق۔

۲؎ خب بمعنی چالاک دھوکاباز اس کا نتیجہ ہے لئیم ہونا جس مسلمان میں یہ عیوب ہوں وہ ان سے توبہ کرے کہ یہ کفار کے عیب ہیں،کسی کو چالاکی سے پھانس لینا کمال نہیں پھنسنے کو نکال لینا کمال ہے۔

روایت ہے حضرت مکحول سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱؎ مؤمن لوگ نرم دل نرم طبیعت ہوتے ہیں جیسے نکیل والا اونٹ ۲؎ اگر چلایا جاوے تو اطاعت کرے اور اگر پتھر پر بٹھایا جاوے تو بیٹھ جاوے ۳؎(ترمذی مرسلًا)	

۱؎ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ مکحول تابعی ہیں صحابی نہیں لہذا صحابی کا ذکر نہیں ہوا مگر چونکہ مکحول بڑے عالم ثقہ ہیں اس لیے ان کا ارسال قبول ہے،جب امام بخاری کی تعلیق معتبر ہے تو حضرت مکحول کا ارسال کیوں نہ معتبر ہو۔

۲؎ یعنی مؤمن زبان کا بھی نرم ہوتا ہے دل کا بھی نرم اور وہ اللہ رسول کے ہاتھ میں ایسا ہوتا ہے جیسے نکیل والا اونٹ اپنے مالک کے قبضہ میں۔انف الف کے فتحہ نون کے کسرہ سے یہ بنا ہے انف بمعنی ناک سے،انف وہ اونٹ جس کی ناک میں نکیل اور نکیل مالک کے ہاتھ میں ہو۔

۳؎ یعنی مؤمن اللہ رسول کے احکام پر بلا جرح قدح سر جھکا دیتا ہے خواہ احکام نرم ہوں یا سخت وجہ نہیں پوچھتا کہ یہ حکم کیوں ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا وہ مسلمان جو لوگوں میں ملا جلا رہے اور ان کی تکلیف پر صبر کرے اس سے افضل ہے جو نہ ان سے ملا جلا رہے اور نہ ان کی ایذاء پر صبر کرے	

	۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎یعنی مسلمان دو قسم کے ہیں: ایک وہ جنہیں خلوت بہتر ہے،بعض وہ جن کے لیے جلوت افضل ان دونوں میں جلوت والے افضل ہیں کیونکہ خلوت والے صرف اپنی اصلاح کرتے ہیں اور جلوت والے دوسروں کو بھی درست کرتے ہیں۔حضرت علی فرماتے ہیں کہ تم دنیا میں اپنے دوست زیادہ بناؤ کہ کل قیامت میں مؤمن دوست شفاعت کریں گے اور آپ نے اپنی تائید میں یہ آیت پڑھی"فَمَا لَنَا مِنْ شٰفِعِيْنَ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ"کہ کفار اپنے لیے شفیع اور دوست نہ ملنے پر افسوس کریں گے مگر خیال رہے کہ بعض لوگوں کے لیے،نیز بعض حالات میں،نیز بعض مقامات پر خلوت افضل ہوتی ہے اگر جلوت میں خود اپنے آپ گناہوں میں مشغول ہوجانے کا اندیشہ ہو تو خلوت بہتر،حضرت وہب فرماتے ہیں کہ حکمت دس حصے ہیں نو خاموشی میں ایک خلوت میں۔(مرقات)بہتر یہ ہے کہ کبھی خلوت اختیارکرے کبھی جلوت خیر الامور اوسطھا،عربی میں تنہائی کو عزلة کہتے ہیں۔عارفین فرماتے ہیں کہ عزلة میں اگر علم کا عین نہ ہوتو ذلت ہے اور اگر زہد کی زنہ ہو تو نرمی علت ہےیعنی خلوت وہ اختیار کرے جس کے پاس علم بھی ہو زہد بھی۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن معاذ سے ۱؎وہ اپنے باپ سے راوی بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص غصے کو پی جائے ۲؎حالانکہ اس کے جاری کرنے پر قادر ہو۳؎اللہ تعالٰی اس کو قیامت کے دن مخلوق کے سرداروں میں بلائے گا ۴؎یہاں تک کہ اس کو اختیار دے گا کہ جو حور چاہے لے لے ۵؎ (ترمذی،ابوداؤد)اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎آپ سہل ابن معاذ ابن انس ہیں،جہنی ہیں،اہل مصر سے ہیں،یہ معاذ ابن جبل نہیں بلکہ معاذ ابن انس ہیں۔

۲؎یعنی کسی نے دوسرے کو برا بھلا کہااور دوسرا شخص اپنی ذاتی برائی سن کر خاموش رہےدرگزر کرے تو اس کو وہ ثواب ہے جو آگے مذکور ہے۔اس میں صرف وہ لوگ مراد ہیں جو اپنے ذاتی معاملات میں درگزر کریں لیکن اللہ ورسول،شیخ و استاد وغیرہ کے گستاخ سے بدلہ لینا اور غصہ کا اظہارکرناعین عبادت ہےوہاں غصہ نہ کرنا بے غیرتی ہے۔

۳؎یعنی بدلہ لینے کی ہر طرح طاقت ہے پھر صرف رب کی رضا کے لیے معاف کرتا ہے خواہ یہ شخص حاکم ہو یا طاقتور اور اس شخص پر غالب ہویا امیر ہوخود بدلہ لے سکتا ہو یا دوسرے کے ذریعے سے لے سکتا ہومگر اتنی قدرت کے باوجود پھرتحمل کرےیہ بہت مشکل کام ہے۔

۴؎کہ اس پر عمل کرنے سے انسان ولی اللہ بن جاتا ہے،اس نے دنیا میں اپنے کو عاجز کیارب تعالٰی اس کو قیامت کے دن سرداری عطا فرمائے گا کیسا عظیم کرم ہے۔

۵؎ حور کی نسبت اس لیے ہے کہ یہ اس کے دل کو خوش کرنے کے لیے ہے جو اس نے صرف اپنے رب کے لیے رنجیدہ کیااور دل تنگ کیا ذلت برداشت کی کیونکہ مرد کادل بال بچے میں زیادہ خوش رہتا ہےاکیلا آدمی کتنا ہی دولت مند ہواداس رہتا ہے حقیقی خوشی اپنے ہی گھر نصیب ہوتی ہے۔اس حقیقی خوشی کے لیے اپنا گھر بسانے کے لیے حور کا ذکر کیاجائےگاکہ باہر کے غم ہمیشہ گھر میں اچھی بیوی کے ذریعہ ختم ہوتے ہیں تو گویا مؤمن کو رب تسلیاں فرماتا ہےاور مؤمن کا گھر جنت ہےاور دنیا باہر کی جگہ۔

	اور ابوداؤد کی روایت میں جو سوید بن وہب سے روایت ہےوہ ایک صحابی زادے مرد سے راوی وہ اپنے باپ سے فرمایا بھردے گا اللہ تعالٰی اس کی دل کو امن وایمان سے ۱؎ اور ذکر کیا سوید کی حدیث کو **من ترك لبس ثوب جمال کتاب اللباس** میں ۲؎

۱؎ یعنی سرداری کے علاوہ امن و ایمان کی لذتیں بھی عطا ہوں گی کہ اگرچہ ایمان ملنے کا وقت دنیا ہے مگر لذت ایمانی قیامت میں ملے گی۔

۲؎ یعنی یہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی مگر میں نے مناسبت کی وجہ سے اس کو کتاب اللباس میں لکھ دیا ہےوہاں دیکھو۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے زید بن طلحہ سے فرمایا انہوں نے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک ہر دین کے اخلاق ہیں اور اسلام کا اخلاق حیا ہے ۱؎ اسے مالک نے ارسالًا روایت کیا۔

۱؎ یعنی اگرچہ اسلام کی بہت سی عبادات ہیں مگر حیا داری سب سے بڑی عبادت ہے۔**کل دین** سے مراد باطل ادیان ہیں اور دین اسلام سے مراد رب تعالٰی کا دین کیونکہ سب انبیاءکرام نے حیاء داری کا سبق دیابے غیرتی بے حیائی سے سب نے منع فرمایا،بے غیرت کا کوئی نیک عمل قبول نہیں اگرچہ ساجد و عابد ہو،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی سب سے بڑی بے غیرتی ہے۔

	اور ابن ماجہ و بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس وابن عباس سے روایت فرمایا ۱؎

۱لہٰذا یہ حدیث مرسل نہیں بلکہ مسند ہے کیونکہ اس میں حضرت انس اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا نام آگیا،یہ حضرات صحابی ہیں،چونکہ ابن طلحہ تابعی ہیں اور مالک نے انہی سے یہ روایت کی صحابی کا ذکر نہیں کیا لہٰذا ان کی روایت میں حدیث مرسل ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شرم غیرت اور ایمان سارے ساتھی ہیں۱تو جب ان میں سے ایک اٹھالیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔

۱یہاں **قرناء** جمع دو کے لیے ارشاد ہوا،**قرنا** جمع ہے **قرین** کی بمعنی ساتھی،مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں **قرنا** تثنیہ مذکر ماضی مطلق سے ہے یعنی حیاء اور ایمان رہنے اور جانے میں ساتھ ہیں،جس دل میں ہوں گے دونوں ہوں گے نہ ہوں گے دونوں نہ ہوں گے،مؤمن بے حیا نہیں ہوسکتا کافر حیادار نہیں ہوسکتا۔

	اور حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے کہ جب ان میں سے ایک چھن جاتا ہے تو دوسرا اس کے ساتھ جاتا ہے۱(بیہقی شعب الایمان)

۱خیال رہے کہ یہاں ایمان سے مراد کامل ایمان ہے اور حیاء سے مراد ایمانی شرم و غیرت ہے یعنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غیرت جو گناہوں سے روک دے۔

	روایت ہے حضرت معاذ سے فرماتے ہیں جو آخری وصیت مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی جب کہ میں نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا۱یہ تھی کہ فرمایا اے معاذ اپنے اخلاق لوگوں سے اچھے رکھو۲(مالک)

۱حضرت معاذ ابن جبل کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا حاکم بناکر بھیجا جب آپ وہاں جانے کے لیے سوار ہوئے تو حضور انور نے یہ فرمایا۔

۲یعنی تم وہاں حاکمانہ شان و شوکت سے لوگوں سے الگ تھلگ نہ رہنا اور اپنے پاس آنے جانے والوں سے بدخلقی سے پیش نہ آنا۔خیال رہے کہ خلق اور چیز ہے ظالم کو سخت سزا دینا،ملک میں سختی سے انتظام کرنا کچھ اور ہے لہٰذا یہ حکم عالی سیاست کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت مالک سے انہیں خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس لیے بھیجا گیا کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کردوں۱(مؤطا)
	اور احمد نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی۔

۱؎اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو اخلاق کی تعلیم دینے کے لیے تشریف لائےاور ہم آخری نبی ہیں جیسے ہماری ذات سے دین مکمل ہوا،اللہ تعالٰی کی نعمت تمام ہوئی،نبوت ختم ہوئی ایسے ہی ہم نے تعلیم اخلاق کو مکمل فرمادیا،اب تا قیامت علماء و اولیاء ہمارے نقش قدم پر چل کر ہمارے اخلاق لوگوں کو سکھائیں گے۔اس صورت میں اتمام کا مقصد ناقص کو کامل کرنا نہیں بلکہ اخلاق کے اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے۔دوسرے یہ کہ اہل عرب نے عقائد ابراہیمی اعمال ابراہیمی بدل دیئے تھے مگر اخلاق ابراہیمی کے یہ لوگ حامل تھے،درازی زمانہ کی وجہ سے اہل عرب کے اخلاق ناقص ہوگئے تھے میں انہیں اخلاق ابراہیمی کی تکمیل کے لیے آیا ہوں کہ لوگوں کو جناب خلیل اللہ صلوات اللہ علیہ کے اخلاق کی تعلیم پورے طور پر دوں اور پیدا شدہ نقصان اور کمی کو دور کروں،پہلے معنی شیخ نے فرمائے،دوسرے معنی مولانا ملا علی قاری نے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے محل کی آخری اینٹ ہیں حضور سے نبوت،اخلاق،ہدایت کی تکمیل ہوئی،حضور جمع الجمع ہیں،آپ سے مسیر (چلنا) آپ کی طرف مصیر ہے (لوٹنا)،تمام انبیاء کرام کی صفات کے جامع ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جعفر ابن محمد سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آئینہ میں نظر فرماتے۲؎تو فرماتے شکر ہے اس اللہ کا جس نے میری صورت اور سیرت اچھی بنائی۳؎اور میری وہ چیز اچھی کی جو دوسروں کی بری کی۴؎ بیہقی نے بطریق ارسال روایت کی۔	

۱؎امام جعفر صادق ابن امام محمد باقر تابعی ہیں،آپ کی ملاقات حضرت جابر سے ہے اور آپ تک حضور انور کا سلام پہنچا ہے۔(مرقات)آپ کا نسب نامہ والد کی طرف سے یہ ہے امام جعفر ابن امام محمد باقر ابن امام زین العابدین ابن امام حسین ابن علی مرتضٰی اور ماں کی طرف سے آپ کا نسب نامہ یہ ہے امام جعفر صادق ابن حضرت فروہ بنت قاسم ابن محمد ابن محمد ابن ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ لہذا آپ نسبًا حیدری ہیں،حسبًا صدیقی،تمام حسینی سید نسب میں حضرت علی کی اولاد ہے اور حسب میں حضرت ابو بکر صدیق کی،دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ اور شجرہ انساب۔

۲؎اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور کے زمانہ پاک میں آئینہ تھا اور حضور نے آئینہ میں شکل مبارک دیکھی،ہاں اکثر پانی میں چہرہ پاک دیکھ کر کنگھی وغیرہ کی ہے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں ہے کہ کبھی یہ عمل تھا کبھی وہ۔

۳؎خلقی خ کے فتح سے صورت پاک اور خ کی پیش سے سیرت پاک۔حضور انور صورت میں ایسے حسین کہ اللہ تعالٰی کے محبوب ہیں اور سیرت میں ایسے بے مثال کہ رب تعالٰی نے آپ کے خلق کی تعریف فرمائی"اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ"ہم بھی یہ دعا پڑھا کریں حضور کی نقل کرتے ہوئے۔شعر

تیری خلق کو رب نے جمیل کیا　　　تیرے خلق کو رب نے عظیم کہا

کوئی تجھ سا ہوا نہ ہوگا شاہا تیرے خالق حسن ادا کی قسم

۴؎اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صورت و سیرت میں بے مثال ہیں۔صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ صورت کی نورانیت دل کی نورانیت کا پتہ دیتی ہے اس لیے حضور انور آئینہ میں اپنی شکل پاک دیکھ کر اپنی سیرت کا بھی ذکر فرماتے تھے ورنہ سیرت آئینہ میں نظر نہیں آتی۔(مرقاۃ)ہم لوگ بھی آئینہ دیکھ کر یہ دعا پڑھیں یہ سمجھ کر کہ رب تعالٰی نے ہم کو صحت و تندرستی بخشی ہے،بہت سے لوگ کانے نکٹے برص کے مارے اور ہونٹ کٹے ہوتے ہیں جن سے ان کی صورتیں بگڑ گئی ہوتی ہیں شکر ہے کہ ہم ان سب سے محفوظ ہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے الٰہی تو نے میری صورت بھی اچھی کی ہے تو میری سیرت بھی اچھی کر ۱؎(احمد)

۱؎ حضور انور کی یہ دعا یا تو امت کی تعلیم کے لیے ہے یا اچھے اخلاق اور زیادتی کی طلب کے لیے یا اس پر دائم قائم رہنے کے لیے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری خدائی سے بڑھ کر خوش خلق ہیں لہذا یہ حدیث حضرت عائشہ صدیقہ کے اس قول کے خلاف نہیں کہ آپ کا خلق قرآن ہے۔ہم نماز میں پڑھتے ہیں"اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ"حالانکہ ہم ہدایت پر ہیں مسلمان ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ قُلۡ رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا"۔صوفیاء کرام فرماتے کہ باطنی ترقی کی انتہا نہیں کیونکہ وہ تجلی الٰہی سے ہے اور تجلی الٰہی کی انتہا نہیں حتی کہ اس کی انتہا جنت میں بھی نہ ہوگی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰی وَ زِیَادَۃٌ" یہ زیادتی ہمیشہ ہوتی رہے گی۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو تم میں سے بہترین کی خبر نہ دوں صحابہ نے عرض کیا ہاں فرمایا تم میں بہتر وہ ہیں جن کی عمریں دراز اور اچھے اخلاق ہوں ۱؎(احمد)

۱؎عمر کی درازی یا مقدار میں ہو یا کیفیت میں یا دونوں میں۔اچھے اخلاق اور سارے دینی و دنیاوی نیک اعمال داخل ہیں کیونکہ نیک اعمال کی اصل اچھی عادت ہے یعنی بڑا خوش نصیب ہے جسے اللہ تعالٰی لمبی عمر دے اور لمبی عمر میں نیک اعمال کرنے کی توفیق بخشے کہ قیامت میں عطا بقدر اعمال ہوگی۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمانوں میں کامل ایمان والا اچھے اخلاق والا ہے ۱؎(ابوداؤد،دارمی)

۱؎ کیونکہ اچھی عادت سے عبادات اور معاملات دونوں درست ہوتے ہیں،اگر کسی کے معاملات تو ٹھیک مگر عبادات درست نہ ہوں یا اس کے الٹ ہوتو وہ اچھے اخلاق والا نہیں۔خوش خلقی بہت جامع صفت ہے کہ جس سے خالق اور مخلوق سب راضی رہیں وہ خوش خلقی ہے۔

روایت ہے ان ہی سے ایک شخص نے جناب ابوبکر کو برا کہااور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تعجب و تبسم فرمارہے تھے۱؎ تو جب اس نے بہت زیادتی کی تو آپ نے اس کی بعض باتوں کا جواب دیا۲؎ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم ناراض ہوکر اٹھ کھڑے ہوئے۳؎ ابوبکر حضور کے پیچھے پہنچے عرض کیا یارسول اللہ وہ مجھے برا کہتا رہاآپ بیٹھے رہے جب میں نے اس کی بات کا جواب دیا تو آپ ناراض ہوگئے اور کھڑے ہوگئے۴؎ فرمایا تمہارے ساتھ فرشتہ تھا جو اسے جواب دے رہا تھا۵؎ پھر جب تم نے خود اسے جواب دیا تو شیطان پڑ گیا۶؎ پھر فرمایااے ابوبکر تین چیزیں بالکل حق ہیں:نہیں ہے کوئی بندہ جس پر ظلم کیا جاوے تو اللہ کے لیے چشم پوشی کرے مگر اس کے ذریعہ اللہ اپنی مدد بڑھادے گا۷؎ اور کوئی شخص دینے کا دروازہ نہیں کھولتا جس سے صلہ رحمی کا ارادہ کرے ۸؎ مگر اس سے اللہ تعالٰی زیادتی مال اور بڑھا دیتا ہے ۹؎ اور کوئی شخص مانگنے کا دروازہ نہیں کھولتا جس سے زیادتی کا ارداہ کرے مگر اس سے اللہ تعالٰی کمی بڑھادیتا ہے ۱۰؎(احمد)	

۱؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تبسم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تحمل و بردباری ملاحظہ فرماکر ان پر خوش ہونے کی وجہ سے تھا۔معلوم ہوا کہ حضور انور اپنی امت کے نیک اعمال سے بہت خوش ہوتے ہیں،ہم کو چاہیے کہ ہمیشہ نیک اعمال کیا کریں کہ حضور کو اس سے خوشی ہوتی ہے اللہ ہم کو توفیق دے کہ اپنے نبی کو خوش کرلیں ان کی خوشی ہمارے نیک بننے سے ہوگی۔

۲؎ حضرت ابوبکر صدیق کا جواب دینا بالکل جائز تھااور ازروئے قرآن کریم بالکل حق تھا،قرآن کریم فرماتاہے:"وَ الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَہُمُ الْبَغْیُ ہُمْ یَنۡتَصِرُوۡنَ"اور فرماتاہے:"لَا یُحِبُّ اللہُ الْجَہۡرَ بِالسُّوۡٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنۡ ظُلِمَ"جناب صدیق اکبر اس وقت مظلوم تھے لہذا آپ پر کوئی اعتراض نہیں نہ آپ سے کوئی ناجائز کام سرزد ہوا۔

۳؎اس ناراضی کی وجہ آگے آرہی ہے کہ ذاتی موذی سے بدلہ لینا شان صدیقی کے لائق نہیں،نیز تم یہ بدلہ اپنے خادم فرشتے کے ذمہ رہنے دواس موذی کو تم خود کیوں منہ لگاتے ہو،مجرموں کو سزا بادشاہ اپنے ہاتھ سے نہیں دیتے بلکہ اپنے خدام سے سزا دلواتے ہیں۔

۴؎یعنی یارسول اللہ میں نے اس پر ظلم نہیں کیاحضور پھر مجھ پر ناراض کیوں ہوئے،ظالم تو وہ ہے میں نے تو صرف بدلہ لیا ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ناراضی کسی بات کی بناء پر نہ تھی بلکہ افضیلت کی تعلیم کے لیے تھی جیساکہ آئندہ جواب سے معلوم ہورہا ہے۔خیال یہ بھی رہے کہ یہاں **شتم** بمعنی سب ہے یعنی برا کہنا بمعنی گالی نہیں اور یہ مطلب نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اسے جواب میں گالی دی آپ کی زبان مبارک جھوٹ اور گالی سے ہمیشہ محفوظ رہی۔

۵؎اس طرح کہ جب وہ شخص تم سے کہتا تھا کہ ابوبکر آپ تو ایسے ہیں تو فرشتہ کہتا تھاابوبکر تو اچھے ہیں تو ہی ایسا ہے۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی نگاہیں غیبی فرشتوں کو دیکھتی ہیں اور آپکے کان شریف فرشتوں کی آواز سنتے ہیں،یہ فرشتہ یا تو کوئی خاص فرشتہ تھا جو اس کام کے لیے مامور ہوا تھا یا آپ کے ساتھ رہنے والا فرشتہ،پہلا احتمال قوی ہے۔

۶؎یعنی اب تک تمہارا صبر رب کے لیے تھا اب تمہارا جواب دنیا نفس کے لیے ہوا یہ اگرچہ جائز ہے مگر چونکہ اس میں اپنی ذات کو اور غصہ کو دخل ہے اس لیے فرشتہ خاموش ہوگیااور شیطان خوش ہونے لگا۔ممکن ہے کہ اب تم اس کے جواب میں زیادتی کردواب تک وہ ظالم تھا پھر ظلم تمہاری طرف سے ہوجاوے۔(مرقات)معلوم ہوا کہ جائز کام بھی اگر نفس کے لیے ہو تو شیطان کی خوشی کا ذریعہ بن جاتاہے۔

۷؎یعنی جو شخص اپنے حقوق مارنے والے سے چشم پوشی کرے اس پر موقعہ پاکر بھی اس سے بدلہ نہ لے تو اللہ تعالٰی اس کی مدد اور بھی زیادہ کردے گا۔**بھا** کا مرجع **مظلمۃ** ہے۔یہ بات تجربہ سے بھی ثابت ہے معافی سے عزت بڑھتی ہے بشرطیکہ معافی کمزوری کی نہ ہواخلاق کی ہو،وہ معافی والی آیتیں منسوخ ہیں جو کمزوری کی وجہ سے ہو اخلاقی معافی کی آیتیں محکم ہیں۔

۸؎یعنی رشتہ داروں سے سلوک کرنا صرف اللہ و رسول کی رضا کے لیے ہواپنی ناموری کے لیے نہ ہوتو ثواب ہے اس کا فائدہ ہے۔

۹؎صدقہ ثواب ہے اور اپنے عزیزوں و اہل قرابت پر صدقہ دوہرا ثواب ہےصدقہ کا بھی اور حق قرابت ادا کرنے کا بھی۔

۱۰؎اس سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت کسی سے کچھ مانگ لینا جائز ہےصرف ضرورت کے مطابق مانگے اگر اور طرح سے ضرورت پوری ہوسکے تو نہ مانگے،اپنے پاس مال ہے اور زیادتی مال کے لیے مانگنا یہ بہرحال حرام ہے۔نصاب تین قسم کے ہیں: زکوۃ واجب ہونے کا نصاب،خیرات و زکوۃ لینے کی ممانعت کا نصاب اور سوال سے بچنے کا نصاب۔آخری نصاب بقدر ضرورت مال اپنے پاس ہونا ہے،ضرورت والا مانگے بلا ضرورت نہ مانگے،پیشہ ور گداگر ہمیشہ فقیر ہی رہتے ہیں،حاجت مند اور گداگر میں فرق کرنا چاہیے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کسی گھر والوں پر مہربانی کا ارادہ نہیں کرتا مگر انہیں نفع دیتا ہے اور اللہ ان کو محروم کرنا نہیں چاہتا مگر انہیں نقصان دیتا ہے ۱؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یعنی اللہ تعالٰی جن لوگوں پر کرم فرماتا ہے ان کے دلوں میں نرمی ڈال دیتا ہے وہ لوگوں پر نرمی کرتے ہیں جس سے ان کی عزت اور بڑھ جاتی ہے اور جن لوگوں پر اللہ تعالٰی قہر فرماتا ہے انہیں نرمی دل سے محروم کردیتا ہے،ان کے دل سخت ہو جاتے ہیں،لوگوں سے سختی سے پیش آتے ہیں۔نرمی بہت اچھی چیز ہے ہاں دین میں سختی اچھی ہے۔

باب الغضب و الکبر

غصہ اور غرور کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ غضب یعنی غصہ نفس کے اس جوش کا نام ہے جو دوسرے سے بدلہ لینے یا اسے دفع کرنے پر ابھارے۔غصہ اچھا بھی ہےاور برا بھی،اللہ کے لیے غصہ اچھا ہے جیسے مجاہد غازی کو کفار پر یا کسی واعظ عالم کو فساق و فجار پر یا ماں باپ کو نافرمان اولاد پر آوےاور برا بھی ہوتا ہے جیسے وہ غصہ جو نفسانیت کے لیے کسی پر آوے۔اللہ تعالٰی کے لیے جو غضب کا لفظ آتا ہےوہاں غضب کے معنی ہوتے ہیں ناراضی و قہرکیونکہ وہ نفس و نفسانیت سے پاک ہے۔کبر کا معنی ہے عجب یعنی بڑائی اپنی ذات و صفات کو اچھا جاننا اس کے اظہار کا نام تکبر ہے،اس کا مقابل تواضع و انکسار ہے۔تکبر اچھا بھی ہے اور برا بھی،مسلمان کا اپنے کو کفار سے اچھا جاننااور انہیں حقیر سمجھنا کہ ان کی ہیبت ہمارے دل میں نہ آئے یہ اچھا تکبر ہے،مسلمان بھائی سے اپنے کو بڑا سمجھنا انہیں ذلیل و حقیر سمجھنا یہ برا ہے۔نبی کے مقابلہ میں تکبر کفر ہے جیسے شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں تکبر کیا تو کافر ہوا،اللہ تعالی کی صفت ہے متکبر وہاں اس کے معنی بہت بڑا،بہت ہی عالی و اونچا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے وصیت فرمایئے فرمایا غصہ نہ کیا کرواس نے یہ سوال بار بار دہرایا حضور نے یہ ہی فرمایاغصہ نہ کیا کرو ۱ (بخاری)

۱ شاید یہ سائل غصہ بہت کرتا ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکیم مطلق ہیں ہر شخص کو وہ ہی دوا بتاتے ہیں جو اس کے لائق ہیں۔نفسانی غضب و غصہ شیطانی اثر ہےاس میں انسان عقل کھو بیٹھتا ہے،غصہ کی حالت میں اس سے باطل کام و کلام سرزد ہونے لگتے ہیں۔غصہ کا علاج اعوذ باللہ پڑھنا ہے یا وضو کرلینایا یہ خیال کرلینا کہ اللہ تعالٰی مجھ پر قادر ہے۔رحمانی غضب عبادت ہے "فَرَجَعَ مُوْسٰٓی اِلٰی قَوْمِہٖ غَضْبٰنَ اَسِفًا" یا جیسے "غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ"۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص کشتی سے پہلوان نہیں ہوتا ۱ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے کو قابو میں رکھے ۲ (مسلم،بخاری)

۱؎ کیونکہ یہ جسمانی پہلوانی فانی ہے اس کا اعتبار نہیں دو دن کے بخار میں پہلوانی ختم ہوجاتی ہے۔
۲؎ کیونکہ غصہ نفس کی طرف سے ہوتا ہے اور نفس ہمارا بدترین دشمن ہے،اس کا مقابلہ کرنا،اسے پچھاڑ دینا بڑی بہادری کا کام ہے،نیز نفس قوت روحانی سے مغلوب ہوتا ہے اور آدمی قوت جسمانی سے پچھاڑا جاتا ہے،قوت روحانی قوت جسمانی سے اعلیٰ و افضل ہے لہذا اپنے نفس پر قابو پانے والا بڑا بہادر پہلوان ہے۔

	حضرت حارثہ ابن وہب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا میں تمہیں جنتی لوگ نہ بتاؤں ہر کمزور جسے کمزور سمجھا جاوے ۱؎ اگر وہ اللہ پر قسم کھا جاوے تو اللہ اس کی قسم پوری کردے ۲؎ کیا میں تمہیں آگ والے نہ بتاؤں ہر سخت دل بدکار متکبر ۳؎(مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ ہر سخت دل حرامی ۴؎ غرور والا۔

۱؎ یہاں **ضعیف** کے معنی یہ ہیں کہ اس میں تکبر جبر ظلم نہ ہو،یہ مطلب نہیں کہ اس میں طاقت و قوت نہ ہو،اللہ تعالٰی کو قوی اور طاقتور مسلمان پسند ہیں یعنی اس میں طاقت تو ہو مگر وہ اپنی طاقت مسلمانوں پر استعمال نہ کرے اور **متضعف** کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کو اس پر امن ہو کہ یہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا،اس کے شر سے مسلمان اپنے کو محفوظ سمجھیں،یہ مطلب نہیں کہ مسلمان اسے ذلیل و خوار سمجھیں،مسلمان بڑی عزت والا ہوتا ہے۔اس کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہوتی ہے"اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ"۔
۲؎ مثلًا اگر وہ کہہ دے کہ قسم خدا کی تیرے بیٹا ہوگا یا قسم خدا کی آج بارش آوے گی یا قسم خدا کی اس اسلامی لشکر کو فتح ہوگی تو اللہ تعالٰی اس کی قسم ضرور پوری فرماوے،ضرور اس کے بیٹا ہو،ضرور آج بارش آوے،ضرور لشکر اسلام کو فتح ہو۔خیال رہے کہ پہلے تو بندہ اللہ تعالٰی کی رضا چاہتا ہے پھر ایک وقت وہ آتا ہے کہ اللہ تعالٰی بندے کی رضا چاہتا ہے۔حضرت صدیق اکبر کے متعلق فرمایا:"وَلَسَوْفَ یَرْضٰى"اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا:"وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى"۔معلوم ہوا کہ بزرگوں سے اللہ کی نعمتیں مانگنا جائز ہے کہ ان کے منہ سے نکلی بات اللہ تعالٰی پوری کرتا ہے۔
۳؎ **عتل** کے بہت معنی ہیں:سخت دل،بدزبان،جھگڑالو،یوں ہی **جواظ** کے بہت معنی ہیں:موٹا فربہ،بدکار،فاسق بخیل جو اپنا مال چھپائے دوسروں کے مال پر نظر رکھے۔(مرقات)یہاں سارے معنی درست ہیں۔
۴؎ زنیم بنا ہے زنم سے یعنی کان کٹی بکری جس کا کان کٹ کر لٹک رہا ہو۔اصطلاح میں زنیم حرامی کو کہتے ہیں کہ یہ شخص بھی دوسری قوم سے ملحق ہوتا ہے جیسے ولید بن مغیرہ،یہاں زنیم بمعنی شریر ولئیم ہے جس کے شر سے مسلمان پریشان ہوں،اکثر دیکھا گیا ہے کہ حرامی بچے بڑے شریر و خبیث ہوتے ہیں۔(مرقاۃ)بعض لوگ کہتے ہیں کہ

حرامی جنت میں نہیں جاوے گا اس کی کوئی اصل نہیں،ہاں جو حرامیوں کے سے کام کرے وہ جنت میں اوّلًا نہ جاوے گا۔(از مرقات)علماء فرماتے ہیں کہ حرامیوں کی نسل میں کوئی ولی نہیں ہوتا۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ شخص آگ میں داخل نہ ہو گا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوا اور وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر غرور ہو ۲(مسلم)	

۱یعنی جس کے دل میں رائی برابر نور ایمانی ہو وہ ہمیشہ رہنے کے لیے دوزخ میں نہیں جاوے گا لہذا حدیث واضح ہے۔ایمان سے مراد نتیجہ ایمان ہے اور آگ میں جانے سے مراد ہمیشگی کے لیے جانا ہے،ایمان میں زیادتی کمی ناممکن ہے نور ایمان میں ممکن ہے۔

۲اس فرمان عالی کے چند معنی ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ دنیا میں جس کے دل میں رائی برابر کفر ہو وہ جنت میں ہرگز نہ جاوے گا۔کبر سے مراد اللہ و رسول کے سامنے غرور کرنا یہ کفر ہے۔دوسرے یہ کہ دنیا میں جس کے دل میں رائی کے برابر غرور ہوگا وہ جنت میں اولًا نہ جائے گا۔تیسرے یہ کہ جس کے دل میں رائی برابر غرور ہوگا وہ غرور لے کر جنت میں نہ جائے گا پہلے رب تعالٰی اس کے دل سے تکبر دور کردے گا پھر اسے جنت میں داخل فرمائے گا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ"۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں وہ نہ جاوے گا جس کے دل میں ذرہ برابر غرور ہوا تو ایک شخص نے عرض کیا کہ کوئی شخص چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اس کا جوتا اچھا ہو ۲فرمایا کہ اللہ تعالٰی جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے ۳غرور حق کو جھٹلانا لوگوں کو ذلیل سمجھنا ہے(مسلم) ۴	

۱اس کا مطلب ابھی عرض کیا گیا۔خیال رہے کہ آگ میں کبر و غرور ہے خاک میں عجز و انکساری،دیکھ لو باغ کھیت خاک میں لگتے ہیں آگ میں نہیں لگتے،ایسے ہی ایمان و عرفان کا باغ خاک جیسے عاجز و منکسر دل میں لگتے ہیں آگ جیسے متکبر دل میں نہیں لگتے ہیں۔

۲سائل سمجھا کہ شاید اچھا لباس پہننا بھی غرور میں داخل ہے کہ اس میں اپنی مالداری یا بڑائی کا اظہار ہے اس لیے اس نے یہ سوال کیا،نیز اکثر متکبرین اعلٰی درجہ کا لباس پہنتے ہیں تو یہ عمدگی لباس متکبرین کی علامت ہے بہرحال سوال بالکل درست ہے۔

۳؎ یعنی رب تعالٰی ذات و صفات میں اچھا ہے،جمیل ہے مخلوق اس کی صفات کی مظہر ہے تو مسلمان کو چاہیے کہ اپنی عادات،صورت،لباس،اعمال اچھے رکھے تاکہ رب تعالٰی کی صفت جمیل کا مظہر بنے،نیز اس لباس میں رب تعالٰی کی نعمت کا اظہار ہے جو محبوب ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ"اسے تکبر سے کوئی تعلق نہیں۔

۴؎ یعنی متکبر وہ ہے جو کسی معمولی انسان کی حق بات کو اس لیے جھٹلائے کہ یہ اس آدمی کے منہ سے نکلی ہےاور مساکین کو ذلیل سمجھے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شخص ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالٰی نہ کلام کرے گا ۱؎ اور نہ انہیں پاک کرے گا ۲؎ اورایک روایت میں ہے کہ نہ ان کی طرف نظر کرے گا ۳؎ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے بڈھا زانی ۴؎ اور جھوٹا بادشاہ ۵؎ اور فقیر غرور والا ۶؎ (مسلم)

۱؎ یعنی ان تین قسم کے لوگوں سے کرم و محبت کا کلام نہ کرے گا غضب و قہر کا کلام کرے گا لہذا حدیث واضح ہے یا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے اول وقت جب عدل الٰہی کا ظہور ہوگا تب ان سے کلام نہ کرے گا یا مطلقًا بلا واسطہ کلام نہ کرے گا بواسطہ فرشتوں کے کرے گا۔(مرقات)

۲؎ یعنی ان کے گناہ معاف نہ کرے گا یا ان کی صفائی لوگوں پر ظاہر نہ کرے گا،تزکیہ کے یہ دونوں معنی ہی آتے ہیں۔

۳؎ یعنی نظر رحمت نہ کرے گا نظر قہر کرے گا۔

۴؎ اس لیے کہ زنا اگرچہ بہرحال برا ہے سخت گناہ ہے مگر بڈھا آدمی کرے تو بدترین گناہ ہے کہ اس کی شہوت قریبًا ختم ہوچکی ہے وہ مغلوب و مجبور نہیں جوان آدمی گویا معذور ہے۔(مرقات)

۵؎ کیونکہ بعض لوگ مجبورًا جھوٹ بولتے ہیں،بعض لوگ حاکم کے ڈر یا بادشاہ کے خوف سے جھوٹ بول دیتے ہیں،بعض لوگ تنگدستی سے تنگ آکر جھوٹ کے ذریعے روزی کماتے ہیں بادشاہ کو ان میں سے کوئی مجبوری نہیں وہ جھوٹ بولتا ہے تو بلاوجہ ہی بولتا ہے۔

۶؎ حکومت والوں مال والوں کے پاس غرور تکبر کے اسباب موجود ہیں۔اگر فقیر غرور کرے تو محض دلی خباثت کی وجہ سے ہی کرے گا اس لیے اسکا تکبر بدترین جرم ہے،بعض لوگ غریب ہوتے ہوئے معمولی نوکری معمولی کام نہیں کرتے زکوۃ و خیرات قبول نہیں کرتے،خود بھی بھوکے رہتے ہیں اور اپنے بال بچوں کو بھی بھوکا مارتے ہیں وہ بھی اس وعید میں داخل ہیں،بعض لوگ بہت غریب ہوتے ہیں مگر اپنی لڑکیوں لڑکوں کے لیے بڑے مالدار رشتے تلاش کرتے ہیں اس تلاش میں اولاد بوڑھی ہوجاتی ہے مگر شادی نہیں کرتے جس کے نتیجے بہت برے ظاہر ہوتے ہیں یہ سب اس فرمان عالی میں داخل ہیں۔درود ہواس حکیم مطلق محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ہم پر ہمارے ماں

باپ بلکہ خود ہم سے زیادہ مہربان ہیں۔اللہ تعالٰی ان کی تعلیم پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے،اس ایک کلمہ میں کیسی ہدایتیں ہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند ہے ۱؎ جو ان دونوں میں سے ایک مجھ سے چھیننا چاہے گا ۲؎ میں اسے آگ میں داخل کروں گا ۳؎ اور ایک روایت میں ہے میں اسے آگ میں پھینک دوں گا ۴؎ (مسلم)	

۱؎ کبر سے مراد ذاتی بڑائی ہے اور عظمت سے مراد صفاتی بڑائی۔چادر اور تہبند فرمانا ہم کو سمجھانے کے لیے ہے کہ جیسے ایک چادر ایک تہبند دو آدمی نہیں پہن سکتے یوں ہی عظمت وکبریائی سوائے میرے دوسرے کے لیے نہیں ہوسکتی۔

۲؎ اس طرح کہ اپنی ذات یا اپنی صفات کو بڑا سمجھے گا میرا مقابلہ کرے گا گویا میرا شریک بننا چاہے گا۔خدا کی پناہ!

۳؎ دنیا میں فراق و ہجران کی آگ میں،آخرت میں دوزخ کی آگ میں متکبرین کی یہی سزا ہے۔

۴؎ اسے دوزخ میں ایسے پھینک دوں گا جیسے مرا کتا روڑی کوڑے پر ذلت و حقارت کے ساتھ پھینکا جاتا ہے۔خیال رہے کہ کبریائی عظمت سے اعلٰی وافضل ہے اس لیے کبریائی کی چادر اور عظمت کو تہبند فرمایا،چادر تہبند سے افضل ہوتی ہے۔تکبر یہ ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا سمجھے،عظمت یہ ہے کہ لوگ اسے بڑا سمجھیں لہذا عظمت میں غیروں کے خیال کو دخل ہوا لہذا تکبر و کبریائی اعلٰی ہے عظمت سے کہ کبریائی ذاتی ہے عظمت اضافی۔(مرقات)خیال رہے کہ اللہ تعالٰی کے مقبول بندوں کی عزت و عظمت رب تعالٰی کا عطیہ ہے،یہ رب تعالٰی کی نعمت عاجلہ ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آدمی اپنے آپ کو اونچا لے جاتا رہتا ہے حتی کہ وہ جبارین میں لکھ دیا جاتا ہے ۱؎ تو اسے وہ ہی عذاب پہنچتا ہے جو جبارین کو پہنچتا ہے ۲؎ ترمذی کی روایت ہے	

۱؎ یعنی اس کا نام متکبرین و جبارین کے دفتر میں لکھ دیا جاتا ہے۔معلوم ہوا کہ رب کے دفتر الگ الگ ہیں۔نیکوں کے صدہا دفتر بدوں کے ہزار ہا دفتر۔

۲؎ یعنی جو دنیاوی اور اخروی عذاب و ذلت ورسوائی،فرعون،ہامان،قارون کو پہنچی ہے یا پہنچے گی وہ اسے بھی ملے گی انہیں قیامت والے اپنے پاؤں تلے روندیں گے۔

روایت ہے عمرو بن شعب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ متکبر لوگ قیامت کے دن چیونٹیوں کی طرح جمع کیے جائیں گے مردوں کی صورت میں جنہیں ہر جگہ سے ذلت چھا جائے گی ۱؎ ہانکے جائیں گے دوزخ کے ایک قید خانہ کی طرف جسے بولس کہا جاتا ہے ۲؎ ان پر آگوں کی آگ چھا جائے گی ۳؎ اور وہ دوزخیوں کی پیپ یعنی طینہ سے پلائے جائیں گے ۴؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی ان کی شکل و صورت بھی حقیر،ان کی حالت بھی زار و خوار جیسے دنیا میں چونٹیوں کی کوئی قدرومنزلت نہیں ایسے ہی آخرت میں انکی کوئی منزلت نہ ہوگی،دنیا کی عزتیں وہاں ذلت بن جاویں گی،دنیاوی محبتیں وہاں عداوتوں میں تبدیل ہوجاویں گی،رب فرماتاہے:"اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُہُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ"۔

۲؎ خیال رہے کہ تمام انسان قبروں سے بشکل انسانی اٹھیں گے،پھر محشر میں پہنچ کر بعض کی صورتیں مسخ ہوجائیں گی یہاں بھی ان لوگوں کا چیونٹیوں کی شکل میں ہونا محشر میں پہنچ کر ہی ہوگا۔(مرقات) دوزخ میں لوگوں کی صورتیں مختلف ہوں گی۔چنانچہ بعض دوزخی کتوں کی شکل میں ہوں گے،بعض سؤروں اور گدھوں کی شکل میں،نیز بعض جنتی دنیا میں کانے اور اندھے تھے مگر وہاں سب آنکھوں والے حسین ہوں گے۔بولس بنا ہے بلس سے یعنی یاس و ناامیدی کیونکہ وہاں سے نکلنے کی امید نہ ہوگی اس لیے اس مقام کا نام بولس ہے۔

۳؎ یعنی جیسے پانی میں ڈوبنے والا ہر طرف سے پانی میں گھرا ہوتا ہے ایسے ہی یہ لوگ آگ کے سمندر میں ڈوبے ہوں گے،ہر طرف سے آگ ہوگی اور اس آگ میں تمام مختلف آگوں کی گرمی جمع کردی گئی ہوگی اسے آگوں کی آگ فرمایا گیا۔

۴؎ اس طرح کہ ان غصہ اور متکبرین کو جہنم کے نچلے طبقہ اسفل السافلین میں رکھا جاوے گا جہاں تمام دوزخیوں کا خون پیپ کچ لہو بہ کر آتا رہے گا،انہیں وہ پلایا جائے گا،اس گندگی کا نام طینۃ الخبال ہے۔خبال بمعنی فساد،طینہ بمعنی بدبودار نچوڑ،یہ نہایت ہی گرم بہت بدبودار،گاڑھا گاڑھا ہوگا،سخت بدمزہ جسے دیکھ کر قے آوے،دل گھبرائے مگر پیاس و بھوک کے غلبہ سے کھانا پڑے گا۔خدا کی پناہ!

روایت ہے حضرت عطیہ ابن عروہ سعدی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غصہ شیطان	

کی طرف سے ہے ۲؎ اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے ۳؎ اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے تو تم میں سے کسی کو جب غصہ آئے تو وہ وضو کرے ۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،قبیلہ بنی سعد سے ہیں مگر آپ کے حالات قطعًا معلوم نہ ہوسکے۔

۲؎ یہاں غصہ سے مراد شیطانی نفسانی غصہ ہے،ایمانی رحمانی غصہ مراد نہیں۔مسلمان غازی کو کافروں پر جو غصہ آوے وہ غصہ عبادت ہے جس پر ثواب ہے مگر اکثر شیطانی اور رحمانی غصہ میں فرق کرنا مشکل ہوتا ہے،ہم غلطی سے شیطانی غصہ کو رحمانی سمجھ لیتے ہیں۔

۳؎ شیطان کی پیدائش کے متعلق قرآن کریم میں خود اس مردود کا قول موجود ہے "خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ"۔اس آیت و حدیث سے معلوم ہوا کہ ابلیس جن ہے فرشتہ نہیں کہ فرشتوں کی پیدائش نور سے ہے ابلیس کی خلقت میں آگ کا غلبہ ہے جیسے انسان کی خلقت میں مٹی خاک کا غلبہ ہے اس لیے اسے ناری نہیں خاکی کہا جاتا ہے۔

۴؎ یعنی جیسے حسی آگ حسی پانی سے بجھائی جاتی ہے ایسے ہی باطنی آگ باطنی پانی سے بجھائی جاوے۔وضو دونوں سے مرکب ہے کہ اس میں حسی پانی کا استعمال ہے اور یہ جسم و دل اور روح کی پاکی کا ذریعہ ہے اسی لیے غصہ کی آگ وضو سے بجھتی ہے یہ ماہ نبوی طب کا نسخہ مجرب ہے جس سے یونانی طبیب بے خبر ہیں۔شعر

چند خوانی حکمت یونانیاں   حکمت ایمانیاں راہم بخواں

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کے اور بھی علاج بیان فرمائے ہیں مثلًا لاحول شریف پڑھنا،اعوذ باللہ پڑھنا،مثلًا قرآن کریم فرماتاہے:"وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ"یعنی جب تمہیں شیطان کا اثر پہنچے تو اعوذ باللہ پڑھو یہ غصہ بھی شیطانی اثر ہے۔یہ بہرحال لاحول اور اعوذ قولی علاج ہے اور وضو عملی علاج ہے،ٹھنڈا پانی پی لینا بھی غصہ کا علاج ہے۔(مرقات واشعۃ اللمعات)

روایت ہے ابوذر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے پھر اگر غصہ دفع ہوجائے تو فبہا ورنہ لیٹ جاوے ۱؎ (احمد،ترمذی)	

۱؎ یہ غصہ کا دوسرا عملی علاج ہے یعنی اپنا حال بدل دینا کہ کھڑا ہو تو بیٹھ جاوے،اگر اس سے بھی غصہ نہ جاوے تو لیٹ جائے ان شاءاللہ تعالٰی غصہ جاتا رہے گا۔لیٹ جانے میں اپنے کو مٹی میں ملا دینا ہے،مٹی میں تواضع ہے ان

شاءاللہ تعالٰی عجز و انکسار آجاوے گا،نیز کھڑا آدمی جلد کچھ حرکت کر گزرتا ہے بیٹھا ہوایا لیٹا ہوا اس قدر جلدی کوئی حرکت غیر نہیں کرسکتا۔

روایت ہے حضرت اسماء بنت عمیس سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ برا بندہ وہ بندہ ہے جو غروروا کڑ کرے ۱؎ اونچی شان والے کو بھول جائے ۲؎ برا بندہ وہ بندہ ہے جو ظلم اور زیادتی کرے ۳؎ اور قہار اعلیٰ کو بھول جائے ۴؎ برا بندہ وہ بندہ ہے جو بھول جاوے کھیل میں لگ جاوے اور قبرستان اور گل جانے کو بھول جائے ۵؎ برا بندہ وہ بندہ ہے جو غرور کرے اور حد سے بڑھ جائے ۶؎ اور اپنی ابتداء و انتہاء کو بھول جاوے ۷؎ وہ بندہ برا بندہ ہے جو دنیا کو دین کے لیے دھوکہ دے ۸؎ وہ بندہ برا بندہ ہے جو شبہات سے دین کو بگاڑ دے ۹؎ وہ بندہ برا بندہ ہے جسے ہوس کھینچے پھرے ۱۰؎ وہ بندہ برا بندہ ہے جسے نفسانی خواہش گمراہ کردے ۱۱؎ وہ بندہ برا بندہ ہے جسے خواہشیں ذلیل کر دیں ۱۲؎ (ترمذی،بیہقی شعب الایمان)اور بیہقی نے کہا کہ اس کی اسناد قوی نہیں ۱۳؎ ترمذی نے بھی کہا کہ یہ حدیث غریب ہے ۱۴؎	

۱؎ تخیل دل کا کام ہے یعنی اپنے کو بڑا جاننا اور اختیال جسم کا کام یعنی چال ڈھال میں اپنی بڑائی ظاہر کرنا۔اختیال کی بہت صورتیں ہیں:فقہاءکرام متکبروں کی رفتار،ان کی گفتار،ان کی بیٹھک،ان کے لباس سے منع فرماتے ہیں۔

۲؎ ہمیشہ اپنے سے نیچوں کو دیکھنے سے غرور پیدا ہوتا ہے،اپنے سے اوپر کو دیکھنے سے عجزو انکسار پیدا ہوتا ہے۔جب اپنی شان اچھی معلوم ہوتو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پر نظر کرو گے اپنے کو بہت نیچا پاؤ گے۔

۳؎ مظلومین پر زیادتی تجبر ہے اور غرباء و مساکین پر زیادتی اعتداء ہے یعنی اپنی حد سے آگے بڑھنا۔

۴؎ یعنی اسے یہ خیال نہ آوے کہ میرا رب مجھ سے زیادہ قوی اور قادر ہے اگر میں اس کی پکڑ میں آگیا تو کیسے چھوٹوں گا۔

۵؎ اپنی حقیقت کو بھول جانا سہو ہے اور غافل کرنے والی چیزوں میں مشغول ہوجانا لہو۔

۶؎ جو شخص اپنے انجام کو یاد رکھے تو ان شاءاللہ کبھی غافل نہ ہو۔انجام یاد دلانے والی چیز قبر ہے،یہ گردو غبار جو نالیوں میں پڑرہے ہیں صدہا بادشاہ وزراء امراء ہیں جو خاک بن کر اڑتے پھررہے ہیں۔

۷؎ یعنی نہ یہ خیال کرے کہ پہلے میں ایک قطرہ ناپاک تھا پھر کمزور بچہ اور آئندہ میں خاک میں مل کر خاک ہوجاؤں گا درمیان کی اس قوت و دولت پر غرور کرنا عقل کی بات نہیں۔شعر

تم شوق سے کالج میں پڑھو،پارک میں پھولو   جائز ہے جہازوں میں اڑو یا چرخ پہ جھولو

پر ایک سخن بندہ مسکین کا رکھو یاد   اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

۸؎ اس طرح کہ نیکوں کی سی شکل بنائے اچھے اعمال کرکے دکھائے تاکہ لوگ اس کے پھندے میں آجاویں اور وہ ان کو اپنے جال میں لے لے جیساکہ آج کل بہت ہورہا ہے۔یختل بنا ہے ختل سے بمعنی دھوکہ دینا،کسی کو فریب میں لے لینا،دنیا سے مراد دنیا والے ہیں۔

۹؎ اس طرح کہ وہ غلط تاویلوں سے حرام کھاتا ہو اور اسے حلال ثابت کرنے کی کوشش کرے،بدمعاش ہو مگر صالح بن کر لوگوں کے سامنے آئے اس طرح اپنا دین خراب کرلے۔

۱۰؎ یعنی دنیاوی لالچ خدا تعالٰی سے ہٹاکر مخلوق کے دروازوں پر پھرائے ہر جگہ ٹھوکریں کھلائے۔کسی نے امام شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھاکہ کیمیا کیا ہے،فرمایا دو باتیں کیمیا ہیں:اللہ پر نظر،مخلوق سے ناامیدی،قناعت نہ ختم ہونے والی دولت ہے۔اللہ تعالٰی قناعت نصیب کرے۔(مرقات)

۱۱؎ خواہش نفسانی طمع کا نتیجہ ہے۔طمع اور ہوٰی لازم ملزوم ہیں جب طمع ترقی کرجاتی ہے تو انسان بے دین بھی بن جاتا ہے،حب دنیا ہر برائی کی جڑ ہے۔

۱۲؎ یعنی دولت عزت کی غلط خواہش اسے در در پھرائے ٹھوکریں کھلائے۔خیال رکھو کہ دولت،عزت،ایمان،عرفان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کرم میں ہے ان کے ہوجاؤ جو مانگو سو پاؤ۔شعر

آنکس کہ درخویش براند   آن را کہ بخواند بہ درکس نہ دواند

اگر ہم ان کے ہوجاویں تو دنیا ہماری ہوجاوے۔اعلٰی حضرت نے فرمایا شعر

ان کے در کا جوا ہوا خلق خدا اس کی ہوئی   ان کے در سے جو پھرا اللہ اس سے پھر گیا

۱۳؎ کیونکہ اس کی اسناد میں ہاشم ابن سعید کوفی ہیں انہیں محدثین نے ضعیف مانا ہے مگر یہ حدیث طبرانی،بیہقی،حاکم نے بہت اسنادوں سے روایت کی ہے لہذا یہ حدیث حسن ہے کہ زیادہ اسنادوں سے ضعیف حدیث بھی قوی ہوجاتی ہے۔(مرقات)

۱۴؎ غرابت صحت کے خلاف نہیں لہذا یہ حدیث غریب بھی ہے صحیح بھی اگر ضعیف بھی ہو تب بھی فضائل اعمال میں قبول ہے۔(مرقاۃ)

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی بندے نے اللہ کے	

	نزدیک کوئی گھونٹ اس غصہ کے گھونٹ سے بہتر نہ پیا جسے بندہ اللہ کی رضا جوئی کے لیے پی لے ۱؎ (احمد)

۱؎ یعنی جو شخص مجبوری کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالٰی کی رضا جوئی کے لیے اپنا غصہ پی لے اور قادر ہونے کے باوجود غصہ جاری نہ کرے وہ اللہ کے نزدیک بڑے درجے والا ہے۔غصہ پینا ہے تو کڑوا مگر اس کا پھل بہت میٹھا ہے۔غصہ کو گھونٹ فرمایا کیونکہ جیسے کڑوی چیز بمشکل تمام گھونٹ گھونٹ کرکے پی جاتی ہے ایسے ہی غصہ پینا مشکل ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے اللہ تعالٰی کے اس فرمان کے متعلق کہ بھلائی کے ذریعہ دفع کرو،فرمایا وہ بھلائی کے غصہ کے وقت صبر ہے اور برائی کے وقت معافی ہے ۱؎ لوگ جب کریں گے تو اللہ تعالٰی ان کی حفاظت فرمائے گا اور ان کا دشمن ان کے سامنے پست ہوجاوے گا گویا وہ قریبی دوست ہے ۲؎ (بخاری تعلیقًا)

۱؎ یعنی اس آیت کریمہ میں **احسن** سے مراد صبر کرنا ہے،چونکہ صبر کرنا بدلہ لینے سے اچھا ہے اس لیے اسے **احسن** فرمایا گیا،نیز لوگوں کی برائی کو معاف کردینا سزا دینے سے افضل ہے اس لیے اسے بھی **احسن** کہا گیا مگر یہ اچھائی اپنے ذاتی معاملات کے متعلق ہے۔دینی قومی ملکی جرم کرنے والوں کو ہرگز معافی نہ دی جاوے،انہیں ضرور سزا دی جائے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور انور نے چور کو معاف نہ فرمایا۔

۲؎ یعنی ایسی معافی سے اللہ تعالٰی اسے اس کے احباب کو لوگوں کے شر سے بچائے گا اور اس کی عزت بڑھائے گا۔دیکھ لو یوسف علیہ السلام نے اپنے مجرم بھائیوں کو،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مجرموں کو معافیاں دیں تو اب تک اس کی دھوم مچی ہوئی ہے اور وہ لوگ ان کے تابعدار بن گئے،اخلاقی معافی اعلٰی چیز ہے مجبوری کی معافی بری ہے۔

	روایت ہے حضرت بہزابن حکیم سے ۱؎ وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غصہ ایمان کو ایسا بگاڑ دیتا ہے ۲؎ جیسے ایلوا(تمہ) شہد کو ۳؎

۱؎ آپ کا نام بہزا بن حکیم ابن معاویہ قشیری ہے،آپ تابعی ہیں،ثقہ ہیں۔

۲؎ غصہ اکثر کمال ایمان کو بگاڑ دیتا ہے مگر کبھی اصل ایمان کا ہی خاتمہ کردیتا ہے لہذا یہ فرمان عالی نہایت درست ہے اس میں دونوں احتمال ہیں۔

۳؎ ایلوا ایک کڑوے درخت کا جما ہوا رس ہے،سخت کڑوا ہوتا ہے،اگر شہد میں مل جاوے تو تیز مٹھاس اور تیز کڑواہٹ مل کر ایسا بدترین مزہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کا چکھنا مشکل ہوجاتا ہے،نیز یہ دونوں مل کر سخت نقصان دہ ہوجاتے ہیں،اکیلا شہد بھی مفید ہے اور اکیلا ایلوا بھی فائدہ مند مگر مل کر کچھ مفید نہیں بلکہ مضر ہے جیسے شہد و گھی

ملا کر کھانے سے برص کا مرض پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے،یوں ہی مچھلی اور دودھ،یعنی مؤمن کو ناجائز غصہ بڑھ جائے تو اس کا ایمان برباد ہوجانے کا اندیشہ ہے یا کمال ایمان جاتا رہتا ہے۔

روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آپ نے منبر پر فرمایا ۱؎ اے لوگو انکساری اختیار کرو ۲؎ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اللہ تعالٰی کے لیے انکسار و عجز کرتا ہے اللہ اسے اونچا کردیتا ہے ۳؎ تو وہ اپنے دل کا چھوٹا ہوتا ہے اور لوگوں کی نگاہ میں بڑا ۴؎ اور جو غرور کرتا ہے اللہ تعالٰی اسے نیچا کردیتا ہے تو وہ لوگوں کی نگاہ میں چھوٹا ہوتا ہے اور اپنے دل میں بڑا ۵؎ حتی کہ وہ لوگوں کے نزدیک کتے اور سوئر سے زیادہ ذلیل ہوتا ہے ۶؎	

۱؎ یعنی آپ نے کسی خاص شخص سے معمولی طریقہ سے نہ کہا بلکہ بہت اہتمام کے ساتھ برسر منبر اعلان فرمایا۔

۲؎ یعنی ہر مسلمان اپنے بھائی مسلمان کے ساتھ نرم رہے،رب تعالٰی مومنوں کی صفت یوں فرماتا ہے:"**اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ**"۔

۳؎ یہ قاعدہ بہت ہی مجرب ہے۔جو کوئی اپنے کو رضا الٰہی کے لیے مسلمانوں کے لیے نرم کردے،ان کے سامنے انکسار سے پیش آئے تو اللہ تعالٰی لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت پیدا فرمادیتا ہے اور اسے بڑی بلندی بخشتا ہے۔

۴؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا تعلیم فرمائی ہے:"**اللھم اجعلنی فی نفسی صغیرا وفی اعین الناس کبیرا**۔الٰہی مجھے میری اپنی نگاہ میں چھوٹا،لوگوں کی نگاہ میں بڑا بنادے۔حضرات اولیاء اللہ ہمیشہ اپنے کو عاجز و گنہگار سمجھتے اور لوگ ان کے آستانوں پر پیشانیاں رگڑتے ہیں۔شعر

بہر درش گیتی جبیں فرسودہ است　　　خویشتن راعبدہ فرمودہ است

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اپنے کو بندہ فرمایا،دنیا ان کے آستانے پر ماتھا ٹیکتی ہے آج حضور کے آستانہ کا غبار بھی قیمتی ہے۔

۵؎ جیساکہ آج بھی دیکھا جارہا ہے کہ بعض لوگ شیخی کے مارے اکڑے جاتے ہیں،لوگ انہیں گالیاں دیتے ہیں،انہیں برائی سے یاد کرتے ہیں،دیکھ لو ابلیس اپنے آپ کو بہت ہی اونچا سمجھتا ہے مگر دنیا اس پر لعنت و پھٹکار کررہی ہے،یہ ہے اس فرمان عالی کا ظہور۔

۶؎ لوگوں کی نگاہ میں اس کی یہ ذلت اس کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالٰی کے ہاں بھی ذلیل ہے مؤمنوں کی نگاہ میں ذلت مردودیت کی دلیل ہے۔خدا کی پناہ!

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب تیرے نزدیک تیرے بندوں سے کون زیادہ عزت والا ہے فرمایا کہ جب قدرت پائے بخش دے ۱؎

۱؎جو قدرت پاکر بخش دے وہ سنیت الٰہیہ پر عمل کرتا ہے،اللہ تعالٰی قادر ہے مگر غفور رحیم ہے،ہمارے گناہ بخشتا رہتا ہےاور بخشے گا۔خیال رہے کہ گناہ قابل بخشش ہیں نہ کہ غداری کہ غداری قابلِ بخشش نہیں اس لیے رب تعالٰی انہیں نہ بخشے گا جو کفر پر مرجائیں،یوں ہی ہم اپنے مجرموں کو ضرور بخشیں مگر دین،قوم،ملک کے دشمن کو ہرگز نہ بخشیں۔

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنی زبان کی حفاظت کرے اللہ تعالٰی اس کے عیب چھپالے گا ۱؎ اور جو اپنا غصہ روکے اللہ تعالٰی اس سے قیامت کے دن اپنا عذاب روک لے گا ۲؎ اور جو اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں معذرت کرے اللہ تعالٰی اس کے عذر قبول کرلے گا ۳؎

۱؎اس فرمان کے دو۲ مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ جو اپنی زبان سے لوگوں کے عیوب بیان نہ کرے اوروں کے عیوب چھپاوے تو اللہ تعالٰی اس کے عیوب دنیا و آخرت میں چھپادے گا۔دوسرے یہ کہ اکثر خاموش رہے تو اس کے عیوب چھپے رہیں گے،عیب و ہنر زبان سے ہی ظاہر ہوتے ہیں۔شعر

تامرد سخن نہ گفتہ باشد　　　عیب و ہنرش نہفتہ باشد

۲؎یعنی اس پر غضب نہ فرمائے گا جیسا عمل ویسا بدلہ۔

۳؎اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ جو اللہ کے لیے دوسرے مجرموں کے عذر قبول کرکے انہیں معافی دے دے گا رب تعالٰی اس کی توبہ قبول فرمائے گا اس کو معافی دے گا۔دوسرے یہ کہ بڑے سے بڑا مجرم اگر توبہ کرے تو بخش دیا جاوے گا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں نجات دینے والی ہیں ۱؎ اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی لیکن نجات دینے والی تو وہ اللہ سے ڈرنا ہے خفیہ اور علانیہ ۲؎ اور سچی بات کہنا ہے خوشی اور ناخوشی میں اور درمیانی چال ہے امیری اور فقیری ۳؎ میں لیکن ہلاک کرنے والی چیزیں تو وہ نفسانی خواہش ہے جس کی پیروی کی جائے ۴؎ اور بخل ہے جس کی اطاعت ہو ۵؎ اور انسان کا اپنے کو اچھا جاننا ۶؎ یہ

ان سب میں سخت تر ہے ۷؎ان پانچوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔	

۱؎یعنی نجات چھٹکارا اور سبب تین چیزیں ہیں۔

۲؎یعنی لوگوں کے سامنے اور خلوت ہر حالت میں نیک کام کرے اور اللہ سے ڈرے،اللہ کا ڈر تمام نیکیوں کی جڑ ہے اللہ نصیب کرے۔

۳؎یعنی ہر حالت میں سچ بولے،غصہ اور خوشی اسے حق گوئی سے باز نہ رکھے اور اپنا خرچ درمیانہ رکھے نہ بخل کرے نہ فضول خرچی۔کمانا ایک کمال ہے اور صحیح خرچ کرنا پچاس کمال،درمیانی چال ہمیشہ ہی مفید ہے۔

۴؎کہ جو دل چاہے وہ کرے،جائز اور ناجائز کا خیال نہ کرے،اس کی باگ دوڑ نفس امارہ کے ہاتھ میں ہو،ظاہر ہے کہ ایسا شخص ہلاک ہی ہوگا۔

۵؎پرایا مال ناحق کھانا،اپنے ذمہ جو حقوق ہوں وہ ادا نہ کرنا،گناہ میں مشغول رہنا یہ سب بخل کی اطاعت ہی سے ہوتا ہے،بخل کا نتیجہ حرص ہے۔(مرقات)

۶؎یعنی کسی کی بات نہ ماننا خواہ کتنی اچھی ہو،اپنی بات ہی منوانا خواہ کتنی ہی بری ہو،اپنے کو کامل سمجھنا دوسروں کو ناقص جاننا یہ بھی تکبر کی ایک قسم ہے۔

۷؎کیونکہ ہر عیب سے پاک ہونا ہر خوبی سے موصوف ہونا اللہ تعالٰی کی صفت ہے،جو اپنے کو ایسا سمجھے وہ اپنے کو خدا کا ہمسر سمجھتا ہے،ہم سب عیب دار ہیں بے عیب ذات اللہ تعالٰی کی ہے یا اس کی جسے بے عیب بنادے جیسے فرشتے یا حضرت انبیاء علیہم السلام یا بعض اولیائے کرام۔

باب الظلم

ظلم کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ظلم کے لغوی معنی ہیں اندھیرا تاریکی،اس سے ہے ظلمت اور ظلمات۔اصطلاح میں ظلم کے تین معنی ہیں:کسی کا حق مارنا،کسی کو غیر محل میں خرچ کرنا،کسی کو بغیر قصور کے سزا دینا۔اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ہم کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتے۔یہاں ظلم سے مراد ہے بے قصور کو سزا دے دینا۔سیدنا عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی ساری دنیا کو دوزخ میں ڈال دے تو وہ ظالم نہیں،یہاں ظلم کے پہلے دو معنی سے کوئی معنی مراد ہیں۔عارفین فرماتے ہیں اللہ تعالٰی نے ہم کو دل بخشا ہے اپنا ذکر اپنی فکراپنی محبت کے لیے،جو کوئی اپنا دل اس کے علاوہ کسی کام میں صرف کرے وہ اپنے پر ظلم کرتا ہے۔ایک صوفی فرماتے ہیں شعر

عليك بها صرفا وان شئت ضربها　　　　فعدلك عن ظلم الحبيب هو الظلم

ظلم کی بہت سی قسمیں ہیں یہاں ہر قسم کا ظلم مراد ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظلم قیامت کے دن تاریکیاں تاریکیاں ہوگا۱(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی ظلم خواہ کسی قسم کا ہو قیامت میں اندھیروں کا باعث بنے گالہٰذا انصاف و عدل قیامت میں ان شاءاللہ تعالٰی نور کا سبب بنے گا۔دنیا آخرت کی کھیتی ہے جو کچھ بوؤ گے وہی کاٹو گے،یہ حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔کفر و شرک بھی ظلم ہے،گناہ و بدکاری بھی ظلم،کسی کو ستانا بھی ظلم،ان کے درجے مختلف ہیں۔بدترین ظلم کفر و شرک ہے،اس کے بعد دوسروں کا حق مارنا،اس کے علاوہ حقوق اللہ میں کوتاہی کرنا جیسا ظلم ویسی قیامت میں تاریکی"ظُلُمٰتٌۢ بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍ"اللہ تعالٰی ظلم سے بچائے۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ ظالم کو مہلت دیتا ہے حتی کہ جب اسے پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۱پھر یہ آیت تلاوت کی آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہے جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے حالانکہ وہ بستیاں ظالم ہوں۲(مسلم،بخاری)

۱؎یہاں ظالم میں تین احتمال ہیں:یا اس سے مراد لوگوں کے حقوق مارنے والا ہے یا مراد مطلقًا گنہگار یا کافر،پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔وہ بندہ خوش نصیب ہے جو پہلے گناہ پر ہی پکڑا جائے،وہ بہت ہی بدنصیب ہے جس کو گناہ پر نعمتیں ملتی رہیں۔گناہ پر جلدی پکڑ نہ ہونا رب تعالٰی کا غضب ہے کہ انسان اس سے دھوکہ کھا جاتاہے۔

تو مشو مغرور برحلم خدا دیر گیرد سخت گیر مر ترا

۲؎اس آیت کریمہ میں بستیوں سے مراد ان کفار کی بستیاں ہیں جن پر عذاب الٰہی آیاکہ وہاں کے باشندوں کو اولًا بہت ڈھیل دی گئی۔پھر ہلاک کردیئے گئے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مقامِ حجر میں گزرے ۱؎تو فرمایاظالموں کے گھروں میں نہ داخل ہوجنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا مگر اس طرح جاؤ کہ تم اس خوف سے روتے ہوکہ تم کو بھی وہ عذاب پہنچے ۲؎جو انہیں پہنچاپھر اپنا سر جھکا لیا اور رفتار تیز فرمائی حتی کہ اس علاقے کو طے کرلیا۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎حجر وہ جگہ ہے جہاں صالح علیہ السلام کی قوم یعنی قوم ثمود آباد تھی،یہ جگہ تبوک جاتے ہوئے راستہ میں پڑی اور یہ واقعہ غزوہ تبوک کا ہےوہاں عذاب الٰہی آیا تھااب اس کے کھنڈرات موجود تھے۔

۲؎معلوم ہوا کہ جہاں عذابِ الٰہی آچکا ہو وہاں جانا نہ چاہیےکہ وہاں اللہ کی لعنت برس رہی ہےکہ تم بھی اسمیں گرفتار نہ ہوجاؤ۔اس سے پتہ چلا کہ جہاں اللہ کی رحمتیں آچکی ہوں وہاں ضرور جانا چاہیےکہ وہاں اب بھی نزول انوار ہےتم بھی اس میں کچھ پالو،مثلًا صفامروہ پہاڑیاں،منیٰ مزدلفہ،عرفات،یوں ہی حضرات اولیاء اللہ کے آستانے تا قیامت انوار الٰہی کے مقامات ہیں۔

۳؎قوم ثمود کے کنویں کا پانی پینے سے بھی حضور نے منع فرمادیابلکہ جن لوگوں نے اس پانی سے آٹا گوندھ لیا تھاان کا گوندھا ہوا آٹا بھی پھنکوادیا۔اس سے پتہ لگا کہ مکین کا اثر مکان میں ہوتا ہے،یوں ہی بندوں کا اثر زمانہ میں ہوجاتا ہے۔جس جگہ یا جس وقت اللہ کے مقبول بندے نے عبادت کی ہووہ جگہ وہ وقت قبولیت کے ہوجاتے ہیں۔سرکار دو عالم فرماتے ہیں کہ شہر میں بہترین جگہ مسجدیں ہیں اور بدترین جگہ بازار ہیں،اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اچھے برے لوگوں کی صحبت میں تاثیر ہے۔(مرقات)مصر میں فرعون پر عذاب نہ آیالہٰذا وہاں رہنا ممنوع نہیں،طوفان نوح کفار کے لیے عذاب تھا مگر مؤمنوں کے لیے رحمت لہٰذا اس کا حکم کچھ اور ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کا اپنے بھائی مسلمان پر کوئی ظلم ہو اس کی آبرو کا یا کسی اور چیز کا ۱؎ وہ اس سے آج ہی معافی لے لے۲؎اس سے پہلے کہ

	اس کے پاس نہ دینار ہو نہ درہم۳؎ اگر اس ظالم کے پاس نیک عمل ہوں گے تو بقدر ظلم اس سے چھین لیے جائیں گے۴؎ اور اگر اس کے نیکیاں نہ ہوں گی ۵؎ تو اس مظلوم کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے ۶؎(بخاری)

۱؎ یعنی جس نے اپنے بھائی مسلمان کی ناحق بے آبروئی کی ہو یا اس کا مال مارا ہو یا ناحق دبایا ہو یا کسی اور طرح کا اس پر ظلم کیا ہو۔

۲؎ یعنی اپنی اور اس کی موت سے پہلے اس سے معافی لے لے،آج سے مراد دنیا کے دن ہیں۔معافی مانگنے کی چند صورتیں ہیں:(۱)قرض ہو تو ادا کردے(۲)اسے مارا پیٹا ہو تو قصاص دیدے یا ان تمام سے معافی مانگ لے اور وہ بخوشی معافی کردے(۳)اگر قرض خواہ مرگیا ہو تو اس کے وارثوں کو قرض ادا کردے(۴)اور اگر وارث معلوم نہ ہوں تو اسکے نام پر خیرات کر دے(۵)مرحوم کے لیے ہمیشہ دعائے مغفرت کرتا رہے،اسے ثواب ایصال کرتا رہے مگر اس آخری صورت میں معافی کی امید ہے یقین نہیں۔بہتر یہی ہے کہ خود اس سے معافی مانگے بلکہ یہ کوشش کرے کہ کسی کا حق نہ مارے۔

۳؎ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو روپیہ پیسہ خرچ کرکے معافی ہوسکتی ہے مگر قیامت میں یہ صورت ناممکن ہے،وہاں نہ تو کسی کے پاس مال ہوگا اور نہ مال کے ذریعہ معافیاں حاصل ہوں گی۔

۴؎ اور مظلوم کے نامہ اعمال میں لکھ دیئے جائیں گے جیسے ظالم کے صدقات خیرات وغیرہ شامل ہیں کہ تین پیسہ قرضے کے عوض مقروض کی سات سو۷۰۰ نمازیں قرض خواہ کو دلوادی جائیں گی،نمازیں بھی وہ جو باجماعت ادا کی ہوں۔اگر قرض خواہ کافر ہے تو اس کا عذاب ہلکا کردیا جائے گا یا اس کے گناہ اس ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے۔

۵؎ یا اس طرح کہ ظالم کے پاس نیکیاں ہوں ہی نہیں یا اس طرح کہ نیکیاں تو تھیں مگر حقوق والے لے گئے،اس کے پاس سے ختم ہوگئیں مگر حقوق باقی رہے۔

۶؎ یا تو اس طرح کہ مظلوم کے گناہ جسمانی شکل میں ہوں اور ظالم پر لاد دیئے جاویں یا ان گناہوں کے عوض ظالم کو سزا دے دی جاوے اور مظلوم کو نجات۔خیال رہے کہ کوئی شخص قیامت میں کسی کا گناہ خود خوشی سے نہ اٹھائے گا لیکن اگر رب تعالیٰ کی طرف سے جبرًا ڈال دیا جائے تو انکار بھی نہ کرسکے گا۔اس حدیث کی تائید اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے"وَ لَیَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَہُمۡ وَ اَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِہِمۡ"۔حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل و توجیہ کی ضرورت نہیں اور اس آیت کے خلاف نہیں کہ"لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی"اور نہ اس کے خلاف ہے"وَمَا ہُمۡ بِحٰمِلِیۡنَ مِنۡ خَطٰیٰہُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ"نہ اس کے خلاف ہے لَیۡسَ لِلۡاِنۡسٰنِ اِلَّا مَا سَعٰی"نہ اس

کے خلاف ہے"لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ"کہ ان آیات میں بخوشی دوسرے کے گناہ اٹھانے کی نفی ہےورنہ اس آیت و حدیث میں جبرًا ڈال دیئے جانے کا ثبوت ہے۔

روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مفلس و کنگال کون ہے۱؎ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم میں مفلس وہ ہے کہ جس کے پاس نہ درہم ہوں نہ سامان ۲؎ تو فرمایا میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نمازروزے زکوۃ لے کر آیا۳؎ اور یوں آئے کہ اسے گالی دی،اسے تہمت لگائی،اس کا مال کھایا،اس کا خون بہایا،اسے مارا۴؎ تو اس کی نیکیوں میں سے کچھ اس مظلوم کو دے دی جاویں اور کچھ اس مظلوم کو ۵؎ پھر اگر اس کے ذمہ حقوق کی ادائیگی سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہوجاویں ۶؎ تو ان مظلوموں کی خطائیں لے کر اس ظالم پر ڈال دی جاویں ۷؎ پھر اسے آگ میں پھینک دیا جائے ۸؎(مسلم)

۱؎ یہاں مفلس سے مراد کامل پورا پور اغریب ہے یا وہ جو بظاہر غنی معلوم ہوتا ہو مگر حقیقتًا مفلس ہو۔

۲؎ یعنی ہم لوگ اپنے محاورہ و اصطلاح میں مفلس اسے کہتے ہیں جس کے پاس مال نہ ہو۔بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال حقیقت پر مبنی ہے صحابہ کرام کا جواب عرف پر ہے۔

۳؎ یعنی نیک اعمال سے بھرپور آئے مالی بدنی ہر طرح کی نیکیاں اس کے پاس ہوں۔خیال رہے کہ دنیا کی تونگری مال سے ہے آخرت کی تونگری اعمال سے۔مرقات نے فرمایا کہ یہاں اعمال سے مراد مقبول نیکیاں ہیں جو شرعًا درست ہوں اور عنداللہ قبول ہوں۔

۴؎ خیال رہے کہ تقویٰ کے دو بازو ہیں: ایک بلکہ پہلا بازو ہے بری چیزوں خصوصًا لوگوں کی حق تلفی سے بچنا، دوسرا بازو ہے نیک اعمال کرنا۔یہ نفی ہے اور اثبات کا مجموعہ تقویٰ ہے۔اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ گنہگار بھی حضور کا امتی ہے کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امتی فرمایا۔دوسرے یہ کہ گنہگاروں کی نیکیاں بھی قبول ہوسکتی ہیں،ہاں نیکیوں کا بقا اس سے ہے کہ اس نے کسی کے حق نہ مارے ہوں۔

۵؎ اس طرح کہ اس ظالم کی کچھ نیکیاں قرض خواہ لے لیں کچھ دوسرے مظلوم لوگ،یہ لائے سب کچھ مگر بچے کچھ نہیں۔

۶؎ تفسیر روح البیان نے ایک جگہ فرمایا کہ اللہ تعالٰی اپنے فضل و کرم سے نیکیوں میں اضافہ فرماتا ہے کہ ایک کا ثواب دس سے لے کر سات سو تک بعض کا اس سے بھی زیادہ۔یہ چھین لیا جانا اس زیادتی میں ہوگا اصل ایک نیکی

بھی نہ چھنے گی،یونہی روزہ قرض دار کو نہ دیا جاوے گاکہ فرمایا جاوے گا**الصوم لی وانا اجزی بہ** روزہ میرا ہےاور میں ہی اس کا عوض ہوں۔

۷؎اس سے معلوم ہوا کہ حقوق العباد میں شفاعت نہ ہوگی جب تک کہ صاحب حق معاف نہ کردے۔(مرقات)

۸؎بقیہ قرضوں کے عوض۔اس سے معلوم ہوا کہ قرض بلکہ سارے حقوق العباد کی نہ معافی ہےنہ شفاعت،بغیر صاحب حق کے معاف کئے معاف نہیں ہوتے۔(مرقات)حدیث کا مقصد یہ ہے کہ روپیہ پیسہ کی مفلسی عارضی ہے جو موت آنے پر بلکہ کبھی زندگی میں ہی دولت مل جانے پر ختم ہوجاتی ہے،یہ مفلسی وہ ہے جو مرے بعد بھی ختم نہیں ہوتی۔ابھی عرض کیا گیا کہ اصل نیکی اہل حقوق کو نہ دی جائے گی بلکہ وہ زیادتیاں جو رب کے فضل سے ملی ہیں،روزہ کی اصل کسی کو نہ دی جاوے نہ زیادتی،اہل حقوق کے گناہ ظالم پر ڈالنا عین عدل ہے،دنیا میں مقروض کا مکان،سامان اہلِ حقوق کو دے دیئے جاتے ہیں وہاں اگر ایسا ہوتو مضائقہ نہیں۔خیال رہے کہ یہاں سیئات سے مراد برے عقائد نہیں بلکہ برے اعمال ہیں وہ بھی صغیرہ لہذا اگر کسی مسلمان پر کافر کا قرض رہ گیا تو اس کا کفر یا زنا،چوری وغیرہ اس پر نہ ڈالی جاوے گی۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگ حقوق حق والوں کے سپردکرو گے قیامت میں ۱؎حتی کہ منڈی بکری کا سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جاوے گا ۲؎(مسلم)حضرت جابر کی حدیث **اتقوا الظلم باب الانفاق** میں ذکر کی جاچکی ہے۳؎	

۱؎یعنی اگر دنیا میں تم نے لوگوں کے حقوق ادا نہ کیے تو لامحالہ قیامت میں ادا کرو گے۔دنیا میں مال سے وہاں اعمال سے بہتر ہے کہ یہاں ہی ادا کردوورنہ پچھتاؤ گے۔

۲؎یعنی اگر دنیا میں سینگ والی بکری نے منڈی یعنی بے سینگ والی بکری کو سینگ گھونپا تو قیامت میں اس کے سینگ منڈی بکری کو دے دیئے جائیں گےاور وہ اس کے عوض میں سینگ گھونپے گی یہ عوض تکلیف کا نہیں کیونکہ جانور شرعی احکام کے مکلّف نہیں بلکہ عوض مقابلہ کا ہے۔بہرحال حقوق العباد میں نبی کی شفاعت نہیں،حقوق العباد کی معافی رب کی طرف سے نہیں،حقوق العباد جانوروں کو بھی اداکرنے ہوں گےآج لوگوں نے یہ ہی آسان سمجھ رکھے ہیں ۔

۳؎یعنی مصابیح میں وہ حدیث مکرر تھی،**کتاب الزکوۃ باب الانفاق** میں تھی اور یہاں بھی،ہم نے صرف وہاں ایک جگہ بیان کی یہاں بیان نہیں کی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت حذیفہ سےفرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ	

	صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگ تابع نقال نہ بنو اِکہ کہو اگر لوگ بھلائی کریں گے تو ہم بھی بھلائی کریں گے اور اگر لوگ ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے ۲؎ لیکن اپنے نفس کو قرار دو کہ لوگ بھلائی کریں تو تم بھی بھلائی کرواور اگر لوگ برائی کریں تو تم ظلم نہ کرو(ترمذی)

ا؎امعہ الف کے کسرہ میم کے شد سے ہے۔امعہ وہ شخص ہے جس کی خود اپنی رائے کچھ نہ ہو،جو دوسروں کو کرتے دیکھے خود بھی کرنے لگے یعنی دوسروں کا مقلد۔(ت)مبالغہ کی ہے تانیث کی نہیں اس لیے امعہ عورت پر نہیں بولا جاتا مرد کو کہا جاتا ہے۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎یہ فرمان عالی لفظ امعہ کی شرح ہے۔خیال رہے کہ ظلم کی سزا ظالم کو دینا ظلم نہیں یہ تو اچھا ہے،ہاں ظلم کے عوض ظالم پر ظلم کرنا برا ہے مثلًا چور کے گھر سے اس کا مال چرالینا،جو زید کی بیوی سے زنا کرے تو زید اس زانی کی بیوی سے زنا کرے یہ حرام ہے۔چور کے ہاتھ کاٹنا،زانی کو سنگسار کرنا یہ ہے ظلم کی سزا یہ تو اچھی چیز ہے لہذا حدیث واضح ہے۔ظالم کو سزا اور ظالم پر ظلم کرنے کا فرق ابھی عرض کیا گیا۔یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ ظالم کو قانون سے زیادہ سزا دینا بھی ظلم ہےاوریہ بھی حرام ہے،اگر چور کے بجائے ایک ہاتھ کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے جاویں یا اسے قتل کردیا جاوے تو یہ ظلم ہے،ظالم پر بھی ظلم کرنا حرام ہےاس کی بھی پکڑ ہے۔

	روایت ہے حضرت معاویہ سے ا؎کہ انہوں نے حضرت عائشہ کو لکھا کہ آپ مجھے خط لکھیں جس میں مجھے وصیت کریں اور زیادہ نہ کریں ۲؎آپ نے انہیں لکھا کہ تم پر سلام ہو بعد اس کے کہتی ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اللہ تعالٰی کی خوشنودی لوگوں کی ناراضی سے کفایت کرے گا اللہ اسے لوگوں کی مصیبت سے بچائے گا۳؎اور جو کوئی خوشنودی اللہ کی ناراضی سے تلاش کرے گا۴؎تو اللہ اسے لوگوں کے حوالے کردے گا ۵؎السلام علیک ۶؎(ترمذی)

ا؎معاویہ سے مراد حضرت امیر معاویہ بن سفیان ہیں رضی اللہ عنہما،آپ خود اور آپ کے والد دونوں مشہور صحابی ہیں،شاید آپ نے یہ خط اپنی حکومت کے زمانہ میں اپنے دارالخلافہ دمشق سے ام المؤمنین کی خدمت میں لکھا۔

۲؎یعنی جامعہ نصیحت فرمادیں کیونکہ آپ اہلِ بیت نبوت سے ہیں کلمات جامعہ آپ کے ہاں کی خصوصیت ہے مجھے بھی اس سے حصہ دیں۔

۳؎ یعنی جو مسلمان اللّٰہ کی رضا کے لیے لوگوں کی ناراضگی کی پرواہ نہ کرے تو اگرچہ لوگ اس سے ناراض ہوجاویں مگر ان شاءاللّٰہ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے،اللّٰہ تعالٰی اسے لوگوں کے شر سے بچائے گا،یہ عمل بہت ہی مجرب ہے جس کا اب بھی تجربہ ہورہا ہے۔

۴؎ یعنی ایک کام سے لوگ تو خوش ہوتے ہوں مگر وہ شرعًا حرام ہو،یہ شخص لوگوں کی خوشنودی کے لیے وہ کام کرے،اللّٰہ تعالٰی کی ناراضی کی پرواہ نہ کرے وہ انہیں لوگوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوگا جن کی خوشنودی کے لیے اس نے یہ حرکت کی۔

۵؎ پھر وہی لوگ اس خوشامدی آدمی کو ہلاک یا ذلیل و خوار کردیں گے جنہیں خوش کرنے کو اس نے اپنے رب کو ناراض کرلیالہٰذا سب کو راضی کرنے کے لیے رب کو ناراض نہ کرو،کسی کی خوشنودی کے لیے گناہ یا کفر یا شرک نہ کرو۔

۶؎ اس سے معلوم ہوا کہ سنت یہ ہے کہ خط کے اول و آخر میں سلام لکھا جاوے درمیان میں مضمون کو، جناب ام المؤمنین نے یہاں ایسا ہی کیا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے نہ ملایا ۱؎ تو یہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے صحابہ پر گراں گزری ۲؎ انہوں نے عرض کیا یارسول اللّٰہ ہم میں سے کون ہے کہ جس نے اپنے پر ظلم نہ کیا ہو ۳؎ تو رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مراد نہیں ظلم تو شرک ہے ۴؎ کیا تم نے لقمان کا فرمان اپنے فرزند سے نہ سنا کہ اے میرے بچے شریک نہ ٹھہرا بے شک شرک بڑا ظلم ہے ۵؎ اور ایک روایت میں ہے کہ جو تم سمجھتے ہو وہ مراد نہیں یہ تو ایسا ہے جیسا لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا ۶؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ مشرکین عرب اپنا خالق رازق رب تعالٰی کو جانتے مانتے تھے مگر پرستش بتوں کی بھی کرتے تھے اور حج و عمرہ کے تلبیہ میں کہتے تھے لا شريك لك الا شريك واحدا،یہ آیت کریمہ ان کی تردید کے لیے نازل ہوئی یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔

۲؎ اس لیے کہ وہ حضرات سمجھے کہ یہاں ظلم سے مراد گناہ ہے اور آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ امن و ہدایت اسے ملے گی جو ایمان لاکر کبھی گناہ نہ کرے،تو سمجھے کہ ایسا شخص دنیا میں کون ہوگاجو کبھی گناہ نہ کرے۔قرآن مجید میں شرک و کفر کو ظلم کہا گیا ہے،گناہ کبیرہ کو بھی،گناہ صغیرہ کو بھی اور بھول و خطا کو بھی جیسے حضرت یونس علیہ السلام کا عرض کرنا"اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ"۔

۳؎ یعنی ہم مسلمانوں میں گناہ سے کوئی نہ بچا ہوگا۔خیال رہے کہ حضرات صحابہ کرام معصوم نہیں مگر عادل ہیں کہ ان سے بعض حضرات گناہ نہیں کرتے اور بعض سے گناہ ہوجاتا ہے مگر اس پر قائم نہیں رہتے۔

۴؎ مطلب یہ ہے کہ **بظلم** کی تنوین تعظیمی ہے اور معنے یہ ہیں کہ بڑے گناہ یعنی شرک سے اپنا ایمان مخلوط نہ کریں۔خیال رہے کہ یہاں شرک سے مراد کفر ہے کفر عام ہے اور شرک خاص بلکہ قرآن و حدیث میں اکثر شرک سے مراد کفر ہوتا ہے،چونکہ عرب میں شرک ہی مروج تھا اس لیے آیات و حدیث میں اکثر فرمایا جاتا ہے۔

۵؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی تفسیر خود قرآن مجید سے فرمادی۔قرآن کریم ایک جگہ مشرکین عرب کا حال یوں بیان فرماتاہے:"وَمَا یُؤۡمِنُ اَکۡثَرُہُمۡ بِاللہِ اِلَّا وَہُمۡ مُّشۡرِکُوۡنَ"۔خیال رہے کہ ان جیسی آیات میں ایمان سے مراد لغوی ایمان ہے یعنی ماننا شرعی ایمان مراد نہیں لہذا حدیث شریف یا ان آیات پر اعتراض نہیں کہ شرک و ایمان تو ضدیں ہیں پھر جمع کیسے ہوگئے،کفار عرب مشرک ہوکر مؤمن باللہ کیسے بن گئے یہ حدیث بالکل صاف ہے۔

۶؎ خیال رہے کہ اللہ کے مقبول بندوں کو شفیع یا حاجت روایا مشکل کشا ماننابوقت ضرورت انہیں مدد کے لیے پکارنا شرک نہیں،یہ چیزیں تو قرآنی آیات و احادیث صحیحہ اور عمل صحابہ رضی اللہ عنھم سے ثابت ہیں بلکہ کسی بندے کو خدا کے برابر یا خدا کو بندہ کے برابر ماننا بھی شرک ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ"اور فرماتاہے:"اِذۡ نُسَوِّیۡکُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ"۔اس کی نفیس تحقیق ہمارے رسالہ اسلام کی چار اصولی اصطلاحوں میں مطالعہ فرماؤ۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں بدترین درجہ والا قیامت کے دن وہ بندہ ہے جو دوسروں کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت برباد کردے ۱؎(ابن ماجہ)

۱؎ یہ اس طرح کہ دوسرے کو ناجائز طریقہ سے دنیا کما کردے،دنیا اس کی بڑھائے آخرت اپنی برباد کرے جیسا کہ ظالم حکام رعایا پر ظلم کرکے ناجائز ذریعوں سے بادشاہ کے خزانے بھرتے ہیں یا اس طرح کہ کسی دنیادار کی ناجائز تعظیم و توقیر کرکے خود گنہگار ہوا کرے جیساکہ خوشامدی لوگوں کا طریقہ ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ

	صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دفتر تین قسم کے ہیں ۱ ایک وہ دفتر جسے اللہ نہ بخشے گا وہ اللہ کا شریک ٹھہرانا ہے ۲ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ اللہ نہ بخشے گا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جاوے ۳ اور ایک وہ دفتر ہے جسے اللہ چھوڑے گا نہیں ۴ وہ بندوں کے آپس کے ظلم ہیں حتی کہ بدلہ لے گا ان کے بعض کا بعض سے ۵ اور ایک دفتر وہ ہے جس کی اللہ تعالٰی پرواہ نہیں کرتا وہ بندوں کا اپنے اور اللہ کے درمیان حق تلفی ہے ۶ تو یہ اللہ کے سپرد ہے اگر چاہے اسے سزا دے اور اگر چاہے تو اس سے درگزر فرماوے گے

۱ یعنی بندوں کے گناہوں کے دفتر ان کے نامہ اعمال تین طرح کے ہیں۔دیوان کا ترجمہ ہے رسالہ جس کے جمع کرنے سے کتاب بن جاوے،اس کی جمع ہے دواوین۔

۲ یہاں بھی شرک سے مراد کفر ہے یعنی جو بندہ کفر کرکے بغیر توبہ مرجاوے وہ بخشا نہ جاوے گا،آخرت کی بخشش مراد ہے،دنیا میں توبہ کرنے سے شرک و کفر وغیرہ سب معاف ہوجاتے ہیں،حضور انور نے تمام مشرکوں کو ہی کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا تھا۔

۳ اس طرح کفر بھی نہ بخشا جاوے گا،ہوسکتا ہے کہ یہاں شرک سے مراد کفر ہو۔خیال رہے کہ کفار کے دوسرے گناہ معاف بھی ہوسکتے ہیں اور ان کا عذاب ہلکا بھی ہوسکتا ہے جیسے حاتم طائی سخاوت کی وجہ سے،نوشیراں انصاف کی وجہ سے اور ابو طالب حضور کی خدمت کی وجہ سے ہلکے عذاب میں ہیں حتی کہ ابو لہب کو دو شنبہ کے دن عذاب ہلکا کیا جاتا ہے اور اسے انگلی سے پانی ملتا ہے جیساکہ احادیث میں ہے مگر شرک و کفر کی بخشش یا کافر کا جنت میں داخلہ یہ ناممکن ہے۔

۴ ان کا حساب مطالبہ ضرور کرے گا نہ بخشے اور نہ چھوڑنے میں فرق ہے۔

۵ بندوں پر ظلم خواہ جانی ہو خواہ مالی خواہ عزت و آبرو کے بہرحال حساب ضرور ہوگا۔اس کے قصاص جاری ہونا رب تعالٰی کا عدل ہے۔مظلوموں سے ظالم کو معافی دلوادینا اس کا فضل،حقوق العباد کے لیے نہ شفاعت ہے نہ رب تعالٰی کی معافی۔

۶ یعنی عبادات میں کوتاہی کرنا اس کا حساب ہو یا نہ ہو،پکڑ ہو یا نہ ہو یہ رب تعالٰی کے عدل و فضل پر موقوف ہے وہ بے پرواہ بادشاہ ہے۔

ے خواہ بقدر گناہ سزا دے یا اس سے کم اور درگزر کی کئی صورتیں یا حساب لے کر معاف فرمادے یا حساب بھی نہ لے،اگر دریائے رحمت جوش میں آجاوے تو گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرمادے"فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ"۔شعر

گنہگار پہ جب لطف آپ کا ہوگا　　　کیا بغیر کیا ہے کیا کیا ہوگا

روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو[1] وہ اللہ سے اپنا حق مانگتا ہے اور اللہ کسی حق والے کا حق اس سے نہیں روکتا[2]	

[1] مظلوم کافر ہو یا مسلمان فاسق ہو یا پرہیزگار،بددعا خواہ زبان سے ہو یا دل سے خواہ آنکھوں کے آنسوؤں سے ہو صبر کا گھونٹ پی جانے سے ان سب سے ہی بچو۔

[2] یعنی مظلوم جو رب سے فریاد کرتا ہے تو اپنا حق مانگتا ہے۔رب تعالٰی کے ہاں ظلم نہیں وہ عادل بادشاہ ہے ہر حق والے کو اس کا حق دلواتا ہے خواہ جلدی یا دیر سے،دوسرے کا حق سخت ہڈی ہے کہ اگر نگل لی جاوے تو پیٹ پھاڑ ڈالتی ہے۔شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شعر

مزد بردن استخوان درشت　　　لے شکم بدرد چوں بگیرد اندر ناف

بہت دفعہ ہماری دعائیں یا بزرگوں کی ہمارے لیے دعائیں اس لیے قبول نہیں ہوتی کہ ہم نے لوگوں کے حق مارے یا دبائے ہوئے ہیں ان کی یہ دعائیں پیچھے پڑی ہوتی ہیں۔

روایت ہے اوس بن شرحبیل سے[1] کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو کوئی ظالم کے ساتھ اسے قوت دینے کو چلے[2] حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا[3]	

[1] آپ صحابی ہیں،شام میں رہتے تھے،آپ کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔خیال رہے کہ یہ اور صحابی ہیں اور حضرت شرحبیل بن اوس دوسرے صحابی ہیں جو حمص کے رہنے والے ہیں۔یہ حدیث اوس بن شرحبیل سے مروی ہے،صحابی کے حالات معلوم نہ ہونا مضر نہیں کہ سارے صحابہ عادل ہیں۔

[2] چلنے سے مراد مطلقًا اس کی ظلم پر مدد دینا ہے خواہ اس کے ساتھ چل کر ہو یا گھر میں بیٹھے بیٹھے پھر خواہ زبان سے ہو یا قلم سے،ظلم کی مدد بہرحال حرام ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوٰنِ"۔فی زمانہ ظالموں سے زیادہ ظالموں کے حمایتی لوگ ہیں خصوصًا ان ظالموں کے وکیل یا ان کی ظالمانہ حرکتوں کے مقدمات کی پیروی کرنے والے،ان کی ضمانت دینے والے،انہیں سزا سے چھڑانے کی کوشش کرنے والے سب ہی ظالم ہیں۔

۳؎ یعنی یہ ظالموں کے حمایتی اسلام کے نور سے نکل گئے یا اسلام کی حقیقت سے خارج ہوگئے کہ حقیقت اسلام یہ ہے کہ لوگ اس کے شر سے سلامت رہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ انہوں نے ایک شخص کو کہتے سنا کہ ظالم صرف اپنے ذات ہی کو نقصان دیتا ہے ا؎ تو جناب ابوہریرہ نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم ۲؎ حتی کہ بٹیریں اپنے گھونسلے میں دبلی ہوکر مرجاتی ہیں ظالم کے ظلم کی وجہ سے ۳؎ ان چاروں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت فرمایا۔	

ا؎ وہ شخص بری نیت سے یہ کہہ رہا تھا،قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کررہا تھا"وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیۡهَا"مگر اس کی نیت نہ تھی کہ ظالموں کے حمائیتیوں کی صفائی بیان کرے کہ وہ گنہگار نہیں ہوئے حالانکہ ظلم کی حمایت بھی ظلم ہے،حضرت ابوہریرہ نے اس کی نیت فاسد کو سمجھ لیا۔

۲؎ یعنی ظلم اپنی لپیٹ میں بہت کو لے لیتا ہے،ظالم کے حمایتی ساتھ میں رگڑ جاتے ہیں کہ وہ بھی ظالم ہی ہوتے ہیں،چور کی مدد کرنے والے مجرم ہیں۔

۳؎ یعنی جب ظلم بڑھ جاتے ہیں تو بارش بند ہوجاتی ہے جس سے چڑیاں حتی کہ بٹیریں بھی بھوکی پیاسی مرجاتی ہیں،بٹیر بہت دورجاکر دانہ پانی حاصل کرلیتی ہیں،بعض ایسی جگہ بٹیروں سے آشیانوں میں سبزی ملی ہے جو سبز جنگل سے تیس چالیس میل دور ہوتے ہیں۔خیال رہے کہ یہ قول درست ہے کہ ظالم اپنے نفس پر ہی ظلم کرتا ہے وہاں اخروی ظلم مراد ہےاور مطلب یہ ہے کہ مظلوم پر ظلم نہیں کرتا اپنے پر کرتا ہے۔شعر

پنداشت ستم گر کہ جفا برما کرد　　　　بر گردن او بماند و برما بگزشت

باب الامر بالمعروف

باب نیک باتوں کا حکم دینا[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] امر کسی کام کے کرنے کا حکم دینا ہے،حکم دینے والے کو آمر کہا جاتا ہے اور جسے حکم دیا جائے وہ مامور ہوتا ہے،جب کہ جس بات کا حکم دیا جائے اسے مامور بہ کہتے ہیں۔حکم دینے والا عمر کے اعتبار سے یا رتبہ و مقام میں مامور سے بڑا ہوتا ہے،یہاں امر سے حکم کے ساتھ دعوت دینا بھی مراد ہے اور لفظ امر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص امر بالمعروف کا فریضہ انجام دے وہ اعمال صالحہ،تقویٰ اور پرہیزگاری میں مامور سے اعلیٰ درجہ پر فائز ہونا چاہیے تاہم اگر ایسا نہ بھی ہو تو اس فریضہ کی ادائیگی سے رکنا نہیں چاہیے۔**المعروف معرفت** سے بنا ہے باب **فعل یفعل** سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔معرفت کا معنی پہچاننا اور معروف وہ شخص،جگہ یا کام جس کی پہچان حاصل ہو،یہاں معروف سے وہ عقائد و اعمال مراد ہیں جو شریعت میں پہچانے جاتے ہیں اور شریعت نے ان کے کرنے کا حکم دیا ہے مثلًا ایمان،نماز روزہ،زکوۃ حج،سچ دیانت وغیرہ۔معروف کے مقابلے میں منکر کا لفظ آتا ہے اور اس سے مراد وہ امور ہیں جن کی شریعت میں پہچان نہیں یعنی شریعت نے ان کے کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ منع فرمایا۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوجاتا ہے کہ قرآن پاک میں امت محمدیہ علی صا حبہا الصلوۃ والسلام کو خیر امت(بہترین امت)قرار دینے کے بعد فرمایا:"تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو۔چونکہ امر بالمعروف منصب رسالت ہے اس لیے جو لوگ اس فریضہ کو انجام دیتے ہیں وہ وارثان انبیاء ہونے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔
امر بالمعروف ہرشخص پر اس کے منصب کے حوالے سے اور حسب استطاعت واجب ہے اس پر قرآن و سنت ناطق ہے اور اجماع امت بھی ہے،یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے جیسے کہ"وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ"اور تم میں ایک ایسا گروہ ہونا چاہیے جو بھلائی کی دعوت دیں نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں**منکم امۃ** کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے لیکن بعض اوقات یہ فرض عین ہوجاتا ہےمثلًا کسی جگہ برائی ہورہی ہو اور ایک آدمی کو اس کا علم ہوکسی دوسرے کو معلوم نہ ہو تو صرف اس پر فرض ہے دوسروں پر نہیں۔نیکی کا حکم دینے والا اپنا فرض ادا کر دے تو بری الذمہ ہوجاتا ہےمخاطب قبول کرے یا نہ۔اگرچہ امر بالمعروف کے لیے ضروری نہیں کہ آمر خود بھی وہ عمل کرے لیکن خود عمل پیرا

ہونے کی صورت میں مخاطب پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں جیساکہ ارشاد خداوندی ہے"لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ"وہ بات کیوں کہتے ہوجس پر خود عمل نہیں کرتے۔امر بالمعروف حکمرانوں،علماء مشائخ بلکہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے اسے صرف ایک طبقہ تک محدودکردینا صحیح نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اگر ہر شخص اس کو اپنی ذمہ داری سمجھے تو معاشرہ نیکیوں کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے[۱] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تم میں سے برا کام دیکھے[۲] تو اسے ہاتھ سے روک دے اگر اس کی طاقت نہیں[۳] رکھتا تو زبان سے اگر اس کی بھی نہیں رکھتا تو دل سے[۴] اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے[۵]۔ (مسلم)

[۱]حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی سعد بن مالک انصاری خدری ہے اور آپ اپنی کنیت ابو سعید خدری کے ساتھ زیادہ مشہور ہیں،آپ ان حفاظ حدیث میں سے ہیں جن کو بہت زیادہ احادیث یاد ہیں،نیز آپ کا شمار بڑے بڑے فضلاء اور عقلاء میں ہوتا ہے،آپ سے صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت نے احادیث روایت کی ہیں،چوراسی سال کی عمر میں ۷۴ھ میں آپ نے وصال فرمایا اور آپ کو جنت البقیع (مدینہ طیبہ) میں سپرد خاک کیا گیا،لفظ خدری میں خاء پر ضمہ ہے اور دال ساکن ہے۔

[۲]رای یری مہموز العین باب فتح یفتح دیکھنا،منکر باب افعال سے اسم مفعول ہے وہ کام جو ازروئے شریعت ناجائز ہو اسے ختم کرنا مراد ہے،استطاعت کسی کام کا آدمی کے بس میں ہونا طاقت مراد ہے۔

[۳]برائی کو بدلنے کے لیے ہر طبقے کو اس کی طاقت کے مطابق ذمہ داری سونپی گئی کیونکہ اسلام میں کسی بھی انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔ارباب اقتدار،اساتذہ،والدین وغیرہ جو اپنے ماتحتوں کو کنٹرول کرسکتے ہیں وہ قانون پر سختی سے عمل کراکے اور مخالفت کی صورت میں سزا دے کر برائی کا خاتمہ کرسکتے ہیں۔
مبلغین اسلام،علماء و مشائخ،ادیب و صحافی اور دیگر ذرائع ابلاغ مثلًا ریڈیو اور ٹی وی وغیرہ سے سبھی لوگ اپنی تقریروں تحریروں بلکہ شعراء اپنی نظموں کے ذریعے برائی کا قلع قمع کریں اور نیکی کوفروغ دیں،بلسانہ کے تحت یہ تمام صورتیں آتی ہیں۔

[۴]اور عام مسلمان جسے اقتدار کی کوئی صورت بھی حاصل نہیں اور نہ ہی وہ تحریر و تقریر کے ذریعے برائی کا خاتمہ کرسکتا ہے وہ دل سے اس برائی کو برا سمجھے اگرچہ یہ ایمان کا کمزور ترین مرتبہ ہے کیونکہ کوشش کرکے زبان سے روکنا چاہیے لیکن دل سے جب برا سمجھے گا تو یقینًا خود برائی کے قریب نہیں جائے گااور اس طرح معاشرے کے بے شمار افراد خودبخود راہ راست پرآجائیں گے۔

۵؎ حدیث شریف سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ جو آدمی برائی کو دل سے بھی برا نہ جانے اسے اپنے آپ کو مؤمنین میں شمار کرنے کا کوئی حق نہیں کیونکہ دل سے برا سمجھنے میں تو کسی کا ڈر نہیں پھر بھی برا نہیں سمجھتا تو معلوم ہوا وہ اس پر راضی ہے۔

	روایت ہے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی حدود میں سستی کرنے والوں ۲؎ اور ان میں گرنے والوں کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جنہوں نے کشتی میں قرعہ ڈالا پس کچھ لوگ اس کے نچلے حصے میں رہے اور کچھ اوپر والے میں نیچے والے پانی لے کر اوپر والوں کے پاس سے گزرے انہیں اسپر تکلیف دی جاتی تو انہوں نے کلہاڑی لی اور کشتی کا نچلہ حصہ توڑنا شروع کردیا فریق ثانی نے آکر کہا کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ کہا کہ میری وجہ سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے اور مجھے پانی کی ضرورت ہے اگر وہ اس کا ہاتھ پکڑ لیں تو اسے بچالیں گے اور اپنی جانوں کو بھی اور اگر چھوڑ دیں تو اسے ہلاک کردیں گے اور اپنی جانوں کو بھی ہلاک کرلیں گے ۳؎ (بخاری)

۱؎ ابوعبداللہ حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ انصاری ہیں،آپ ہجرت کے بعد انصار میں سب سے پہلے پیدا ہونے والے ہیں،رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال نو مہینے تھی،آپ کے والدین بھی صحابی تھے،حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آپ کوفہ کے والی تھے، ۶۴ھ میں آپ کو اہل حمص نے شہید کیا،آپ سے ایک جماعت نے احادیث روایت کیں جن میں آپ کے صاحبزادے محمد اور حضرت امام شعبی (رضی اللہ عنہم) بھی شامل ہیں۔

۲؎ **المدھن** اسم فاعل **مداھنت** سے بنا ہے جس کا معنی فریب کرنا دھوکہ دینا ہے یہاں سستی کرنا مراد ہے۔**حدود** حد کی جمع وہ شرعی سزائیں جو مقرر ہیں۔ **استھمو** جمع مذکر فعل ماضی باب استفعال قرعہ اندازی کی۔**صار یصیر** ہوجانا،باب **ضرب یضرب**،اجوف یائی۔**تاذوا** انہوں نے اذیت پائی،باب تفعل سے فعل ماضی جمع مذکر کا صیغہ ہے اور مہموز الفا ناقص یائی ہے۔**ینقر** باب **نصر ینصر** سے مضارع واحد مذکر کا صیغہ ہے سوراخ کرنا توڑنا۔**اخذوا علی یدیہ** کسی کا ہاتھ روکنا۔**انجوا** باب افعال سے انہوں نے بچایا اور **نجوا** ثلاثی مزید باب تفعیل ہے جو کہ متعدی **اھلك** باب افعال کسی کو ہلاک کرنا یا اس کو ہلاکت کا سبب بتانا اور **ھلك** **نصر** **فتح** **سمع** تینوں طرح آتا ہے اور اس کا معنی ہلاک ہوا دونوں ماضی کے صیغے ہیں۔

۳؎اس حدیث شریف میں ایک مثال کے ذریعہ برائی سے روکنے اور نیکی کا حکم دینے کی اہمیت کوواضح کیا گیا اور بتایا گیا کہ اگر یہ سمجھ کر امر بالمعرف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کردیا جائے کہ برائی کرنے والا خود نقصان اٹھائے گا ہمارا کیا نقصان ہے تو یہ سوچ غلط ہے اس لیے کہ اس کے گناہ کے اثرات تمام معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں اور جس طرح کشتی توڑنے والا اکیلا ہی نہیں ڈوبتا بلکہ وہ سب لوگ ڈوبتے ہیں جوکشتی میں سوار ہیں اسی طرح برائی کرنے والے چند افراد کا یہ جرم تمام معاشرے میں ناسور بن کر پھیلتا ہے۔

روایت ہے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز ایک آدمی کو لایا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا آگ میں اس کی انتڑیاں نکل پڑیں گی۲؎وہ پھرے گا جیسے گدھا چکی کے گرد پھرتا ہے جہنمی اس کے پاس جمع ہوکر کہیں گے اے فلاں کیا بات ہے جب کہ آپ تو ہمیں نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے تھے ؟ کہے گا میں تمہیں نیکی کا حکم دیتا تھا لیکن خود نہیں کرتا تھا تمہیں برائی سے روکتا تھا لیکن خود نہیں رکتا تھا۳؎(متفق علیہ)	

۱؎حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابی،حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں،ان کی والدہ ام ایمن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں ہیں،رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت حضرت اسامہ بن زید کی عمر بیس سال تھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کا وصال ہوا،یہ بھی کہا گیا کہ ۵۴ھ؁ میں آپ نے وصال فرمایا۔ابن عبدالبر کہتے ہیں میرے نزدیک یہ زیادہ صحیح ہے آپ سے ایک جماعت نے روایت کی۔

۲؎تندلق اندلاق سے بنا ہے اس کا معنی کسی چیز کا تیزی سے اپنی جگہ سے نکلنا،اقتاب قتب کی جمع ہے،طحن یطحن باب فتح سے پیسنا۔

۳؎اس حدیث شریف میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے والا خود بھی باعمل ہواور اگر وہ خود اچھے اعمال نہیں کرتا اور برائی سے اجتناب نہیں کرتا تو سزا کا مستحق ہوگا۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ باعمل آدمی کی تبلیغ سے انکار کی گنجائش نہیں ہوتی اور یوں اس کا اپنا عمل دوسروں کے عمل کے لیے ترغیب و تحریص کا کام دیتا ہے لیکن یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اگر کوتاہی یا لاپرواہی کی وجہ سے مبلغ اعمال صالحہ سے کنارہ کشی رکھتا ہے یا نفس و شیطان کے دھوکے میں آکر برائی کا مرتکب ہوتا ہے تو اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے سے ہاتھ نہیں کھینچنا چاہیے بلکہ ساتھ ساتھ اپنی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے[1] کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم ضرور نیک کاموں کا حکم کرنا اور برے کاموں سے منع کرتے رہنا ورنہ قریب ہے[2] کہ اللہ تعالٰی تم پر اپنے پاس سے عذاب بھیج دے گا پھر تم اس سے دعا کرو گے تو تمہاری دعا قبول نہیں کی جائے گی[3] (ترمذی)	

[1] حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رازوں کے امین تھے،آپ سے حضرت عمر بن خطاب،حضرت علی المرتضٰی،حضرت ابوالدرداء اور دیگر صحابہ کرام اور تابعین(رضی اللہ عنہم)نے احادیث روایت کی ہیں،آپ نے ۳۶ھ میں مدائن میں انتقال فرمایا اور آپ کا مزار پر انوار بھی وہیں ہے۔

[2] لیوشکن اوشك سے واحد مذکر غائب لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ کا صیغہ ہے اور یہ افعال مقاربہ میں سے ہے۔

[3] امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری سے پہلو تہی کتنا بڑا جرم ہے۔اس حدیث میں نہایت وضاحت کے ساتھ اس کا بیان کیا گیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا تو تمہیں یہ فریضہ انجام دینا ہوگا یا اللہ تعالٰی کے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس کے بعد اگر دعا بھی کرو گے تو قبول نہ ہوگی۔یہ نہایت سخت قسم کی وعید ہے یعنی جب تک تم اپنی کوتاہی کا ازالہ نہیں کرو گے اور اللہ تعالٰی سے معافی نہیں مانگو گے تمہاری کوئی دعا قبول نہ ہوگی۔اس حدیث میں امر بالمعروف کا ذکر بھی قسم اور تاکیدی صیغوں کے ساتھ ہوا اور عذاب کے ذکر کے لیے بھی تاکیدی صیغہ استعمال کیا گیا جو اس کی اہمیت اور عدم بجا آوری کی صورت میں عذاب کے یقینی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

روایت ہے حضرت عرس بن عمیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ[1] سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب زمین میں گناہ کیا جاوے تو جو وہاں موجود ہو اور وہ اسے ناپسند کرے تو ایسا ہے جیسے وہاں موجود نہیں اور جو موجود نہیں لیکن اس سے راضی ہے تو وہ ایسا ہے جیسے موجود ہو[2] (ابوداؤد)	

۱؎عرس بن عمیرہ،عرس کی عین پر ضمہ اور راء ساکن ہے جب کہ عمیرہ کی عین مفتوح اور میم مکسور ہے۔یہ حضرت عدی بن عمیرہ کے بھائی ہیں،صحابی ہیں،ان سے ان کے بھتیجے عدی بن عمیرہ اور زید بن حارث رضی اللہ تعالٰی عنہم نے احادیث روایت کی ہیں۔
۲؎اس حدیث شریف میں برائی کو دل سے برا جاننے کی اہمیت کا ذکر ہوا کہ اگرچہ ایک شخص برائی کے ارتکاب کے وقت وہاں موجود نہ بھی ہو لیکن اس پر راضی ہو تو گویا وہ موجود تھا اور جو وہاں موجود ہو لیکن اس حرکت کو ناپسند کرے گویا وہ وہاں موجود ہی نہیں۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں گویا حقیقی موجودگی اور عدم موجودگی دل کی ہوتی ہے جسم کی نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ۱؎ نے فرمایا کہ اے لوگو تم یہ آیت پڑھتے ہوا ے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو تم پر اپنی جانوں کا بچانا لازم ہے گمراہ ہونے والا تمہیں کوئی نقصان نہیں دے گا جب کہ تم ہدایت پر ہو۲؎ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ لوگ جب کوئی برا کام دیکھیں اور اس سے نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالٰی ان پر اپنا عذاب بھیج دے۳؎ روایت کیا اسے ابن ماجہ اور ترمذی نے اور اس کو صحیح کہا اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ اگر ظالم کو دیکھیں اور اس کے ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالٰی ان پر اپنا عذاب بھیج دے۴؎ اور اسی کی دوسری روایت میں ہے کہ جس قوم میں ظلم کیے جاتے ہوں اور لوگ انہیں روکنے پر قدرت رکھتے ہو لیکن نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالٰی ان پر عذاب بھیج دے اور اسی کی ایک روایت میں ہے کہ جس قوم میں گناہ کیے جاتے ہوں اور کرنے والوں سے دوسرے لوگ زیادہ ہوں۵؎	

۱؎حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت غیر معروف نہیں،آپ سب سے پہلے ایمان لائے،سفر و حضر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے،آپ کے فضائل و مناقب پر آیات و احادیث کثیر ہ دلالت کرتی ہیں اور آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلیفہ اور مسلمانوں کے پہلے امیر تھے۔

۲؎قرآن کریم کی آیت "اے ایمان والو ! اپنی فکر کرو اگر تم ہدایت پر رہو گے تو گمراہ ہونے والے تمہارا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے" کے حوالے سے بعض لوگ سمجھتے تھے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت نہیں بلکہ آدمی کو اپنی اصلاح کرنا چاہیے دوسروں کے گناہ یا کوتاہیاں اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں۔
۳؎حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مغالطے کو دور کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے حوالے سے بتایا کہ جب لوگ برائی کو دیکھ کر اسے بدلنے کی کوشش نہ کریں تو وہ سب عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں۔
۴؎دوسری روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس تبدیلی کا تعلق طاقت سے ہے یعنی برائی کو بدلنے والے لوگ اس بات کی طاقت رکھنے کے باوجود نہ بدلیں تو وہ بھی عذاب کے مستحق ہوں گے۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت عام اور مطلق نہیں بلکہ مقید اورخاص ہے یعنی جب لوگ تمہاری بات نہ سنیں تو آپ اپنی اصلاح میں مصروف ہوجاؤ اس صورت میں ان کے گناہ کا تم پر کوئی اثر نہ ہوگا۔حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ بات ہمارے دور سے متعلق نہیں اس وقت لوگ نیکی کی بات سنتے اور قبول کرتے ہیں یہ زمانہ بعد میں آئے گا،بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ "جب تم ہدایت پر ہو" کا مطلب یہ ہے کہ تم برائی سے روکو اور وہ نہ مانیں تو اب عذاب عام نہیں ہوگا بلکہ صرف برائی کے مرتکب لوگوں کو ہوگا۔

حضرت جریر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ۱؎ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کسی قوم کا کوئی آدمی ان کے درمیان گناہ کرتا ہو اور وہ اسے روکنے کی طاقت رکھتے ہوں لیکن نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ ان سب پر عذاب بھیجے گا اس سے پہلے کہ وہ مریں۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عمرو ہے اور آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے چالیس دن پہلے اسلام لائے،اس کے بعد کوفہ تشریف لے گئے اور ایک عرصہ دراز کے بعد قرقسیا مقام پر منتقل ہوئے اور ۵۱ھ میں انتقال فرمایا آپ سے بے شمار لوگوں نے احادیث روایت کی ہیں۔
۲؎اس حدیث کا مضمون گزشتہ حدیث کے مطابق ہے اور اس میں اس بات کا اضافہ ہے کہ جس قوم یا جماعت میں کچھ لوگ برائی کے مرتکب ہوں اور وہ قوم ان کو روکنے کی طاقت رکھنے کے باوجود نہ روکے تو وہ بھی عذابِ خداوندی کے مستحق ہوں گے اور یہ عذاب وہ لوگ مرنے سے پہلے دنیا میں ہی دیکھ لیں گے۔حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ برائی کو بدلنے میں کوتاہی کرنا دوسرے جرائم کے مقابلے میں اس لحاظ سے منفرد ہے کہ دوسرے گناہوں کی سزا آخرت میں ملے گی جب کہ اس کوتاہی کی سزا دنیا میں بھی ملے گی اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہوگا۔(اشعۃ اللمعات)اس حدیث کی روشنی میں حکمرانوں کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہیے کہ وہ اقتدار اور طاقت کے باوجود معاشرے سے برائیوں کا قلع قمع نہیں کرتے حالانکہ یہ ان کا فرض ہے۔

حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ [1] نے فرمایا ارشاد باری تعالیٰ تم پر اپنی جانوں کو بچانا لازم ہے گمراہ ہونے والا تمہیں کوئی نقصان نہیں دے گا جب کہ تم ہدایت پر ہو کے متعلق فرمایاخدا کی قسم میں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو فرمایا تم نیکی کا حکم کرتے رہو اور برے کاموں سے روکتے رہو یہاں تک کہ جب دیکھو کہ بخل کی تابعداری کی جارہی ہے خواہشات کی پیروی ہورہی ہے دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے ہر ایک اپنی رائے پر نازاں ہو [2] اور ایسا معاملہ دیکھو کہ چارہ کار کوئی نہ ہو تو تم پر خود کو بچانا لازم ہے [3] اور عوام کو چھوڑ دو کیونکہ پیچھے صبر کے دن ہیں جس نے ان دنوں میں صبر کیا تو گویا چنگاری پکڑی ان دنوں میں عمل کرنے والے کو پچاس آدمیوں کے برابر ثواب ہے جو اسی طرح عمل کرتے ہوں، عرض کی گئی کہ یارسول اللہ ان کے پچاس جتنا ؟ فرمایا کہ تمہارے پچاس آدمیوں جتنا ثواب [4] (ترمذی، ابن ماجہ)	

[1] حضرت ابو ثعلبہ جرھم بن ناشب خشنی رضی اللہ عنہ اپنی کنیت ابو ثعلبہ کے ساتھ زیادہ مشہور ہیں، بیعت رضوان کے موقع پر آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس پر بیعت کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آپ کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ لوگ بھی اسلام لے آئے، حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ شام تشریف لے گئے اور ۷۵ھ میں وہی آپ کا انتقال ہوا۔

[2] **ائتمروا** باب افتعال سے جمع مذکر حاضر امر کا صیغہ ہے، **تناھوا** باب تفاعل سے جمع مذکر حاضر امر کا صیغہ ہے۔ **مطاعًا** باب افعال سے اسم مفعول کا صیغہ، **متبعا** باب افتعال سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، **مؤثرۃ** تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ۔ **اعجاب** کا مطلب اپنی رائے پر اترانا اور تکبر کرنا ہے۔

[3] اس حدیث شریف میں ان مشکل حالات کا ذکر ہے جن میں آدمی کسی سے نیکی کی بات سننا پسند نہیں کرے گا اور نہ ہی کسی کے روکنے سے برائی سے رکے گا کیونکہ لالچ، خواہشات نفسانیہ اور خود پسندی جیسی صفات ذمیمہ نے اسے اندھا اور بہرہ کردیا ہوگا، ان حالات میں اگر کوئی شخص سمجھتا ہے کہ میں ایسے لوگوں کی مجلس میں جانے کے بعد نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے رنگ میں رنگا جاؤں گا تو اس وقت اپنے ایمان کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیے، چونکہ وہ لوگ کوئی بات سننے کو ہی تیار نہیں لہٰذا اب امر بالمعروف سے پہلو تہی قابل مؤاخذہ نہیں ہوگی، یہ

وہ حالات ہوں گے کہ اس ماحول میں عمل کرنے والے کو پچاس عاملین کے برابر ثواب ملے گا اور وہ بھی عام لوگ نہیں بلکہ صحابہ کرام میں سے پچاس مراد ہیں۔

۴؎ اس حدیث سے بعض لوگوں نے استدلال کیا کہ امت کے آخری دور کے لوگوں کو صحابہ کرام پر جزوی فضیلت حاصل ہے لیکن جمہور علماء نے اس کا سخت رد کیا اور فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو شرف صحابیت حاصل ہے اس کا مقابلہ کوئی فضیلت نہیں کرسکتی اور دوسرے لوگ اس اعزاز سے محروم ہیں۔ قوت القلوب میں لکھا ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال پر انوار پر ایک نظر پڑنے سے جو پردے کھلتے ہیں اور ان کا کام بنتا ہے وہ دوسروں کی سالہاسال کی محنت سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔(اشعۃ اللمعات)

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد ہمارے درمیان خطبہ دینے کھڑے ہوئے پس آپ نے قیامت تک ہونے والی کوئی خبر نہ چھوڑی ا؎ مگر اس کا ذکر کردیا یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا،اسی میں آپ نے فرمایا بے شک دنیا میٹھی اور سرسبز ہے اور اللہ تعالی اس کی تم کو خلافت دینے والا ہے پس دیکھتا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ خبردار! دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو اور ذکر فرمایا کہ قیامت کے روز ہر دغا باز۲؎ کے لیے اس کی دنیاوی دغا بازی کے مطابق جھنڈا ہوگا اور حاکم کی عام دغا بازی سے بڑھ کر کوئی دغا بازی نہیں اس کا جھنڈا اس کے پاخانے کی جگہ کے پاس گاڑا جائے گا،فرمایا کہ تم میں سے کسی کو لوگوں کا خوف حق بات کہنے سے نہ روکے جب کہ اسے معلوم ہو،ایک روایت میں ہے کہ اگر برا کام دیکھے تو اسے روکے،پس حضرت ابو سعید رو پڑے اور فرمایا ہم اسے دیکھتے ہیں اور لوگوں کی ہیبت ہمیں اس کے متعلق بولنے سے روکتی ہے پھر فرمایا کہ آدمی مختلف درجوں کے پیدا کیے گئے ہیں بعض وہ ہیں جو مؤمن پیدا ہوتے ہیں مؤمن ہی زندہ رہتے ہیں اور مؤمن مرتے ہیں اور ان میں سے بعض کافر پیدا ہوتے ہیں کافر زندہ رہتے ہیں اور کافر ہی مرتے ہیں اور ان میں سے بعض مؤمن پیدا

	ہوتے مؤمن زندہ رہتے اور کافر مرتے ہیں اور ان میں سے بعض کافر پیدا ہوتے کافر زندہ رہتے اور مؤمن مرتے ہیں،راوی کا بیان ہے کہ آپ نے غصے کا ذکر فرمایا کہ ان میں سے بعض کو جلد غصہ آتا اور جلد چلا جاتا ہے پس ایک دوسرے کے ساتھ ہے ان میں سے بعض کو دیر سے غصہ آتا اور دیر سے جاتا ہے پس ایک دوسرے کے ساتھ ہے تم میں سے بہتر وہ ہیں جن کو دیر سے غصہ آئے اور جلد چلا جائے اور تم میں سے برے وہ ہیں جن کو جلدی غصہ آئے[3] اور دیر سے جائے[4] فرمایا کہ غصے سے بچو کیونکہ یہ آدمی کے دل پر چنگاری ہے کیا تم اس کی رگوں کے پھولنے[5] اور آنکھوں کے سرخ ہونے کو نہیں دیکھتے جس کو غصہ محسوس ہو تو چاہیے کہ لیٹ جائے اور زمین سے چمٹ جائے،راوی کا بیان ہے کہ آپ نے قرض کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تم میں سے کوئی اچھی طرح ادا کردیتا ہے لیکن جب اس کا کسی پر ہو تو لینے میں سختی کرتا ہے دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں ان میں سے کوئی ادا کرنے میں برا ہے لیکن اگر اس کا کسی پر ہو تو طلب میں اچھا ہے یہ ایک عادت دوسری کے ساتھ ہے اور تم میں سے بہتر وہ ہے کہ جب اس پر کسی کا قرض ہو تو اچھی طرح ادا کرے اور اس کا کسی پر ہو تو اچھی طرح طلب کرے اور تم میں سے برا وہ ہے کہ جب اس پر کسی کا قرض ہو تو بری طرح ادا کرے اور اس کا کسی پر ہو تو سختی سے طلب کرے خواہ سورج درختوں کی چوٹیوں اور دیواروں کے کناروں پر ہو[6] نیز فرمایا کہ دنیا کی زندگی میں سے گزرے ہوئے وقت کے مقابلے میں نہیں باقی رہا مگر اتنا حصہ جتنا آج گزرے ہوئے وقت سے باقی رہ گیا ہے۔(ترمذی)

۱؎لم یدع ودع یدع سے نفی جحد بلم کا صیغہ ہے،مثال واوی باب فتح یفتح ہے مستخلف باب استفعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے باب افعال کے معنی میں ہے۔

۲؎غادر غدر سے اسم فاعل ہے دھوکہ باز کو کہتے ہیں است سرین کو کہتے ہیں۔

۳؎سریع الفی جس کا غصہ جلدی اتر جائے۔

۴؎بطئی الفی جس کا غصہ دیر سے اترے،بطوء تاخیر کو کہتے ہیں۔

۵؎اوداج ودج کی جمع ہے رگیں انتفاخ پھولنا۔

۶؎حیطان حائطه کی جمع دیواریں باغ کو بھی حائط کہتے ہیں اس طویل حدیث میں کئی مسائل بیان ہوئے ہیں جن کی تفصیل یوں ہے۔(۱)رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں قیامت تک پیش آنے والے مسائل سے متعلق مکمل احکام ذکر فرمائے جو آپ کا معجزہ ہے ورنہ اتنے مختصر وقت میں اور پھر مستقبل کے واقعات کا بیان ممکن نہیں۔(۲)دنیا میٹھی اور سرسبز ہے ہر شخص اسے حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ایک آزمائش ہوتی ہے کہ آیا دولت و اقتدار حاصل ہونے کے بعد انسان احکام خداوندی سے روگردانی کرتا ہے یا ان کی تعمیل لہذا اس آزمائش میں ناکامی کے خوف سے کوشش کی جائے کہ دنیا اور عورتوں کے فتنوں سے دور رہیں۔(۳)دنیا میں جو بھی شخص دھوکہ بازی اور خیانت کرے گا قیامت کے دن سب کے سامنے ذلیل و رسوا ہوگا،حکمرانوں اور بڑے بڑے افسروں کو خاص طور پر اس بات کا خیال رکھنا چاہیے۔(۴)کلمہ حق کہنے میں کسی کا خوف آڑے نہیں آنا چاہیے ورنہ معاشرتی نظام تباہ و برباد ہوجائے گا۔(۵)خاتمے کے بارے میں فکر مند رہنا چاہیے اور ہر وقت حسن خاتمہ کی دعا مانگتے رہنا چاہیے۔(۶)دنیا میں وہی انسان سب سے اچھا ہے جس کو غصہ دیر سے آئے اور جلد چلا جائے اور وہ شخص سب سے برا ہے جسے جلدی غصہ آئے اور دیر سے جائے۔(۷)غصے سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ یہ ایک ایسی آگ ہے جو سب کچھ جلاکر راکھ کردے گی۔(۸)قرض کے سلسلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو سب سے اچھا قرار دیا جو قرض دے تو اچھی طرح واپس مانگے اور قرض لے تو اچھے طریقے سے ادا کرے،جب کہ وہ شخص جو طلب میں بدکلامی کا مظاہرہ کرے اور کسی کا قرض دینا ہوتو اچھے طریقے سے ادا نہ کرے وہ سب سے برا آدمی ہے۔

(۹)نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا جس طرح اب سورج کے غروب ہونے میں تھوڑا سا وقت باقی ہے اسی طرح قیامت بھی بالکل قریب ہے لہذا اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

ابوالبختری۱؎نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ہلاک نہیں کیے جائیں گے یہاں تک کہ اپنے آپ کو معذور بنائیں۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ حضرت ابو البختری(باء پر فتحہ اور خاء ساکن)تابعی ہیں اور کوفہ سے تعلق رکھتے ہیں،آپ کا اسم گرامی سعید بن فیروز ہے،آپ نے رؤیت ہلال کے سلسلے میں بھی حدیث روایت کی ہے۔

۲؎ یعذروا اعذار سے مضارع معروف جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے گناہوں اور عیبوں کا زیادہ ہونا،اعذار کا معنی عذر کا سبب ہونا اور اس کا ازالہ بھی ہے یعنی جب کسی شخص کے گناہ اور عیب زیادہ ہوجائیں اور اب وہ اللہ تعالٰی کی طرف سے سزا اور بندوں کی طرف سے نہی عن المنکر کا مستحق ہوجائے اور کوئی بہانہ نہ کرسکے۔اعذار کا معنی صاحب عذر بھی ہوسکتا ہے یعنی وہ گناہ کرکے اس کی مختلف فاسد تاویلیں کریں گے عذر پیش نہ کریں گے۔بعض روایات میں یعذروا(یا پر فتح کے ساتھ)بھی آتا ہے گویا وہ اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے اس بات سے معذور ہیں کہ ان کو جھڑکا جائے اور منع کیا جائے۔

عدی ابن عدی الکندی ۱؎ کا بیان ہے کہ ہمارے مولٰی نے ہم سے حدیث بیان کی کہ اس نے میرے جد امجد سے سنا فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالٰی عام لوگوں کو خاص لوگوں کے عمل کے باعث عذاب نہیں دیتا ۲؎ یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان برے کام ہوتے ہوئے دیکھیں اور اسے روکنے کی طاقت رکھتے ہوں لیکن نہ روکیں اگر انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالٰی عام اور خاص سب کو عذاب دے گا ۳؎(شرح السنہ)	

۱؎ عدی ابن عدی الکندی(الکندی کاف کے کسرہ سے ہے)ایک یمنی قبیلہ کندہ کی طرف منسوب ہیں،آپ تابعی فقیہ ہیں،آپ کے والد عدی بن عمیرہ اور چچا عرس بن عمیرہ رضی اللہ عنہما دونوں صحابی ہیں،آپ نے ان دونوں سے احادیث روایت کی ہیں اور آپ سے حضرت ایوب اور عطا خراسانی وغیرہما نے احادیث روایت کی ہیں۔

۲؎ العامة عام لوگ،الخاصة قوم کے بعض افراد،بین ظھرینھم ان کے سامنے۔اس حدیث میں اس بات کی وضاحت ہے کہ جب کسی قوم میں سے کچھ افراد برائی کا ارتکاب کریں تو اس کا عذاب صرف انہی کو ہوگا قوم کے دوسرے افراد کو نہیں کیونکہ ارشاد خداوندی ہے"وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

۳؎ البتہ جب ان کے سامنے برائی ہورہی ہو اور وہ روکنے پر قادر ہونے کے باوجود ان کو نہ روکیں تو اب سب کو عذاب ہوگا اور یہ ارشاد خداوندی کے خلاف نہیں ہے کیونکہ گناہ کرنے والوں کو ان کے عمل کی سزا ملے گی اور دوسرے اس لیے سزا کے مستحق ہوئے کہ انہوں نے برائی کو روکنے سے متعلق اپنی ذمہ داری کو پورا نہ کرکے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ا؎ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بنی اسرائیل گناہوں میں پڑے تو ان کے علماء نے انہیں روکا لیکن وہ باز نہ آئے پس علماء ان کی مجالس میں شامل ہوتے رہے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے پس اللہ تعالیٰ نے بعض کے دلوں کو دوسرے بعض کے دلوں سے ملادیاپس ان پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی زبانی لعنت فرمائی یہ اس لیے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے گزرتے تھے،راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے یہاں تک کہ تم انہیں ظلم سے پوری طرح روک لو ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد)اور ایک روایت میں فرمایا خدا کی قسم تم ضرور نیک کاموں کا حکم دو گے.برے کاموں سے منع کرو گے ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اسے حق کی طرف کھینچ لو گے اور اسے مجبور کردو گے کہ اپنے حق پر ہی رہے ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے بعض دلوں کو دوسرے بعض دلوں سے ملادے گا پھر تم پر لعنت کرے گا جیسے دوسروں پر لعنت کی تھی ۳؎

ا؎ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معروف صحابی ہیں،آپ کی کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے،کہا جاتا ہے کہ آپ اسلام لانے والوں میں چھٹے نمبر پر ہیں،رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواص میں سے تھے،آپ کے نعلین مبارک اور مسواک مبارک کے امین اور آپ کے راز دار تھے،آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی،غزوہ بدر میں بھی شریک ہوئے،بے شمار احادیث کی روایت سے مشرف ہوئے ۳۲ھ میں آپ کا وصال ہوا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے،آپ سے حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق حضرت علی المرتضی اور دیگر صحابہ کرام اور تابعین (رضی اللہ عنہم) نے احادیث روایت کی ہیں۔

۲؎ **فجالسوھم** ان کے ہم پیالہ وہم نوالہ ہوگئے **اکلوھم**،**جالسوھم**،**شاربوھم** تمام صیغے باب مفاعلہ سے جمع مذکر غائب ماضی کے صیغے ہیں اور **ھم** ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے۔باب مفاعلہ فعل میں شراکت کا تقاضا کرتا ہے گویا ان کا کھانے پینے اور مجلس میں اشتراک تھا،اطر یاطر باب **ضرب** اور **نصر** دونوں سے آتا ہے۔کسی چیز کو توڑ دینا ہے اور دوہرا کرنا۔اس حدیث شریف میں بنی اسرائیل کے علماء کا کردار ذکر کرنے کے بعد اس راستے پر چلنے

سے روکا گیا بتایا گیا کہ بنی اسرائیل کے علماء نے اپنی قوم کو برائی سے منع کیا جب وہ باز نہ آئے تو بجائے اس کے کہ وہ ان کا بائیکاٹ کرکے ان کو برائی چھوڑنے پر مجبور کرتے خود ان کے ہم مجلس اور ہم پیالہ وہم نوالہ ہوگئے اور ان کے دل ایک جیسے ہوگئے جس کی بنیاد پر وہ لعنت کے مستحق ہوئے۔
۳؎سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے ارباب اختیار اور علماء کو متنبہ کیا کہ تمہیں اس طریقہ کار سے بچنا ہوگا اور برائی کا ارتکاب کرنے والوں کا ہاتھ روکنا ہوگا،منافقت و مداہنت سے کام لینے کے بجائے غیرت ایمانی کا مظاہرہ کرنا اور امربالمعروف و نہی عن المنکر سے متعلق اپنی ذمہ داری کو پورا کرنا ہوگا ظالم کا ہاتھ روک کر اسے راہِ حق پر لانا ہوگا ورنہ تم بھی بنی اسرائیل کی طرح لعنت کے مستحق ہوجاؤگے۔

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ا؎سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معراج کی رات میں نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ انکے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون ہیں ؟کہا کہ یہ آپ کی امت کے واعظ ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں لیکن اپنی جانوں کو بھلا دیتے ہیں۲؎روایت کیا اسے شرح السنہ نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں،دوسری روایت میں کہاآپ کی امت کے خطیب جو دوسروں سے کہتے ہیں لیکن خود نہیں کرتے اور اللہ کی کتاب کو پڑھتے ہیں لیکن عمل نہیں کرتے۔

ا؎حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے آپ کی کنیت ابو حمزہ خزرجی تھی،آپ کی والدہ کا نام سلیم بنت ملحان تھا،رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال تھی،خلافت فاروقی میں آپ بصرہ منتقل ہوگئے وہاں آپ لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیتے رہے،آپ نے ۹۱ھ؁ میں ایک سو تین سال یا ننانوے سال کی عمر میں وفات پائی۔اور آپ بصرہ میں انتقال کرنے والے آخری صحابی تھے،مقاریض مقراض کی جمع(اسم آلہ)قینچیاں۔
۲؎شبِ معراج رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف لوگ مختلف سزاؤں میں مبتلا دکھائے گئے تاکہ آپ اپنی امت کو آگاہ فرمائیں کہ فلاں فلاں جرم کی فلاں فلاں سزا میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھی اور یوں لوگ اجتناب کی راہ اختیار کریں گے،چونکہ واعظین اور خطباء اپنی زبانوں سے لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں اس لیے خطباء کی زبانیں آگ کی قینچیوں سے کٹتی ہوئی دکھائی گئیں اور واضح کیا گیا کہ دوسرے کو تبلیغ کرکے خود عمل نہ کرنے والے سزا کے مستحق ہیں اور یہ زبانیں اس قابل ہیں کہ ان کو یہ سزا دی جائے۔

	روایت ہے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہ ا؎ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاآسمان سے روٹی

	اور گوشت والا دسترخوان نازل ہوا ۲؎اور حکم دیا گیا کہ خیانت نہ کرنا اور کل کے لیے جمع کرنا پس انہوں نے خیانت کی اور اگلے روز کے لیے اٹھا کر رکھ لیتے پس وہ بندروں اور خنزیروں کی شکل میں تبدیل کردیئے گئے ۳؎(ترمذی)۴؎

۱؎حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہماحضرت یاسر بن عامر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے،دونوں باپ بیٹا ابتدائی دور میں اسلام لائے اور اسلام لانے کی پاداش میں بڑی سختیاں جھیلیں،آپ کو کفار نے انگاروں پر لٹایا پانی میں غوطے دیئے اور طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا کیا لیکن آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی، ۳۶ھ؁ میں آپ نے اکانوے برس میں جنگ صفین میں شہادت پائی۔

۲؎المائدہ امام راغب فرماتے ہیں اس تھال کو کہا جاتا ہے جس میں کھانا کھاتے ہیں لیکن دسترخوان اور کھانے دونوں استعمال ہوتا ہے یہاں کھانا مراد ہے۔

۳؎حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم پر روٹی اور گوشت آسمان سے نازل ہوا لیکن ان کو ذخیرہ کرنے اور دوسرے دن کے لیے بچاکر رکھنے سے منع یا گیا تھا اور جب انہوں نے اس حکم کی پابندی نہ کی تو انکی شکلیں بگاڑ دی گئیں گویا اللہ تعالٰی کی نافرمانی کرنے والے اتنی بڑی سزا کے مستحق ہیں یہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے کہ یہ امت دن رات حکم خداوندی سے منہ پھیرتی ہے لیکن شکل بگڑنے کے عذاب سے محفوظ ہے۔

۴؎اس حدیث کو اس باب میں لانے کا مطلب یہ ہے کہ امر بالمعروف کرنے والا اپنی ذمہ داری کو پورا کرتا ہے اور جن لوگوں کو برائی سے روکا گیا وہ عمل نہ کریں تو سزا کے مستحق ہوں گے جیسے ان لوگوں کو دوسرے دن کے لیے ذخیرہ کرنے سے منع کیاگیا لیکن جب انہوں نے اطاعت نہ کی تو ان کو سخت سزا دی گئی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ۱؎ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاآخری زمانہ میں میری امت کو اپنے حکمرانوں سے سخت تکلیفیں۲؎ پہنچیں گی ان سے نجات نہیں پائے گا مگر وہ شخص جس نے اللہ کے دین کو پہچانا اور اس پر اپنی زبان،ہاتھ اور دل کے ساتھ جہاد کیا یہ وہ شخص ہے جو پوری طرح سبقت لے گیا۳؎دوسرا وہ آدمی جس نے اللہ کے دین کو پہچانا اور اس کی تصدیق کی،تیسرا وہ آدمی جس نے اللہ کے دین

کو پہچانا اور اس پر خاموش رہااگر کسی کو نیکی کرتے دیکھا تو اس سے محبت کرنے لگا اور اگر کسی کو غلط کام کرتے دیکھا تو اس سے ناخوش رہایہ سب اپنی اندرونی حالت کے باعث نجات پاجائیں گے[۴] (بیہقی)	

[۱] حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابی اور خلفاء راشدین میں سے ہیں،آپ کا اسلام قبول کرنا ایک تاریخی واقعہ ہے،آپ کو بارگاہ خداوندی سے مانگا گیا تھا،رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے ایمان کے لیے دعا کی اور جب آپ ایمان لائے تو مسلمان بہانگ دھل اسلام کا اعلان کرتے اور نماز پڑھتے،آپ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ اور مسلمانوں کی ماں تھیں،آپ کا نظامِ حکومت اور عدل ضرب المثل ہے،آپ پر ۲۸ ذوالحج بدھ کی صبح نماز کے وقت ایک بدبخت نے قاتلانہ حملہ کیا اور اتوار کے دن آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا گیا یہ واقعہ ۲۳ ہجر ی کا ہےاور اس وقت آپ کی عمر۶۳سال تھی۔شدائدشدت کی جمع ہے سختیاں،مصائب۔

[۳] السوابق سابقة کی جمع ہے،سبقت کے معنی آگے بڑھنا۔

[۴] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے دور کی خبر دی کہ جب حکمران دنیوی لالچ اور خواہشات کا شکار ہوکر اپنی رعایا پر ظلم و زیادتی کریں گے تو اس وقت تین قسم کے لوگ ہوں گے:ایک وہ جو سب سے آگے بڑھنے والے سبقت لے جانے والے جو اپنی زبان اور ہاتھ سے ان ظالموں کے خلاف جہاد کریں گے۔دوسرے وہ جن کو دین کی پہچان حاصل ہوگی اور وہ اس کی تصدیق کریں گےاور دین کا اظہار کریں گے لیکن ہاتھ سے نہیں روک سکیں گے۔جب کہ تیسرے قسم کے لوگ دین کی پہچان رکھتے ہوں گے اور زبان سے خاموش رہیں گے،اچھی بات دیکھ کر پسندکریں گے اور برائی اور باطل کے مرتکبین کو دیکھ کر ناپسند کریں گے تو یہ تین قسم کے لوگ نجات پانے والے ہوں گے جب کہ وہ لوگ جواس برائی کو دورکرنا تو درکنار دل سے بھی برا نہیں جانیں گے وہ گویا ان ظالموں کے ساتھ ظلم میں شریک ہوں گے اوریوں وہ عذاب کے مستحق ہوں گے۔

روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ [۱] سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایااللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف وحی کی فلاں بستی کو اس کے باشندون پر الٹا دو[۲] عرض گزار ہوئے کہ اے رب اس میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے آنکھ جھپکنے کی دیر بھی تیری نافرمانی نہیں کی فرمایا کہ اس پر اور دوسرے سب پر الٹا دو کیونکہ میری خاطر اس کا چہرہ ایک ساعت کے لیے بھی متغیر نہیں ہوا تھا[۳] (بیہقی)	

۱؎حضرت ابو عبداللہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ انصاری سلمی تھے،آپ معروف صحابہ کرام میں شامل ہیں اور آپ سے مروی روایات بہت زیادہ ہیں،غزوہ بدر اور اس کے بعد اٹھارہ غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شرکت کی آپ نے چورانوے سال کی عمر میں ۷۴ھ؁ مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا،ایک قول کے مطابق مدینہ طیبہ میں سب سے آخر میں فوت ہونے والے صحابی آپ ہی ہیں۔

۲؎**قلب یقلب** باب ضرب یضرب سے ہے،اس کا معنی ہے کسی چیز کو الٹ دینا اور پھیر دینا اس سے **اقلب** امر کا صیغہ ہے۔**تمعر یتمعر تمعرا** باب تفعل ہے،غصے کی وجہ سے چہرے کا رنگ بدل جانا۔

۳؎اس حدیث شریف سے واضح ہوتا ہے کہ جہاں اعمال صالحہ سے تعلق اور برائیوں سے اجتناب ضروری ہے وہاں دین و ملت کے خلاف سازشوں اور مسلمانوں پر ظلم و ستم،نیز معاشرتی بگاڑ کی وجہ سے پریشان ہونا بھی ایمان کا تقاضا ہے۔جو لوگ اللہ تعالٰی کی رضا جوئی کی خاطر معاشرتی برائیوں کے ازالے کے لیے کوشاں نہیں رہتے اور عدم طاقت کی صورت میں اس پر پریشان بھی نہیں ہوتے ان کا تقویٰ کس کام کا لہٰذا اپنی اصلاح اور عبادت خداوندی میں مشغولیت کے ساتھ ساتھ ملک و ملت اور مسلمانان عالم کی زبوں حالی کے خاتمے اور معاشرے کو غیر شریک حرکات و سکنات سے پاک کرنے کے لیے کوشاں رہنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز اللہ تعالٰی بندے سے پوچھتے ہوئے فرمائے گا تجھے کیا ہوگیا تھا کہ تو برائی کو دیکھتے تھا لیکن اس سے منع نہیں کرتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے حجت سکھادی جائے گی۱؎ لہٰذا عرض کرے گا اے رب لوگوں سے ڈرتے ہوئے اور تجھ سے امید رکھتے ہوئے ان تینوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۲؎	

۱؎**فیلقی تلقیہ** باب تفعیل سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے،کسی بات کا دل میں ڈالنا **تلقیۃ** کہلاتا ہے،**رجوت نصر ینصر** سے واحد متکلم فعل ماضی کا صیغہ ہے میں نے امید کی۔

۲؎اس حدیث شریف میں ان لوگوں پر اللہ تعالٰی کی خاص رحمت کے نزول کا ذکر ہے جو برائی سے نفرت کرتے ہیں اور دل سے چاہتے ہیں کہ اس کا قلع قمع کیا جائے لیکن بدمعاشوں کی بدمعاشی ان کے آڑے آتی ہے اور وہ برائی کو دل سے برا سمجھتے ہوئے عملًا اسے ختم نہیں کرسکتے۔قیامت کا دن اتنا ہولناک ہوگا کہ انسان کو جو بات یاد ہوگی وہ بھی بھول جائے گا لیکن برائی سے نفرت کرنے والے لوگوں پر اللہ تعالٰی کی اس قدر رحمت ہوگی کہ وہ خود ان کو جواب سکھادے گا لیکن یہ ان ہی لوگوں کا حصہ ہے جو برائی کے خلاف آواز کسی مجبوری کے تحت بلند نہیں کرسکتے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱؎ سے روایت	

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے نیکی اور بدی دونوں قیامت کے روز لوگوں کے لیے کھڑی کی جائیں گی نیکی اپنے کرنے والوں کو خوشخبری سنائے گی اور ان سے بھلائی کا وعدہ کرے گی جب کہ برائی کہے گی کہ دور ہوجاؤ اور ان میں طاقت نہیں ہوگی مگر اس کے ساتھ چمٹنے کی،اسے احمد اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۲۔	

۱؎حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی عبداللہ بن قیس ہے،آپ مکہ مکرمہ میں مشرف باسلام ہوئے،وہاں سے حبشہ کی طرف ہجرت کی،پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیبر میں حاضر ہوئے،حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ۲۰ھ میں آپ کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا،چنانچہ آپ نے اہواز کا علاقہ فتح کیا،حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں آپ کوفہ منتقل ہوئے،حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور وہیں ۵۲ھ میں وصال فرمایا۔

۲؎خلیقتان مخلوقتان(دو پیدا کی ہوئی چیزیں)لزوم کسی چیز کا کسی سے چمٹ جانا لازم ہوجانا۔اس حدیث شریف میں ثواب و عقاب کی حقانیت کو واضح کیا گیا کہ نیکی اور برائی دنیا میں ہی ختم نہیں ہوجائے گی بلکہ قیامت کے دن ان کا بدلہ(اچھا یا برا)ملے گا،نیکی جس طرح دنیا میں قلبی سرور کا باعث ہوتی ہے قیامت کے دن بھی خوشی کا باعث بنے گی اور برائی جس طرح دنیا میں دل کی پریشانی کا سبب ہوتی ہے قیامت کے دن بھی پریشانی کا موجب ہوگی اور یہ بھی بتایا گیا کہ برائی کا مرتکب شخص اس قدر ناپسندیدہ ہوگا کہ خود بھی اسے اپنے آپ سے دور کرے گی لیکن وہ دور نہیں ہوسکے گا۔اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انسانی اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں بندہ صرف کسب کرتا ہے۔